

# معارف القرآن

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ  
مفتی اعظم پاکستان

مکتبہ معارف القرآن کراچی

(Quranic Studies Publishers)

Karachi - Pakistan.

معارف القرآن



## فہرست مضامین معارف لہستان جلد ششم

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۵۳	آیات ۸۲ تا ۸۴ مع خلاصہ تفسیر		سورۃ مکریم پ
۵۵	آیات ۸۳ تا ۸۴ مع خلاصہ تفسیر	۱۲	سورۃ مریم آیات ۱ تا ۷
۵۷	آیات ۸۸ تا ۹۰	۱۵	آیات ۸ تا ۱۵ مع خلاصہ تفسیر
۵۸	آیت ۹۸ مع خلاصہ تفسیر	۱۷	وہابیہ میں اپنی حاجتمندی کا اظہار مستحب ہے
۶۱	سورۃ طہ پ	۱۸	انبیاء کے مال میں وراثت نہیں چلتی
۶۳	آیات ۸ تا ۱۵ مع خلاصہ تفسیر	۱۹	آیات ۱۶ تا ۱۹
۶۴	ظہ کی تفسیر میں علمائے تفسیر کے اقوال	۲۰	آیات ۲۰ تا ۲۱ مع خلاصہ تفسیر
۶۶	آیات ۱۳ تا ۱۴	۲۲	آیات ۲۲ تا ۲۶ مع خلاصہ تفسیر
۶۷	آیات ۱۵ تا ۱۶ مع خلاصہ تفسیر	۲۳	تمنائے موت کا حکم
۶۹	آیات ۱۷ تا ۱۸ مع خلاصہ تفسیر	۲۴	سکوت کا روزہ شریعت اسلامیہ میں منسوخ ہو گیا
۷۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ کا کلام لفظی	۲۵	بغیر مرد کے تنہا عورت کے بچہ پیدا ہونا خلاف عقل نہیں
۷۱	بلا واسطہ سنا۔	۲۶	آیات ۲۷ تا ۳۳ مع خلاصہ تفسیر
۷۲	مقام ادب میں جوتے اتار دینا ادب کا مقتضا ہے	۲۷	آیات ۳۴ تا ۴۰ مع خلاصہ تفسیر
۷۳	ایمک بالوادی المقدس طوسی	۲۸	آیات ۴۱ تا ۴۳
۷۴	فترآن سننے کے آداب	۲۹	آیات ۴۴ تا ۵۰ مع خلاصہ تفسیر
۷۵	آیات ۴ تا ۲۴	۳۰	صدق کی تعریف
۷۶	خلاصہ تفسیر و معارف و مسائل	۳۱	اپنے بڑوں کو نصیحت کرنے کا طریقہ اور اسکے آداب
۷۷	آیات ۲۵ تا ۳۶ مع خلاصہ تفسیر	۳۲	کیا کسی کافر کے لئے استغفار کرنا شرعاً ممنوع ہے؟
۷۸	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعائیں	۳۳	آیات ۵ تا ۵۷
۷۹	صالح رفقاء ذکر و عبادت میں بھی مددگار ہوتے ہیں	۳۴	آیت ۵۸ مع خلاصہ تفسیر
۸۰	آیات ۳۷ تا ۳۸ مع خلاصہ تفسیر	۳۵	ایمان و وعدہ کی اہمیت اور اس کا درجہ
۸۱	کیا وحی کسی غیر نبی در رسول کی طرف بھی آ سکتی ہے؟	۳۶	مصلح کا فرض ہے کہ اصلاح کا کام اپنے اہل و
۸۲	اُمّ موسیٰ علیہ السلام کا نام	۳۷	عیال سے شروع کرے۔
۸۳	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مفصل قصہ	۳۸	رسول اور نبی کی تعریف میں فرق اور باہمی نسبت
۸۴	مذکورۃ الصدقہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حاصل شدہ	۳۹	آیات ۵۹ تا ۶۳
۸۵	سناج و عبر اور فوائد مجملہ	۴۰	نماز بے وقت یا بلا جماعت بڑھنا
۸۶	فرعون کی احمقانہ تدبیر اور اس پر قدرت حق کا	۴۱	آیات ۶۴ تا ۷۲ مع خلاصہ تفسیر
۸۷	حیرت انگیز ردِ عمل	۴۲	شانِ نزول
۸۸		۴۳	معارف و مسائل
۸۹		۴۴	آیات ۷۳ تا ۷۶ مع خلاصہ تفسیر
۹۰		۴۵	



۱۱۹	جادو کی حقیقت اور اس کے اقسام اور شرعی احکام	۱۰۴	موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر معجزانہ انعام اور
۱۲۰	آیت ۶۰ تا ۶۸		فرعونی تدبیر کا ایک اور انتقام
۱۲۱	آیت ۶۹ تا ۷۵	۱۰۵	صنعتکاروں اور تاجروں وغیرہ کیلئے ایک بشارت
۱۲۳	آیت ۷۶ مع خلاصہ تفسیر		اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کو ایک محبوبیت کی
۱۲۵	موسیٰ علیہ السلام کا جادو گروں کو پیغمبرانہ خطاب	۱۰۶	شان عطا ہوتی ہے کہ ہر دیکھنے والا ان کی محبت کرتا ہے۔
۱۲۶	فرعونی جادو گروں کا مسلمان ہو کر سجدہ میں پڑ جانا		فرعون کا فر شخص کا قتل جو موسیٰ علیہ السلام کے
۱۲۷	اہلیہ فرعون آسیہ کا انجام خیر		ہاتھ ہو گیا اس کو خطا کس بنا پر قرار دیا گیا؟
۱۲۸	فرعونی جادو گروں میں عجیب انقلاب		ضعیفوں کی امداد اور خدمت خلق دین و دنیا کے
۱۲۹	آیت ۷۷ تا ۸۱		لئے نافع اور مفید ہے۔
۱۳۰	آیت ۸۲ مع خلاصہ تفسیر		دو پیغمبروں میں اجیر اور آجر کا معاملہ اور اس کی
۱۳۱	مصر سے نکلنے کے وقت بنی اسرائیل کے بعض حالات		حکمتیں اور فوائد عجیبہ۔
۱۳۲	اور ان کی اور شکر فرعون کی تعداد	۱۰۷	کسی کو کوئی عہدہ اور ملازمت سپرد کرنے کا بہترین دستور
۱۳۳	آیت ۸۳ تا ۸۹		ساحروں اور پیغمبروں کے معاملات میں کھلا ہوا فرق
۱۳۴	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عجلت کرنے کا سوال اور اس کی حکمت	۱۰۸	فرعونی جادو گروں کے جادو کی حقیقت
۱۳۵	سامری کون تھا؟		قبائلی تقسیم معاشرتی معاملات کی حد تک کوئی
۱۳۶	کفار کا مال کس صورت میں مسلمان کے لئے حلال ہے؟		مذموم عمل نہیں
۱۳۷	آیت ۹۰ تا ۹۴	۱۰۹	جماعتی انتظام کیلئے خلیفہ اور نائب بنانا
۱۳۸	دو پیغمبروں میں اختلاف رائے		مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ سے بچنے کے لئے
۱۳۹	آیت ۹۵ تا ۹۸		بڑی بڑی بُرائی کو برداشت کیا جاسکتا ہے۔
۱۴۰	سامری کی سزا میں ایک لطیفہ		پیغمبرانہ دعوت کا ایک اہم اصول
۱۴۱	آیت ۹۹ تا ۱۰۸	۱۱۰	آیات ۴۵ تا ۵۰
۱۴۲	آیت ۱۰۹ تا ۱۱۴ مع خلاصہ تفسیر	۱۱۱	خلاصہ تفسیر و معارف و مسائل
۱۴۳	ربط آیات		حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خوف کیوں ہوا؟
۱۴۴	آیت ۱۱۵ تا ۱۲۰	۱۱۳	موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت ایمان کے
۱۴۵	آیت ۱۲۱ تا ۱۲۷ مع خلاصہ تفسیر		ساتھ اپنی قوم کو معاشی مصیبت سے بھی چھڑانے
۱۴۶	ربط آیات		کی دعوت دی
۱۴۷	بیوی کا نفقہ ضروریہ شوہر کے ذمہ ہے		اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اور پھر ہر ایک
۱۴۸	نفقہ واجبہ صرف چار چیزیں ہیں		کے وجود کے مناسب اس کو ہدایت فرمائی۔
۱۴۹	انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ایک اہم ہدایت	۱۱۴	آیت ۵۱ تا ۵۵
۱۵۰	دنیا میں زندگی تلخ اور تنگ ہونے کی حقیقت	۱۱۵	آیت ۵۶ تا ۵۹ مع خلاصہ تفسیر
۱۵۱	آیت ۱۲۸ تا ۱۳۲	۱۱۶	ہر انسان کے خمیر میں نطفہ کے ساتھ اس جگہ کی مٹی
۱۵۲	آیت ۱۳۳ تا ۱۳۵ مع خلاصہ تفسیر		بھی شامل ہوتی ہے جہاں وہ دفن ہوگا۔
۱۵۳	دشمنوں کی ایذا رسانیوں کا علاج صبر اور ذکر اللہ ہے	۱۱۸	جادو گروں مقابلہ کیلئے دن اور وقت کے تعین کی حکمت



۲۰۱	حدیث مذکور میں ایک اہم ہدایت اور اخلاص عمل کی باریکی کا بیان۔	۱۶۴	دولت اللہ کے نزدیک مقبولیت کی علامت نہیں
۲۰۲	حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بارخورد کے گلزار بن جانے کی حقیقت	۱۶۵	اپنے اہل و عیال اور متعلقین کو نماز کی پابندی کی تاکید اور اس کی حکمت
۲۰۳	آیت ۴۵ و ۴۶ مع خلاصہ تفسیر	۱۶۶	جو آدمی نماز اور اللہ کی عبادت میں لگ جاتا ہے
۲۰۴	آیت ۴۶ و ۴۷ مع خلاصہ تفسیر معارف مسائل		اللہ تعالیٰ اس کے لئے رزق کا معاملہ آسان بناتی ہے
۲۰۵	آیت ۴۸ تا ۵۲ مع خلاصہ تفسیر		ختم سورت
۲۰۶	وہ مقدمہ جو حضرت داؤد اور پھر حضرت سلیمان علیہما السلام کی خدمت میں پیش ہوا		سورۃ انبیاء کا
۲۰۸	کیا کسی قاضی کا فیصلہ بدلایا جاسکتا ہے؟	۱۶۷	آیت ۱ تا ۷
۲۰۹	دو مجتہد اگر متضاد فیصلے کریں تو حق کیا ہوگا؟	۱۶۸	آیت ۸ تا ۱۰ مع خلاصہ تفسیر
۲۱۰	جانور کے جانی یا مالی نقصان پہنچانے کی صورت میں فیصلہ کیا ہونا چاہئے؟	۱۶۹	سورۃ انبیاء کی فضیلت
۲۱۱	بہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح تلاوت قرآن میں حسن صوت مطلوب ہے	۱۷۰	قرآن کریم عربوں کے لئے عزت و فخر ہے
۲۱۲	زرہ بنانے کی صنعت حضرت داؤد علیہ السلام کو مخائب اللہ عطا کی گئی۔	۱۷۱	آیت ۱۱ تا ۱۵ مع خلاصہ تفسیر معارف مسائل
۲۱۳	جس صنعت سے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچے وہ مطلوب اور فعل انبیاء ہے۔	۱۷۲	آیت ۱۶ تا ۲۴
۲۱۴	حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کی تسخیر تخت سلیمان کی کیفیت	۱۷۳	آیت ۲۵ تا ۲۹ مع خلاصہ تفسیر
۲۱۵	حضرت سلیمان کے لئے جنت و شیطاں کی تسخیر	۱۷۴	آیت ۳۰ تا ۳۲
۲۱۶	آیت ۸۳ و ۸۴ مع خلاصہ تفسیر	۱۷۵	آیت ۳۳ مع خلاصہ تفسیر معارف مسائل
۲۱۷	قصہ ایوب علیہ السلام	۱۷۶	آیت ۳۴ تا ۴۳
۲۱۸	حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا صبر کے خلاف نہیں	۱۷۷	آیت ۴۴ تا ۴۷ مع خلاصہ تفسیر
۲۱۹	آیت ۸۵ و ۸۶ مع خلاصہ تفسیر	۱۷۸	موت کیا چیز ہے؟
۲۲۰	حضرت ذوالکفل نبی تھے یا ولی ان کا عجیب قصہ	۱۷۹	دنیا کی ہر تکلیف و راحت آزمائش ہے
۲۲۱	آیت ۸۷ و ۸۸ مع خلاصہ تفسیر	۱۸۰	جلد بازی مذموم ہے
۲۲۲	معارف و مسائل	۱۸۱	قیامت میں اعمال کا وزن اور اس کی میزان
۲۲۳	قصہ یونس علیہ السلام	۱۸۲	وزن اعمال کی صورت
۲۲۴	دعا یونس علیہ السلام ہر مقصد کیلئے مقبول دعا ہے	۱۸۳	اعمال کا محاسبہ
۲۲۵	آیت ۸۹ و ۹۰ مع خلاصہ تفسیر	۱۸۴	آیت ۴۸ تا ۵۰ مع خلاصہ تفسیر
۲۲۶	آیت ۹۱ تا ۹۳ مع خلاصہ تفسیر	۱۸۵	آیت ۵۱ تا ۵۵
۲۲۷	آیت ۹۴ تا ۱۰۴	۱۸۶	آیت ۵۶ تا ۶۶ مع خلاصہ تفسیر
۲۲۸		۱۸۷	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول جھوٹ نہیں
۲۲۹		۱۸۸	بلکہ ایک کنایہ تھا
۲۳۰		۱۸۹	حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف
۲۳۱		۱۹۰	تین جھوٹ منسوب کرنے کی حقیقت
۲۳۲		۱۹۱	اس حدیث کو غلط قرار دینا جہالت ہے۔



۲۶۲	آیت ۳۲ تا ۳۷ مع خلاصہ تفسیر	۲۲۷	آیت ۱۰۵ مع خلاصہ تفسیر ربط آیات
۲۶۷	اصل مقصود عبادت کی صورت نہیں بلکہ دل کا اخلاص ہی	۲۳۲	آیت ۱۰۶ تا ۱۱۲ مع خلاصہ تفسیر
۲۶۸	آیت ۳۸ تا ۴۰ مع خلاصہ تفسیر	۲۳۳	وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ
۲۶۹	آیت ۴۱ مع خلاصہ تفسیر	۲۳۴	ختم سورت
"	کفار کے ساتھ جہاد کا پہلا حکم		
۲۷۰	جہاد و قتال کی ایک حکمت		سورۃ حج پکا
۲۷۱	خلفائے راشدین کے حق میں قرآن کی پیشین گوئی اور		
	اس کا ظہور	۲۳۵	آیت ۲ اور ۳ مع خلاصہ تفسیر
۲۷۲	آیت ۴۲ تا ۵۱ مع خلاصہ تفسیر	۲۳۶	خصوصیات سورت
۲۷۳	عبرت بصیرت کیلئے زمین کی سیاحت مطلوب دینی ہے	"	زلزلہ قیامت کب ہوگا؟
۲۷۴	آخرت کا دن ایک ہزار سال کا ہونے کا مطلب	۲۳۷	آیت ۳ تا ۱۰
۲۷۵	ایک شبہ کا جواب	۲۳۸	معارف و مسائل
۲۷۸	آیت ۵۲ تا ۵۷ مع خلاصہ تفسیر	"	بطن مادر میں تخلیق انسانی کے درجات اور
۲۷۹	آیت ۶۱ و ۶۲		مختلف احوال
۲۸۰	آیت ۶۳ تا ۶۶ مع خلاصہ تفسیر	۲۴۱	انسان کی ابتدائی تخلیق کے بعد عمر کے مختلف
۲۸۱	آیت ۶۷ و ۶۸		مراحل اور ان کے احوال
۲۸۲	آیت ۶۹ و ۷۰ مع خلاصہ تفسیر	۲۴۳	آیت ۱۱ تا ۱۳ مع خلاصہ تفسیر
۲۸۴	ایک شبہ کا جواب	۲۴۴	آیت ۱۴ تا ۱۶ مع خلاصہ تفسیر و مسائل
"	آیت ۷۱ و ۷۲ و ۷۳ و ۷۴	۲۴۵	آیت ۱۷ و ۱۸ مع خلاصہ تفسیر و معارف و مسائل
۲۸۶	مشرک کی ایک مثال	۲۴۷	تمام مخلوق کے مطیع و فرمانبردار ہونے کی حقیقت
"	آیت ۷۵ تا ۷۸ مع خلاصہ تفسیر	۲۴۸	آیت ۱۹ تا ۲۴ مع خلاصہ تفسیر
۲۸۸	سورۃ حج کا سجدہ تلاوت	۲۴۹	اہل جنت کو کنگن پہنائے جانے کی حکمت
۲۸۹	امت محمدیہ اللہ تعالیٰ کی منتخب امت ہے۔	۲۵۰	ریشم کے کپڑے مردوں کے لئے حرام ہیں۔
۲۹۱	ختم سورۃ حج	۲۵۱	آیت ۲۵ مع خلاصہ تفسیر
	سورۃ مؤمنون پکا	۲۵۳	حرم مکہ میں سب مسلمانوں کے مساوی حق کا مطلب
۲۹۲	آیت ۱ تا ۱۱	۲۵۴	آیت ۲۶ تا ۲۹ مع خلاصہ تفسیر
۲۹۳	فضائل و خصوصیات سورۃ مؤمنون	۲۵۵	بناء بیت اللہ کی ابتداء
۲۹۴	فلاح کیا چیز ہے اور کہاں اور کیسے ملتی ہے؟	۲۵۶	حضرت ابراہیمؑ کو حکم
۲۹۵	مؤمن کامل کے سات اوصاف	۲۵۸	زمانہ حج میں ذبح کئے جانے والے مختلف قسم کے جانوروں
۲۹۶	نماز میں خشوع کی ضرورت کا درجہ		کا مسئلہ
"	دوسرا وصف لغوی ہے پر ہمیز کرنا	۲۵۹	افعال حج میں ترتیب کا درجہ
"	تیسرا وصف زکوٰۃ	"	نذر کا مسئلہ
۲۹۷	چوتھا وصف شرمگاہوں کی حفاظت	۲۶۰	ایک سوال اور جواب
		۲۶۱	آیت ۳۰ تا ۳۳ مع خلاصہ تفسیر



۳۴۰	سورۃ نور کی بعض خصوصیات	۲۹۸	با بچراں وصف امانت کا حق ادا کرنا
۳۴۱	زنا جرم عظیم اور بہت جراثیم کا مجموعہ ہے اس لئے	"	پھٹا وصف عہد پورا کرنا
۳۴۳	اس کی سزا بھی سخت رکھی گئی ہے۔	"	ساتواں وصف نماز پر محافظت
۳۴۸	غیر شادی شدہ کے لئے کوڑوں کی سزا اور	۲۹۹	آیت ۱۲ تا ۱۷
"	شادی شدہ کے لئے سنگساری	۳۰۰	آیت ۱۸ تا ۲۲ مع خلاصہ تفسیر
"	ایک ضروری تنبیہ	۳۰۲	تخلیق انسانی کے سات مدارج
"	سزائے زنا میں تدریج کے تین درجے	"	ایک عجیب لطیفہ از ابن عباس رضی
"	اسلامی قانون میں جن جرم کی سزا جتنی سخت ہے	۳۰۳	تخلیق انسانی کا آخری مقام
۳۴۹	اس کے ثبوت کے لئے شرائط بھی سخت ہیں۔	"	روح حقیقی اور روح حیوانی
"	کسی مرد یا جانور کے ساتھ فعل قبیح کا حکم	۳۰۵	انسان کیلئے آب رسانی کا عجیب رتی نظام
"	اسلام میں جراثیم کی ابتداء پردہ پوشی اور ثبوت	۳۰۷	آیت ۲۳ و ۲۴
۳۵۰	کے بعد سزا کی سختی کے ساتھ تنفیذ	۳۰۸	آیت ۲۵ تا ۳۰ مع خلاصہ تفسیر
"	آیت ۳ مع خلاصہ تفسیر و معارف و مسائل	۳۱۰	آیت ۳۱ تا ۳۸
"	زنا کے متعلق دوسرا حکم	۳۱۱	آیت ۳۹ تا ۴۱ مع خلاصہ تفسیر
۳۵۳	آیت ۴ و ۵ مع خلاصہ تفسیر	۳۱۲	آیت ۴۲ تا ۴۵
"	زنا کے متعلق تیسرا حکم متعلق ہتھمت زنا اور	۳۱۳	آیت ۴۶ تا ۵۰ مع خلاصہ تفسیر
۳۵۴	اس کی حد شرعی	۳۱۴	آیت ۵۱ تا ۵۶
"	ایک شبہ اور جواب	۳۱۵	خلاصہ تفسیر و معارف و مسائل
"	محضت کون ہیں؟	۳۱۷	آیت ۵۷ تا ۶۲ مع خلاصہ تفسیر و معارف و مسائل
۳۵۵	اگر مقذوف مطالبہ نہ کرے تو حد سا ہو جائیگی	۳۱۹	آیت ۶۳ تا ۷۷ مع خلاصہ تفسیر
۳۵۶	آیت ۶ تا ۱۰ مع خلاصہ تفسیر	۳۲۱	غمرہ سے کیا مراد ہے؟
۳۵۷	زنا کے متعلقات میں چوتھا حکم، لعان	۳۲۳	عشاء کے بعد قصہ گوئی کی ممانعت اور خاص ہدایات
۳۶۱	لعان کے بعد بیوی شوہر پر حرام ہو جاتی ہے	۳۲۴	اہل مکہ پر قحط کا عذاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ
۳۶۲	آیت ۱۱ تا ۲۶		وسلم کی دعا سے اس کا دفع ہونا
۳۶۳	قصہ افک و بہتان	۳۲۵	آیت ۷۸ تا ۹۲ مع خلاصہ تفسیر
۳۷۰	حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے خصوصی فضائل و	۳۲۷	آیت ۹۳ تا ۱۰۰ مع خلاصہ تفسیر
۳۷۲	کمالات اور قصہ افک کا بقیہ	۳۳۱	آیت ۱۰۱ تا ۱۱۵ مع خلاصہ تفسیر
۳۷۴	حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی چند خصوصیات	۳۳۵	محشر میں مؤمنین اور کفار کے حالات میں فرق
۳۷۷	ہر مسلمان مرد و عورت کے ساتھ اچھا گمان رکھنا واجب ہے	۳۳۶	وزن اعمال کی کیفیت
۳۷۸	ایک ضروری تنبیہ	۳۳۸	آیت ۱۱۶ تا ۱۱۸ مع خلاصہ تفسیر و معارف و مسائل
۳۷۹	ایک شبہ اور اس کا جواب	۳۳۹	ختم سورت
۳۸۰	انسداد فواحش کا قرآنی نظام اور ایک اہم تدبیر جس کے		سورۃ کنوس ۱۸
	نظر انداز کر کے کا نتیجہ آجکل فواحش کی کثرت ہے	۳۴۰	آیت ۱ و ۲



۳۲۹	اذن اشدان ترفع میں لفظ اذن کی خاص حکمت	۳۸۱	صحابہ کرام رضہ کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم
"	مؤمنین کی خاص صفات	۳۸۲	ایک اہم تنبیہ
۳۳۰	صحابہ کرام اکثر تجارت پیشہ تھے	۳۸۳	آیت ۲۹ تا ۲۹
۳۳۱	آیات ۳۱ تا ۳۵ مع خلاصہ تفسیر	"	استیذان اور آداب ملاقات
۳۳۳	آیات ۳۶ تا ۵۴ مع خلاصہ تفسیر	۳۸۶	قرآنی آداب معاشرت کا ایک اہم باب
۳۳۴	فوز و فلاح کے لئے چار شرطیں	"	ملاقات سے پہلے اجازت لینا
"	ایک واقعہ عجیب	۳۸۸	استیذان کی حکمتیں اور مصالح بہتہ
۳۳۸	آیت ۵۵ تا ۵۷ مع خلاصہ تفسیر	۳۹۰	استیذان کا مسنون طریقہ
۳۳۹	شان نزول	۳۹۲	تنبیہ ضروری
۳۴۱	آیت مذکورہ سے خلفائے راشدین کی خلافت اور	"	استیذان سے متعلق چند دوسرے مسائل
"	مقبولیت عند اللہ کا ثبوت	۳۹۵	تیلیفون سے متعلق بعض مسائل
۳۴۲	آیت ۵۸ تا ۶۰ مع خلاصہ تفسیر	۳۹۸	آیت ۳۰ و ۳۱ مع خلاصہ تفسیر
۳۴۳	اقارب محرم کیلئے خاص اوقات میں استیذان کا حکم	۴۰۰	اندراد فواجش اور حجاب عفت کا ایک اہم باب پرہ نسواں
۳۴۵	استیذان کے متعلق کچھ مسائل	"	بے ریش لڑکوں کا حکم
۳۴۷	قرآن نے پاکیزہ معاشرت کی تعلیم دی ہے	"	غیر محرم مرد کی طرف دیکھنے کا حکم
"	عورتوں کے احکام پر وہ کی تاکید اور اس میں سے	۴۰۱	احکام پردہ سے استثناء
"	ایک اور استثناء	۴۰۶	زیور کی آواز غیر محرموں کو سنانا جائز نہیں
۳۴۸	آیت ۶۱ مع خلاصہ تفسیر و معارف و مسائل	"	عورت کی آواز کا مسئلہ
۳۴۹	گھڑی میں داخل ہونے کے بعد بعض احکام اور آداب معاشرت	"	خوشبو لگا کر باہر نکلنا
۳۵۰	آیت کے شان نزول میں چند واقعات	"	مزین برقع پہن کر نکلنا بھی ناجائز ہے
۳۵۱	اسی سلسلہ کے چند مسائل	۴۰۷	آیت ۲۲ مع خلاصہ تفسیر
۳۵۲	آیت ۶۲ تا ۶۴ مع خلاصہ تفسیر	۴۰۹	بعض احکام نکاح
۳۵۳	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے اور عمام	۴۱۳	نکاح واجب یا سنت یا مختلف حالات میں مختلف حکم ہے
"	معاشرت کے بعض آداب و احکام	۴۱۵	آیت ۳۳ مع خلاصہ تفسیر و معارف و مسائل
"	ایک سوال و جواب	۴۱۷	فرہنحاشیا کا ایک اہم مسئلہ اور اسکے باریں قرآنی فیصلہ
"	امرجایع سے کیا مراد ہے؟	۴۲۳	آیت ۳۳ تا ۴۰ مع خلاصہ تفسیر
"	حکم آنحضرت کی مجلس کیساتھ خاص ہر یا عام؟	"	نور کی تعریف
۳۵۵	دوسرا حکم لا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ	"	نور مؤمن، مثل نورہ کشکوۃ
"	ختم سورت	۴۲۴	نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
	سورۃ فرقان پ	"	روغن زیتون کی برکات
۳۵۶	آیت ۱ تا ۳ مع خلاصہ تفسیر	۴۲۵	مساجد اللہ کے گھر میں ان کی تعظیم واجب ہے
۳۵۷	خصوصیات سورت	۴۲۶	رفع مساجد کے معنی
"	مخلوقات میں ہر ایک چیز میں خاص خاص حکمتیں	۴۲۷	بعض فضائل مساجد
		۴۲۸	مساجد کے پندرہ آداب
		۴۲۹	جو مکانات ذکر اللہ، تعلیم قرآن اور تعلیم دین
			کیلئے مخصوص ہو وہ بھی مساجد کے حکم میں ہیں۔



۵۰۳	چوتھی صفت، والذین یسیتون لرہم	۲۵۸	آیت ۲ تا ۹ مع خلاصہ تفسیر
۵۰۴	پانچویں صفت، والذین یقولون ربنا اصرف عنا	۲۶۰	مشرکین کے کچھ اعتراضات اور ان کا جواب
"	چھٹی صفت، والذین اذا انفقوا الایۃ	۲۶۱	آیت ۱۰ تا ۲۰ مع خلاصہ تفسیر
۵۰۵	ساتویں صفت، والذین لایدعون مع اللہ الہا آخر	۲۶۶	مخلوق میں معاشی مساوات کا ہونا حکمت پر مبنی ہے۔
"	آٹھویں اور نویں صفت، لایقتلون النفس	"	ب ۱۹
۵۰۷	دسویں صفت، والذین لایشہدن الزور	۲۶۸	آیت ۲۱ تا ۲۳ مع خلاصہ تفسیر
"	گیارہویں صفت، اذا امروا باللغو مروا کراما	۲۷۰	غلط کار اور بے دین دوستوں کی دوستی قیامت
۵۰۸	بارہویں صفت، والذین اذا ذکروا	"	کے دن حسرت و ندامت کا باعث ہوگی۔
"	احکام دین کا صرف مطالعہ کافی نہیں	۲۷۱	قرآن کو عملاً ترک کرنا بھی گناہ عظیم اور مجبور کا مصداق ہے
۵۰۹	تیرہویں صفت، الذین یقولون ربنا ھب لنا الخ	۲۷۲	آیت ۳۲ تا ۳۶ مع خلاصہ تفسیر و معارف و مسائل
۵۱۰	ختم سورۃ فرقان	۲۷۳	آیت ۳۷ تا ۴۲ مع خلاصہ تفسیر
	سورۃ الشعراء ۱۹	۲۷۶	معارف و مسائل
۵۱۱	آیت ۱ تا ۹ مع خلاصہ تفسیر	"	اصحاب الریح
۵۱۲	معارف و مسائل	"	خلاف شرع خواہشات کی پیروی ایک قسم کی بت پرستی ہے
۵۱۳	آیت ۱۰ تا ۳۳ مع خلاصہ تفسیر	"	آیت ۳۵ تا ۶۲ مع خلاصہ تفسیر
۵۱۷	اطاعت کیلئے معاون اسباب کی طلب بہانہ جوی نہیں	۲۷۹	قدرت خداوندی کا عجیب شمع تلخ اور شیریں پانی کا
"	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں لفظ ضلال کا مفہوم	"	بغیر خستلاط کے ساتھ ساتھ بہنا
"	خدا کے ذوالجلال کی ذات و حقیقت کا علم انسان	۲۸۱	مخلوقات الہیہ میں اسباب و مسببات کا رشتہ اور
	کے لئے ناممکن ہے،	"	ان سبب کا قدرت حق کا تابع ہونا
۵۱۸	پیغمبرانہ مناظرہ کا ایک نمونہ، مناظرے کے مؤثر آداب	۲۸۳	رات میں نیند اور دن میں کام کی تخصیصات
۵۱۹	آیت ۳۳ تا ۵۱	"	بھی بڑی حکمت پر مبنی ہیں۔
۵۲۲	القوام انتم ملقون پر ایک شبہ اور اس کا جواب	۲۸۵	جہاد بالقرآن یعنی قرآن کی دعوت کو پھیلا نا جہاد کبیر ہے۔
۵۲۳	آیت ۵۲ تا ۶۸ مع خلاصہ تفسیر	۲۸۸	ستارے اور سیارے آسمانوں کے اندر ہیں یا باہر، قدیم و
۵۲۶	آیت ۶۹ تا ۱۰۳ مع خلاصہ تفسیر	"	جدید علم ہدایت کے نظریات اور قرآن پاک کے ارشادات
۵۲۹	قیامت تک انسانوں میں ذکر خیر رکھنے کی دعا۔	۲۸۹	حقائق کوئی اور قرآن
"	حب جاہ مذموم، مگر خیر بشرائط کے ساتھ جائز ہے	۲۹۱	تفسیر قرآن میں فلسفی نظریات کی موافقت یا مخالفت کا صحیح معیار
۵۳۰	مشرکین کیلئے دعا و مغفرت جائز نہیں	۲۹۲	اگر مگر خلافت نور سبحان گلین کا خلائی سفر کے بعد انکشاف
۵۳۱	حضرت ابراہیمؑ کے استغفار کتبہ اور اس کا جواب	۲۹۵	ان خلائی تحقیقات نے انسان اور انسانیت کو کیا دیا؟
۵۳۲	مال اولاد اور خاندانی تعلقات آخرت میں بھی	۲۹۷	عباد الرحمن، آیت ۶۴ تا ۶۸
	بشرط ایمان نفع پہنچا سکتے ہیں۔	۵۰۲	اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی مخصوص صفات و علامات
۵۳۳	آیت ۱۰۵ تا ۱۲۲ مع خلاصہ تفسیر	"	پہلا وصف، عبادیت
۵۳۴	طاعات پر اجرت لینے کا حکم	"	دوسری صفت، یشہون علی الارض ہونا
۵۳۵	شرور ذالت اعمال اخلاق ہو نہ کہ خاندان اور جا و جسم سے	۵۰۳	تیسری صفت، اذا خاطبہم الجاہلون الایۃ



۵۶۰	اِذْ قَالَ مُوسٰى لَاحِلٰہِ اِنِّیْ اَکْسْتُ نَارًا	۵۳۵	آیت ۱۲۳ تا ۱۲۵
"	اسباط طبعیہ کو اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں	۵۳۶	آیت ۱۳۶ تا ۱۴۰ مع خلاصہ تفسیر
۵۶۱	بیوی کے ذکر میں گناہ سے کام لینا بہتر ہے	۵۳۷	بلا ضرورت عمارت بنانا مذموم ہے
"	فَلَمَّا جَاءَہَا نُؤْمِدٰی اَنْ یُّوْکِرَکَ	"	آیت ۱۴۱ تا ۱۵۹ مع خلاصہ تفسیر
"	آگ کے اندر سے ایک نداء سننے کی تحقیق	۵۳۹	قوم نمود کا پیغمبروں کی تکذیب کرنا
۵۶۳	حضرت ابن عباسؓ اور حسن بصریؒ کی ایک روایت	۵۴۰	وَتَخْتَوْنَ مِنَ النَّجَالِ یُؤْمِنُ مَا فَرَجٰہُنَّ
"	اور اس کی تحقیق	"	مفسد پلٹے خدائی انعامات میں بشرطیکہ اُن کو
۵۶۴	آیت ۱۵ تا ۱۹ مع خلاصہ تفسیر	"	بڑے کاموں میں استعمال نہ کریں
۵۶۶	انبیاء میں مال کی وراثت نہیں ہوتی	"	آیت ۱۶۰ تا ۱۷۱
"	اپنے لئے جمع کا صیغہ بولنا جائز ہے بشرطیکہ تکبر نہ ہو	۵۴۱	آیت ۱۷۲ تا ۱۷۵ مع خلاصہ تفسیر
"	خاندانہ	"	قوم لوط کا پیغمبروں کی تکذیب کا واقعہ
۵۶۷	عمل صالح اور مقبول ہونے کے باوجود جنت میں داخل ہونا	۵۴۲	غیر فطری فعل اپنی بیوی سے بھی حرام ہے
"	بغیر فضل خداوندی کے نہیں ہوگا	"	آیت ۱۷۶ تا ۱۸۲
۵۶۸	آیت ۲۰ تا ۲۸	۵۴۳	آیت ۱۸۳ تا ۱۹۱ مع خلاصہ تفسیر
۵۶۹	ہڈی کی غیر حاضری کا قصہ	"	اصحاب الایکھ نے پیغمبروں کو جھٹلایا
۵۷۰	ماحتوں کی خبر گیری ضروری ہے	۵۴۴	خدا کا مجرم اپنے پاؤں چل کر آتا ہے
"	اپنے نفس کا محاسبہ	۵۴۵	آیت ۱۹۲ تا ۲۱۴
۵۷۱	طیو میں ہڈی کی تخصیص کی وجہ اور ایک اہم عبرت	۵۴۶	آیت ۲۱۵ تا ۲۲۷ مع خلاصہ تفسیر
"	جو جانور کام میں شستی کرے معتدل ہزار دینا جائز ہے	"	یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے۔
۵۷۲	انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہوتے	۵۵۱	نَزَلَ بِرُوحِ الْاٰمِیْنِ
"	کیا چھوٹے آدمی کو یہ حق ہو کہ اپنے بڑوں سے کہو	"	قرآن اس کے الفاظ و معانی کے مجموعہ کا نام ہے
"	کہ مجھے آپ زیادہ علم ہے؟	۵۵۲	نماز میں ترجمہ قرآن پڑھنا باجماع امت ناجائز ہے۔
"	کیا انسان کا نکاح جنی عورت ہو سکتا ہے؟	"	قرآن کے اردو ترجمہ کو اردو قرآن کہنا جائز نہیں
۵۷۳	عورت کی امارت کا مسئلہ	۵۵۳	وَاَنْذَرْنٰہُمْ یٰکَ الْاَقْرَبِیْنِ
۵۷۴	خط اور تحریر بھی عام معاملات میں حجت شرعیہ ہے	۵۵۴	شعر کی تعریف
"	مشرکین کو خط لکھنے کا حکم	۵۵۵	شرعیات اسلام میں شعر و شاعری کا درجہ
"	انسانی اخلاق کی رعایت ہر مجلس میں چاہئے	"	خدا اور آخرت غافل کر دینے والا ہر علم اور فن مذموم ہے
"	خواہ وہ مجلس کفار ہی کی ہو	"	اکثر اتباع کرنے والوں کی گمراہی متبوع کی گمراہی
"	آیت ۲۹ تا ۳۲	۵۵۶	کی علامت ہوتی ہے۔
۵۷۵	آیت ۳۳ تا ۳۷ مع خلاصہ تفسیر		ختم سورت
"	سلیمان علیہ السلام کا ہڈی سے گفتگو کرنا	۵۵۷	سُورَةُ تَمِیْمٍ
۵۷۷	حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط کس زبان میں تھا؟	۵۵۸	آیت ۱ تا ۶ مع خلاصہ تفسیر
"	خطوط نویسی کے چند آداب	۵۵۹	آیت ۷ تا ۹
"			آیت ۱۰ تا ۱۴ مع خلاصہ تفسیر



۶۰۸	نفسِ اولیٰ ثانیہ اور ثالثہ کی تشریح	۵۷۷	کاتب اپنا نام پہلے لکھے پھر مکتوب الیہ کا
۶۱۲	آیت ۹۱ تا ۹۳ مع خلاصہ تفسیر	۵۷۸	خط کا جواب دینا بھی سنتِ انبیاء ہے۔
	سُورَةُ قَصَصٍ مِثْ	"	خطوط میں بسم اللہ لکھنا
۶۱۳	آیت ۱۳ مع خلاصہ تفسیر	۵۷۹	ایسی تحریر جس میں کوئی آیت قرآنی لکھی ہو کیا کسی
۶۱۷	سُورَةُ قَصَصٍ مِثْ سُوَّتوں میں سب سے آخری سورت ہر	"	کافر مشرک کے ہاتھ میں دینا جائز ہے؟
۶۱۹	آیت ۱۴ تا ۲۱ مع خلاصہ تفسیر	"	خط مخفیہ جامع، تبلیغ اور مؤثر انداز میں لکھنا چاہئے
۶۲۵	آیت ۲۲ تا ۲۸ مع خلاصہ تفسیر	"	اہم امور میں سورہ اور اس کے فوائد
۶۲۸	وَلَمَّا تَوَجَّهَ بِلِقَاءِ رَبِّهِ	۵۸۰	مکتوبِ سلیمانی کے جواب میں ملکہ بلقیس کا ردِ عمل
۶۳۰	ملازمت کے معیاری اوصاف	"	بلقیس کے قاصد کی دربارِ سلیمانی میں حاضری
۶۳۲	آیت ۲۹ تا ۳۵ مع خلاصہ تفسیر	۵۸۱	حضرت سلیمان کی طرف سے بلقیس کی واپسی
۶۳۴	نیک عمل سے جگہ بھی متبرک ہو جاتی ہے	"	کافر کا ہدیہ قبول کرنے کا مسئلہ
۶۳۵	وعظ میں اچھی خطابت اور فصاحت مطلوب ہے	۵۸۲	آیات ۳۸ تا ۴۱
"	آیت ۳۶ تا ۴۲	۵۸۳	ملکہ بلقیس کے قاصدوں کا ہدایا واپس لے جانا
۶۳۷	آیت ۴۳ تا ۵۱	۵۸۴	بلقیس کی حاضری دربارِ سلیمانی میں
۶۴۲	بصائر الناس کی تحقیق	۵۸۵	معجزہ و کرامت میں فرق
۶۴۳	تبلیغ و دعوت کے بعض آداب	۵۸۶	تحت بلقیس کا واقعہ کرامت تھی یا تصرف
"	آیت ۵۲ تا ۵۵	"	آیت ۴۲ تا ۴۴
۶۴۵	لفظ مسلمین امت محمدیہ کا مخصوص لقب یا تمام امتوں کے	۵۸۷	ملکہ بلقیس کا شاہانہ استقبال کی تیاری
۶۴۷	دواہم برائتیں	۵۸۸	کیا بلقیس حضرت سلیمان کے نکاح میں گئی تھیں؟
۶۴۸	آیت ۵۶ مع خلاصہ تفسیر معارف و مسائل	"	آیت ۴۵ تا ۴۸
"	ہدایت کئی معنوں میں مستعمل ہے	۵۸۹	آیت ۴۹ تا ۵۳ مع خلاصہ تفسیر
۶۴۹	آیت ۵۷ تا ۶۰ مع خلاصہ تفسیر	۵۹۱	آیت ۵۴ تا ۵۹
۶۵۱	حرم مکہ میں ہر چیز کے ثمرات کا جمع ہونا خاص	۵۹۳	آیت ۶۰ تا ۶۴
	آیات قدرت میں سے ہے۔	۵۹۵	منظور کی عمارت اخلاص کی بناء پر ضرور قبول ہوتی ہے
۶۵۳	حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمَمٍ مِّمَّنْ	۵۹۶	آیت ۶۵ تا ۷۳
"	احکام و قوانین میں قصبات و دیہات شہروں	۵۹۷	آیت ۷۴ تا ۷۵ مع خلاصہ تفسیر
	کے تابع ہوتے ہیں۔	"	ربط آیات
۶۵۴	عقل مند کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ دنیا کے	۶۰۰	آیت ۷۶ تا ۷۹ مع خلاصہ تفسیر
	دھندوں میں زیادہ مہمک نہ ہو۔	۶۰۱	آیت ۸۰ تا ۸۱ مع خلاصہ تفسیر
۶۵۴	آیت ۶۱ تا ۶۷ مع خلاصہ تفسیر	۶۰۲	مسئلہ سماع الموت
۶۵۷	آیت ۶۸ تا ۷۳ مع خلاصہ تفسیر	۶۰۴	آیت ۸۲ مع خلاصہ تفسیر معارف و مسائل
۶۵۸	وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ	"	دابة الارض کیا ہے اور کہاں اور کب نکلتے گا؟
۶۵۹	ایک چیز کو دوسری چیز پر ایک شخص کو دوسرے پر	۶۰۶	آیت ۸۳ تا ۹۰
	فضیلت کا معیار صحیح اختیار خداوندی ہے۔	۶۰۷	اہم سابقہ میں ایک ایک گروہ کا حساب کیلئے جمع کیا جانا



۷۲۱	قمار اور شرط لگانے کا حکم	۶۶۰	آیت ۷۵، ۷۴ مع خلاصہ تفسیر
۷۲۳	دنیا کے فنونِ معاش اگر آخرت کے غفلت کے ساتھ حاصل ہوں تو وہ کوئی دانشمندی نہیں	۶۶۱	آیت ۷۶ تا ۸۲ مع خلاصہ تفسیر
۷۳۰	فائدہ عظیمہ	۶۶۴	قارون کو اس کا مال و متاع کچھ کام نہ آیا
۷۳۱	آیت ۲۰ تا ۲۷	۶۶۷	آیت ۸۳ و ۸۴ مع خلاصہ تفسیر
۷۳۳	روم و فارس کی جنگ کے واقعہ کے بعد عبرت	۶۶۸	آیت ۸۵ تا ۸۸ مع خلاصہ تفسیر
۷۳۴	قدرت کی دو آیتیں	۶۷۱	قرآن دشمنوں پر فتح اور مقاصد میں کامیابی کا ذریعہ
۷۳۵	ازدواجی زندگی کا مقصد سکون ہے جس کے لئے		سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ پ
۷۳۶	بہمیں اُلفت ضروری ہے	۶۷۲	آیت ۱ تا ۷
۷۳۷	تیسری آیت قدرت	۶۷۴	اہل ایمان خصوصاً انبیاء و صلحا کی دنیا میں آزمائش
۷۳۸	چوتھی آیت قدرت	۶۷۶	ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم
۷۳۹	سونہ اور تلاشِ معاش زہد و توکل کے منافی نہیں	۶۷۹	گناہ کی دعوت دینے والا بھی گناہگار ہے
۷۳۸	پانچویں اور چھٹی آیت قدرت	۶۸۶	بعض اعمال کی جزاء دنیا میں بھی مل جاتی ہے
۷۴۵	دین اسلام کا مقصد فطرت ہونا	۶۸۹	لوط علیہ السلام کی نبوت
۷۴۷	فطرت سے کیا مراد ہے؟	۶۹۳	شعیب علیہ السلام کی نبوت
۷۴۷	لَا تُبَدِّلْ خَلْقَ اللَّهِ	۶۹۴	اللہ کے نزدیک عالم کون ہے؟
۷۴۸	اہل باطل کی صحبت اور غلط ماحول سے الگ رہنا	۶۹۶	اصلاح خلق کا مختصر جامع نسخہ
۷۵۳	فرض ہے	۷۰۳	نماز کا تمام گناہوں سے روکنے کا مطلب
۷۵۴	دنیا میں بڑی بڑی برائیوں اور مصائب انسانوں کے گناہوں کے سبب آتے ہیں	۷۰۷	ایک مشبہ کا جواب
۷۵۷	مصائب کے وقت ابتلاء و امتحان یا سزا و عذاب میں مشرق	۷۰۸	کیا اس آیت میں موجودہ توریت و انجیل کی تصدیق ہے؟
۷۶۲	آیت ۴۶ تا ۵۳	۷۱۰	موجودہ توریت و انجیل کی تصدیق کیجئے یا تکذیب
۷۶۵	آیت ۵۴ تا ۶۰	۷۱۱	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمی ہونا آپ کی
۷۶۷	منکرین قیامت کے شبہات کا ازالہ	۷۱۲	بڑی فضیلت اور بڑا معجزہ ہے
۷۶۸	کیا محشر میں اللہ کے سامنے کوئی جھوٹ بول سکے گا؟	۷۱۶	ہجرت کے احکام اور شبہات کا ازالہ
	قبر میں کوئی جھوٹ نہ بول سکے گا	۷۱۷	ہجرت کب فرض یا واجب ہوتی ہے؟
			چند مسائل ہجرت
			آیت ۶۴ تا ۶۹
			علم پر عمل کرنے سے علم میں زیادتی ہوتی ہے
			سُورَةُ الْحُودِ پ
			قصہ نزولِ سورتِ روم اور فارس کی جنگ
			۷۱۹







## سُورَةُ مَرْيَمَ

سُورَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَتِسْعُونَ آيَةً وَبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
سُورَةُ مَرْيَمَ مَكَّةَ میں نازل ہوئی اور اس میں اٹھاونے آیتیں ہیں اور چھ رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

كَهَيِّصٍ ۱ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ۲ اِذْ نَادَىٰ

یہ مذکور ہے تیرے رب کی رحمت کا اپنے بندہ زکریا پر جب پکارا اُس نے

رَبِّهِ نِدَاءً خَفِيًّا ۳ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهِنَ الْعِظَمِ مَنِیْ وَاشْتَغَلَ

اپنے رب کو چھپی آواز سے بولا اے میرے رب بڑھی ہو گئیں میری ہڈیاں اور شغل نکلا

الرَّاسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَاۤیِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۴ وَرَآیْیَ

سر سے بڑھاپے کا اور تجھ سے مانگ کر اے رب میں کبھی محسوس نہیں رہا اور میں

خَفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآئِیْ وَكَانَتْ اٰمْرَآتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ

ڈرتا ہوں بھائی بندوں سے اپنے پیچھے اور عورت میری بانجھ ہے سو بخش تو

لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۵ یٰرَیْیَ وَیْرَیْیَ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۶

مجھ کو اپنے پاس سے ایک کام اٹھانیوالا جو میری جگہ بیٹھے اور یعقوب کی اولاد کی،

وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ۶ یٰزَكَرِیَّا اِنَّا نَبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اِسْمُهُ

اور کر اُس کو اے رب من ماننا اے زکریا ہم تجھ کو خوشخبری سناتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام ہے

یَحٰییَ لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ۷ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ یٰكُوْنُ

یحییٰ نہیں کیا ہم نے پہلے اس نام کا کوئی بولا اے رب کہاں سے ہوگا مجھ کو

لِیْ غُلَامٌ وَّكَانَتْ اٰمْرَآتِیْ عَاقِرًا وَاقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ

لڑکا اور میری عورت بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو گیا یہاں تک کہ



عِثًّا ۸ قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىٰ هَدًى ۖ وَقَدْ خَلَقْتُكَ

اگر ماریا کہا تو نہیں ہوگا فرمادیا تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے اور تجھ کو پیدا کیا میں نے

مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۹ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّي آيَةً ۖ قَالَ

پہلے سے اور نہ تھا تو کوئی چیز بولا اے رب ٹھہرائے میرے لئے کوئی نشانی فرمایا

أَيُّكَ إِلَّا تُكَلِّمُ النَّاسَ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۱۰ فَخَرَجَ عَلَىٰ

تیری نشانی یہ کہ بات نہ کرے تو لوگوں سے تین رات تک صحیح تندرست پھر نکلا اپنے لوگوں

قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ۱۱

کے پاس حجرہ سے تو اشارہ سے کہا ان کو کہ یاد کرو صبح اور شام

يُحَيِّ حِينَ الْكِتَابِ بِقُوَّةٍ ۖ وَاتَّبِعْهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۱۲ وَ

اے بچی اٹھالے کتابِ نور سے اور دیا ہم نے اس کو حکم کرنا لڑکا بن میں اور

حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكَاةً ۖ وَكَانَ تَقِيًّا ۱۳ وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ

شوق دیا اپنی طرف سے اور ستھرائی اور تھا پرہیزگار اور نیکی کرنے والا اپنے ماں باپ کے اور

يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۱۴ وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ

نہ تھا زبردست خود سر اور سلام ہے اُس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے

وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۱۵

اور جس دن اُٹھ کھڑا ہو زندہ ہوکر

## خلاصہ تفسیر

گھٹھیا ۸ (اس کے معنی تو اللہ ہی کو معلوم ہیں) یہ جو آئندہ قصہ آتا ہے) تذکرہ ہے آپ کے

پروردگار کے مہربانی فرمایا اپنے (مقبول) بندہ (حضرت) زکریا (علیہ السلام کے حال) پر جبکہ انھوں

نے اپنے پروردگار کو پوشیدہ طور پر پکارا (جبیں یہ) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میری ہڈیاں (بوجہ

پیری کے) کمزور ہو گئیں اور (میرے) سر میں بالوں کی سفیدی پھیل پڑی (یعنی تمام بال سفید ہو گئے

اور اس حالت کا مقتضار یہ ہے کہ میں اس حالت میں اولاد کی درخواست نہ کروں مگر چونکہ آپ کی

قدرت و رحمت بڑی کامل ہے) اور (میں اس قدرت و رحمت کے ظہور کا خوگر ہمیشہ رہا ہوں) چنانچہ



اس کے قبل کبھی) آپ سے (کوئی چیز) مانگنے میں اے میرے رب ناکام نہیں رہا ہوں (کس بنا پر  
 بعید سے بعید مقصود بھی طلب کرنا مضائقہ نہیں) اور (اُس طلب کا مرجع یہ امر خاص ہو گیا ہے کہ) میں اپنے  
 (مرنے کے) بعد (اپنے) رشتہ داروں (کی طرف) سے (یہ) اندیشہ رکھتا ہوں (کہ میری مرضی کے موافق  
 شریعت اور دین کی خدمت نہ بجالادیں گے۔ یہ امر مرجع ہے طلب اولاد کے لئے جس میں خاص خاص  
 اوصاف پائے جادیں جن کو توقع خدمت دین میں دخل ہو) اور (چونکہ میری پیرانہ سالی کے ساتھ)  
 میری بیوی (بھی) بانجھ ہے جس کے کبھی باوجود صحت مزاج کے اولاد ہی نہیں ہوئی اسلئے اسبابِ عادیہ  
 اولاد ہونے کے بھی مفقود ہیں سو (اس صورت میں) آپ مجھ کو خاص اپنے پاس سے (یعنی بلا توسط  
 اسبابِ عادیہ کے) ایک ایسا وارث (یعنی بیٹا) دیدیجئے کہ وہ (میرے علومِ خاصہ میں) میرا وارث  
 بنے اور (میرے جد) یعقوب (علیہ السلام) کے خاندان (کے علوم متواترہ میں اُن) کا وارث بنے (یعنی  
 علومِ سابقہ و لاحقہ اُس کو حاصل ہوں) اور (بوجہ باعمل ہونے کے) اس کو اے میرے رب (اپنا)  
 پسندیدہ (و مقبول) بنائیے (یعنی عالم بھی ہو اور عامل بھی ہو۔ حق تعالیٰ کا بواسطہ ملائکہ کے ارشاد  
 ہوا کہ) اے زکریا ہم تم کو ایک فرزند کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام بھی ہو گا کہ اسکے قبل (خاص اوصاف  
 میں) ہم نے کسی کو اس کا ہم صفت نہ بنایا ہو گا (یعنی جس علم و عمل کی تم دعا کرتے ہو وہ تو اس فرزند کو  
 ضرور ہی عطا کریں گے اور مزید برآں کچھ اوصافِ خاصہ بھی عنایت کئے جادیں گے مثلاً خشیتِ الہیہ  
 سے خاص درجہ کی رقتِ قلب وغیرہ۔ چونکہ اس اجابتِ دعا میں کوئی خاص کیفیت حصولِ دل  
 کی بتلائی نہ گئی تھی اس لئے اس کے استفسار کیلئے) زکریا (علیہ السلام) نے عرض کیا کہ اے میرے  
 رب میرے اولاد کس طرح پر ہوگی حالانکہ میری بی بی بانجھ ہے اور (ادھر) میں بڑھاپے کے انتہائی درجہ  
 کو پہنچ چکا ہوں (پس معلوم نہیں کہ ہم جوان ہونگے یا مجھ کو دوسرا نکاح کرنا ہو گا یا بحالتِ موجودہ اولاد  
 ہوگی) ارشاد ہوا کہ حالتِ (موجودہ) یوں ہی رہے گی (اور پھر اولاد ہوگی اے زکریا) تمہارے رب  
 کا قول ہے کہ یہ (امر) مجھ کو آسان ہے اور (یہ کیا اس سے بڑا کام کر چکا ہوں مثلاً) میں نے تم کو (دی)  
 پیدا کیا ہے حالانکہ (پیدائش کے قبل) تم کچھ بھی نہ تھے (اسی طرح خود اسبابِ عادیہ بھی کوئی چیز نہ  
 تھے جب معدوم کو موجود کرنا آسان ہے تو ایک موجود سے دوسرا موجود کر دینا کیا مشکل ہے یہ سب  
 ارشاد تقویتِ رجا کے لئے تھا نہ کہ دفعِ شبہ کے لئے کیونکہ زکریا علیہ السلام کو کوئی شبہ نہ تھا جب (زکریا علیہ  
 السلام کو قوی اُمید ہو گئی تو اُنھوں) نے عرض کیا کہ اے میرے رب (وعدہ پر تو اطمینان ہو گیا اب  
 اس وعدہ کے قریب وقوع یعنی حمل کی بھی) کوئی علامت میرے لئے مقرر فرمادیجئے (تاکہ زیادہ شکر  
 کروں اور خود وقوع تو محسوساتِ ظاہرہ ہی میں سے ہے) ارشاد ہوا کہ تمھاری (دہ) علامت یہ ہے کہ تم تین  
 رات (اور تین دن تک) آدمیوں سے بات (چیت) نہ کر سکو گے حالانکہ تندرست ہو گے (کوئی بیماری وغیرہ



نہ ہوگی اور اسی وجہ سے ذکر اللہ کے ساتھ تکلم پر قدرت رہے گی چنانچہ باذن اللہ تعالیٰ ذکر یا علیہ السلام کی بیوی حاملہ ہوئیں اور حسب اخبار الہی ذکر یا علیہ السلام کی زبان بستہ ہو گئی (پس حجرے میں سے اپنی قوم کے پاس) آکر ہوئے اودان کو اشارہ سے فرمایا (کیونکہ زبان سے تو بول نہ سکتے تھے) کہ تم لوگ صبح اور شام خدا کی پاکی بیان کیا کرو۔ (یہ تسبیح اور امر بالتسبیح یا تو حسب معمول تھا ہمیشہ تذکیر ازبان سے کہتے تھے آج اشارہ سے کہا یا اس نعمت جدیدہ کے شکر میں خود بھی تسبیح کی کثرت فرمائی اور اوروں کو بھی اسی طور پر امر فرمایا غرض پھر یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور بن شہور کو پہنچے تو ان کو حکم ہوا کہ (اے یحییٰ کتاب کو (یعنی تورات کو کہ اس وقت وہی کتاب شریعت تھی اور انجیل کا نزول بعد میں ہوا) مضبوط ہو کر لو (یعنی خاص کوشش کے ساتھ عمل کرو) اور ہم نے ان کو (انیکہ) رکھین ہی میں (دین کی) سمجھ اور خاص اپنے پاس سے رقت قلب (کی صفت) اور پاکیزگی (اخلاق کی) عطا فرمائی تھی (حکم میں علم کی طرف اور حنان اور زکوٰۃ میں اخلاق کی طرف اشارہ ہو گیا) اور آگے اعمال ظاہرہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ) وہ بڑے پرہیزگار اور اپنے والدین کے خدمت گزار تھے (اس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی طرف اشارہ ہو گیا) اور وہ (خلق کے ساتھ) سرکشی کر نیوالے (یا حق تعالیٰ کی) نافرمانی کرنے والے نہ تھے اور (عند اللہ ایسے دجیہ اور مکرم تھے کہ ان کے حق میں منجانب اللہ یہ ارشاد ہوتا ہے کہ) ان کو (اللہ تعالیٰ کا) سلام پہنچے جس دن کہ وہ پیدا ہوئے اور جس دن کہ وہ انتقال کریں گے اور جس دن (قیامت میں) زندہ ہو کر اٹھائے جاویں گے۔

## معارف و مسائل

سورۃ کہف کے بعد سورۃ مریم شاید اس مناسبت سے رکھی گئی کہ جیسے سورۃ کہف بہت سے واقعات عجیبہ پر مشتمل تھی اسی طرح سورۃ مریم بھی ایسے واقعات غریبہ پر مشتمل ہے (روح المعانی) کھف حصّ حروف مقطعه اور تشابہات میں سے ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے بندوں کے لئے اس کی تفسیر بھی اچھی نہیں۔ **يَذَّأْءُ خَفِيًّا**، اس سے معلوم ہوا کہ دُعار کا آہستہ اور خفیہ کرنا افضل ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اِنَّ خَيْرَ الذِّكْرِ الْخَفِي وَخَيْرَ الرِّزْقِ مَا يَكْفِي**، یعنی بہترین ذکر خفی (آہستہ) ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو کافی ہو جائے (ضرورت سے نہ گھٹے نہ بڑھے) (قرطبی)

**اِنِّیْ وَهَنْ الْعَظْمُ مِیْیَ وَاشْتَغَلَ الرَّأْسُ شَیْبًا**، کمزوری ہڈیوں کی ذکر فرمائی کیونکہ ہی عمو بدن ہیں، جب ہڈی ہی کمزور ہو جائے تو پیرائے بدن کی کمزوری ہے۔ اشتغال کے لفظی معنی بھرکنا ٹھننے کے ہیں اس جگہ بالوں کی سفیدی کو آگ کی روشنی سے تشبیہ کر اسکا پورے سر پر پھیل جانا مقصود ہے۔ دُعائیں اپنی حاجت مند کا اظہار استعجاب ہے | اس جگہ دُعار سے پہلے حضرت ذکر یا علیہ السلام نے اپنے



ضعف و کمزوری کا ذکر کیا، اس کی ایک وجہ تو وہ ہے جس کی طرف خلاصہ تفسیر میں اشارہ کیا گیا ہے کہ ان علما کا مقصد یہ تھا کہ اولاد کی خواہش نہ کروں۔ ایک دوسری وجہ امام قرطبی نے تفسیر میں یہ بھی بیان فرمائی کہ کُما جائز کے وقت اپنے ضعف و بد حالی اور عاجزندی کا ذکر کرنا قبولیتِ دعا کے لئے اقرب ہے اسی لئے علماء نے فرمایا کہ انسان کو چاہیے کہ دعا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اپنی عاجزندی کا ذکر کرے۔

مَوَالِی، موالی کی جمع ہے۔ عربی زبان میں یہ لفظ بہت سے معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے اُن میں سے ایک معنی چچا زاد بھائی اور اپنے عصبیات کے بھی آتے ہیں اس جگہ وہی مراد ہے۔

انبیاء کے مال میں وراثت نہیں ملتی [يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ]، باتفاق یہود و علماء اس جگہ وراثت سے وراثتِ مالی مراد نہیں، کیونکہ اول تو حضرت زکریا کے پاس کوئی بڑی دولت ہونا ثابت نہیں جس کی فکر ہو کہ اسکا وارث کون ہوگا اور ایک پیغمبر کی شان سے بھی ایسی فکر کرنا بعید ہے اس کے علاوہ صحیح حدیث جس پر صحابہ کرام کا اجماع ثابت ہے اسیر ہے

ان العلماء ورثة الانبياء وان الانبياء	بیشک علماء وراثت ہیں انبیاء کے کیونکہ انبیاء
لم يرثوا ديناراً ولا درهماً ائثاراً العلم	سیرم اسلام دینار و درہم کی وراثت نہیں چھوٹے
فمن اخذنا اخذنا بحظ وافر رواه احمد	بلکہ اُن کی وراثت علم ہوتا ہے جس نے علم حاصل
وابوداؤد وابن ماجه والترمذی	کر لیا اُس نے بڑی دولت حاصل کر لی۔

یہ حدیث کتبِ شیعہ کافی، کلینی وغیرہ میں بھی موجود ہے، اور صحیح بخاری میں حضرت صدیقہ عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا نورث وما تركنا صدقة	ہم انبیاء کی مالی وراثت کسی کو نہیں ملتی ہم جو مال
	چھوڑیں وہ سب صدقہ ہے۔

اور خود اس آیت میں يَرِثُنِي کے بعد وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ کا اضافہ اسکی دلیل ہے کہ وراثت مالی مراد نہیں کیونکہ جس لڑکے کی پیدائش کی دعا کی جا رہی ہے اسکا آل یعقوب کے لئے مالی وراثت بشنا بظاہر حال ممکن نہیں۔ کیونکہ آل یعقوب کے وارث اُن کے عصبیاتِ قریبہ ہونگے اور وہ وہی مَوَالِیٰ ہیں جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا وہ بلاشبہ قرابت و عصوبت میں حضرت یحییٰ علیہ السلام سے اقرب ہیں اقرب کے ہوتے ہوئے عصبہ بعید کو وراثت، لہذا اصول وراثت کے خلاف ہے۔

روح المعانی میں کتبِ شیعہ سے یہ بھی نقل کیا ہے:

روى الكليني في الكافي عن ابى البختري	سليمان عليه السلام داود عليه السلام کے وارث
عن ابى عبد الله قال ان سليمان وارث داود	ہوئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سليمان عليه السلام
وان محمد صلى الله عليه وسلم وارث سليمان	کے وارث ہوئے۔



یہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی مالی وراثت ملنے کا کوئی احتمال اسکا ہی نہیں، مراد اس سے علوم نبوت کی وراثت ہے اس سے معلوم ہوا کہ وَرِثَ سُلَيْمٰنَ دَاوُدَ میں بھی وراثت مالی مراد نہیں۔ لَكِنْ نَجْعَلُ لَكَ مِنْ قَبْلِ سَمِيئًا، لفظ سَمِيئٌ کے معنی ہنام کے بھی آتے ہیں، اور مثل و مشابہ کے بھی، اس جگہ اگر پہلے معنی مراد لئے جادیں تو مطلب واضح ہے کہ ان سے پہلے یحییٰ نام کسی شخص کا نہیں ہوا تھا۔ یہ نام کی یکتائی اور امتیاز بھی بعض خاص صفات میں انکی یکتائی کی طرف مشیر تھی اسلئے اس کو ان کی صفت خاص میں ذکر کیا گیا اور اگر دوسرے معنی مراد لئے جادیں تو مطلب یہ ہوگا کہ بعض خاص صفات اور حالات اُن کے ایسے ہیں جو پچھلے انبیاء میں کسی میں نہ تھے اُن صفات خاصہ میں وہ بے مثل تھے۔ مثلاً اُن کا حضور ہونا وغیرہ اسلئے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یحییٰ علیہ السلام پچھلے سارے انبیاء سے مطلقاً افضل ہوں کیونکہ اُن میں حضرت قلیل اللہ اور حضرت کلیم اللہ کا ان سے افضل ہونا مسلم و معروف ہے۔ (منظہری)

عَنِّيَّ، عتو سے شتق ہے جس کے اصلی معنی تاثر قبول نہ کرنا ہے مراد اس سے پڑیوں کا خشک ہو جانا ہے۔ سَوِيًّا، کے معنی تندرست کے ہیں یہ لفظ اس لئے بڑھایا گیا کہ ذکر یا علیہ السلام پر اس حالت کا طاری ہونا کہ کسی انسان سے بات نہ کر سکیں کسی بیماری کی وجہ سے نہیں تھا اور اسی وجہ سے ذکر اللہ اور عبادت میں انکی زبان ان تینوں دنوں میں برابر کھلی ہوئی تھی بلکہ یہ حالت بطور سحر اور علامت حمل کے اُن پر طاری کی گئی تھی۔ حَذَانًا، اس لفظ کے لغوی معنی رقت قلب اور رحمت و شفقت کے ہیں جو حضرت یحییٰ علیہ السلام کو امتیازی طور پر دی گئی تھی۔

وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا

اور نہ گور کر کتاب میں مریم کا جب جدا ہوئی اپنے لوگوں سے ایک شرقی مکان

شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا ۖ فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا

میں پھر پکڑ لیا اُن سے در سے ایک پردہ پھر بھیجا ہم نے اسکے پاس

رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ

اپنا فرشتہ پھر بن کر آیا اُس کے آگے آدمی پورا بولی بچھ کو رحمن کی

بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ

پناہ تجھ سے اگر ہے تو ڈر رکھنے والا بولا میں تو بھیجا ہوا ہوں تیرے

رَبِّكَ ۖ لَا هَبْ لَكَ عِلْمًا ذِكًّا ۝ قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي

رب کا کہ دے ہاؤں تجھ کو ایک لڑکا سقرا بولی کہاں سے ہوگا میرے



عَلَّمَ وَلَمْ يَمَسِّنِي بَشَرًا لَّكَ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذَلِكَ

لڑکا اور چھوٹا نہیں مجھ کو آدمی نے اور میں بدکار کبھی نہیں تھی بولا یعنی ہے

قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىٰ هَيْئٍ وَلِنَجْعَلَ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً

فرمادیا تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے اور اُس کو ہم کیا چاہتے ہیں لوگوں کے لئے نشانی اور مہربانی اپنی

مِنَّا ج وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝

طرف سے، اور ہے یہ کام مقرر ہو چکا

## خلاصہ تفسیر

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس کتاب (یعنی قرآن کے اس خاص حصہ یعنی سورت) میں حضرت

مریم (علیہا السلام) کا قصہ بھی ذکر کیجئے کہ وہ زکریا علیہ السلام کے قصہ مذکورہ سے خاص مناسبت رکھتا ہے

اور وہ اُس وقت واقع ہوا جب کہ وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ (ہو کر) ایک ایسے مکان میں جو مشرق کی جانب

میں تھا (غسل کے لئے) گئیں پھر ان (گھر والے) لوگوں کے سامنے سے اُنھوں نے (درمیان میں) پردہ ڈال

لیا (تاکہ اس کی آڑ میں غسل کر سکیں) پس (اس حالت میں) ہم نے اپنے فرشتہ (جبریل علیہ السلام) کو بھیجا

اور وہ (فرشتہ) اُن کے سامنے (ہاتھ پاؤں اور صورت و شکل میں) ایک پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا (چونکہ

حضرت مریم نے اُس کو انسان سمجھا اسلئے گھبرا کر) کہنے لگیں کہ میں تجھ سے اپنے خدا کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو

(کچھ) خدا ترس ہے (تو یہاں سے ہٹ جا دیجے) فرشتہ نے کہا کہ (میں بشر نہیں کہ تم مجھ سے ڈرتی ہو بلکہ میں

تو تمہارے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں (اس لئے آیا ہوں) تاکہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں (یعنی تمہارے

منہ میں یا اگر میان میں دم کر دوں جس کے اثر سے باذن اللہ حمل رہ جاوے اور لڑکا پیدا ہو) وہ (تعجب سے)

کہنے لگیں (نہ کہ انکار سے) کہ میرے لڑکا کس طرح ہو جاوے گا حالانکہ (اس کی شرائط عادیہ میں سے

مرد کے ساتھ مقاربت ہے اور وہ بالکل مفقود ہے کیونکہ) مجھ کو کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا (یعنی

نہ تو نکاح ہوا) اور نہ میں بدکار ہوں (فرشتہ نے کہا کہ) (بس بغیر کسی بشر کے چھونے کے) یوں ہی (لڑکا)

ہو جاوے گا (اور میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ) تمہارے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بات (کہ بغیر

اسباب عادیہ کے بچہ پیدا کر دوں) مجھ کو آسان ہے اور (یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم بغیر اسباب عادیہ کے)

اس خاص طور پر اس لئے پیدا کریں گے تاکہ ہم اُس فرزند کو لوگوں کے لئے ایک نشانی (قدرت کی)

بنادیں اور (نیز اُسکے ذریعہ لوگوں کو ہدایت پانے کے لئے) اس کو باعثِ رحمت بنادیں اور یہ (بے بد

کے اس بچہ کا پیدا ہونا) ایک طے شدہ بات ہے (جو ضرور ہو کر رہے گی)۔



## معارف و مسائل

لَا تَقْبِذْتُ، نَبِذَ سے مشتق ہے جس کے پہلی معنی دُور ڈالنے اور پھینکنے کے ہیں۔ انتباذ کے معنی مجمع سے ہٹ کر دُور چلے جانے کے ہوئے۔ مَسْكَانًا مَشْرِقِيًّا، یعنی گھر کے اندر مشرقی جانب کے کسی گوشہ میں چلی گئیں۔ اُن کا گوشہ میں جانا کس غرض کے لئے تھا اس میں احتمالات اور اقوال مختلف ہیں بعض نے کہا کہ غسل کرنے کے لئے اُس گوشہ میں گئی تھیں۔ بعض نے کہا کہ حسبِ عادت عبادتِ الہی میں مشغول ہونے کے لئے محراب کی مشرقی جانب کے کسی گوشہ کو اختیار کیا تھا۔ قرطبی نے اسی دوسرے احتمال کو حسن قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ نصاریٰ نے جو جانب مشرق کو اپنا قبلہ بنایا اور اس جانب کی تعظیم کرتے ہیں اُس کی وجہ یہی ہے۔

فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا، رُوح سے مراد جہور کے نزدیک حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں، اللہ تعالیٰ نے اُن کے بطن سے پیدا ہونے والے بشر کی شبیہ اُن کے سامنے کر دی۔ مگر پہلا قول راجح ہے بعد کے کلمات سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا، فرشتہ کو اُس کی اپنی پہلی صورت و ہیئت میں دیکھنا انسان کے لئے آسان نہیں، اُس کی ہیئت غالب آجاتی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غارِ حرا میں اور بعد میں پیش آیا۔ اس مصلحت سے جبریل امین حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے بشکل انسانی ظاہر ہوئے۔ جب حضرت مریم نے ایک انسان کو اپنے قریب دیکھا جو پردہ کے اندر آگیا تو خطرہ ہوا کہ اس کا ارادہ بُرا معلوم ہوتا ہے اس لئے فرمایا:

إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ، (میں اللہ رحمن کی پناہ مانگتی ہوں تجھ سے)، بعض روایات میں ہے کہ جبریل امین نے یہ کلمہ سنا تو اللہ کے نام کی تعظیم کے لئے کچھ پیچھے ہٹ گئے۔

إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا، یہ کلمہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص کسی ظالم سے مجبور ہو کر فریاد کرے کہ اگر تو مؤمن ہے تو مجھ پر ظلم نہ کر۔ تیرا ایمان اس ظلم سے روکنے کے لئے کافی ہونا چاہیے۔ مطلب یہ ہوا کہ تمہارے لئے مناسب ہے کہ اللہ سے ڈرو، غلط اقدام سے بچو۔ خلاصہ یہ ہے کہ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا، استعاذہ کی شرط نہیں بلکہ استعاذہ کے موثر ہونے کی شرط برائے ترغیب ہے۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ کلمہ بطور مبالغہ کے لایا گیا ہے کہ اگر تم متقی بھی ہو تب بھی میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اور اس کے خلاف ہو تو معاملہ ظاہر ہے۔ (منظہری)

لَا هَبْ لِي، اس میں عطار فرزند کو جبریل علیہ السلام نے اپنی طرف اس لئے منسوب کیا کہ اُن کو اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے بھیجا تھا کہ اُن کے گریبان میں پھونک مار دیں۔ یہ پھونک عطار فرزند کا ذریعہ بن جائے گی، اگرچہ یہ عطار دراصل فعلِ الہی ہے۔



فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۝۲۲ فَاجَاءَهَا الْمَخَاضُ

پھر پیٹ میں لیا اس کو پھر یکسو ہوئی اسکو لیکر ایک بعید مکان میں، پھر لے آیا اسکو درد زہ

إِلَى جَذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَلَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ

ایک کھجور کی جڑ میں بولی کسی طرح میں مرجھتی اس سے پہلے اور ہو جاتی

نَسِيًّا مَّنْسِيًّا ۝۲۳ فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ

بھولی بھولی پس آواز دی اسکو اسکے نیچے سے کہ غمگین مت ہو کر دیا تیرے

رَبُّكَ تَحْتِكَ سَرِيًّا ۝۲۴ وَهَزَّتْ إِلَيْكَ بِجَذْعِ النَّخْلَةِ

رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ اور ہلا اپنی طرف کھجور کی جڑ

تَسْقِطُ عَلَيْكَ رَطْبًا جَنِيًّا ۝۲۵ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا

اُس سے گھریں گی تجھ پر بچی کھجوریں اب کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی رکھ

فَإِمَّا تَرَيَنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ

پھر اگر تو دیکھے کوئی آدمی تو کہیو میں نے مانا ہے رحمن کا

صَوْمًا فَلَنْ أَكَلِمَ الْيَوْمَ أَنْسِيًّا ۝۲۶

روزہ سو بات نہ کروں گی آج کسی آدمی سے

## خلاصہ تفسیر

پھر (اس گفتگو کے بعد جبریل علیہ السلام نے اُن کے گریبان میں پھونک مار دی جس سے اُن کے پیٹ میں لڑکار رہ گیا، پھر جب اپنے وقت پر حضرت مریم کو بچہ کی پیدائش کے آثار محسوس ہوئے تو) اس حمل کو لئے ہوئے (اپنے گھر سے) کسی دُور جگہ (جنگل پہاڑیں)، الگ چلی گئیں پھر (جب درد شروع ہوا تو) درد زہ کی وجہ سے کھجور کے درخت کی طرف آئیں (کہ اس کے سہارے بیٹھیں اُٹھیں، اب حالت یہ تھی کہ نہ کوئی انیس نہ جلیس، درد سے بے چین، ایسے وقت جو سامان راحت و ضرورت کا ہونا چاہیئے وہ نہ دار، ادھر بچہ ہونے پر بدنامی کا خیال، آخر گھبرا کر کہنے لگیں کاش میں اس (حالت) سے پہلے مر گئی ہوتی اور ایسی نیست و نابود ہو جاتی کہ کسی کو یاد بھی نہ رہتی، پس (اسی وقت خدا تعالیٰ کے حکم سے حضرت) جبریل (علیہ السلام پہنچے اور اُن کے احترام کی وجہ سے سامنے نہیں گئے بلکہ جس مقام پر حضرت مریم تھیں اس سے اسفل مقام میں آڑ میں آئے اور



انہوں نے اُن کے (اس) پائیں (مکان) سے ان کو پکارا۔ (جس کو حضرت مریم نے پہچانا کہ یہ اُسی فرشتہ کی آواز ہے جو اَوَّل ظاہر ہوا تھا) کہ تم (بے سرو سامانی سے یا خوف بدنامی سے) منہمومت ہو، (کیونکہ بے سرو سامانی کا تو یہ انتظام ہوا ہے کہ تمہارے رب نے تمہارے پائیں (مکان) میں ایک نہر پیدا کر دی ہے جس کے دیکھنے سے اور پانی پینے سے فرحت طبعی ہو و نیز حسب روایت روح انکو اس وقت پیاس بھی لگی تھی اور حسب مسئلہ طبیہ گرم چیزوں کا استعمال قبل وضع یا بعد وضع مسہل ولادت و دافع فضلات و مقوی طبیعت بھی ہے اور پانی میں اگر سخونت (گرمی) بھی ہو جیسا بعض چشموں میں مشاہد ہے تو اور زیادہ مزاج کے موافق ہوگا، و نیز کھجور کثیر الغذاء مولدِ خون، سکن و مقوی گردہ کمر و مفاصل ہونے کی وجہ سے زچہ کے لئے سب غذاؤں اور دواؤں سے بہتر ہے اور حرارت کی وجہ سے جو اُس کی مضرت کا احتمال ہے سواوّل تو رطب میں حرارت کم ہے، دوسرے پانی سے اسکی اصلاح ہو سکتی ہے تیسرے مضرت کا ظہور جب ہوتا ہے کہ عضو میں ضعف ہو ورنہ کوئی چیز بھی کچھ نہ کچھ مضرت سے خالی نہیں ہوتی و نیز خرق عادت (کرامت) کا ظہور اللہ کے نزدیک بقولیت کی علامت ہونے کی وجہ سے موجب مسرت (روحانی بھی ہے) اور اس کھجور کے تنہ کو (پکڑ کر) اپنی طرف ہلاؤ اس سے تم پر تروتازہ کھجوریں جھڑیں گی (کہ اس سے پھل کے کھانے میں لذت جسمانی اور بطور خرق عادت کے پھل کے آنے میں لذت روحانی مجتمع ہے) پھر (اس پھل کو) کھاؤ اور (وہ پانی) پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کر دو (یعنی بچہ کے دیکھنے سے اور کھانے پینے سے اور علامت قبول عند اللہ ہونے سے خوش رہو، پھر جب بدنامی کے احتمال کا موقع آوے یعنی کوئی آدمی اس قصہ پر مطلع ہو تو اسکا یہ انتظام ہوا ہے کہ اگر تم آدمیوں میں سے کسی کو بھی (آتا اور اعتراض کرتا) دیکھو تو (تم کچھ مست یوں بلکہ اشارہ سے اس سے) کہہ دینا کہ میں نے تو اللہ کے واسطے (ایسے) روزہ کی سنت مان رکھی ہے (جس میں بولنے کی بندش ہو) سو (اسوجہ سے) میں آج (دن بھر) کسی آدمی سے نہیں بولوں گی (اور خدا کے ذکر اور دعائیں مشغول ہونا اور بات ہے بس تم اتنا جواب دیکر بے فکر ہو جانا، اللہ تعالیٰ اس مولود مسعود کو خسر قیامت کے طور پر بولتا کر دیجاکا جس سے ظہور اعجاز دلیل نزاہت و اعصمت ہو جادگی غرض ہر غم کا علاج ہو گیا۔)

## معارف و مسائل

تمنائے موت کا حکم | یہ تمنائے موت اگر غم دنیا سے تھی تب تو غلبہ حال کو اسکا عذر کیا جاسکتا جس میں انسان من کل الوجہ مکلف نہیں رہتا اور اگر غم دین سے تھا کہ لوگ بدنام کریں گے اور شاید مجھے اس پر صبر نہ ہو سکے تو بے صبری کی معصیت میں مبتلا ہوگا، موت سے اس معصیت کی حفاظت رہیگی تو ایسی تمنا ممنوع نہیں ہے اور اگر شبہ ہو کہ حضرت مریم کو جو کہا گیا کہ تم کہہ دینا



کہ میں نے نذر کی ہے سو انھوں نے نذر تو نہ کی تھی، جواب یہ ہے کہ اسی سے یہ حکم بھی منہوم ہو گیا کہ تم نذر بھی کر لینا اور اس کو ظاہر کر دینا۔

سکوت کا روزہ شریعت قبل از اسلام یہ بھی عبادت میں داخل تھا کہ بولنے کا روزہ رکھے، صبح سے رات اسلام میں منسوخ ہو گیا تک کسی سے کلام نہ کرے۔ اسلام نے اس کو منسوخ کر کے یہ لازم کر دیا کہ صرف بڑے کلام گالی گلوچ، جھوٹ، غیبت وغیرہ سے پرہیز کیا جائے۔ عام گفتگو ترک کرنا اسلام میں کوئی عبادت نہیں رہی اس لئے اس کی نذر ماننا بھی جائز نہیں۔ لہذا وہ ابوداؤد مسعودی (رحمۃ اللہ علیہ) بعد احتلام و لا صمات یوم الی اللیل و حنفہ السیوطی و العزیزی، یعنی بچہ بالغ ہونے کے بعد باپ کے مرنے سے یمیم نہیں کہلاتا، اُس پر احکام یمیم کے جاری نہیں ہوتے اور صبح سے شام تک خاموش رہنا تو اسلام میں کوئی عبادت نہیں۔ اور در ذرہ میں پانی اور کھجور کا استعمال طیباً بھی مفید ہے اور اکل و شرب کا حکم بظاہر اباحت کے لئے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

بغیر مرد کے تنہا عورت سے بچہ اور حمل د تولد بلا توسط مرد کے فارق عادت (مجرزہ) ہے اور خوارق میں کتنا پیکار ہو جانا خلاف عقل نہیں ہی استبعاد ہو مضائقہ نہیں بلکہ وصف اعجاز کا اور زیادہ ظہور ہے لیکن اس میں اسوجہ سے زیادہ استبعاد بھی نہیں کہ حسب تصریح کتب طب عورت کی منی میں قوت متعقدہ کے ساتھ قوت عاقدہ بھی ہے اس لئے مرض رجا میں اعضا کی کچھ ناتمام سورت بھی بن جاتی ہے کما صرح بہ فی القانون، پس اگر یہی قوت عاقدہ اور بڑھ جائے تو زیادہ مستبعد نہیں ہے۔ (بیان القرآن)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو کھجور کا درخت ہلانے کا حکم دیا، حالانکہ اُس کی قدرت میں یہ بھی تھا کہ بغیر اُن کے ہلانے کے خود ہی کھجوریں اُن کی گود میں گر جائیں مگر حکمت یہ ہے کہ اس میں تحصیل رزق کے لئے کوشش کرنے کا سبق ملتا ہے اور یہ بھی بتلاتا ہے کہ رزق کے حاصل کرنے میں کوشش اور محنت کرنا تو کل کے خلاف نہیں۔ (روح المعانی)

سیرینا، نفا سوری کے لغوی معنی چھوٹی نہر ہے۔ اس موقع پر حق تعالیٰ نے ایک چھوٹی نہر اپنی قدرت سے بلا واسطہ جاری فرمادی یا جبریل کے ذریعہ چشمہ جاری کرادیا، دونوں طرح کی روایتیں ہیں۔ یہاں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ حضرت مریم کی تسلی کے اسباب ذکر کرنے کے وقت تو پہلے پانی کا ذکر فرمایا پھر کھانے کی چیز کھجور کا، اور جب استعمال کا ذکر آیا تو ترتیب بدل کر پہلے کھانے کا حکم فرمایا پھر پانی پینے کا۔ کھجور و اشتر پی، وجہ غالباً یہ ہے کہ انسان کی فطری عادت ہے کہ پانی کا اہتمام کھانے سے پہلے کرتا ہے خصوصاً اگر ایسی غذا جس کے بعد پیاس لگنا یقینی ہو اسکے کھانے سے پہلے پانی مہیا کرتا ہے مگر استعمال کی ترتیب یہ ہوتی ہے کہ پہلے غذا کھاتا ہے پھر پانی پیتا ہے۔ (روح المعانی)



فَاتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِيلُهُ ۖ قَالُوا يَمْرُئِمُ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا

پھر لائی اس کو اپنے لوگوں کے پاس گود میں وہ اُس کو کہنے لگے اے مریم تو نے کی یہ چیز طوفان

فَرِيًّا ۚ يَا خَتَّ هُرُونَ مَا كَانَ أَبُوكَ اِمْرًا سَوِيًّا وَمَا كَانَتْ

کی اے بہن ہارون کی نہ تھا تیرا باپ بُرا آدمی اور نہ تھی تیری

اُمِّكَ بَغِيًّا ۚ فَاشَارَتْ اِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ تُكَلِّمُ مَنْ كَانَ

ماں بدکار پھر ہاتھ سے بتلایا اُس لڑکے کو بولے ہم کیونکر بات کریں اُس شخص سے

فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۚ قَالَ اِنِّى عَبْدُ اللّٰهِ اَتَنَبَّأُ اَشْيَا الْكِتٰبِ وَ

کہ وہ ہے گود میں لڑکا وہ بولا میں بندہ ہوں اللہ کا مجھ کو اُس نے کتاب دی ہے اور

جَعَلَنِى نَبِيًّا ۚ وَجَعَلَنِى مُبْرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَ اَوْصٰىنِى

مجھ کو اُس نے نبی کیا اور بنایا مجھ کو برکت والا جس جگہ میں ہوں اور تاکید کی مجھ کو

بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۚ وَبَرًّا بِوَالِدَتِىْ وَلَمْ

نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک میں رہوں زندہ اور سلوک کرنے والا اپنی ماں سے اور نہیں

يَجْعَلَنِى جَبَّارًا شَقِيًّا ۚ وَالسَّلَامُ عَلٰى يَوْمٍ وُلِدْتُ وَيَوْمَ

بنایا مجھ کو زبردست بدبخت اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن

اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۚ

مردن اور جس دن اُٹھ کھڑا ہوں زندہ ہو کر

## خلاصہ تفسیر

(غرض مریم علیہا السلام کی اس کلام سے تسلی ہوئی اور عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے) پھر وہ ان کو گود میں لئے ہوئے (وہاں سے بستی کو چلیں اور) اپنی قوم کے پاس لائیں، لوگوں نے (جو دیکھا کہ ان کی شادی تو ہوئی نہ تھی یہ بچہ کیسا، بدگمان ہو کر) کہا اے مریم! تم نے بڑے غضب کا کام کیا (یعنی نعوذ باللہ بدکاری کی، اور یوں تو بدکاری کوئی بھی کرے بُرا ہے لیکن تم سے ایسا فعل ہونا زیادہ غضب کی بات ہے کیونکہ) اے ہارون کی بہن! (تمہارے خاندان میں کبھی کسی نے ایسا نہیں کیا چنانچہ تمہارے باپ کوئی بُرے آدمی نہ تھے کہ ان سے یہ اثر تم میں آیا ہو) اور نہ تمہاری ماں بدکار تھیں کہ ان سے یہ اثر تم میں آیا ہو، پھر ہارون جو تمہارے رشتہ کے بھائی ہیں جن کا نام ان ہارون نبی کے نام پر رکھا



گیا ہے وہ کیسے کچھ نیک شخص ہیں، غرض جسکا خاندان کا خاندان پاک نسات ہو اُس سے یہ حرکت ہونا کتنا بڑا غضب ہے، پس مریم (علیہا السلام) نے (یہ ساری تقریر سن کر کچھ جواب نہیں دیا بلکہ) بچہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ اس سے کہو جو کچھ کہنا ہو یہ جواب دیجو (وہ لوگ سمجھے کہ یہ ہمارے ساتھ تمسخر کرتی ہیں) کہنے لگے کہ بھلا ہم ایسے شخص سے کیونکر باتیں کریں جو ابھی گود میں بچہ ہی ہے (کیونکہ بات اُس شخص سے کی جاتی ہے جو کہ وہ بھی بات چیت کرتا ہو، سو جب یہ بچہ ہے اور بات پر قادر نہیں، تو اس سے کیا بات کریں اتنے میں) وہ بچہ (خود ہی) بول اٹھا کہ میں اللہ کا (خاص) بندہ ہوں (نہ تو اللہ ہوں جیسا کہ جہلاء نصاریٰ سمجھیں گے اور نہ غیر مقبول ہوں جیسا یہود سمجھیں گے اور بندہ ہونے کے اور پھر خاص ہونے کے یہ آثار ہیں کہ) اُس نے مجھ کو کتاب (یعنی انجیل) دی (یعنی گواہی دے گا مگر بوجہ یقینی ہونے کے ایسا ہی ہے جیسا کہ دیدی) اور اس نے مجھ کو نبی بنایا (یعنی بنا دے گا) اور مجھ کو برکت والا بنایا (یعنی مجھ سے خلق کو دین کا نفع پہنچے گا) میں جہاں کہیں بھی ہوں (گا مجھ کو برکت پہنچے گی وہ نفع تبلیغ دین ہے خواہ کوئی قبول کرے یا نہ کرے اُنھوں نے تو نفع پہنچا ہی دیا) اور اس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک میں (دنیا میں) زندہ رہوں (اور ظاہر ہے کہ آسمان پر جانے کے بعد مکلف نہیں رہے اور یہ دلیل ہے بندہ ہونے کی جیسا کہ اور دلائل ہیں خصوصیت کے) اور مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا (اور چونکہ بے باپ پیدا ہوئے ہیں اس لئے والدہ کی تخصیص کی گئی) اور اس نے مجھ کو سرکش بد بخت نہیں بنایا کہ ادائے حق خالق یا ادائے حق والدہ سے سرکشی کروں یا حقوق و اعمال کے ترک سے بد بختی خرید لوں، اور مجھ پر (اللہ کی جانب سے) سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میں گواہی دے گا کہ وہ زمانہ قرب قیامت کا بعد نزول من السماء کے ہوگا، اور جس روز میں قیامت میں (زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا) اور اللہ کا سلام دلیل ہے خاص بندہ ہونے کی۔

## معارف و مسائل

فَإِنَّهُمْ قَوْمٌ كَاذِبُونَ، ان الفاظ سے ظاہر یہی ہے کہ حضرت مریم کو جب غیبی بشارتوں کے ذریعہ اسکا اطمینان ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بدنامی اور رسوائی سے بچا دیں گے تو خود ہی اپنے نومولود بچے کو لیکر اپنے گھر واپس آ گئیں۔ پھر یہ واپسی پیدائش کے کتنے دن بعد ہوئی۔ ابن عساکر کی روایت ابن عباس سے یہ ہے کہ ولادت سے چالیس روز بعد جب نفاس سے فراغت و طہارت ہو چکی اُس وقت اپنے گھر والوں کے پاس آئیں (رُوح المعانی)

شَيْئًا قَرِيبًا، نفاذ فری عربی زبان میں دراصل کاٹنے اور پھاڑنے کے معنی میں آتا ہے، جس کام یا جس چیز کے ظاہر ہونے میں غیر معمولی کاٹ چھانٹ ہو اُس کو فری کہتے ہیں۔ ابو حیان نے فرمایا کہ



ہر امرِ عظیم کو قوی کہا جاتا ہے خواہ وہ اچھائی کے اعتبار سے عظیم ہو یا بُرائی کے اعتبار سے۔ اس جگہ بڑی بُرائی کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور اس لفظ کا اکثر استعمال ایسی ہی چیز کے لئے معروف ہے جو اپنی شہانت اور بُرائی کے اعتبار سے غیر معمولی اور بڑی سمجھی جاتی ہو۔

**يَا خُتَّ هَارُونَ**، حضرت ہارون علیہ السلام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی اور ساتھی تھے حضرت مریم کے زمانے سے سیکڑوں برس پہلے گزر چکے تھے یہاں حضرت مریم کو ہارون کی بہن قرار دینا ظاہر ہے کہ اپنے اس ظاہری مفہوم کے اعتبار سے نہیں ہو سکتا اسی لئے جب حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ بخران کے پاس بھیجا تو انھوں نے سوال کیا کہ تمہارے قرآن میں حضرت مریم کو اُخت ہارون کہا گیا ہے حالانکہ ہارون علیہ السلام اُن سے بہت قرون پہلے گزر چکے ہیں حضرت مغیرہ کو اس کا جواب معلوم نہ تھا جب واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا کہ تم نے ان سے یہ کیوں نہ کہد یا کہ اہلِ ایمان کی عادت یہ ہے کہ تبرکاً انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر اپنے نام رکھتے ہیں اور اُن کی طرف نسبت کیا کرتے ہیں (رواہ احمد و مسلم و الترمذی و النسائی) اس حدیث کے مطلب میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت مریم کی نسبت حضرت ہارون کی طرف اس لئے کر دی گئی کہ وہ اُن کی نسل و اولاد میں سے ہیں اگرچہ زمانہ کتنا ہی بعید ہو گیا ہو جیسے عرب کی حالت ہے کہ قبیلہ تمیم کے آدمی کو اخا تمیم اور عرب کے آدمی کو اخا عرب بولتے ہیں۔ دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ یہاں ہارون سے مراد ہارون بنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رفیق مراد نہیں بلکہ حضرت مریم کے اپنے بھائی کا نام ہارون تھا جو تبرکاً حضرت ہارون بنی کے نام پر رکھا گیا تھا اس طرح مریم کو اُخت ہارون کہنا اپنے حقیقی مفہوم کے اعتبار سے درست ہو گیا۔

**مَا كَانَ أَبُو إِدْرِيسَ**، ان الفاظ قرآن سے اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص اذیاً اللہ اور صالحین کی اولاد میں ہو وہ اگر کوئی بُرا کام کرتا ہو تو وہ عام لوگوں کے گناہ سے زیادہ بُرا گناہ ہوتا ہے کیونکہ اس سے اُس کے بڑوں کی رُسوائی اور بدنامی ہوتی ہے اس لئے اولادِ صالحین کو اعمالِ صالحہ اور تقویٰ کی زیادہ فکر کرنا چاہیے۔

**إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ**، ایک روایت میں ہے کہ جب وقتِ خاندان کے لوگوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو ملامت کرنا شروع کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام دودھ پنی رہے تھے۔ جب انھوں نے ان لوگوں کی ملامت کو سنا تو دودھ چھوڑ دیا اور اپنی بائیں کر دٹ پر سہارا لیکر اُن کی طرف متوجہ ہوئے اور انگشت شہادت سے اشارہ کرتے ہوئے یہ الفاظ فرمائے **إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ** یعنی میں اللہ کا بندہ ہوں، اس پہلے ہی لفظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ اگرچہ میری پیدائش معجزانہ انداز سے ہوئی ہے مگر میں خدا نہیں خدا کا بندہ ہوں تاکہ لوگ میری پرستش میں مبتلا نہ ہو جائیں۔



اَشْنٰی الْكِتَابَ وَجَعَلْنٰی یَدِیْہَا، ان الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی شیرخوارگی کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت اور کتاب ملنے کی خبر دی۔ حالانکہ کسی پیغمبر کو چالیس سال کی عمر سے پہلے نبوت و کتاب نہیں ملتی! اسلئے مفہوم اسکا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ طے فرمادیا ہے کہ مجھے اپنے وقت پر نبوت اور کتاب دیں گے اور یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے نبوت اُس وقت عطا کر دی گئی تھی جب کہ آدم علیہ السلام ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اُن کا خمیری تیار ہو رہا تھا اس کا مطلب ظاہر ہے کہ اس کے سوا نہیں کہ عطار نبوت کا دہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے قطعی اور یقینی تھا یہاں بھی اسی یقین کو عطار نبوت کے لفظ ماضی سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ عطار نبوت کا اظہار کرنے سے ان لوگوں کی بدگمانی رفع کر دی گئی کہ میری والدہ پر بدکاری کا الزام لگانا سراسر غلط ہے کیونکہ میرا نبی ہونا اور مجھے رسالت کا ملنا اسکی دلیل ہے کہ میری پیدائش میں کسی گناہ کا دخل نہیں ہو سکتا۔

اَوْصٰی بِالْعَمَلٰوۃِ وَالزَّكٰوۃِ، کسی چیز کا حکم جب زیادہ تاکید کے ساتھ کیا جائے تو اسکو وصیت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس جگہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت فرمائی اسکا مفہوم یہی ہے کہ بڑی تاکید سے ان دونوں چیزوں کا مجھے حکم دیا۔

نماز اور زکوٰۃ، ایسی عبادتیں ہیں کہ آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر نبی و رسول کی شریعت میں فرض رہی ہیں البتہ مختلف شریعتوں میں انکی تفصیلات اور جزئیات مختلف رہی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی نماز اور زکوٰۃ فرض تھے۔ رہا یہ معاملہ کہ عیسیٰ علیہ السلام تو کبھی مالہ ادبی نہیں ہوئے، نہ گھر بنایا نہ کچھ جمع کیا پھر زکوٰۃ کا اُن کو حکم دینا کس بنا پر ہے؟ تو اسکا مقصد واضح یہ ہے کہ انکی شریعت میں قانون یہ بنادیا گیا تھا کہ جس شخص کے پاس مال ہو اسپر زکوٰۃ فرض ہے عیسیٰ علیہ السلام بھی اسکے مخاطب ہیں کہ جب کبھی مال بقدر نصاب جمع ہو جائے تو زکوٰۃ ادا کریں پھر اگر عمر بھر میں کبھی مال جمع ہی نہ ہو تو یہ اُس کے منافی نہیں۔ (روح)

مَا دُمْتُ حَیًّا، یعنی نماز اور زکوٰۃ کا حکم میرے لئے دائمی ہے جب تک زندہ ہوں ملاحظہ ہو کہ اس سے مراد وہ حیات ہے جو اس عالم دنیا میں زمین پر ہے کیونکہ یہ اعمال اسی زمین پر ہو سکتے ہیں۔ یہیں سے متعلق ہیں آسمان پر اُٹھائے جانے کے بعد نزول کے زمانے تک رخصت کا زمانہ ہے۔

بَرَّآءٌ اِلٰی الدِّیْنِ، اس جگہ صرف والدہ کا ذکر کیا والدین کا نہیں۔ انہیں اشارہ کر دیا کہ میرا بڑا معجزانہ طور پر بغیر والد کے ہوا ہے اور بچپن کا یہ معجزانہ کلام اسکے لئے کافی شہادت اور دلیل ہے۔

ذٰلِكَ عِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْہِ

یہ ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا سچی بات جس میں لوگ



يَمْتَرُونَ ۳۳ مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ سُبْحَنَهُ

جھگڑتے ہیں اللہ ایسا نہیں کہ رکھے اولاد وہ پاک ذات ہے

إِذَا قُضِيَ أَمْرٌ فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۳۴ وَإِنَّ اللَّهَ

جب ٹھہرا لیتا ہے کسی کام کا کرنا، سو یہی کہتا ہے اسکو کہ ہو وہ ہو جاتا ہے اور کہا بیشک

رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۳۵ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۳۶

اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا، سو اسکی بندگی کرو، یہ ہے راہ سیدھی

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ

پھر عہدی بھدی راہ اختیار کی فرقوں نے ان میں سے سو خرابی ہے

كَفَرُوا مِنْ مَّشْهَدٍ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۳۷ أَسْمِعْ بِهِمْ وَا

سکروں کو جس وقت دیکھیں گے ایک دن بڑا کیا خوب سنئے اور

أَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونا لَكِنَ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ

دیکھتے ہونگے، جس دن آئیں گے ہمارے پاس، پر بے انصاف آج کے دن صریح بہک

مُبِينٍ ۳۸ وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ

رہے ہیں اور ڈرنا ہے ان کو اُس بچتا دے کے دن کا، جب فیصل ہو چکے گا کام

وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۳۹ إِنَّا نَحْنُ

اور وہ بھول رہے ہیں اور وہ یقین نہیں لاتے ہم وارث ہوں گے

ثَرِثُ الْأَرْضِ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ۴۰

زمین کے اور جو کوئی ہے زمین پر اور وہ ہماری طرف پھر آئیں گے

## خلاصہ تفسیر

یہ ہیں عیسیٰ بن مریم (جن کے اقوال و احوال مذکور ہوئے جس سے ان کا بندہ مقبول ہونا معلوم ہوتا ہے نہ جیسے کہ عیسائیوں نے ان کو بندوں کی فہرست سے خارج کر کے خدا تک پہنچا دیا ہے اور نہ ویسے جیسا کہ یہودیوں نے ان کو مقبولیت سے خارج کر کے طرح طرح کی تہمتیں لگائی ہیں) میں (بالکل) سچی بات کہہ رہا ہوں جس میں یہ (افراط و تفریط کرنے والے) لوگ جھگڑ رہے ہیں (چنانچہ



یہود و نصاریٰ کے اقوال اوپر معلوم ہوئے اور چونکہ یہود کا قول ظاہراً بھی موجب تنقیص نبی تھا جو کہ ہذا باطل ہے اس لئے اسکے رد کی طرف اس مقام پر توجہ نہیں فرمائی بخلاف قول نصاریٰ کے کہ ظاہراً مثبت زیادت کمال تھا کہ نبوت کے ساتھ خدا کا بیٹا ہونا ثابت کرتے تھے اس لئے آگے اس کو رد فرماتے ہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ اسمیں حق تعالیٰ کی تنقیص بوجہ انکار توحید کے لازم آتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اولاد بنائے وہ (بالکل) پاک ہے دیکھو کہ اس کی یہ شان ہے کہ وہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو بس اس کو اتنا فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے (اور ایسے کمال کے واسطے اولاد کا ہونا عقلاً نقص ہے) اور آپ اثبات توحید کے لئے لوگوں سے فرما دیجئے کہ مشرکین بھی سن لیں کہ بیشک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے سو (صرف) اسی کی عبادت کرو (اور یہی) خالص خدا کی عبادت کرنا یعنی توحید اختیار کرنا دین کا (سیدھا راستہ ہے سو توحید پر برباد جودان عقلی اور نقلی دلائل قائم ہونے کے پھر بھی) مختلف گروہوں نے (اس بارہ میں) باہم اختلاف ڈال دیا (یعنی توحید کا انکار کر کے طرح طرح کے مذاہب ایجاد کر لئے) سو ان کافروں کے لئے نیک بڑے (بھاری) دن کے آجانے سے بڑی خرابی (ہونے والی) ہے (مراد اس سے قیامت کا دن ہے کہ یہ دن ایک ہزار سال دراز اور ہولناک ہونے کی وجہ سے بہت عظیم ہوگا) جس روز یہ لوگ (حساب و جزا کے لئے) ہمارے پاس آویں گے (اس روز) کیسے کچھ شنوا اور بینا ہو جائیں گے۔ دیکھو کہ قیامت میں یہ حقائق پیش نظر ہو جائیں گے اور تمام تر غلطیاں رفع ہو جائیں گی) لیکن یہ ظالم آج (دنیا میں کسی) صریح غلطی میں (مبتلا ہو رہے) ہیں، اور آپ ان لوگوں کو حسرت کے دن سے ڈرائیے جبکہ (جنت و دوزخ کا) اخیر فیصلہ کر دیا جاوے گا (جسکا ذکر حدیث میں ہے کہ جنت اور دوزخ والوں کو موت دکھلا کر اس کو ذبح کر دیا جاوے گا اور دونوں کو خلود (یعنی ہمیشہ ہمیشہ اسی حال میں زندہ رہنے کا حکم سنایا جاوے گا) رواہ الشیخان والترمذی۔ اور اس وقت کی حسرت کا بھجڑ ہونا ظاہر ہے) اور وہ لوگ (آج دنیا میں) غفلت میں (پڑے) ہیں اور وہ لوگ ایمان نہیں لاتے (لیکن آخر ایک دن مریں گے) اور تمام زمین اور زمین پر رہنے والوں کے وارث (یعنی آخر مالک) ہم ہی رہ جائیں گے اور یہ سب ہمارے ہی پاس ٹوٹائے جائیں گے (پھر اپنے کفر و شرک کی سزا بھگتیں گے)۔

## معارف و مسائل

ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہود و نصاریٰ کے یہودہ خیالات میں افراط و تفریط کا یہ عالم تھا کہ نصاریٰ نے تو تعظیم میں اتنی زیادتی کی کہ انکو خدا تعالیٰ



کا بیٹا بنادیا، اور یہود نے اُن کی توہین و تذلیل میں یہاں تک کہہ دیا کہ وہ یوسف نجر کی ناجائز اولاد میں ہیں۔ معاذ اللہ، حق تعالیٰ نے ان دونوں غلط کاروں کی غلطی تیار کر اسکی صحیح حیثیت ان آیات میں واضح فرمادی۔ (قرطبی)

**قَوْلُ الْحَقِّ**، بفتح لام اس کی واضح ترکیب نحو یہ ہے کہ اقول قول الحق اسکی اصل ہے اور بعض قراتوں میں قول الحق بضم لام بھی ہے تو اس صورتیں مراد یہ ہوگا کہ عیسیٰ علیہ السلام خود قول حق ہیں جیسا کہ ان کو کلمۃ اللہ کا لقب بھی دیا گیا ہے کیونکہ انکی پیدائش بلا واسطہ سبب ظاہری کے صورت اللہ تعالیٰ کے قول سے ہوئی ہے۔ (قرطبی)

**يَوْمَ الْحَسْرَةِ**، اس روز کو یوم الحسرت اس لئے کہا گیا ہے کہ اہل جہنم کو تو یہ حسرت ہونا ظاہر ہے کہ اگر وہ مومن صالح ہوتے تو ان کو جنت ملتی اب جہنم کے عذاب میں گرفتار ہیں۔ ایک خاص قسم کی حسرت اہل جنت کو بھی ہوگی جیسا کہ طبرانی اور ابویعلیٰ نے بروایت حضرت معاذ یہ حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت کو کسی چیز پر حسرت نہ ہوگی بجز ان لمحات وقت کے جو بغیر ذکر اللہ کے گزر گئے۔ اور لغوی بروایت ابو ہریرہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مرنے والے کو حسرت و ندامت سے سابقہ پڑے گا۔ صحابہ کرامؓ نے سوال کیا کہ یہ ندامت و حسرت کس بنا پر ہوگی تو آپؐ نے فرمایا کہ نیک اعمال کرنے والے کو اس پر حسرت ہوگی کہ اور زیادہ نیک اعمال کیوں کر لئے کہ اور زیادہ درجات جنت ملے اور بدکار آدمی کو اس پر حسرت ہوگی کہ وہ اپنی بدکاری سے باز کیوں نہ آگیا۔ (مظہری)

**وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ الْإِسْمِ إِنَّكَ كَانَتْ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۝۳۱**

اور مذکور کتاب میں ابراہیم کا بیشک تھا وہ سچا نبی جب

**قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا يَا بَنِي إِسْرٰءِيلَ مَا لَا يَشْعُرُ وَلَا يَبْصُرُ**

کہا اپنے باپ کو اے باپ میرے کیوں پڑ جتا ہے کہ کو جو نہ سنے اور نہ دیکھے

**وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ۝۳۲** يَا بَنِي إِسْرٰءِيلَ قَدْ جَاءَنِي مِنَ

اور نہ کام آئے تیرے کچھ اے باپ میرے مجھ کو آئی ہے خبر ایک

**الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝۳۳**

چیز کی جو تجھ کو نہیں آئی سو میری راہ چل دکھلا دوں تجھ کو راہ سیدھی

**يَا بَنِي إِسْرٰءِيلَ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ**

اے باپ میرے مت پوج شیطان کو بیشک شیطان ہے رحمن کا



عَصِيًّا ۳۳ يَا بَتِ اِنِّيْ اَخَافُ اَنْ يَّمْسَكَ عَذَابٌ مِّنْ

نا فرمان اے باپ میرے میں ڈرتا ہوں کہیں آگے تجھ کو ایک آنفت

الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۳۴ قَالَ اَرَاغِبُ اَنْتَ

رحمن سے پھر تو ہو جائے شیطان کا ساتھی وہ بولا کیا تو پھرا ہوا ہے

عَنْ اِلٰهِيْ يٰ اِبْرٰهِيْمُ لَیْنُ لَمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ

میرے ٹھاکروں سے اے ابراہیم اگر تو باز نہ آئے گا تو تجھ کو سنگسار کر دوں گا اور دور ہو جا میرے

مَلِيًّا ۳۵ قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ سَاَسْتَغْفِرُكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ

پاس سے ایک ت کہا تیری سلامتی رہے میں گناہ بخشاؤں گا تیرا اپنے رب سے بیشک

كَانَ رَبِّيْ حَفِيًّا ۳۶ وَاَعِزُّ لَكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

وہ ہے مجھ پر مہربان اور چھوڑتا ہوں تم کو اور جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا

وَادْعُوا رَبِّيْ عَسٰی اَلَّا اَكُوْنَ بِدُعَاۤءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۳۷

اور میں بندگی کر دوں گا اپنے رب کی، امید ہے کہ نہ رہوں گا اپنے رب کی بندگی کر کر محروم

فَلَمَّا اَعِزَّلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهُ

پھر جب جدا ہوا ان سے اور جن کو وہ پوجتے تھے اللہ کے سوا بخشا ہم نے اُس کو

اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۳۸ وَوَهَبْنَا لَهُم مِّنْ

اسحق اور یعقوب اور دونوں کو نبی کیا اور دیا ہم نے ان کو اپنی

رَّحْمٰتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۳۹

رحمت سے اور کیا ان کے واسطے سچا بول اُوپنا

## خلاصہ تفسیر

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس کتاب (یعنی قرآن) میں (لوگوں کے سامنے حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کا قصہ ذکر کیجئے (تاکہ ان کو توحید و رسالت کا مسئلہ زیادہ منکشف ہو جاوے) وہ ہر قول فعل میں) بڑے راستی واسطے اور پیغمبر تھے (اور وہ قصہ جس کا ذکر کرنا اس جگہ مقصود ہے اُس وقت ہوا تھا) جب کہ انھوں نے اپنے باپ سے (جو کہ مشرک



تھا، لہا کہ اے میرے باپ تم ایسی چیز کی کیوں عبادت کرتے ہو جو نہ کچھ سُنے اور نہ کچھ دیکھے اور نہ تمہارے کچھ کام آسکے (مُراد بت ہیں حالانکہ اگر کوئی دیکھتا سُنتا کچھ کام آتا بھی ہو مگر واجب الوجود نہ ہو تب بھی لائق عبادت نہیں چہ جائیکہ ان اوصاف سے بھی عاری ہو تو وہ بدرجہ اولیٰ لائق عبادت نہ ہوگا) اے میرے باپ میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا (مراد اس سے وحی ہے جس میں احتمال غلطی کا ہو ہی نہیں سکتا پس میں جو کچھ کہہ رہا ہوں قطعاً حق ہے جب یہ بات ہے) تو تم میرے کہنے پر چلو میں تم کو سیدھا راستہ بتاؤں گا (اور وہ توحید ہے) اے میرے باپ تم شیطان کی پرستش مت کرو (یعنی شیطان کو اور اس کی عبادت کو تو تم بھی بُرا سمجھتے ہو اور بُت پرستی میں شیطان پرستی بالیقین لازم ہے کہ وہی یہ حرکت کراتا ہے۔ اور کسی کی ایسی اطاعت کرنا کہ حق تعالیٰ کے مقابلے میں بھی اسکی تعلیم کو حق سمجھے یہی عبادت ہے پس بُت پرستی میں شیطان پرستی ہوئی اور) بیشک شیطان (حضرت) رحمان کا نافرمانی کرنے والا ہے (تو وہ کب اطاعت کے لائق ہوگا) اے میرے باپ، میں اندیشہ کرتا ہوں (اور وہ اندیشہ یقینی ہے) کہ تم پر رحمان کی طرف سے کوئی عذاب نہ آپڑے (خواہ دُنیا میں یا آخرت میں) پھر تم (عذاب میں) شیطان کے ساتھی ہو جاؤ (یعنی جب اطاعت میں اس کا ساتھ دو گے تو نفسِ عقوبت میں بھی اس کا ساتھ ہوگا گو شیطان کو دُنیا میں عذاب نہ ہوا ہو اور اس شیطان کی معیت اور مشارکت فی العقوبت کو کوئی اپنی بھلائی چاہنے والا پسند نہ کرے گا۔

ابراہیم علیہ السلام کی یہ تمام تر نصائح سن کر) باپ نے جواب دیا کہ کیا تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو اے ابراہیم (اور اس لئے مجھ کو بھی منع کرتے ہو یاد رکھو) اگر تم (ان بُتوں کی مذمت سے اور مجھ کو ان کی عبادت سے منع کرنے سے) باز نہ آئے تو میں ضرور تم کو مار پتھروں گے سنگسار کر دوں گا (پس تم اس سے باز آ جاؤ) اور ہمیشہ ہمیش کے لئے مجھ (کو کہنے سُنے) سے برکنار رہو ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا (بہتر) میرا سلام ہو (اب تم سے کہنا سُنا بے سود ہے) اب میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی (اس طرح) درخواست کروں گا (کہ تم کو ہدایت کرے جس پر مغفرت مرتب ہوتی ہے) بیشک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے (اس لئے اسی سے عرض کروں گا جس کا قبول فرمانا یا نہ فرمانا دونوں مختلف اعتبار سے رحمت اور مہربانی ہے) اور تم اور تمہارے ہم مذہب جب میری حق بات کو بھی نہیں مانتے تو تم میں رہنا بھی فضول ہے اس لئے میں تم لوگوں سے اور جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کر رہے ہو ان سے (بدنہا بھی) کنارہ کرتا ہوں (جیسا قلباً پہلے ہی سے برکنار ہوں) یعنی یہاں رہتا بھی نہیں (اور (اطمینان سے علیحدہ ہو کر) اپنے رب کی عبادت کروں گا) کیونکہ یہاں رہ کر اس میں بھی مزاحمت ہوگی (امید (یعنی یقین) ہے



کہ اپنے رب کی عبادت کر کے محروم نہ رہوں گا (جیسا بُت پرست اپنے باطل محبوبوں کی عبادت کر کے محروم رہتے ہیں، غرض اس گفتگو کے بعد اُن سے اس طرح علیحدہ ہوئے کہ ملک شام کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے) پس جب ان لوگوں سے اور جن کی وہ لوگ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے اُن سے (اس طرح) علیحدہ ہو گئے (تو) ہم نے اُن کو اسحق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عطا فرمایا جو کہ رفاقت کے لئے اُن کی بُت پرست برادری سے بدرجہا بہتر تھے (اور ہم نے) ان دونوں میں) ہر ایک کو نبی بنایا اور ان سب کو ہم نے (طرح طرح کے کمالات دیکر) اپنی رحمت کا حصہ دیا اور (آئندہ نسلوں میں) ہم نے ان کا نام نیک اور بلند کیا کہ سب تعظیم اور شہار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور اسحق کے قبل اسماعیل ان ہی صفات کے ساتھ عطا ہو چکے تھے)

## معارف و مسائل

**صدیق کی تعریف** | **صِدِّیقًا نَبِیًّا**، لفظ صدیق بکسر صاد قرآن کا ایک اصطلاحی لفظ ہے اسکے معنی اور تعریف میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ جس شخص نے عمر میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو وہ صدیق ہے بعض نے فرمایا کہ جو شخص اعتقاد اور قول و عمل ہر چیز میں صادق ہو یعنی جو دل میں اعتقاد ہو ٹھیک ہی زبان پر ہو اور اسکا ہر فعل اور ہر حرکت و سکون اسی اعتقاد اور قول کے تابع ہو۔ روح المعانی اور تفسیری وغیرہ میں اسی آخری معنی کو اختیار کیا ہے اور پھر صدیقیت کے درجات متفاوت ہیں۔ اصل صدیق تو نبی و رسول ہی ہو سکتا ہے اور ہر نبی و رسول کے لئے صدیق ہونا واجب لازم ہے مگر اس کا عکس نہیں کہ جو صدیق ہو اسکا نبی ہونا ضروری ہو بلکہ غیر نبی بھی جو اپنے نبی و رسول کے اتباع میں صدق کا یہ مقام حاصل کر لے وہ بھی صدیق کہلائے گا۔ حضرت مریم کو خود قرآن کریم نے اُمّہ صِدِّیقَہ کا خطاب دیا ہے حالانکہ جمہور اُمت کے نزدیک وہ نبی نہیں، اور کوئی عورت نبی نہیں ہو سکتی۔

اپنے بڑوں کو نصیحت کرنے کا | **یَا بُتَّ**، عربی لغت کے اعتبار سے یہ لفظ باپ کی تعظیم و محبت کا طریقہ اور اُس کے آداب | خطاب ہے۔ حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حق تعالیٰ نے جو مقام جامعیت اوصاف و کمالات کا عطا فرمایا تھا، اُن کی یہ تقریر جو اپنے والد کے سامنے ہو رہی ہے اعتدال مزاج اور رعایت اضداد کی ایک بے نظیر تقریر ہے کہ ایک طرف باپ کو شرک و کفر اور کھلی گمراہی میں نہ صرف مبتلا بلکہ اسکا داعی دیکھ رہے ہیں جس کے مٹانے ہی کے لئے خلیل اللہ پیدا کئے گئے ہیں، دوسری طرف باپ کا ادب اور عظمت و محبت ہے ان دونوں ضدوں کو حضرت خلیل اللہ نے کس طرح جمع فرمایا اول تو **یَا بُتَّ** کا لفظ جو باپ کی مہربانی اور محبت کا



داعی ہے ہر جملہ کے شروع میں اس لفظ سے خطاب کیا پھر کسی جملہ میں باپ کی طرف کوئی لفظ ایسا منسوب نہیں جس سے اسکی توہین یا دل آزاری ہو کہ اُس کو گمراہ یا کافر کہتے بلکہ حکمت پیغمبرانہ کے ساتھ صرف اُن کے بتوں کی بے بسی اور بے حسی کا اظہار فرمایا کہ ان کو خود اپنی غلط روش کی طرف توجہ ہو جائے۔ دوسرے جملہ میں اپنی اس نعمت کا اظہار فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے اُن کو علوم نبوت کی عطا فرمائی تھی تیسرے اور چوتھے جملے میں اُس انجام بد سے ڈرایا جو اس شرک و کفر کے نتیجہ میں آنے والا تھا۔ اس پر بھی باپ نے بجائے کسی غور و فکر یا یہ کہ اُسکی فرزندانہ گزارش پر کچھ نرمی کا پہلو اختیار کرتے پورے تشدد کے ساتھ خطاب کیا، انھوں نے تو خطاب کی آیت کے پیارے لفظ سے کیا تھا جسکا جواب عرف میں یا بُنی کے لفظ سے ہونا چاہئے تھا مگر آذر نے ان کا نام بیکر یا اَبِل دیا اسکا جواب سے خطاب کیا اور ان کو سنگسار کر کے قتل کرنے کی دھمکی اور گھر سے نکل جانیکا حکم دیدیا۔ اسکا جواب حضرت خلیل اللہ کی طرف سے کیا ملتا ہے وہ سُنتے اور یاد رکھنے کے قابل ہے فرمایا:

سَلَامٌ عَلَيْكَ، یہاں لفظ سلام دو معنی کے لئے ہو سکتا ہے اول یہ کہ یہ سلام مقاطعہ ہونی کسی سے قطع تعلق کرنیکا شریفانہ اور مہذب طریقہ یہ ہے کہ بات کا جواب دینے کے بجائے لفظ سلام کہہ کر علیحدہ ہو جائے جیسا کہ قرآن کریم نے اپنے مقبول صحابہ بندوں کی صفت میں بیان فرمایا ہے: **وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا**، یعنی جب جاہل لوگ ان سے جاہلانہ خطاب کرتے ہیں تو یہ اُن سے دبدو ہونیکے بجائے لفظ سلام کہتے ہیں جسکا مطلب یہ ہے کہ باوجود مخالفت کے میں تمھیں کوئی گزند اور تکلیف نہ پہنچاؤں گا۔ اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہاں سلام عرفی سلام ہی کے معنی میں ہو۔ اس میں فقہی اشکال یہ ہے کہ کسی کافر کو ابتداءً سلام کرنا حدیث میں ممنوع ہے صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لَا تَبْدَأُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى بِالسَّلَامِ** (یعنی یہود و نصاریٰ کو ابتداءً سلام نہ کرو) مگر اس کے بالمقابل بعض روایات حدیث میں ایک ایسے مجمع کو ابتداءً سلام کرنا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جس میں کفار و مشرکین اور مسلمان سب جمع تھے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم ہی میں حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی روایت ثابت ہے۔

اسی لئے فقہاء امت کا اس کے جواز و عدم جواز میں اختلاف ہوا بعض صحابہ تابعین اور ائمہ مجتہدین کے قول و عمل سے اسکا جواز ثابت ہوتا ہے بعض سے عدم جواز جس کی تفصیل قرطبی نے احکام القرآن میں: **ہی آیت کے تحت بیان کی ہے۔** اور امام بخاری نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر تمھیں کسی کافر یہودی نصرانی سے ملنے کی کوئی دینی یا دنیوی ضرورت پیش آجائے تو اس کو ابتداءً سلام کرنے میں مضائقہ نہیں اور بے ضرورت سلام کی ابتداء کرنے سے بچنا چاہیے۔ اس میں مذکورہ



دونوں حدیثوں کی تطبیق ہو جاتی ہے واللہ اعلم۔ (قرطبی)

سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ ذَنْبًا، یہاں بھی یہ اشکال ہے کہ کسی کافر کے لئے استغفار کرنا شرعاً منوع و ناجائز ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب سے فرمایا تھا کہ وَاللّٰهِ لَا سَتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ يُغْفَرْ عَنْهُ (یعنی مجھ میں آپ کے لئے اس وقت تک ضرور استغفار یعنی دعا مغفرت کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے منع نہ فرما دیا جائے) اس پر یہ آیت نازل ہوئی مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ (یعنی نبی اور ایمان والوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ مشرکین کے لئے استغفار کریں) اس آیت کے نازل ہونے پر آپ نے چچا کے لئے استغفار کرنا چھوڑ دیا۔

جواب اشکال کا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ سے وعدہ کرنا کہ آپ کے لئے استغفار کروں گا یہ ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہے اس کے بعد ممانعت کر دی گئی سورہ نمتحنہ میں حق تعالیٰ نے خود اس واقعہ کو بطور استنار ذکر فرما کر اس کی اطلاع دیدی ہُوَ لَا يَقُولُ ابْنُ هِمْ إِلَّا بِمِثْرِ مَا عَمِلَ وَلَا سَتَغْفِرَنَّ لَكَ أَوْ أَرْسُلَ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيكَ ذِكْرًا مِّمَّا كَانَتْ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لَهُمْ (اور اُس سے زیادہ واضح سورہ توبہ میں آیت مذکورہ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لَهُمْ) کے بعد دوسری آیت میں فرمایا ہے وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ الْإِبْرَاهِيمَ لِحَيْثُ يَكُفِّرُ عَنْهُمْ إِلَّا عَنْ مَّوَدَّةٍ وَاعْدَ هَآئِلًا يَأْتِيهِمْ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَيَّنَ عَلَيْهِمْ) جس سے معلوم ہوا کہ یہ استغفار اور اسکا وعدہ باپ کے کفر پر حمے رہنے اور خدا کا دشمن ثابت ہونے سے پہلے کا تھا جب یہ حقیقت واضح ہو گئی تو انھوں نے بھی براہت کا اعلان کر دیا۔

وَأَعِزَّنَا لَكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَأَدْعُوا زُرِّي، ایک طرف تو حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باپ کے ادب و محبت کی رعایت میں یہ انتہا کر دی جس کا ذکر اوپر آچکا ہے دوسری طرف یہ بھی نہیں ہونے دیا کہ حق کے اظہار اور اُس پر مضبوطی کو کوئی ادنیٰ سی ٹھیس لگے، باپ نے جو گھر سے نکل جانے کا حکم دیا تھا اس کو اس جملہ میں بخوشی منظور کر لیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتلادیا کہ میں تمہارے بتوں سے بیزار ہوں صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں۔

فَلَمَّا أَعِزَّنَا لَكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ، اس جملے سے پہلے جملے میں ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول آیا ہے کہ میں اُمید کرتا ہوں کہ میں اپنے پروردگار سے دعا کرنے میں ناکام و نامراد نہیں ہوں گا۔ ظاہر یہ ہے کہ گھر اور خاندان سے جدائی کے بعد تنہائی کی وحشت وغیرہ کے اثرات سے بچنے کی دعا مراد تھی مذکورہ جملہ میں اس دعا کی قبولیت اس طرح بیان فرمائی گئی ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے لئے اپنے گھر خاندان اور اُن کے معبودوں کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے اُنکی مکافات اس طرح فرمائی کہ ان کو صاحبزادہ اسحق علیہ السلام عطا فرمایا اور ساتھ ہی اس کا



عمر دراز پانا اور صاحب اولاد ہونا بھی لفظ یعقوب بڑھا کر ذکر فرمادیا اور صاحبزادہ کا عطا ہونا اس کی دلیل ہے کہ اس سے پہلے نکاح ہو چکا تھا، تو اسکا حاصل یہ ہوا کہ باپ کے خاندان سے بہتر ایک مستقل خاندان دے دیا جو انبیاء صلیہا علیہم وسلم پر مشتمل تھا۔

وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ

اور مذکور کتاب میں موسیٰ کا بیشک وہ تھا مخلصا ہوا اور تھا

رَسُولًا نَبِيًّا ۝۵۱ وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ

رسول نبی اور پکارا ہم نے اس کو دایمی طرف سے طور پہاڑ کی اور

وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا ۝۵۲ وَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ

نزدیک بلایا اسکو بھید کہنے کو اور بخشا ہم نے اس کو اپنی مہربانی سے بھائی اس کا ہارون

نَبِيًّا ۝۵۳ وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ إسماعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ

نبی اور مذکور کتاب میں اسمعیل کا وہ تھا وعدہ کا

الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ۝۵۴ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ

پہتا اور تھا رسول نبی اور حکم کرتا تھا اپنے گھروالوں کو نماز کا

وَالزَّكَاةِ ۝۵۵ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ۝۵۶ وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ

اور زکوٰۃ کا اور تھا اپنے رب کے یہاں پسندیدہ اور مذکور کتاب میں

إِذْ رُسِّنَا إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۝۵۷ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا

اور پس کا وہ تھا سچا نبی اور اٹھایا ہم نے اسکو ایک اونچے

عَلِيًّا ۝۵۸ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ

مکان پر یہ وہ لوگ ہیں جن پر انعام کیا اللہ نے پیغمبروں میں

مِنْ ذُرِّيَّتِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۚ وَمِنْ ذُرِّيَّتِ

آدم کی اولاد میں اور ان میں جن کو سوار کر لیا ہم نے نوح کے ساتھ اور ابراہیم کی

إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَءِيلَ ۚ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا إِذَا تُتْلَىٰ

اولاد میں اور اسرائیل کی اور ان میں جن کو ہم نے ہدایت کی اور پسند کیا جب ان کو



عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۝۵۸

سنائے آیتیں رحمن کی گرتے ہیں سجدہ میں اور روتے ہوئے

## خلاصہ تفسیر

اور اس کتاب (یعنی قرآن) میں موعی (علیہ السلام) کا بھی ذکر کیجئے (یعنی لوگوں کو سنائیے  
 در نہ کتاب میں ذکر کرنے والا تو فی الحقیقت اللہ تعالیٰ ہے) وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے خاص کئے  
 ہوئے (بندے) تھے اور وہ رسول بھی تھے، نبی بھی تھے اور ہم نے اُن کو کوہ طور کی داہنی جانب  
 سے آواز دی اور ہم نے اُن کو راز کی باتیں کرنے کے لئے مقرب بنایا اور ہم نے اُن کو اپنی رحمت اور  
 عنایت سے اُن کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر عطا کیا (یعنی اُن کی درخواست کے موافق اُن کو نبی  
 کیا کہ اُن کی ماہد کریں) اور اس کتاب میں اسماعیل (علیہ السلام) کا بھی ذکر کیجئے بلاشبہ وہ وعدے  
 کے (بڑے) سچے تھے اور وہ رسول بھی تھے نبی بھی تھے اور اپنے متعلقین کو نماز اور زکوٰۃ کا (خصوصاً  
 اور بھی احکامات مانو) حکم کرتے رہتے تھے اور وہ اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ تھے اور اس  
 کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا بھی ذکر کیجئے بیشک وہ بڑی راستی والے نبی تھے اور ہم نے ان کو  
 کمالات میں، بلند رتبہ تک پہنچا دیا یہ (حضرات جن کا شروع سورت سے یہاں تک ذکر ہوا  
 زکریا علیہ السلام سے ادریس علیہ السلام تک یہ) وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے (خاص) انعام  
 فرمایا ہے (چنانچہ نبوت سے بڑھ کر کونسی نعمت ہوگی) منجملہ (دیگر) انبیاء (علیہم السلام) کے (یہ صفت  
 سب مذکورین میں مشترک ہے اور یہ سب) آدم (علیہ السلام) کی نسل سے (تھے) اور (بعضے ان  
 میں) ان لوگوں کی نسل سے (تھے) جن کو ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ (کشتی میں) سوار  
 کیا تھا (چنانچہ بجز ادریس علیہ السلام کے کہ وہ اجداد نوح علیہ السلام سے ہیں باقی سب میت و صفت  
 اور (بعضے ان میں) ابراہیم (علیہ السلام) اور یعقوب (علیہ السلام) کی نسل سے (تھے) چنانچہ حضرت  
 زکریا و یحییٰ و عیسیٰ و موسیٰ علیہ السلام دونوں کی اولاد میں تھے اور اسحق و یسحاق و یعقوب علیہ السلام  
 صرف حضرت ابراہیم کی اولاد میں تھے) اور (یہ سب حضرات) اُن لوگوں میں سے (تھے) جن کو ہم  
 نے ہدایت فرمائی اور ان کو مقبول بنایا (اور باوجود اس مقبولیت و اختصاص کے ان سب  
 حضرات موصوفین کی عیدیت کی یہ کیفیت تھی کہ) جب ان کے سامنے (حضرت) رحمن کی  
 آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو (غایت افتقار و انکسار و انقیاد کے اظہار کے لئے) سجدہ کرتے ہوئے  
 اور روتے ہوئے (زمین پر) گر جاتے تھے۔



## معارف و مسائل

كَانَ مُخْلِصًا، مخلص بفتح لام وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خالص کر لیا ہو یعنی جس کو غیر اللہ کی طرف التفات نہ ہو، اُس نے اپنے نفس اور تمام خواہشات کو اللہ کی مرضی کے لئے مخصوص کر دیا ہو۔ یہ شان خصوصی طور پر انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے جیسا کہ قرآن میں دوسری جگہ ارشاد ہی اِنَّا اَخْلَقْنَاكُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرِي الدَّارِ، یعنی ہم نے ان کو مخصوص کر دیا ہے ایک خاص کام یعنی دارِ آخرت کی یاد کے لئے۔ اُمت میں جو حضرات کاملین انبیاء علیہم السلام کے نقش قدم پر ہوں اُن کو بھی اس مقام کا ایک درجہ ملتا ہے اسکی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ قدرتی طور پر گناہوں اور برائیوں سے بچائے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی حفاظت ان کساتھ ہوتی ہے۔

مِنْ جَانِبِ الظُّوْرِ، یہ مشہور پہاڑ ملک شام میں مصر اور مدین کے درمیان واقع ہے آج بھی اسی نام سے مشہور ہے حق تعالیٰ نے اسکو بھی بہت سی چیزوں میں ایک خصوصیت دے کر دیا ہے اِلَّا يَمْنُنْ، طور کی یہ داہنی جانب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعتبار سے بتلائی گئی ہے کیونکہ وہ مدین سے چلے تھے جب طور کے بالمقابل پہنچے تو طور انکی داہنی جانب تھا۔ چھٹا سرگوشی اور خصوصی کلام کو مناجات اور جس شخص سے ایسا کلام کیا جائے اُس کو نجاتی کہا جاتا ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا اَخَاًا هَارُونَ، ہبہ کے لفظی معنی عطیہ کے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ ان کی امداد کے لئے حضرت ہارون کو بھی نبی بنا دیا جائے یہ دعا قبول کی گئی اسی کو لفظ وَهَبْنَا سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی ہم نے عطیہ دیدیا موسیٰ علیہ السلام کو ہارون کا۔ اسی لئے حضرت ہارون کو ہبۃ اللہ بھی کہا جاتا ہے۔ (مظہری)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِسْمَاعِيلَ، ظاہر یہی ہے کہ اس سے مراد حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام ہیں مگر اُن کا ذکر اُن کے والد اور بھائی ابراہیم و اسحق کے ذکر کے ساتھ نہیں فرمایا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر درمیان میں آنے کے بعد ان کا ذکر فرمایا۔ شاید اس سے مقصود ان کے ذکر کا خاص اہتمام ہو کہ ضمنی لانے کے بجائے مستقل ذکر کیا گیا اور یہاں جتنے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا گیا ہے انہیں انکے زمانہ بعثت کی ترتیب نہیں رکھی گئی کیونکہ ادریس علیہ السلام جن کا ذکر ان سب کے بعد آ رہا ہے وہ زمانے کے لحاظ سے ان سب سے مقدم ہیں۔

كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ، ایفادہ دہ ایک ایسا خلق حسن ہے کہ ہر شریف آدمی اس کو ضروری سمجھتا ہے اور اس کے خلاف کرنے کو ایک رذیل حرکت قرار دیا جاتا ہے حدیث میں وعدہ خلافی کو نفاق کی علامت بتلایا ہے، اسی لئے اللہ کا کوئی نبی و رسول ایسا نہیں جو



صادق الوعدہ ہو مگر اس سلسلہ کلام میں خاص خاص انبیاء علیہم السلام کے ذکر کیساتھ کوئی خاص وصف بھی ذکر کیا گیا ہے اسکا یہ مطلب نہیں کہ یہ وصف دوسروں میں نہیں بلکہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ انہیں یہ خاص صفت ایک امتیازی حیثیت رکھتی ہے جیسے ابھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ ان کا مخلص ہونا ذکر فرمایا ہے حالانکہ یہ صفت بھی تمام انبیاء علیہم السلام میں عام ہے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس میں ایک خاص امتیاز حاصل تھا اس لئے اُن کے ذکر میں اسکا ذکر فرمایا گیا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا صدق وعدہ میں امتیاز اس بنا پر ہے کہ اُنہوں نے جس چیز کا وعدہ اللہ سے یا کسی بندے سے کیا اس کو بڑی مضبوطی اور اہتمام سے پورا کیا، اُنہوں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ اپنے آپ کو ذبح کرنے کے لئے پیش کر دیں گے اور اُس پر صبر کر گئے اس میں پورے اترے۔ ایک شخص سے ایک جگہ ملنے کا وعدہ کیا وہ وقت پر نہ آیا تو اُس کے انتظار میں تین دن اور بعض روایات میں ایک سال اُسکا انتظار کرتے رہے (مظہری) اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ترمذی میں بروایت عبداللہ ابن ابی الجمہار ایسا ہی واقعہ وعدہ کر کے تین دن تک اُسی جگہ انتظار کرنے کا منقول ہے (قرطبی)

ایفاء وعدہ کی اہمیت | ایفاء وعدہ انبیاء و صلحاء کا وصف خاص اور تمام شریف انسانوں کی اور اُس کا درجہ | عادت ہے اسکے خلاف کرنا فساق فجار و ذیل لوگوں کی خصلت ہے۔

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے العقۃ دین، وعدہ ایک قرض ہے یعنی جس طرح قرض کی ادائیگی انسان پر لازم ہے اسی طرح وعدہ پورا کرنے کا اہتمام بھی لازم ہے۔ دوسری ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں و اٰی المؤمن واجب یعنی وعدہ مومن کا واجب ہے۔

حضرات فقہاء نے باتفاق یہ فرمایا ہے کہ وعدہ کا قرض ہونا اور ایفاء وعدہ کا واجب ہونا اس معنی میں ہے کہ بلا عذر شرعی اس کو پورا نہ کرنا گناہ ہے لیکن وہ ایسا قرض نہیں جس کی چارہ جوئی عدالت سے کی جاسکے اور زبردستی وصول کیا جاسکے جس کو فقہاء کی اصطلاح میں یوں تعبیر کیا جاتا ہے کہ دیانۃ واجب ہے قضاء واجب نہیں۔ (قرطبی وغیرہ)

مصلح کا فرض ہے کہ اصلاح کا اَن بَاہِرًا خَلَدًا بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّكٰوٰۃِ، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا اپنے اہل عیال سے شریعت کرے | یہ خصوصیت اور ساف میں ایک یہ بھی بیان فرمایا کہ وہ اپنے اہل عیال کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کام تو ہر مومن مسلمان کے ذمہ واجب ہے کہ اپنے اہل و عیال کو نیک کاموں کی ہدایت کرتا رہے۔ قرآن حکیم میں عام مسلمانوں کو خطاب ہے قُواْ اَنْفُسَکُمْ وَاَهْلَیْکُمْ نَارًا۔ یعنی بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو



آگ سے پھر اس میں حضرت اسماعیل کی خصوصیت کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ حکم اگرچہ عام ہے اور سبھی مسلمان اس کے مکلف ہیں لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام اس کے اہتمام و انتظام میں امتیازی کوشش فرماتے تھے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ خصوصی ہدایت ملی تھی کہ **وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَخْيَرِينَ** یعنی اپنے خاندان کے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیے آپ نے اس کی تعمیل میں اپنے خاندان کو جمع کر کے خصوصی خطاب فرمایا۔

دوسری بات یہاں قابل غور یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سب کے سب پوری قوم کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوتے ہیں اور وہ سبھی کو پیغام حق پہنچاتے اور امر الہی کا پابند کرتے ہیں، اہل عیال کی خصوصیت میں کیا حکمت ہے؟ بات یہ ہے کہ دعوت پیغمبرانہ کے خاص اصول ہیں ان میں یہ اہم بات ہے کہ جو ہدایت عام خلق اللہ کو دی جائے اُس کو پہلے اپنے گھر سے شروع کرے۔ اپنے گھر والوں کو اسکا ماننا اور منوانا نسبت آسان بھی ہوتا ہے اُس کی نگرانی بھی ہر وقت کی جاسکتی ہے اور وہ جب کسی خاص رنگ کو اختیار کر لیں پختہ ہو جائیں تو اس سے ایک دینی ماحول پیدا ہو کر دعوت کو عام کرنے اور دوسروں کی اصلاح کرنے میں بڑی قوت پیدا ہو جادے گی۔ اصلاح خلق کے لئے سب سے زیادہ مؤثر چیز ایک صحیح دینی ماحول کا وجود میں لانا ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ ہر بھلائی یا بُرائی تعلیم و تعلم اور افہام و تفہیم سے زیادہ ماحول کے ذریعہ پھیلتی اور بڑھتی ہے۔

**وَإِذْ كُنَّا فِي الْكَهْفِ إِذْ دَخَلْنَا فِي الْكَهْفِ**، حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے ایک ہزار سال پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے اجداد میں سے ہیں درود المعانی بحوالہ مستدرک حاکم اور یہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد پہلے نبی و رسول ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے تیس صحیفے نازل فرمائے دکنانی حدیث ابی ذر غنصری، اور ادریس علیہ السلام سب سے پہلے انسان ہیں جن کو علم نجوم اور حساب بطور معجزہ عطا کیا گیا (بحر محیط) اور سب سے پہلے انسان ہیں جنہوں نے قلم سے لکھنا اور کپڑا سینا ایجاد کیا ان سے پہلے لوگ عموماً جانوروں کی کھال بجائے لباس استعمال کرتے تھے اور بے پہلے ناپ تول کے طریقے بھی آپ نے ہی ایجاد فرمائے اور اسلحہ کی ایجاد بھی آپ سے شروع ہوئی۔ آپ نے اسلحہ تیار کر کے بنو قایل سے جہاد کیا (بحر محیط۔ قرطبی۔ مظہری۔ روح)

**وَدَفَعْنَاهُ مَكَّانًا عَلِيًّا**، یعنی ہم نے ادریس علیہ السلام کو مقام بلند پر اٹھالیا۔ معنی یہ ہیں کہ اُن کو نبوت و رسالت اور قرب الہی کا خاص مقام عطا فرمایا گیا۔ اور بعض روایات میں جو انکا آسمان پر اٹھانا منقول ہے اُن کے متعلق ابن کثیر نے فرمایا:

هَذَا مِنْ أَخْبَارِ كَعْبِ الْأَحْبَارِ الْأَسْوَاطِيَّاتِ | یہ کعب احبار کی اسرائیلی روایات میں سے ہے اور  
وَفِي بَعْضِهِ نَكَاحٌ | اُن میں سے بعض میں نکاح و اجنبیت ہے۔



اور قرآن کریم کے الفاظ نہ کدہ بہر حال اس معاملہ میں صریح نہیں کہ یہاں رفعت درجہ مراد ہے یا زندہ آسمان میں اٹھانا مراد ہے اسلئے انکارِ دفع الی السماء قطعی نہیں اور تفسیر قرآن اُس پر موقوف نہیں (بیان القرآن)

فائدہ از بیان القرآن | رسول اور نبی کی تعریف میں متعدد اقوال ہیں، آیات مختلفہ میں غور کرنے سے جو بات احقر کے نزدیک محقق ہوئی وہ یہ ہے کہ ان دونوں کے مفہوم میں نسبت عموم میں فرق اور باہمی نسبت و خصوص من وجہ کی ہے۔ دشکول وہ ہے جو مخاطبین کو شریعت جدید پہنچا

خواہ وہ شریعت خود اس رسول کے اعتبار سے بھی جدید ہو جیسے تورات وغیرہ یا صرف اُن کی امت کے اعتبار سے جدید ہو جیسے اسماعیل علیہ السلام کی شریعت وہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قدیم شریعت ہی تھی لیکن قوم جُحُوہم جن کی طرف اُن کو مبعوث فرمایا تھا اُن کو اس شریعت کا علم پہلے سے نہ تھا، حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کے ذریعہ ہوا۔ اس معنی کے اعتبار سے رسول کے لئے نبی ہونا ضروری نہیں جیسے فرشتے کہ وہ رسول تو ہیں مگر نبی نہیں ہیں یا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ قاصد جن کو آیت قرآن لَا تَجَاءُ هَآؤَ الْمُرْسَلُونَ میں رسول کہا گیا ہے حالانکہ وہ انبیاء نہیں تھے۔ اور نبی وہ ہے جو صاحبِ وحی ہو خواہ شریعت جدیدہ کی تبلیغ کرے یا شریعت قدیمہ کی

جیسے اکثر انبیاء بنی اسرائیل شریعت موسویہ کی تبلیغ کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک اعتبار سے لفظ رسول نبی سے عام ہے اور دوسرے اعتبار سے لفظ نبی بہ نسبت رسول کے عام ہے جس جگہ یہ دونوں لفظ ایک ساتھ استعمال کئے گئے جیسا کہ آیات مذکورہ میں رَسُولًا نَبِيًّا آیا ہے وہاں تو کوئی اشکال نہیں کہ خاص اور عام دونوں جمع ہو سکتے ہیں کوئی تضاد نہیں لیکن جس جگہ یہ دو لفظ باہم مقابل آئے ہیں جیسے وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ میں تو اس جگہ بقرینہ مقام لفظ نبی کو خاص اُس شخص کے معنی میں لیا جائیگا جو شریعت سابقہ کی تبلیغ کرتا ہے۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَةِ آدَمَ، اس سے مراد حضرت ادریس علیہ السلام ہیں وَمِنْهُمْ نَحْنُ نُوحٌ، اس سے مراد صرف ابراہیم علیہ السلام ہیں وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ إِبْرَاهِيمَ، اس سے مراد اسماعیل و اسحاق و یعقوب علیہم السلام ہیں وَلَا سُرَّ آدَمَ، اس سے مراد حضرت موسیٰ و ہارون و حضرت زکریا و یحییٰ و عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔

إِذْ أَنْتَلَّ عَلَيْهِمْ آلُ الْمُجْرِمِينَ خَافُوا سُبْحَانَ رَبِّكَ، سابقہ آیات میں چند اکابر انبیاء علیہم السلام کا ذکر خاص طور سے کیا گیا ہے جس میں اُن کی عظمتِ شان کو بیان کیا گیا ہے، چونکہ انبیاء کی عظمت میں عوام سے غلو کرنے کا خطرہ تھا جیسے یہود نے حضرت عزیر کو اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا ہی بنا دیا اسلئے اس مجموعہ کے بعد ان سب کا اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ گزارا اور خوف و خشیت سے بھرپور ہونا اس آیت میں ذکر فرما دیا گیا تاکہ افراط و تفریط کے درمیان رہیں (بیان القرآن)



تلاوت قرآن کے وقت بیکار یعنی اس سے معلوم ہوا کہ آیات قرآن کی تلاوت کے وقت بیکار (روئے) کی آپ دیدہ ہونا سنتِ انبیاء ہے کیفیت پیدا ہونا محمود اور انبیاء علیہم السلام کا وصف ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صحابہ و تابعین اور اولیاء اللہ سے بکثرت اسکے واقعات منقول ہیں۔

قرطبی نے فرمایا کہ علماء نے اس بات کو مستحب قرار دیا ہے کہ قرآن کریم میں جو آیت سجدہ تلاوت کی جائے اُس کے سجدے میں اُس کے مناسب دعا کی جائے، مثلاً سورۃ سجدہ میں یہ دعا کریں اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ السَّاجِدِينَ يَوْمَ تَكْفُكُ الْمَسْبُوحِينَ وَتَعْمِدُكَ وَاعُوذُ بِكَ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْتَكَبِرِينَ عَنْ أَمْرِكَ اور سُجَّانَ الَّذِي کے سجدہ میں یہ دعا کریں اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ الْبَاكِيْنَ إِلَيْكَ الْخَاشِعِينَ لَكَ اور آیت مذکورہ خُتُّوا سَجْدًا کے سجدہ میں یہ دعا کریں اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنْ عِبَادِكَ الْمُتَعَبِّ عَلَيْهِمُ التَّهْمِيدِينَ السَّاجِدِينَ لَكَ الْبَاكِينَ عِنْدَ تِلَاوَةِ آيَاتِكَ (قرطبی)

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا

پھر اُن کی جگہ آئے ناخلف کھو بیٹھے نماز اور پیچھے پڑ گئے  
الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غِيًّا ﴿۵۹﴾ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ

مزدوں کے سو آگے دیکھیں گے گمراہی کو مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا  
وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ

اور کی نیکی سودہ لوگ جائیں گے بہشت میں اور اُن کا حق ضائع نہ ہوگا  
شَيْئًا ﴿۶۰﴾ جَنَّتٍ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمَنُ عِبَادَهُ

کچھ باغوں میں بسنے کے جن کا وعدہ کیا ہے رحمن نے اپنے بندوں سے  
بِالْغَيْبِ إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا يَسْمَعُونَ

اُن کے ہن دیکھے بیشک ہے اُس کے وعدہ پر پہنچنا نہ سنیں گے وہاں  
فِيهَا لَغْوٌ إِلَّا سَلَامًا وَلَهُمْ فِيهَا مَرْزُقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةٌ

بک بک سوائے سلام اور اُن کے لئے ہے اُن کی روزی وہاں صبح  
وَعَشِيًّا ﴿۶۲﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ

اور شام یہ وہ بہشت ہے جو میراث دیں گے ہم اپنے بندوں میں جو کوئی  
كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾



## خلاصہ تفسیر

پھر ان (مذکورین) کے بعد (یعنی) ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا (غواً اعتقاداً) کہ انکار کیا یا عملاً کہ اس کے ادا کرنے میں یا حقوق و آداب ضروریہ میں کوتاہی کی، اور (نفسانی ناجائز) خواہش کی پیروی کی (جو ضروری طاعت سے غافل کرنے والی تھیں) سو یہ لوگ عنقریب (آخرت میں) خسرابی دیکھیں گے (خواہ ابدی ہو یا غیر ابدی) ہاں مگر جس نے (کفر و معصیت سے) توبہ کرنی (اور مطلب کفر سے توبہ کرنے کا یہ ہے کہ) ایمان لے آیا اور (معصیت سے توبہ کرنا یہ ہے کہ) نیک کام کرنے لگا سو یہ لوگ (بلا خرابی دیکھے) جنت میں جا دیں گے اور (جزا ملنے کے وقت) ان کا ذرا نقصان نہ کیا جاوے گا (یعنی ہر نیک عمل کی جزا ملے گی یعنی) ان ہمیشہ رہنے کے باغوں میں (جا دیں گے) جنکا رحمن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ فرمایا ہے (اور) اس کے وعدہ کی ہوئی چیز کو یہ لوگ ضرور پہنچیں گے اس (جنت) میں وہ لوگ کوئی فضول بات نہ سُننے پاویں گے (کیونکہ وہاں فضول بات ہی نہ ہوگی) بجز (فرشتوں اور ایک دوسرے کے) سلام (کرنے) کے (اور ظاہر ہے کہ سلام سے بہت ہی خوشی اور راحت ہوتی ہے تو وہ فضول نہیں) اور ان کو کھانا صبح و شام ملا کر دیا جائے گا (یعنی یہ تو معیتِ طور پر ہوگا اور یوں دوسرے وقت بھی اگر چاہیں گے ملے گا) یہ جنت (جسکا ذکر ہوا) ایسی ہے کہ ہم اپنے بندوں میں سے اسکا مالک ایسے لوگوں کو بنادیں گے جو کہ خدا سے ڈرنے والے ہوں (جو مبنی ہے ایمان اور عمل صالح کا)

## معارف و مسائل

خَلْف، یہ لفظ بسکون لام بُرے قائم مقام بُری اولاد کے لئے اور بفتح لام اچھے قائم مقام اور اچھی اولاد کے لئے استعمال ہوتا ہے (مظہری) مجاہد کا قول ہے کہ یہ واقعہ قرب قیامت میں مسلمانوں کی امت کے ختم ہو جانے کے بعد ہوگا کہ نماز کی طرف التفات نہ رہے گا اور فسق و فجور کھلم کھلا ہونے لگے گا۔ نماز بے وقت یا بلاجماعت پڑھنا | أَصَاعُوا ۲۱ صَلَوَاتًا، نماز کے ضائع کرنے سے مراد جمہور مفتقرین اصاعت نماز اور گناہ عظیم ہے | عبد اللہ بن مسعود - نخعی - قاسم - مجاہد - ابراہیم - عمر بن عبد العزیز وغیرہ کے نزدیک نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر کے پڑھنا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نماز کے آداب و شرائط میں سے کسی میں کوتاہی کرنا جس وقت بھی داخل ہے اصاعت نماز میں شامل ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اصاعت صلوٰۃ سے مراد بے جماعت کے گھر میں نماز پڑھ لینا ہے (قرطبی - بحر محیط)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے سب عمال حکومت کو یہ ہدایت نامہ لکھ کر بھیجا تھا :



ان اھم اھم عندی الصلوة۔ فمن ضیتھا  
فھولما سواھا اضعی (مخطا مالک)

میرے نزدیک تمہارے سب کاموں میں سب سے زیادہ  
اہم نماز ہے تو جو شخص نماز کو ضائع کرتا ہے وہ دوسرے  
تمام احکام دین کو بھی اور زیادہ ضائع کرے گا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز کے آداب اور تعدیل ارکان میں کوتاہی کرتا ہے  
تو اُس سے دریافت کیا کہ تم کب سے یہ نماز پڑھتے ہو؟ اُس نے کہا کہ چالیس سال سے، حضرت حذیفہ رضی  
اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے ایک بھی نماز نہیں پڑھی اور اگر تم اسی طرح کی نمازیں پڑھتے ہوئے مر گئے تو یاد رکھو  
کہ فطرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مرو گے۔

ترمذی میں حضرت ابو سعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا کہ اُس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو نماز میں اقامت نہ کرے۔ مراد یہ ہے کہ جو رکوع اور سجدہ  
میں اور رکوع سے کھڑے ہو کر یا دو سجدوں کے درمیان سیدھا کھڑا ہونا یا سیدھا بیٹھنے کا اہتمام نہ  
کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے وضو اور طہارت میں کوتاہی کی یا نماز کے رکوع سجدے  
میں یا ان دونوں کے درمیان سیدھا کھڑے ہونے بیٹھنے میں جلد بازی کی اُس نے نماز کو ضائع کر دیا۔  
حضرت حسنؓ نے اصاعتِ صلوٰۃ اور اتباعِ شہوات کے بارے میں فرمایا کہ مسجدوں کو معطل  
کر دیا اور صنعت و تجارت اور لذات و خواہشات میں مبتلا ہو گئے۔

امام قرطبیؒ ان روایات کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ آج اہل علم اور معروف بالصلاح لوگوں میں  
ایسے آدمی پائے جاتے ہیں جو نماز کے آداب سے غافل، محض نقل و حرکت کرتے ہیں۔ یہ چھٹی ہجری کا حال  
تھا جس میں ایسے لوگ خال خال پائے جاتے تھے آج یہ صورت حال نمازیوں میں عام ہو گئی، **إِلَّا  
بِإِذْنِ اللَّهِ۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَاَعْمَالِنَا**

**وَاتَّبِعُوا الشَّهَوَاتِ**، شہوات سے مراد دنیا کی وہ لذتیں ہیں جو انسان کو اللہ کی یاد اور  
نماز سے غافل کریں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ شاندار مکانات کی تعمیر اور ایسی شاندار  
سواروں کی سواری جس پر لوگوں کی نظریں اٹھیں، اور ایسا لباس جس سے عام لوگوں میں امتیاز  
کی شان نظر آئے شہواتِ مذکورہ میں داخل ہیں (قرطبی)۔

**قَسُوْفٌ يَلْقَوْنَ غَيًّا**، لفظ غی عربی زبان میں رشاد کے بالمقابل ہے ہر بھلائی  
اور خیر کو رشاد اور ہر بُرائی اور شر کو غی کہا جاتا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے  
کہ غی جہنم کے ایک غار کا نام ہے جس میں جہنم سے زیادہ طرح طرح کے عذاب جمع ہیں۔

ابن عباسؓ نے فرمایا کہ غی جہنم کے ایک غار کا نام ہے جس سے جہنم بھی پناہ مانگتی ہے



اس کو اللہ تعالیٰ نے اُس زنا کار کے لئے تیار کیا ہے جو اپنی زنا کاری پر مکر اور عادی ہے اور اُس شرابخو کے لئے جو شراب کا عادی ہے اور اس سود خو رکے لئے جو سود خوری سے باز نہیں آتا اور اُن لوگوں کے لئے جو ماں باپ کی نافرمانی کریں اور جھوٹی شہادت دینے والوں کے لئے اور اُس عورت کے لئے جو کسی دوسرے کے بچہ کو اپنے شوہر کا بچہ بنا دے۔ (قطبی)

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا، لغو سے مراد کلام باطل فضول اور گالی گلوچ اور ایذا دینے والا کلام ہے کہ اہل جنت اس سے پاک صاف رہیں گے کوئی کلمہ اُنکے کان میں ایسا نہ پڑے گا جو اُن کو رنج و تکلیف پہنچائے۔ (الآسماء)، یہ استثناء منقطع ہے مراد یہ ہے کہ وہاں جسکا جو کلام سُنے میں آوے گا وہ سلامتی اور بھلائی اور خوشی میں اضافہ کرے گا۔ اصطلاحی سلام بھی اس میں داخل ہے جو اہل جنت آپس میں ایک دوسرے کو کریں گے اور اللہ کے فرشتے ان سب کو کریں گے۔ (قطبی)

وَلَهُمْ فِيهَا مَكْرُومٌ وَعِشْيَا، جنت میں یہ نظامِ شمس اور طلوع و غروب باللیل ظہار تو نہ ہوگا، ایک قسم کی آدنی ہمہ وقت رہے گی مگر رات اور دن اور صبح اور شام کے امتیازات کسی خاص انداز سے ہونگے۔ اسی صبح و شام میں اہل جنت کا رزق ان کو پہنچے گا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اہل جنت کو جس وقت جس چیز کی خواہش ہوگی وہ اُسی وقت بلا تاخیر پوری کیجاوے گی (وَلَهُمْ فِيهَا مَكْرُومٌ) اعلانِ عام ہے پھر صبح شام کی تخصیص کیوجہ انسانی عادت و فطرت کی بنا پر ہے کہ وہ صبح شام کھانے پینے کا عادی ہوتا ہے۔ عرب کہتے ہیں کہ جس شخص کو صبح شام کی غذا پوری ملے وہ آرام و عیش والا ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرما کر کہا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین کا کھانا دن میں دو مرتبہ ہوتا ہے صبح اور شام۔

اور بعض حضرات نے فسر مایا کہ یہاں صبح شام کا لفظ بول کر عموم مراد ہے جیسے رات دن کا لفظ بھی یا مشرق مغرب کا لفظ عموم کے لئے بولا جاتا ہے کوئی خاص وقت یا جگہ مراد نہیں ہوتی تو مطلب یہ ہوگا کہ اُنکا رزق اُن کی خواہش کے موافق ہر وقت موجود رہے گا۔ واللہ اعلم (قطبی)

وَمَا تَنْزِيلُ الْإِلَهِ بِمُرْسِيكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا

اِلهِمْ نہیں اُترتے مگر حکم سے تیرے رب کے اُسی کا ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو

خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۳﴾ رَبُّ

ہمارے پیچھے اور جو اسکے پیچ میں ہے اور تیرا رب نہیں ہے بھولنے والا رب

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ

آسمانوں کا اور زمین کا اور جو اسکے پیچ ہے سوائے کی بندگی کر اور قائم رہ اسکی بندگی پر



هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ۝۶۵ وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ ءِذَا مَا مِثَّ

کسی کو پہچانتا ہے تو اُسکے نام کا اور کہتا ہے آدمی کیا جب میں مر جائوں

لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ۝۶۶ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ

تو پھر نکلوں گا زندہ ہو کر کیا یاد نہیں رکھتا آدمی کہ ہم نے اسکو بنایا

مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ۝۶۷ قُو رَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ

پہلے سے اور وہ کچھ چیز نہ تھا سو قسم ہے تیرے رب کی ہم گھیر بٹائیں گے اُن کو

وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنَحْضُرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝۶۸ شَرُّ

اور شیطانوں کو پھر سامنے لائیں گے گردِ دوزخ کے گھٹنوں پر گرے ہوئے پھر

لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ عِتِيًّا ۝۶۹

جدا کریں گے ہم ہر ایک فرقہ میں سے جو انسان میں سے سخت رکھتا تھا رحمن سے اگر

ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ۝۷۰ وَإِنْ

پھر ہم کو خوب معلوم ہے جو بہت قابل ہیں اُس میں داخل ہونے کے اور کوئی نہیں

مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝۷۱ شَرُّ

تم میں جو نہ پہنچے گا اُس پر ہو چکا یہ وعدہ تیرے رب پر لازم مقرر پھر

نَسِجِي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ۝۷۲

بچائیں گے ہم اُن کو جو ڈرتے رہے اور چھوڑ دیں گے گنہگاروں کو اسیں اذن دے کرے ہوئے

### خلاصہ تفسیر

شانِ نزول | صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے یہ آرزو ظاہر فرمائی کہ ذرا زیادہ آیا کر دو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور (ہم آپ کی درخواست کا جبریل علیہ السلام کی طرف سے جواب دیتے ہیں) سنئے وہ یہ ہے کہ ہم (یعنی فرشتے) بدون آپکے رب کے حکم کے وقتاً فوقتاً نہیں آسکتے اسی کی (ملک) ہیں ہمارے آگے کی سب چیزیں (مکان ہو یا زمان، مکانی ہو یا زمانی) اور (اسی طرح) ہمارے پیچھے کی سب چیزیں اور جو چیزیں اُن کے درمیان میں ہیں (آگے کا مکان تو جو منہ کے سامنے ہو اور پیچھے کا جو پشت کی طرف ہو اور مابین ذلک جنہیں یہ شخص خود ہو اور آگے کا زمان جو مستقبل ہو اور پیچھے کا جو ماضی ہو اور مابین ذلک جو زمانہ حال ہو) اور آپ



کارب بھولنے والا نہیں) چنانچہ یہ سب امور آپ کو پہلے سے معلوم ہیں مطلب یہ کہ ہم تکویناً و تشریفاً مسخر ہیں اپنی رائے سے ایک مکان سے دوسرے مکان میں یا جب ہم چاہیں کہیں آجا نہیں سکتے لیکن جب ہمارا بھیجنا مصلحت ہوتا ہے تو حق تعالیٰ بھیج دیتے ہیں یہ احتمال نہیں کہ شاید کسی مصلحت کے وقت بھول جاتے ہوں) وہ رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ان سب چیزوں کا جو ان دونوں کے درمیان ہیں سو (جب ایسا حکم و مالک ہے تو اسے مخاطب) تو اسکی عبادت (اور اطاعت) کیا کر اور (ایک آدھ بار نہیں بلکہ) اسکی عبادت پر قائم رہ (اور اگر اس کی عبادت نہ کریگا تو کیا دوسرے کی عبادت کریگا) بھلا تو کسی کو اسکا ہم صفت جانتا (یعنی کوئی اسکا ہم صفت نہیں تو لائق عبادت بھی کوئی نہیں، پس اسی کی عبادت کرنا ضرور ہوا) اور انسان (منکر آخرت) یوں کہتا ہے کہ میں جب مر جاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر کے قبر سے نکالا جاؤں گا (اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں کہ) کیا (یہ) انسان اس بات کو نہیں سمجھتا کہ ہم اس کو اسکے قبل (عدم سے) وجود میں لا چکے ہیں، اور یہ (اس وقت) کچھ بھی نہ تھا (جب ایسی حالت سے حیات کی طرف لانا آسان ہے تو دوبارہ حیات دینا تو بدرجہ اولیٰ آسان ہے) سو قسم ہے آپ کے رب کی ہم ان کو (قیامت میں زندہ کر کے موقفِ حشر میں) جمع کرینگے اور (انکے ساتھ) شیاطین کو بھی (جو دنیا میں ان کے ساتھ رہ کر بہکاتے سبھاتے تھے جیسا دوسری آیت میں ہے) قَالَ قَرِیْنَةُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُنَا (پھر ان سب) کو دوزخ کے گرد اگر داس حالت سے حشر کریں گے کہ (مارے ہیبت کے) گھٹنوں کے بل گرے ہو گئے پھر (ان کفار کے) ہر گردہ میں سے (جیسے یہود و نصاریٰ و مجوس بت پرست) ان لوگوں کو جدا کریں گے جو ان میں سب سے زیادہ اللہ سے سرکشی کیا کرتے تھے (تاکہ ایسوں کو اوروں سے پہلے دوزخ میں داخل کریں) پھر (یہ نہیں کہ اس جدا کرنے میں ہم کو کسی تحقیقات کی ضرورت پڑے کیونکہ) ہم (خود) ایسے لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو دوزخ میں جانے کے زیادہ (یعنی اول) مستحق ہیں (پس اپنے علم سے ایسوں کو الگ کر کے اول ان کو پھر دوسرے کفار کو دوزخ میں داخل کریں گے اور یہ ترتیب صرف اولیت میں ہے، اور آخریت نہ ہونے میں تو سب مساوی ہیں اور جہنم کا وجود ایسا یقینی ہے کہ اسکا معائنہ سب مومن کافر کو کرایا جائے گا گو سمورت اور غرض معائنہ کی مختلف ہوگی کفار کو بطور دخول کے اور تعذیب ابدی کے واسطے اور مومنین کو بطور عبور پل صراط اور زیادتِ شکر اور فرح کے واسطے کہ اُس کو دیکھ کر جو جنت میں پہنچیں گے تو اور زیادہ شکر کریں گے اور خوش ہو گئے) اور (بعض گنہگاروں کو سزائے محدود کے لئے جو کہ درحقیقت تطہیر ہے اسی عموم معائنہ کی خبر دی جاتی ہے کہ) تم میں سے کوئی بھی نہیں جسکا اس پر گزر نہ ہو کسی کا دخول اور کسی کا عبور) یہ (وعدہ کے موافق) آپ کے رب کے اعتبار سے (بطور) لازم (منوگد کے) ہے جو (ضروراً پورا ہو کر رہے گا پھر) اس جہنم پر عبور سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس میں مومن و کافر برابر ہیں بلکہ) ہم ان لوگوں کو نجات دیدیں گے جو خدا سے ڈر (کرا ایمان لا) رہے تھے،



(خواہ اہل ہی دفعہ میں نجات ہو جاوے جیسے مؤمنین کا طین کو اور خواہ بعد کسی قدر تکلیف کے جیسے کہ مؤمنین ناقصین کو) اور ظالموں کو یعنی کافروں کو) اس میں ہمیشہ کے لئے) ایسی حالت میں رہنے دیں گے کہ (مارے رنج و غم کے) گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے۔

## معارف و مسائل

وَاصْطَلَبْهُ لِعِبَادَتِهِ، لفظ اصطبار کے معنی مشقت و تکلیف پر ثابت قدم رہنا ہے اس میں اشارہ ہے کہ عبادت پر دوام و ثبات مشقت چاہتا ہے عبادت گزار کو اس کے لئے تیار رہنا چاہئے  
هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا، لفظ سمی کے مشہور معنی ہمنام کے ہیں اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ مشرکین اور بت پرستوں نے اگرچہ عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت سے انسانوں، فرشتوں پتھروں اور بتوں کو شریک کر ڈالا تھا اور ان سب کو اللہ یعنی معبود کہتے تھے مگر کسی نے لفظ اللہ معبود باطل کا نام کبھی نہیں رکھا۔ یہ ایک تکوینی اور تقدیری امر تھا کہ دنیا میں اللہ کے نام سے کوئی بت اور کوئی اللہ باطل موسوم نہیں ہوا اس لئے اس معنی کے اعتبار سے بھی مضمون آیت کا واضح ہے کہ دنیا میں اللہ کا کوئی ہمنام نہیں۔

اور اکثر مفسرین مجاہد، ابن جبیر، قتادہ، ابن عباس رضی سے اس جگہ اس لفظ کے معنی مثل اور شبیہ کے منقول ہیں اسکا مطلب واضح ہے کہ صفات کمال میں اللہ تعالیٰ کا کوئی مثیل و عدیل یا نظیر نہیں ہے۔

لَنَحْشُرَنَّهُمُ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنَنْحَضِرَنَّهُمْ، اس جگہ والشیاطین کا واو بمعنی مع ہے اور مراد یہ ہے کہ ہر کافر کو اُس کے شیطان کے ساتھ ایک سلسلہ میں باندھ کر اٹھایا جائیگا اس صورت میں یہ صرف کافروں کے حشر کا بیان ہوگا، اور اگر مراد عام لیجائے جس میں مؤمن و کافر سب داخل ہیں تو شیاطین کے ساتھ ان سب کے حشر کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر کافر تو اپنے شیطان کے ساتھ بندھا ہوا حاضر ہوگا اور مؤمنین بھی اس موقع حشر میں الگ نہیں ہوں گے اس لحاظ سے سب کیساتھ شیاطین کا اجتماع ہو جائے گا۔ (قرطبی)

حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثَّتَا، ابتدائے حشر کے وقت مؤمنین و کفار اور سعداء و اشقیاء سب جہنم کے گرد جمع کئے جاویں گے اور سب پر ہیبت طاری ہوگی سب گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہونگے پھر مؤمنین اور سعداء کو جہنم سے عبور کر کر حشر میں داخل کیا جائے گا تاکہ اس منظر جہنم کو دیکھنے کے بعد ان کو مکمل خوشی اور دائمی اور مخالفین دین پر رشامت اور اس پر اللہ کا مزید شکر نصیب ہو۔  
ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ، لفظ شیعہ اصل لغت میں کسی فرد شخص یا خاص عقیدہ



کے متبعین کو کہا جاتا ہے اس لئے بمبئی فرقہ بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اور مراد آیت کی یہ ہے کہ کفار کے مختلف فرقوں میں جو سب سے زیادہ سرکش ہوگا اس کو ان سب میں ممتاز کر کے مقدم کیا جاوے گا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ جہنم میں اس ترتیب سے داخل کیا جائے گا کہ جس کا جرم سب سے زیادہ ہوگا وہ سب سے پہلے اسکے بعد دوسرے اور تیسرے درجے کے مجرمین داخل جہنم کئے جاویں گے۔ (مظہری)

وَإِنْ يَنْتَكِرُوا إِلَا وَارِدُهَا، یعنی کوئی انسان مؤمن یا کافر ایسا نہ رہے گا جس کا درجہ جہنم پر نہ ہو۔ درود سے مراد دخول نہیں بلکہ عبور ہے جیسا کہ ابن مسعودؓ کی ایک روایت میں لفظ مردور بھی آیا ہے۔ اور اگر دخول مراد لیا جاوے تو مؤمنین متقین کا دخول اس طرح ہوگا کہ جہنم ان کے لئے برزخ و سلام بن جائے گی ان کو اس کی کوئی تکلیف محسوس نہ ہوگی جیسا کہ حضرت ابو سلمیہؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی نیک آدمی یا فاجر آدمی باقی نہ رہے گا جو ابتداء جہنم میں داخل نہ ہو مگر اس وقت مؤمنین متقین کے لئے جہنم برزخ و سلام بن جائے گی جیسے ابراہیم علیہ السلام کے لئے نار مردود برزخ و سلام بنا دی گئی تھی اس کے بعد مؤمنین کو یہاں سے نجات دیکر جنت میں لیجایا جائے گا یہی معنی آیت کے اس اگلے جملے کے ہیں ثُمَّ نُخْرِجُ الَّذِينَ اتَّقَوْا، یہ مضمون حضرت ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے اور قرآن کریم میں جو لفظ درود کا آیا ہے اگر اس کے معنی دخول کے بھی لئے جاویں تو دخول بطور عبور کے مراد ہوگا اسلئے کوئی تضاد نہیں۔

وَإِذَا تُلَّيْ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا

اور جب سنائے ان کو ہماری آیتیں کھلی ہوئی کہتے ہیں جو لوگ کہ منکر ہیں ایمان والوں کو

أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَقَامًا وَ أَحْسَنُ نَدِيًّا ۝۴۳ وَكَمْ أَهْلَكْنَا

دو دونوں فرقوں میں کس کا مکان بہتر ہے اور کس کی لچھی لگتی ہے مجلس اور کتنی ہلاک کر چکے

قَبْلَهُمْ مِّنْ قَوْمٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثًا وَرِثِيًّا ۝۴۴ قُلْ مَن كَانَ

پہلے ان سے بہتر تھے وہ ان سے بہتر تھے سامان میں اور نمود میں تو کہہ جو رہا

فِي الضَّلَالَةِ قَيِّمٌ دَلِيلٌ الرَّحْمَنُ مَدَّاهُ حَتَّىٰ إِذَا سَاقَا مَاءً

مست سوچا یہ اس کو کیسے لے جائے رحمن دنیا یہاں تک کہ جب دیکھیں گے

يُوعِدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ ۖ فَسَيَعْلَمُونَ مَن هُوَ

جو وعدہ ہوا تھا ان سے یا آفت اور یا قیامت سو تب معلوم کریں گے کس کا



شَرِّ مَكَانًا وَأَضْعَفُ جُنْدًا ۝۵۱ وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى

بُرا ہے مکان اور کس کی فوج کمزور ہے اور بڑھاتا جاتا ہے اللہ سوجھنے والوں کو سوجھ

وَالْبَقِيَّةُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ۝۵۲

اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر رکھتی ہیں تیرے رب کے یہاں بدلہ اور بہتر پھر جانے کو جگہ

## خلاصہ تفسیر

اور جب ان منکر لوگوں کے سامنے ہماری (وہ) کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں (جنہیں مومنین کا حق پر ہونا اور کفار کا باطل پر ہونا مذکور ہوتا ہے) تو یہ کافر لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ (یہ بتلاؤ ہم) دونوں فریقوں میں (یعنی ہم میں اور تم میں دنیا میں) مکان کس کا زیادہ اچھا ہے اور محفل کس کی اچھی ہے (یعنی ظاہر ہے کہ خانگی اور مجلسی ساز و سامان اور اہل و اعوان میں ہم بڑھے ہوئے ہیں۔ یہ مقدمہ تو محسوس ہے اور دوسرا مقدمہ عرفی ہے کہ انعام و احسان اور عطا و نعمت اُس شخص کے لئے ہوتا ہے جو دینے والے کے نزدیک محبوب اور پسند ہو، ان دونوں مقدموں سے ثابت ہوا کہ ہم اللہ کے محبوب و مقبول ہیں اور تم مغضوب و مخذول۔ آگے اللہ تعالیٰ ایک جواب الزامی اور ایک تحقیقی دیتے ہیں۔ پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ لوگ ایسی بات کہتے ہیں، اور (یہ نہیں دیکھتے کہ) ہم نے ان سے پہلے بہت سے ایسے ایسے گروہ (ہیبت ناک سزاؤں سے کہ بالیقین عذاب تھے) ہلاک کئے ہیں جو سامان اور نمودیں ان سے بھی (کہیں زیادہ) اچھے تھے (اس سے معلوم ہوا کہ مقدمہ ثانیہ غلط ہے بلکہ کسی حکمت اور مصلحت سے نعمت دنیویہ مغضوض و مردود کو بھی دی جا سکتی ہے، آگے دوسرا جواب یہ کہ لے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرمادیجئے کہ جو لوگ گمراہی میں ہیں (یعنی تم) اللہ تعالیٰ اُن کو ڈھیل دیتا چلا جا رہا ہے (یعنی اس نعمت دنیوی میں یہ حکمت ہے کہ مہلت دے کر اتمام حجت کر دے جیسا دوسری آیت میں ہے اَوْ كَوْفُورًا كَوْفُورًا مَّا يَنْتَظِرُ فِيهِ مَنْ تَنَزَّلُ الْجَنَّةُ اور یہ مہلت چند روزہ ہے) یہاں تک کہ جس چیز کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے جب اس کو دیکھ لیں گے خواہ عذاب کو (دنیا میں) خواہ قیامت کو (دوسرے عالم میں) سو (اُس وقت) اُن کو معلوم ہو جاوے گا کہ بُرا مکان کس کا ہے اور کمزور مددگار کس کے ہیں (یعنی دنیا میں جو اپنے اہل مجلس کو اپنا مددگار سمجھتے ہیں اور فخر کرتے ہیں وہاں معلوم ہوگا کہ ان میں کتنا زور ہے کیونکہ وہاں تو کسی کا کوئی زور ہوگا ہی نہیں۔ اسی کو اضعف فرمایا تھا) اور (مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ) اللہ تعالیٰ ہدایت والوں کو (دنیا میں تو) ہدایت بڑھاتا ہے (یعنی اصل سرمایہ یہ ہے کہ اگر اسکے ساتھ مال و دولت نہ ہو



مضر نہیں) آمد آخرت میں ظاہر ہو گا کہ جو نیک کام ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں وہ تمہارے رب کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں اور انجام میں بھی بہتر ہیں (پس اُن کو ثواب میں بڑی بڑی نعمتیں ملیں گی جن میں مکان اور باغات سب کچھ ہوں گے اور انجام ان اعمال کا ابدیت اور دوام ہے ان نعمتوں کا ایسا کیفیت و کیفیت مسلمانوں ہی کی حالتِ اخیرہ بہتر ہوگی اور اخیر ہی کا اعتبار بھی ہے)۔

## معارف و مسائل

خَيْرُ مَقَامًا وَ احْسَنُ نَدِيًّا، یہاں کفار نے مسلمانوں کو مغالطہ دینے کے لئے دو چیزیں پیش کیں۔ اول دنیا کا مال و دولت اور ساز و سامان دوسرے حشم خدم اور اپنا جتھہ اور عجمت کہ یہ بظاہر کفار کو بہ نسبت مسلمانوں کے زیادہ حاصل تھی اور یہی دو چیزیں ہیں جو انسان کے لئے نشہ کا کام کرتی ہیں اور اُن کا فخر و غرور اچھے اچھے عقلمند ذہین لوگوں کو غلط راستوں پر ڈالتا ہے اور پچھلے دور کے بڑے بڑے سرمایہ داروں اور حکومت و سلطنت والوں کی عبرت خیز تاریخ سے غافل کر کے اپنے موجودہ حال کو اپنا ذاتی کمال اور دائمی راحت کا ذریعہ بنا کر دیتا ہے۔ بجز اُن لوگوں کے جو قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق دنیا کے مال و دولت اور عزت و جاہ کسی کو اپنا ذاتی کمال یا دائمی ساتھی نہ سمجھیں اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر زبان سے بھی ادا کریں اور اُس کی دی ہوئی نعمت کو خرچ کرنے میں بھی اسکے احکام کی پابندی کریں اور اسکے فنا یا کم ہو جانے کے خطرہ سے بھی کسی وقت غافل نہ ہوں تو وہی اس شر سے محفوظ رہتے ہیں جیسے انبیاء علیہم السلام میں، حضرت سلیمان اور داؤد علیہما السلام اور صحابہ کرام میں بہت سے اغنیاء صحابہ اور اسی طرح اُمت میں لاکھوں اولیاء، صلحاء جن کو حق تعالیٰ نے دنیا کا مال و دولت بھی خوب عطا فرمایا اور دین کی دولت اور اپنا خوف بھی بے انتہار۔

کفار کے اس مغالطہ کو قرآن حکیم نے اس طرح دور فرمایا کہ دنیا کی چند روزہ نعمت دولت نہ اللہ کے نزدیک مقبول ہونے کی علامت ہو سکتی ہے نہ دنیا ہی میں وہ کسی ذاتی کمال کی علامت سمجھی جاتی ہے کیونکہ بہت سے بے عقل جاہلوں کو دنیا بس یہ چیزیں عقلاء اور دانشمندی سے زیادہ مل جاتی ہیں۔ پچھلی تاریخ اٹھا کر دیکھو تو یہ حقیقت کھل جائے گی کہ ایسی ایسی بلکہ ان سے بھی زیادہ کتنی دولتوں اور شوکتوں کے ڈھیر زمین پر ہوتے دیکھے گئے ہیں۔

رہا حشم و خدم اور دوست و احباب کی کثرت سو اس کی حقیقت بھی اول تو دنیا ہی میں ظاہر ہو جاتی ہے کہ آڑے وقت میں کوئی کام نہیں آتا۔ پھر اگر دنیا میں وہ برابر خدم کرتے بھی رہے تو وہ کئے دن کی، اس کے بعد محشر کے میدان میں اُن کا کون سا متقی ہو گا؟



وَالْبَقِيَّةُ الْفَلَحُ حَيْثُ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مِمَّا رَدَّ، باقیات صالحات کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں مگر تفصیل سورہ کہف میں گزر چکی ہے اور مختار قول یہی ہے کہ اس سے مراد وہ تمام طاعات اور نیک کام ہیں جن کے فوائد باقی رہنے والے ہیں۔ ہر دہائی کا لفظ بمعنی مرجع ہے مراد انجام و عاقبت ہے۔ مراد آیت کی واضح ہے کہ اعمال صالحہ ہی اصل دولت ہیں جن کا ثواب بڑا اور انجام دائمی راحت ہے۔

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَا أُوتِيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۝

بھلا تو نے دیکھا اس کو جو منکر ہوا ہماری آیتوں سے اور کہا مجھ کو ملے گا مال اور اولاد

أَطْلَعَ الْغَيْبَ أَمَّا تَتَّخِذُ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عِمْدًا ۝

کیا بھانک آیا ہے غیب کو، یا لے رکھا ہے رحمن سے عہد یہ نہیں

سَتَكُتِبُ مَا يَقُولُ وَنَعُدُّكَ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝

ہم لکھ رکھیں گے جو وہ کہتا ہے اور بڑھاتے جائیں گے اس کو عذاب میں لنبا اور ہم لے لینگے

مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝

اس کے مرنے پر جو کچھ وہ بتلا رہا ہے اور آئیگا ہمارے پاس اکیلا، اور پکڑا رکھا ہے لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو

لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ۝

معبود تاکہ وہ ہوں ان کے لئے مدد، ہرگز نہیں، وہ منکر ہوں گے ان کی بندگی سے اور

يَكُونُونَ عَلَيْهِمْ صِدًّا ۝

ہو جائیں گے ان کے مخالف

## خلاصہ تفسیر

۱۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، بھلا آپ نے اس شخص (کی حالت) کو بھی دیکھا جو ہماری آیتوں کے ساتھ (جن کا حق یہ ہے کہ ان پر ایمان لایا جاتا جن میں سے آیاتِ بعث بھی ہیں) کفر کرتا ہے اور (علی سبیل الاستہزاء) کہتا ہے کہ مجھ کو (آخرت میں) مال اور اولاد ملیں گے (مطلب یہ کہ اس کی حالت بھی قابلِ تعجب ہے آگے اسکا رد ہے کہ) کیا یہ شخص غیب پر مطلع ہو گیا ہے یا اس نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد (اس بات کا) لے لیا ہے (یعنی اس دغریے کا علم آیا بلا واسطہ اسباب ہوا ہے



کہ علم غیب ہے یا بواسطہ اسباب ہوا ہے پھر چونکہ وہ دعویٰ حکم عقلی تو ہے نہیں بلکہ امر نقلی ہے۔ اس لئے صرف دلیل نقلی کہ اخبار خداوندی ہے اس کی ذیل ہو سکتی ہے سو دونوں طریق مفقود ہیں اول تو عقلاً بھی متشکک ہے اور دوسرا وقوعاً متشکی ہے) ہرگز نہیں (محض غلط کہتا ہے اور) ہم اسکا کہا ہوا بھی لکھ لیتے ہیں (اور وقت پر یہ سزا دیں گے کہ) اسکے لئے عذاب بڑھاتے چلے جائیں گے اور اسکی کہی ہوئی چیزوں کے ہم مالک رہ جاویں گے (یعنی وہ تو دنیا سے مر جائے گا اور اموال و اولاد پر کوئی اسکا اختیار نہ رہے گا ہم ہی سب کے مالک رہیں گے اور قیامت میں ہم اس کو نہ دیں گے بلکہ) وہ ہمارے پاس (مال و اولاد سے) تنہا ہو کر آوے گا اور ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر اور معبود تجویز کر رکھے ہیں تاکہ ان کے لئے وہ (عند اللہ) باعثِ عزت ہوں (جیسا اس آیت میں حکایت ہے یَقُولُونَ لَوْ لَآءِ شَفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ سَوَاءٌ لَّاهُمْ) ہرگز نہیں ہوگا بلکہ وہ تو (قیامت میں خود) ان کی عبادت ہی کا انکار کر بیٹھیں گے (جیسا سورہ یونس کے تیسرے رکوع میں گزر چکا قَالَ شَرِكْ كُذِّبُوا هُمْ مَا كُنْتُمْ خِرَاءَ اَنَا نَا تَعْبُدُونَ) اور (اٹھ) ان کے مخالف ہو جاویں گے، (قالا بھی جیسا گزرا اور حالاً بھی کہ بجائے عزت کے سبقت ہو جائیگے ان معبودین پر صنام بھی ہوں گے سو ان کا ناطق ہونا جیسا یکفرون کا مقتضا ہے مثل نطق جوارح کے مستبعد و مستغرب نہیں۔

## معارف و مسائل

لَا تُقَاتِلْ مَا لَا تُدَارِي، بخاری و مسلم میں حضرت خباب بن الارت کی روایت ہے کہ ان کا کچھ قرض عاص بن وائل کے ذمہ تھا یہ اُنکے پاس تقاضہ کے لئے گئے اُس نے کہا میں تو تمہارا قرض اُس وقت تک نہیں دوں گا جب تک تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کفر و انکار کا معاملہ نہ کرو۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا جب تک کہ تم مرد پھر زندہ ہو۔ عاص بن وائل نے کہا کہ اچھا کیا میں مکر پھر زندہ ہوں گا۔ اگر ایسا ہے تو بس تمہارا قرض بھی اُس وقت چکاؤں گا جب دوبارہ زندہ ہوں گا کیونکہ اُس وقت بھی میرے پاس مال اور اولاد ہونگے۔ (قرطبی)

قرآن کریم نے اس اتمق کے جواب میں فرمایا کہ اسے یہ کیسے معلوم ہوا کہ دوبارہ زندہ ہونے کے وقت بھی اُسکے پاس مال اور اولاد ہونگے اَظْلَمَ الْغَيْبِ، کیا اس نے غیب کی باتوں کو جھانک کر معلوم کر لیا ہے اَمَّا تَخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا يَا اَللّٰهُ رَحْمٰنٌ سے اس نے مال و اولاد کے لئے کوئی عہد اور وعدہ لے لیا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ایسی کوئی بات ہوئی نہیں۔ پھر اس نے یہ خیال کیسے پکایا وَ يَرِثُهُ مَا يَقُولُ، یعنی جس مال اور اولاد کا یہ ذکر کر رہا ہے آخرت میں ملنے کا معاملہ تو بہت دور ہے



دنیا میں بھی جو کچھ اس کو ملا ہوا ہے اس کو بھی چھوڑنا پڑیگا اور اسکے وارث آخر کار ہم ہونگے یعنی یہ مال و ادلا اس سے چھین کر بالآخر اللہ کی طرف لوٹ جائے گا۔

وَيَأْتِيَنَا فَرَادَا، اور قیامت کے روز یہ اکیلا ہمارے دربار میں حاضر ہوگا نہ کوئی ادلا و ساتھ ہوگی نہ مال۔ وَيَكُونُونَ عَلَيْكُمْ صِدْقًا، یعنی یہ خود تراشیدہ بُت اور معبود باطل جن کی عبادت اس لئے کرتے تھے کہ یہ اُن کے مددگار ہونگے محشر میں اس کے برعکس یہ اُن کے دشمن ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ اُن کو نطق و زبان عطا فرمادیں گے اور یہ بولیں گے کہ یا اللہ ان کو عذاب و سزا دیجئے کہ انھوں نے تجھ کو چھوڑ کر ہمیں معبود بنالیا تھا۔ (قطبی)

الَّذِينَ كَفَرُوا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَوَسَّوْهُمْ أُنَاسًا ۝۸۳

تو نے نہیں دیکھا کہ ہم نے چھوڑ رکھے ہیں شیطان سکروں پر اُچھالتے ہیں ان کو ابھار کر فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ إِنَّمَا نَعِدُّ لَهُمْ عَذَابًا ۝۸۴ يَوْمَ نَحْشُرُ سَوَآتِهِمْ سُرَّةً مِّنْ أُنْهَارٍ ۝۸۵

الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفَدًا ۝۸۵ وَتَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وَرِدًا ۝۸۶ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ

عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۝۸۷

عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۝۸۷

دعوت

۷

رحمن

## خلاصہ تفسیر

(آپ جو ان کی گمراہی سے غم کرتے ہیں تو) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے شیاطین کو کفار پر (ابتلاؤں) چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو (کفر و ضلال پر) خوب ابھارتے (اور اکساتے) رہتے ہیں (پھر جو خود ہی اپنے اختیار سے اپنے بدخواہ کے بہکانے میں آجائے اسکا کیوں غم کیا جاوے) سو جب شیاطین ابتلاؤں مسلط ہوئے ہیں اور تعجیل سزائے مستحق میں ابتلا رہتا نہیں تو آپ اُن کے لئے جلدی (عذاب ہونے کی درخواست) نہ کیجئے ہم اُن کی باتیں (جن پر سزا ہوگی) خود شمار کر رہے ہیں، (اور وہ سزائیں روز واقع ہوگی) جس روز ہم متقیوں کو رحمن (کے دارالنعیم) کی طرف مہمان بنا کر جمع



کریں گے اور مجرموں کو دوزخ کی طرف پیاسا ہانکیں گے (اور کوئی ان کا سفارشی بھی نہ ہوگا کیونکہ وہاں کوئی سفارش کا اختیار نہ رکھے گا مگر ہاں جس نے رحمان کے پاس سے اجازت لی ہے (وہ انبیاء و صلحاء ہیں اور اجازت خاص ہے مومنین کے ساتھ پس کفار محل شفاعت نہ ہوئے)۔

## معارف و مسائل

تَوَدُّعًا أَسْرًا، عربی لغت میں لفظ هَضْرًا، أَسْرًا، قَسْرًا، حَضْرًا، سب ایک معنی میں ہیں یعنی کسی کام کے لئے ابھارنا اور آمادہ کرنا۔ خفت و شدت اور کمی زیادتی کے لحاظ سے ان میں نامی فرق ہے۔ لفظ أَسْرًا کے معنی پوری قوت اور تدبیر و تحریک کے ذریعہ کسی شخص کو کسی کام کے لئے آمادہ بلکہ مجبور کر دینے کے ہیں معنی آیت کے یہ ہیں کہ یہ شیاطین ان کو اعمالِ بد پر ابھارتے رہتے ہیں اور ان کی خوبیاں ان کے دل پر تسلط کر دیتے ہیں خرابیوں پر نظر نہیں ہونے دیتے۔

إِنَّمَا نَعِدُّكَ لَهُمْ عَذَابًا، مطلب یہ ہے کہ آپ ان کے عذاب کے بارے میں جلدی نہ کریں وہ تو عنقریب ہونے ہی والا ہے کیونکہ ہم نے ان کو گئے چھنے ایام اور جودت دنیا میں رہنے کی دی ہے بہت جلد پوری ہونے والی ہے اس کے بعد عذاب ہی عذاب ہے نَعِدُّكَ لَهُمْ، یعنی ہم ان کیلئے شمار کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ انکی کوئی چیز آزاد نہیں ان کی عمر کے دن رات گئے ہوئے ہیں، ان کے سانس، ان کی نقل و حرکت کا ایک ایک قدم، ان کی لذات ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ہم گن رہے ہیں، یہ گنتی پوری ہوتے ہی ان پر عذاب ٹوٹ پڑے گا۔

امون رشید نے ایک مرتبہ سورۃ مریم پڑھی۔ جب اس آیت پر پہنچے تو حاضرین مجلس جو علماء فقہاء تھے ان میں سے ابنِ سماک کی طرف اشارہ کیا کہ اس کے متعلق کچھ کہیں انھوں نے عرض کیا کہ جب ہمارے سانس گئے ہوئے ہیں ان پر زیادتی نہیں ہو سکتی تو یہ کس قدر جلد ختم ہو جائیں گے اسی کو بعض شعراء نے کہا ہے ۵

حیاتك انفاً تعد فكلما ۛ مضى نفس منك انتقصت به جزءاً  
یعنی تیری زندگی کے سانس گئے ہوئے ہیں، جب ایک سانس گزرتا ہے تو تیری زندگی کا ایک جزو کم ہو جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ انسان دن رات میں چوبیس ہزار سانس لیتا ہے۔ (قطبی)  
اور بعض حضرات نے فرمایا ۵

وكيف يفرح بالذّنيا ولذّتها ۛ فتی يُعدّ علیہ اللفظ والنفس  
یعنی دنیا اور اسکی لذت پر وہ شخص کیسے مگن اور بے فکر ہو سکتا ہے جس کے الفاظ اور سانس گئے جا رہے ہوں (روح)، یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْدًا، لفظ وفد ایسے آندالوں کے



لئے بولا جاتا ہے جو کسی بڑے بادشاہ یا امیر کے پاس اکرام و اعزاز کے ساتھ جائیں بعض روایات حدیث میں ہے کہ یہ لوگ سوار یوں پر سوار ہو کر پہنچیں گے اور سواری ہر شخص کی وہ ہوگی جس کو وہ دنیا میں اپنے لئے پسند کرتا تھا۔ اونٹ، گھوڑا یا دوسری سواریاں بعض حضرات نے فرمایا کہ انکے اعمال صالحہ ان کی مرغوب سواریوں کی صورت اختیار کر لیں گے یہ روایات حدیث روح المعانی اور قرطبی نے نقل کی ہیں۔

إِلَى جَهَنَّمَ دَرَدًا، دَرَد کے نفلی معنی پانی کی طرف جانے کے ہیں اور طائر یہ ہے کہ پیاس ہی کے وقت کوئی آدمی یا جانور پانی پر جاتا ہے اس لئے دَرَد کا ترجمہ پیاسا کیا گیا۔

مَنْ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عہد سے مراد شہادت لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے، بعض نے فرمایا کہ عہد سے مراد حفظ کتاب اللہ ہے خلاصہ یہ ہے کہ شفاعت کرنے کا حق ہر ایک کو نہیں ملے گا بجز ان لوگوں کے ایمان کے عہد پر مضبوط رہے۔ (دُرر)

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۖ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۝۸۹ تَكَادُ

اور لوگ کہتے ہیں رحمن رکھتا ہے اولاد بیشک تم آپہننے ہو بھاری چیز میں ابھی

السَّمَوَاتُ يَتَّقَطِرْنَ مِنْهُ وَتَنْشُقُ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ

آسمان پھٹ پڑیں اس بات سے اور ٹکڑے ہو زمین اور گر پڑیں پہاڑ

هَذَا ۝۹۰ أَنْ دَعَا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا ۖ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ

ڈھکے اس پر کہ پکارتے ہیں رحمن کے نام پر اولاد اور نہیں بھگتا رحمن کو

أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۖ إِنَّ كُلَّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا

کہ رکھے اولاد، کوئی نہیں آسمان اور زمین میں جو

أَتَى الرَّحْمَنَ عَبْدًا ۖ لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۖ وَ

نہ آئے رحمن کا بندہ ہو کر اسکے پاس ان کی شمار ہے اور گن رکھی ہے ان کی گنتی، اور

كُلُّهُمْ أَتَيْهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَرْدًا ۖ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

ہر ایک انہیں آئیگا اسکے سامنے قیامت کے دن اکیلا البتہ جو یقین لائے ہیں اور کی ہیں

الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا ۖ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ

انہوں نے نیکیاں ان کو دیگا رحمن محبت سو ہم نے آسان کر دیا

بِلِسَانِكَ لِنُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَنُنَذِرُ بِهِ قَوْمًا لُدًّا ۖ وَكَمْ

یہ قرآن تیری زبان میں اسی واسطے کہ خوشخبری سنادے تو ڈرنے والوں کو، اور ڈرادے جھگڑالو لوگوں کو۔ اور بہت



أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِشُّ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ

ہلاک کر چکے ہم ان سے پہلے جماعتیں، آہٹ پاتا ہے تو ان میں کسی کی

أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۙ

یا سنتا ہے ان کی بھنک؟

الْقُرْآنِ  
مَعَارِفِ

## خلاصہ تفسیر

اور یہ (کافر) لوگ کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے اولاد (بھی) اختیار کر رکھی ہے (چنانچہ نصاریٰ کثرت سے اور یہود قلت سے اور شرکین عرب اس عقیدہ فاسدہ میں مبتلا تھے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) تم نے (جو) یہ (بات کہی تو) ایسی سخت حرکت کی ہے کہ اس کے سبب کچھ بعید نہیں کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے اڑ جاویں اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں اس بات سے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی عظمت اور اولاد کی نسبت کرتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ کی شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے (کیونکہ) جتنے کچھ بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں سب خدا تعالیٰ کے روبرو غلام ہو کر حاضر ہوتے ہیں (اور) اس نے سب کو (اپنی قدرت میں) احاطہ کر رکھا ہے اور (اپنے علم سے) سب کو شمار کر رکھا ہے (یہ حالت تو ان کی فی الحال ہے) اور قیامت کے روز سب کے سب اس کے پاس تنہا تنہا حاضر ہونگے (کہ ہر شخص خدا ہی کا محتاج اور محکوم ہوگا، پس اگر خدا کے اولاد ہو تو خدا ہی کی طرح وجوب وجود و لوازم وجوب کے ساتھ موصوف ہو نا چاہیے اور خدا کی یہ صفات ہیں جو مذکور ہوئیں، عموم قدرت، عموم علم۔ اور غیر خدا کی یہ صفتیں ہیں افتقار و انقیاد جو ضد ہیں وجوب کے پھر ضدین کا اجتماع کیونکر ہو سکتا ہے)۔

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ (ان کو عطا فرمائے نعم مذکورہ) اخرویہ کے دنیا میں یہ نعمت دیگا کہ ان کے لئے (خلائق کے دل میں) محبت پیدا کر دیگا سو (آپ ان کو یہ بشارت دیدیجئے کیونکہ) ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان (عربی) میں اس لئے آسمان کیا ہے کہ آپ اس سے متقیوں کو خوشخبری سنادیں اور (نیز) اس سے جھگڑالو آدمیوں کو خوف دلادیں اور (ان خوف کی چیزوں میں سے نعمت دنیویہ کا ایک یہ بھی مضمون ہے کہ) ہم نے ان کے قبل بہت سے گروہوں کو (عذاب و قہر سے) ہلاک کر دیا ہے (سو) کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا ان (میں سے کسی) کی کوئی آہستہ آواز سنتے ہیں (یہ کنایہ ہے بے نام و نشان ہونے سے سو کفار اس نعمت دنیویہ کے بھی مستحق ہیں گو کسی مصلحت سے کسی کافر کے لئے اس کا



دفعہ نہ ہو مگر اندیشہ کے قابل تو ہے۔

## معارف و مسائل

وَتَخْرِجُ الْجِبَالَ تَحْتِ آيَاتٍ سے معلوم ہوا کہ زمین اور پہاڑ اور اُس کی تمام چیزیں ہیں ایک خاص قسم کا عقل و شعور موجود ہے اگرچہ وہ اس درجہ کا نہ ہو جس پر احکام الہیہ مرتب ہوتے ہیں جیسے انسان کی عقل و شعور۔ یہی عقل و شعور ہے جس کی وجہ سے دنیا کی ہر چیز اللہ کے نام کی تسبیح کرتی ہے جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے **وَلَا تَرَىٰ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يَسْبِّحُ بِحَمْدِهِ**، یعنی کوئی چیز دنیا میں ایسی نہیں جو اللہ کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو ان چیزوں کا یہی شعور و ادراک ہے جس کا ذکر ان آیات مذکورہ میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک قرار دینے خصوصاً اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد قرار دینے سے زمین اور پہاڑ وغیرہ سخت گھبراتے اور ڈرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ جن دانش کے علاوہ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک سے بہت ڈرتی ہیں اور یہ خطرہ محسوس کرتی ہیں کہ وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ (روح المعانی)

**وَعَدًا لَهُمْ عَذَابٌ**، یعنی حق تعالیٰ شانہ تمام انسانوں کے اشخاص و اعمال کا پورا علم رکھتے ہیں ان کے سانس ان کے قدم ان کے لقمے اور گھونٹ اللہ کے نزدیک شمار کئے ہوتے ہیں نہ کم ہو سکتے ہیں نہ زیادہ۔ **يَسْجُدُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ ذُو الْعَرْشِ**، یعنی ایمان اور عمل صالح پر قائم رہنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کر دیتے ہیں دوستی اور محبت، یعنی ایمان اور عمل صالح جب مکمل ہوں اور بیرونی عوارض سے خالی ہوں تو ان کا خاصہ یہ ہے کہ مومنین صالحین کے درمیان آپس میں بھی الفت و محبت ہو جاتی ہے۔ ایک نیک صالح آدمی دوسرے نیک آدمی سے مانوس ہوتا ہے اور دوسرے تمام لوگوں اور مخلوقات کے دلوں میں بھی اللہ تعالیٰ ان کی محبت پیدا فرما دیتے ہیں۔

بخاری، مسلم، ترمذی، وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ جب کسی بندے کو پسند فرماتے ہیں تو جبریل امینؑ سے کہتے ہیں کہ میں فلاں آدمی سے محبت کرتا ہوں تم بھی اُن سے محبت کرو۔ جبریل امین سارے آسمانوں میں اس کی منادی کرتے ہیں اور سب آسمان دانے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر یہ محبت زمین پر نازل ہوتی ہے (تو زمین دانے بھی سب اس محبوب خدا سے محبت کرنے لگتے ہیں) اور فرمایا کہ قرآن کریم کی یہ آیت **إِنَّمَا آمَنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ** **يَسْجُدُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ ذُو الْعَرْشِ** اور ہر مومن جنان نے فرمایا کہ جو شخص اپنے پورے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ تمام اہل ایمان کے دل اس کی طرف متوجہ فرما دیتے ہیں۔ (قطبی)

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنی اہلیہ ہاجرہ اور شیر خوار صاحبزادہ



اسماعیل علیہ السلام کو مکہ کے خشک پہاڑوں کے درمیان رگستان میں حکیم خدا تعالیٰ چھوڑ کر ملک شاہ  
 واپس جانے کا ارادہ فرمایا تو ان کے لئے بھی دُعا مانگی تھی فَاَجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ  
 یعنی یا اللہ میرے بے کس اہل و عیال کے لئے آپ کچھ لوگوں کے قلوب کو مائل اور متوجہ فرما دیجئے۔ اُسی  
 کا نتیجہ ہے کہ ہزاروں سال گزر چکے ہیں کہ مکہ اور اہل مکہ کی محبت ساری دُنیا کے دلوں میں بھردی  
 گئی ہے اور دُنیا کے ہر گوشے سے بڑی بڑی محنت و مشقت اُٹھا کر اور عمر بھر کی کمائی خرچ کر کے لوگ  
 پہنچتے رہتے ہیں اور دُنیا کے ہر گوشے کی چیزیں مکہ معظمہ کے بازار میں دستیاب ہوتی ہیں۔

اَوْ تَسْمَعُ لَهْجَةً رَّكَنًا، رکنز وہ مخفی آواز ہے جو سمجھ میں نہ آئے جیسے مرنے والے کی زبان لڑکھڑانے کے بعد جو آواز ہوتی ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ یہ سب حکومت و سلطنت والے اور شوکت و حشمت اور طاقت و قوت والے جب اللہ کے عذاب میں پکڑے گئے اور فنا کئے گئے تو ایسے ہو گئے کہ اُن کی کوئی مخفی آواز اور حس و حرکت بھی سنائی نہیں دیتی۔









اپنی بہن اور بہنوی کی خبر کو کہ وہ مسلمان اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کے تابع ہو چکے ہیں، عمر بن خطاب پر ان کی بات اثر کر گئی اور یہیں سے اپنی بہن اور بہنوی کے مکان کی طرف پھر گئے۔ ان کے مکان میں حضرت خباب بن ارت صحابہؓ ان دونوں کو قرآن کی سورت ظنہ پڑھا رہے تھے جو ایک صحیفہ میں لکھی ہوئی تھی۔

ان لوگوں نے جب محسوس کیا کہ عمر بن خطابؓ آرہے ہیں تو حضرت خبابؓ غر کے کسی کمرہ یا گوشہ میں چھپ گئے اور ہمیشہ نے یہ صحیفہ اپنی زبان کے نیچے چھپالیا مگر عمر بن خطابؓ کے ہاتھوں میں خباب بن ارتؓ کی اور ان کے کچھ پڑھنے کی آواز پہنچ چکی تھی اس لئے پوچھا کہ یہ پڑھنے پڑھانے کی آواز کیسی تھی جو میں نے سنی ہے؟ انھوں نے (اول بات کو ٹالنے کے لئے) کہا کہ کچھ نہیں، مگر اب عمر بن خطابؓ نے بات کھولی کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم دونوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تابع اور مسلمان ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر اپنے بہنوی سعید بن زیدؓ پر ٹوٹ پڑے ان کی ہمیشہ فاطمہؓ نے جب یہ دیکھا تو شوہر کو بچانے کے لئے کھڑی ہو گئیں۔ عمر بن خطابؓ نے ان کو بھی برا بھلا کہنا شروع کیا۔

جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو بہن اور بہنوی دونوں نے بیک زبان کہا کہ میں تو ہم بلاشبہ مسلمان ہو چکے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں اب جو تم کر سکتے ہو کر لو ہمیشہ کے زخم سے خون جاری تھا اس کیفیت کو دیکھ کر عمر بن خطابؓ کو کچھ ندامت ہوئی اور بہن سے کہا کہ وہ صحیفہ مجھے دکھاؤ جو تم پڑھ رہی تھیں تاکہ میں بھی دیکھوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا تعلیم لائے ہیں عمر بن خطابؓ لکھے پڑھے آدمی تھے اسلئے صحیفہ دیکھنے کے لئے مانگا۔ بہن نے کہا کہ ہمیں خطرہ ہے کہ ہم نے یہ صحیفہ اگر تمہیں دے دیا تو تم اس کو ضائع کر دیا بے ادب و کُرد۔ عمر بن خطابؓ نے اپنے بتوں کی قسم کھا کر کہا کہ تم یہ خوف نہ کرو میں اس کو پڑھ کر تمہیں واپس کر دوں گا۔ ہمیشہ فاطمہؓ نے جب یہ سُرُخ دیکھا تو ان کو کچھ اُمید ہو گئی کہ شاید عمر بھی مسلمان ہو جائیں۔ اس وقت کہا کہ بھائی بات یہ ہے کہ تم نجس ناپاک ہو اور اس صحیفہ کو پاک آدمی کے سوا کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا اگر تم دیکھنا ہی چاہتے ہو تو غسل کر لو۔ عمرؓ نے غسل کر لیا پھر یہ صحیفہ ان کے حوالہ کیا گیا تو اس میں سورۃ ظنہ لکھی ہوئی تھی اسکا شروع حصہ ہی پڑھ کر عمرؓ نے کہا کہ یہ کلام تو بڑا اچھا اور نہایت محترم ہے۔ خباب بن ارتؓ جو مکان میں چھپے ہوئے یہ سب کچھ سن رہے تھے عمرؓ کے یہ الفاظ سننے ہی سامنے آ گئے اور کہا کہ اے عمر بن خطابؓ مجھے اللہ کی رحمت سے یہ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے رسولؐ کی دعا کے لئے منتخب فرمایا ہے کیونکہ گزشتہ کل میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اید الاسلامی الحکم بن ہشامؓ اور بعمر بن الخطابؓ، یا اللہ اسلام کی تائید و تقریت فرما ابوالحکم بن ہشامؓ (یعنی ابو جہل) کے ذریعہ یا پھر عمر بن خطابؓ کے ذریعہ مطلب یہ تھا



کہ ان دونوں میں سے کوئی مسلمان ہو جائے تو مسلمانوں کی کمزور جماعت میں جان پڑ جائے۔ پھر نبیؐ نے کہا کہ اے عمرؓ اب تو اس موقع کو غنیمت سمجھ، مرنے کا خطاب نے خوابؐ سے کہا کہ مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو (قرطبی) آگے ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا اور اسلام قبول کرنا مشہور و معروف واقعہ ہے۔

طہ ۱۰ مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى ۝ إِلَّا تَذْكُرَةً

اس واسطے نہیں اتارا ہم نے تجھ پر قرآن کہ تو محنت میں پڑے، مگر نصیحت کے واسطے

لِمَنْ يَخْشَى ۝ تَزِيلًا مِّنْ خَلْقِ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتِ الْعُلَى ۝

اسکی جو ڈرتا ہے اتارا ہوا ہے اسکا جس نے بنائی زمین اور آسمان اور اپنے

الرَّحْمَنِ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى ۝ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي

وہ بڑا مہربان عرش پر قائم ہوا اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور

الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَى ۝ وَإِنْ تَجْهَرُ

زمین میں اور ان دونوں کے درمیان اور نیچے گیلی زمین کے اور اگر تو بات کہے

بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى ۝ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

پکار کر تو اس کو تو خبر ہے چھپی ہوئی بات کی اور اس سے بھی چھپی ہوئی کی، اللہ ہے جسکے سوا بندگی نہیں کسی کی

لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى ۝

اسی کے ہیں سب نام خاصے

## خلاصہ تفسیر

طہ (کے معنی تو اللہ ہی کو معلوم ہیں) ہم نے آپ پر قرآن (مجید) اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں بلکہ ایسے شخص کی نصیحت کے لئے (اتارا ہے) جو (اللہ سے) ڈرتا ہو یہ اس (ذات) کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے (اور) وہ بڑی رحمت والا عرش پر (جو مشابہ ہے تخت سلطنت کے اس طرح) قائم (اور جلوہ فرما) ہے (جو کہ اسکی شان کے لائق ہے اور وہ ایسا ہے کہ) اسی کی ملک ہیں جو چیزیں آسمانوں میں اور جو چیزیں زمین میں ہیں اور جو چیزیں ان دونوں کے درمیان میں ہیں (یعنی آسمان سے نیچے اور زمین سے



اوپر اور جو چیزیں تحت الثریٰ میں ہیں (یعنی زمین کے اندر جو تر مٹی ہے جسکو ثریٰ کہتے ہیں جو چیز کہ اس کے نیچے ہے، مراد یہ کہ زمین کی تہ میں جو چیزیں ہیں یہ تر اللہ تعالیٰ کی قدرت و سلطنت تھی) اور در علم کی یہ شان ہے کہ اگر تم (اے مخاطب) پکار کر بات کہو تو اس کے سُننے میں تو کیا شبہ ہے) وہ تو (ایسا ہے کہ) چپکے سے کہی بات کو اور (بلکہ) اس سے بھی زیادہ خفی بات کو (یعنی جواب بھی دل میں ہے) جانتا ہے (وہ) اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود (ہو نہ سکا) حق نہیں اس کے (بڑے) اچھے اچھے نام ہیں (جو اوصاف و کمالات پر دلالت کرتے ہیں سو ستر اُن ایسی ذات جامع الصفات کا نازل کیا ہوا ہے اور یقینی حق ہے)۔

## معارف و مسائل

ظہر، اس لفظ کی تفسیر میں علماء تفسیر کے اقوال بہت ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی سے اس کے معنی یا رجل اور ابن عمر رضی سے یا جلیبی منقول ہیں، بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر اور یسّیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء گرامی میں سے ہیں اور بے عبارت بات وہ ہے جو حضرت صدیق اکبر اور جمہور علماء نے فرمائی کہ جس طرح قرآن کی بہت سی سورتوں کے ابتدا میں آئے ہوئے حروف مقطعه مثلاً ا ل ک ہ وغیرہ متشابہات یعنی اسرار میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا لفظ ظہر بھی اسی میں داخل ہے۔

مَا آتٰنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِنَشَقِّكَ، لِنَشَقِّكَ، شَقَاءٌ سے مشتق ہے جسکے معنی تعاب و مشقت کی تکلیف کے ہیں۔ نزول قرآن کی ابتداء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام تمام رات عبادت کے لئے کھڑے رہتے اور نماز تہجد میں تلاوت قرآن میں مشغول رہتے تھے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمیں مبارک پر درم آگیا اور دن بھر اس کی فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح کفار کو ہدایت ہو وہ قرآن کی دعوت کو قبول کر لیں۔ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دونوں قسم کی مشقت سے بچانے کے لئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت اور تکلیف میں پڑ جائیں تمام رات جاگنے اور تلاوت قرآن میں مشغول رہنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ بن گیا کہ شروع رات میں آرام فرماتے تھے اور آخر شب میں بیدار ہو کر تہجد ادا فرماتے تھے۔

اسی طرح اس آیت میں اسکی طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ آپ کا فرض صرف تبلیغ و دعوت کا ہے جب آپ نے یہ کام کر لیا تو پھر اس کی فکر آپ کے ذمہ نہیں کہ کون ایمان لایا اور کس نے دعوت کو قبول نہیں کیا۔ (تلخیص القوطی)



إِلَّا تَذَكُّرًا لِّمَن يَخْشَى، ابن کثیر نے فرمایا کہ نزولِ قرآن کی ابتداء میں ساری امت تہجد و تلاوت میں مشغول رہنے سے بعض کفار نے مسلمانوں پر یہ آوازے کسے کہ ان لوگوں پر قرآن کیا نازل ہوا ایک مصیبت نازل ہو گئی نہ مات کا آرام نہ دن کا چین۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے اشارہ فرمایا کہ یہ جاہل بد نصیب حقائق سے بے خبر کیا جانیں کہ قرآن اور اسکے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم خیر ہی خیر اور سعادت ہی سعادت ہے اس کو مصیبت سمجھنے والے بے خبر اور احمق ہیں۔ صحیحین کی حدیث میں بروایت معاذ یہ روایت آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ يَكْرِهَ اللَّهَ بِهٖ خَيْرًا يَفْقَهُهُ فِي الدِّينِ، یعنی اللہ تعالیٰ جس شخص کی بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کا علم اور سمجھ بوجھ عطا فرمادیتے ہیں۔

اس جگہ امام ابن کثیر نے ایک صحیح حدیث دوسری بھی نقل فرمائی ہے جو علماء کیلئے بڑی بشارت ہے یہ حدیث طبرانی نے حضرت ثعلبہ بن احکم رحمہ سے روایت کی ہے! ابن کثیر نے فرمایا کہ اسناد اس کی جتید ہے۔ حدیث یہ ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الله تعالى للعلماء يوم القيامة اذ اقبل على كرسيت له لقضاء عبادتي اتي لمر اجعل علي وحكمي فيكم الا وانا اريد ان اغفر لكم على ما كان منكروا اباي

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کا فیصلہ کرنے کے لئے اپنی کرسی پر تشریف فرما ہونگے تو علماء سے فرمادینگے کہ میں نے اپنا علم و حکمت تمہارے سینوں میں صرف اسی لئے رکھا تھا کہ میں تمہاری مغفرت کرنا چاہتا ہوں یا وجود اُن خطاؤں کے جو تم سے سرزد ہوئیں اور مجھے کوئی پروا نہیں۔

مگر یہ ظاہر ہے کہ یہاں علماء سے مراد وہی علماء ہیں جن میں علم کی فتر آنی علامت خشیت اللہ موجود ہو اس آیت میں لفظ لِمَن يَخْشَى اسی طرز اشارہ کرتا ہے جن میں یہ علامت نہ ہو وہ اس کے مستحق نہیں۔ واللہ اعلم

عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى، استوار علی العرش کے متعلق صحیح بے غبار وہی بات ہے جو چہرہ سلف صالحین سے منقول ہے کہ اس کی حقیقت و کیفیت کسی کو معلوم نہیں۔ متشابہات میں سے ہے۔ عقیدہ اتنا رکھنا ہے کہ استوار علی العرش حق ہے اُس کی کیفیت اللہ جل شانہ کی شان کے مطابق و مناسب ہوگی جس کا ادراک دُنیا میں کسی کو نہیں ہو سکتا۔

وَمَا تَحْتِ الثُّرَى، ثری، نمناک گیلی مٹی کو کہتے ہیں جو زمین کھودنے کے وقت نکلتی ہے مخلوقات کا علم تو صرف ثری تک ختم ہو جاتا ہے، آگے اس ثری کے نیچے کیا ہے اس کا



علم اللہ کے۔ کسی کو نہیں، اس نئی تحقیق درلیرچ اور نئے نئے آلات اور سائنس کی انتہائی ترقی کے باوجود اب سے چند سال پہلے زمین کو برما کر ایک صرت سے دوسری طرف بیکل جانے کی کوشش۔ توں تک جاری رہی۔ ان سب تحقیقات اور انتھک کوششوں کا نتیجہ اخبارات میں سب کے سامنے آچکا ہے کہ صرف چھ میل کی گہرائی تک یہ آلات جدیدہ کام کر سکیں، آگے ایک ایسا غلاف جبری ثابت ہوا جہاں کھودنے کے سارے آلات اور سائنس جدیدہ کے سب انکار عاجز ہو گئے یہ صرف چھ میل تک کا علم انسان حاصل کر سکا ہے جبکہ زمین کا قطر ہزاروں میل کا ہے اس لئے اس قرار کے سوا چارہ نہیں کہ ماتحت الشریٰ کا علم حق تعالیٰ ہی کی مخصوص صفت ہے یَعْنِ السِّرَّ وَالْخَفِیَّ، ستر سے مراد وہ چیز ہے جو انسان نے اپنے دل میں چھپائی ہوئی کسی پر ظاہر نہیں اور اخفی سے مراد وہ بات ہے جو ابھی تک تمہارے دل میں بھی نہیں آئی آئندہ کسی وقت دل میں آوے گی حق تعالیٰ ان سب چیزوں سے واقف و باخبر ہیں کہ اس وقت کسی انسان کے دل میں کیا ہے اور کل کو کیا ہوگا۔ کل کا معاملہ ایسا ہے کہ خود اس شخص کو بھی آج اکی خبر نہیں کہ کل کو میرے دل میں کیا بات آوے گی۔ (قطبی)

وقف لازم

وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى ۙ إِذْ رَأَىٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ

اور پہنچی ہے تجھ کو بات موسیٰ کی جب اُس نے دیکھی ایک آگ تو کہا اپنے

أَمْكُتُوا إِنِّي أَنَسْتُ نَارًا تَلْعَلْ أَتِيكُمْ مِنْهَا بَقَسٍ أَوْ

گھر والوں کو ٹھہرو میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید آؤں تمہارے پاس اس میں سے سداگر، یا

أَجْدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۙ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَمْوَسَّىٰ ۙ

پاؤں آگ پر پہنچ کر رستہ کا پتہ پھر جب پہنچا آواز آئی اے موسیٰ

إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ

میں ہوں تیرا رب، سو اتار ڈال اپنی جوتیاں تو ہے پاک میدان طوی

طَوًى ۙ وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ۚ إِنَّنِي أَنَا

میں اور میں نے تجھ کو پسند کیا ہے سو تو سنتا رہ جو حکم ہو میں جو ہوں اللہ

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي ۚ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِئِنْ كُنِّي ۙ

ہوں کسی کی بندگی نہیں سوا میرے میری بندگی کر، اور نماز قائم رکھ میری یادگاری کو



إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ

قیامت بیشک آنے والی ہے، میں مخفی رکھنا چاہتا ہوں اُس کو تاکہ بدلہ ملے ہر شخص کو

بِمَا تَسْعَىٰ ۝۱۵ فَلَا يَصُدُّكَ عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا

جو اُسے کمایا ہے سو کہیں تجھ کو نہ روکے اس سے وہ شخص جو یقین نہیں رکھتا اُسکا

وَإِتَّبِعْ هَوَاهُ فَتَرْدَىٰ ۝۱۶

اور پیچھے پڑ رہا ہے اپنے مزوں کے پھر تو پھٹکا جائے

### خلاصہ تفسیر

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ کو موسیٰ (علیہ السلام کے قصہ) کی خبر پہنچی ہے (یعنی وہ سننے کے قابل ہے کہ اس میں توحید و نبوت کے متعلق علوم ہیں جن کی تبلیغ نافع ہوگی وہ قصہ یہ ہے کہ جب کہ انھوں نے (مدین سے آتے ہوئے ایک رات کو جس میں سردی بھی تھی اور بارش بھی بھول گئے تھے کوہ طور پر) ایک آگ دیکھی کہ واقع میں وہ نور تھا مگر شکل آگ کی سی تھی، سو اپنے گھر والوں سے (جو صرف بی بی تھی یا خادم وغیرہ بھی) فرمایا کہ تم (یہاں ہی) ٹھہرے رہو (یعنی میرے پیچھے پیچھے مت آنا کیونکہ یہ تو احتمال ہی نہ تھا کہ بدون ان کے آگے سفر کرنے لگیں گے) میں نے ایک آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) شاید میں اس میں سے تمہارے پاس کوئی شعلہ (کسی لکڑی وغیرہ میں لگا کر) لاؤں (تاکہ سردی کا علاج ہو) یا (وہاں) آگ کے پاس رستہ کا پستہ (جانتے والا کوئی آدمی بھی) مجھ کو مل جاوے سو وہ جب اس (آگ) کے پاس پہنچے تو (ان کو منجانب اللہ) آواز دی گئی کہ اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں، پس تم اپنی جوتیاں اتار ڈالو، (کیونکہ) تم ایک پاک میدان یعنی طوی میں ہو (یہ اس میدان کا نام ہے) اور میں نے تم کو (بنی بنائے کے لئے) منجملہ دیگر خلائق کے) منتخب فرمایا ہے سو (اس وقت) جو کچھ وحی کی جا رہی ہے اسکو (غور سے) سن لو (وہ یہ ہے کہ) میں اللہ مومن میرے سوا کوئی معبود (ہونے کے لائق) نہیں، تو تم میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کے لئے نماز پڑھا کرو (دوسری بات یہ ہو کہ) بلاشبہ قیامت آنے والی ہے میں اس کو (تمام خلائق سے) پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں (اور قیامت اس لئے آوے گی تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ ملجاوے سو جب قیامت کا آنا یقینی ہے تو تم کو قیامت کو کہ لئے مستعد رہنے) سے ایسا شخص باز نہ رکھنے پاوے جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی (نفسانی) خواہشوں پر چلتا ہے (یعنی تم ایسے شخص کے اثر سے قیامت کے لئے تیاری کرنے سے



بے فکر نہ ہونا، کہیں تم (اس بے فکری کی وجہ سے) تباہ نہ ہو جاؤ۔

## معارف و مسائل

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى، سابقہ آیات میں قرآن کریم کی عظمت اور اس کے ضمن میں تعظیم رسول کا بیان ہوا تھا اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس مناسبت سے ذکر کیا گیا کہ منصب رسالت و دعوت کی ادائیگی میں جو مشکلات اور تکلیفیں پیش آیا کرتی ہیں اور انبیاء سابقین نے ان کو برداشت کیا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آجائیں تاکہ آپ اس کے لئے پہلے سے مستعد اور تیار ہو کر ثابت قدم رہیں جیسا کہ ایک آیت میں ارشاد ہے وَكَلاَّ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نَنْتَهِتُ بِهِ فُؤَادَكَ، یعنی رسولوں کے یہ سب قصے ہم آپ سے اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ آپ کا قلب مضبوط ہو جائے اور منصب نبوت کا بار اٹھانے کے لئے تیار ہو جائے۔

اور موسیٰ علیہ السلام کا یہ قصہ جو یہاں مذکور ہے اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ جب وہ مدینہ پہنچ کر حضرت شعیب علیہ السلام کے مکان پر اس معاہدہ کے ساتھ مقیم ہو گئے کہ آٹھ یا دس سال تک ان کی خدمت کریں گے اور انھوں نے تفسیر بحر محیط وغیرہ کی روایت کے مطابق ابوالاجلین یعنی دس سال پورے کر لئے تو شعیب علیہ السلام سے رخصت چاہی کہ میں اب اپنی والدہ اور بہن سے ملنے کے لئے مصر جاتا ہوں اور جس خطرہ کی وجہ سے مصر چھوڑا تھا کہ فرعونی سپاہی ان کی گرفتاری اور قتل کے درپے تھے عرصہ دراز گزر جانے کے بعد اب وہ خطرہ بھی باقی نہ رہا تھا۔

شعیب علیہ السلام نے ان کو حج اہلیہ یعنی اپنی صاحبزادی کے کچھ مال اور سامان دیکر رخصت فرمادیا راستہ میں ملک شام کے بادشاہوں سے خطرہ تھا اس لئے عام راستہ چھوڑ کر غیر معروف راستہ اختیار کیا۔ موسم سردی کا تھا اور اہلیہ محترمہ حاملہ قریب الولادت تھیں کہ صبح شام میں ولادت کا احتمال تھا۔ غیر معروف راستہ اور جنگل میں راستہ سے ہٹ کر طور پہاڑ کی مغربی اور داہنی سمت میں جائیکے، رات اندھیری سردی برفانی تھی اسی حال میں اہلیہ کو درد زہ شروع ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے سردی سے حفاظت کے لئے آگ جلانا چاہا۔ اُس زمانے میں دیا سلائی (ماچس) کے بجائے چھماق پتھر استعمال کیا جاتا تھا جس کو مارنے سے آگ پیدا ہو جاتی تھی اس کو استعمال کیا مگر اس سے آگ نہ نکلی۔ اسی حیرانی و پریشانی کے عالم میں کوہ طور پر آگ نظر آئی جو درحقیقت نور تھا تو گھردلوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے وہاں جاتا ہوں تاکہ تمہارے لئے آگ لاؤں اور ممکن ہے کہ آگ کے پاس کوئی راستہ جاننے والا مل جائے تو راستہ بھی معلوم کر لوں۔ گھردلوں میں اہلیہ محترمہ کا ہونا تو متعین ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خادم بھی ساتھ تھا وہ بھی اس



خطاب میں داخل ہے بعض روایات میں ہے کہ کچھ لوگ فیق سفر بھی ساتھ تھے مگر راستہ بھولنے میں یہ اُن سے جُدا ہو گئے تھے۔ (بحرِ حیط)

فَلَمَّا أَشْهَأَ، یعنی جو آگ دور سے دیکھی جب اُس کے پاس پہنچے۔ مسند احمد وغیرہ میں وہاب بن منبہ کی روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اس آگ کی طرف چلے اور اس کے قریب پہنچے تو ایک عجیب حیرت انگیز منظر دیکھا کہ ایک بڑی آگ ہے جو ایک ہرے بھرے درخت کے اوپر شعلے مار رہی مگر حیرت یہ ہے کہ اُس درخت کی کوئی شاخ یا پتہ جلتا نہیں بلکہ آگ نے درخت کے ٹخن اور تریوں تازگی اور رونق میں اور زیادتی کر دی ہے۔ یہ حیرت انگیز منظر کچھ دیر تک اس انتظار میں دیکھتے رہے کہ شاید کوئی چنگاری آگ کی زمین پر گرے تو یہ اٹھالیں۔ جب دیر تک ایسا نہ ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے گھاس وغیرہ کے کچھ تنکے جمع کر کے اُس آگ کے قریب کیا کہ انہیں آگ لگ جائیگی تو ان کا کام ہو جائے گا مگر جب یہ گھاس پھونس آگ کے قریب گئے تو آگ پیچھے ہٹ گئی، اور بعض روایات میں ہے کہ آگ اُن کی طرف بڑھی یہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے، بہر حال آگ حاصل کرنے کا مطلب پورا نہ ہوا۔ یہ عجیب و غریب آگ سے حیرت کے عالم میں تھے کہ ایک غیبی آواز آئی (روح) یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام کو پہاڑ کے دامن میں پیش آیا جو ان کی داہنی جانب تھا اور جس کا نام طولی تھا۔

نُوْدِيْ يٰمُوسٰى اِنِّىْ اَنَا رَبُّكَ فَاحْلِكْ تَحْلِيْقَكَ ، بحر محیط ، روح المعانی وغیر میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ آواز اس طرح سنی کہ ہر جانب سے یکساں آ رہی تھی اسکی کوئی جہت متعین نہیں تھی اور سُننا بھی ایک عجیب انداز سے ہوا کہ صرف کانوں سے نہیں بلکہ تمام اعضاء بدن سے سُنا گیا جو ایک معجزہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ آواز کا حاصل یہ تھا کہ جس چیز کو آپ آگ سمجھ رہے ہیں وہ آگ نہیں اللہ تعالیٰ کی ایک تجلی ہے اور اس میں فرمایا کہ میں ہی آپ کا رب ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس آواز کے متعلق یہ یقین کس طرح ہوا کہ حق تعالیٰ ہی کی آواز ہے؟ اسکا اصل جواب تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اُن کے قلب کو اس پر مطمئن کر دیا کہ وہ یقین کر لیں کہ یہ آواز حق تعالیٰ ہی کی ہے دوسرے اس آگ کے حیرت انگیز حالات کہ درخت کو جلانے کے بجائے اسکی تازگی اور حُسن بڑھا رہی ہے اور آواز بھی عام لوگوں کی آواز کی طرح نہیں کہ ایک سمت سے آئے بلکہ ہر طرف سے یہ آواز یکساں سنی گئی دوسرے صرف کانوں نے نہیں بلکہ ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء جو سُننے کیلئے وضع نہیں ہوئے سب کی سماعت میں شریک تھے اس سے بھی سمجھا گیا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے یہ آواز ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روح المعانی میں بحوالہ مسند احمد وہب کی روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو جب رُندہ یا موسیٰ کے لفظ سے دی گئی



تو انہوں نے بلیک کہہ کر جواب دیا اور عرض کیا کہ میں آواز سن رہا ہوں مگر آواز دینے والے کی جگہ معلوم نہیں، آپ کہاں ہیں تو جواب آیا کہ میں تیرے ادھر، سامنے، پیچھے اور تیرے ساتھ ہوں پھر عرض کیا کہ میں یہ کلام خود آپ کا سن رہا ہوں یا آپ کے بھیجے ہوئے کسی فرشتہ کا؟ تو جواب آیا کہ میں خود ہی آپ سے کلام کر رہا ہوں۔ اس پر صاحب روح فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام لفظی بلا واسطہ فرشتہ کے خود سنا ہے جیسا کہ اہل السنۃ والجماعت میں سے ایک جماعت کا مسلک یہی ہے کہ کلام لفظی بھی قدیم ہونے کے باوجود سنا جاسکتا ہے اس پر جو شبہ حدوث کا کیا جاتا ہے اس کا جواب اُن کی طرف سویا ہے کہ کلام لفظی اس وقت حادث ہوتا ہے جبکہ وہ مادی زبان سے ادا کیا جائے جس کے لئے جسم، سمت، جہت شرط ہے، نیز سننے کیلئے صرف کان مخصوص ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس طرح سنا کہ نہ آواز کی کوئی جہت و سمت تھی اور نہ سننے کے لئے صرف کان مخصوص تھے سارے اعضاء سن رہے تھے، ظاہر ہے یہ صورت احتمال حدوث سے پاک ہے۔ واللہ اعلم

مقامِ ادبیں جوتے اُتار دینا | فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ | جوتے اُتارنے کا حکم یا تو اس لئے دیا گیا کہ مقامِ ادب کا مقتضا ہے ! ادب ہے اور جوتا اُتار کر ننگے پاؤں ہو جانا مقتضائے ادب ہے اور یا اس لئے کہ جوتے مُردار کی کھال کے بنے ہوئے تھے جیسا کہ بعض روایات میں ہے حضرت علیؓ اور حسن بصریؒ اور ابن جریجؒ سے وجہ اول ہی منقول ہے اور جوتا اُتارنے کی مصلحت یہ بتلائی تاکہ آپ کے قدم اس مبارک دادی کی مٹی سے لگ کر اُس کی برکت حاصل کریں اور بعض نے فرمایا کہ یہ حکم خشوع اور تواضع کی صورت بنانے کے لئے ہوا جیسا کہ سلف صالحین طواف بیت اللہ کے وقت ایسا ہی کرتے تھے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشیر بن خصاصیہ کو قبروں کے درمیان جوتے پہن کر چلتے دیکھا تو فرمایا اِذَا كُنْتَ فِي مِثْلِ هَذَا الْمَكَانِ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ یعنی جب تم اس جیسے مکان سے گزر دو (جیسا احترام مقصود ہے) تو اپنے جوتے اُتار لو۔

جوتے اگر پاک ہوں تو اُن میں نماز درست ہو جانے پر سب فقہاء کا اتفاق ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے پاک جوتے پہن کر نماز پڑھنا صحیح روایات سے ثابت بھی ہے مگر عام عادت و سنت یہی معلوم ہوتی ہے کہ جوتے اُتار کر نماز پڑھی جاتی تھی کہ وہ اقرب الی التواضع ہے۔ (قطبی)

اِنَّكَ يَا لَوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى، حق تعالیٰ نے زمین کے خاص خاص حصّوں کو اپنی حکمت سے خاص امتیاز اور شرف بخشا ہے جیسے بیت اللہ۔ مسجد اقصیٰ۔ مسجد نبوی



اسی طرح وادی طوی بھی انہی مقامات مقدسہ میں ہے جو کوہ طور کے دامن میں ہے (قطبی)  
وَسُرَّانِ سُنَّے کا ادب | فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ، حضرت وہب بن منبہ سے منقول ہے کہ قرآن  
 سننے کے آداب میں سے یہ ہے کہ انسان اپنے تمام اعضاء کو فضول حرکت سے روکے کہ کسی دوسرے  
 شغل میں کوئی عضو بھی نہ لگے اور نظر نیچی رکھے اور کلام سمجھنے کی طرف دھیان لگائے اور جو شخص اس  
 ادب کے ساتھ کوئی کلام سنتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو اسکے سمجھنے کی بھی توفیق دیدیتے ہیں۔ (قطبی)

إِنَّمَا أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي، اس کلام میں  
 حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دین کے تمام اصول کی تعلیم دیدی گئی یعنی توحید، رسالت، آخرت  
فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ میں رسالت کی طرف اشارہ ہے اور فَاعْبُدْنِي کے معنی یہ ہیں کہ صرف میری عبادت  
 کریں، میرے سوا کسی کی عبادت نہ کریں یہ مضمون توحید کا ہو گیا آگے إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ مِنْ آخِرَتِ  
 کا بیان ہے۔ فَاعْبُدْنِي کے حکم میں اگرچہ نماز کا حکم بھی داخل ہے لیکن اسکو جداگانہ اسلئے بیان فرمادیا  
 کہ نماز تمام عبادات میں افضل و اعلیٰ بھی ہے اور حدیث کی تصریح کے مطابق دین کا عمود اور  
 ایمان کا نور ہے اور ترک نماز کا فرد کی علامت ہے۔

أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي کا مطلب یہ ہے کہ نماز کی روح ذکر اللہ ہے اور نماز اول سے آخر  
 تک ذکر ہی ذکر ہے زبان سے بھی دل سے بھی اور دوسرے اعضاء سے بھی اسلئے نماز میں ذکر اللہ  
 سے غفلت نہ ہونی چاہیے اور اسکے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر کوئی شخص نیند میں مغلوب  
 ہو گیا یا کسی کام میں لگ کر بھول گیا اور نماز کا وقت نکل گیا تو جب نیند سے بیدار ہو یا بھول  
 پر تنبہ ہو اور نماز یاد آئے اسی وقت نماز کی قضا پڑھ لے جیسا کہ بعض روایات حدیث میں آیا ہے۔  
أَكَادُ أَخْفِيهَا، یعنی قیامت کے معاملہ کو میں تمام مخلوقات سے مخفی رکھنا چاہتا ہوں  
 یہاں تک کہ انبیاء اور فرشتوں سے بھی اور اکاد سے اس طرف اشارہ ہے کہ اگر لوگوں کو قیامت  
 و آخرت کی فکر دلا کر ایمان و عمل صالح پر ابھارنا مقصود نہ ہوتا تو اتنی بات بھی ظاہر نہ کی جاتی  
 کہ قیامت آنے والی ہے جیسا کہ اوپر آیت میں آیا ہے إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ، مقصود اس سے  
 اخفائے قیامت میں مبالغہ کرنا ہے۔

لِنُجْزِيَ كُلَّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ (تاکہ جزا دیا جائے ہر نفس اپنے عمل کی) اس جملہ کا  
 تعلق اگر لفظ آتِيَةٌ سے ہے تو معنی ظاہر ہیں کہ قیامت کے آنے کی حکمت و مصلحت یہ ہے کہ دنیا  
 تو دارالجزا نہیں یہاں نیک و بد عمل کی جزا کسی کو نہیں ملتی، اور اگر کبھی دنیا میں کچھ جزا مل بھی جاتی ہو  
 تو وہ عمل کی پوری جزا نہیں ہوتی ایک نمونہ سا ہوتا ہے اسلئے ضروری ہے کہ کوئی ایسا وقت  
 آئے جہاں ہر نیک و بد عمل کی جزا دوسرا پوری دی جائے۔



اور اگر جملہ کا تعلق اکاذمہ یعنی کھڑی بات سے قرار دیا جائے تو یہ بھی ممکن ہے اور معنی یہ ہوں گے کہ قیامت اور موت کے وقت اور تاریخ کو غنی رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ لوگ اپنے اپنے عمل اور سعی میں لگے رہیں اپنی شخصی قیامت یعنی موت اور پورے عالم کی قیامت یعنی حشر کے دن کو دیر سمجھ کر غافل نہ ہو بیٹھیں۔ (مترجم)

فَلَا يَصُدُّكَ عَنْهَا، اسیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے تنبیہ کی گئی ہے کہ ایسا نہ ہونا چاہیے کہ آپ کافروں اور بے ایمانوں کے کہنے سے قیامت کے معاملے میں غفلت برتنے لگیں اور وہ آپ کی ہلاکت کا سبب بن جائے، ظاہر ہے کہ کسی نبی و رسول سے جو معصوم ہے یہ غفلت نہیں ہو سکتی اسکے باوجود ایسا خطاب کرنا دراصل اُن کی اُمت اور عام مخلوق کو سنانا ہے کہ جب اللہ کے پیغمبروں کو بھی ایسی تاکید کی جاتی ہے تو ہمیں اسکا کتنا اہتمام کرنا چاہیے۔

وَمَا تِلْكَ يَمِينُكَ يٰمُوسٰى ۱۷ قَالَ هِيَ عَصَاىَ اَتُوْكَوْا

اور یہ کیا ہے تیرے داہنے ہاتھ میں اسے موسیٰ بولا یہ میری لاشی ہے اس پر ٹیک

عَلَيْهَا وَاَهْتَشُّ بِهَا عَلَىٰ غَمَمٍ وَّلىٰ فِيْهَا مَارِبٌ اٰخَرٰى ۱۸

لگاتا ہوں اور پتے جھاڑتا ہوں اس سے اپنی بکریوں پر اور میرے اسیں چند کام ہیں اور بھی،

قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوسٰى ۱۹ فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ۲۰

فرمایا ڈال دے اس کو اسے موسیٰ تو اُس کو ڈال دیا، پھر اُس وقت وہ سانپ ہو گیا دوڑتا ہوا

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۚ سَنُعِيْدُهَا سَيْرَتَهَا اَوَّلٰى ۲۱

فرمایا پکڑ لے اُس کو اور مت ڈر ہم ابھی پھیر دیں گے اس کو پہلی حالت پر

وَاَضْمُ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجُ بَيْضًا مِّنْ غَيْرٍ

اور ملا لے اپنا ہاتھ اپنی بٹل سے کہ نکلے سفید ہو کر بلا عیب

سُوْءٍ اٰیَةٍ اٰخَرٰى ۲۲ لِزُرِّيْكَ مِنْ اٰیٰتِنَا الْكُبْرٰى ۲۳

یہ نشانی دوسری تاکہ دکھاتے جائیں ہم تجھ کو اپنی نشانیاں بڑی،

اِذْ هَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۲۴

جا طرف فرعون کی کہ اُس نے بہت سر اٹھایا

۱۷-۱۸



## خلاصہ تفسیر

اور حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی فرمایا کہ، یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ اے موسیٰ! انھوں نے کہا کہ یہ میری لاشی ہے میں (کبھی) اس پر سہارا لگاتا ہوں اور (کبھی) اس سے اپنی بکریوں پر (درختوں کے) پتے جھارتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی کام (نکلتے) ہیں (مثلاً کندھے پر رکھ کر اسباب وغیرہ لٹکالینا یا اس سے موذی جانوروں کو دفع کرنا وغیرہ) ارشاد ہوا کہ اس (عصا) کو (زمین پر) ڈال دو اے موسیٰ سو انھوں نے اس کو (زمین پر) ڈال دیا تو یکایک وہ (خدا کی قدرت سے) ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا (جس سے موسیٰ علیہ السلام ڈر گئے) ارشاد ہوا کہ اس کو پکڑ لو اور ڈر نہ بنیں ہم ابھی (پکڑتے ہی) اس کو اس کی پہلی حالت پر کر دیں گے (یعنی یہ پھر عصا بن جاوے گا اور تم کو کوئی گزند نہ پہنچے گا، ایک معجزہ تو یہ ہوا) اور (دوسرا معجزہ اور دیا جاتا ہے کہ) تم اپنا (داہنا) ہاتھ اپنی (بائیں) بغل میں دے لو پھر (بکالو) وہ بلا کسی عیب (یعنی بلا کسی مرض برص وغیرہ) کے (نہایت روشن ہو کر نکلے گا کہ یہ دوسری نشانی (ہماری قدرت اور تمہاری نبوت کی) ہوگی (اور یہ حکم لاشی کے ڈال دینے اور ہاتھ کو گریبان میں دینے کا اس لئے ہے) تاکہ ہم تم کو اپنی (قدرت کی) بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دکھلائیں (تو اب یہ نشانیاں لیکر) تم فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت حد سے بکل گیا ہے کہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے تم اس کو تبلیغِ توحید کرو اور اگر نبوت میں شبہ کرے تو یہی معجزے دکھا دو۔

## معارف و مسائل

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰی، بارگاہِ رب العالمین کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال کرنا کہ آپ کے ہاتھ میں کیا چیز ہے موسیٰ علیہ السلام پر لطف و کرم اور خاص مہربانی کا آغاز ہے تاکہ حیرت انگیز مناظر کے دیکھنے اور کلامِ ربانی کے سُنے سے جو ہیبت اور درشتی اُن پر طاری تھی وہ دور ہو جائے یہ ایک دوستانہ انداز کا خطاب ہے کہ تمہارے ہاتھ میں کیا چیز ہے اس کے علاوہ اس سوال میں یہ حکمت بھی ہے کہ آگے اس عصا کو جو اُن کے ہاتھ میں تھی ایک سانپ اور اڑدھا بنانا تھا۔ اس لئے پہلے ان کو متنبہ کر دیا کہ دیکھ لو تمہارا ہاتھ میں کیا چیز ہے جب انھوں نے دیکھ لیا کہ وہ لکڑی کا عصا ہے تب اُس کو سانپ بنانے کا معجزہ ظاہر کیا گیا ورنہ موسیٰ علیہ السلام کو یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ میں رات کے اندھیرے میں شاید لاشی کی جگہ سانپ ہی پکڑ لایا ہوں۔



قَالَ هِيَ عَصَايَ، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال صرف اتنا ہوا تھا کہ ہاتھ میں کیا چیز ہے اسکا اتنا جواب کافی تھا کہ لاٹھی ہے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس جگہ تین باتیں اصل سوال کے جواب کے زیادہ عرض کیں اول یہ کہ یہ عصا میری ہے، دوسرے یہ کہ میں اس سے بہت سے کام لیتا ہوں ایک یہ کہ اس پر ٹیک لگا لیتا ہوں دوسرے یہ کہ اس سے اپنی بکریوں کے لئے درختوں کے پتے جھاڑتا ہوں تیسرے یہ کہ اس سے اور بھی میرے بہت سے کام نکلتے ہیں، اس طویل اور تفصیلی جواب میں عشق و محبت اور اس کے ساتھ رعایت ادب کی جامعیت کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ عشق و محبت کا تقاضا ہے کہ جب محبوب مہربان ہو کر متوجہ ہے تو بات دراز کی جائے تاکہ اسکا زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے مگر ساتھ ہی ساتھ ادب کا مقتضایہ بھی ہے کہ بہت بے تکلف ہو کر کلام زیادہ طویل بھی نہ ہو۔ اس دوسرے مقتضاء پر عمل کرنے کے لئے اخیر میں اختصار کر دیا کہ قَرْنِي فِيهَا مَا رُبَّ اُخْرُي، یعنی میں اس سے اور بھی بہت سے کام لیا کرتا ہوں اور ان کاموں کی تفصیل بیان نہیں کی (روح و مظهری) تفسیر قرطبی میں اس آیت سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ ضرورت اور مصلحت سے ایسا کرنا بھی جائز ہے کہ جو بات سوال میں نہ پوچھی گئی ہو اس کو بھی جواب میں بیان کر دیا جائے۔

مسئلہ۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہاتھ میں عصا رکھنا سنتِ انبیاء ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی سنت تھی اور اس میں بے شمار دینی دنیوی فوائد ہیں۔ (قرطبی)

فَاِذَا رَهِیَ حَیَۃً نَّسُفٰی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں جو عصا تھی بحکم ربانی اس کو ڈال دیا تو وہ سانپ بن گئی، اس سانپ کے بارے میں قرآن کریم کی آیات میں ایک جگہ تو یہ آیا ہے کَاٰتٰہَا جَاۡنٌ، جان عربی لغت میں چھوٹے اور پتلے سانپ کو کہتے ہیں۔ اور دوسری جگہ آیا ہے فَاِذَا رَہٰی ثَعْبَانٌ، ثعبان کے معنے اڑدھا اور بڑے موٹے سانپ کے ہیں، اور اس آیت میں جو لفظ حَیَۃً آیا ہے یہ عام ہے ہر چھوٹے بڑے اور پتلے موٹے سانپ کو حَیَۃً کہا جاتا ہے۔ تطبیق ان آیات کی اس طرح ہو سکتی ہے کہ یہ سانپ شروع میں پتلا اور چھوٹا ہو پھر موٹا اور بڑا ہو گیا، یا یہ کہ سانپ تو بڑا اور اڑدھا ہی تھا مگر اس کو جَاۡنٌ یعنی ہلکا چھوٹا سانپ اس مناسبت سے کہا گیا کہ عظیم الشان اڑدھا سرعت سیر کے اعتبار سے چھوٹے سانپ کی طرح تھا یعنی عام عادت کے خلاف کہ بڑے اڑدھے تیز نہیں چل سکتے یہ بڑی تیزی سے چلتا تھا اور آیت میں لفظ کَاٰتٰہَا سے جو تشبیہ کے معنی میں ہے اس طرف اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ جَاۡنٌ سے اسکو تشبیہ ایک خاص وصف سرعت سیر میں دی گئی ہے۔ (مظہری)

وَاضْمُرْیَدًا لِّیْ اِلٰی جَنَّٰحِکَ، جَنَاح، دراصل جانور کے بازو کو کہا جاتا ہے







کام میں شریک کر دیجئے (یعنی ان کو بھی نبی بنا کر ماسور بالتبلیغ کیجئے کہ ہم دونوں تبلیغ کریں اور میرے قلب کو قوت پہنچے) تاکہ ہم دونوں (ملکر تبلیغ و دعوت کے وقت) آپ کی خوب کثرت سے پاکی (شرک و نقائص سے) بیان کریں اور آپ (کے اوصاف و کمالات) کا خوب کثرت سے ذکر کریں (کیونکہ اگر دو شخص مبلغ ہو جائیں تو ہر شخص کا بیان دوسرے کی تائید سے دافر اور مضکاثر ہوگا) بیشک آپ ہم کو (اور ہمارے حال کو) خوب دیکھ رہے ہیں اس حالت سے ہماری احتیاج اس امر کی کہ ایک دوسرے کے معاون ہوں آپ کو معلوم ہے) ارشاد ہوا کہ تمہاری (ہر) درخواست (جو کہ دُعا یا شریح لفظی الخ میں مذکور ہے) منظور کی گئی اے موسیٰ۔

## معارف و مسائل

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب کلام الہی کا شرف خاص حاصل ہوا اور منصب نبوت و رسالت عطا ہوا تو اپنی ذات اور اپنی طاقت پر بھروسہ چھوڑ کر خود حق تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہو گئے کہ اس منصب عظیم کی ذمہ داریاں اُسی کی مدد سے پوری ہو سکتی ہیں اور ان پر جو مصائب اور شدائد آنا لازمی ہیں ان کی برداشت کا حوصلہ بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف سے عطا ہو سکتا ہے اسلئے اس وقت پانچ دُعائیں مانگیں، پہلی دُعا اَشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ، یعنی میرا سینہ کھول دے، اس میں ایسی سعت عطا فرمادے جو علوم نبوت کا تحمل ہو سکے اور دعوت ایمان لوگوں تک پہنچانے میں جو ان کی طرف سے سخت مُست مُسننا پڑتا ہے اس کو برداشت کرنا بھی اس میں شامل ہے۔

دوسری دُعا وَكَبِّرْ لِيْ اَمْرِيْ (یعنی میرا کام میرے لئے آسان کر دے) یہ فہم و فراست بھی نبوت ہی کا ثمرہ تھا کہ کسی کام کا مشکل یا آسان ہونا بھی ظاہری تدبیروں کے تابع نہیں یہ بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف سے عطیہ ہوتا ہے وہ اگر چاہتے ہیں تو کسی کے لئے مشکل سے مشکل بھاری سے بھاری کام آسان کر دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں تو آسان سے آسان کام مشکل ہو جاتا ہے، اسی لئے حدیث شریف میں مسلمانوں کو اس دُعا کی تلقین کی گئی ہے کہ اپنے کاموں کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس طرح دُعا مانگا کریں اَللّٰهُمَّ الطُّفَّ بِمَا فِيْ تَيْسِيْرِ كُلِّ عَيْسِيْرٍ فَاِنْ تَيْسِيْرُ كُلِّ عَيْسِيْرٍ عَلَيْكَ تیسیر یعنی یا اللہ ہم پر ہر بانی نسر ما ہر مشکل کام کو آسان کرنے کے لئے کیونکہ ہر مشکل کام کا آسان کر دینا آپ کے قبضہ میں ہے۔

تیسری دُعا وَاحْلِلْ عُثْمًا ۙ مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوا قَوْلِيْ، یعنی کھول دے میری زبان کی بندش تاکہ لوگ میرا کلام سمجھنے لگیں۔ اس بندش کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دودھ پینے کے زمانے میں تو اپنی والدہ ہی کے پاس تھے اور دربار فرعون سے ان کو دودھ



پلانیکا وظیفہ اور صلہ ملتارہا۔ جب دودھ چھڑایا گیا تو فرعون اور اس کی بیوی آسیہ نے ان کو اپنا بیٹا بنالیا تھا اس لئے والدہ سے واپس لے کر اپنے یہاں پرالنے لگے۔ اسی عرصہ میں ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی دائرہی پکڑ لی اور اسکے منہ پر ایک طمانچہ رسید کیا اور بعض روایات میں ہے کہ ایک چھڑی ہاتھ میں تھی جس سے کھیل رہے تھے وہ فرعون کے سر پر ماری، فرعون کو غصہ آیا اور اس کے قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ بیوی آسیہ نے کہا کہ شاہا، آپ بچے کی بات پر خیال کرتے ہیں جس کو کسی چیز کی عقل نہیں اور اگر آپ چاہیں تو تجربہ کر لیں کہ اس کو کسی بھلے بُرے کا امتیاز نہیں۔ فرعون کو تجربہ کرانے کے لئے ایک طشت میں آگ کے انگارے اور دوسرے میں جواہرات لاکر موسیٰ علیہ السلام کے سامنے رکھ دیئے خیال یہ تھا کہ بچہ ہے یہ بچوں کی عادت کے مطابق آگ کے انگارے کو ردشن خوبصورت سمجھ کر اُس کی طرف ہاتھ بڑھائے گا جواہرات کی رونق بچوں کی نظر میں ایسی نہیں ہوتی کہ اس طرف توجہ دیں، اس سے فرعون کو تجربہ ہو جائیگا کہ اس نے جو کچھ کیا وہ بچپن کی نادانی سے کیا۔ مگر یہاں تو کوئی عام بچہ نہیں تھا، خدا تعالیٰ کا ہونے والا رسول تھا جن کی فطرت اَدل پیدائش سے ہی غیر معمولی ہوتی ہے موسیٰ علیہ السلام نے آگ کے بجائے جواہرات پر ہاتھ ڈالنا چاہا مگر جبریل امین نے اُن کا ہاتھ آگ کی طشت میں ڈال دیا اور انھوں نے آگ کا انگارہ اُٹھا کر منہ میں رکھ لیا، جس سے زبان جل گئی اور فرعون کو یقین آگیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ عمل کسی شرارت سے نہیں بچپن کی بے خبری کے سبب سے تھا۔ اسی واقعہ سے موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں ایک قسم کی تکلیف پیدا ہو گئی اسی کو سترائے میں عقدہ کہا گیا ہے اور اسی کو کھولنے کی دعا حضرت موسیٰ نے مانگی (مظہری، قلیہ) پہلی دو دعائیں تو عام تھیں سب کاموں میں اللہ تعالیٰ سے مدد حاصل کرنے کے لئے تیسری دعا میں اپنی ایک محسوس کمزوری کے ازالہ کی درخواست کی گئی کہ رسالت و دعوت کیلئے زبان کی طلاق اور فصاحت بھی ایک ضروری چیز ہے۔ آگے ایک آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی یہ سب دعائیں قبول کر لی گئیں جس کا ظاہر یہ ہے کہ زبان کی یہ لکنت بھی ختم ہو گئی ہوگی مگر خود موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون کو اپنے ساتھ رسالت میں شریک کرنے کی جو دعا کی ہے اُس میں یہ بھی فرمایا ہے کہ هُوَ اَفْصَحُ مِثِّي لِسَانًا، یعنی ہارون علیہ السلام زبان کے اعتبار سے بہ نسبت میرے زیادہ فصیح ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اثر لکنت کا کچھ باقی تھا۔ نیز فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو عیوب لگائے اُن میں یہ بھی کہا کہ وَكَانَ دُيُوبًا، یعنی یہ اپنی بات کو صاف بیان نہیں کر سکتے۔ بعض حضرات نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود اپنی دعا میں اتنی ہی بات مانگی تھی کہ زبان کی بندش اتنی کھل جائے



کہ لوگ میری بات سمجھ لیا کریں، اتنی کلفت دُور کر دی گئی کچھ معمولی اثر پھر بھی رہا ہو تو وہ اس دعا کی قبولیت کے منافی نہیں چوتھی دُعَا وَاجْعَلْ رَاقٍ وَنَزَائِقًا مِّنْ آهْلِيْ (یعنی بنادے میرا ایک وزیر میرے ہی خاندان میں سے) پچھلی تین دُعائیں اپنے نفس اور ذات سے متعلق تھیں یہ چوتھی دُعَا اَعْمَالِ رِسَالَتِ کو انجام دینے کے لئے اسباب جمع کرنے سے متعلق ہے اور ان اسباب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے ادراہم اس کو قرار دیا کہ ان کا کوئی نائب اور وزیر ہو جو ان کی مدد کر سکے۔ وزیر کے معنی ہی نعت میں بوجہ اٹھانے والے کے ہیں، وزیر سلطنت چونکہ اپنے امیر و بادشاہ کا بار ذمہ داری سے اٹھاتا ہے اس لئے اس کو وزیر کہتے ہیں۔ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کمال عقل معلوم ہوا کہ کسی کام یا تحریک کے چلانے کے لئے سب سے پہلی چیز انسان کے اَعْوَانُ انصار ہیں وہ منشاء کے مطابق رُلجائیں تو آگے سب کام آسان ہو جاتے ہیں اور وہ غلط ہوں تو سارے اسباب سامان بھی بے کام ہو کر رہ جاتے ہیں۔ آج کل کی سلطنتوں اور حکومتوں میں جتنی خرابیاں مشاہدہ میں آئی ہیں غور کریں تو ان سب کا اصلی سبب امیر ریاست کے اَعْوَانُ انصار اور وزراء و امراء کی خرابی بے عملی یا بد عملی یا عدم صلاحیت ہے۔

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ جب کسی شخص کو کوئی نیکو عمارت سپرد فرماتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ یہ اچھے کام کرے حکومت کو اچھی طرح چلائے تو اس کو نیک وزیر دیدیتے ہیں جو اس کی مدد کرتا ہے اگر یہ کسی ضروری کام کو بھول جائے تو وزیر یاد دلاتا ہے اور جس کام کا وہ ارادہ کرے وزیر اس میں اس کی مدد کرتا ہے (رواہ النسائی عن القاسم بن محمد) اس دُعائیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو وزیر طلب فرمایا اسکے ساتھ ایک قیدی مِّنْ آهْلِيْ کی بھی لگا دی کہ یہ وزیر میرے خاندان و اقارب میں سے ہو کیونکہ اپنے خاندان کے آدمی کے عادات و اخلاق دیکھے بھالے اور طبائع میں باہم الفت و مناسبت ہوتی ہے جس سے اس کام میں مدد ملتی ہے بشرطیکہ اس کو کام کی صلاحیت میں دوسروں سے فائق دیکھ کر لیا گیا ہو۔ بعض اقربا پروری کا داعیہ نہ ہو۔ اس زمانے میں چونکہ عام طور پر دیانت و اخلاص مفقود اور اصل کام کی فکر غائب نظر آتی ہے۔ اس لئے کسی امیر کے ساتھ اس کے خویش و عزیز کو وزیر یا نائب بنانے کو مذموم سمجھا جاتا ہے اور جہاں دیانتداری پر بھروسہ پورا ہو تو کسی صالح و اصح خویش و عزیز کو کوئی عہدہ سپرد کر دینا کوئی عیب نہیں بلکہ مہمات امور کی تکمیل کیلئے زیادہ بہتر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین عموماً وہی حضرات ہوئے جو بیت نبوت کے ساتھ رشتہ داریوں کے تعلقات بھی رکھتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دُعَا میں پہلے تو عام بات فرمائی کہ میرے خاندان



اہل میں سے ہر، پھر متعین کر کے فرمایا کہ وہ میرا بھائی ہارون ہے جس کو میں وزیر بنانا چاہتا ہوں تاکہ میں اُس سے مہارت رسالت میں قوت حاصل کر سکوں۔

حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین یا چار سال بڑے تھے، اور تین سال پہلے ہی وفات پائی۔ جس وقت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا مانگی وہ مصر میں تھے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر اُن کو بھی نبی بنا دیا تو بنہ ربیعہ فرشتہ اُن کو بھی مصر ہی میں اسکی اطلاع ملگئی جب موسیٰ علیہ السلام کو مصر میں فرعون کی تبلیغ کے لئے روانہ کیا گیا تو اُن کو یہ ہدایت کر دی گئی کہ وہ مصر سے باہر اُن کا استقبال کریں اور ایسا ہی واقع ہوا۔ (قطبی)

وَأَشْرِكُوا مِنِّي آفَرِي، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارونؑ کو اپنا وزیر بننا چاہا تو یہ اختیار خود اُن کو حاصل تھا تبرکاً حق تعالیٰ کی طرف سے کرنے کی دُعا کی مگر ساتھ ہی وہ یہ چاہتے تھے کہ ان کو نبوت و رسالت میں اپنا شریک قرار دیں یہ اختیار کسی رسول و نبی کو خود نہیں ہوتا اس لئے اسکی جُداگانہ دُعا کی کہ اُن کو میرے کارِ رسالت میں شریک فرمائے آخر میں فرمایا صَلِّحْ رَفَقًا ذَكَرُوا عِبَادَتِ | گئی تَشِيْحًا كَيْفَ اَوْدُنْ كَسَاكَ كَيْفَ اَوْدُنْ، یعنی حضرت ہارونؑ کو میں بھی مددگار ہوتے ہیں وزیر اور شریک نبوت بنانے کا فائدہ یہ ہو گا کہ ہم کثرت سے آپ کی

دُعائیں یہاں ختم ہو گئیں آخر میں حق تعالیٰ کی طرف سے ان سب دُعاؤں کے قبول ہونے کی بشارت دیدی گئی قَالَ قَدْ اَوْفَيْتَ سُوْلَكَ يٰمُوسٰی ، یعنی آپ کی مانگی ہوئی سب چیزیں آپ کو دیدی گئیں۔

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ۖ ﴿١٤﴾ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ

ادد احسان کیا تھا، ہم نے تجھ پر ایک بار اور بھی جب حکم بھیجا، ہم نے تیری

أَمَّا مَا يُوحَىٰ ۖ أَنِ اقْنِ فِيهِمُ فِي السَّابُوتِ فَأَقْنِ فِيهِ

ہاں کو جو آگے سناتے ہیں کہ ڈال اسکو صندوق میں پھر اس کو ڈال دے دریا میں



فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَ

پھر دریا اُس کو لے ڈالے کنارے پر اٹھالے اُس کو ایک دشمن میرا اور

عَدُوٌّ لَّهِ ط وَالْقَبْتُ عَلَيْكَ حَبَّةً مِّنِّي ه وَلِتُصْنَعَ عَلٰی

اُس کا اور ڈال دی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف سے اور تاکہ پرورش پائے

عَيْنِي ۝۳۹ اِذْ تَمْشِيْ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی

تو میری آنکھ کے سامنے، جب چلنے لگی تیری بہن اور کہنے لگی میں بتاؤں تم کو ایسا شخص جو اس کو

مَنْ يَّكْفُلُهُ فَرَجْعُكَ اِلٰی اِمِّكَ كِي تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا

پائے پھر پہنچا دیا ہم نے تجھ کو تیری ماں کے پاس کہ ٹھنڈی رہے اُسکی آنکھ اور غم

تَحْزَنَ ه وَكُتِلَتْ نَفْسًا فَتَجِدُكَ مِنَ الْغَمْرِ وَفَتَنَّاكَ

نہ کھاوے اور تو نے مار ڈالا ایک شخص کو پھر بچا دیا ہم نے تجھ کو اس غم سے اور جانچا ہم نے

فَتَوَنَّا ه فَلَیْسَتْ سِینٌ فِیْ اَهْلِ مَدِیْنٍ ه ثُمَّ رَجِئْتَ

تجھ کو ایک ذرا جانچنا، پھر ٹھہرا رہا تو کئی برس مدین والوں میں پھر آیا تو

عَلٰی قَدَرٍ یُّسُوْسٰی ۝۴۰ وَاَصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِی ۝۴۱ اِذْ هَبَّ

تقدیر سے اے موسیٰ اور بنایا میں نے تجھ کو خاص اپنے واسطے جا تو

اَنْتَ وَ اَخُوْكَ بِاٰیَتِیْ وَلَا تَنْبِیْا فِیْ ذِکْرِیْ ۝۴۲ اِذْ هَبَا

اور تیرا بھائی میری نشانیاں لے کر اور سستی نہ کر یو میری یاد میں ہاؤ طرف

اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰ ۝۴۳ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیْسًا

فرعون کی اُس نے بہت سر اٹھایا سو کہو اُس سے بات نرم

لَعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی ۝۴۴

شاید وہ سوچے یا ڈرے

## خلاصہ تفسیر

ہم تو اور دفعہ اور بھی (اس کے قبل بے درخواست ہی) تم پر احسان کر چکے ہیں جبکہ ہم نے تمہاری ماں کو وہ بات الہام سے بتلائی جو (بوجہ مہتم بالشان ہونے کے) الہام سے بتلانے کے



(قابل) تھی (وہ) یہ کہ موسیٰ کو (جلاؤں کے ہاتھ سے بچانے کے لئے) ایک صندوق میں رکھو، پھر ان کو (مع صندوق کے) دریا میں (جس کی ایک شاخ فرعون کے محل تک بھی گئی تھی) ڈال دو پھر دریا ان کو (مع صندوق کے) کنارہ (کے پاس) تک لے آئیگا کہ (آخر کار) ان کو ایسا ایسا شخص پکڑیگا جو (کافر ہونے کی وجہ سے) میرا بھی دشمن ہے اور ان کا بھی دشمن ہے (خواہ فی الحال بوجہ اسکے کہ سب بچوں کو قتل کرتا تھا خواہ آئندہ ان کا خاص طور پر دشمن ہوگا) اور جب صندوق پکڑا گیا اور تم اس میں سے نکالے گئے تو میں نے تمہارے (چہرے کے) اوپر اپنی طرف سے ایک اثر محبت ڈال دیا (تاکہ جو تم کو دیکھے پیار کرے) اور تاکہ تم میری (خاص) نگرانی میں پرورش پاؤ۔ (یہ اس وقت کا قصہ ہے) جبکہ تمہاری بہن (تمہاری تلاش میں فرعون کے گھر) چلتی ہوئی آئیں، پھر تم کو دیکھ کر اجنبی بن کر، کہنے لگیں (جبکہ تم کسی انا کا دودھ نہ پیتے تھے) کیا تم لوگوں کو ایسے شخص کا پتہ دوں جو اس کو (اچھی طرح) پالے رکھے (چنانچہ ان لوگوں نے چونکہ ان کو تلاش تھی منظور کیا اور تمہاری بہن تمہاری ماں کو بلا کر لائیں) پھر (اس تدبیر سے) ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس پھر پہنچا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ان کو غم نہ ہے (جیسے تھوڑے عرصے تک فراق سے مغموم رہیں) اور (بڑے ہونے کے بعد ایک اور احسان کیا کہ) تم نے (غلطی سے) ایک شخص (قبلی) کو جان سے مار ڈالا (جس کا قصہ سورۃ قصص میں ہے) اور مار کر غم ہوا خوب عذاب سے بھی اور خوف (انتقام سے بھی) پھر ہم نے تم کو اس غم سے نجات دی (خوب عذاب سے تو اس طرح کہ استغفار کی توفیق دی اور اس کو قبول کیا اور خوب انتقام سے اس طرح کہ مصر سے مدین پہنچا دیا) اور (مدین پہنچنے تک) ہم نے تم کو خوب خوب محنتوں میں ڈالا (اور پھر ان سے خلاصی دی جن کا ذکر سورۃ قصص میں ہے کہ خلاصی دینا بھی مست ہے اور خود ابتلا بھی بوجہ اس کے کہ وہ سبب ہے حصولِ افلاق حمیدہ و ملکاتِ فاضلہ کا مستقل احسان ہے)۔

پھر (مدین پہنچے اور ہمدین والوں میں کئی سال رہے پھر ایک خاص وقت پر (جو میرے علم میں تمہاری نبوت اور ہم کلامی کے لئے مقدر تھا) تم (یہاں) آئے اے موسیٰ اور (یہاں) آنے پر) میں نے تم کو اپنے (بی بنانے کے) لئے منتخب کیا (سوا ب) تم اور تمہارے بھائی (دونوں میری نشانیاں) یعنی معجزات کہ اصل دو معجزے ہیں عصا و ید بیضا اور ہر ایک میں درجہ اعجاز متعین ہے) کر (جس موقع کے لئے حکم ہوتا ہے) جاؤ اور میری یادگاری میں (غراہ خلوت میں خواہ تبلیغ کے وقت) سستی مت کرنا اب موقع جانے کا بتلایا جاتا ہے کہ (دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت نکل چلا ہے پھر (اسکے پاس جا کر) اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید وہ (رغبت سے) نصیحت قبول کر لے یا (عذاب الہی سے) ڈر جاوے (اور اس سے مان جاوے)۔



## معارف و مسائل

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو انعامات و عنایات حق اس وقت مبذول ہوئیں کہ مشرف ہمکلامی سے نوازا گیا، نبوت و رسالت عطا ہوئی، خاص معجزات عطا ہوئے اس کے ساتھ یہاں حق تعالیٰ اپنی وہ نعمتیں بھی اُن کو یاد دلاتے ہیں جو شروع پیدائش سے اس وقت تک زندگی کے ہر دور میں آپ پر مبذول ہوتی رہیں اور مسلسل آزمائشوں اور جان کے خطروں کے درمیان قدرتِ حق نے کن حیرت انگیز طریقوں سے ان کی حفاظت فرمائی۔ یہ نعمتیں جبکا ذکر آگے آتا ہے زمانہ وقوع کے اعتبار سے پہلی ہیں یہاں جو اُن کو آخری کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ نعمتیں اسکے بعد کی ہیں بلکہ لفظ آخری کبھی مطلقاً دوسرے کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے مقدم مؤخر کا کوئی مفہوم نہیں ہوتا یہاں بھی یہ لفظ اسی معنی میں ہی (وَج) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ پورا قصہ حدیث کے حوالہ سے تفصیل کے ساتھ آگے آئے گا۔

إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ، یعنی جبکہ وحی بھیجی ہم نے آپ کی والدہ کے پاس ایک ایسے معاملہ کی جو صرف وحی سے ہی معلوم ہو سکتا تھا وہ یہ کہ فرعونی سپاہی جو اسرائیلی لڑکوں کو قتل کرنے پر مامور تھے اُن سے بچانے کے لئے اُن کی والدہ کو بذریعہ وحی الہی بتلایا گیا کہ اُن کو ایک تابوت میں بند کر کے دریا میں ڈال دیں اور اُن کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہ کریں ہم اُن کو حفاظت سے رکھیں گے اور پھر آپ کے پاس ہی واپس پہنچا دیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ باتیں عقل و قیاس کی نہیں، اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور اُن کی حفاظت کا ناقابل قیاس انتظام صرف اُسی کی طرف سے بتلانے پر کسی کو معلوم ہو سکتا ہے۔ کیا وحی کسی غیر نبی و رسول کی طرف بھی آ سکتی ہے؟ صحیح بات یہ ہے کہ لفظ وحی کے لغوی معنی ایسے خفیہ کلام کے ہیں جو جبرئیل کی طرف بھی آ سکتی ہے مخاطب کو معلوم ہو، دوسرے اس پر مطلع نہ ہوں۔ اس لغوی معنی کے اعتبار سے وحی کسی کے لئے مخصوص نہیں۔ نبی و رسول اور عام مخلوق بلکہ جانور تک اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔

(اَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ)، میں شہد کی مکھیوں کو بذریعہ وحی تلقین و تعلیم کرنے کا ذکر اسی معنی کے اعتبار سے ہے اور اس آیت میں اَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ بھی اس معنی لغوی کے اعتبار سے ہے اس انکابی یا رسول ہونا لازم نہیں آتا، جیسے حضرت مریم علیہا السلام کو ارشادِ ربانی پہنچے باوجودیکہ باتفاق جمہور اُقت و نبی رسول نہیں تھیں اس طرح کی لغوی وحی عموماً بطور الہام کے ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کسی کے قلب میں ایک مضمون ڈال دیں اور اس کو اس پر مطمئن کر دیں کہ اللہ کی طرف سے ہے جیسے عموماً اولیاء اللہ کو اس قسم کے الہامات ہوتے رہے ہیں، بلکہ ابوحیان اور بعض دوسرے علماء نے کہا ہے کہ اس طرح کی وحی بعض اوقات کسی فرشتے کے واسطے سے بھی ہو سکتی ہے جیسے حضرت مریم کے واقعہ میں اس کی تصریح ہے کہ جبرئیل امین



نے بشکل انسانی تمثیل ہو کر ان کو تلقین فرمائی مگر اسکا تعلق صرف اُس شخص کی ذات سے ہوتا ہے جس کو یہ وحی الہام ہوتی ہے۔ اصلاح خلق اور تبلیغ و دعوت سے اسکا کوئی تعلق نہیں ہوتا بخلاف وحی نبوت کے کہ اسکا منشاء ہی مخلوق کی اصلاح کے لئے کسی کو کھڑا کرنا اور تبلیغ و دعوت کے لئے مامور کرنا ہوتا ہے اس کے ذمہ لازم ہوتا ہے کہ اپنی وحی پر خود بھی ایمان لائے اور دوسروں کو بھی اپنی نبوت کے ماننے اور اپنی وحی کے ماننے کا پابند بنائے جو اُس کو نہ مانے اُسے کافر قرار دے۔

یہی فرق ہے اس وحی الہام یعنی وحی لغوی میں اور وحی نبوت یعنی وحی اصطلاحی میں۔ وحی لغوی ہمیشہ سے جاری ہے اور ہمیشہ رہے گی، اور نبوت اور وحی نبوت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے۔ بعض بزرگوں کے کلام میں اسی کو وحی تشریعی و غیر تشریعی کے عنوان سے تعبیر کر دیا ہے جس کو مدعی نبوت قادیانی نے شیخ محمد الدین ابن عربیؒ کی بعض عبارتوں کے حوالہ سے اپنے دعوائے نبوت کے جواز کی دلیل بنایا ہے جو خود ابن عربیؒ کی تصریحات سے باطل ہے۔ اس مسئلہ کی مکمل بحث توضیح میری کتاب حقائق نبوت میں تفصیل سے مذکور ہے۔

ائم موسیٰ علیہ السلام کا نام | روح المعانی میں ہے کہ ان کا مشہور نام یوحنا نذ ہے، اور اتقان ہین کا نام لحيانہ بنت یسمد بن لادی لکھا ہے، اور بعض لوگوں نے ان کا نام یارخا بعض نے بازخت بتلایا ہے۔ بعض تعویذ گندھے والے ان کے نام کی عجیب خصوصیات بیان کیا کرتے ہیں صاحب روح المعانی نے فرمایا کہ ہمیں اسکی کوئی بنیاد نہیں معلوم ہوئی اور غالب یہ ہے کہ خرافات میں سے ہے۔

قُلْ لَقَدْ أَلَيْتُكَ بِالسَّاحِلِ، اس جگہ لفظ ایم بمعنی دریا سے بظاہر نہر نیل مراد ہے آیت میں ایک حکم تو موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو دیا گیا ہے کہ اس بچے (موسیٰ علیہ السلام) کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیں، دوسرا حکم بصیغہ امر دریا کے نام ہے کہ وہ اس تابوت کو کنارہ پر ڈال دے قُلْ لَقَدْ أَلَيْتُكَ بِالسَّاحِلِ، دریا چونکہ بظاہر بے جس بے شعور ہے اُس کو حکم دینے کا مفہوم سمجھیں نہیں آتا اسی لئے بعض حضرات نے یہ قرار دیا کہ اگرچہ یہاں صیغہ امر یعنی حکم استعمال ہوا ہے مگر مراد اس سے حکم نہیں بلکہ خبر دینا ہے کہ دریا اس کو کنارہ پر ڈال دیگا۔ مگر محققین علماء کے نزدیک یہ امر اپنے ظاہر پر امر اور حکم ہی ہے اور دریا ہی اُس کا مخاطب ہے کیونکہ اُن کے نزدیک دنیا کی کوئی مخلوق درخت اور پتھر تک بے عقل و بے شعور نہیں بلکہ سب میں عقل و ادراک موجود ہے اور یہی عقل و ادراک ہے جس کے سبب یہ سب چیزیں حسب تصریح قرآن اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ انسان اور جن اور فرشتہ کے علاوہ کسی مخلوق میں عقل و شعور اتنا مکمل نہیں جس پر احکام حلال و حرام عائد کر کے مکلف بنایا جائے، دانائے روم نے خوب فرمایا ہے

فَاك وَبَادُو آب وَآتَش بَسْدَه اَنْد بَا سَن وَتَو مُرْدَه بَا حَق زَنْدَه اَنْد



يَا خُذْهُ عَدُوِّي وَعَدُوَّ لِيْ ۚ يَعْنِيْ اِسْ تَابُوْت اور اسيں بند کئے ہوئے تھے کو سا حل  
دریا سے ایسا شخص اٹھائے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور موسیٰ کا بھی، مراد اس سے فرعون ہے۔ فرعون  
کا اللہ کا دشمن ہونا تو اُس کے کفر کی وجہ سے ظاہر ہے مگر موسیٰ علیہ السلام کا دشمن کہنا اس لئے محل غور ہے  
کہ اس وقت تو فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دشمن نہیں تھا بلکہ اُن کی پرورش پر زریں خیر خرچ کر رہا تھا پھر  
اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دشمن فرمانا یا تو انجام کار کے اعتبار سے ہے کہ بالآخر فرعون کا دشمن ہو جانا  
اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اور یہ کہا جائے تو بھی کچھ بعید نہیں کہ جہاں تک فرعون کی ذات کا تعلق یہ وہ فی نفسہ  
اُس وقت بھی دشمن ہی تھا۔ اُس نے حضرت موسیٰ کی تربیت صرف بیوی آسیہ کی خاطر گوارا کی تھی اور  
اس میں بھی جب اُس کو شبہ ہوا تو اُسی وقت قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا جو حضرت آسیہ کی دانشمندی  
کے ذریعہ ختم ہوا (روح و مظهری)

وَالْقَيْتُ عَلَيْكَ حُبَّةً رَّيِّئَةً ۚ اِس جگہ لفظ محبت مصدر بمعنی محبوبیت ہے اور مطلب  
یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنی عنایت و رحمت سے آپ کے وجود میں ایک محبوبیت کی شان  
رکھ دی تھی کہ جو آپ کو دیکھے آپ سے محبت کرنے لگے۔ حضرت ابن عباس اور عکرمہ سے یہی تفسیر  
منقول ہے (مظہری)

وَلَنُصَنِّعَ عَلٰی عِيْنِيْ ۚ لفظ صنعت سے اس جگہ مراد عمدہ تربیت ہے جیسے عرب میں صَنَعَتْ  
تربیتی کا محاورہ اسی معنی میں معروف ہے کہ میں نے اپنے گھوڑے کی اچھی تربیت کی اور عَلٰی عِيْنِيْ  
سے مراد علی حفظی یعنی اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہترین تربیت  
براہ راست حق تعالیٰ کی نگرانی میں ہو اس لئے مصر کی سب سے بڑی ہستی یعنی فرعون کے ہاتھوں ہی  
اس کے گھر میں یہ کام اس طرح لیا گیا کہ وہ اس سے بے خبر تھا کہ میں اپنے ہاتھوں اپنے دشمن کو پال  
رہا ہوں۔ (مظہری)

اِذْ تَمْشِيْ اُخْتُكَ ۚ موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا اس تابوت کے تعاقب میں جانا اور اُس کے بعد  
کا قصہ جسکا اجمال اس آیت میں آیا ہے جس کے آخر میں فرمایا ہے وَفَقَتْلَكَ فَتَوَدَّنا یعنی ہم نے آپ  
کی آزمائش کی بار بار (قالہ ابن عباس رض) یا آپ کو مبتلائے آزمائش کیا بار بار (قالہ الضحاك) اسکی  
پوری تفصیل سنن نسائی کی ایک طویل حدیث میں بروایت ابن عباس رض آئی ہے وہ یہ ہے۔  
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مفصل قصہ | حدیث الفتون کے نام سے طویل حدیث سنن نسائی کتاب التفسیر  
میں بروایت ابن عباس نقل کی ہے اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بھی اسکو پورا نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے  
کہ حضرت ابن عباس نے اس روایت کو مرفوع یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان قرار دیا ہے  
اور ابن کثیر نے بھی حدیث کے مرفوع ہونے کی توثیق کے لئے فرمایا ہے کہ :-



وَصَدَقَ ذَلِكَ عَصَىٰ، یعنی اس حدیث کا مرفوع ہونا میرے نزدیک درست ہے پھر اس کے لئے ایک دلیل بھی بیان فرمائی لیکن اسکے بعد یہ بھی نقل فرمایا ہے کہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بھی اپنی تفسیروں میں یہ روایت نقل کی ہے مگر وہ موقوف یعنی ابن عباسؓ کا اپنا کلام ہے، مرفوع حدیث کے جملے اسیں کہیں کہیں آئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ نے یہ روایت کعب احبار سے لی ہے جیسا کہ بہت سے مواقع میں ایسا ہوا ہے مگر ابن کثیر جیسے ناقد حدیث اور نسائی جیسے امام حدیث اس کو مرفوع مانتے ہیں اور جنہوں نے مرفوع تسلیم نہیں کیا وہ بھی اسکے مضمون پر کوئی نکیر نہیں کرتے اور اکثر حصہ اسکا تو خود قرآن کریم کی آیات میں آیا ہوا ہے اسلئے پوری حدیث کا ترجمہ لکھا جاتا ہے جس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تفصیلی قصے کے ضمن میں بہت سے علمی اور عملی فوائد بھی ہیں۔ حدیث الفتون بسند امام نسائیؒ قاسم بن ابی ایوب فرماتے ہیں کہ مجھے سعید بن جبیرؒ نے خبر دی کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آئی ہے یعنی دَفَعْنَاكَ عَنْ آلِكَ وَفَتَاتَا مِیْنِیْ دریاقت کیا کہ اسیں فتون سے کیا مراد ہے؟ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اسکا واقعہ بڑا طویل ہے صبح کو سویرے آجاؤ تو بتلا دیجئے، جب اگلے دن صبح ہوئی تو میں سویرے ہی ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہو گیا تاکہ کل جو وعدہ فرمایا تھا اُس کو پورا کراؤں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سنو (ایک روز) فرعون اور اس کے ہمنشینوں میں اس بات کا ذکر آیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ فرمایا ہے کہ اُنکی ذریت میں انبیاء اور بادشاہ پیدا فرما دیں گے۔ بعض شرکار مجلس نے کہا کہ ہاں بنی اسرائیل تو اسکے منتظر ہیں جس میں اُن کو ذرا شک نہیں کہ اُن کے اندر کوئی نبی در رسول پیدا ہوگا اور پہلے ان لوگوں کا خیال تھا کہ وہ نبی یوسف بن یعقوب علیہ السلام ہیں جب اُن کی وفات ہو گئی تو کہنے لگے کہ ابراہیم علیہ السلام سے جو وعدہ کیا گیا تھا یہ اسکے مصداق نہیں دکوئی اور نبی در رسول پیدا ہوگا جو اس وعدہ کو پورا کرے گا۔ فرعون نے یہ سنا تو (اُس کو فکر لاحق ہو گئی کہ اگر بنی اسرائیل میں جن کو اُس نے غلام بنا رکھا تھا کوئی نبی در رسول پیدا ہو گیا تو وہ ان کو مجھ سے آزاد کرائے گا) اس لئے حاضرین مجلس سے دریافت کیا کہ اس آفت سے بچنے کا کیا راستہ ہے یہ لوگ آپس میں مشورے کرتے رہے اور انجام کار سب کی رائے اس پر متفق ہو گئی کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اُس کو ذبح کر دیا جائے اس کے لئے، ایسے سپاہی مقرر کر دیئے گئے جن کے ہاتھوں میں پھریاں تھیں اور وہ بنی اسرائیل کے ایک ایک گھر میں جا کر دیکھتے تھے جہاں کوئی لڑکا نظر آیا اسکو ذبح کر دیا۔ کچھ عرصہ یہ سلسلہ جاری رہنے کے بعد ان کو یہ ہوش آیا کہ ہماری سب خدمتیں اور محنت مشقت کے کام تو بنی اسرائیل ہی انجام دیتے ہیں اگر یہ سلسلہ قتل کا جاری رہا تو اُن کے بڑھے تو اپنی



موت مر جائیں گے اور بچے ذبح ہوتے رہے تو آئندہ بنی اسرائیل میں کوئی مرد نہ رہے گا جو ہماری خدمتیں انجام دے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ سارے مشقت کے کام ہمیں خود ہی کرنا پڑیں گے اسلئے اب یہ رائے ہوئی کہ ایک سال میں پیدا ہونے والے لڑکوں کو چھوڑ دیا جائے، دوسرے سال میں پیدا ہونے والوں کو ذبح کر دیا جائے۔ اس طرح بنی اسرائیل میں کچھ جوان بھی رہیں گے جو اپنے بوڑھوں کی جگہ لے سکیں اور اُن کی تعداد اتنی زیادہ بھی نہیں ہوگی جس سے فرعون کی حکومت کو خطرہ ہو سکے۔ یہ بات سب کو پسند آئی اور یہی قانون نافذ کر دیا گیا (اب حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت کا ظہور اس طرح ہوا کہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ایک حمل اس وقت ہوا جبکہ بچوں کو زندہ چھوڑ دینے کا سال تھا، اس میں حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے فرعون کی قانون کی رو سے اُن کے لئے کوئی خطرہ نہیں تھا اگلے سال جو لڑکوں کے قتل کا سال تھا اُس میں حضرت موسیٰ حمل میں آئے تو اُن کی والدہ پر رنج و غم طاری تھا کہ اب یہ بچہ پیدا ہوگا تو قتل کر دیا جائیگا۔ ابن عباسؓ نے قصہ کو یہاں تک پہنچا کر فرمایا کہ اسے ابن جُبیر فُتُون یعنی آزمائش کا یہ پہلا موقع ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ابھی دُنیا میں پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کہ اُن کے قتل کا منصوبہ تیار تھا۔ اس وقت حق تعالیٰ نے انکی والدہ کو بند لہجہ وحی الہام یہ تسلی دیدی کہ لَا تَخَافِی وَلَا تَحْزَنِی اِنَّا نَادَوْنَاکَ اِلَیْکَ وَجَا عَلُوْنَا مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ یعنی تم کوئی خوف و غم نہ کرو (ہم اسکی حفاظت کریں گے اور کچھ دن مجدا رہنے کے بعد) ہم انکو تمہارے پاس واپس کر دیں گے پھر ان کو اپنے رسولوں میں داخل کر لیں گے۔ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے تو اُن کی والدہ کو حق تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس کو ایک تابوت میں رکھ کر دریا (نیل) میں ڈال دو۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اس حکم کی تعمیل کر دی۔ جب وہ تابوت کو دریا کے حوالہ کر چکیں تو شیطان نے اُن کے دل میں یہ دوسوہ ڈالا کہ یہ تو نے کیا کام کیا اگر بچہ تیرے پاس رہ کر ذبح بھی کر دیا جاتا تو اپنے ہاتھوں سے کفن و دفن کر کے کچھ تو تسلی ہوتی اب تو اسکو دریا کے جائز کیا میں گے (موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اسی رنج و غم میں مبتلا تھیں کہ) دریا کی موجوں نے تابوت کو ایک ایسی چٹان پر ڈال دیا جہاں فرعون کی باندیاں لوندیاں نہانے دھونے کے لئے جایا کرتی تھیں، انھوں نے یہ تابوت دیکھا تو اٹھالیا اور کھولنے کا ارادہ کیا تو انہیں سے کسی نے کہا کہ اگر اس میں کچھ مال ہو اور ہم نے کھول لیا تو فرعون کی بیوی کو یہ گمان ہو گا کہ ہم نے اس میں سے کچھ الگ لے لیا ہے ہم کچھ بھی کہیں اُس کو یقین نہیں آئے گا اس لئے سب کی رائے یہ ہو گئی کہ اس تابوت کو اس طرح بند اٹھا کر فرعون کی بیوی کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

فرعون کی بیوی نے تابوت کھولا تو اس میں ایک ایسا لڑکا دیکھا جس کو دیکھتے ہی اُس کے دل میں اُس سے اتنی محبت ہو گئی جو اس سے پہلے کسی بچے سے نہیں ہوئی تھی (جو درحقیقت



حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا ظہور تھا (وَالْقَيِّتُ عَلَیْكَ یٰحَبِیْبُ) دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بوسوسہ شیطانی اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کو بھول گئیں اور حالت یہ ہو گئی کہ اُنھیں نواذِ اُمّ موسیٰ فیہا، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل ہر خوشی اور ہر خیال سے خالی ہو گیا (صرف موسیٰ علیہ السلام کی فکر غالب آ گئی) ادھر جب لڑکوں کے قتل پر مامور پولیس والوں کو فرعون کے گھریں ایک لڑکا آجانے کی خبر ملی تو وہ چھریاں لیکر فرعون کی بیوی کے پاس پہنچ گئے کہ یہ لڑکا ہمیں دو تاکہ ذبح کر دیں۔

ابن عباسؓ نے یہاں پہنچ کر پھر ابن جبیرؓ کو مخاطب کیا کہ اے ابن جبیر فتون یعنی آزمائش کا (دوسرا) واقعہ ہے۔

فرعون کی بیوی نے ان لشکری لوگوں کو جواب دیا کہ ابھی ٹھہرو کہ صرف اس ایک لڑکے سے تو بنی اسرائیل کی قوت نہیں بڑھ جائے گی میں فرعون کے پاس جاتی ہوں اور اس بچے کی جان بخشی کراتی ہوں، اگر فرعون نے اسکو بخش دیا تو یہ بہتر ہوگا ورنہ تمہارے معاملے میں دخل نہ دوں گی یہ بچہ تمہارے حوالہ ہوگا۔ یہ کہہ کر وہ فرعون کے پاس گئی اور کہا کہ یہ بچہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے فرعون نے کہا کہ ہاں تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتا تو معلوم ہے مگر مجھے اسکی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کی قسم کھائی جاسکتی ہے اگر فرعون اسوقت بیوی کی طرح اپنے لئے بھی موسیٰ علیہ السلام کے قرۃ العین آنکھوں کی ٹھنڈک ہونے کا اقرار کر لیتا تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی ہدایت کر دیتا جیسا کہ اُس کی بیوی کو ہدایت ایمان عطا فرمائی۔

دبہر حال بیوی کے کہنے سے فرعون نے اس لڑکے کو قتل سے آزاد کر دیا، اب فرعون کی بیوی نے اسکو دودھ پلانے کے لئے اپنے آس پاس کی عورتوں کو بلوایا۔ سب نے چاہا کہ موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کی خدمت انجام دیں مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کسی کی چھاتی نہ لگتی (وَحَمْنَا عَلَیْہِ الرِّاضِعَ مِنْ قَبْلُ) اب فرعون کی بیوی کو یہ فکر ہو گئی کہ جب کسی کا دودھ نہیں لیتے تو زندہ یہ کیسے رہیں گے اسلئے اپنی کنیزوں کے شیر دیکھا کہ اس کو بازار اور لوگوں کے مجمع میں بیجائیں شاید کسی عورت کا دودھ یہ قبول کر لیں۔

اس طرف موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بے چین ہو کر اپنی بیٹی کو کہا کہ دربابہر جا کر تلاش کرو اور لوگوں سے دریافت کرو کہ اس تابوت اور بچہ کا کیا انجام ہوا، وہ زندہ ہے یا دریائی جانوروں کی خوراک بن چکا ہے اسوقت تک اُن کو اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ یاد نہیں آیا تھا جو حالتِ حمل میں اُن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت اور چند روزہ مفارقت کے بعد واپسی کا کیا گیا تھا حضرت موسیٰ کی بہن باہر نکلیں تو (قدرتِ حق کا



یہ کرشمہ دیکھا کہ فرعون کی کنیزیں اس بچے کو لئے ہوئے دودھ پلانے والی عورت کی تلاش میں ہیں، جب انہوں نے یہ ماجرا دیکھا کہ یہ بچہ کسی عورت کا دودھ نہیں لیتا اور یہ کنیزیں پریشان ہیں تو ان سے کہا کہ میں تمہیں ایک ایسے گھرنے کا پتہ دیتی ہوں جہاں مجھے اُمید ہے کہ یہ اُن کا دودھ بھی لینگے اور وہ اس کو خیر خواہی و محبت کے ساتھ پالیں گے۔ یہ سُکران کنیزوں نے ان کو اس شبہ میں پکڑ لیا کہ یہ عورت شاید اس بچے کی ماں یا کوئی عزیز خاص ہے جو دُشوک کے ساتھ یہ کہہ رہی ہے کہ وہ گھر والے اس کے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں (اسوقت یہ بہن بھی پریشان ہو گئی)۔

ابن عباسؓ نے اس جگہ پہنچ کر پھر ابنِ جبر کو خطاب کیا کہ یہ (تیسرا) واقعہ فتون یعنی آزمائش کا ہے اسوقت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے بات بنائی اور کہا کہ میری مُراد اس گھر والوں کے ہمدرد خیر خواہ ہونے سے یہی تھی کہ فرعونؓ کی دربار تک اُن کی رسائی ہوگی اُس سے انکو منافع پہنچنے کی اُمید ہوگی اسلئے وہ اس بچے کی محبت و ہمدردی میں کسر نہ کریں گے۔ یہ سُکران کنیزوں نے ان کو چھوڑ دیا۔ یہ واپس اپنے گھر پہنچی اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو واقعہ کی خبر دی وہ اُنکے ساتھ اُس جگہ پہنچیں جہاں یہ کنیزیں جمع تھیں، کنیزوں کے کہنے سے انہوں نے بھی بچے کو گود میں لے لیا، موسیٰ علیہ السلام فوراً اُن کی چھاتیوں سے لگ کر دودھ پینے لگے یہاں تک کہ پیٹ بھر گیا۔ یہ خوشخبری فرعون کی بیوی کو پہنچی کہ اس بچے کے لئے دودھ پلانے والی مل گئی۔ فرعون کی بیوی نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بلوایا۔ انہوں نے اگر حالات دیکھے اُو یہ محسوس کیا کہ فرعون کی بیوی میری حاجت و ضرورت محسوس کر رہی ہے تو ذرا خود داری سے کام لیا۔ اہلیہ فرعون نے کہا کہ آپ یہاں رہ کر اس بچے کو دودھ پلائیں کیونکہ مجھے اس بچے سے اتنی محبت ہے کہ میں اس کو اپنی نظروں سے غائب نہیں رکھ سکتی۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا کہ میں تو اپنے گھر کو چھوڑ کر یہاں نہیں رہ سکتی کیونکہ میری گود میں خود ایک بچہ ہے جس کو دودھ پلاتی ہوں، میں اسکو کیسے چھوڑوں۔ ہاں اگر آپ اس پر راضی ہوں کہ بچہ میرے سپرد کریں میں اپنے گھر رکھ کر اسکو دودھ پلاؤں اور یہ وعدہ کرتی ہوں کہ اس بچے کی خبر گیری اور حفاظت میں ذرا کوتاہی نہ کر دوں گی۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اسوقت اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ بھی یاد آگیا جس میں فرمایا کہ چند روز کی جدائی کے بعد ہم اُن کو تمہارے پاس واپس دیدینگے اسلئے وہ اور اپنی بات پر جم گئیں۔ اہلیہ فرعون نے مجبور ہو کر ان کی بات مان لی اور یہ اُسی روز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لے کر اپنے گھر آ گئیں اور اللہ تعالیٰ نے اُن کا نشو و نما خاص طریقے پر فرمایا۔

جب موسیٰ علیہ السلام ذرا قوی ہو گئے تو اہلیہ فرعون نے اُن کی والدہ سے کہا کہ یہ بچہ مجھے لا کر دکھلا جاؤ (کہ میں اسے دیکھنے کیلئے بیچیں ہوں) اور اہلیہ فرعون نے اپنے سب درباریوں کو حکم دیا کہ یہ بچہ آج ہمارے گھر میں آ رہا ہے تم میں سے کوئی ایسا نہ رہے جو اسکا اکرام نہ کرے اور کوئی ہدیہ اسکو



پیش نہ کرے اور میں خود اس کی نگرانی کروں گی کہ تم لوگ اس معاملہ میں کیا کرتے ہو۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کیساتھ گھر سے نکلے اسی وقت سے اُن پر تحفوں اور ہدایا کی بارش ہونے لگی یہاں تک کہ اہلیہ فرعون کے پاس پہنچے تو اُس نے اپنے پاس سے خاص تحفے اور ہدیے الگ پیش کئے۔ اہلیہ فرعون ان کو دیکھ کر بیحد مسرور ہوئی اور یہ سب تحفے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو دیدیے۔ اسکے بعد اہلیہ فرعون نے کہا کہ اب میں ان کو فرعون کے پاس لیجاتی ہوں وہ انکو انعامات اور تحفے دیں گے جب ان کو لیکر فرعون کے پاس پہنچی تو فرعون نے ان کو اپنی گود میں لے لیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی دائرہ پکڑ کر زمین کی طرف جھکا دیا۔ اُس وقت دربار کے لوگوں نے فرعون سے کہا کہ آپ نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام سے جو وعدہ کیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک نبی پیدا ہوگا جو آپ کے ملک مال کا وارث ہوگا، آپ پر غالب آئیگا اور آپکو پچھاڑیگا، یہ وعدہ کس طرح پورا ہو رہا ہے۔ فرعون متنبہ ہوا اور اسی وقت لڑکوں کو قتل کرنے والے سپاہیوں کو بلا لیا تاکہ اسکو ذبح کر دیں ابن عباسؓ نے یہاں پہنچ کر پھر ابن جبر کو خطاب کیا کہ یہ (چوتھا) واقعہ فتون یعنی آزمائش کا ہے کہ پھر موت سر پر منڈلانے لگی۔

اہلیہ فرعون نے یہ دیکھا تو کہا کہ آپ تو یہ بچہ مجھے دے چکے ہیں پھر اب یہ کیا معاملہ ہو رہا ہے فرعون نے کہا کہ تم یہ نہیں دیکھتیں کہ یہ لڑکا اپنے عمل سے گویا یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ وہ مجھ کو زمین پر پچھاڑ کر مجھ پر غالب آ جائیگا۔ اہلیہ فرعون نے کہا کہ آپ ایک بات کو اپنے اور میرے معاملہ کے فیصلہ کے لئے مان لیں جس سے حق بات ظاہر ہو جاوے گی (کہ بچے نے یہ معاملہ بچپن کی بے خبری میں کیا ہے یا دیدہ دانستہ کسی شوخی سے) آپ دو انگارے آگ کے اور دو موتی منگوا لیجئے اور دونوں کو انکے سامنے کر دیجئے اگر یہ موتیوں کی طرف ہاتھ بڑھائیں اور آگ کے انگاروں سے بچیں تو آپ سمجھ لیں کہ اسکے افعال عقل و شعور سے دیدہ و دانستہ ہیں اور اگر اس نے موتیوں کے بجائے انگارے ہاتھ میں اٹھائے تو یہ یقین ہو جائے گا کہ یہ کام کسی عقل و شعور سے نہیں کیا گیا کیونکہ کوئی عقل والا انسان آگ کو ہاتھ میں نہیں اٹھا سکتا (فرعون اس آزمائش کو مان لیا) دو انگارے اور دو موتی موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پیش کئے تو موسیٰ علیہ السلام نے انگارے اٹھائے (بعض دوسری روایات میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام موتیوں کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہتے تھے کہ جبریل امین نے اُن کا ہاتھ انگاروں کی طرف پھیر دیا) فرعون نے یہ ماجرا دیکھا تو فوراً اُن کے ہاتھ سے انگارے چھین لئے کہ اُن کا ہاتھ نہ جل جائے (اب تو اہلیہ فرعون کی بات بن گئی) اُس نے کہا کہ آپ نے واقعہ کی حقیقت کو دیکھ لیا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے پھر یہ موت موسیٰ علیہ السلام سے ٹلا دی کیونکہ قدرت خداوندی کو ان سے آگے کام لینا تھا۔



(حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی طرح فرعون کے شاہانہ اعزاز و اکرام اور شاہانہ خرچ پر اپنی والدہ کی نگرانی میں پرورش پاتے رہے یہاں تک کہ جوان ہو گئے)۔

اُن کے شاہی اکرام و اعزاز کو دیکھ کر فرعون کے لوگوں کو بنی اسرائیل پر وہ ظلم و جور اور تذلیل و توہین کرنے کی ہمت نہ رہی جو اس سے پہلے آل فرعون کی طرف سے ہمیشہ بنی اسرائیل پر ہوتا رہتا تھا۔ ایک روز موسیٰ علیہ السلام شہر کے کسی گوشہ میں چل رہے تھے تو دیکھا کہ دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں جنہیں سے ایک فرعون ہی ہے اور دوسرا اسرائیلی۔ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر امداد کے لئے پکارا۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعونی آدمی کی جسارت پر بہت غصہ آ گیا کہ اس نے شاہی دربار میں موسیٰ علیہ السلام کے اعزاز و اکرام کو جانتے ہوئے اسرائیلی کو اُن کے سامنے پکڑ رکھا، جبکہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اسرائیلیوں کی حفاظت کرتے ہیں اور لوگوں کو تو صرف یہی معلوم تھا کہ ان کا تعلق اسرائیلی لوگوں سے صرف رضاعت اور دودھ پینے کی وجہ سے ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی والدہ یا کسی اور ذریعہ سے یہ معلوم کرا دیا ہو کہ یہ اپنی دودھ پلانے والی عورت ہی کے لپٹن سے پیدا ہوئے اور اسرائیلی ہیں۔

غرض موسیٰ علیہ السلام نے غصہ میں آکر اس فرعونی کے ایک مکتا رسید کیا جس کو وہ برداشت نہ کر سکا اور وہیں مگر اتفاق سے وہاں کوئی اور آدمی موسیٰ علیہ السلام اور ان دونوں لڑنے والوں کے سوا موجود نہیں تھا، فرعونی تو قتل ہو گیا اسرائیلی اپنا آدمی تھا اس سے اسکا اندیشہ نہ تھا کہ یہ مخبری کر دے گا۔

جب یہ فرعونی موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے مارا گیا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا **هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ**، یعنی یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا ہے وہ کھلا دشمن گمراہ کرنے والا ہے (پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی) **رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِّیْ فَغَفَرَ لَهُ اِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ**، یعنی اے میرے پروردگار میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا کہ یہ خطا قتل فرعون کی مجھ سے سرزد ہو گئی، مجھے معاف فرما دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا کیونکہ وہ ہی بہت معاف کرنے والا اور بہت رحمت کرنے والا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اس واقعہ کے بعد خوف و ہراس کے عالم میں یہ خبریں دریافت کرتے رہے کہ اسکے قتل پر آل فرعون کا رد عمل کیا ہوا اور دربار فرعون تک یہ معاملہ پہنچا یا نہیں، معلوم ہوا کہ معاملہ فرعون تک اس عنوان سے پہنچا کہ کسی اسرائیلی نے آل فرعون کے ایک آدمی کو قتل کر دیا، اس لئے اسرائیلیوں سے اسکا انتقام لیا جائے۔ اس معاملے میں ان کے ساتھ کوئی ڈھیل کا معاملہ نہ کیا جائے۔ فرعون نے جواب دیا کہ اس کے قاتل کو متعین کر کے مع شہادت کے پیش کر دو۔



کیونکہ بادشاہ اگرچہ تمہارا ہی ہے مگر اُس کے لئے یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ بغیر شہادت و ثبوت کے کسی سے قصاص لے لے۔ تم اس کے قاتل کو تلاش کرو اور ثبوت ہتیا کرو میں ضرور تمہارا انتقام بصورت قصاص اُس سے لوں گا۔ آل فرعون کے لوگ یہ سن کر گلی کوچوں اور بازاروں میں گھومنے لگے کہ کہیں اس کے قتل کرنے والے کا سراغ مل جائے مگر ان کو کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔

اچانک یہ واقعہ پیش آیا کہ اگلے روز موسیٰ علیہ السلام گھر سے نکلے تو اُسی اسرائیلی کو دیکھا کہ کسی دوسرے فرعونی شخص سے مقابلہ کرنے میں لگا ہوا ہے اور پھر اس اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو مدد کے لئے پکارا مگر موسیٰ علیہ السلام کل کے واقعہ پر ہی نادم ہوئے تھے اور اس وقت اسی اسرائیلی کو پھر لڑتے ہوئے دیکھ کر اس پر ناراض ہوئے کہ خطا اسی کی معلوم ہوتی ہے یہ جھگڑا آدمی ہے اور لڑتا ہی رہتا ہے، مگر اس کے باوجود موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ فرعونی شخص کو اس پر حملہ کرنے سے روکیں لیکن اسرائیلی کو بھی بطور تنبیہ کے کہنے لگے تو نے کل بھی جھگڑا کیا تھا آج پھر لڑ رہا ہے تو ہی ظالم ہے۔ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ آج بھی اُسی طرح غصے میں ہیں جیسے کل تھے تو اُس کو موسیٰ علیہ السلام کے ان الفاظ سے یہ شبہ ہو گیا کہ یہ آج مجھے ہی قتل کر دیں گے تو فوراً بول اٹھا کہ اے موسیٰ کیا تم چاہتے ہو کہ مجھے قتل کر ڈالو جیسے کل تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔

یہ باتیں ہونے کے بعد یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے مگر فرعونی شخص نے آل فرعون کے اُن لوگوں کو جو کل کے قاتل کی تلاش میں تھے جا کر یہ خبر پہنچا دی کہ خود اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا ہے کہ تم نے کل ایک آدمی قتل کر دیا ہے۔ یہ خبر دربار فرعون تک فوراً پہنچی گئی۔ فرعون نے اپنے سپاہی موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے بھیج دیے۔ یہ سپاہی جانتے تھے کہ وہ ہم سے بچ کر کہاں جائیں گے۔ اطمینان کے ساتھ شہر کی بڑی سڑک سے موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں نکلے۔ اس طرف ایک شخص کو موسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں سے جو شہر کے کسی بعید حصہ میں رہتا تھا اس کی خبر لگ گئی کہ فرعونی سپاہی موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں بغرض قتل نکل چکے ہیں اس نے کسی گلی کو چپے کے چھوٹے راستے سے آگے پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی۔

یہاں پہنچ کر پھر ابن عباسؓ نے ابن جبر کو خطاب کیا کہ اے ابن جبر یہ (پانچواں) واقعہ فتون یعنی آزمائش کا ہے کہ موت سر پر آپ کی تھی اللہ نے اُس سے نجات کا سامان کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ خبر سن کر فوراً شہر سے نکل گئے اور مدین کی طرف رخ پھر گیا۔ یہ آج تک شاہی ناز و نعمت میں پلے تھے کبھی محنت و مشقت کا نام نہ آیا تھا مصر سے نکل کھڑے ہوئے مگر راستہ بھی کہیں کا نہ جانتے تھے مگر اپنے رب پر بھروسہ تھا کہ عَسَىٰ سَبِيحَ آؤں قَهْلِي سَوَاءَ السَّبِيلِ، یعنی امید ہے کہ میرا رب مجھے راستہ دکھا دیگا۔ جب شہر مدین کے قریب



پہنچے تو شہر سے باہر ایک کنویں پر لوگوں کا اجتماع دیکھا جو اُس پر اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے۔ اور دیکھا کہ دو عورتیں اپنی بکریوں کو سمیٹے ہوئے الگ کھڑی ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے ان عورتوں سے پوچھا کہ تم الگ کیوں کھڑی ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ہم ان سب لوگوں سے مزاحمت اور مقابلہ کریں اس لئے ہم اس انتظار میں ہیں کہ جب یہ سب لوگ فارغ ہو جائیں تو جو کچھ بچا ہوا پانی مل جائے گا اُس سے ہم اپنا کام نکالیں گے۔

موسیٰ علیہ السلام نے اُن کی شرافت دیکھ کر خود اُن کے لئے کنویں سے پانی نیکالنا شروع کر دیا اللہ تعالیٰ نے قوت طاقت بخشی تھی بڑی جلدی اُن کی بکریوں کو سیراب کر دیا۔ یہ عورتیں اپنی بکریاں لئے کراپے گھر گئیں اور موسیٰ علیہ السلام ایک درخت کے سایہ میں چلے گئے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کی *سَرِّحَ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیْ مِنْ خَیْرِ فَحَیْذٌ*، یعنی اے میرے پروردگار میں محتاج ہوں اس نعمت کا جو آپ میری طرف بھیجیں (مطلب تھا کہ کھانیکا اور ٹھکانہ کا کوئی انتظام ہو جائے) یہ لڑکیاں جب زانہ کے وقت سے پہلے بکریوں کو سیراب کر کے گھر پہنچیں تو اُن کے والد کو تعجب ہوا اور فرمایا آج تو کوئی نئی بات ہے، لڑکیوں نے موسیٰ علیہ السلام کے پانی کھینچنے اور پلانیکا قصہ والد کو سنا دیا۔ والد نے انہیں سے ایک کو حکم دیا کہ جس شخص نے یہ احسان کیا ہے اسکو یہاں بلا لاؤ، وہ بلا لائی، والد نے موسیٰ علیہ السلام سے اُن کے حالات دریافت کئے اور فرمایا *لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الظَّالِمِیْنَ*، یعنی اب آپ خوف دہرا اس اپنے دل سے نکال دیجئے، آپ ظالموں کے ہاتھ سے نجات پا چکے ہیں ہم نہ فرعون کی سلطنت میں ہیں نہ اسکا ہم پر کچھ حکم چل سکتا ہے۔

اب ان دو لڑکیوں میں سے ایک نے اپنے والد سے کہا *یَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْکَ اِنَّ خَیْرَ مَنْ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ*، یعنی آبا جان، ان کو آپ ملازم رکھ لیجئے کیونکہ ملازمت کے لئے بہترین آدمی وہ ہے جو قوی بھی ہو اور امانت دار بھی۔ والد کو اپنی لڑکی سے یہ بات سن کر غیرت سی آئی کہ میری لڑکی کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ قوی بھی ہیں اور امین بھی۔ اسلئے اس سے سوال کیا کہ تمہیں اُن کی قوت کا اندازہ کیسے ہوا اور اُن کی امانت داری کس بات سے معلوم کی۔ لڑکی نے عرض کیا کہ اُن کی قوت کا مشاہدہ تو اُن کے کنویں سے پانی کھینچنے کے وقت ہوا کہ سب چرواہوں سے پہلے انھوں نے اپنا کام کر لیا دوسرا کوئی ان کی برابر نہیں آسکا اور امانت کا حال اس طرح معلوم ہوا کہ جب میں اُن کو بلانے کے لئے گئی ادا اول نظر میں جب انھوں نے دیکھا کہ میں ایک عورت ہوں تو فوراً اپنا سر نیچا کر لیا اور اس وقت تک سر نہیں اٹھایا جب تک کہ میں نے ان کو آپکا پیغام نہیں پہنچا دیا۔ اس کے بعد انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم میرے پیچھے پیچھے چلو مگر مجھے اپنے گھر کا راستہ پیچھے سے بتلاتی رہو اور یہ بات صرف وہی مرد کر سکتا ہے جو امانت دار ہو۔ والد کو لڑکی کی اس



دانشمندانہ بات سے مسرت ہوئی اور اسکی تصدیق فرمائی اور خود بھی ان کے بارے میں قوت و امانت کا یقین ہو گیا۔ اُس وقت لڑکیوں کے والد نے (جو اللہ کے رسول حضرت شعیب علیہ السلام تھے) موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ کو یہ منظور ہے کہ میں ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک کا نکاح آپ سے کر دوں جس کی شرط یہ ہوگی کہ آپ آٹھ سال تک ہمارے یہاں مزدوری کریں، اور اگر آپ دس سال پورے کر دیں تو اپنے اختیار سے کر دیں بہتر ہوگا مگر ہم یہ پابندی آپ پر عائد نہیں کرتے تاکہ آپ پر زیادہ مشقت نہ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو منظور نہ فرمایا جسکی رُو سے موسیٰ علیہ السلام پر صرف آٹھ سال کی خدمت بطور معاہدہ کے لازم ہو گئی باقی دو سال کا وعدہ اختیاری رہا، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام سے وہ وعدہ بھی پورا کر دس سال پورے کر دئے۔

سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک نصرانی عالم مجھے ملا، اُس نے سوال کیا کہ تم جانتے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام نے دونوں میعادوں میں سے کونسی میعاد پوری فرمائی؟ میں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کیونکہ اسوقت تک ابن عباسؓ کی یہ حدیث مجھے معلوم نہ تھی۔ اس کے بعد میں ابن عباسؓ سے ملا اُن سے سوال کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ آٹھ سال کی میعاد پورا کرنا تو موسیٰؑ پر واجب تھا اسمیں کچھ کمی کرنے کا تو احتمال ہی نہیں اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول کا اختیاری وعدہ بھی پورا ہی کرنا منظور تھا اس لئے دس سال کی میعاد پوری کی۔ اس کے بعد میں اس نصرانی عالم سے ملا اور اس کو یہ خبر دی تو اُس نے کہا کہ تم نے جس شخص سے یہ بات دریافت کی ہے کیا وہ تم سے زیادہ علم والے ہیں، میں نے کہا کہ بیشک بہت بڑے عالم اور ہم سب سے افضل ہیں۔

(دس سال کی میعاد خدمت پوری کرنے کے بعد جب) حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی اہلیہ محترمہ کو ساتھ لیکر شعیب علیہ السلام کے وطن مدین سے رخصت ہوئے، راستہ میں سخت سرزدی اندھیری رات، راستہ نامعلوم، بے کسی اور بے بسی کے عالم میں اچانک کوہ طور پر آگ دیکھنے پھر وہاں جانے اور حیرت انگیز مناظر کے بعد معجزہ عصا وید بیضا اور اس کے ساتھ منصب نبوت و رستا عطا ہونے کے بعد (جسکا پورا قصہ قرآن میں اُوپر گزر چکا ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ فخر ہوئی کہ میں فرعونؑ کا ایک مفرد ملزم قرار دیا گیا ہوں مجھ سے قبط کا قصاص لینے کا حکم وہاں سے ہو چکا ہے اب اُس کے پاس دعوت رسالت کیلئے جانے کا حکم ہوا ہے، نیز اپنی زبان میں کنت کا غدر بھی سامنے آیا تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض معروض پیش کی۔ حق تعالیٰ نے اُن کی فرمائش کے مطابق اُنکے بھائی حضرت ہارون کو شریک رسالت بنا کر اُنکے پاس وحی بھیج دی اور یہ حکم دیا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شہر مصر سے باہر استقبال کریں۔ اس کے مطابق موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے۔ ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی دونوں بھائی (حسب حکم) فرعون کو دعوت حق



دینے کے لئے اُس کے دربار میں پہنچے کچھ وقت تک تو اُن کو دربار میں حاضری کا موقع نہیں دیا گیا یہ دونوں دروازے پر ٹھہرے رہے پھر بہت سے پردوں میں گزر کر حاضری کی اجازت ملی اور دونوں نے فرعون سے کہا اِنَّا رُسُوكَا ذِيكَ، یعنی ہم دونوں تیرے رب کی طرف سے قاصد اور پیغامبر ہیں۔ فرعون نے پوچھا فَمَنْ رَبُّكُمَا (تو بتلاؤ تمہارا رب کون ہے) موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے وہ بتا کہی جس کا قرآن نے خود ذکر کر دیا رَبُّنَا الَّذِي اَعْطٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقًا ثُمَّ هَدٰی، اس پر فرعون نے پوچھا کہ پھر تم دونوں کیا چاہتے ہو اور ساتھ ہی قبلی مقتول کا واقعہ ذکر کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مجرم ٹھہرایا (اور اپنے گھر میں اُن کی پرورش پانیکا احسان جتلیا) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں باتوں کا وہ جواب دیا جو قرآن میں مذکور ہے (یعنی مقتول کے معاملہ میں تو اپنی خطا اور غلطی کا اعتراف کر کے نا واقفیت کا عذر ظاہر کیا اور گھر میں پرورش پر احسان جتلیا کا جواب یہ دیا کہ تم نے سائے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا ہے اُن پر طرح طرح کے ظلم کر رہے ہو اُسی کے نتیجہ میں یہ نیرنگ تقدیر میں تمہارے گھر میں پہنچا دیا گیا اور جو کچھ اللہ کو منظور تھا وہ ہو گیا اس میں تمہارا کوئی احسان نہیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو خطاب کر کے پوچھا کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ اللہ پر ایمان لے آؤ اور بنی اسرائیل کو غلامی سے آزاد کر دو۔ فرعون نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ اگر تمہارے پاس رسولِ رب ہونے کی کوئی علامت ہے تو دکھلاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی عصا زمین پر ڈال دی تو وہ عظیم الشان اژدہا کی شکل میں منہ کھولے ہوئے فرعون کی طرف لپکی۔ فرعون خوفزدہ ہو کر اپنے تخت کے نیچے چھپ گیا اور موسیٰ علیہ السلام سے پناہ مانگی کہ اس کو روک لیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا۔ پھر اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ چمکنے لگا یہ دوسرا معجزہ فرعون کے سامنے آیا پھر دوبارہ گریبان میں ہاتھ ڈالا تو وہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ فرعون نے ہیبت زدہ ہو کر اپنے درباریوں سے مشورہ کیا (کہ تم دیکھ رہے ہو یہ کیا ماجرا ہے اور ہمیں کیا کرنا چاہیے) درباریوں نے متفقہ طور پر کہا کہ (کچھ فکر کی بات نہیں) یہ دونوں جادوگر ہیں اپنے جادو کے ذریعہ تم کو تمہارے ملک سے نکالنا چاہتے ہیں اور تمہارے بہترین دین و مذہب کو (جو اُن کی نظر میں فرعون کی پرستش کرنا تھا) یہ مٹانا چاہتے ہیں۔ آپ ان کی کوئی بات نہ مانیں (اور کوئی فکر نہ کریں) کیونکہ آپ کے ملک میں بڑے بڑے جادوگر ہیں، آپ اُن کو بلالیں، یہ اپنے جادو سے ان کے جادو پر غالب آجائیں گے۔

فرعون نے اپنی طاقت کے سبب شہروں میں حکم دیدیا کہ جتنے آدمی جادوگری میں ماہر ہوں وہ سب دربار میں حاضر کر دیئے جائیں، ملک بھر کے جادوگر جمع ہو گئے تو انہوں نے فرعون سے پوچھا کہ جس جادوگر سے آپ ہمارا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں وہ کیا عمل کرتا ہے، اُسے



بتلایا کہ وہ اپنی لائٹھی کو سانپ بنا دیتا ہے، جادو گروں نے بڑی بے فکری سے کہا کہ یہ تو کوئی چیز نہیں، لائٹھیوں اور رسیوں کو سانپ بنا دینے کے جادو کا تو جو کمال ہمیں حاصل ہے اُس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، مگر یہ طے کر دیجئے کہ اگر ہم اس پر غالب آگئے تو ہمیں کیا ملے گا۔

فرعون نے کہا کہ تم غالب آگئے تو تم میرے خاندان کا جزرہ اور مقرنین خاص میں نخل ہو جاؤ اور تمہیں وہ سب کچھ ملے گا جو تم چاہو گے۔

اب جادو گروں نے مقابلہ کا وقت اور جگہ موسیٰ علیہ السلام سے طے کر کے اپنی عید کے دن چاشت کا وقت مقرر کر دیا۔ ابن جبیر فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے مجھ سے بیان فرمایا کہ انکا یوم الزینہ (یعنی عید کا دن) جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اُس کے جادو گروں پر فتح عطا فرمائی وہ عاشوراء یعنی محرم کی دسویں تاریخ تھی۔ جب سب لوگ ایک وسیع میدان میں مقابلہ دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے تو فرعون کے لوگ آپس میں ایک دوسرے کو کہنے لگے لَعَلَّنَا نَجِیْعُ السَّحْرَةَ اِنْ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِیْنَ، یعنی ہمیں یہاں ضرور رہنا چاہیئے تاکہ یہ ساحر یعنی موسیٰ وہاں دن اگر غالب آجائیں تو ہم بھی ان پر ایمان لے آئیں، اُن کی یہ گفتگو ان حضرات کے ساتھ استہزاء و مذاق کے طور پر تھی (اُن کا یقین تھا کہ یہ ہائے جادو گروں پر غالب نہیں آسکیں گے)۔ میدانِ مقابلہ مکمل آراستہ ہو گیا تو جادو گروں نے موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کیا کہ پہلے آپ

کچھ ڈالیں (یعنی اپنا سحر دکھلائیں) یا ہم پہلے ڈال کر ابتداء کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے کہا کہ تم ہی پہل کر دو، اپنا جادو دکھلاؤ۔ ان لوگوں نے اپنی لائٹھیاں اور کچھ رسیاں زمین پر یہ کہتے ہوئے ڈالیں بِحَقِّ قُوَّتِنَا اِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ، یعنی بظہیر قوتِ ہم ہی غالب آئیں گے (یہ لائٹھیاں اور رسیاں دیکھنے میں سانپ بن کر چلنے لگیں) یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام پر ایک خوف طاری ہوا (فَاَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسٰی)۔

یہ خوف طبعی بھی ہو سکتا ہے جو مقتضائے بشریت ہے، انبیاء بھی اس سے مستثنیٰ نہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خوف اس بات کا ہو کہ اب اسلام کی دعوت جس کو میں لے کر آیا ہوں اس میں رکاوٹ پیدا ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ اپنی عصا ڈال دو۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی عصا ڈالی تو وہ ایک بڑا اثر دہا بن گیا جس کا منہ کھلا ہوا تھا اس اثر دہانے اُن تمام سانپوں کو ہنگل لیا جو جادو گروں نے لائٹھیوں اور رسیوں کے بنائے تھے۔

فرعونی جادو گر جادو کے فن کے ماہر تھے بہ ماجرا دیکھ کر اُن کو یقین ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی عصا کا یہ اثر دہا جادو سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس لئے جادو گروں نے اُس وقت



اعلان کر دیا کہ ہم اللہ پر اور موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پچھلے خیالات و عقائد سے توبہ کرتے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اسکے ساتھیوں کی کمر توڑ دی اور انہوں نے جو جال پھیلایا تھا وہ سب باطل ہو گیا (فَغَلَبُوا هَذَاكَ وَانْقَبَضُوا) فرعون اور اسکے ساتھی مغلوب ہو گئے اور ذلت و رسوائی کیساتھ اس میدانِ سپاہ ہوئے۔ جس وقت یہ مقابلہ ہو رہا تھا فرعون کی بیوی آسیہ پھٹے پڑانے کیڑے پہن کر اللہ تعالیٰ سے موسیٰ علیہ السلام کی مدد کے لئے دُعا مانگ رہی تھی اور آلِ فرعون کے لوگ یہ سمجھتے رہے کہ یہ فرعون کی وجہ سے پریشان حال میں اُسکے لئے دُعا مانگ رہی ہیں حالانکہ اُن کا غم و شکرت سارا موسیٰ علیہ السلام کے لئے تھا (اور انہیں کے غالب آنے کی دُعا مانگ رہی تھیں) اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوئی معجزہ دکھاتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس پر حجت تمام ہو جاتی تو اُسی وقت وعدہ کر لیتا تھا کہ اب میں بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ بھیج دوں گا مگر جب موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے وہ عذاب کا خطرہ ٹل جاتا تو اپنے وعدہ سے پھر جاتا تھا اور یہ کہہ دیتا تھا کہ کیا اچکا رب کوئی اور بھی نشانی دکھا سکتا ہے۔ یہ سلسلہ چلتا رہا بالآخر اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون پر طوفان اور مٹی ڈل اور کپڑوں میں جوئیں اور برتنوں اور کھانے میں مینڈکوں اور خُون وغیرہ کے عذاب مسلط کر دیئے، جن کو قرآن میں آیات مفصلات کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔ اور فرعون کا حال یہ تھا کہ جب اُن میں سے کوئی عذاب آتا اور اُس سے عاجز ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرتا کہ کسی طرح یہ عذاب ہٹا دیجئے تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں گے پھر جب عذاب ٹل جاتا تو پھر بدعہدی کرتا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیدیا کہ اپنی قوم بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر مصر سے نکل جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سب کو لیکر رات کے وقت شہر سے نکل گئے فرعون نے جب صبح کو دیکھا کہ یہ سب لوگ چلے گئے تو اپنی فوج تمام اطراف سے جمع کر کے اُنکے تعاقب میں چھوڑ دی۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے اُس دریا کو جو موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے راستہ میں تھا یہ حکم دے دیا کہ جب موسیٰ علیہ السلام تجھ پر لاکھٹی ماریں تو دریا میں بارہ راستے بن جائیں چاہئیں۔ جن سے بنی اسرائیل کے بارہ قبائل الگ الگ گزر سکیں۔ اور جب یہ گزر جائیں تو اُن کے تعاقب میں آنے والوں پر یہ دریا کے بارہ حصے پھر طجائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب دریا کے قریب پہنچے تو یہ یاد نہ رہا کہ لاکھٹی مارنے سے دریا میں راستے پیدا ہوں گے اور اُن کی قوم نے اُن سے فریاد کی اِنَّا لَمِنْ كُفَّوْنَ یعنی ہم تو کپڑے لائے گئے دیکھو کہ پیچھے سے فرعونی فوجوں کو آتا دیکھ رہے تھے اور آگے یہ دریا حائل تھا، اُس وقت



موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ یاد آیا کہ دریا پر لاٹھی مارنے سے اس میں رستے پیدا ہو جائیں گے اور فوراً دریا پر اپنی لاٹھی ماری یہ وہ وقت تھا کہ بنی اسرائیل کے پچھلے حصوں سے فرعونی افواج کے اگلے حصے تقریباً مل چکے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے دریا کے الگ الگ ٹکڑے ہو کر وعدہ ربانی کے مطابق بارہ راستے بن گئے اور موسیٰ علیہ السلام اور تمام بنی اسرائیل ان راستوں سے گزر گئے۔ فرعونی افواج جو ان کے تعاقب میں تھیں انھوں نے دریا میں راستے دیکھ کر ان کے تعاقب میں اپنے گھوڑے اور پیادے ڈال دیے تو دریا کے یہ مختلف ٹکڑے باہر ربانی پھر آپس میں مل گئے۔ جب موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل دو کے کنارے پہنچ گئے تو ان کے اصحاب نے کہا کہ ہمیں یہ خطرہ ہے کہ فرعون ان کے ساتھ غرق نہ ہوا ہو اور اس نے اپنے آپ کو بچا لیا ہو تو موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ فرعون کی ہلاکت ہم پر ظاہر کر دے قدرت حق نے فرعون کی مژدہ لاش کو دریا سے باہر پھینک دیا اور سب نے اس کی ہلاکت کا آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا اس کے بعد یہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ آگے چلے تو راستہ میں ان کا گزر

ایک قوم پر ہوا جو اپنے بنائے ہوئے بتوں کی عبادت اور پرستش کر رہے تھے تو یہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے **لَيْسَ بِنَا إِلَهًا كَمَا إِلَهُهُمُ اللَّهُ قَالَ إِنَّمَا أَنتُم بِجَاهِلٍ** **إِنَّ هَؤُلَاءِ مَذَاقُكُمْ فِيمَن يَعْبُدُونَ** یعنی اے موسیٰ ہمارے لئے بھی کوئی ایسا ہی معبود بنا دیجئے جیسے انھوں نے بہت سے معبود بنا رکھے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے نہرایا کہ تم عجیب قوم ہو کہ ایسی بہالت کی باتیں کرتے ہو، یہ لوگ جو بتوں کی عبادت میں مشغول ہیں انکی عبادت برباد ہونیوالی ہے (موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) کہ تم اپنے پروردگار کے اتنے معجزات اور اپنے اوپر انعامات دیکھ چکے ہو پھر بھی تمہارے یہ جاہلانہ خیالات نہیں بدلتے۔ یہ کہہ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام مع اپنے ان ساتھیوں کے یہاں سے آگے بڑھے اور ایک مقام پر جا کر ان کو ٹھہرا دیا اور فرمایا تم سب یہاں ٹھہرو، میں اپنے رب کے پاس جاتا ہوں، تیس دن کے بعد واپس آ جاؤ گا اور میرے پیچھے بارہ دن علیہ السلام میرے نائب و خلیفہ رہیں گے ہر کام میں ان کی اطاعت کرنا۔

موسیٰ علیہ السلام ان سے رخصت ہو کر کوہ طور پر تشریف لے گئے اور (اشارہ ربانی سے) تیس دن رات کا مسلسل روزہ رکھا تا کہ اسکے بعد کلام ربانی سے مستفید ہو سکیں مگر تیس دن رات کے مسلسل روزہ سے جو ایک قسم کی بُو روزہ دار کے منہ میں ہو جاتی ہے یہ فکر ہوئی کہ اس بُو کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی نامناسب ہے تو پہاڑی گھاس کے ذریعہ مسواک کر کے منہ صاف کر لیا۔ جب بارگاہ حق میں حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ تم نے افطار کیوں کر لیا اور اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کچھ کھایا یا پیا نہیں بلکہ صرف منہ صاف کر لینے کو پیغام



امتیاز کی بنا پر افطار کرنے سے تعبیر فرمایا، موسیٰ علیہ السلام نے اس حقیقت کو سمجھ کر عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھے یہ خیال ہو کہ آپ کے حکام ہونے کے لئے منہ کی بو دودھ کر کے صاف کر لوں۔ حکم ہوا کہ موسیٰ کیا تمہیں خبر نہیں کہ روزہ دار کے منہ کی بو ہمارے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ محبوب ہے، اب آپ ٹوٹ جائیے اور دس دن مزید روزے رکھئے پھر ہمارے پاس آئیے موسیٰ علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی۔

ادھر جب موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل نے دیکھا کہ مقررہ مدت تیس روز گزر گئی اور موسیٰ علیہ السلام واپس نہیں آئے تو ان کو یہ بات ناگوار ہوئی، ادھر حضرت ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے رخصت ہونے کے بعد اپنی قوم میں ایک خطبہ دیا کہ قوم فرعون کے لوگوں کی بہت سی چیزیں جو تم نے عاریتہ مانگ رکھی تھیں یا انھوں نے تمہارے پاس ودیعت (امانت) رکھوا رکھی تھیں وہ سب تم اپنے ساتھ لے آئے ہو اگرچہ تمہاری بھی بہت سی چیزیں قوم فرعون کے پاس عاریت اور ودیعت کی تھیں اور آپ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ان کی یہ چیزیں ہماری چیزوں کے معاوضہ میں ہم نے رکھ لی ہیں مگر میں اس کو حلال نہیں سمجھتا کہ ان کی عاریت اور ودیعت کا سامان تم اپنے استعمال میں لاؤ اور ہم اس کو واپس بھی نہیں کر سکتے اس لئے ایک گڑھا کھودا کر سب کو حکم دیا کہ یہ چیزیں خواہ زیورات ہوں یا دوسری استعمالی اشیاء سب اس گڑھے میں ڈال دو (ان لوگوں نے اسکی تعمیل کی) ہارون علیہ السلام نے اس سارے سامان کے اوپر آگ جلوا دی جس سے یہ سب سامان جل گیا اور فرمایا کہ اب یہ نہ ہمارا ہا نہ ان کا۔

ان کے ساتھ ایک شخص سامری ایک ایسی قوم کا فرد تھا جو گائے کی پرستش کیا کرتے تھے، یہ بنی اسرائیل میں سے نہ تھا مگر جب حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو یہ بھی ان کے ساتھ ہوا، اس کو یہ عجیب اتفاق پیش آیا کہ اس نے (جبریل علیہ السلام) کا ایک اثر دیکھا (یعنی جہاں ان کا قدم پڑتا ہے اُسیں زندگی اور نمود پیدا ہو جاتا ہے) اس نے اُس جگہ سے ایک مٹھی مٹی کو اٹھالیا، اس کو ہاتھ میں لئے ہوئے آ رہا تھا کہ ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، ہارون علیہ السلام نے خیال کیا کہ اکی مٹھی میں کوئی فرعون کی زیور وغیرہ ہے اس سے کہا کہ جس طرح سب نے اس گڑھے میں ڈالا ہے تم بھی ڈالو، اس نے کہا یہ تو اُس رسول (جبریل) کے نشان قدم کی مٹی ہے جس نے تمہیں دریا سے پار کرایا ہے اور میں اس کو کسی طرح نہ ڈالوں گا بجز اسکے کہ آپ یہ دعا کریں کہ میں جس مقصد کے لئے ڈالوں وہ مقصد پورا ہو جائے ہارون علیہ السلام نے دعا کا وعدہ کر لیا اُس نے وہ مٹھی مٹی کی اس گڑھے میں ڈالی اور جب وعدہ ہارون علیہ السلام نے دعا کی کہ یا اللہ جو کچھ سامری چاہتا ہے وہ پورا کر دیجئے، جب وہ دعا کر چکے تو سامری نے



کہا کہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ یہ سوتا، چاندی، لوہا، پتیل جو کچھ اس گڑھے میں ڈالا گیا ہے ایک گائے کا، پھر ابن جائے۔ ہارون علیہ السلام دعا کر چکے تھے اور وہ قبول ہو چکی تھی جو کچھ زیورات اور تانبہ پتیل لوہا اس میں ڈالا گیا تھا سب کا ایک، پھر ابن گیا جس میں کوئی روح تو نہ تھی مگر گائے کی طرح آواز نکالتا تھا۔ حضرت ابن عباس نے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ واللہ وہ کوئی زندہ آواز نہیں تھی بلکہ ہوا اس کے پچھلے حصہ سے داخل ہو کر منہ سے نکلتی تھی اُس سے یہ آواز پیدا ہوتی تھی۔ یہ عجیب و غریب قصہ دیکھ کر بنی اسرائیل کئی فرقوں میں تقسیم ہو گئے، ایک فرقہ نے سامری سے پوچھا کہ یہ کیا ہے اُس نے کہا یہی تمہارا خدا ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام راستہ بھول کر دوسری طرف چلے گئے۔ ایک فرقہ نے یہ کہا کہ ہم سامری کی اس بات کی اُس وقت تک تکذیب نہیں کر سکتے جب تک موسیٰ علیہ السلام حقیقت حال بتلائیں اگر واقع میں یہی ہمارا خدا ہے تو ہم اس کی مخالفت کر کے گناہگار نہیں ہونگے اور یہ خدا نہیں تو ہم موسیٰ علیہ السلام کے قول کی پیروی کریں گے۔

ایک اور فرقہ نے کہا کہ یہ سب شیطانی دھوکہ ہے یہ ہمارا رب نہیں ہو سکتا نہ ہم اس پر ایمان لاسکتے ہیں نہ اس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ ایک اور فرقہ کے دل میں سامری کی بات اُتر گئی اور اُس نے سامری کی تصدیق کر کے اسکو اپنا خدا مان لیا۔

ہارون علیہ السلام نے یہ فسادِ عظیم دیکھا تو فرمایا یَقُومِ اِنَّمَا قُتِلْتُمْ بِہِمْ وَ اِنَّ رَبَّکُمْ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَ اطِيعُوْا اَمْرِیْ، یعنی اے میری قوم تم فتنہ میں پڑ گئے ہو بلاشبہ تمہارا رب اور خدا تو رحمن ہے تم میرا اتباع کرو اور میرا حکم مانو۔ انھوں نے کہا کہ یہ بتلایے کہ موسیٰ علیہ السلام کو کیا ہوا کہ ہم سے تیس دن کا وعدہ کر کے گئے تھے اور وعدہ خلافی کی یہاں تک کہ اب چالیس دن ہو رہے ہو یہ ہیں۔ اُن کے کچھ بے وقوفوں نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کو بھول گئے۔ اُس کی تلاش میں پھرتے ہو گئے۔

اس طرف جب چالیس روزے پورے کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو شرفِ ہکلامی نصیب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس فتنہ کی خبر دی جس میں اُن کی قوم مبتلا ہو گئی تھی فَجَعَلَ مُوسٰی اِلٰی قَوْمِہٖ غَضَبًا اَیْفًا، موسیٰ علیہ السلام وہاں سے بڑے غصے میں اور افسوس کی حالت میں واپس آئے اور اگر وہ باتیں فرمائیں جو قرآن میں تم نے پڑھی ہیں۔ وَ اَلْقٰی الْاَنۡوَاحَ فَاحۡدًا بِوَ اٰیِہِ یَجۡزٰہُ اِلَیۡہِ، یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اس غصے میں اپنے بھائی ہارون کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچے اور الْاَنۡوَاحِ تورات جو کہ کوہ طور سے ساتھ لائے تھے ہاتھ میں سے رکھ دیں پھر غصہ فرو ہو نی کے بعد بھائی کا عذرِ صریح معلوم کر کے اسکو قبول کیا اور اُن کے لئے اللہ سے استغفار کیا، پھر سامری کے پاس گئے اور اُس سے کہا کہ تو نے یہ حرکت کیوں کی، اُس نے جواب دیا قَبَضْتُ



قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ السُّوْلِ، یعنی میں نے رسول (جبریل) کے نشانِ قدم کی مٹی اٹھائی تھی اور میں نے سمجھ لیا تھا کہ یہ جس چیز پر ڈالی جائے گی اُس میں حیات کے آثار پیدا ہو جائیں گے، مگر میں نے تم لوگوں سے اس بات کو چھپائے رکھا قَبْضٌ تِلْكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي، یعنی میں نے اس مٹی کو (زیورات وغیرہ کے ڈھیر پر ڈال دیا) میرے نفس نے میرے لئے یہ کام پسندیدہ شکل میں دکھلایا۔ قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تَخْلَفَنَّهُ وَالنَّظَرَ إِلَىٰ إِلَهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا، یعنی موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو فرمایا کہ جا، اب تیری سزا یہ ہے کہ تو زندگی بھر یہ کہتا پھرے کہ مجھے کوئی مس نہ کرے (ورنہ وہ بھی عذاب میں گرفتار ہو جائیگا) اور تیرے لئے ایک ميعاد مقرر ہے جس کے خلاف نہیں ہوگا کہ زندگی میں تو یہ عذاب چکھتا رہے، اور دیکھ اپنے اُس معبود کو جس کی تونے پرستش کی ہے ہم اس کو آگ میں جلائیگے پھر اس کی راکھ کو دریا میں بہا دیں گے، اگر یہ خدا ہوتا تو ہم کو اس عمل پر قدرت نہ ہوتی۔

اس وقت بنی اسرائیل کو یقین آگیا کہ ہم فتنہ میں مبتلا ہو گئے تھے اور سب کو اُس عجا پر غبطہ اور رشک ہونے لگا، جسکی رائے حضرت ہارون کے مطابق تھی (یعنی یہ ہمارا خدا نہیں ہو سکتا)، بنی اسرائیل کو اپنے اس گناہِ عظیم پر تائب ہوا تو موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ ہمارے لئے توبہ کا دروازہ کھول دے جس سے ہمارے گناہ کا کفارہ ہو جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کام کے لئے بنی اسرائیل میں سے ستر ایسے صلحاء نیک لوگوں کا انتخاب کیا جو پوری قوم میں نیکی اور صلاح میں ممتاز تھے اور جو ان کے علم میں گویا سالہ پرستی سے بھی دور رہے تھے اس انتخاب میں بڑی چھان بین سے کام لیا۔ ان ستر منتخب صلحاء بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر کوہِ طور کی طرف چلے تاکہ اللہ تعالیٰ سے ان کی توبہ قبول کرنے کے بارے میں عرض کریں موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر پہنچے تو زمین میں زلزلہ آیا جس سے موسیٰ علیہ السلام کو بڑی شرمندگی اس وفد کے سامنے ہوئی اور قوم کے سامنے بھی۔ اس لئے عرض کیا رَبِّ كُوِّنْ لِّمَن قَبْلُ قِيَامًا أَنَّهُمْ كَانُوا فَعَلَ الشَّفَهَاءَ عَرِضًا، یعنی اے میرے پروردگار اگر آپ ان کو ہلاک ہی کرنا چاہتے تھے تو اس وفد میں آنے سے پہلے ہلاک کر دیتے اور مجھے بھی ان کے ساتھ ہلاک کر دیتے، کیا آپ ہم سب کو اس لئے ہلاک کرتے ہیں کہ ہم میں کچھ بیوقوفوں نے گناہ کیا ہے۔ اور دراصل وجہ اس زلزلہ کی یہ تھی کہ اس وفد میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تحقیق و تفتیش کے باوجود کچھ لوگ انہیں سے شامل ہو گئے تھے جو پہلے گویا سالہ پرستی کر چکے تھے اور ان کے دلوں میں گویا سالہ کی عظمت بیٹھی ہوئی تھی۔



حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دُعا، دُعا اور فریاد کے جواب میں ارشاد ہوا اور تَحْمِیْ وَبِیْعَتْ  
 كُلَّ شَیْءٍ فَسَاكُنْہَا الَّذِیْنَ یَتَّقُونَ وَیُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِآیَاتِنَا یُؤْمِنُونَ  
 الَّذِیْنَ یَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِیَّ الَّذِیْ یُخْرِجُہُمْ مِّنْ ظُلُمَاتٍ إِلَى النُّورِ  
 وَالْإِنجِیْلِ، یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری رحمت تو سب کو شامل ہے اور میں تم قریب لکھ رہا  
 اپنی رحمت کا پردہ، اُن لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور  
 جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اتباع کرتے ہیں اُس رسول اُمّی کا جس کا ذکر لکھا  
 ہو پاتے ہیں اپنے پاس تورات اور انجیل میں۔

یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، اے میرے پروردگار، میں نے آپ سے اپنی  
 قوم کی توبہ کے بارے میں عرض کیا تھا، آپ نے جواب میں رحمت کا عطا فرمانا میری قوم کے  
 علاوہ دوسری قوم کے متعلق ارشاد فرمایا تو پھر آپ نے میری پیدائش کو مؤخر کیوں نہ کر دیا کہ مجھے  
 بھی اُسی نبی اُمّی کی اُمت مرحومہ کے اندر پیدا فرما دیتے، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف بنی اسرائیل  
 کی توبہ قبول ہونے کا ایک طریقہ ارشاد ہوا کہ ان کی توبہ قبول ہونے کی صورت یہ ہے کہ انہیں سے  
 ہر شخص اپنے متعلقین میں سے باپ یا بیٹے جس سے ملے اسکو تلوار سے قتل کر دے اُسی جگہ  
 میں جہاں یہ گوسالہ پرستی کا گناہ کیا تھا۔

اس وقت موسیٰ علیہ السلام کے وہ ساتھی جن کا حال موسیٰ علیہ السلام کو معلوم نہ تھا اور انکو  
 بے تصور صالح سمجھ کر ساتھ لیا تھا مگر درحقیقت اُن کے دل میں گوسالہ پرستی کا جذبہ اب تک تھا  
 وہ بھی اپنے دل میں نادم ہو کر تائب ہو گئے اور انہوں نے اُس شدید حکم پر عمل کیا جو اُن کی توبہ  
 قبول کرنے کے لئے بطور کفارہ نافذ کیا تھا (یعنی اپنے عزیز و اقارب کا قتل) اور جب انہوں نے  
 یہ عمل کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے قاتل و مقتول دونوں کی خطا معاف فرمادی اس کے بعد حضرت  
 موسیٰ علیہ السلام نے توہات کی الواح جن کو غصہ میں ہاتھ سے رکھ دیا تھا اٹھا کر اپنی قوم کو  
 لے کر ارض مقدسہ (شام) کی طرف چل دیئے وہاں ایک ایسے شہر پر پہنچے جس پر جبارین کا قبضہ  
 تھا جن کی شکل و صورت اور قد و قامت بھی ہیبت ناک تھی اُن کے ظلم و جور اور قوت و شوکت  
 کے عجیب و غریب قصے ان سے کہے گئے (موسیٰ علیہ السلام اس شہر میں داخل ہونا چاہتے تھے مگر  
 بنی اسرائیل پر ان جبارین کے حالات سنا کر رعب چھا گیا اور) کہنے لگے اے موسیٰ اس شہر میں تو  
 بڑے جبار ظالم لوگ ہیں جن کے مقابلے کی ہم میں طاقت نہیں اور ہم تو اس شہر میں اُس وقت  
 تک داخل نہیں ہونگے جب تک یہ جبارین وہاں موجود ہیں، ہاں وہ یہاں سے نکل جائیں تو  
 پھر ہم اُس شہر میں داخل ہو سکتے ہیں۔



قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ، اس روایت کے راویوں میں جوہر بن یزید بن ہارون ہے اس سے پوچھا گیا کہ کیا ابن عباسؓ نے اس آیت کی قرأت اسی طرح کی ہے، یزید بن ہارون نے کہا کہ ہاں، ابن عباسؓ کی قرأت یوں ہی ہے رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ سے مراد قوم جبارین کے دو آدمی ہیں جو اس شہر سے آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے، انہوں نے بنی اسرائیل پر اپنی قوم کا رعب طاری دیکھ کر کہا کہ ہم اپنی قوم کے حالات سے خوب واقف ہیں تم ان کے ذیل ڈول اور ان کی جسامت اور ان کی بڑی تعداد سے ڈر رہے ہو حقیقت یہ ہے کہ ان میں دل (کی قوت) بالکل نہیں اور نہ مقابلہ کرنے کی ہمت ہے تم ذرا شہر کے دروازے تک چلے چلو تو دیکھ لینا کہ (وہ ہتھیار ڈال دیں گے) اور تم ہی ان پر غالب آؤ گے۔

اور بعض لوگوں نے رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ کی تفسیر یہ کی ہے کہ یہ دو شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کی قوم بنی اسرائیل کے تھے۔ قَالُوا لِمُوسَىٰ إِذَا لَنْ نَدْخُلَهَا أَبَدًا مَا نَسْلُكُ فِيهَا فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ، یعنی بنی اسرائیل نے ان دونوں آدمیوں کی نصیحت سننے کے بعد بھی موسیٰ علیہ السلام کو کورا جواب اس بیہودگی کے ساتھ دیا کہ اے موسیٰ! ہم تو اس شہر میں اس وقت تک ہرگز نہ جائیں گے جب تک جبارین وہاں موجود ہیں اگر آپ کا مقابلہ ہی کرنا چاہتے ہیں تو آپ اور آپ کا رب جا کر ان سے لڑ بھڑیجئے ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل پر حق تعالیٰ کے بیشمار انعامات کے ساتھ ہر قدم پر ان کی سرکشی اور بیہودگی کا مشاہدہ کرتے آرہے تھے مگر اس وقت تک صبر و تحمل سے کام لیتے رہے، کبھی ان کے لئے بددعا نہیں کی اس وقت ان کے اس بیہودہ جواب سے وہ بہت دل شکستہ اور غمگین ہو گئے اور ان کے لئے بددعا کی، ان کے حق میں فاسقین کے الفاظ استعمال فرمائے۔ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان کو اللہ تعالیٰ نے بھی فاسقین کا نام دیدیا اور اس زمین مقدس سے ان لوگوں کو چالیس سال کے لئے محروم کر دیا اور اس کھلے میدان میں ان کو ایسا قید کر دیا کہ صبح سے شام تک چلتے رہتے تھے کہیں قرار نہ تھا۔ مگر چونکہ اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ان کے ساتھ تھے ان کی برکت اور طفیل سے اس قوم فاسقین پر اس سزا کے دوران بھی اللہ تعالیٰ کی بہت سی نعمتیں برستی رہیں کہ اس میدان تہ میں یہ جس طرف چلتے تھے بادل ان کے سروں پر سایہ کر دیتا تھا، ان کے کھانے کیلئے مَن و سَلْوٰی نازل ہوتے تھے، ان کے کپڑے معجزانہ انداز سے نہ میلے ہوتے تھے نہ پھٹتے تھے۔ اور ان کو ایک مربع پتھر عطا فرمادیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیدیا تھا کہ جب ان کو پانی کی ضرورت ہو تو اس پتھر پر اپنی لاشی مارو تو اس میں سے بارہ چشمے جاری ہو جاتے تھے، پتھر کی ہر جانب سے



تین چٹے پہنے لگتے تھے اور بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں یہ چٹے متعین کر کے تقسیم کر دیے گئے تھے تاکہ باہم جھگڑانہ پیدا ہو اور حبیب بھی یہ لوگ کسی مقام سے سفر کرتے اور پھر کہیں جا کر منزل کھتے تو اس پتھر کو وہیں موجود پاتے تھے (قطعی)

حضرت ابن عباسؓ نے اس حدیث کو مرفوع کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد قرار دیا ہے اور میرے نزدیک یہ درست ہے کیونکہ حضرت معاویہؓ نے ابن عباسؓ کو یہ حدیث روایت کرتے ہوئے سنا تو اس بات کو منکر اور غلط قرار دیا جو اس حدیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس قبیلے کو قتل کیا تھا اور اسکا سراغ قوم فرعون کو نہیں مل رہا تھا تو اُس کی مخبری اُس دوسرے فرعونی شخص نے کی جس سے دوسرے روز یہ اسرائیلی لڑ رہا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس فرعونی کو توکل کے واقعہ قتل کا علم نہیں تھا وہ اسکی مخبری کیسے کر سکتا تھا اس کی خبر تو صرف اسی لڑنے والے اسرائیلی کو معلوم تھی۔

جب حضرت معاویہؓ نے انکی حدیث کے اس واقعہ کا انکار کیا تو ابن عباسؓ کو غصہ آیا، اور حضرت معاویہؓ کا ہاتھ پکڑ کر سعد بن مالک زہری کے پاس لے گئے اور اُن سے کہا کہ اے ابوہریرؓ کیا تمہیں یاد ہے جب ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتیل موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حدیث بیان فرمائی، اس راز کا افشاء کرنے والا اور فرعون کے پاس مخبری کرنے والا اسرائیلی تھا یا فرعونی۔ سعد بن مالک نے فرمایا کہ فرعونی تھا کیونکہ اُسے اسرائیلی سے یثن لیا تھا کہ کل کا واقعہ قتل موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ہوا تھا اُسے اسکی شہادت فرعون کے پاس دے دی، امام نسائی نے یہ پوری طویل حدیث اپنی کتاب سنن کبریٰ کی کتاب التفسیر میں نقل فرمائی ہے۔

اور اس پوری حدیث کو ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اسی یزید بن ہارون کی سند سے نقل کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں بلکہ ابن عباسؓ کا اپنا کلام ہے جس کو انھوں نے کعب بن احبار کی اُن اسرائیلی روایات سے لیا ہے جن کے نقل کرنے اور بیان کرنے کو جائز رکھا گیا ہے۔ ہاں کہیں کہیں اس کلام میں مرفوع حدیث کے جملے بھی شامل ہیں۔ امام ابن کثیر اپنی تفسیر میں اس پوری حدیث اور اُس پر مذکور الصدوق تحقیق و تصدیق لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابوالججاج مرزی بھی ابن جریر اور ابن ابی حاتم کی طرح اس روایت کو موقوف ابن عباسؓ کا کلام قرار دیتے تھے۔ انتہی (تفسیر ابن کثیر از ص ۱۲۸ تا ص ۱۵۱ جلد ۳)

مذکور الصدوق قصہ موسیٰ علیہ السلام سے | قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کا استقراء تمام حاصل شدہ نتائج و عبرتوں اور فوائد ہمہ | فرمایا ہے کہ اکثر سورتوں میں اسکا کچھ نہ کچھ ذکر آ ہی جاتا ہے



وجہ یہ ہے کہ یہ قصہ ہزاروں عبرتوں اور حکمتوں پر اور خداوند سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے عجیب مظاہر پر مشتمل ہے جس سے انسان کا ایمان بچتہ ہوتا ہے اور اس میں عملی اور اخلاقی ہدایتیں بھی پیش کرتی ہیں۔ چونکہ اس جگہ یہ قصہ پوری تفصیل کے ساتھ آگیا ہے تو مناسب معلوم ہوا کہ اسکے ذیل میں آئی ہوئی عبرتوں، نصیحتوں اور ہدایتوں کا کچھ حصہ بھی لکھ دیا جائے۔

فرعون کی احمقانہ تدبیر اور اُس پر | فرعون کو جب یہ معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل میں کوئی لڑکا پیدا ہوگا قدرت حق کا حیرت انگیز ردِ عمل | جو فرعون کی سلطنت کے زوال کا سبب بنے گا تو اسرائیلی لڑکوں کی پیدائش بند کرنے کے لئے قتل عام کا حکم دیدیا۔ پھر اپنی ملکی اور ذاتی مصلحت سے ایک سال کے لڑکوں کو باقی رکھنے اور دوسرے سال کے لڑکوں کے قتل کرنے کا فیصلہ نافذ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کو قدرت تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کو اُس سال میں پیدا کر دیتے جو سال بچوں کو باقی چھوڑ کا تھا مگر قدرت کو منظور یہ ہوا کہ اس احمق کی اس ظالمانہ تدبیر کو پوری طرح اس پر الٹ دیا جائے اور اس کو خوب بیوقوف بنایا جائے۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام کو اس سال میں پیدا فرمایا جو لڑکوں کے قتل کا سال تھا اور اپنی حکمت بالغہ سے صورت ایسی پیدا کر دی کہ موسیٰ علیہ السلام خود اس جبار ظالم کے گھر میں پرورش پائیں، فرعون اور اُس کی بیوی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شوق و رغبت سے اپنے گھر میں پالا، سارے شہر کے اسرائیلی لڑکے موسیٰ کے شبہ میں قتل ہو رہے تھے اور موسیٰ علیہ السلام خود فرعون کے گھر میں آرام و آسائش اور عزت و اکرام کے ساتھ اُن کے خرچ پر پرورش پا رہے تھے۔

در یہ بند و دشمن اندر خانہ بُود | حیلہ فرعون زیر افسانہ بُود  
موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر معجزانہ انعام | حضرت موسیٰ علیہ السلام اگر عام بچوں کی طرح کسی آتما اور سرعونی تدبیر کا ایک اور استقام | کا دودھ قبول کر لیتے تو اُن کی پرورش اپنے دشمن فرعون کے گھر پھر بھی آرام کے ساتھ ہوتی مگر موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اُن کی جدائی سے پریشان رہتیں اور موسیٰ علیہ السلام کو بھی کسی کافر عورت کا دودھ ملا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو کافر عورت کے دودھ سے بھی بچالیا اور اُن کی والدہ کو بھی جدائی کی پریشانی سے نجات دی اور نجات بھی اس طرح کہ فرعون کے گھر والے ان کے ممنون احسان ہوئے ان پر ہدایا اور تحفوں کی بارش ہوئی اور اپنے ہی محبوب بچے کو دودھ پلانے پر فرعون نے دربار سے معاوضہ بھی ملا اور عام ملازموں کی طرح فرعون کے گھر میں بھی رہنا نہ پڑا فَلَیْکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ۔

صنعت کاروں اور تاجروں وغیرہ کیلئے ایک بشارت | ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو صنعت کار اپنی صنعت و حرفت میں نیت نیک ثواب کی رکھے اُس کی مثال



موسیٰ علیہ السلام کی والدہ جیسی ہو جاتی ہے کہ اپنے ہی بچے کو دودھ پلا جائیں اور اسکا دوسروں سے معاوضہ لیں (ابن کثیر) مطلب یہ ہے کہ کوئی معمار مسجد، خانقاہ، مدرسہ یا کوئی رفاہ عام کا ادارہ تعمیر کرتا ہے اگر اُس کی نیت صرف اپنی مزدوری کرنے اور پیسے کمانے کی ہے تو اس کو صرف وہی ملے گا، اور اگر اُس نے نیت یہ بھی کر لی کہ یہ تعمیرات نیک کاموں میں آئیں گی اُن سے اہل دین کو نفع پہنچے گا اس لئے دوسری قسم کی تعمیرات پر اُن کو ترجیح دی تو اسکو اُمّ موسیٰ علیہ السلام کی طرح مزدوری بھی ملے گی اور اپنا دینی فائدہ بھی۔

اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کو ایک وَالْفَقِیْتُ عَلَیْكَ حَبِیْبَتِی میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ محبوبیت کی شان عطا ہوتی ہے کہ اپنے مخصوص بندوں کو ایک خاص شان محبوبیت کی عطا فرمادیتے ہر دیکھنے والا اُن سے محبت کرتا ہے ہیں جن کو دیکھ کر اپنا پرایا، دوست دشمن سب محبت کرنے لگتے ہیں انبیاء علیہم السلام کا تو بڑا مقام ہے بہت سے اولیاء اللہ میں بھی اس محبوبیت کا مشاہدہ ہوتا رہا ہے۔ فرعون کا فرسخ کا قتل جو موسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک اسرائیلی مسلمان سے کے ہاتھ ہو گیا اسکو خطا کس بنا پر قرار دیا گیا ایک فرعون کا فر کو لڑتا ہوا دیکھ کر فرعون کو متکا مارا جس سے وہ مر گیا اُس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود بھی عمل شیطان فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے اس خطا کی معافی طلب کی وہ معاف بھی کر دی گئی۔

مگر یہاں ایک فقہی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ فرعون کا فر جس سے موسیٰ علیہ السلام کا کوئی معاہدہ صلح بھی نہ تھا نہ اُس کو اہل ذمہ کافروں کی فہرست میں داخل کیا جاسکتا ہے جن کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت مسلمانوں پر واجب ہوتی ہے، یہ تو حربی کافر تھا جس کا حکم اسلامی شریعت میں یہ ہے کہ وہ مباح الدم ہے اسکا قتل کوئی گناہ نہیں، پھر یہاں اس کو عمل شیطان اور خطا کس بنا پر قرار دیا گیا۔

عام کتب تفسیر میں کسی نے اس سوال سے تعرض نہیں کیا۔ احقر جب سیدی حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کے حکم سے احکام القرآن کی تصنیف میں مشغول تھا اور اس میں یہ واقعہ زیر تحریر آیا تو حضرت نے اس سوال کا جواب یہ دیا تھا کہ اگرچہ اس فرعون کا شخص سے براہ راست کوئی صریح معاہدہ صلح یا ذمہ کا نہیں تھا مگر چونکہ اُس وقت نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حکومت تھی نہ اس فرعون کی، بلکہ دونوں حکومت فرعون کے شہری تھے اور ایک دوسرے کی طرف سے مطمئن تھے یہ ایک قسم کا عملی معاہدہ تھا، فرعون کے قتل میں اس عملی معاہدہ کی خلاف ورزی ہوئی اسلئے اسکو خطا قرار دیا گیا اور یہ خطا چونکہ قصداً نہیں بلکہ اتفاقاً ہو گئی اسلئے موسیٰ علیہ السلام کی عصمت نبوت کے منافی نہیں۔



سیدی حضرت حکیم الامتہ اسی بنا پر مشترک ہندوستان میں جبکہ مسلمان اور ہندو دونوں انگریز کی حکومت میں رہتے تھے کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہ رکھتے تھے کہ وہ کسی ہندو کی جان مال پر ظلم کرے۔  
 ضعیفوں کی امداد اور خدمت خلق | حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شہر مدین سے باہر کنوئیں پر دو عورتوں  
 دین و دنیا کے لئے نافع اور مفید | کو دیکھا جو اپنے صنعت کی بنا پر اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا سکتی  
 تھیں، یہ عورتیں بالکل اجنبی، اور موسیٰ علیہ السلام ایک مسافر تھے مگر ضعیفوں کی امداد و خدمت  
 مقصداً شرافت اور اللہ کے نزدیک محبوب عمل تھا اسلئے اُن کے واسطے محنت اٹھائی، اور انکی  
 بکریوں کو پانی پلا دیا اسکا اجر و ثواب تو اللہ کے پاس بڑا ہے۔ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے اُنکے اسی  
 عمل کو مسافرانہ بے کسی اور بے سرو سامانی کا ایسا علاج بنا دیا جو اُن کی اگلی زندگی اُن کی شان  
 کے مطابق سنوارنے کا ذریعہ بن گیا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت اور اُن کی دامادی کاشف  
 حاصل ہوا، جو ان ہونے کے بعد جو کام اُن کی والدہ کو کرنا تھا اللہ تعالیٰ نے غربت کے عالم میں اپنے  
 ایک نبی کے ہاتھ سے انجام دلوا دیا۔

دو پیغمبروں میں اجیر اور آجر کا معاملہ | موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے مکان پر پہل  
 اور اس کی حکمتیں اور فوائد عجیبہ | ہو کر فرعونی سپاہیوں کے خوف سے مطمئن ہوئے تو حضرت  
 شعیب علیہ السلام نے صاحبزادی کے مشورہ پر اُن کو اپنے یہاں اجیر رکھنے کا خیال ظاہر فرمایا  
 اسیں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمتیں اور خلق اللہ کے لئے اہم ہدایتیں ہیں۔

اول یہ کہ شعیب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی و رسول تھے ایک مسافر غریب الوطن کی اتنی  
 امداد اُن سے کچھ مستبعد نہ تھی کہ کچھ عرصہ اپنے یہاں بلا کسی معاوضہ خدمت کے مہمان رکھ لیتے مگر غالباً  
 اُنہوں نے پیغمبرانہ فراست سے موسیٰ علیہ السلام کا عالی حوصلہ ہونا معلوم کر کے یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ  
 دیر تک مہمانی قبول نہ کریں گے اور کسی دوسری جگہ چلے گئے تو اُن کو تکلیف ہوگی اسلئے بے تکلف  
 معاملہ کی صورت اختیار کر لی جس میں دوسروں کے لئے بھی یہ ہدایت ہے کہ کسی کے گھر جا کر اپنا بار اُن  
 پر ڈالنا شرافت کے خلاف ہے۔

دوسرے اسیں یہ حکمت بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت و رسالت  
 سے فائز کرنا چاہتے تھے جس کے لئے اگرچہ کوئی مجاہدہ و عمل نہ شرط ہے اور نہ وہ کسی عمل و مجاہدہ  
 کے ذریعہ حاصل کیا سکتی ہے وہ تو خالص اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ اور انعام ہوتا ہے مگر عادتہ اللہ  
 یہ ہے کہ وہ اپنے پیغمبروں کو بھی مجاہدات اور محنت و مشقت کے دور سے گزارتے ہیں جو اخلاق  
 انسانی کی تکمیل کا ذریعہ اور دوسروں کی اصلاح کا بڑا سبب بنتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی  
 اسوقت تک شاہانہ اعزاز و اکرام میں گزری تھی آگے اُن کو خلق خدا کے لئے ہادی و رہبر اور انکا



مصلح بننا تھا، حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ اس مزدوری و محنت کے معاہدہ میں اُن کی اخلاقی تربیت کا راز بھی پوشیدہ تھا، عارف شیرازی نے اسی کو کہا ہے ۵

شبان دادی امین کہے رسد بمراد ۶ کہ چند سال بجاں خدمت شعیب کند  
قیسے جو خدمت ان سے لی گئی وہ بکریاں چرانے کی تھی، یہ عجیب بات ہے کہ یہ کام اکثر انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا ہے شاید اس میں یہ راز بھی ہو کہ بکری ایسا جانور ہے جو گلے سے آگے پیچھے بھاگنے کا عادی ہوتا ہے جس پر چرانے والے کو بار بار غصہ آتا ہے، اس غصہ کے نتیجہ میں اگر وہ اس بھاگنے والی بکری سے قطع نظر کرے تو بکری ہاتھ سے گئی وہ کسی بھیڑنیے کا لقمہ بنے گی اور اپنی مرضی کے تابع چلانے کے لئے اسکو مار پیٹ کرے تو وہ کمزور اتنی ہے کہ ذرا چوٹ مار دو تو ٹانگ ٹوٹ جائے اس لئے چرواہے کو بڑے صبر و حلم سے کام لینا پڑتا ہے۔ عام خلق خدا تعالیٰ کا بھی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایسا ہی حال ہوتا ہے جیسے انبیاء نہ اُن سے صرف نظر کر سکتے ہیں اور نہ زیادہ تشدد کر کے اُن کو راستہ پر لا سکتے ہیں صبر و حلم ہی کو شیوہ بنانا پڑتا ہے۔

کسی کو کوئی عہدہ اور ملازمت سپرد کرنے کے لئے بہترین دستور العمل | اس قصہ میں شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی نے جو اپنے والد کو مشورہ دیا کہ ان کو ملازم رکھ لیا جائے اس مشورہ کی دلیل یہ بیان فرمائی کہ بہترین اجیر وہ شخص ہو سکتا ہے جو قوی بھی ہو، امین بھی۔ قوی سے مراد اس کام کی قوت و صلاحیت والا ہونا، جو کام اُسکے سپرد کرنا ہے اور امین سے مراد یہ ہے کہ اُس کی سابقہ زندگی کے حالات اس کی امانت و دیانت پر شاہد ہوں، آجکل مختلف ملازمتوں اور سرکاری و غیر سرکاری عہدوں کے لئے انتخاب کا جو اصول رکھا جاتا ہے اور درخواست گزار میں جن اوصاف کو دیکھا جاتا ہے اگر غور کریں تو سب کے سب ان دو لفظوں میں جمع ہیں بلکہ اُن کے تفصیلی شرائط میں بھی یہ جامعیت عموماً نہیں ہوتی، کیونکہ امانت و دیانت تو کہیں زیر غور ہی نہیں آتی صرف علمی قابلیت کی ڈگریاں معیار ہوتی ہیں اور آجکل جہاں کہیں سرکاری و غیر سرکاری اداروں کے نظام میں ابتری پائی جاتی ہے وہ بیشتر اسی اصول دیانت کو نظر انداز کر نیکا نتیجہ ہوتا ہے۔ قابل اور عاقل آدمی جب امانت و دیانت سے کورا ہوتا ہے تو پھر وہ کام چوری اور رشوت خوری کے بھی ایسے راستے نکال لیتا ہے کہ کسی قانون کی گرفت میں نہ آ سکے۔ اسی نے آج دنیا کے بیشتر سرکاری و غیر سرکاری اداروں کو بیکار بلکہ مضر بنا رکھا ہے۔ اسلامی نظام میں اسی لئے اس کو بڑی اہمیت دی گئی ہے جس کے برکات دنیا نے صدیوں تک دیکھے ہیں۔

ساحرول اور پیغمبر کے مسائل میں کھلا ہوا فرق | فرعون نے جن جادو گروں کو جمع کیا تھا اور پورے ملک و قوم کا خطرہ اُن کے سامنے رکھ کر کام کرنے کو کہا تھا! اسکا تقاضا یہ تھا کہ وہ خود اپنا کام سمجھ کر



اس خدمت کو دل و جان سے انجام دیتے مگر وہاں ہوا یہ کہ خدمت شروع کرنے سے پہلے سوئے بازی شروع کر دی کہ ہمیں کیا ملے گا۔

اس کے بالمقابل تمام انبیاء علیہم السلام کا عام اعلان یہ ہوتا ہے وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ، یعنی میں تم سے اپنی خدمت کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، اور انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ و دعوت کے موثر ہونے میں ان کے اس استغناء کا بڑا دخل ہے۔ جب سے علماء دین اہل فتویٰ اہل خطابت و دعا کی خدمت کا انتظام اسلامی بیت المال میں نہیں رہا ان کو اپنی تعلیم اور دعا و امامت پر تنخواہ لینے کی مجبوری پیش آئی وہ اگرچہ متاخرین فقہاء کے نزدیک بدرجہ مجبوری جائز قرار دی گئی مگر اس میں شبہ نہیں کہ اس معاوضہ لینے کا اثر تبلیغ و دعوت اور اصلاح خلق پر نہایت بُرا ہوا جس نے ان کی کوششوں کا فائدہ بہت ہی کم کر دیا۔

فرعونی جادو گردوں کے جادو کی حقیقت | ان لوگوں نے اپنی لاشیوں اور رسیوں کو بٹا ہر سب بنا کر دکھلایا تھا کیا وہ واقعی سانپ بن گئی تھیں اسکے متعلق الفاظ قرآن یَحْيٰی اِلَیْہِمْ مِّنْ سَحَابٍ مِّمَّآ تَشْحٰی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حقیقتہً سانپ نہیں بنی تھی بلکہ یہ ایک قسم کا سمرزم تھا جس نے خیالات حاضرین پر تصرف کر کے ایک قسم کی نظر بندی کر دی کہ حاضرین کو وہ چلتے پھرتے سانپ دکھائی دینے لگے۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی جادو سے کسی شے کی حقیقت تبدیل ہی نہیں ہو سکتی، اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان جادو گردوں کا جادو تبدیل حقیقت کے درجہ کا نہیں تھا۔

قبائلی تقسیم معاشرتی معاملات | اسلام نے وطنی، لسانی، نسبی، قبائلی تقسیموں کو قومیت کی حد تک کوئی مذموم عمل نہیں کی بنیاد بنانے پر سخت نکیر کیا ہے اور ان تفرقوں کو مٹانے کی ہر قدم ہر کام میں کوشش کی ہے بلکہ اسلامی سیاست کا سنگ بنیاد ہی اسلام کی دینی قومیت ہے جس میں عربی، عجمی، حبشی، فارسی، ہندی، سندھی سب ایک قوم کے افراد ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھنے کے لئے سب سے پہلا کام مہاجرین و انصار میں یگانگت اور موافات قائم کرنے سے شروع فرمایا تھا اور حجۃ الوداع کے خطبہ میں قیامت تک کے لئے یہ دستور العمل دیدیا تھا کہ علاقائی اور نسبی اور لسانی امتیازات سب بُت ہیں جن کو اسلام نے توڑ ڈالا ہے، لیکن معاشرتی معاملات میں ایک حد تک ان امتیازات کی رعایت کو گوارا کیا گیا ہے کیونکہ کھانے پینے پہنے کے طریقے مختلف قبائل اور مختلف اوطان کے الگ الگ ہوتے ہیں اُس کے خلاف کرنا تکلیف شدید ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جن بنی اسرائیلیوں کو مصر سے ساتھ لیکر مکملے تھے ان کے



بارہ قبیلے تھے، حق تعالیٰ نے ان قبیلوں کے امتیاز کو معاشرتی معاملہ میں جائز رکھا اور دریا میں بھی جو راستے بطور معجزہ پیدا فرمائے تو بارہ راستے الگ الگ ہر قبیلے کے لئے پیدا فرمائے، اسی طرح دادی تہ میں جس پتھر سے بطور معجزہ پانی کے چشمے جاری ہوتے تھے وہ بھی بارہ ہوتے تھے۔ تاکہ قبائل میں مزاحمت نہ ہو، ہر ایک قبیلہ اپنا مقررہ پانی حاصل کرے۔ وَاللّٰہُ اعْلَمُ

جماعتی انتظام کے لئے | حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب ایک جہینے کے لئے اپنی قوم سے الگ خلیفہ اور نائب بنانا ہو کر کوہ طور پر عبادت میں مشغول ہونا چاہا تو ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر سب کو ہدایت کی کہ میرے پیچھے سب ان کی اطاعت کرنا تاکہ آپس میں اختلاف و نزاع نہ پھوٹ پڑے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی جماعت یا خاندان کا بڑا اگر کہیں سفر پر جائے تو سنتِ انبیاء یہ ہے کہ کسی کو اپنا قائم مقام خلیفہ بنا جائے جو انکے نظم و ضبط کو قائم رکھے مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ سے بچنے | بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر حاضری کے لئے بڑی سے بڑی بُرائی کو وقتی طور پر برداشت کیا جاسکتا ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے سب کو دعوتِ حق تو دی مگر

اُن میں سے کسی فرقہ سے کُلی اجتناب اور بیزاری و علیحدگی کا موسیٰ علیہ السلام کے آنے تک اعلان نہیں کیا۔ اس پر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ناراض ہوئے تو انھوں نے یہی عذر پیش کیا کہ میں تشدد کرتا تو بنی اسرائیل کے ٹکڑے ہو جاتے اُن میں تفرقہ پھیل جاتا، اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ قَوْلَ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ وَلَوْ تَرَدُّبُ قَوْلِیْ، یعنی میں نے اس لئے کسی بھی فرقہ سے علیحدگی اور بیزاری کا تشدد سے اظہار نہیں کیا کہ کہیں آپ واپس آکر مجھے یہ الزام نہ دیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ پیدا کر دیا اور میری ہدایت کی پابندی نہیں کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اُن کے عذر کو غلط نہیں قرار دیا بلکہ صحیح تسلیم کر کے اُن کے لئے دُعا و استغفار کیا اس سے یہ ہدایت نکلتی ہے کہ مسلمانوں میں تفرقہ سے بچنے کے لئے وقتی طور پر اگر کسی بُرائی کے معاملے میں نرمی برتی جائے تو درست ہے وَاللّٰہُ بَشِیْرٌ عَلِیْمٌ

قصہ موسیٰ علیہ السلام کی جو آیات اُدھر لکھی گئی ہیں اُن کے آخر میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کی ہدایت کے لئے بھیجنے کا حکم ایک خاص ہدایت کے ساتھ دیا گیا ہے یعنی مَقُوْلًا قَوْلًا لِّیْنَا اَلْعَلَّیْ یَّتَذَّکَّرُوْا وَیَحْشَیْ۔ اسیں۔

پیغمبرانہ دعوت کا ایک اہم اصول | یہ بیان ہوا ہے کہ فریقِ مخالف کتنا ہی سرکش اور غلط سے غلط عقائد و خیالات کا حامل ہو اصلاح و ہدایت کا فریضہ انجام دینے والوں پر لازم ہے کہ اسکے ساتھ بھی ہمدردانہ خیر خواہانہ انداز سے بات نرم کریں اسی کا یہ نتیجہ ہو سکتا ہے کہ مخاطب کچھ



غور و فکر پر مجبور ہو جائے اور اسکے دل میں خدا کا خوف پیدا ہو جائے۔

فرعون جو خدائی کا دعویٰ درجبار اور ظالم ہے، جو اپنی ذات کی حفاظت کے لئے ہزار ہا بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل کا مجرم ہے اُس کی طرف بھی اللہ تعالیٰ اپنے خاص پیغمبروں کو بھیجتے ہیں تو یہ ہدایت نامہ دے کر بھیجتے ہیں کہ اُس کی بات نرم کریں تاکہ اسکو غور و فکر کا موقع ملے۔ اور یہ اُس پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ فرعون اپنی سرکشی سے اور گمراہی سے باز آنے والا نہیں ہے مگر اپنے پیغمبروں کو اس اصول کا پابند کرنا تھا جس کے ذریعہ خلق خدا سوچنے سمجھنے پر مجبور ہو کر خدا تعالیٰ کے خوف کی طرف آجائے۔ فرعون کو ہدایت ہو یا نہ ہو مگر اصول ۵۰ ہونا چاہیے جو ہدایت و اصلاح کا ذریعہ بن سکے۔

آجکل جو بہت سے اہل علم اپنے اختلافات میں ایک دوسرے کے خلاف زبان درازی اور الزام تراشی کو اسلام کی خدمت سمجھ بیٹھے ہیں انہیں اس پر بہت غور کرنا چاہیے۔

قَالَ رَبُّنَا إِنَّا نَخَافُ أَنْ يُفْرِطَ عَلَيْنَا أَوْ أَنْ يَطْغَىٰ ۝۳۵ قَالَ

بولے اے رب ہمارے ہم ڈرتے ہیں کہ بھیک پڑے ہم پر یا جوش میں آجائے

لَا تَخَافَا إِنِّي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ ۝۳۶ فَأَتِيَهُ فَقُولَا

نہ ڈرو میں ساتھ ہوں تمہارے سُنتا ہوں اور دیکھتا ہوں سو جاؤ اس کے پاس اور کہو

إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ وَلَا

ہم دونوں بھیجے ہوئے ہیں تیرے رب کے سو بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو اور مت

تَعِزَّ بِهِمْ قَدْ جُتُّكَ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكَ ۝ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ مِنْ

شان کو ہم آئے ہیں تیرے پاس نشانی لیکر تیرے رب کی اور سلامتی ہو اسکی جو مان لے

اتَّبِعِ الْهُدَىٰ ۝۳۷ إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلَىٰ

راہ کی بات ہم کو حکم ملا ہے کہ عذاب اس پر ہے جو جھٹلائے

مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝۳۸ قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمَا يُمُوسَىٰ ۝۳۹ قَالَ

اور منہ پھیرے بولا پھر کون ہے رب تم دونوں کا اے موسیٰ کہا

رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ۝۴۰

رب ہمارا وہ ہے جس نے دی ہر چیز کو اس کی صورت پھر راہ سمجھائی



## خلاصہ تفسیر

(جب یہ حکم دونوں صاحبوں کو پہنچ چکا تو) دونوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار! ہم تبلیغ کے لئے حاضر ہیں لیکن ہم کو اندیشہ ہے کہ (کہیں) وہ ہم پر (تبلیغ سے پہلے ہی) زیادتی نہ کر بیٹھے (کہ تبلیغ ہی رہ جاوے) یا یہ کہ (عین تبلیغ کے وقت اپنے کفر میں) زیادہ شرارت نہ کرنے لگے (کہ اپنی بک بک میں تبلیغ نہ مٹنے نہ سننے دے جس سے وہ عدم تبلیغ کے برابر ہو جائے) ارشاد ہوا کہ (اس امر سے مطلقاً) اندیشہ نہ کرو (کیونکہ) میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سب سنتا دیکھتا ہوں (میں تمہاری حفاظت کروں گا اور اس کو مرعوب کر دوں گا جس سے پوری تبلیغ کر سکو گے جیسا دوسری آیت میں ہے **يَجْعَلُ لَّكُمُ اسْلٰطٰنًا**) سو تم دیے خوف و خطر اس کے پاس جاؤ اور (اس سے) کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے فرستادے ہیں (کہ ہم کو نبی بنا کر بھیجا ہے) سو (تو ہماری اطاعت کو اصلاح عقیدہ میں بھی کہ توحید کی تصدیق کر اور اصلاح اخلاق میں بھی کہ ظلم وغیرہ سے باز آ اور) بنی اسرائیل کو (جن پر تو ناحق ظلم کرتا ہے اپنے پنجہ ظلم سے ہا کر کے) ہمارے ساتھ جانے دے (کہ جہاں چاہیں اور جس طرح چاہیں رہیں) اور ان کو تکلیفیں مست پہنچا (اور) ہم (جو دعویٰ نبوت کا کرتے ہیں تو خالی خولی نہیں بلکہ ہم) تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے (اپنی نبوت کا) نشان (یعنی معجزہ بھی) لائے ہیں اور (تصدیق اور قبول حق کا ثمرہ اس قاعدہ کلیہ سے معلوم ہو گا کہ) ایسے شخص کے لئے (عذاب الہی سے) سلامتی ہے جو (سیدھی) راہ پر چلے (اور تکذیب و رد حق کے باب میں) ہمارے پاس یہ حکم پہنچا ہے کہ (اللہ کا) عذاب (قہر کا) اس شخص پر ہو گا جو (حق کو) جھٹلاوے اور (اس سے) رد گردانی کرے (مغرض یہ سارا مضمون جا کر اس سے کہو چنانچہ دونوں حضرات تشریف لے گئے اور جا کر اس سے سب کہدیا) وہ کہنے لگا کہ پھر (یہ تو بتلاؤ کہ) تم دونوں کا رب کون ہے (جس کے تم اپنے کو فرستادہ بتلاتے ہو) اے موسیٰ (جواب میں) موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ ہمارا (دونوں کا بلکہ سب کا) رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اسکے مناسب بناوٹ عطا فرمائی پھر (ان میں جو جاندار چیزیں تھیں ان کو ان کے منافع و مصالح کی طرف) رہنمائی فرمائی (چنانچہ ہر جانور اپنی مناسب غذا اور جوڑہ اور سکن وغیرہ ڈھونڈ لیتا) پس وہی ہمارا بھی رب ہے۔

## معارف و مسائل

حضرت موسیٰ کو خوف کیوں ہوا | **اِنَّتَا خِفَّا**، حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے اس جگہ اللہ تعالیٰ کے سامنے دو طرح کے خوف کا اظہار کیا۔ ایک ان یفطرط کے لفظ سے جس کے اصلی



معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں تو مطلب یہ ہو کہ شاید فرعون ہماری بات سننے سے پہلے ہی ہم پر حملہ کر دے، دوسرا خوف ان یطغے کے لفظ سے بیان فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ ممکن ہے وہ اس سے بھی زیادہ سرکشی پر اتر آئے کہ آپ کی شان میں نامناسب کلمات کہنے لگے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابتداء کلام میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو منصب نبوت و رسالت عطا فرمایا گیا اور انھوں نے حضرت ہارون کو اپنے ساتھ شریک کرنیکی درخواست کی اور یہ درخواست قبول ہوئی تو اسی وقت حق تعالیٰ نے اُن کو یہ بتلادیا تھا کہ سَخَسْنَا عَصَاكَ يَا خِيكَ وَجَعَلْنَا لَكَ سُلْطٰنًا فَلَا يَصْكُوْنَ اِلَيْكَمَا، نیز یہ بھی اطمینان دلادیا گیا تھا کہ آپ کی درخواست میں جو جو چیزیں طلب کی گئی ہیں وہ سب ہم نے آپ کو دیدیں قَدْ اَوْثَقْنَا سُوْرَكَ لِمُوسٰى، ان مطلوب چیزوں میں شرح صدر بھی تھا جس کا حاصل یہی تھا کہ مخالف سے کوئی دل تنگی اور خوف و ہراس پیدا نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کے ان وعدوں کے بعد پھر یہ خوف اور اس کا اظہار کیسا کر؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ پہلا وعدہ کہ ہم آپ کو غلبہ عطا کریں گے اور وہ لوگ آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے یہ ایک مبہم وعدہ ہے کہ مراد غلبہ سے حجت و دلیل کا غلبہ بھی ہو سکتا ہے اور مادی غلبہ بھی۔ نیز یہ خیال بھی ہو سکتا ہے کہ اُن پر غلبہ تو جب ہو گا کہ وہ ان کے دلائل و ثبوتات و معجزات دیکھیں مگر خطرہ یہ ہے کہ وہ کلام سننے سے پہلے ہی اُن پر حملہ کر بیٹھیں اور شرح صدر کے لئے یہ لازم نہیں کہ طبعی خوف بھی جاتا رہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ خوف کی چیزوں سے طبعی خوف تو تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے جو وعدوں پر پورا ایمان و یقین ہونے کے باوجود بھی ہوتا ہے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی ہی لاشی کے سانپ بن جانے کے بعد اُس کے پکڑنے سے ڈرنے لگے تو حق تعالیٰ نے فرمایا لَا تَخَفْ ذُرِّيَّتِيْ اور دوسرے تمام مواقع خوف میں ایسا ہی ہوتا رہا کہ طبعی اور بشری خوف لاحق ہوا پھر اللہ تعالیٰ نے بشارت کے ذریعہ اس کو زائل فرمایا۔ اسی واقعہ کی آیات میں فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ اور فَاصْبِرْ فِي الْمَدِيْنَةِ خَائِفًا اور فَادْخُلْ فِيْ نَفْسِكَ خِيفَةً مُّوسٰى کی آیات اس مضمون پر شاہد ہیں حضرت خاتم الانبیاء اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بشری خوف کی وجہ سے مدینہ شریف کی طرف اور کچھ صحابہ کرام نے پہلے حبشہ کی پھر مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ غزوہ احزاب میں اسی خوف سے بچنے کے لئے خندق کھودی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ نصرت و غلبہ بار بار آچکا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ مواعید ربانی سے یقین تو ان سب کو پورا حاصل تھا مگر طبعی خوف جو بمقتضائے بشریت انبیاء میں بھی ہوتا ہے وہ اس کے منافی نہیں۔



اِنَّهٗنَّ مَعَكُمْ اَسْمَعُ وَاَذٰی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم دونوں کیساتھ ہوں سب کچھ سنتا اور دیکھتا رہوں گا۔ معیت سے مراد نصرت و امداد ہے جسکی پوری حقیقت و کیفیت کا ادراک انسان کو نہیں ہو سکتا۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوتِ ایمان کے ساتھ اپنی قوم کو معاشی مصیبت سے بھی بچھڑانے کی دعوت دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام جیسے خلقِ خدا کو ہدایتِ ایمان دینے کا منصب رکھتے ہیں اسی طرح اپنی اُمت کو دنیوی اور معاشی مصائب سے آزاد کرنا بھی

انکے منصب میں شامل ہوتا ہے اسلئے قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوتِ فرعون میں دونوں چیزیں شامل ہیں اول اللہ پر ایمان، دوسرے بنی اسرائیل کی آزادی خصوصاً اس آیت مذکورہ میں تو صرف اسی دوسرے جز کے ذکر پر اکتفا فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اور پھر ہر ایک کے وجود کے مناسب کو ہدایت فرمائی جس سے وہ اس کام میں لگ گئی تفصیل انکی یہ ہے کہ ایک ہدایت جو انبیاء علیہم السلام کا وظیفہ اور فرض منصبی ہے وہ تو خاص ہدایت ہے جس کے مخاطب اہل عقول انسان اور جنات ہی ہوتے ہیں۔ ایک دوسری

قسم کی تکوینی ہدایت بھی ہے جو مخلوقات میں ہر چیز کے لئے عام اور شامل ہے۔ آگ، پانی، مٹی اور ہوا اور ان سے مرکب ہونیوالی ہر شئی کو حق تعالیٰ نے ایک خاص قسم کا ادراک شعور دیا ہے جو اگرچہ انسان و جن کی برابر نہیں مگر اسی لئے احکامِ حلال و حرام ان چیزوں پر عائد نہیں ہوتے مگر ادراک شعور

سے خالی نہیں، اسی ادراک شعور کے راستہ حق تعالیٰ نے ہر شے کو اسکی ہدایت کردی کہ تو کس کام کے لئے پیدا کی گئی ہے، تجھے کیا کرنا ہے۔ اسی تکوینی حکم اور ہدایت کے تابع زمین و آسمان اور ان کی تمام مخلوقات اپنے اپنے کام اور اپنی اپنی ڈیوٹی پر لگے ہوئے ہیں۔ چاند سورج اپنا کام کر رہے ہیں اور دوسرے سیارے و ثوابت اپنے اپنے کام میں اس طرح لگے ہوئے ہیں کہ ایک منٹ یا سیکنڈ

کا بھی کبھی فرق نہیں ہوتا۔ ہوا، پانی، آگ اور مٹی اپنی اپنی منشاء میں لگے ہوئے اُن سے بغیر حکم ربانی سر مو فرق نہیں کرتے۔ ہاں جب اُن کا حکم ہوتا ہے تو کبھی آگ گلزار بھی بن جاتی ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کے لئے، اور کبھی پانی آگ کا بھی کام کرنے لگتا ہے جیسے قوم نوح کیلئے

اٰغْرِقُوْا فَاَدْخِلُوْا نَارًا، بچہ کو ابتداء پیدائش کے وقت جبکہ اسکو کوئی بات سکھانا کسی کے بس میں نہیں یہ کس نے سکھایا کہ ماں کی چھاتی سے اپنی غذا حاصل کرے، اسکے لئے چھاتی کو دبا کر چوسنے کا ہنر کس نے بتلایا، بھوک پیاس سردی گرمی کی تکلیف ہو تو رو پڑنا اُس کی ساری ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی ہو جاتا ہے مگر یہ روزانہ کس نے سکھایا یہ دہی ہدایت ربانی ہے جو ہر مخلوق کو انکی حیثیت

اور ضرورت کے مطابق غیب سے بغیر کسی کی تعلیم کے عطا ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف ایک عام ہدایت تکوینی ہر ہر مخلوق کے لئے ہے جسکی ہر مخلوق



تکوینی طور پر پابند ہے اور اسکے خلاف کرنا اسکی قدرت سے خارج ہے، دوسری ہدایت خاص اہل عقول انسان و جن کے لئے ہے یہ ہدایت تکوینی اور جبری نہیں بلکہ اختیاری ہوتی ہے، اسی اختیار کے نتیجہ میں اُس پر ثواب یا عذاب مرتب ہوتا ہے اَعْطٰی كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدٰی میں پہلی ہی قسم کی ہدایت مذکور ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو سب سے پہلے رب العالمین کا وہ کام بتلایا جو ساری مخلوق پر حاوی ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ کام ہم نے یا کسی دوسرے انسان نے کیا ہے۔ فرعون اسکا تو کوئی جواب نہ دے سکا اب ادھر ادھر کی باتوں میں ٹلایا اور ایک سوال موسیٰ علیہ السلام سے کیا کہ جسکا حقیقی جواب عوام نہیں تو موسیٰ علیہ السلام سے بدگمان ہو جائیں وہ یہ کہ پچھلے دُر کی تمام امتیں اور اقوام عالم جو بتوں کی پرستش کرتے رہے آپکے نزدیک اُن کا کیا حکم ہے وہ کیسے ہیں اُن کا انجام کیا ہوا؟ مقصد یہ تھا کہ اسکے جواب میں موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ یہ سب گمراہ اور جہنمی ہیں تو مجھے یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ لو یہ ساری دنیا ہی کو بیوقوف گمراہ اور جہنمی سمجھتے ہیں اور لوگ یہ سنکر اُن سے بدگمان ہونگے تو ہمارا مقصد پورا ہو جائیگا مگر پیغمبر خدا موسیٰ علیہ السلام نے اسکا ایسا حکیمانہ جواب دیا جس سے اُسکا یہ منصوبہ غلط ہو گیا۔

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ ۝۵۱ قَالَ عَلِمْتُهَا عِنْدَ رَبِّي

بولا پھر کیا حقیقت ہے اُن پہلی جماعتوں کی کہا اُن کی خبر میرے رب کے پاس

فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى ۝۵۲ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ

لکھی ہوئی ہے نہ بہکتا ہے میرا رب اور نہ بھولتا ہے وہ ہے جس نے بنادیا تمہارے

الْأَرْضَ مَهْدًا وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَآَنَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ

داستے زمین کو بچھوتا اور چلائیں تمہارے لئے اس میں راہیں اور اتارا آسمان سے

مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْ ثِبَاتٍ شَتَّىٰ ۝۵۳ كَلِمًا

پانی پھر نکالی ہم نے اُس سے طرح طرح کی سبزی کھاد

وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ إِنِّي ذٰلِكَ لَا يَتْلُو الْوَلِيُّ ۝۵۴

اور چراؤ اپنے چوپایوں کو البتہ اس میں نشانیاں ہیں عقل رکھنے والوں کو

فِيهَا نَعِيدُكُمْ وَفِيهَا نَنْحِرُكُمْ تَارَةً أُخْرٰی ۝۵۵

اسی زمین سے ہم نے تمکو بتایا اور اسی میں پھر پہنچا دیتے ہیں اور اسی سے نکالیں گے تم کو دوسری بار



وَلَقَدْ آرَيْنَاهُ آيَاتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَآبَىٰ ۝۵۶ قَالَ أَجِئْتَنَا

اور ہم نے فرعون کو دکھلا دیں اپنی سب نشانیاں، پھر اُسے جھٹلایا اور نہ مانا بولا کیا تو آیا ہے

لِتُخْرِجَنَا مِنْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَا مُوسَىٰ ۝۵۷ فَلَنَأْتِيَنَّكَ رَبُّكَ

ہم کو نکالنے ہمارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے اے موسیٰ سو ہم بھی لائیں گے تیرے مقابلہ میں

مِثْلَهُ فَأَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَا نُخْلِفُهُ نَحْنُ

ایک ایسا ہی جادو، سو پھر اے ہمارے اور اپنے بیچ میں ایک وعدہ نہ ہم خلاف کریں اُس کا

وَلَا أَنْتَ مَكَانًا سُوَّىٰ ۝۵۸ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّيْنَةِ

اور نہ تو ایک میدان صاف میں کہا وعدہ تمہارا ہے جشن کا دن

وَأَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝۵۹

اور یہ کہ جمع ہوں لوگ دن چڑھے

## خلاصہ تفسیر

فرعون نے (اس پر شبہ کیا اَنَّ الْعَذَابَ عَلَىٰ مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ اور) کہا کہ اچھا تو پہلے لوگوں کا کیا حال ہوا (جو انبیاء کی تکذیب کرتے تھے اُن پر کون سا عذاب نازل ہوا) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میں نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ عذاب موعود دُنیا ہی میں آنا ضرور ہے بلکہ کبھی دُنیا میں بھی آجاتا ہے اور آخرت میں ضرور ہی ہوگا چنانچہ (ان لوگوں کی بد اعمالیوں) کا علم میرے پروردگار کے پاس دفتر (اعمال) میں (محفوظ) ہے (گو ان کو دفتر کی حاجت نہیں مگر بعض حکمتوں سے ایسا ہی کیا گیا ہے غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے اعمال معلوم ہیں اور) میرا اب (ایسا جاننے والا ہے کہ) نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے (پس ان کے اعمال کا صحیح صحیح علم اسکو حاصل ہے مگر عذاب کے لئے وقت مقرر کر رکھا ہے جب وہ وقت آدیکھا وہ عذاب اُن پر جاری کر دیا جائیگا۔ پس دُنیا میں عذاب نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کفر و تکذیب علت عذاب کی نہ ہو یہاں تک موسیٰ علیہ السلام کی تقریر ہو چکی آگے اللہ تعالیٰ اپنی شان ربوبیت کی کچھ تفصیل بیان فرماتے ہیں جسکا ذکر اجمالاً موسیٰ علیہ السلام کے اس کلام میں بمقام رَبَّنَا الَّذِي اَعْطَى الْخَيْرَ عَلَيْنَا مِنْ رَبِّكَ اَلَا يُفَصِّلُ رَبِّي الْخَيْرَ چنانچہ ارشاد ہے کہ) وہ (رب) ایسا ہے جس نے تم لوگوں کے لئے زمین کو (مثل) فرش (کے) بنایا کہ اس پر آرام کرتے ہو اور



اس (زمین) میں تمہارے (چلنے کے) واسطے رستے بنائے اور آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعہ سے اقسام مختلفہ کے نباتات پیدا کئے (اور تم کو اجازت دی کہ) خود بھی (کھاؤ اور اپنے مویشی کو بھی) چراؤ ان سب (مذکورہ) چیزوں میں اہل عقل کے (استدلال کے) واسطے (قدرت الہیہ کی) نشانیاں ہیں (اور جس طرح نباتات کو زمین سے نکالتے ہیں اسی طرح) ہم نے تم کو اسی زمین سے (ابتدا میں) پیدا کیا، (چنانچہ آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے سو ان کے واسطے سے سب کا مادہ بعید خاک ہوئی) اور اسی میں ہم تم کو (بعد موت) لے جا دیں گے (چنانچہ کوئی مردہ کسی حالت میں ہو لیکن آخر کو گوشتوں کے بعد ہی مگر مٹی میں ضرور ملے گا) اور (قیامت کے روز) پھر دوبارہ اسی سے ہم تم کو نکال لیں گے (جیسا پہلی بار اس سے پیدا کر چکے ہیں) اور ہم نے اس (فرعون) کو اپنی (وہ) سب ہی نشانیاں دکھلائیں (جو کہ موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی تھیں) سو وہ (جب بھی) جھٹلایا ہی کیا اور انکار ہی کرتا رہا (اور) کہنے لگا کہ اے موسیٰ تم ہمارے پاس (یہ دعویٰ لیکر) اس واسطے آئے ہو (کہ) ہم کو ہمارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے نکال باہر کرو (اور خود عوام کو فریفتہ اور تابع بنا کر رئیس بن جاؤ) سو اب ہم بھی تمہارے مقابلے میں ایسا ہی جادو لاتے ہیں تو ہمارے اور اپنے درمیان میں ایک وعدہ مقرر کر لو جس کے نہ ہم خلاف کریں اور نہ تم خلاف کرو کسی ہموار میدان میں (تاکہ سب دیکھ لیں) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا تمہارے (مقابلہ کے) وعدہ کا وقت وہ دن ہے جس میں (تمہارا) میلا ہوتا ہے، اور (جس میں) دن چڑھے لوگ جمع ہو جاتے ہیں (اور ظاہر ہے کہ میلے کا موقع اکثر ہموار ہی زمین میں ہوتا ہے اسی سے مکان موسیٰ کی شرط بھی پوری ہو جاوے گی)۔

## معارف مسائل

قَالَ عَلَّمَهَا عِنْدَ رَدِّ فِي كِتَابِ كَلَامِ يَحْيَى، فرعون نے پچھلی اُستون کے انجام کا سوال کیا تھا اگر اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام اُن کے گمراہ اور جہنمی ہونیکا صاف طور سے اظہار کرتے تو فرعون کو موقع اس طعن کا مل جاتا کہ یہ تو صرف ہمیں ہی نہیں ساری دُنیا کو گمراہ جہنمی سمجھتے ہیں، اور عوام اس سے شبہ میں پڑ جاتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا حکیمانہ جواب دیا کہ بات بھی پوری آگئی اور فرعون کو بہکائی کا موقع نہ ملا۔ فرمایا کہ اُن کا علم میرے رب کے پاس ہے کہ اُنکا کیا انجام ہوگا، میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔ غلطی کرنے سے مراد یہ ہے کہ کرنا کچھ چاہے ہو جائے کچھ اور بھولنے کا مطلب ظاہر ہے۔

أَمْ وَاجِبٌ نَّبَاتٍ شَتَّى، ازواج بمعنی انواع و اصناف ہے اور شَتَّى شتیت



کی جمع ہے جس کے معنی ہیں متفرق۔ مراد یہ ہے کہ نباتات کی اتنی بیشمار قسمیں پیدا فرمائیں کہ ان کی قسموں کا احاطہ بھی انسان نہیں کر سکتا۔ پھر ہر نبات جڑی بوٹی، پھول، پھل، درخت کی چھال میں اللہ تعالیٰ نے ایسی ایسی خاصیتیں رکھی ہیں کہ علم طب اور ڈاکٹری کے ماہرین حیران ہیں اور ہزاروں سال سے ان کی تحقیقات کا سلسلہ جاری ہوئی ہے یا وجود یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کے متعلق جو کچھ لکھ دیا گیا ہے وہ حرف آخر ہے اور یہ ساری نباتات کی مختلف قسمیں انسان اور اس کے پالتو جانوروں کی جنگلی جانوروں کی غذا یا دوا ہوتی ہیں، ان کی لکڑی سے انسان مکانوں کی تعمیر میں کام لیتا ہے۔ اور گھریلو سامان استعمال کی ہزاروں قسمیں بناتا ہے فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ، اسی لئے اس کے آخر میں فرمایا ذَٰلِكَ لَا يُوتِي النَّحْلَ، یعنی اس میں بہت سی نشانیاں حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی ہیں عقل والوں کے لئے۔ نہی، نہیہ کی جمع ہے نہیہ عقل کو اس لئے کہا جاتا کہ وہ انسان کو بُرے اور مضر کاموں سے روکتی ہے۔

ہر انسان کے خمیر میں نطفہ کے ساتھ اُس جگہ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ، منہا کی ضمیر زمین کی طرف راجع ہے کی مٹی بھی شامل ہوتی ہے جہاں وہ دفن ہوگا اور معنی یہ ہیں کہ ہم نے تم کو زمین کی مٹی سے پیدا کیا۔ خطاب اس کے سب انسان ہیں حالانکہ عام انسانوں کی پیدائش مٹی سے نہیں بلکہ نطفہ سے ہوئی۔ بحسب آدم علیہ السلام کے کہ اُن کی پیدائش براہ راست مٹی سے ہوئی تو یہ خطاب یا تو اس بنا پر ہو سکتا ہے کہ انسان کی اصل اور سب کے باپ حضرت آدم علیہ السلام ہیں ان کے واسطے سے سب کی تخلیق مٹی کی طرف منسوب کر دینا کچھ بعید نہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر نطفہ مٹی ہی کی پیداوار ہوتا ہے اس لئے نطفہ سے تخلیق و حقیقت مٹی ہی سے تخلیق ہو گئی امام قرطبی نے فرمایا کہ الفاظ قرآن کا ظاہر یہی ہے کہ ہر انسان کی تخلیق مٹی سے ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر انسان کی تخلیق میں حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے مٹی شامل فرماتے ہیں اس لئے ہر ایک انسان کی تخلیق کو براہ راست مٹی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

امام قرطبی نے فرمایا کہ الفاظ قرآن کا ظاہر یہی ہے کہ ہر انسان کی تخلیق مٹی سے عمل میں آئی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث اس پر شاہد ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ ہر پیدا ہونے والا انسان پر رحم مادر میں اُس جگہ کی مٹی کا کچھ جزو ڈالا جاتا ہے جس جگہ اُس کا دفن ہونا اللہ کے علم میں مقدر ہے۔ یہ حدیث ابو نعیم نے ابن سیرین کے تذکرہ میں روایت کر کے فرمایا ہے هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ عَوْنٍ لَمْ يَكْتُبْهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَاصِمِ بْنِ فَيْسَلٍ وَهُوَ أَحَدُ الثَّقَاتِ الْأَعْلَامِ مِنْ أَهْلِ بَصْرَةَ، اور اسی مضمون کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی منقول ہے اور عطاء خراسانی نے فرمایا کہ جب رحم میں نطفہ قرار پاتا ہے تو جو فرشتہ اس کی



تخلیق پر مامور ہے وہ جا کر اُس جگہ کی مٹی لاتا ہے جس جگہ اسکا دفن ہونا مقرر ہے اور یہ مٹی اُس لطفہ میں شامل کر دیتا ہے اس لئے تخلیق لطفہ اور مٹی دونوں سے ہوتی ہے اور اسی آیت کے استدلال کیا۔ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ (قرطبی)

تفسیر مظہری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر پیدا ہونے والے بچے کی ناف میں ایک جز مٹی کا ڈالا جاتا ہے اور جب مرتا ہے تو اُسی زمین میں دفن ہوتا ہے جہاں کی مٹی اُسکے خیمہ میں شامل کی گئی تھی اور فرمایا کہ میں اور ابوبکر و عمر ایک ہی مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں اور اُسی میں دفن ہونگے۔ یہ روایت خطیب نے نقل کر کے فرمایا ہے کہ حدیث غریبہ اور ابن جوزی نے اسکو موضوعات میں شمار کیا ہے مگر شیخ محدث میرزا محمد حارثی بدخشیؒ نے فرمایا کہ اس حدیث کے بہت سے شواہد حضرت ابن عمرؓ ابن عباسؓ ابو سعیدؓ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں۔ جن سے اس روایت کو قوت پہنچتی ہے اس لئے یہ حدیث حسن (غیرہ) سے کم نہیں (مظہری)

مَكَانًا سَوًى، فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادو گروں کے مقابلہ کے لئے یہ خود تجویز کیا کہ ایسے مقام پر ہونا چاہیے جو آل فرعون اور حضرت موسیٰ و بنی اسرائیل کے لئے مسافت کے اعتبار سے برابر ہو تاکہ کسی فریق پر زیادہ دُور جانے کی مشقت نہ پڑے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسکو قبول کر کے دن اور وقت کی تعیین اس طرح فرمادی مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَنْ يُخْشَرَ النَّاسُ ضَحًى، یعنی یہ مقابلہ یوم الزینۃ میں ہونا چاہیے مراد عید یا کسی میلے وغیرہ کے اجتماع کا دن ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ وہ کونسا دن تھا؟ بعض نے کہا کہ آل فرعون کی کوئی عید مقرر تھی جس میں وہ زینت کے کپڑے پہن کر شہر سے باہر نکلنے کے عادی تھے، بعض نے کہا کہ وہ نیروز کا دن تھا کسی نے کہا کہ یوم السبت یعنی ہفتہ کا دن تھا جس کی یہ لوگ تعظیم کرتے تھے، بعض نے کہا کہ وہ عاشوراء یعنی محرم کی دسویں تاریخ تھی۔

فائدہ | حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دن اور وقت کی تعیین میں بڑی حکمت سے کام لیا کہ دن اُن کی عید کا تجویز کیا جس میں سب چھوٹے بڑے ہر طبقے کے لوگوں کا اجتماع پہلے سے متعین تھا جسکا نتیجہ لازمی یہ تھا کہ یہ اجتماع بہت بڑا پورے شہر کے لوگوں پر مشتمل ہو جائے اور وقت ضحیٰ یعنی چاشت کا رکھا جو آفتاب کے بلند ہونے کے بعد ہوتا ہے جس میں ایک مصلحت تو یہ ہے کہ سب لوگوں کو اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر اس میدان میں آنا آسان ہو۔ دوسری مصلحت یہ بھی ہے کہ یہ وقت روشنی اور ظہور کے اعتبار سے سارے دن میں بہتر ہے ایسے ہی وقت میں جمعی اور سکون کے ساتھ اہم کام کئے جاتے ہیں اور ایسے وقت کے اجتماع سے جب لوگ



منتشر ہوتے ہیں تو بات دور دور تک پھیل جاتی ہے چنانچہ اس روز جب حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعونی ساحروں پر غلبہ عطا فرمایا تو ایک ہی دن میں پورے شہر میں بلکہ دور دور تک کی شہرت ہو گئی۔ جادو کی حقیقت اور اکی اقسام اور شرعی احکام | یہ مضمون پوری تفصیل کے ساتھ سورہ بقرہ ہاروت وماروت کے قصہ میں معارف القرآن جلد اول ص ۲۱۷ سے ص ۲۲۳ تک بیان ہو چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

فَتَوَلَّىٰ فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهُ ثُمَّ أَتَىٰ ۖ قَالَ لَهُمُ مُوسَىٰ وَرِثَتُكُمْ

پھر اٹھا پھر فرعون پھر جمع کئے اپنے سارے داؤ، پھر آیا کہا اُن کو موسیٰ نے کم بختی تمہاری

لَا تَقْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ

جھوٹ نہ بولو اللہ پر پھر فارت کر دے تم کو کسی آفت سے اور مراد کو نہیں پہنچا

مَنْ افْتَرَىٰ ۖ فَتَنَّا زَعْوًا أَمْ لَهُمْ بَيْنَهُمْ وَأَسْرُ وَالنَّجْوَىٰ ۖ

جس نے جھوٹ باندھا پھر بھگڑے اپنے کام پر آپس میں اور چھپ کر کیا مشورہ

قَالُوا إِنْ هَذَا إِلَّا لَسِحْرُنَا يَمُرُّ بَيْنَ الْأَظْهُرِ ۚ

بولے مقرر یہ دونوں جادوگر ہیں چاہتے ہیں کہ نکال دیں تم کو تمہارے ملک سے

بِسِحْرِهِمَا وَيَذُحُّ بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلَىٰ ۖ فَأَجْمِعُوا كَيْدَكُمْ

اپنے جادو کے زور سے اور موقوف کرادیں تمہارے اچھے خاصے چلن کو سو مقرر کرلو اپنی تدبیر

ثُمَّ اتُّبُوا صَفًّا ۚ وَقَدْ أَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنْ اسْتَعْلَىٰ ۖ

پھر آؤ قطار باندھ کر اور جیت گیا آج جو غالب رہا بولے

يَمُوسَىٰ إِمَّا أَنْ تُلْقَىٰ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَلْقَىٰ ۖ

اے موسیٰ یا تو تو ڈال اور یا ہم ہوں پہلے ڈالنے والے

قَالَ بَلْ أَلْقُوا ۚ فَإِذَا حِبالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ

کہا نہیں تم ڈالو پھر تبھی اُن کی رسیاں اور لاٹھیاں اُسکے خیال میں آئیں اُسکے

سِحْرِهِمْ أَنَّهُمْ تُسْغَىٰ ۖ فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةٌ مُوسَىٰ ۖ

جادو سے کہ دوڑ رہی ہیں پھر پانے لگا اپنے جی میں ڈر موسیٰ،

قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَىٰ ۖ

ہم نے کہا تو مت ڈر۔ مقرر تو ہی رہے گا غالب اور ڈال جو ترے داہنے ہاتھ میں ہے



تَلَقَّفْ مَا صَنَعُوا ۖ إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدٌ سِحْرٌ وَلَا يُفْلِحُ السَّحَرُ

کہ بچل جائے جو کچھ انھوں نے بنایا، اُن کا بنایا ہوا تو فریبِ جادو گر کا، اور بھلا نہیں ہوتا جادو گر کا

حَيْثُ آتَى ۖ ۶۹ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَرُونَ

جہاں ہو پھر بگڑے جادو گر سجدہ میں بولے ہم یقین لائے رب پر ہاروں

وَمُوسَى ۖ ۷۰ قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ أَدْنِ لَكُمْ إِنَّهُ

اور موسیٰ کے بولا فرعون تم نے اس کو مان لیا میں نے ابھی حکم نہ دیا تھا وہ ہی

لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَا تُقِطَعْنَ أَيْدِيكُمْ

تمہارا بڑا ہے جس نے سکھایا تم کو جادو سواب میں کٹواؤں گا تمہارے ہاتھ

وَأَرْجُلُكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَلَا وَصْلَبْكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ

اور دوسری طرف کے پاؤں اور سولی دوں گا تم کو کھجور کے تنہ پر

وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَى ۖ ۷۱ قَالُوا لَنْ نُؤْثِرَكَ

اور جان لو گے ہم میں کس کا عذاب سخت ہے اور دیر تک رہنے والا وہ بولے ہم تجھ کو زیادہ نہ سمجھیں

عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا فَاقْضِ مَا أَنْتَ

اس چیز سے جو پہنچی ہم کو صاف دلیل اور اُس سے جس نے ہم کو پیدا کیا سو تو کر گزر جو تجھ کو

قَاضٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۖ ۷۲ إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا

کرنا ہے تو یہی کرے گا اس دُنیا کی زندگی میں ہم یقین لائے ہیں اپنے رب پر

لِيَغْفِرَ لَنَا خَطِيئَاتِنَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللَّهُ خَيْرٌ

تاکہ بخشے ہم کو ہمارے گناہ اور جو تو نے زبردستی کر دیا ہم سے یہ جادو اور اللہ بہتر ہے

وَأَبْقَى ۖ ۷۳ إِنَّهُ مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ ۖ

اور سدا باقی رہنے والا بات یہی ہے کہ جو کوئی آیا اپنے رب کے پاس گناہ لے کر سوا کے واسطے دوزخ ہے

لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ۖ ۷۴ وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ

میرے اسمیں نہ جئے اور جو آیا اسکے پاس ایمان لے کر نیکیاں کر کر

الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ۖ ۷۵ جَنَّاتُ

سوائے لوگوں کے لئے ہیں درجے بلند باغ ہیں



عَذْرٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خِلَافِهَا وَذَلِكَ

بے کے بہتی ہیں اُن کے نیچے سے نہریں، ہمیشہ رہا کریں گے اُن میں اور یہ

جَزَاؤُا مَنْ تَزَكَّى ۝۷۶

بدلہ ہے اسکا جو پاک ہوا

## خلاصہ تفسیر

غرض یہ سن کر فرعون (دربار سے اپنی جگہ) ٹوٹ گیا پھر اپنا مکر کا (یعنی جادو کا) سامان جمع کرنا شروع کیا پھر سب کو لیکر اس میدان میں جہاں وعدہ ٹھہرا تھا، آیا (اسوقت) موسیٰ (علیہ السلام) نے ان (جادوگر) لوگوں سے فرمایا کہ ارے کبھی ماردا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افترامت کر دو کہ اس کے وجود یا توحید کا انکار کرنے لگو یا اس کے ظاہر کئے ہوئے معجزات کو سحر تیلانے لگو، کبھی خدا تعالیٰ تم کو کسی قسم کی سزا سے بالکل نیست و نابود ہی کر دے اور جو جھوٹ باندھتا ہے وہ (آخر کو) ناکام رہتا ہے پس جادوگر (یہ بات سُن کر ان دونوں حضرات کے بارہ میں) باہم اپنی رائے میں اختلاف کرنے لگے اور خفیہ گفتگو کرتے رہے (بالآخر سب متفق ہو کر) کہنے لگے کہ بیشک یہ دونوں جادوگر ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جادو (کے زور) سے تم کو تمہاری سر زمین سے نکال باہر کریں اور تمہارے عہدہ (مذہبی) طریقہ کا دفتر ہی اٹھا دیں تو اب تم ملکر اپنی تدبیر کا انتظام کرو اور صفیں آراستہ کر کے (مقابلہ میں) آؤ اور آج وہی کامیاب ہو جاؤ (پھر) انہوں نے (موسیٰ علیہ السلام سے) کہا کہ اے موسیٰ (کہیے) آپ (اپنا عصا) پہلے ڈالینگے یا ہم پہلے ڈالنے والے نہیں آپ نے (نہایت بے پروائی سے) فرمایا نہیں تم ہی پہلے ڈالو (چنانچہ انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور نظر بندی کر دی) پس یکایک اُن کی رسیاں اور لاٹھیاں اُن کی نظر بندی سے موسیٰ (علیہ السلام) کے خیال میں ایسی معلوم ہونے لگیں جیسے (سانپ کی طرح) چلتی دوڑتی ہوں سو موسیٰ (علیہ السلام) کے دل میں تھوڑا سا خوف ہوا کہ جب دیکھنے میں یہ رسیاں اور لاٹھیاں بھی سانپ معلوم ہوتی ہیں اور میرا عصا بھی بہت سے بہت سانپ بن جا دیگا تو دیکھنے والے تو دونوں چیزوں کو ایک ہی سمجھیں گے تو حق و باطل میں امتیاز کس طرح کریں گے، اور یہ خوف باقوتنائے طبع تھا ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یقین تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے تو اس کے تمام نشیب و فراز کا بھی انتظام کر دیگا اور اپنے مرسل کی کافی مدد کرے گا اور ایسا خوف طبعی جو درجہ و سوسہ میں تھا شان کمال کے منافی نہیں الغرض جب یہ خوف ہوا اسوقت) ہم نے کہا کہ تم ڈرو نہیں تم ہی غالب رہو گے اور اسکی صورت یہ ہے کہ، یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں جو



(عصا) ہے اس کو ڈال دو، ان لوگوں نے جو کچھ (سائنگ) بنایا ہے یہ (عصا) سب کو جگمگلا دیا۔  
یہ جو کچھ بنایا ہے جادو گروں کا سائنگ ہے اور جادو گر کہیں جادوے (معجزے کے مقابلے میں کبھی)  
کا میاب نہیں ہوتا (موسیٰ علیہ السلام کو تسلی ہو گئی کہ اب امتیاز خوب ہو سکتا ہے جتنا بچہ انھوں نے  
عصا ڈالا اور واقعی وہ سب کو جگمگلا گیا) سو جادو گروں (نے جو یہ فعل فوق السحر دیکھا تو سمجھ گئے کہ  
یہ بیشک معجزہ ہے اور فوراً ہی سب ہمدہ میں گر گئے (اور با آواز بلند) کہا کہ ہم تو ایمان لے آئے  
ہارون اور موسیٰ علیہما السلام کے پروردگار پر، فرعون نے (یہ واقعہ دیکھ کر جادو گروں کو بھمکایا  
اور کہا کہ بدون اسکے کہ میں تم کو اجازت دوں (یعنی میری خلاف مرضی) تم موسیٰ (علیہ السلام) پر  
ایمان لے آئے واقعی (معلوم ہوتا ہے کہ) وہ (سحر میں) تمہارے بھی بڑے (اور استاد) ہیں کہ  
انھوں نے تم کو سحر سکھلایا ہے (اور استاد شاگردوں نے سازش کر کے جنگ زرگری کی ہے تاکہ تم کو  
ریاست حاصل ہو) سو (اب حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے) میں تم سب کے ہاتھ پاؤں کٹواتا ہوں  
ایک طرف کا ہاتھ اور ایک طرف کا پاؤں اور تم سب کو کھجوروں کے درختوں پر لٹکواتا ہوں (تاکہ سب  
دیکھ کر عبرت حاصل کریں) اور یہ بھی تم کو معلوم ہوا جاتا ہے کہ ہم دونوں میں (یعنی مجھ میں اور رب موسیٰ  
میں) کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیر پا ہے ان لوگوں نے صاف جواب دیدیا کہ ہم تجھ کو کبھی ترجیح نہ  
دیں گے بمقابلہ ان دلائل کے جو ہم کو ملے ہیں اور بمقابلہ اس ذات کے جس نے ہم کو پیدا کیا ہے تجھ کو جو کچھ  
کرنا ہو (دل کھول کر گر ڈال تو بجز اسکے کہ اس دنیوی زندگی میں کچھ کر لے اور کر ہی کیا سکتا ہے بس  
ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے تاکہ ہمارے (پچھلے) گناہ (کنہ وغیرہ) معاف کر دیں اور تو نے جو  
جادو کے مقدمہ میں ہم پر زور ڈالا اس کو بھی معاف کر دیں اور اللہ تعالیٰ (باعتبار ذات و صفات کے  
بھی تجھ سے) بدرجہا اچھے ہیں اور (باعتبار ثواب و عقاب کے بھی) زیادہ بقا دالے ہیں (اور تجھ کو نہ خیریت  
نصیب ہے نہ بقا تو تیرا کیا انعام جس کا وعدہ ہم سے کیا تھا اور کیا عذاب جس کی اب وعید سناتا ہے اور  
اللہ تعالیٰ کے جس ثواب اور عذاب کو بقا ہے اس کا قانون یہ ہے کہ) جو شخص (بغادت کا) مجرم ہو کر  
(یعنی کافر ہو کر) اپنے رب کے پاس حاضر ہوگا سو اس کے لئے (دورِ خیر مقرر) ہے اس میں شرم ہی کا  
الانہ جسے ہی گا (نہ مرنا تو ظاہر ہے اور نہ جینا یہ کہ جینے کا آرام نہ ہوگا) اور جو شخص اس کے پاس  
مومن ہو کر حاضر ہوگا جس نے نیک کام بھی کئے ہوں سو ایسوں کے لئے بڑے اونچے درجے ہیں یعنی  
ہمیشہ رہنے کے باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے اور  
جو شخص (کفر و معصیت سے) پاک ہو اس کا یہی انعام ہے (پس اس قانون کے موافق ہم نے  
کفر کو چھوڑ کر ایمان اختیار کر لیا۔



## معارف و مسائل

جَمْعٌ كَيْدًا، فرعون نے اپنے کید یعنی مقابلہ موسیٰ علیہ السلام کی تدبیر میں ساحروں اور اُن کے آلات کو جمع کر لیا۔ حضرت ابن عباسؓ سے ان ساحروں کی تعداد بہتر منقول ہے اور دوسرے اقوال انکی تعداد میں بہت مختلف ہیں، چار سو سے لیکر نو لاکھ تک انکی تعداد بتلائی گئی ہے اور یہ سب اپنے ایک رئیس شمعون کے ماتحت اسکے حکم کی مطابقت کام کرتے تھے اور کہا جاتا ہے کہ انکار میں ایک اندھا آدمی تھا قرطبیؒ و ابن کثیرؒ موسیٰ علیہ السلام کا جادو گروں کو بغیر نہ خطاب | جادو کا مقابلہ معجزات سے کرنے سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادو گروں کو ہمدردانہ نصیحت آمیز چند کلمات کہہ کر اللہ کے عذاب سے ڈرایا وہ الفاظ یہ تھے **وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى اللَّهِ كَيْدٌ بِأَفْسَحَ مِنْ كَيْدِكُمْ** اے کفار! اب وہ کد خاب من افتری، یعنی تمہاری ہلاکت سامنے آچکی ہے، اللہ تعالیٰ پر افسردہ اور بہتان نہ لگاؤ کہ اسکے ساتھ خدائی میں فرعون یا کوئی اور شریک ہے، اگر تم ایسا کر دو گے تو وہ تم کو عذاب میں پس ڈالے گا اور تمہاری جڑ بنیاد اکھاڑ دے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتا ہے وہ انجام کارنا کام اور محروم ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ فرعون کی طاغوتی طاقت و قوت اور شتم و خدَم کے سہارے جو لوگ مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں آچکے تھے ان واعطائے کلمات کا اُن پر کوئی اثر ہونا بہت ہی بعید تھا مگر انبیاء علیہم السلام اور اُن کے متبعین کیساتھ حق کی ایک مخفی طاقت و شوکت ہوتی ہے اُن کے سادے الفاظ بھی سخت سے سخت دلوں پر تیر و نشتر کا کام کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ جملے سن کر ساحروں کی صفوں میں ایک زلزلہ پڑ گیا اور آپس میں اختلاف ہونے لگا کہ یہ کلمات کوئی جادو گر نہیں کہہ سکتا یہ تو اللہ ہی کی طرف سے معلوم ہوتے ہیں اس لئے بعض نے کہا کہ ان کا مقابلہ کرنا مناسب نہیں، اور بعض اپنی بات پر جھجے رہے **(فَتَنَّا زَعُورًا أَفْرَهُمْ بَيْنَهُمْ)** کا یہی مطلب ہے، پھر اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے آپس میں سرگوشی اور آہستہ مشورے ہونے لگے **(وَأَسْرَوْا الْعُجُورَ)** مگر بالآخر جموعی رائے مقابلہ کرنے ہی پر جم گئی اور کہنے لگے **إِنَّ هَذَا مِنْ لَدُنْ رَبِّكَ وَإِنْ يُخْرِجُكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمْ فَإِنَّ هَذَا بَطَرٌ بِقِيَّتِكُمْ الْمِثْلَى**، یعنی یہ دونوں جادو گر ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے ذریعہ تم کو یعنی فرعون اور آل فرعون کو تمہاری زمین مہر سے نکال دیں، مطلب یہ ہے کہ جادو کے ذریعہ تمہارے ملک پر اپنا قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہ تمہارا طریقہ جو سب سے افضل و بہتر ہے اسکو مٹا دیں **مِثْلَى**، امثل کا صیغہ مؤنث ہے جس کے معنی افضل و اعلیٰ کے ہیں، مطلب یہ تھا کہ تمہارا مذہب و طریقہ کہ فرعون کو اپنا خدا اور صاحب اختیار و اقتدار مانتے ہو یہی سب سے افضل و بہتر

حضرت نافع مدنیؒ وغیرہ کی قرأت میں **إِنَّ هَذَا مِنْ لَدُنْ رَبِّكَ** منقول ہے۔ یہ بظاہر عربی زبان کے محوری قاعدہ کے خلاف ہے مگر اس کا جواب یہ ہے کہ عرب کے بعض لغات میں یہ صورت بھی جائز ہے۔ (نصف القرطبی)



طریقہ ہے یہ لوگ اس کو ہٹا کر اپنا دین و مذہب پھیلانا چاہتے ہیں اور لفظ طریقہ کے ایک معنی یہ بھی آتے ہیں کہ قوم کے سرداروں اور تماندہ لوگوں کو اس قوم کا طریقہ کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور علی مرتضیٰؓ سے اس جگہ طریقہ کی یہی تفسیر منقول ہے کہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تمہاری قوم کے سرداروں اور با عزت لوگوں کو ختم کر دیں، اسلئے تم لوگوں کو چاہیے کہ مقابلہ کے لئے اپنی پوری تدبیر و توانائی صرف کر دو اور سب جادوگر صفت بستہ ہو کر یکبارگی اُن کے مقابلے پر عمل کرو (فَأَجْمَعُوا كَيْدَكُمْ تَحْتِ أَصْفًا) صفت بستہ ہونے کو مقابل پر رُعب ڈالنے کا ایک خاص اثر ہوتا ہے اس لئے جادوگروں نے اپنی صفت بندی کر کے مقابلہ کیا۔

جادوگروں نے اپنی بے فکری اور بے پروائی کا مظاہرہ کرنے کے لئے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی سے کہا کہ پہلے آپ کرتے ہیں یا ہم کریں یعنی پہلے آپ اپنا عمل کرتے ہیں یا ہم کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا بَلْ أَتَقُولُوا یعنی پہلے تمہیں ڈالو اور اپنے جادو کا کرشمہ دکھلاؤ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس جواب میں بہت سی حکمتیں مضمر تھیں۔ اول تو ادب مجلس کہ جب جادوگروں نے اپنا یہ حوصلہ دکھلایا کہ مخالفت کو پہلے حملہ کرنے کی اجازت دی تو اسکا شریفانہ جواب یہی تھا کہ ان کی طرف سے اس سے زیادہ حوصلے کے ساتھ ان کو ابتداء کرنے کی اجازت دی جائے۔ دوسرے یہ کہ جادوگروں کا یہ کہنا اپنے اطمینان اور بے فکری کا مظاہرہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن ہی کو ابتداء کرنے کا موقع دیکر اپنی بے فکری اور اطمینان کا ثبوت دیدیا۔ تیسرے یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے انکے جادو کے سب کرشمے آجادیں اسکے بعد اپنے معجزات کا اظہار کریں تو بیک وقت غلبہ حق کا ظہور واضح طور پر ہو جائے۔ جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد پر اپنا عمل شروع کر دیا اور اپنی لاٹھیاں اور رتیاں جو بڑی تعداد میں تھیں بیک وقت زمین پر ڈال دیں اور وہ سب کی سب بظاہر سانپ بن کر دوڑتی ہوئی نظر آنے لگیں۔

يَخْتَلِلُ إِلَيْهِ مِنْ سَخِرَ بِهِمْ أَتْرَقَاتِهِمْ (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون جادوگروں کا جادو ایک قسم کی نظر بندی تھی جو سمریزم کے ذریعہ بھی ہو جاتی ہے کہ دیکھنے والوں کو یہ لاٹھیاں اور رتیاں سانپ بن کر دوڑتی ہوئی دکھائی دینے لگیں، وہ حقیقتہً سانپ نہ بنی تھیں اور اکثر جادو اسی قسم کے ہوتے ہیں) فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُوسَى، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ صورت حال دیکھ کر خوف طاری ہوا جس کو اُنہوں نے اپنے نفس میں چھپائے رکھا دوسروں پر بظاہر نہیں ہونے دیدیہ خوف اگر موسیٰ علیہ السلام کو اپنی جان کے لئے ہوا تو مقتضائے بشریت سے ایسا ہونا نبوت کے خلاف نہیں لیکن ظاہر یہ ہے کہ خوف اپنی جان کا نہیں تھا بلکہ اسکا تھا کہ اس مجمع کے سامنے ساحروں کا غلبہ محسوس کیا گیا تو جو مقصد دعوت نبوت کا تھا وہ پورا نہ ہو سکے گا اسی لئے اسکے



جواب میں حق تعالیٰ کی طرف سے ہوا ارشاد ہوا اسی میں یہ الطینان دلایا گیا کہ جادو گر غالب آسکیں گے آپ ہی کو فتح اور غلبہ حاصل ہوگا۔ اگلی آیت میں لَا تَحْقُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰیٰ فسر ماکر اس خطرہ کو دور کیا گیا ہے۔

وَاَتٰی قَارِیَیْنِیْمٰیْنِکَ ، موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی خطاب ہوا کہ آپ کے ہاتھ میں جو چیز ہے اُس کو ڈال دو، مراد اس سے موسیٰ علیہ السلام کی عصا تھی مگر یہاں عصا کا ذکر نہیں فرمایا۔ اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ اُن کے جادو کی کوئی حقیقت نہیں، اسکی پردہ نہ کر د اور جو کچھ بھی تمہارے ہاتھ میں ہو ڈال دو وہ اُنکے سب سانپوں کو بنگل جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی عصا ڈال دی وہ ایک بڑا اثر دہا بن کر ان سب جادو کے سانپوں کو بنگل گیا۔

فرعونی جادو گردوں کا مسلمان حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عصا نے اثر دہا بن کر جب اُن کے خیالی سانپوں ہو کر سجدہ میں پڑ جانا کو بنگل لیا تو چونکہ یہ لوگ جادو کے ماہرین تھے ان کو یقین ہو گیا کہ یہ کام جادو کے ذریعہ نہیں ہو سکتا بلکہ یہ بلاشبہ معجزہ ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ظاہر ہوتا ہے اسلئے سجدہ میں گر گئے اور اعلان کر دیا کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لے آئے۔ بعض روایات حدیث میں ہے کہ ان جادو گردوں نے سجدہ سے اُس وقت تک سر نہیں اٹھایا جب تک کہ اُن کو جنت اور دوزخ کا مشاہدہ قدرت نے نہیں کرا دیا (رواہ عبد بن حمید وابن ابی سحاق وابن المنذر عن عکرمہ - رحمہ)

قَالَ اٰمَنْتُوْا لَہٗ قَبْلَ اَنْ اَذِنَ لَکُمْ ، فرعون کی رسوائی اللہ تعالیٰ نے اس عظیم الشان مجمع کے سامنے واضح کر دی تو پوچھ لاکر اول تو ساحروں کو یہ کہنے لگا کہ بغیر میری اجازت کے تم کیسے ان پر ایمان لائے۔ گویا لوگوں کو یہ بتلانا تھا کہ میری اجازت کے بغیر ان جادو گردوں کا کوئی قول فعل معتبر نہیں مگر ظاہر ہے کہ اس کھلے ہوئے معجزہ کے بعد کسی کی اجازت کی ضرورت کسی عاقل انسان کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتی اس لئے اب جادو گردوں پر اس سازش کا الزام لگایا کہ اب معلوم ہوا کہ تم سب موسیٰ کے شاگرد ہو اسی جادو گرد نے تمہیں جادو سکھایا ہے اور تم نے سازش کر کے اُس کے سامنے اپنی ہار مان لی ہے۔

فَلَا قَطِیْعَۃَ اَیْدِیْکُمْ وَاَرْجُلُکُمْ مِّنْ خِلَافٍ ، اب جادو گردوں کو سخت سزا دے ڈرایا کہ تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں گے جس کی صورت یہ ہوگی کہ داہنا ہاتھ کٹے گا تو بایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔ یہ صورت یا تو اسلئے تجویز کی کہ فرعونی قانون میں سزا کا یہی طریقہ رائج ہو گیا یا اسلئے کہ اس صورت میں انسان ایک عبرت کا نمونہ بن جاتا ہے وَلَا وَصِیَّتَیْکُمْ فِیْ جُنُوْدِیْمِ النَّحْلِ یعنی ہاتھ پاؤں کاٹ کر پھسرتھیں کھجور کے درختوں پر سولی دی جا دیگی کہ تم اُن پر اسی طرح شکنے رہو گے یہاں تک کہ بھوک اور پیاس سے مر جاؤ۔



قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَكَ عَلَى مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا، جاد و گدوں نے فرعون کی یہ سخت دھمکی اور سخت سزا دینے کا اعلان سُنکر اپنے ایمان پر بڑی سختی کا ثبوت دیا۔ کہنے لگے کہ ہم تجھے یا تیرے کسی قول کو اُن بیانات و معجزات پر ترجیح نہیں دے سکتے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ ہمارے سامنے آچکے ہیں۔ حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ جادوگر جب سجدہ میں گرے تو اللہ تعالیٰ اُن کو جنت کے ان مقاماتِ عالیہ اور نعمتوں کا مشاہدہ کرا دیا جو اُن کو ملنے والے تھے اسکو ان لوگوں نے کہا کہ ان بیانات کے ہوتے ہوئے ہم تیری بات نہیں مان سکتے (قطعی) نیز خالق کائنات ربِّ سموات کو چھوڑ کر تجھے اپنا رب نہیں مان سکتے فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ، اب جو تیرا جی چاہے ہمارے بارے میں فیصلہ کر، اور جو چاہے سزا تجویز کر۔ إِنَّمَا تُقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا، یعنی اگر تو نے ہمیں سزا دے بھی دی تو وہ سزا صرف اسی دُنیا کی چند روزہ زندگی ہی تک ہوگی مرنے کے بعد تو تیرا ہم پر قبضہ نہیں ہے گا بخلاف حق تعالیٰ کے کہ ہم اسکے قبضہ میں مرنے سے پہلے بھی ہیں اور مرنے کے بعد بھی، اُس کی سزا کی فکر سب سے مقدم ہے۔

وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ، جادوگروں نے اب فرعون پر یہ الزام لگایا کہ ہمیں جادوگری پر تو نے ہی مجبور کر رکھا تھا ورنہ ہم اس لغو کام کے پاس نہ جاتے ، اب ہم ایمان لا کر اللہ سے اس جادو کے گناہ کی بھی معافی مانگتے ہیں ۔ یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ یہ جادوگر تو خود اپنے اختیار سے مقابلہ کرنے کے لئے آئے تھے اور اس مقابلہ کی سودا بازی بھی فرعون سے کر چکے تھے کہ ہم غالب آئیں گے تو کیا ملے گا ، پھر انکا فرعون پر یہ الزام لگانا کہ تو نے ہمیں جادو کرنے پر مجبور کر رکھا تھا یہ کیسے صحیح ہوگا ؟ اسکی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ یہ جادوگر شروع میں تو شاہی انعام و اکرام کے لالچ میں مقابلہ کے لئے تیار تھے بعد میں ان کو کچھ احساس ہوا کہ ہم معجزہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے اُس وقت فرعون نے ان کو مجبور کیا ۔ دوسری وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ فرعون نے اپنے ملک میں جادوگری کی تعلیم کو جبری بنایا ہوا تھا اسلئے ہر شخص جادو سیکھنے پر مجبور تھا (روح)

۱۔ اہلۃ فرعون آسیہ کا انجام خیر | تفسیر قرطبی میں ہے کہ حق و باطل کے اس محرکہ کے وقت فرعون کی بیوی برابر خبر رکھتی رہی کہ انجام کیا ہوا۔ جب اُس کو یہ بتلایا گیا کہ موسیٰ و ہارون غالب آگئے تو فوراً اُس نے اعلان کر دیا کہ میں بھی رب موسیٰ و ہارون پر ایمان لے آئی۔ فرعون کو اپنے گھر کی خبر لگی تو حکم دیا کہ ایک بڑے پتھر کی چٹان اُٹھا کر اسکے اُپر ڈال دو۔ آسیہ نے جب یہ دیکھا تو آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور اللہ سے فریاد کی۔ حق تعالیٰ نے پتھر اسکے اُپر گرنے سے پہلے اسکی روح قبض کر لی پھر پتھر اُس بے جان جسم پر گرا۔

فرعونی جادوگروں میں عجیب انقلاب | اِنَّهٗ مِّنْ یَّاتِیَةِ رَبِّہٖ جُحُوْمًا اِلٰی ذٰلِکَ جُزْءًا مِّنْ تَزَكٰی



یہ کلمات اور حقائق جنکا تعلق خالص اسلامی عقائد اور عالم آخرت سے ہے ان جادو گروں کی زبان سے ادا ہو رہے ہیں جو ابھی ابھی مسلمان ہوئے ہیں اور اسلامی عقائد و اعمال کی کوئی تعلیم ان کو ملی نہیں، یہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صحبت کی برکت اور ان کے اخلاص کا اثر تھا کہ حق تعالیٰ نے ان پر دین کے تمام حقائق ان کی آن میں ایسے کھول دیئے کہ ان کے مقابلے میں نہ اپنی جان کی پر داری نہ کسی بڑی سے بڑی سزا اور تکلیف کا خوف رہا، گویا ایمان کیساتھ ساتھ ہی ان کو دلالت کا بھی وہ مقام حاصل ہو گیا جو دوسروں کو عمر بھر کے مجاہدوں و ریاضتوں سے بھی حاصل ہونا مشکل ہے **فَقَدَّرْنَا لَكَ اللَّهُ أَحْسَنَ الْخُلَاقِينَ** حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور عبید بن عمیرؓ نے فرمایا کہ قدرت حق کا یہ کرشمہ دیکھو کہ یہ لوگ شروع دن میں کفار جادو گر تھے اور آخر دن اولیاء اللہ اور شہداء رہ گئے (ابن کثیر)

وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ ۖ أَنِ اسْرِ بِعِبَادِي فَاصْرِبْ

اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کو کہ لے بھل میرے بندوں کو رات سے پھر

لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَا تَخَفْ دَرَكَاوَلَا تَحْشَى ۝۷۷

ڈال دے ان کے لئے سمندر میں رستہ سوسکا نہ خطرہ کر آپکھڑنے کا اور نہ ڈر ڈوبنے سے

فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَبِجُودٍ ۖ فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۝۷۸

پھر پیچھا کیا ان کا فرعون نے اپنے لشکروں کو لے کر، پھر ڈھانپ لیا ان کو پانی نے جیسا کہ ڈھانپ لیا

وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَهْدَى ۝۷۹ يَبْنِي إِسْرَءِيلَ

اور بہکایا فرعون نے اپنی قوم کو اور نہ سمجھایا اے اسرائیل

قَدْ أَجَيْنَاكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوَعَدْنَاكُمْ جَانِبَ الطُّورِ الْأَيْمَنِ

چھڑا لیا ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے اور وعدہ ٹھہرایا تم سے دائیں طرف پہاڑ کی

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَى ۝۸۰ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ

اور اتارا تم پر من اور سلوی کھاؤ مستحضر چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو

وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي ۖ وَمَنْ يَحِلَّ عَلَيْهِ

اور نہ کرو اس میں زیادتی پھر تو اترے گا تم پر میرا غصہ اور جس پر اُترا میرا

غَضَبِي فَقَدْ هَوَى ۝۸۱ وَإِلَىٰ الْغَفَّارِ لِمَنْ تَابَ وَآمَنَ

غصہ سودہ ہٹکا گیا اور میری بڑی بخشش ہے اس پر جو توبہ کرے اور یقین لائے



## وَعَمِلَ صَالِحًا ثَمَّ اهْتَدَى ۝۸۲

اور کرے بھلا کام پھر راہ پر رہے

## خلاصہ تفسیر

اور جب فرعون اس پر بھی ایمان نہ لایا اور ایک عرصہ تک مختلف معاملات و واقعات ہوتے رہے اسوقت ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس وحی بھیجی کہ ہمارے (ان) بندوں کو (یعنی بنی اسرائیل کو مصر سے) راتوں رات (باہر) لے جاؤ اور دُور چلے جاؤ تاکہ فرعون کے ظلم و شرائد سے ان کو نجات ہو، پھر (راہ میں جو دریا ملے گا تو) ان کے لئے دریا میں (عصا مار کر) خشک استہ بنا دینا (یعنی عصا مار تاکہ اس سے خشک راستہ بن جاوے گا) نہ تو تم کو کسی کے تعاقب کا اندیشہ ہوگا (کیونکہ اہل تعاقب کامیاب نہ ہونگے گو تعاقب کریں) اور نہ اور کسی قسم کا (مثلاً غرق وغیرہ کا) خوف ہوگا (بلکہ امن و اطمینان سے پار ہو جاؤ گے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام موافق حکم کے انکو شب شب نکال لے گئے اور صبح مصر میں خبر مشہور ہوئی) پس فرعون اپنے لشکر کو لیکر ان کے پیچھے چلا (اور بنی اسرائیل موافق وعدہ الہیہ کے دریا سے پار ہو گئے اور ہنوز وہ دریائی راتے اسے طرح اپنی حالت پر تھے جیسا دوسری آیت میں ہے وَأَنزَلْنَا الْبَحْرَ فَمِنْ مَّتَّحِقُونَ فرعون نے جلدی میں کچھ آگاہیچھا سوچا نہیں، ان رستوں پر ہوئے، جب سب اندر آ گئے) تو اس وقت چاروں طرف سے، دریا (کا پانی سمٹ کر) ان پر جیسا ملنے کو تھا آ ملا (اور سب غرق ہو کر رہ گئے) اور فرعون نے اپنی قوم کو بُری راہ پر لگایا اور نیک راہ ان کو نہ بتلائی (جس کا اس کو دعویٰ تھا فَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ اور بُری راہ ہونا ظاہر ہے کہ دنیا کا بھی ضرر ہوا کہ سب ہلاک ہوئے اور آخرت کا بھی، کیونکہ جہنم میں گئے جیسا کہ آیت میں وَأَدْخَلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ پھر بنی اسرائیل کو فرعون کے تعاقب اور غرق دریا سے نجات کے بعد اور نعمتیں عنایت ہوئیں مثلاً عطاۃ توراۃ اور من و سلویٰ، ان نعمتوں کو عطا کر کے ہم نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ) اے بنی اسرائیل (دیکھو) ہم نے تم کو کیسی کیسی نعمتیں دیں کہ تم کو تمہارے (ایسے بڑے) دشمن سے نجات دی اور ہم نے تم سے (یعنی تمہارے پیغمبر سے تمہارے نفع کے واسطے) کوہ طور کی داہنی جانب آئیکا (اور وہاں آئیکے بعد توراۃ دینے کا) وعدہ کیا اور (وادی تیبہ میں) ہم نے تم پر من و سلویٰ نازل فرمایا (اور اجازت دی کہ) ہم نے جو نفیس چیزیں (شرعاً بھی کہ حلال ہیں اور طبعاً بھی کہ لذیذ ہیں) تم کو دی ہیں ان کو کھاؤ اور اس (کھانے) میں حد (شرعی) سے مت گزر دو (مثلاً یہ کہ حرام سے حاصل کیا جاوے، کذا فی الدرر یا کھا کر معصیت



کی جاوے کہیں میرا غضب تم پر واقع ہو جائے، اور جس شخص پر میرا غضب واقع ہوتا ہے وہ بالکل گیا گزرا ہوا اور (نیز اُسکے ساتھ یہ بھی ہے کہ) میں ایسے لوگوں کے لئے بڑا بخشش والا بھی ہوں جو کفر و معصیت سے توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں پھر اسی راہ پر قائم (بھی) رہیں (یعنی ایمان و عمل صالح پر مداومت کریں) یہ مضمون ہم نے بنی اسرائیل کے کہا تھا کہ تذکیر نعمت اور امر بالشکر و نہی عن المعصیت اور وعدہ وعید یہ خود بھی دینی نعمت ہے۔

## معارف و مسائل

وَ اَوْحَيْنَا اِلٰى مُوسٰى ، حَقِّ دَبَا طِلْ مَعْرَہ اور جادو کے فیصلہ کن معرکہ نے فرعون اور آل فرعون کی کمر توڑ دی اور بنی اسرائیل حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی قیادت میں جمع ہو گئے تو اب اُن کو یہاں سے ہجرت کا حکم ملتا ہے۔ اور چونکہ فرعون کے تعاقب اور آگے دریا کے راستہ میں حائل ہونے کا خطرہ سامنے تھا اس لئے دونوں چیزوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مطمئن کر دیا گیا کہ دریا پر اپنی لاشی ماریں گے تو درمیان سے خشک راستہ نکل آئیں گے اور پیچھے سے فرعون کے تعاقب کا خطرہ نہ رہے گا جسکا تفصیلی واقعہ حدیث الفتون کے تحت میں اسی سورہ میں گزر چکا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا پر لاشی ماری تو اس میں بارہ سڑکیں اس طرح بن گئیں کہ پانی کے تودے بحر منجمد کی طرح دونوں طرف پہاڑ کی برابر کھڑے رہے اور درمیان سے راستے خشک نکل آئے جیسا کہ سورہ شعراء میں ہے فَكَانَ كَلِّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ، اور درمیان میں جو یہ پانی کی دیواریں ان بارہ سڑکوں کے درمیان تھیں اُن کو قدرت نے ایسا بنا دیا کہ ایک سڑک سے گزرنے والے دوسری سڑکوں سے گزرنے والوں کو دیکھتے بھی جاتے تھے اور باہم باتیں بھی کر رہے تھے تاکہ ان کے دلوں میں یہ خوف و ہراس بھی نہ رہے کہ ہمارے دوسرے قبیلوں کا کیا حال ہوا (قرطبی) مصر سے نکلنے کے وقت بنی اسرائیل کے بعض تفسیر روح المعانی میں یہ روایت ہے کہ حضرت حالات اور اُن کی تعداد اور لشکر فرعون کی تعداد موسیٰ علیہ السلام شروع رات میں بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے دریا کے قلم کی طرف نکلے۔ بنی اسرائیل نے اس سے پہلے شہر کے لوگوں میں یہ شہرت دیدی تھی کہ ہماری عید ہے ہم عید منانے کے لئے باہر جائیں گے اور اس بہانے سے قبیلے لوگوں سے کچھ زیورات عاریۃ مانگ لئے کہ عید سے آکر واپس کر دیں گے۔ بنی اسرائیل کی تعداد اسی چھ لاکھ تین ہزار اور دوسری روایت میں چھ لاکھ ستر ہزار تھی (یہ اسرائیلی روایات ہیں جنہیں مبالغہ ہو سکتا ہے لیکن اتنی بات قرآن کریم کے اشارات اور روایات حدیث سے ثابت ہے کہ اُن کے بارہ قبیلے تھے اور ہر قبیلے کی بہت بڑی تعداد تھی۔ یہ بھی قدرت حق تعالیٰ کا ایک عظیم مشاہدہ تھا کہ



جب یہ حضرات یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر آئے تو بارہ بھائی تھے، اب بارہ بھائیوں کے بارہ قبیلوں کی اتنی عظیم الشان تعداد مصر سے نکلی جو چھ لاکھ سے زائد بتلائی جاتی ہے۔ فرعون کو جب ان کے نیکل جانے کی اطلاع ملی تو اپنی فوجیں جمع کیں جنہیں ستر ہزار سیاہ گھوڑے تھے اور لشکر کے مقدمہ میں سات لاکھ سوار تھے۔ جب پیچھے سے اس فوجی سیلاب کو اور آگے دریائے قلزم کو بنی اسرائیل نے دیکھا تو گھبرا اٹھے اور موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی إِنَّا لَمُذْکَرُونَ، کہ ہم تو پکڑ لئے گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے تسلی دی کہ إِنِّ مَعِيَ رَبِّی سَبِّحْهُ، کہ میرے ساتھ میرا رب ہے، وہ مجھے راستہ دے گا، پھر حکیم ربانی دریا پر لاشی ماری اور اُس میں بارہ سڑکیں خشک نکل آئیں۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے اُن سے گزر گئے۔ جس وقت فرعون اور اس کا لشکر یہاں پہنچا تو لشکر فرعون یہ حیرت انگیز منظر دیکھ کر سہم گیا کہ ان کے لئے دریا میں کس طرح راستے بن گئے مگر فرعون نے اُن کو کہا کہ یہ سب کرشمہ میری ہیبت کا ہے جس سے دریا کی روانگی رک کر راستے بن گئے ہیں یہ کہہ کر فوراً آگے بڑھ کر اپنا گھوڑا دریا کے اس راستہ میں ڈال دیا اور سب لشکر کو پیچھے آنیکا حکم دیا۔ جس وقت فرعون مع اپنے تمام لشکر کے ان دریائی راستوں کے اندر سما چکے اُسی وقت حق تعالیٰ نے دریا کو روانی کا حکم دیدیا اور دریا کے سب حصے بل گئے فَغَشَّیْهُم مِّنَ الیَمِّ مَاءٌ غَشِیْهُم کا یہی حاصل ہے وَوَعَدْنَاكَ جَانِبَ الطُّورِ الْاَیْمَنِ، فرعون سے نجات اور دریا سے پار ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور اُن کے واسطے سے تمام بنی اسرائیل سے یہ وعدہ فرمایا کہ وہ کوہ طور کی داہنی جانب چلے آئیں تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کی جائے اور بنی اسرائیل خود بھی ان کے شرف ہم کلامی کا مشاہدہ کر لیں۔

وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْمَنَّاءَ وَالسَّلَویٰ، یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب بنی اسرائیل عبور دریا کے بعد آگے بڑھے اور ایک مقدس شہر میں داخل ہو نیکا اُن کو حکم ملا۔ اُنھوں نے خلافت درزی کی، اسکی یہ سزا دی گئی کہ اسی دادی میں جس کو دادی تہ کہتے ہیں قید کر دیئے گئے۔ یہاں سے چالیس سال تک باہر نہ نکل سکے۔ اس سزا کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے اُن پر اس قید کے زمانے میں بھی طرح طرح کے انعامات ہوتے رہے اُنھیں میں سے من و سلویٰ کا انعام تھا جو انکی غذا کیلئے دیا جاتا تھا۔



وَمَا أَجْعَلْكَ عَنْ قَوْمِكَ يَمُوسَى ۝۸۳ قَالَ هُمْ أُولَاءِ عَلَى

اور کیوں جلدی کی تو نے اپنی قوم سے اسے موسیٰ بولا وہ یہ آ رہے ہیں میرے

اَثَرِي وَبَجَلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَى ۝۸۴ قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا

پیچھے اور میں جلدی آیا تیری طرف اے میرے رب تاکہ تو راضی ہو، فرمایا ہم نے تو بیکار دیا

قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝۸۵ فَرَجَعَ مُوسَى

تیری قوم کو تیرے پیچھے اور بہکایا ان کو سامری نے پھر اٹھا پھر موسیٰ

إِلَى قَوْمِهِ غَضَبَانَ أَيسِفَاۗهُ قَالَ يَقَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ

اپنی قوم کے پاس غصہ میں بھرا پچھتاہوا کہا اے قوم کیا تم سے وعدہ نہ کیا تھا

رَبُّكُمْ وَعَدًا حَسَنًا أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ أَرَدْتُمْ

تہا اے رب نے اچھا وعدہ کیا طویل ہو گئی تم پر مدت یا چاہا تم نے

أَنْ يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُم مَّوْعِدِي ۝۸۶

کہ اترے تم پر غضب تمہارے رب کا اس لئے خلاف کیا تم نے میرا وعدہ

قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلِكِنَا وَلَكِنَّا حَمَلْنَا أَوْزَانًا

بولے ہم نے خلاف نہیں کیا تیرا وعدہ اپنے اختیار سے لیکن اٹھوایا ہم سے بھاری بوجھ

مِّنْ زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَدْ تَفَنَّا فَكَذَلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ

قوم فرعون کے زیور کا سوہم نے اسکو پھینک دیا، پھر اس طرح ڈھالا سامری نے

فَاخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا آلِهَهُ خَوَّارُ فَقَالُوا هَذَا إِلَهُكُمْ

پھر بنا نکالا انکے واسطے ایک بچڑا ایک دھڑ جس میں آواز گانے کی، پھر کہنے لگے یہ معبود ہے تمہارا

وَاللَّهُ مُوسَىٰ هَٰ قَلْبِي ۝۸۸ أَفَلَا يَرَوْنَ إِلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ

اور اللہ ہے موسیٰ کا سودہ بھول گیا بھلا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ جواب تک نہیں دیتا ان کو

قَوْلًا ۚ وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۝۸۹

کسی بات کا اور اختیار نہیں رکھتا ان کے بڑے کا اور نہ بھلے کا



## خلاصہ تفسیر

اور جب اللہ تعالیٰ کو توراۃ دینا منظور ہوا تو موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر آنیکا حکم فرمایا اور قوم کو بھی یعنی بعضوں کو ساتھ آنیکا حکم ہوا (کہ انی فتح المتان عن الباب التاسع عشر من سفر الخروج) موسیٰ علیہ السلام شوق میں سب سے آگے تنہا جا پہنچے اور دوسرے لوگ اپنی جگہ رہ گئے طور کا ارادہ ہی نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ، اے موسیٰ، آپ کو اپنی قوم سے آگے جلدی آنیکا کیا سبب ہوا، انھوں نے (اپنے گمان کے موافق) عرض کیا کہ وہ لوگ یہی تو ہیں میرے پیچھے پیچھے (آ رہے ہیں) اور میں (سب سے پہلے) آپ کے پاس (یعنی اُس جگہ جہاں مکالمت و مخاطبت کا آپ نے وعدہ فرمایا) جلدی سے اس لئے چلا آیا کہ آپ (زیادہ) خوش ہونگے (کیونکہ ایشال امر میں پیشقدمی کرنا زیادہ موجب خوشنودی کا ہے) ارشاد ہوا کہ تمہاری قوم کو تو ہم نے تمہارے (چلے آنے کے) بعد ایک بلا میں مبتلا کر دیا اور ان کو سامری نے گمراہ کر دیا (جسکا بیان آگے آتا ہے) فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا لِّمَآءٍ اور فتنائیں اس ابتلا کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب اس لئے کیا کہ خالق ہر فعل کا دہی ہے درنہ اصل نسبت اس فعل کی سامری کی طرف ہے جس کو اَضَاعَهُمُ السَّامِرِيُّ میں ظاہر فرمایا ہے، غرض موسیٰ (علیہ السلام) بعد انقضائے میعاد کے، غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف واپس آئے (اور) فرمانے لگے کہ اے میری قوم کیا تم سے تمہارے رب نے ایک اچھا (اور سچا) وعدہ نہیں کیا تھا (کہ ہم تمکو ایک کتاب احکام کی دیں گے تو اس کتاب کا تو تم کو انتظار واجب تھا) کیا تم پر (میعاد مقرر سے بہت) زیادہ زمانہ گزر گیا تھا (کہ اس کے ملنے سے ناامیدی ہو گئی اسلئے اپنی طرف سے ایک عبادت ایجاد کر لی) یا (باوجود ناامیدی نہ ہونے کے) تم کو یہ منظور ہوا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب واقع ہو اس لئے تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا کہ آپ کی واپسی تک کوئی نیا کام نہ کریں گے اور آئیے نائب ہارون علیہ السلام کی اطاعت کریں گے، اُسکے خلاف کیا وہ کہنے لگے کہ ہم نے جو آپ سے وعدہ کیا تھا اسکو اپنے اختیار سے خلاف نہیں کیا (یعنی نہیں کہ کسی نے اُن سے زبردستی یہ فعل کرایا بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس رائے کو ہم نے ابتداءً جبکہ خالی الذہن تھے اختیار کر لیا تھا، اس کے خلاف سامری کا فعل ہمارے لئے منشأً اشتباہ بن گیا جس سے ہم نے وہ رائے سابق یعنی توحید اختیار نہ کی بلکہ رائے بدل گئی۔ گو اس پر بھی عمل اختیار ہی سے ہوا چنانچہ آئندہ کہا گیا) لیکن قوم (قبط) کے زیور میں سے ہم پر بوجہ لدر ہا تھا سو ہم نے اسکو (سامری کے کہنے سے آگ میں) ڈال دیا پھر اسی طرح سامری نے (بھی) اپنے ساتھ کا زیور (ڈال دیا) آگے اللہ تعالیٰ قصہ کی تکمیل اس طرح فرماتے ہیں، پھر اُس (سامری) نے ان لوگوں کے لئے ایک بچھڑا (بناکرم) ظاہر



میرا کہ وہ ایک قالب (خالی از کمالات) تھا جس میں ایک (بے معنی) آواز تھی سو (اسکی نسبت وہ حق) لوگ (ایک دوسرے سے) کہنے لگے کہ تمہارا اور موسیٰ کا بھی معبود تو یہ ہے (اسکی عبادت کرو) موسیٰ تو بھول گئے کہ طور پر خدا کی طلب میں گئے ہیں حق تعالیٰ ان کی احمقانہ جسارت پر فرماتے ہیں کہ کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں دیکھتے تھے کہ وہ (بواسطہ یا بلا واسطہ) نہ تو ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کے کسی ضرر یا نفع پر قدرت رکھتا ہے (ایسا ناکارہ خدا کیا ہوگا اور اللہ حق بواسطہ انبیاء کے خطاب کلام ضروری فرماتا ہے)۔

## معارف و مسائل

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل فرعون کے تعاقب اور دریا سے نجات پانے کے بعد آگے بڑھے تو ان کا گزر ایک بُت پرست قوم پر ہوا اور ان کی عبادت و پرستش کو دیکھ کر بنی اسرائیل کہنے لگے کہ جس طرح انھوں نے موجود اور محسوس چیزوں یعنی بتوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے ہمارے لئے بھی کوئی ایسا ہی معبود بنا دیجئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے احمقانہ سوال کے جواب میں بتلایا کہ تم بڑے جاہل ہو یہ بُت پرست لوگ تو سب ہلاک ہونے والے ہیں اور ان کا طریقہ باطل ہے اِنَّكُمْ قَوْمٌ يَّجَاهِلُونَ اِنَّ هُوَ الَّذِي مَخْلُوعٌ مَّا تَعْبُدُوْنَ فِيْهِ وَاَنْتُمْ كَاٰنُوا يَٰعْمَلُوْنَ اس وقت حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ وعدہ فرمایا کہ اپنی قوم کے ساتھ کوہ طور پر آجائیے تو ہم آپ کو اپنی کتاب تورات عطا کریں گے جو آپ کے اور آپ کی قوم کے لئے دستور العمل ہوگا مگر عطار تورات سے پہلے آپ تیس روز اور تیس رات کا مسلسل روزہ رکھیں پھر اس کے بعد اس میعاد میں دس کا اور اضافہ کر کے چالیس روز کر دیئے گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام مع اپنی قوم کے کوہ طور کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وعدہ زبانی کی وجہ سے شوق بھرک اٹھا اور اپنی قوم کو یہ نصیحت کر کے آگے چلے گئے کہ تم بھی میرے پیچھے آباد، میں آگے جا کر عبادت روزہ وغیرہ میں مشغول ہوتا ہوں جبکی میعاد مجھے تیس روز بتلائی گئی ہے، میری غیبت میں ہارون علیہ السلام میرے نائب اور قائم مقام ہوں گے۔ بنی اسرائیل مع ہارون علیہ السلام کے اپنی رفتار سے پیچھے چلتے رہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جلدی کر کے آگے بڑھ گئے اور خیال یہ تھا کہ قوم کے لوگ بھی پیچھے پیچھے کوہ طور کے قریب پہنچیں گے مگر وہاں وہ سامری کا فتنہ گوسالہ پرستی کا پیش آگیا۔ بنی اسرائیل کے تین فرقے ہو کر اختلاف میں مبتلا ہو گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے پیچھے پہنچنے کا معاملہ رک گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حاضر ہوئے تو حق تعالیٰ نے یہ خطاب فرمایا وَمَا اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوسٰی، یعنی اے موسیٰ آپ اپنی قوم سے آگے جلدی کر کے کیوں آگئے۔



حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عجلت کرنے کا سوال اور اس کی حکمت

سوال کا مقصد بظاہر یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی حالت سے بے خبر رہ کر یہ توقع کر رہے تھے کہ وہ بھی کوہ طور کے قریب گئے ہونگے اور قوم فتنہ میں مبتلا ہو چکی ہے اس کی خبر موسیٰ علیہ السلام کو دیدی جائے (انفسیادہن کثیر) اور روح المعانی میں بحوالہ کشف اس سوال کی وجہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کی تربیت کے متعلق ایک خاص ہدایت دینا اور ان کی اس عجلت پر تنبیہ کرنا تھا کہ آپ کے منصب رسالت کا تقاضا یہ تھا کہ قوم کے ساتھ رہتے ان کو اپنی نظر میں رکھتے اور ساتھ لاتے۔ آپ کی عجلت کو نیکاً یہ نتیجہ ہوا کہ قوم کو سامری نے گمراہ کر دیا۔ اس میں خود فعل عجلت کی مذمت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ شان انبیاء کی نہ ہونی چاہیے۔ اور بحوالہ انصاف نقل کیا ہے کہ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قوم کی ساتھ سفر کر نیکاً طریقہ بتلایا گیا کہ رئیس القوم کو پیچھے رہنا چاہیے جیسے لوط علیہ السلام کے واقعہ میں حق تعالیٰ نے اُن کو حکم دیا کہ مؤمنین کو اپنے ساتھ لیکر شہر سے نکل جائیے، اُن کو آگے رکھ کر خود اُن سب کے پیچھے رہیے۔ وَاتَّبِعْ آذَانَكَ لَعَلَّكَ تَكْتُمُ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ سوال کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گمان کے مطابق عرض کیا کہ میری قوم کے لوگ بھی پیچھے پیچھے پہنچنا ہی چاہتے ہیں میں کچھ جلدی کر کے آگے اسلئے آگیا کہ حکم کی تعمیل میں پیش قدمی کرنا حاکم کی زیادہ خوشنودی کا سبب ہوا کرتا ہے۔ اس وقت حق تعالیٰ نے ان کو قوم بنی اسرائیل میں پیش آنے والے فتنہ گرو سالہ پرستی کی اطلاع دیدی اور یہ کہ انکو تو سامری نے گمراہ کر دیا ہے اور وہ فتنہ میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

سامری کون تھا | بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ آل فرعون کا قبلی آدمی تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے پڑوس میں رہتا تھا موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا اور جب بنی اسرائیل کو لیکر موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلے تو یہ بھی ساتھ ہوا۔ بعض نے کہا کہ یہ بنی اسرائیل ہی کے ایک قبیلہ سامرہ کا رئیس تھا اور قبیلہ سامرہ ملک شام میں معروف ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ نے فرمایا کہ یہ فارسی شخص کرمان کا رہنے والا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ ایک ایسی قوم کا آدمی تھا جو گائے کی پرستش کرنے والی تھی کسی طرح مصر پہنچ گیا اور بظاہر دین بنی اسرائیل میں داخل ہو گیا مگر اس کے دل میں نفاق تھا (قرطبی) حاشیہ قرطبی میں ہے کہ یہ شخص ہندوستان کا ہندو تھا جو گائے کی عبادت کرتے ہیں۔ انتہی۔ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا پھر اپنے کفر کی طرف لوٹ گیا یا پہلے ہی سے منافقانہ طور پر ایمان کا اظہار کیا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

مشہور یہ ہے کہ سامری کا نام موسیٰ ابن ظفر تھا۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ موسیٰ سامری پیدا ہوا تو فرعون کی طرف سے تمام اسرائیلی لڑکوں کے قتل کا حکم جاری تھا اس کی والدہ کو خوف ہوا کہ فرعونی سپاہی اس کو قتل کر دیں گے تو بچہ کو اپنے سامنے



قتل ہوتا دیکھنے کی مصیبت سے یہ بہتر سمجھا کہ اس کو جنگل کے ایک غار میں رکھ کر اُد پر سے بند کر دیا (کبھی کبھی اسکی خبر گیری کرتی ہوگی) ادھر اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو اس کی حفاظت اور غذا دینے پر مامور کر دیا وہ اپنی ایک انگلی پر شہد ایک پرکھن ایک پر دودھ لاتے اور اس بچہ کو چٹا دیتے تھے یہاں تک کہ یہ غار ہی میں پل کر بڑا ہو گیا اور اسکا انجام یہ ہوا کہ کفر میں مبتلا ہوا اور بنی اسرائیل کو مبتلا کیا پھر قرآن الہی میں گرفتار ہوا۔ اسی مضمون کو کسی شاعر نے دو شعروں میں اس طرح ضبط کیا ہے:

(از روح المعانی) ۵

اذا المرء لم يخلق سعيلاً تحيّر عقول من بيه وخاب المومل

فموسى الذى رباہ جبریل كافر وموسى الذى رباہ فرعون مرسل

(ترجمہ) جب کوئی شخص اصل پیدائش میں نیک بخت نہ ہو تو اُسکے پرورش کرنے والوں کی عقلیں بھی حیران رہ جاتی ہیں اور اس سے اُمید کرنے والا محروم ہو جاتا ہے۔ دیکھو جس موسیٰ کو جبریل امین نے پالا تھا وہ تو کافر ہو گیا اور جس موسیٰ کو فرعون نعین نے پالا تھا وہ خدا کا رسول بن گیا۔

اَلَّذِيْعِدُّكُمْ رَبُّكُمْ وَعَدْلًا حَسَنًا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رنج و غم کے عالم میں واپس آ کر قوم سے خطاب کیا اور پہلے اُن کو اللہ تعالیٰ کا وعدہ یاد دلایا جس کے لئے وہ سب قوم کو لیکر طور کی جانب امین کی طرف چلے تھے کہ یہاں پہنچ کر اللہ تعالیٰ اپنی کتاب ہدایت عطا فرمائیں گے اور جس کے ذریعہ دین و دنیا کے تمام مقاصد تمہارے پورے ہوں گے۔

اَفْطَالَ عَلَيْكُمْ الْعَهْدُ، یعنی اللہ کے اس وعدہ پر کوئی بڑی مدت بھی تو نہیں گزری جس میں تمہارے بھول جانے کا احتمال ہو کہ وعدہ کا انتظار زمانہ دراز تک کرنے کے بعد مایوس ہو گئے اس لئے دوسرا طریقہ اختیار کر لیا۔

اَمْ اَرَدْتُمْ اَنْ يَّجِيْعَ عَلَيْكُمْ غَضَبُ رَبِّكُمْ، یعنی بھول جانے یا انتظار سے تھک جانے کا تو کوئی احتمال نہیں تو اب اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ تم نے خود ہی اپنے قصد و اختیار سے اپنے رب کے غضب کو دعوت دی۔

قَالُوا مَا آخَلَفْنَا مَوْعِدَ رَبِّنَا، لَفْظُ مَلَكٍ بَفَتْحِ مِيمٍ وَبِضَمِّ مِيمٍ دُونِیْ كَيْ مَعْنَى تَقْرِیبًا اِیْکَ هِیْ اَوْ مُرَادُ اس جگہ اس سے اپنا اختیار ہے اور مقصد اسکا یہ ہے کہ ہم نے گو سالہ کی پریش پر اقدام اپنے اختیار سے نہیں کیا بلکہ سامری کے عمل کو دیکھ کر ہم مجبور ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ ان کا یہ دعویٰ غلط اور بے بنیاد ہے۔ سامری یا اس کے عمل نے ان کو مجبور تو نہیں کر دیا تھا خود ہی غور و فکر سے کام نہ لیا تو مبتلا ہو گئے آگے سامری کا وہ واقعہ بیان کیا۔

وَلَكِنَّا حَمَلْنَا اَوْزَارًا مِنْ زِينَةِ الْقَوْمِ، لَفْظُ اَوْزَارٍ وَزَرَ كَيْ جَمْعٌ هِیْ جَمْعٌ



معنی ثقل اور بوجھ کے ہیں انسان کے گناہ بھی چونکہ قیامت کے روز اُس پر بوجھ بن کر لادے جائیں گے اس لئے گناہ کو دُزر اور گناہوں کو اذرا کہا جاتا ہے۔ زینۃ القوم، لفظ زینت سے مراد زیور ہے اُد قوم سے مراد قوم فرعون (قبط) ہے جن سے بنی اسرائیل نے عید کا بہانہ کر کے کچھ زیورات مستعار لے لئے تھے اور وہ پھر اُن کے ساتھ رہے۔ اُن کو اذرا بمعنی گناہوں کا بوجھ اس لئے کہا کہ عاریت کا نام کر کے ان لوگوں سے لئے تھے جس کا حق یہ تھا کہ اُن کو واپس کئے جا دیں چونکہ واپس نہیں کئے گئے تو اس کو گناہ قرار دیا۔ اور حدیث فتون کے نام سے جو مفصل حدیث اُد پر نقل کی گئی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے ان لوگوں کو اُس کے گناہ ہونے پر متنبہ کیا اور ایک گڑھے میں یہ سب زیورات ڈال دینے کا حکم دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ سامری نے اپنا مطلب نیکانے کے لئے ان کو کہا کہ یہ زیورات دوسروں کا مال ہے تمہارے لئے اس کا رکھنا وبال ہے اسکے کہنے سے گڑھے میں ڈالے گئے۔

کفار کا مال مسلمان کیلئے | یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کفار جو اہل ذمہ یعنی مسلمانوں کی حکومت کس صورت میں حلال ہے | میں اُن کے قانون کی پابندی کر کے بستے ہیں اسی طرح وہ کفار جن سے مسلمانوں کا کوئی معاہدہ جان و مال وغیرہ کے امن کا ہو جائے ان کا فردوں کا مال تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے حلال نہیں لیکن جو کافر نہ مسلمانوں کا اہل ذمہ ہے نہ اُس سے الکا کوئی عہد معاہدہ ہے جن کو فقہاء کی اصطلاح میں کافر حربی کہا جاتا ہے اُن کے اموال تو مسلمانوں کے لئے مباح الاصل اشیاء کی طرح حلال ہیں پھر ہارون علیہ السلام نے ان کو دُزر و گناہ کیسے قرار دیا اور اُن کے قبضہ سے نیکال کر گڑھے میں ڈالنے کا حکم کیوں دیا۔ اس کا ایک جواب تو مشہور ہے جو عامۃ مفسرین نے لکھا ہے کہ کفار حربی کا مال لینا اگرچہ مسلمان کے لئے جائز ہے مگر وہ مال حکم مال غنیمت ہے اور مال غنیمت کا قانون شریعت اسلام سے پہلے یہ تھا کہ کافروں کے قبضہ سے نیکال لینا تو اس کا جائز تھا مگر مسلمانوں کے لئے اس کا استعمال اور اس سے نفع اُٹھانا حلال نہیں تھا بلکہ مال غنیمت جمع کر کے کسی ٹیلہ وغیرہ پر رکھ دیا جاتا تھا اور آسمانی آگ (بجلی وغیرہ) آکر اس کو کھا جاتی تھی یہی علامت اُن کے جہاد قبول ہونے کی تھی اور جس مال غنیمت کو آسمانی آگ نہ کھائے وہ علامت اس کی تھی کہ جہاد مقبول نہیں اس لئے وہ مال بھی منہوس سمجھا جاتا اور کوئی اسکے پاس نہ جاتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں جو مخصوص رعایتیں اور سہولتیں دی گئی ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مال غنیمت کو مسلمانوں کے لئے حلال کر دیا گیا جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں اس کی تصریح ہے۔

اس قاعدہ کے اعتبار سے بنی اسرائیل کے قبضہ میں آیا ہوا مال جو قوم فرعون سے لیا



تعمال غنیمت ہی کے حکم میں قرار دیا جائے تب بھی اس کا استعمال ان کے لئے جائز نہیں تھا اسی وجہ سے اس مال کو اذنا کے لفظ سے تعبیر کیا گیا اور حضرت ہارون کے حکم سے اسکو ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا۔ قاعدہ ہمسرا لیکن نفی نظر سے اس معاملہ کی جو تحقیق امام محمدؒ کی کتاب سیر اور اسکی شرح سرخی میں بیان کی گئی ہے وہ بہت اہم اور اقرب الی الصواب ہے۔ وہ یہ ہے کہ کافر حربی کا مال بھی ہر حال میں مال غنیمت نہیں ہوتا بلکہ اسکی شرط یہ ہے کہ باقاعدہ جہاد و قتال کے ذریعہ برادر شمشیر اُن سے حاصل کیا جائے اسی لئے شرح سیر میں مغالبہ بالمحاربہ شرط قرار دیا ہے اور کافر حربی کا جو مال مغالبہ اور محاربہ کی صورت سے حاصل نہ ہو وہ مال غنیمت نہیں بلکہ اس کو مال فبیٰ کہتے ہیں مگر اُس کے حلال ہونے میں ان کفار کی رضا و اجازت شرط ہے جیسے کوئی اسلامی حکومت ان پر ٹیکس عائد کر دے اور وہ اس پر راضی ہو کہ ٹیکس دیدے تو اگرچہ یہ کوئی جہاد و قتال نہیں مگر رضامندی سے دیا ہوا مال مال فبیٰ کے حکم میں ہے اور وہ بھی حلال ہے۔

یہاں تو ہم فرعون سے لئے ہوئے زیورات ان دونوں قسموں میں داخل نہیں کیونکہ یہ اُن سے عاریت کہہ کر لئے گئے تھے وہ ان کو مالکانہ طور پر دینے کے لئے رضامند نہ تھے کہ اس کو مال فبیٰ کہا جائے اور کوئی جہاد و قتال تو وہاں ہوا ہی نہیں کہ مال غنیمت شمار کیا جائے اسلئے شریعت اسلام کی رو سے بھی یہ مال اُن کے لئے حلال نہ تھا۔

واقعہ ہجرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ طیبہ جانیکا قصد فرمایا اور آپکے پاس عرب کے کفار کی بہت سی امانتیں رکھی تھیں کیونکہ سارا عرب آپ کو امانتہ اریقین کرتا اور امین کے لفظ سے خطاب کرتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی امانتوں کو واپس کرنے کا اتنا اہتمام فرمایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کر کے اپنے پیچھے ان کو چھوڑا اور حکم دیا کہ جس کی امانت ہے اُس کو واپس کر دی جائے آپ اس سے فارغ ہو کر ہجرت کریں۔ اس مال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کے تحت حلال قرار نہیں دیا ورنہ وہ مسلمانوں کا حق ہوتا کافروں کو واپس کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ واللہ اعلم

فَقَدْ فَتَنَهَا، یعنی ہم نے ان زیورات کو پھینک دیا۔ حدیث فتون مذکورہ کی رو سے یہ عمل حضرت ہارون علیہ السلام کے حکم سے کیا گیا اور بعض روایات میں ہے کہ سامری نے انکو بہرہ کار زیورات گڑھے میں ڈلوادئے اور دونوں باتیں جمع ہو جائیں یہ بھی کوئی مستبعد نہیں۔

فَكَذَّبَكَ الشَّامِرِيُّ، حدیث فتون مذکور میں حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت

سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کے سب زیورات گڑھے میں ڈلوادئے اور اس میں آگ جلوادی کہ سب زیورات پگھل کر یک جسم ہو جائیں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام



کے آنے کے بعد اسکا معاملہ طے کیا جا دیکھا کہ کیا کیا جائے۔ جب سب لوگ اپنے اپنے زیورات  
اسیں ڈال چکے تو سامری بھی مٹی بند کئے ہوئے پہنچا اور حضرت ہارون علیہ السلام سے کہا کہ میں  
بھی ڈال دوں۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ سمجھا کہ اس کے ہاتھ میں بھی کوئی زیور ہوگا، فرمایا  
کہ ڈال دو۔ اسوقت سامری نے ہارون علیہ السلام سے کہا کہ میں جب ڈالوں گا کہ آپ یہ دعا کریں  
کہ جو کچھ میں چاہتا ہوں وہ پورا ہو جائے۔ ہارون علیہ السلام کو اسکا نفاق و کفر معلوم نہیں تھا  
دعا کر دی۔ اب جو اُس نے اپنے ہاتھ سے ڈالا تو زیور کے بجائے مٹی تھی جس کو اُس نے جبریل امین  
کے گھوڑے کے قدم کے نیچے سے کہیں یہ حیرت انگیز واقعہ دیکھ کر اٹھالیا تھا کہ جس جگہ اس کا قدم  
پڑتا ہے وہیں مٹی میں نشوونما اور آثار حیات پیدا ہو جاتے ہیں جس سے اُس نے سمجھا کہ اس مٹی میں  
آثار حیات رکھے ہوئے ہیں، شیطان نے اس کو اس پر آمادہ کر دیا کہ یہ اس کے ذریعہ ایک بھڑا  
زندہ کر کے دکھلا دے۔ بہر حال اس مٹی کا ذاتی اثر ہو یا حضرت ہارون علیہ السلام کی دعا کا  
کہ یہ سونے چاندی کا پگھلا ہوا ذخیرہ اس مٹی کے ڈالنے اور ہارون علیہ السلام کی دعا کرنے کے  
ساتھ ایک زندہ بھڑا بن کر بولنے لگا جن روایات میں ہے کہ سامری ہی نے بنی اسرائیل کو  
زیورات اس گڑھے میں ڈالنے کا مشورہ دیا تھا ان میں یہ بھی ہے کہ اُس نے زیورات کو پگھلا کر ایک  
بھڑے کی صورت تیار کر لی تھی مگر اسیں کوئی زندگی نہیں تھی۔ پھر یہ جبریل امین کے نشان قدم  
کی مٹی ڈالنے کے بعد اسیں حیات پیدا ہو گئی یہ سب روایات تفسیر قرطبی وغیرہ میں مذکور ہیں  
اور ظاہر ہے کہ اسرائیلی روایات ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا مگر انکو غلط کہنے کی بھی کوئی دلیل  
موجود نہیں، فَاخْرَجَ لَهُمْ جَسَدًا اَلًا خَوَّارًا، یعنی نکال لیا سامری نے ان زیورات سے  
ایک بھڑے کا جسم جس میں گامے کی آواز نہ تھی۔ لفظ جسد اسے بعض حضرات مفسرین نے  
فرمایا کہ یہ محض ایک جسد اور جسم تھا زندگی اسیں نہیں تھی اور آواز بھی ایک خاص صفت کے سبب  
اس سے نکلتی تھی، عامہ مفسرین کا قول وہی ہے جو اوپر لکھا گیا کہ اسیں آثار زندگی کے تھے۔

فَقَالُوا هَذَا اَلْهَكْمُ وَاللّٰهُ مُوسٰى قَتَلَنِيْ، یعنی سامری اور اس کے ساتھی یہ بھڑا  
بولنے والا دیکھ کر دوسرے بنی اسرائیل سے کہنے لگے کہ یہی تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے موسیٰ علیہ السلام  
بھول بھٹک کر کہیں اور چلے گئے۔ یہاں تک بنی اسرائیل کے عذر رنگ کا بیان تھا جو انھوں نے  
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عتاب کے وقت پیش کیا اس کے بعد اَفَلَا يَرْجِعُوْنَ اِلَيْهِمْ  
تَوْرٰتُہٗ وَ لَا يَمْلِكُ لَهُمْ صَرْعًا وَّ لَا نَفْعًا میں ان کی حماقت اور گمراہی کو بیان فرمایا ہے کہ اگر  
یہ فی الواقع ایک بھڑا زندہ ہی ہو گیا اور گائے کی طرح بولنے بھی لگا تو عقل دشمنو یہ تو سمجھو کہ  
خدا کا اس سے کیا واسطہ ہے جبکہ نہ وہ تمہاری کسی بات کا جواب دے سکتا ہے نہ تمہیں کوئی



نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے تو اس کو خدا ماننے کی حماقت کا کیا جواز ہے۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلُ يَقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهِ

اور کہا تھا اُن کو ہارون نے پہلے سے اے قوم بات یہی ہے کہ تم بہک گئے اس بھڑکے

وَإِنَّ رَبَّكُمْ الرَّحْمَنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي ۝۹۰

اور تمہارا رب تو رحمن ہے سو میری راہ چلو اور مانو بات میری

قَالُوا لَنْ نَبْرَحَ عَلَيْهِ عِكِفِينَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا

بولے ہم برابر اسی پر بٹھے بیٹھے رہیں گے جب تک ٹوٹ کر آئے ہمارے پاس

مُوسَىٰ ۝۹۱ قَالَ يَهْرَوْنُ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا ۝۹۲

موسیٰ کہا موسیٰ نے اے ہارون کس چیز نے رد کا تجھ کو جب دیکھا تھا تو نے کہ وہ بہک گئے

أَلَا تَتَّبِعَنِ أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي ۝۹۳ قَالَ يَبْنَؤُمْرًا تَأْخُذُ

کہ تو میرے پیچھے نہ آیا کیا تو نے رد کیا میرا حکم وہ بولا اے میری ماں کے جنے نہ پکڑو

بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ

میری داڑھی اور نہ سر، میں ڈرا کہ تو کہے گا پھوٹ ڈال دی تو نے

بَيْنِ إِسْرَائِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ۝۹۴

بہن اسرائیل میں اور یاد نہ رکھی میری بات

## خلاصہ تفسیر

اور ان لوگوں سے ہارون (علیہ السلام) نے (حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لوٹنے سے) پہلے

بھی کہا تھا کہ اے میری قوم تم اس (گو سالہ) کے سبب گمراہی میں پھنس گئے ہو (یعنی اس کی پرستش کسی طرح درست نہیں ہو سکتی یہ کھلی گمراہی ہے) اور تمہارا رب (حقیقی) رحمان ہے (نہ کہ یہ

گو سالہ) سو تم (دین کے بارے میں) میری راہ پر چلو اور (اس باب میں) میرا کہنا مانو (یعنی

میرے قول و فعل کی اقتدا کرو) انھوں نے جواب دیا کہ ہم تو جب تک موسیٰ (علیہ السلام)

واپس (ہو کر) آئیں اسی (کی عبادت) پر برابر جے بیٹھے رہیں گے (غرض ہارون علیہ السلام

کا کہنا نہیں مانا تھا یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام بھی آگئے اور قوم سے اڈل خطاب کیا جو اڈپرا چکا

بعد اس کے ہارون علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے ہارون جب تم نے (انکو) دیکھا



تھا کہ یہ (بالکل) گمراہ ہو گئے (اور نصیحت بھی نہیں سنی) تو (اس وقت) تم کو میرے پاس چلے آنے کے کون امر مانع ہوا تھا۔ یعنی اس وقت میرے پاس چلا آنا چاہیے تھا تاکہ ان لوگوں کو اور زیادہ یقین ہو تاکہ تم ان کے فعل کو نہایت ناپسند کرتے ہو اور نیز ایسے باغیوں سے قطع تعلقات جس قدر زیادہ ہو بہتر ہے) سو کیا تم نے میرے کہنے کے خلاف کیا (کہ میں نے کہا تھا) (لَقَدْ كُنْتُمْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ) جیسا پارہ ہنم میں ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ مفسدین کے راستہ کا اتباع نہ کریں جس کے عموم میں یہ بھی داخل ہے کہ مفسدین کے ساتھ تعلقات نہ رکھیں اور سبک الگ ہو جائیں) ہارون (علیہ السلام) نے کہا کہ اے میرے مٹیا جائے (یعنی میرے بھائی) تم میری داڑھی مست پکڑو اور نہ سر کے بال) پکڑو (اور میرا ہڈر سن لو میرے تمہارے پاس نہ آنے کی یہ وجہ تھی کہ) مجھ کو یہ اندیشہ ہو گیا کہ اگر میں آپ کی طرف چلا تو میرے ساتھ وہ لوگ بھی چلیں گے جو گوسالہ پرستی سے الگ رہے تو بنی اسرائیل کی جماعت کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے کیونکہ گوسالہ کی پرستش کو برا سمجھنے والے میرے ساتھ ہونگے اور دوسرے لوگ اس کی عبادت پر ہی جمے رہیں گے اور اس حالت میں) تم کہنے لگو کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان تفریق ڈال دی (جو بعض اوقات ان کے ساتھ رہنے سے زیادہ مضر ہوتی ہے کہ مفسدین خالی میدان پا کر بے خطر فساد میں ترقی کرتے ہیں) اور تم نے میری بات کا پاس نہ کیا کہ میں نے کہا تھا اصلاح، یعنی اس صورت میں آپ مجھے یہ الزام دیتے کہ میں نے تمہیں اصلاح کرنیکا حکم دیا تھا تم نے بنی اسرائیل میں تفریق ڈال کر فساد کھڑا کر دیا۔

## معارف و مسائل

بنی اسرائیل میں گوسالہ پرستی کا فتنہ ٹھوٹ پڑا تو حضرت ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی خلافت اور نیابت کا حق ادا کر کے قوم کو سمجھایا مگر جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ان میں تین فرقے ہو گئے ایک فرقہ تو حضرت ہارون کے ساتھ رہا ان کی اطاعت کی اس نے گوسالہ پرستی کو گمراہی سمجھا ان کی تعداد بارہ ہزار بتلائی گئی ہے، کذا فی القربی۔ باقی دو فرقے گوسالہ پرستی میں تو شریک ہو گئے فرق اتنا رہا کہ ان دونوں میں سے ایک فرقے نے یہ اقرار کیا کہ موسیٰ علیہ السلام واپس آکر اس سے منع کریں گے تو ہم گوسالہ پرستی کو چھوڑ دیں گے۔ دوسرا فرقہ اتنا پختہ تھا کہ اسکا یقین یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام بھی واپس آکر اسی کو معبود بنالیں گے اور ہمیں اس طریقے کو بہر حال چھوڑنا نہیں ہے۔ جب ان دونوں فرقوں کا یہ جواب حضرت ہارون نے سنا کہ ہم تو موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک گوسالہ ہی کی عبادت پر جمے رہیں تو حضرت ہارون علیہ السلام اپنے ہم عقیدہ بارہ ہزار ساتھیوں کو لیکر ان سے الگ ہو گئے مگر رہنے بہنے وغیرہ کی جگہ وہی تھی اس میں ان کے ساتھ اشتراک رہا۔



حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واپس آکر اول تو بنی اسرائیل کو وہ خطاب کیا جو پچھلی آیتوں میں بیان ہوا ہے پھر اپنے خلیفہ حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر ان پر سخت غصہ اور ناراضی کا اظہار کیا ان کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ لئے اور فرمایا کہ جب ان بنی اسرائیل کو آپ نے دیکھ لیا کہ کھلی گمراہی یعنی شرک کفر میں مبتلا ہو کر گمراہ ہو گئے تو تم نے میرا اتباع کیوں نہ کیا، میرے حکم کی خلاف ورزی کیوں کی۔

مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا أَلَّا تَتَّبِعَنِ ط اس جگہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ تمہیں میرا اتباع کرنے کے کس چیز نے روکا، اس اتباع کا ایک مفہوم تو وہی ہے جو خلاصہ تفسیر میں اختیار کیا گیا کہ اتباع سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے پاس طور پر چلا جانا ہے اور بعض مفسرین نے اتباع کی مراد یہ فتراردی کہ جب یہ لوگ گمراہ ہو گئے تو آپ نے ان کا مقابلہ کیوں نہ کیا کیونکہ میری موجودگی میں ایسا ہوتا تو میں یقیناً اس شرک کفر پر قائم رہنے والوں سے جہاد اور مقابلہ کرتا مگر تم ایسا کیوں نہ کیا۔ دونوں صورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ہارون علیہ السلام پر الزام یہ تھا کہ ایسی گمراہی کی صورت میں یا تو ان سے مقابلہ اور جہاد کیا جاتا یا پھر ان سے برائت اور علیحدگی اختیار کر کے کیمے پاس آجاتے، ان کے ساتھ رہتے بستے رہنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک ان کی خطا اور غلطی تھی۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے اس معاملے کے باوجود ادب کی پوری رعایت کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کو نرم کرنے کے لئے خطاب کیا بَلَّغُوا قَوْلَكُمْ كَمَا نَزَّلْنَا إِلَيْكُمْ مِثْرًا مِثْرًا اس خطاب میں ایک خاص اشارہ سختی کا معاملہ نہ کرنے کی طرف تھا کہ میں آپ کا بھائی ہی تو ہوں کوئی مخالف تو نہیں اسلئے آپ میرا عذر نہیں۔ پھر عذر یہ بیان کیا کہ مجھے خطرہ یہ پیدا ہو گیا کہ اگر میں نے ان لوگوں سے مقابلہ اور مقابلہ کرنے پر آپ کے آنے سے پہلے اقدام کیا یا انکو چھوڑ کر خود بارہ ہزار بنی اسرائیل کے ساتھ آپ کے پاس چلا گیا، تو بنی اسرائیل میں تفرقہ پیدا ہو جائیگا اور آپ نے جو چلتے وقت مجھے یہ ہدایت فرمائی کہ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ میں اس اصلاح کا مقصد یہ سمجھا تھا کہ ان میں تفرقہ نہ پیدا ہونے دوں ممکن ہو کہ آپ کے واپس آنے کے بعد یہ سب ہی سمجھ جائیں اور ایمان و توحید پر واپس آجائیں اور دوسری جگہ قرآن کریم میں ہارون علیہ السلام کے عذر میں یہ قول بھی ہے کہ (إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُتَكَبَّرُوا فِيَّ وَكَادُورُ يُفْتَكِرُونِي) یعنی قوم بنی اسرائیل نے مجھے ضعیف و کمزور سمجھا کیونکہ میرے ساتھی دوسروں کے مقابلہ میں بہت کم تھے اسلئے قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کر ڈالتے۔

خلاصہ مذکور کا یہ ہے کہ میں ان کی گمراہی کا ساتھی نہیں تھا جتنا سمجھنا اور ہدایت پر رکھنا میرے بس میں تھا وہ میں نے پورا کیا ان لوگوں نے میری بات نہ مانی اور میرے قتل کرنے کے درپے ہو گئے ایسی صورت میں ان سے مقابلہ کرتا یا ان کو چھوڑ کر آپ کے پاس جانا کا ارادہ کرتا تو عرف یہ بارہ ہزار



بنی اسرائیل میرے ساتھ ہوتے باقی سب مقاتلہ اور مقابلہ پر آجاتے اور باہمی معرکہ گرم ہو جاتا، میں نے اس سے بچنے کے لئے آپ کی واپسی تک کے لئے کچھ مسابہت کی صورت اختیار کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ عذر سنا تو ہارون علیہ السلام کو چھوڑ دیا اور اصل بانی فساد سامری کی خبر لی۔ قرآن میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کی رائے کو صحیح مان لیا یا محض اُن کی خطا اور اجتہادی سمجھ کر چھوڑ دیا۔

دو پیغمبروں میں اختلاف رائے | اس واقعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رائے اُزرے اجتہاد اور دونوں طرف صواب کے پہلو یہ تھی کہ اس حالت میں ہارون علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو اس مشرک قوم کے ساتھ نہیں رہنا چاہئے تھا ان کو چھوڑ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آجاتے جس سے اُن کے عمل سے مکمل بیزاری کا اظہار ہو جاتا۔

حضرت ہارون علیہ السلام کی رائے اُزرے اجتہاد یہ تھی کہ اگر ایسا کیا گیا تو ہمیشہ کے لئے بنی اسرائیل کے ٹکڑے ہو جائیں گے اور تفرقہ قائم ہو جائے گا اور چونکہ اُن کی اصلاح کا یہ احتمال موجود تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے بعد اُن کے اثر سے پھر یہ سب ایمان اور توحید کی طرف لوٹ آویں اس لئے کچھ دنوں کے لئے اُن کے ساتھ مسابہت اور مساکنت کو ان کی اصلاح کی توقع تک گوارا کیا جائے۔ دونوں کا مقصد اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، ایمان و توحید پر لوگوں کو قائم کرنا تھا مگر ایک نے مفارقت اور مقاطعہ کو ان کی تدبیر سمجھا، دوسرے نے اصلاح حال کی اُمید تک اُن کے ساتھ مسابہت اور نرمی کے معاملہ کو اس مقصد کے لئے نافع سمجھا۔ دونوں جانبین اہل عقل و فہم اور فکر و نظر کے لئے محل غور و فکر ہیں۔ کسی کو خطا کہنا آسان نہیں جہتہدین اُمت کے اجتہادی اختلافات عموماً اسی طرح کے ہوتے ہیں انہیں کسی کو گناہگار یا نافرمان نہیں کہا جاسکتا رہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہارون علیہ السلام کے بال پکڑنے کا معاملہ تو یہ دین کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے شدت و غضب کا اثر تھا کہ تحقیق حال سے پہلے اُنہوں نے ہارون علیہ السلام کو ایک واضح غلطی پر سمجھا اور جب ان کا عذر معلوم ہو گیا تو پھر اپنے لئے اور اُن کے لئے دُعا و مغفرت فرمائی۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يُسَا مَرِي ۙ ۹۵ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا

کہا موسیٰ نے اب تیری کیا حقیقت ہے اے سامری بولا میں نے دیکھ لیا جو اوروں نے نہ دیکھا

يَهٗ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ

پھر بھری میں نے ایک مٹھی پاؤں کے نیچے سے اس بھیجے ہوئے کے پھر میں نے وہی ڈال دی اور یہی صلاح



سَوَّلْتُ لِي نَفْسِي ⑨۶ قَالَ فَادْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ

دی مجھ کو میرے ہی نے کہا موسیٰ نے دُور ہو تیرے لئے زندگی بھرتی اتنی سزا ہے

أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ مِنِّي وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَنْ تُخْلَفَهُ

کہ کہا کرے مت چھیڑو اور تیرے واسطے ایک وعدہ ہے وہ ہرگز تجھ سے خلاف نہ ہوگا

وَانْظُرْ إِلَى إِلَهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنْتَحَرِقَنَّهُ

اور دیکھ اپنے معبود کو جس پر تمام دن تو مستکف رہتا تھا ہم اس کو جلا دیں گے

ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ⑨۷ إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا

پھر بکھیر دیں گے دریا میں اڑا کر تمہارا معبود تو وہی اللہ ہے جس کے سوا کسی

إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ⑨۸

کی بندگی نہیں سب چیز سمائی ہے اس کے علم میں

### خلاصہ تفسیر

(پھر سامری کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے) کہا کہ اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے (یعنی تو نے یہ حرکت کیوں کی) اس نے کہا کہ مجھ کو ایسی چیز نظر آئی تھی جو اردوں کو نظر نہ آئی تھی (یعنی حضرت جبریل علیہ السلام گھوڑے پر چڑھے ہوئے جس رذر دریا سے پار اترے ہیں جو بمصلحت نصرتِ مؤمنین و اہلاکِ کفار کے آئے ہوں گے اور تاریخ طبری میں سدی سے پسندِ نقل کیا ہے کہ حضرت جبریل موسیٰ علیہ السلام کے پاس یہ حکم لیکر گھوڑے پر سوار ہو کر آئے تھے کہ آپ طور پر جاویں تو اس وقت سامری نے دیکھا تھا) پھر میں نے اس فرستادہ (خداوندی کی سواری) کے نقشِ قدم سے ایک مٹھی (بھر کر خاک) اٹھالی تھی (اور خود بخود میرے قلب میں یہ بات آئی کہ اس میں زندگی کے اثرات ہونگے جس چیز پر ڈالی جائے گی اُس میں زندگی پیدا ہو جائے گی) سو میں نے وہ مٹھی (خاک اس بچھڑے کے قالب کے اندر) ڈالی اور میرے جی کو یہی بات (بھائی اور) پسند آئی، آپ نے فرمایا تو بس تیرے لئے اس (دنیوی) زندگی میں یہ سزا (تجویز کی گئی) ہے کہ تو یہ کہتا پھر لگا کہ مجھ کو کوئی ہاتھ نہ لگانا اور تیرے لئے (اس سزا کے علاوہ) ایک درود (حق تعالیٰ کے عذاب کا) ہے جو تجھ سے ملنے والا نہیں (یعنی آخرت میں جہاں عذاب ہوگا) اور تو اپنے اس معبود (باطل) کو دیکھ جس (کی عبادت) پر تو جما ہوا بیٹھا تھا (دیکھ) ہم اس کو جلا دیں گے پھر اس (کی راکھ) کو دریا میں بکھیر کر بہا دیں گے (تاکہ نام و نشان اُسکا نہ رہے) بس تمہارا



(حقیقی) عبود تو صرف اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ (اپنے) علم سے تمام چیزوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔

## معارف و مسائل

بَصُرَتْ بِمَا كُنَّا يَبْصُرُونَ اَيْہ، (یعنی وہ چیز دیکھی جو دوسروں نے نہیں دیکھی) اس سے مراد جبریل امین ہیں اور اُن کے دیکھنے کے واقعہ میں ایک روایت تو یہ ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعجاز سے دریائے قلزم میں خشک راستے بن گئے اور بنی اسرائیل اُن راستوں سے گزر گئے اور فرعونی لشکر دریا میں داخل ہو رہا تھا تو جبریل امین گھوڑے پر سوار پہا موجود تھے دوسری روایت یہ ہے کہ دریا سے پار ہونے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طود پر آنے کی دعوت دینے کے لئے جبریل امین گھوڑے پر سوار تشریف لائے تھے انکو سامری نے دیکھ لیا دوسرے لوگوں کو معلوم نہ ہو سکا اسکی وجہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں یہ ہے کہ سامری کی پرورش خود جبریل امین کے ذریعہ ہوئی تھی جسوقت اسکی ماں نے اسکو غار میں ڈال دیا تھا تو جبریل امین روزانہ اسکو غذا دینے کے لئے آتے تھے اسکی وجہ سے وہ اُن سے مانوس تھا اور پہچانتا تھا دوسرے لوگ نہیں پہچان سکے (بیان القرآن)

فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ، رسول سے مراد اس جگہ فرستادہ خداوندی حضرت جبریل امین ہیں۔ سامری کے دل میں شیطان نے یہ بات ڈالی کہ جبریل امین کے گھوڑے کا قدم جس جگہ پڑتا ہے وہاں کی مٹی میں حیات و زندگی کے خاص اثرات ہوں گے یہ مٹی اٹھالی جاوے اس نے نشانِ قدم کی مٹی اٹھالی۔ یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے اَلْقَى فِي رُوعِهِ اَنْهُ لَا يَلْقِيهَا عَلٰی شَيْءٍ فَيَقُولُ كُنْ كَذَا اَلَا كُنْ، یعنی سامری کے دل میں خود بخود یہ بات پیدا ہوئی کہ نشانِ قدم کی اس مٹی کو جس چیز پر ڈال کر یہ کہا جائے گا کہ فلاں چیز بن جا تو وہ وہی چیز بن جائیگی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ سامری نے گھوڑے کے نشانِ قدم کا یہ اثر شاہدہ کیا کہ جس جگہ قدم پڑتا وہیں سبزہ فوراً نمودار ہو جاتا تھا جس سے یہ استدلال کیا کہ اس مٹی میں آثارِ حیات ہیں، کذا فی الکمالین۔ اسی تفسیر کو روح المعانی میں صحابہ و تابعین اور چہرہ مفسرین سے منقول کہا ہے اور اس میں آجکل ظاہر پرست لوگوں نے جو شبہات بکھائے ہیں ان سب کا جواب دیا ہے فخرۃ اللہ خیر الجزاء (بیان القرآن)

پھر جب بنی اسرائیل کے جمع کئے زیورات سے اس نے ایک بچھڑے کی ہیئت بنالی تو اپنے گمان کے مطابق کہ اس مٹی میں آثارِ حیات ہیں جس چیز میں ڈالی جائے گی اس میں زہر لگی پیدا ہو جائے گی اس نے یہ مٹی اُس بچھڑے کے اندر ڈال دی بقدرتِ خداوندی اُس میں حیات کے



آثار پیدا ہو گئے اور بولنے لگا۔ اور حدیث فتون جو پہلے مفصل آچکی ہے اس میں یہ ہے کہ اسے حضرت ہارون علیہ السلام سے دعا کرائی کہ میں اپنے ہاتھ میں جو کچھ ہے اسکو ڈالتا ہوں بشرط یہ ہے کہ آپ یہ دعا کر دیں کہ جو میں چاہتا ہوں وہ ہو جاوے۔ حضرت ہارون اس کے نفاق اور گوسالہ پرستی سے واقف نہ تھے دعا کر دی اور اُس نے وہ خاک نشان قدم کی اس میں ڈال دی تو حضرت ہارون کی دعا سے اس میں حیات کے آثار پیدا ہو گئے۔ ایک ایسے حوالے سے یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ سامری فارس یا ہندوستان کا باشندہ اُس قوم کا فرد تھا جو گائے کی پرستش کرتی ہے، مصر پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا بعد میں پھر مرتد ہو گیا یا پہلے ہی ایمان کا اظہار منافقانہ کیا تھا پھر نفاق ظاہر ہو گیا۔ اس اظہار ایمان کا فائدہ اسکو یہ پہنچا کہ بنی اسرائیل کے ساتھ دریا سے پار ہو گیا۔

فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ ۚ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے لئے دنیا کی زندگی میں یہ سزا تجویز کی کہ سب لوگ اس سے مقاطعہ کریں کوئی اس کے پاس نہ جائے اور اسکو بھی یہ حکم دیا کہ کسی کو ہاتھ نہ لگائے اور زندگی بھر اسی طرح وحشی جانوروں کی طرح سب سے الگ رہے۔ یہ سزا ہو سکتا ہے کہ ایک قانون کی صورت میں ہو جس کی پابندی اسپر اور دوسرے سب بنی اسرائیل پر منجانب موسیٰ علیہ السلام لازم کر دی گئی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ قانونی حیثیت کی سزا سے آگے خود اسکی ذات میں بقدرت خداوندی کوئی ایسی بات پیدا کر دی گئی ہو کہ وہ دوسروں کو چھو سکے نہ کوئی دوسرا اسکو چھو سکے جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے اس میں یہ کیفیت پیدا ہو گئی تھی کہ اگر یہ کسی کو ہاتھ لگا دے یا کوئی اسکو ہاتھ لگا دے تو دونوں کو بجا چڑھ جاتا تھا، کذا فی العالم۔ اس ڈر کے مارے وہ سب سے الگ بھاگا پھرتا تھا اور جب کسی کو قریب آتا دیکھتا تو دور سے پکارتا تھا لَا مِسَاسَ ۚ یعنی کوئی مجھے نہ چھوئے۔ سامری کی سزائیں ایک لطیفہ روح المعانی میں بحوالہ بحر محیط نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی خدات اور لوگوں کی خدمت کرنے کی وجہ سے قتل کی سزا سے منع فرما دیا۔ (بیان القرآن)

لَنُخْرِقَنَّكَ (یعنی ہم اس کو آگ میں جلائیں گے) یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بھڑا سونے چاندی کے زیورات سے گھرا ہوا تھا تو اس کے آگ میں جلانے کی کیا صورت ہوگی سونا چاندی بگھلنے والی چیز ہے جلنے والی نہیں۔ جواب یہ ہے کہ اول تو خود اس میں اختلاف ہے کہ پھرے میں آثار حیات پیدا ہونے کے بعد بھی وہ چاندی سونے ہی کا رہا یا اسکی حقیقت تبدیل ہو کر گوشت اور خون بن گیا۔ اگر وہ گوشت اور لحم و دم بن گیا تھا تو ظاہر ہے کہ اسکو جلائیکا مطلب ہوگا کہ ذبح کر کے جلادیا جائیگا اور اگر دوسرا قول لیا جائے تو اسے جلائیکا مطلب ہوگا کہ اسکو سوہان سے ریت کر



ذرہ کر دیا جاوے گا (کما فی الدر المنثور) یا کسی حیلہ اکسیر یہ سے جلا دیا جاوے گا (کما فی لوح المعانی)  
اور یہ بھی کوئی امر مستبعد نہیں کہ احراق اور جلانا بطور خرق عادت و معجزہ ہو و اللہ اعلم (بیان القرآن)

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاءٍ مَّا قَدْ سَبَقَ وَ قَدْ اَتَيْنَكَ

یوں سناتے ہیں ہم تجھ کو ان کے احوال جو پہلے گزر چکے اور ہم نے دی تجھ کو

مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۙ (۹۹) مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ

اپنے پاس سے پڑھنے کی کتاب جو کوئی منہ پھیرے اُس سے سو وہ اٹھائے گا دن

الْقِيَمَةِ وَ نُرَّا ۙ (۱۰۰) خَلِدُ يَنْ فِيْهِ و سَاءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

قیامت کے ایک بوجھ سدا رہیں گے اسیں اور بُرا ہے اُن پر قیامت میں وہ

حِمْلًا ۙ (۱۰۱) يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَ نَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ

بوجھ اٹھانے کا جس دن پھونکیں گے صور میں اور گھیر لائیں گے ہم گناہگاروں کو اُس دن

زُرْقًا ۙ (۱۰۲) يَتَخَفَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۙ (۱۰۳) نَحْنُ

نیلی آنکھیں چمکے چمکے کہتے ہونگے آپس میں تم نہیں رہے مگر دس دن ہم کو

اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ

خوب معلوم ہے جو کچھ کہتے ہیں جب بولے گا ان میں اچھی راہ روش دالا تم نہیں رہے

اِلَّا يَوْمًا ۙ (۱۰۴) وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ

مگر ایک دن اور تجھ سے پوچھتے ہیں پہاڑوں کا حال سو تو کہہ انکو بکیر بکیر میرا رب

نَسْفًا ۙ (۱۰۵) فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۙ (۱۰۶) لَا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا

اُڑا کر پھر کر چھوڑ دے گا زمین کو صاف میدان نہ دیکھے تو اُس میں موڑ

وَّ لَا اَمْتًا ۙ (۱۰۷) يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ وَ

اور نہ ٹیلا اُس دن پیچھے دوڑیں گے پکارنے والے کے پیڑھی نہیں جس کی بات اور

خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۙ (۱۰۸)

دب جائیں گی آوازیں رحمن کے ڈر سے پھر تو نہ سنے گا مگر کہیں کہیں آواز

يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اٰذَنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ

اُس دن کام نہ آئیگی سفارش مگر جس کو اجازت دی رحمن نے



وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۝۹۹ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

اور پسند کی اس کی بات وہ جانتا ہے جو کچھ ہے اُن کے آگے اور پیچھے

وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ۝۱۰۰ وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ

اور یہ قابو میں نہیں لاسکتے اس کو در یافت کر اور رگڑتے ہیں منہ آگے اس جیتے ہمیشہ رہنے والے کے

وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۝۱۰۱ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ

اور خراب ہوا جس نے بوجھ اٹھایا ظلم کا اور جو کوئی کرے کچھ بھلائیوں

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَفُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا ۝۱۰۲ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ

اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو سوا اس کو ڈر نہیں بے انصافی کا اور نہ نقصان پہنچنے کا اور اسی طرح اُنارا ہم نے

قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ

قرآن عربی زبان کا اور پھیر پھیر کر سنائی اس میں ڈرانے کی باتیں تاکہ وہ

يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۝۱۰۳ فَتَعَلَى اللَّهُ الْمَلِكُ

پر آمیز کریں یا ڈالے ان کے دل میں سوچ سو بلند درجہ الشکر کا اس سے

الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ

بادشاہ کا اور تو جلدی نہ کر قرآن کے لینے میں جب تک پورا نہ ہو چکے

إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۝۱۰۴

اس کا اُترنا اور کہہ اے رب زیادہ کر میری سمجھ

### خلاصہ تفسیر

رابطہ آیات | سورہ طہ میں اصل بیان توحید، رسالت اور آخرت کے اصولی مسائل کا ہے انبیاء علیہم السلام کے واقعات اسی سلسلہ میں بیان ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بڑی تفصیل سے ذکر ہوا ہے اور اس کے ضمن میں رسالت محمدیہ کا اثبات بھی ہے اسی اثبات رسالت محمدیہ کا یہ حصہ ہے جو اگلی آیات میں بیان ہوا ہے کہ ان واقعات و قصص کا اظہار ایک نبی امتی کی زبان سے خود دلیل رسالت و نبوت اور وحی الہی کی ہے اور ان سب کا سرچشمہ قرآن ہے اور حقیقت قرآن کے ذیل میں کچھ تفصیل معاد و آخرت کی بھی آگئی ہے جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا، اسی طرح ہم آپ سے اور واقعات گزشتہ کی خبریں (اور حکایتیں) بھی بیان کرتے رہتے ہیں تاکہ نبوت کے دلائل میں زیادتی ہوتی چلی جائے، اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ



دیا ہے یعنی قرآن جس میں وہ خبریں ہیں اور وہ خود بھی استقلالاً بوجہ اپنے اعجاز کے دلیلِ نبوت ہے اور وہ نصیحت نامہ ایسا ہے کہ جو لوگ اس (کے مضامین ماننے) سے روگردانی کریں گے سو وہ قیامت کے روز بڑا بھاری بوجھ (عذاب کا) لادے ہونگے (اور) وہ اس (عذاب) میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بوجھ قیامت کے روز ان کے لئے بڑا (بوجھ) ہوگا جس روز صور میں پھونک ماری جاوے گی (جس سے مرنے زندہ ہو جاویں گے) اور ہم اس روز مجرم (یعنی کافر) لوگوں کو (میدانِ قیامت میں) اس حالت سے جمع کریں گے کہ (نہایت بد صورت ہونگے کہ آنکھوں سے) کربچے ہونگے (جو آنکھوں کا بدترین رنگ شمار ہوتا ہے اور خوفزدہ اس قدر ہونگے کہ) چپکے چپکے آپس میں باتیں کرتے ہونگے اور ایک دوسرے سے کہتے ہونگے کہ تم لوگ (قبروں میں) صرف دس روز رہے ہو گئے (مطلب یہ کہ ہم تو یوں سمجھے تھے کہ مگر پھر زندہ ہونا نہیں یہ گمان تو بالکل غلط نکلا، نہ زندہ ہونا تو درکنار یہ بھی تو نہ ہوا کہ دیر ہی میں زندہ ہوتے بلکہ بہت ہی جلدی زندہ ہو گئے کہ وہ مدت دس روز کے برابر معلوم ہوتی ہے بوجہ اس مقدار کے برابر معلوم ہونے کی اس روز کی درازی اور ہول اور پریشانی ہے کہ قبر میں رہنے کی مدت اس کے سامنے اس قدر کم معلوم کی جاتی تھی فرماتے ہیں کہ جس (مدت) کی نسبت وہ بات چیت کریں گے اس کو ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ کتنا (جگہ) ان سب میں کا زیادہ صائب الرائے یوں کہتا ہوگا کہ نہیں تم تو ایک ہی روز (قبر میں) رہے ہو (اس کو صائب الرائے اس لئے فرمایا کہ یوم کے طول اور ہول کے اعتبار سے یہی نسبت اقرب ہے پس اس شخص کو حقیقت شدت کا زیادہ ادراک ہوا اس لئے اس شخص کی رائے پہلے شخص کے اعتبار سے بہتر ہے اور یہ مقصود نہیں کہ اس شخص کی بات بالکل صحیح ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ دونوں مقداریں اصلی تقدیر کے اعتبار سے صحیح نہیں اور نہ ان قائلین کا یہ مقصود تھا) اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کا حال سنکر بعضے لوگ آپ سے پہاڑوں کی نسبت پوچھتے ہیں کہ قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا سو آپ (جواب میں) فرمادیں گے کہ میرا رب ان کو (ریزہ ریزہ کر کے) بالکل اڑا دیگا پھر زمین کو ایک میدان ہوا کر دیگا کہ جس میں تو (اے مخاطب) نہ ناہوا رہی دیکھے گا اور نہ کوئی بلنبی (پہاڑ ٹیلہ وغیرہ کی) دیکھے گا اس روز سب کے سب (خدائی) بلائیوالے (یعنی صور پھونکنے والے فرشتے) کے کہنے پر ہولیں گے (یعنی وہ اپنی صورت پھونکنے کی آواز سے سب کو قبروں سے بلا دیگا تو سب بھل پڑیں گے) اسکے سامنے (کسی کا) کوئی ٹیڑھا پن نہ رہے گا (کہ قبر سے زندہ ہو کر نہ بھلے جیسے دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے سامنے ٹیڑھے رہتے تھے کہ تصدیق نہ کرتے تھے) اور (مارے ہیبت کے) تمام آوازیں اللہ تعالیٰ کے سامنے اب جاویں گی سو (اے مخاطب) تو بجز پاؤں کی آہٹ کے کہ میدانِ حشر کی طرف چپکے چپکے چل رہے ہونگے) اور کچھ (آواز) نہ سنیں گے (نہ)



بوجہ اس کے کہ اس وقت بولتے ہی نہ ہونگے گو دوسرے موقع پر آہستہ آہستہ بولیں، بیسار اُد پر آیا ہے  
 یتخافتون اور خواہ بوجہ اس کے کہ بہت آہستہ بولتے ہونگے جو ذرا فاصلے سے ہو وہ نہ سُن سکے،  
 اُس روز (کسی کو کسی کی) سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو (انبیاء و صلحاء کی سفارش  
 نفع دے گی) کہ جس کی سفارش کرنے کی واسطے اللہ تعالیٰ نے (شافعین کو) اجازت دیدی ہو اور  
 اُس شخص کی واسطے (شافع کا) بولنا پسند کر لیا ہو (مراد اس سے مومن ہے کہ شافعین کو اس کی سفارش  
 کے لئے اجازت ہوگی اور اس باب میں شافع کا بولنا پسند یہ حق ہوگا اور کفار کیلئے سفارش کی  
 کسی کو اجازت ہی نہ ہوگی پس عدم نفع بوجہ عدم شفاعت کے ہے اس میں اعتراض کرنا لے کفار کو ڈرانا،  
 کہ تم تو شفاعت سے بھی محروم رہو گے اور وہ (اللہ تعالیٰ) ان سب کے اگلے بچھلے احوال کو جانتا ہے  
 اور اس (کے معلومات کو) انکا علم احاطہ نہیں کر سکتا (یعنی ایسا تو کوئی امر نہیں جو خلق کو معلوم ہو اور اللہ تعالیٰ  
 کو معلوم نہ ہو اور ایسے بہت امور ہیں جو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں اور خلق کو معلوم نہیں پس مخلوقات کے وہ سب  
 احوال بھی اس کو معلوم ہیں جن پر شفاعت کی قابلیت یا عدم قابلیت مرتب ہے سو جو اسکا اہل ہوگا اسکے  
 واسطے سفارش کرنیکی شافعین کو اجازت ہوگی اور جو اہل نہ ہوگا اسکے لئے اجازت نہ ہوگی، اور  
 (اس روز) تمام چہرے اس جی دُقیوم کے سامنے بچھکے ہونگے (اور سب متکبرین اور منکرین کا تکبر انکا  
 ختم ہو جائیگا) اور اس وصف میں تو سب مشترک ہونگے پھر آگے انہیں یہ فرق ہوگا کہ ایسا شخص تو  
 (ہر طرح) ناکام رہیگا جو ظلم (یعنی شرک) لیکر آیا ہوگا اور جس نے نیک کام کئے ہوں گے اور وہ ایمان  
 بھی رکھتا ہوگا سو اسکو (کامل ثواب ملیگا) نہ کسی زیادتی کا اندیشہ ہوگا اور نہ کمی کا (مثلاً یہ کہ کوئی گنا  
 اسکے نامہ اعمال میں زیادہ لکھ دیا جاوے یا کوئی نیکی کم لکھ دی جاوے اور یہ کنا یہ ہے کمال ثواب ہے  
 پس اسکے مقابلہ میں کفار سے ثواب کی نفی مقصود ہوگی بوجہ عدم موجب ثواب کے گو ظلم اور حق تلفی  
 کفار کی بھی نہ ہوگی اور کفار کے نیک اعمال کا حساب میں نہ لکھا جائیگا یہ کوئی ظلم نہیں بلکہ اسلئے ہے کہ اُن  
 کے اعمال شرط ایمان سے خالی ہونکی وجہ سے کالعدم ہو گئے) اور ہم نے (جس طرح یہ مضامین مذکور  
 مقام صاف صاف ارشاد کئے ہیں) اسی طرح اسکو (سارے کو) عربی قرآن کر کے نازل کیا ہے  
 (جسکے الفاظ واضح ہیں) اور اس میں ہم نے طرح طرح سے وعید (قیامت و عذاب کی) بیان کی ہے  
 (جس سے معنی بھی واضح ہو گئے) مطلب یہ کہ سارے قرآن کے مضامین ہم نے صاف صاف بتائے ہیں،  
 تاکہ وہ (سُننے والے) لوگ (اس کے ذریعہ سے بالکل) ڈر جائیں (اور فی الحال ایمان لے آئیں)  
 یا (اگر بالکل نہ ڈریں تو یہی ہو کہ) یہ قرآن ان کیلئے کسی قدر (تو) سمجھ پیدا کر دے (یعنی اگر پورا  
 اثر نہ ہو تو تھوڑا ہی ہو اور اسی طرح چند بار تھوڑا تھوڑا جمع ہو کر کافی مقدار ہو جائے اور کسی وقت  
 مسلمان ہو جائیں) سو اللہ تعالیٰ بویاد شاہِ حقیقی ہے عالی شان ہے (کہ ایسا نافع کلام نازل



فرمایا، اور جس طرح عمل کرنا اور نصیحت ماننا جو اد پر مذکور ہوئے قرآن کی تبلیغ کا حق واجب ہے، جسکا ادا کرنا سب مسلمانوں پر جو احکام کے مکلف ہیں فرض ہے اسی طرح بعض آداب قرآن کی تنزیل سے بھی متعلق ہیں جن کے ادا کرنا تعلق آپ سے ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ، قرآن (پڑھنے) میں قبل اسکے کہ آپ پراگگی وحی پوری نازل ہو چکے بخلت نہ کیا کیجئے (کہ اس میں آپ کو تکلیف ہوتی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام سے سننا اور اس کو پڑھنا ساتھ ساتھ کرنا پڑتا ہے سو ایسا نہ کیجئے اور اسکا اندیشہ نہ کیجئے کہ شاید یاد نہ رہے یا دکرنا ہمارے ذمہ ہے) اور آپ (بھی یاد ہونے کیلئے رحم سے) یہ دُعا لیجئے کہ اے میرے رب میرا علم بڑھائے (اس میں علم حاصل کے یاد رہنے کی اور غیر حاصل کے حصول کی اور جو حاصل ہو نیوالا نہیں اس میں عدم حصول ہی کو خیر اور مصلحت سمجھنے کی اور سب علوم میں خوش فہمی کی یہ سب دُعائیں داخل ہیں لا تعجل کے بعد اسکا آنا نہایت ہی مناسب ہوا حاصل یہ کہ تدبیر حفظ میں سے تدبیر تعجیل کو ترک کیجئے اور تدبیر دُعا کو اختیار کیجئے)۔

## معارف و مسائل

قَدْ أَتَيْنَكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا، ذکر سے مراد اس جگہ جمہور مفسرین کے نزدیک قرآن ہے مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وِثْرًا، یعنی جو شخص قرآن سے اعراض (روگردانی) کر بیگا قیامت کے روز اسکے اوپر گناہوں کا بڑا بوجھ لدا ہوگا۔ قرآن سے اعراض کی مختلف صورتیں ہیں اسکی تلاوت کی طرف کوئی دھیان ہی نہ کرے نہ کبھی قرآن پڑھنے اور سیکھنے کی فکر کرے یا قرآن کو پڑھے مگر غلط سلط پڑھے تصحیح حروف کی فکر نہ کرے یا صحیح بھی پڑھے مگر بے دلی اور بے پروائی سے پڑھے یا کسی دنیوی مال و عزت کی خواہش سے پڑھے۔ اسی طرح قرآن کے احکام کو سمجھنے کی طرف توجہ نہ دینا بھی قرآن سے اعراض ہے اور سمجھنے کے بعد ان پر عمل کرنے میں کوتاہی یا اسکے احکام کی خلاف ورزی یہ تو اعراض کا انتہائی درجہ ہے۔ غرض قرآن کے حقوق سے بے پروائی کرنے کا بڑا وبال ہے جو قیامت کے روز بارگراں بن کر اسکی گردن پر لاد دیا جائیگا جیسا کہ روایات حدیث میں ہے کہ انسان کے بُرے اعمال اور گناہ قیامت کے روز ایک بارگراں بن کر اسکے اوپر لاد جائیگا۔ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایک گاؤں والے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ صُور کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا کہ ایک سینگ ہے جس میں پھونک ماری جائے گی، مراد یہ ہے کہ سینگ کی طرح کی کوئی چیز ہے جس میں فرشتہ کی پھونک مارنے کا پوری دنیا پر یہ اثر ہوگا کہ سب مُرمے زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے حقیقت اس صُور کی اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ، صحیح حدیث میں حضرت



ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ ابتداء وحی میں جب جبریل امین کوئی آیت قرآن لیکر آتے اور رسول اللہ ﷺ کو سناتے تو آپ اُن کے ساتھ ساتھ آیت کو پڑھنے کی بھی کوشش فرماتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یاد سے نکل جائے اس میں آپ پر دوہری مشقت ہوتی تھی اول قرآن کو جبریلؑ سننے اور سمجھنے کی اسکے ساتھ اسکو یاد رکھنے کے لئے اپنی زبان سے ادا کرنے کی حق تعالیٰ نے اس آیت میں نیز سُورَةُ قِيَامَةِ کی آیت لَا تُحَوِّلُ بِهٖ لِسَانَكَ میں آپکے لئے آسانی یہ پیدا فرمادی کہ جو آیات قرآن آپ پر نازل کی جاتی ہیں اُن کا یاد رکھنا آپکی ذمہ داری نہیں وہ ہمارے ذمہ ہے ہم خود آپ کو یاد کرا دیں گے اسلئے آپ کو جبریل امین کے ساتھ ساتھ پڑھنے اور زبان کو حرکت دینے کی ضرورت نہیں آپ اُس وقت صرف اطمینان کے ساتھ سنا کریں البتہ یہ دُعا کرتے رہیں کہ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا، یعنی اے میرے پروردگار میرا علم بڑھا دیجئے اس جامع دُعا میں نازل شدہ قرآن کا یاد رکھنا بھی داخل ہے اور غیر نازل شدہ کی طلب بھی اور اُسکے سمجھنے کی توفیق بھی۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ فَنَسَىٰ وَلَمْ نُجِدْ لَهُ عَزْمًا ۝۱۱۵

اور ہم نے تاکید کر دی تھی آدم کو اس سے پہلے پھر بھول گیا اور نہ پائی ہم نے اس میں کچھ ہمت

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ ۝۱۱۶

اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ میں گر پڑے، مگر نہ مانا ابلیس نے

فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا تَخْرُجَنَّ مَنَا

پھر کہد یا ہم نے اے آدم یہ دشمن تیرا ہے اور تیرے جوڑے کا سو نکلوا نہ دے

مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشَقَّ ۝۱۱۷ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ۝۱۱۸

تم کو بہشت سے، پھر تو پڑ جائے تکلیف میں، تجھ کو یہ ملا ہے کہ نہ ٹھوکا ہو تو اس میں اور نہ

وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَصْحَىٰ ۝۱۱۹ قَوْسُوسَ إِنِّي

اور یہ کہ نہ پیاس کھینچے تو اس میں اور نہ دھوپ پھر جی میں ڈالا اس کے

الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ

شیطان نے کہا اے آدم میں بتاؤں تجھ کو درخت سدا زندہ رہنے کا اور

مُلْكٍ لَا يَبْلَىٰ ۝۱۲۰ فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا

بادشاہی جو پرانی نہ ہو پھر دونوں نے کھا لیا اس میں سے پھر کھل گئیں اُن پر انکی بُری چیزیں اور گئے



يَخْصِفْنَ عَلَيْهِمَا مِنْ ذَرِّقِ الْجَنَّةِ زَوْعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ

کھانٹنے اپنے اوپر پتے بہشت کے اور حکم ٹالا آدم نے اپنے رب کا

فَقَوَىٰ ۝۱۲۱ ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ ۝۱۲۲ قَالَ

پھر راہ سے بہکا ۱۲۱ پھر نواز دیا اس کو اُس کے رب نے پھر توجہ ہوا اُس پر اور راہ پر لایا ۱۲۲ سرایا

أَهْبِطًا مِنْهَا جَمِيعًا ۚ لَبَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ

اُتر د یہاں سے دونوں اکٹھے رہو ایک دوسرے کے دشمن ۱۲۳ پھر اگر پہنچے تم کو

مِّنِّي هُدًى ۚ فَتَّبِعْ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ۝۱۲۳

میری طرف سے ہدایت ۱۲۳ پھر جو چلا میری بتلائی راہ پر سو وہ نہ بہکے گا اور نہ وہ تکلیف میں پڑے گا

وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ

اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کو ملنی ہے گزران تنگی کی اور لائیں گے ہم اس کو

يَوْمَ الْقِيَامَةِ آعْمَىٰ ۝۱۲۴ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ وَقَدْ

دن قیامت کے اندھا ۱۲۴ وہ کہے گا اے رب کیوں اٹھا لایا تو مجھ کو اندھا اور میں تو

كُنْتُ بَصِيرًا ۝۱۲۵ قَالَ كَذَلِكِ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا ۚ وَكَذَلِكَ

تھا دیکھنے والا ۱۲۵ فرمایا یونہی پہنچی تھیں تجھ کو ہماری آیتیں پھر تو نے انکو بھلا دیا، اور اسی طرح

الْيَوْمَ تُنْسَىٰ ۝۱۲۶ وَكَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَهُ يَوْمٌ مِّنْ

آج تجھ کو بھلا دیں گے اور اسی طرح بدلہ دیں گے ہم اس کو جو حد سے بیکلا اور یقین نہ لایا اپنے

بَآيَاتِ رَبِّهِ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ ۝۱۲۷

رب کی باتوں پر اور آخرت کا عذاب سخت ہے اور بہت باقی رہنے والا ۱۲۷

## خلاصہ تفسیر

اور اس سے (بہت زمانہ) پہلے ہم آدم (علیہ السلام) کو ایک حکم دے چکے تھے (جبکہ بیان آگے آتا ہے) سوان سے غفلت (اور بے احتیاطی) ہو گئی اور ہم نے (اس حکم کے اہتمام میں) ان میں نچنگی (اور ثابت قدمی) نہ پائی اور (اس اجمال کی تفصیل اگر مطلوب ہو تو) وہ وقت یاد کرو جبکہ ہم نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ آدم (علیہ السلام) کے سامنے سجدہ (تحیت) کرو



سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے (کہ) اُس نے انکار کیا پھر ہم نے (آدم سے) کہا کہ اے آدم (یاد رکھو) یہ بلا شبہ تمہارا اور تمہاری بی بی کا (اسوجہ سے) دشمن ہے (کہ تمہارے معاملہ میں مردود ہوا) سو کہیں تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا (یعنی اسکے کہنے سے کوئی ایسا کام مت کر بیٹھنا کہ جنت سے باہر کئے جاؤ) پھر مصیبت (اکتسابِ معاش) میں پڑ جاؤ (اور ساتھ میں تمہاری بی بی بھی مگر زیادہ حصہ مصیبت کا تم کو بھگتنا پڑے اور) یہاں جنت میں تو تمہارے لئے یہ (آرام) ہے کہ تم نہ کبھی بھوکے ہو گے (جس سے تکلیف ہو یا اسکی تدبیر میں دیر اور پریشانی ہو) اور نہ تنگے ہو گے (کہ کپڑا نہ ملے یا احتیاج کے اتنی دیر بعد ملے کہ تکلیف ہونے لگے) اور نہ یہاں پیاسے ہو گے (کہ پانی نہ ملے یا دیر ہونے سے تکلیف ہو) اور نہ دھوپ میں تپو گے (کیونکہ جنت میں دھوپ ہی نہیں اور مکان بھی ہر طرح پناہ کے ہیں بخلاف اس حالت کے کہ اگر جنت سے نکل کر دنیا میں گئے تو یہ ساری مصیبتیں پیش آویں گی اسلئے ان امور کو پیش نظر رکھ کر خوب ہی ہوشیاری و بیداری سے رہنا) پھر ان کو شیطان نے (جھانسنہ دیا یعنی) بہکایا، کہنے لگا کہ اے آدم کیا میں تم کو ہمیشگی (کی صفت) کا درخت بتلا دوں (کہ اسکے کھانے سے ہمیشہ شاد و آباد رہو) اور ایسی بادشاہی جس میں کبھی ضعف نہ آوے سو اسکے بہکانے سے) دونوں نے اس درخت سے کھالیا (جس سے ممانعت ہوئی تھی اور شیطان نے اسکو شجرۃ الخلد کہہ کر بہکایا تھا) تو (اسکے کھاتے ہی) ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور (اپنا بدن ڈھانکنے کو) دونوں اپنے (بدن کے) اوپر جنت (کے درختوں) کے پتے چپکانے لگے اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہو گیا سو (جنت میں ہمیشہ رہنے کا مقصد حاصل کرنے کے باب میں) غلطی میں پڑ گئے پھر (جب انھوں نے معذرت کی تو) ان کے بے (زیادہ) مقبول بنالیا سو ان پر (مہربانی سے) توجہ فرمائی اور راہ (راست) پر ہمیشہ قائم رکھا (کہ پھر ایسی خطا نہیں ہوئی اور جب درخت کھالیا تو) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دونوں کے دونوں جنت سے اتر دو اور دنیا میں (ایسی حالت سے جاؤ کہ تمہارے فرزندوں میں) ایک کا دشمن ایک ہو گا پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت (کا ذریعہ یعنی رسول یا کتاب) پہنچے تو (تم میں) جو شخص میری اس ہدایت کا اتباع کرے گا تو وہ نہ (دنیا میں) گمراہ ہو گا اور نہ (آخرت میں) شقی ہو گا، اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا تو اسکے لئے (قیامت) سے پہلے دنیا اور قبر میں) تنگی کا جینا ہو گا اور قیامت کے روز ہم اسکو اندھا کر کے (قبر سے) اٹھائیں گے وہ (تعجب سے) کہے گا کہ اے میرے رب آپ نے مجھ کو اندھا کر کے کیوں اٹھایا میں تو (دنیا میں) آنکھوں والا تھا (مجھ سے ایسی کیا خطا ہوئی) ارشاد ہو گا کہ (جیسی تجھ کو سزا ہوئی ہے) ایسا ہی (تجھ سے عمل ہوا تھا وہ یہ کہ) تیرے پاس (انبیاء و علماء کے واسطے سے) ہمارے احکام



پہنچے تھے پھر تو نے ان کا کچھ خیال نہ کیا اور ایسا ہی آج تیرا کچھ خیال نہ کیا جا دیکھا (جیسا تو نے خیال نہ کیا تھا) اور (جس طرح کہ یہ سزا مناسب عمل دی گئی) اسی طرح (ہر) اس شخص کو ہم (مناسب عمل) سزا دیں گے جو حد (اطاعت) سے گزر جائے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لادے اور واقعی آخرت کا عذاب بڑا سخت اور بڑا دیر پا دکھ اس کی کہیں انتہا ہی نہیں تو اس سے بچنے کا بہت ہی اہتمام کرنا واجب ہے۔)

## معارف و مسائل

ربط | یہاں سے حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان ہوتا ہے یہ قصہ اس سے پہلے سورہ بقرہ اور اعراف میں پھر کچھ سورہ حجر اور سورہ کہف میں گزر چکا ہے اور آخر میں سورہ ص میں آئیگا، ہر مقام پر اس کے مناسب اجزاء قصہ کو مع ہدایات متعلقہ کے بیان کیا گیا ہے۔

اس مقام پر اس قصہ کی مناسبت پچھلی آیات سے حضرات مفسرین نے مختلف پہلوؤں سے بیان فرمائی ہے انہیں سب سے زیادہ روشن اور بے غبار بات یہ ہے کہ سابقہ آیات میں یہ ارشاد آیا ہے کَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ آپ کی نبوت و رسالت کے اثبات اور آپ کی امت کو متنبہ کرنے کے لئے ہم انبیاء سابقین کے حالات و واقعات آپ سے بیان کرتے ہیں جنہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی قصہ اس آیت سے پہلے بیان ہو چکا ہے اور ان تمام قصوں میں سب سے پہلا اور بعض حیثیات میں سب سے اہم حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ ہے۔ یہاں سے اسکو شروع کیا گیا ہے جس میں امت محمدیہ کو اس پر تنبیہ کرنا ہے کہ شیطان تمام بنی آدم کا پُرانا دشمن ہے اس نے سب سے پہلے تمہارے ماں باپ سے اپنی دشمنی نکالی اور طرح طرح کے حیلوں بہانوں اور ہمدردانہ مشوروں کے جال پھیلا کر ان کو ایک لغزش میں مبتلا کر دیا جس کے نتیجہ میں جنت سے اترنے کے احکام جاری ہوئے اور جنت کی پوشاک ان سے سلب ہو گئی پھر حق تعالیٰ کی طرف رجوع اور لغزش کی معافی ہو کر ان کو رسالت و نبوت کا مقام بلند عطا ہوا۔ اس لئے تمام بنی آدم کو انوارِ شیطانی سے کبھی بے فکر نہ ہونا چاہیے، احکامِ دین کے معاملے میں شیطانی دس دس اور حیلوں سے بچنے کا بڑا اہتمام کرنا چاہیے۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ قَنَسٰی دَكْرًا نَّحْنُ لَكَ عَرْمَا، اس میں لفظ عہدنا امر نایا و عہدنا کے معنی میں ہے (بجرحیظ) مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس واقعہ کے متعلق آپ سے بہت پہلے آدم علیہ السلام کو ایک وصیت کی تھی یعنی تاکید کی تھی کہ جسکا ذکر سورہ بقرہ وغیرہ میں بھی ہو چکا،



اور آگے بھی کچھ آ رہا ہے کہ ایک درخت کو معین کر کے بتلادیا تھا کہ اس درخت کو یعنی اس کے پھل پھول یا کسی جز کو نہ کھانا اور اس کے قریب بھی نہ جانا، باقی ساری جنت کے باغات اور نعمتیں تمہارے لئے کھلی ہوئی ہیں اُن کو استعمال کرتے رہو اور جیسا کہ آگے آتا ہے یہ بھی بتلادیا تھا کہ ابلیس تمہارا دشمن ہے کہیں اس کے بہکانے میں نہ آ جانا کہ تمہارے لئے مصیبت بنے مگر آدم علیہ السلام بھول گئے اور اُنہیں ہم نے ارادہ کی نچنگی نہ پائی۔ یہاں دو لفظ آئے ہیں ایک نسیان دوسرے عزم، نسیان کے معنی مشہور ہیں بھول جانا، غفلت میں پڑ جانا اور عزم کے لفظی معنی کسی کام کے لئے اپنے ارادے کو مضبوط باندھنے کے ہیں۔ ان دونوں لفظوں سے مراد اس جگہ کیا ہے اس کے سمجھنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں اور پیغمبر سب کے سب گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

پہلے لفظ میں حضرت آدم علیہ السلام پر نسیان اور بھول طاری ہو جانے کا ذکر ہے اور چونکہ بھول اور نسیان غیر اختیاری امر ہے اسلئے اس کو گناہ ہی میں شمار نہیں کیا گیا جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے (رُح عَنْ اَمْتِي الْخَطَا وَالنِّسْيَا) یعنی میری اُمت سے خطا اور نسیان کا گناہ معاف کر دیا گیا ہے اور قرآن کریم کا ارشاد عام ہے (لَا يَكْفِيكَ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا دُسْعَهَا) یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو ایسا کم نہیں دیتے جو اس کے اختیار و قدرت سے باہر ہو۔ لیکن یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ حق تعالیٰ اُس عالم میں ایسے اسباب بھی رکھے ہیں کہ ان کو پوری احتیاط کے ساتھ استعمال کیا جائے تو انسان بھول اور خطا سے بچ سکتا ہے انبیاء علیہم السلام چونکہ حق تعالیٰ کے مقربین خاص ہیں اُن سے اتنی بات پر بھی مواخذہ ہو سکتا ہے کہ اُن اسباب اختیار یہ سے کیوں کام نہ لیا جن کے ذریعہ اس بھول سے بچ سکتے تھے۔ بسا اوقات ایک زیر سلطنت کیلئے وہ کام قابل مواخذہ سمجھا جاتا ہے جو عام نوکروں کے لئے قابل انعام ہوتا ہے۔ اسی کو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے حَسَنَاتِ الْاَجْرَادِ سَيِّئَاتِ الْمُقَرَّبِينَ، یعنی اُمت کے صالحین اور نیک لوگوں کے بہت سے نیک عمل مقربان بارگاہِ الہی کے حق میں سیئات اور لغزش قرار دی جاتی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا یہ واقعہ اول تو نبوت درسات سے پہلے کا ہے جس میں کسی گناہ کا صدور انبیاء سے بعض علمائے اہل سنت کے نزدیک عصمت کے خلاف نہیں۔ دوسرے درحقیقت یہ بھول ہے جو گناہ نہیں مگر حضرت آدم علیہ السلام کے مقام بلند اور تقرب حق سبحانہ و تعالیٰ کے لحاظ سے اس کو بھی اُن کے حق میں ایک لغزش قرار دی گئی جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا اور اُن کو متنبہ کرنے کے لئے اس لغزش کو عصیان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا جیسا کہ آگے آتا ہے۔

دوسرا لفظ عزم ہے اور اسی آیت میں یہ فرمایا کہ آدم علیہ السلام میں عزم نہ پایا گیا اور پرعام



ہو چکا ہے کہ عزم کے معنی کسی کام کے ارادہ پر مضبوطی سے قائم رہنے کے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام حکیم ربانی کی تعمیل کا مکمل فیصلہ اور قصد کئے ہوئے تھے مگر شیطانی وسوسے سے اس قصد کی مضبوطی میں فرق آگیا اور بھول نے اُس پر قائم نہ رہنے دیا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

وَرَاٰ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِيْہَ اٰسَ عٰہِدَکَ اَمْخَصَرُ بَيَان ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لیا تھا اس میں تخلیق آدم کے بعد سب فرشتوں کو اور اُن کے ضمن میں ابلیس کو بھی، کیونکہ اس وقت تک ابلیس جنت میں فرشتوں کیساتھ رہتا تھا یہاں تک کہ سب کے سب آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں سب فرشتوں نے سجدہ کر لیا مگر ابلیس نے انکار کر دیا جس کی وجہ دوسری آیات میں اسکا تکبر تھا کہ میں آگ سے بنا ہوں یہ مٹی سے، اور آگ بہ نسبت مٹی کے افضل و اشرف ہے میں اسکو سجدہ کیوں کروں، اس پر ابلیس تو ملعون ہو کر جنت سے نیکال گیا۔ حضرت آدم و حوا کے لئے جنت کے سب باغات اور ساری نعمتوں کے دروازے کھول دیئے گئے اور ہر چیز کے استعمال کی اجازت دی گئی صرف ایک معینہ درخت کے متعلق یہ ہدایت کی گئی کہ اسکو (یعنی اسکے پھل پھول وغیرہ کو) نہ کھائیں اور اسکے قریب بھی نہ جائیں۔ یہ مضمون بھی سورہ بقرہ و اعراف کی آیتوں میں آچکا ہے یہاں اسکا ذکر کر نیکیے بجائے حق تعالیٰ نے اپنا وہ ارشاد ذکر کیا ہے جو اس عہد کے محفوظ رکھنے اور اس پر قائم رہنے کے سلسلہ میں فرمایا کہ دیکھو شیطان ابلیس جیسا کہ واقعہ سجدہ کے وقت ظاہر ہو چکا ہے تم دونوں یعنی آدم و حوا کا دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ وہ کسی مکر و حیلے سے دھوکہ دے کر تم سے اس عہد کی خلافت و رزق کرادے جسکا نتیجہ یہ ہو کہ تم جنت سے نیکالے جاؤ۔ فَلَا يَخْرُجُ مِنْكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰی، یعنی یہ شیطان کہیں تمہیں جنت سے نہ نیکلوا دے جس کی وجہ سے تم مصیبت اور مشقت میں پڑ جاؤ۔ لفظ تشقی شقاوت سے مشتق ہے۔ یہ لفظ دو معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے ایک شقاوت آخرت، دوسرے شقاوت دنیا یعنی جسمانی مشقت و مصیبت۔ اس جگہ یہی دوسرے معنی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ پہلے معنی میں کسی پیغمبر کے لئے تو کیا کسی نیک مسلمان کے لئے بھی یہ لفظ نہیں بولا جاسکتا اسی لئے فرار نے اس شقاوت کی تفسیر یہ کی ہے کہ هَوَانٍ يَّاٰكُلٍ مِّنْ كَذٰٓبٍ یہ یعنی شقاوت سے اس جگہ مراد یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں کی محنت سے خوراک حاصل کرنا پڑے گی (قرطبی) اور اس جگہ قرینہ مقام بھی دوسرے ہی معنی کے لئے شاہد ہے کیونکہ اس کے بعد کی آیت میں جنت کی نعمتوں میں سے اُن چار نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو ہر انسان کی زندگی کے لئے عمودی حیثیت رکھتی ہیں اور ضروریات زندگی میں سب سے اہم ہیں۔ یعنی کھانا، پینا، لباس اور مسکن۔ اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ سب نعمتیں جنت میں تو بلا کسی کسب و کتاب اور محنت و مشقت کے ملتی ہیں۔ اس میں اشارہ پایا گیا کہ یہاں سے نکل گئے تو یہ نعمتیں سلب ہو جائیں گی اور شاید اسی اشارہ کے لئے یہاں جنت کی بڑی بڑی نعمتوں کا ذکر



نہیں کیا گیا بلکہ صرف اُن کا ذکر کیا جن پر انسانی زندگی موقوف ہے اور اس سے ڈرایا گیا کہ شیطان غوار میں آکر کہیں ایسا نہ ہو کہ جنت سے نکالے جاؤ اور یہ سب نعمتیں سلب ہو جائیں اور پھر زمین پر اُن ضروریات زندگی کو بڑی محنت مشقت اٹھا کر حاصل کرنا پڑے یہ مفہوم لفظ فَتَشْقٰی کا ہے جو جمہور مفسرین نے لکھا ہے۔ امام قرطبی نے اس جگہ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آدم علیہ السلام جب زمین پر تشریف لائے تو جبریلؑ نے جنت سے کچھ دانے گیہوں چاول وغیرہ کے لاکر دیے کہ انکو زمین میں کاشت کرو پھر جب یہ پودا نکلے اور اُس پر دانے جمیں تو اس کو کاٹو پھر پیس کر روٹی بناؤ اور ان سب کاموں کے طریقے بھی حضرت آدم کو سکھادیے اس کے مطابق آدم علیہ السلام نے روٹی پکائی اور کھانے کے لئے بیٹھے تھے کہ روٹی ہاتھ سے چھوٹ کر پہاڑ کے نیچے لڑھک گئی آدم علیہ السلام اس کے پیچھے چلے اور بڑی محنت کر کے واپس لائے تو جبریل امینؑ نے کہا کہ اے آدم آپ کا اور آپکی اولاد کا رزق زمین پر اسی طرح محنت مشقت سے حاصل ہوگا۔ (قرطبی)

بیوی کا نفقہ ضروریہ | اس مقام پر شروع آیت میں حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے ساتھ حضرت حواء شوہر کے ذمہ ہے کو بھی خطاب میں شریک کیا عَذَّ ذٰلِكَ وَلٰیٰ ذٰلِكَ فَلَا یُخْرِجُکُمَا مِنْ الْجَنَّةِ جس میں بتلایا ہے کہ شیطان آپ کا بھی دشمن ہے اور آپ کی بیوی کا بھی اور یہ کہ ایسا نہ ہو کہ تم دونوں کو یہ جنت سے نکلوا دے مگر آخر آیت میں لفظ فَتَشْقٰی کو مفرد استعمال فرمایا بیوی کو اس میں شریک نہیں کیا ورنہ بمقتضائے مقام فتشقیٰ کہا جاتا۔ امام قرطبی نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ ضروریات زندگی بیوی کی مرد کے ذمہ ہیں ان کے حصول میں جو محنت و مشقت آداسکا تنہا ذمہ دار مرد ہے اسی لئے فَتَشْقٰی بصیغہ مفرد لاکر اشارہ کر دیا کہ زمین پر آتائے گئے تو ان ضروریات زندگی کی تکمیل میں جو کچھ محنت مشقت اٹھانا پڑیگی وہ حضرت آدم علیہ السلام پر پڑے گی کیونکہ حواء کا نفقہ اور ضروریات زندگی فراہم کرنا ان کے ذمہ ہے۔

نفقہ واجبہ صرف | قرطبی نے فرمایا کہ اسی آیت نے ہمیں یہ بھی بتلادیا کہ عورت کا جو نفقہ مرد کے چار چیزیں ہیں | ذمہ ہے وہ صرف چار چیزیں ہیں۔ کھانا پینا اور لباس اور مسکن۔ اس سے زائد جو کچھ شوہر اپنی بیوی کو دیتا یا اُس پر خرچ کرتا ہے وہ تبرع باحسان ہے واجب لازم نہیں ماسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیوی کے علاوہ جس کسی کا نفقہ شراعت نے کسی شخص کے ذمہ مانگ دیا ہے اس میں بھی چار چیزیں اس کے ذمہ واجب ہوتی ہیں جیسے ماں باپ کا نفقہ اولاد کے ذمہ جبکہ وہ محتاج اور معذور ہو وغیر ذلک جسکی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

اِنَّ لَّكَ اَلًا تَجُوُّوْنَ فِیْہَا وَ لَا تَعْرٰی، جنت میں ضروریات زندگی کی یہ بنیادی چاروں چیزیں بے مانگے بلا مشقت ملتی ہیں۔ اور جنت میں ٹھوکنے لگنے سے یہ شے نہ کیا جائے کہ جب تک ٹھوکنے



نہ لگے کھانے کا ذائقہ اور لذت ہی نہیں آگیتی، اسی طرح جب تک پیاس ہو ٹھنڈے پانی کی لذت و راحت نہیں محسوس ہو سکتی وجہ یہ ہے کہ جنت میں بھوک پیاس نہ لگنے کا مطلب یہ ہے کہ بھوک پیاس کی تکلیف نہیں اٹھانی پڑتی کہ بھوک کے وقت کھانے کو اور پیاس کے وقت پینے کو نہ ملے یا دیر میں ملے بلکہ ہر وہ چیز جس کو اس کا دل چاہے گا فوراً حاضر موجود ملے گی۔

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ إِلَى قَوْلِهِ وَعَصَى أَدَمُ رَبَّهُ غَوَى، اس آیت میں جو یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ نے حضرت آدم و حوا کو کسی خاص درخت کے کھانے اور اُس کے پاس جانے سے بھی روک دیا تھا اور اُس پر مزید یہ تنبیہ بھی فرمادی تھی کہ شیطان تم دونوں کا دشمن ہے اس کے مکر و کید سے بچتے رہنا وہ کہیں تمہیں جنت سے نہ نکلوا دے اتنی واضح ہدایتوں کے بعد بھی یہ پغمبرِ عالی مقام شیطان کے دھوکے میں کس طرح آگئے اور یہ کہ یہ تو کھلی نافرمانی اور گناہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اللہ کے نبی و رسول ہیں اُن سے یہ گناہ کیسے سرزد ہوا جبکہ جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہر چھوٹے بڑے گناہ سے معصوم ہوتے ہیں۔ ان سب سوالات کا جواب سورہ بقرہ کی تفسیر معارف القرآن جلد اول صفحہ ۱۳۶ پر گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔ اور اس آیت میں جو حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت صاف لفظوں میں عصی اور پھر غوی فرمایا گیا ہے اس کی وجہ بھی سورہ بقرہ میں بیان ہو چکی ہے کہ اگرچہ آدم علیہ السلام کا یہ عمل شرعی قانون کی رو سے گناہ میں داخل نہیں تھا لیکن حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے رسول اور مقربین خاص میں سے ہیں اس لئے اُن کی ادنیٰ لغزش کو بھی بھاری لفظوں سے عصیان کہہ کر تعبیر کیا گیا اور اس پر عتاب کیا گیا اور لفظ غوی دو معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے ایک معنی زندگی تلخ ہو جانے اور عیش خراب ہو جانے کے ہیں۔ دوسرے معنی گمراہ ہو جانے یا غافل ہو جانے کے۔ ائمہ تفسیر قرشیری اور قرطبی وغیرہ نے اس جگہ لفظ غوی کے پہلے معنی ہی کو اختیار کیا ہے اور مراد یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جو عیش جنت میں حاصل تھا وہ نہ رہا زندگی تلخ ہو گئی۔

انبیاءِ عظیم السلام کے بارے میں ایک قاضی ابوبکر ابن عربی نے احکام القرآن میں آیت مذکورہ میں ہم ہدایت اُنکے ادب احترام کی حفاظت جو الفاظ عصی وغیرہ آدم علیہ السلام کے بارے میں ہیں اس سلسلہ میں انھوں نے ایک اہم بات ارشاد فرمائی ہے وہ انھیں کے الفاظ میں یہ ہے۔

لا یجوز لأحدنا اليوم ان یغفر بئذ لك عن آدم  
الا اذا ذكرناه فی انشاء قولہ تعالیٰ عنہ او قول  
نبیہ، فاما ان یستدعی ذلک من قبل نفسه  
فلا یس بجائز لنا فی ابائنا الادیان الیہنا المماثلین  
لنا فکیف فی ابینا الاقدام الاعظم الاکرم السببی

ہم میں کسی کیلئے آج یہ جائز نہیں کہ آدم علیہ السلام کی طرف یہ لفظ عصیان منسوب کرے بجز اسکے کہ قرآن کی اس آیت کے یا کسی حدیث نبوی کے ضمن میں آیا ہو وہ بیان کرے لیکن یہ کہ اپنی طرف سے یہ لفظ منسوب کرنا ہمارے اپنے قریبی آباء و اجداد کے لئے بھی جائز نہیں، پھر ہمارے سب سے



المقدم الذی عنده اللہ سبحانہ و تعالیٰ و تاب  
 علیہ و غفرلہ (از تفسیر قرطبی ذکرہ فی البحر المحیط ایضاً)  
 پہلے باپ جو ہر حیثیت میں ہمارے آبا سے مقدم اور عظیم و اکرم ہو  
 اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر معزز ہیں جن کا عذر اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا  
 اور معافی کا اعلان کر دیا ان کے لئے تو کسی حال میں جائز نہیں۔

اسی لئے قشیری ابو نصر نے فرمایا کہ اس لفظ کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو عاصی اور غاوی کہنا  
 جائز نہیں اور قرآن کریم میں جہاں کہیں کسی نبی یا رسول کے بارے میں ایسے الفاظ آئے ہیں یا تو وہ خلافت اور  
 امور ہیں یا نبوت کے پہلے کے ہیں۔ اس لئے بعض آیات قرآن و روایات حدیث تو ان کا تذکرہ درست ہے لیکن اپنی طرف  
 سے ان کی شان میں ایسے الفاظ استعمال کرنے کی اجازت نہیں (قرطبی)

اھبطا منھا جمیعاً، یعنی اتر جاؤ جنت سے (دونوں) یہ خطاب حضرت آدم و ابلیس دونوں کے  
 لئے بھی ہو سکتا ہے اور اس صورت میں بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ کا مضمون واضح ہے کہ دنیا میں جب کہ بھی  
 شیطان کی دشمنی جاری رہے گی اور اگر یہ کہا جائے کہ شیطان کو تو اس واقعہ سے پہلے ہی جنت سے نکالا جا چکا  
 تھا اب اس کو اس خطاب میں شریک قرار دینا بعید ہے تو دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ یہ خطاب آدم و حوا  
 علیہما السلام دونوں کو ہو۔ اس صورت میں باہمی عداوت سے مراد ان کی اولاد میں باہمی عداوت ہونے  
 کو بیان کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اولاد میں باہمی عداوت ماں باپ کی زندگی بھی تلخ کر دیتی ہے۔

وَمَنْ أَغْوَى عَنْ ذِكْرِي، یہاں ذکر سے مراد قرآن بھی ہو سکتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی ذات مبارک بھی جیسا کہ دوسری آیات میں ذِکْرًا و سُوْرًا آیا ہے دونوں کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص قرآن  
 سے یا رسول سے اعراض کرے یعنی قرآن کی تلاوت اور اسکے احکام پر عمل سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی اطاعت سے اعراض کرے اس کا انجام یہ ہے کہ کَانَ لَهُ مَعِيشَةٌ ظَنُّنَا وَنَحْنُ نَرَى يَوْمَ الْفِتْنَةِ  
 اَنْغْوٰی، یعنی اسکی معیشت تنگ ہوگی اور قیامت میں اسکو اندھا کر کے اٹھایا جائیگا۔ پہلا عذاب بے نیاز  
 میں اسکو مل جائیگا اور دوسرا یعنی اندھا ہونیکا عذاب قیامت میں ہوگا۔

کافر اور بدکار کی زندگی دنیا میں یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ دنیا میں معیشت کی تنگی تو کفار و فجار کے  
 تلخ اور تنگ ہونے کی حقیقت لئے مخصوص نہیں، مومنین صالحین کو بھی پیش آتی ہے بلکہ انبیاء  
 علیہم السلام کو سب سے زیادہ شدائد و مصائب اس دنیا کی زندگی میں اٹھانے پڑتے ہیں صحیح بخاری  
 اور تمام کتب حدیث میں روایت سعد و غیرہ یہ حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ  
 دنیا کی بلائیں اور مصیبتیں سب سے زیادہ انبیاء پر سخت ہوتی ہیں ان کے بعد جو جس درجہ کا صالح اور  
 ولی ہے اسی کی مناسبت سے اسکو یہ تکلیفیں پہنچتی ہیں۔ اسکے بالمقابل عموماً کفار و فجار کو خوشحال اور  
 عیش و عشرت میں دیکھا جاتا ہے تو پھر یہ ارشاد قرآنی کہ ان کی معیشت تنگ ہوگی آخرت کے لئے تو  
 ہو سکتا ہے دنیا میں خلافت مشاہدہ معلوم ہوتا ہے۔



اسکا صاف بے غبار جواب تو یہ ہے کہ یہاں دنیا کے عذاب کے قبر کا عذاب مراد ہے کہ قبر کی انکی  
معیشت تنگ کر دی جاوے گی۔ خود قبر جو ان کا مسکن ہوگا وہ ان کو ایسا دباؤ لگے گا کہ انکی پسلیاں ٹوٹنے لگیں گی  
بیکار بعض احادیث میں انکی تصریح ہے اور مسند بزار میں بسند جید حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث  
منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس آیت کے لفظ مَعِيشَةٍ ضَنْكًا کی تفسیر یہ فرمائی ہے  
کہ اس سے مراد قبر کا عالم ہے۔ (مظہری)

اور حضرت سعید بن جبیرؓ نے تنگی معیشت کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ ان سے قناعت کا وصف  
سلب کر لیا جاوے گا اور حرص دنیا بڑھادی جاوے گی (مظہری) جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اُنکے پاس کتنا ہی  
مال و دولت جمع ہو جائے کبھی قلبی سکون اسکو نصیب نہیں ہوگا ہمیشہ مال بڑھانے کی فکر اور اس میں  
نقصان کا خطرہ اسکو بے چین رکھے گا۔ اور یہ بات عام اہل تمول میں مشاہد و معروف ہے جسکا حاصل  
یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے پاس سامان راحت تو بہت جمع ہو جاتا ہے مگر جسکا نام راحت ہے  
وہ نصیب نہیں ہوتی کیونکہ وہ قلب کے سکون و اطمینان کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

أَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْغُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسْجِدِهِمْ

سو کیا ان کو سمجھ نہ آئی اس بات سے کہ کتنی فارت کر دیں ہم نے ان سے پہلے جماعتیں یہ لوگ پھرتے ہیں انکی مجلسوں میں

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّأُولِي النَّهْلِ ۝ (۱۳۸) وَلَا كَلِمَةٍ سَبَقَتْ مِنْ

اس میں خوب نشانیاں ہیں عقل رکھنے والوں کو اور اگر نہ ہوتی ایک بات کہ نکل چکی تیرے

رَبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَأَجَلٌ مُّسَمًّى ۝ (۱۳۹) فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَ

رب کی طرف سے تو ضرور ہو جانی مسہد بھیڑ اور اگر نہ ہوتا وعدہ مقرر کیا گیا سو تو سہتا رہ جو وہ کہیں اور

سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا ۚ وَمِنْ آنَاءِ

پر ہمتا رہ خوبیاں اپنے رب کی سوج بکھلنے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے اور کچھ گھڑیوں میں

الْبَيْلِ فَسَبِّحْهُ وَآطْرَافَ النَّارِ لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ ۝ (۱۴۰) وَلَا تَدْنِ عَيْنُكَ

رات کی ہٹھا کر اور دن کی حدوں پر شاید تو راضی ہو اور مت پسار اپنی آنکھیں

إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَاهُ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَ

اس چیز پر جو فائدہ اٹھانے کو دی ہم نے ان طرح طرح کے لوگوں کو رونق دنیا کی زندگی کی ان کے جانچنے کو اور

رِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۝ (۱۴۱) وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ

تیرے رب کی دی ہوئی روزی بہتر ہے اور بہت باقی رہنے والی اور حکم کراپنے گھر والوں کو نماز کا اور خود بھی قائم رہ

عَلَيْهَا ۚ لَا تَسْأَلْ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ۝ (۱۴۲) وَ

اس پر ہم نہیں مانگتے تجھ سے روزی ہم روزی دیتے ہیں تجھ کو اور انجام بخلا ہے پرہیزگاری کا اور



قَالُوا كَوْلَا يَاتِينَا بِآيَةٍ مِنْ رَبِّهِ أَوْ كَلَّا تَأْتِيهِمْ بَيِّنَةٌ مَا فِي الصُّحُفِ

لوگ کہتے ہیں یہ کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس کوئی نشانی اپنے رب سے، کیا ہرگز نہیں پہنچی ان کو نشانی اعلیٰ کتابوں میں

الْأُولَىٰ ۝۱۳۳ وَكَوْلَا أَهْلَكُنَا هُمْ بِعَذَابٍ مِنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا

کی اور اگر ہم ہلاک کر دیتے ان کو کسی آفت میں اس سے پہلے تو کہتے اے رب

كَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ نُنْذِلَ وَ

کیوں نہ بھیجا ہم تک کسی کو پیغام دے کر کہ ہم چلتے تیری کتاب پر ذیل اور فرسوا ہونے سے

نَخْزِي ۝۱۳۴ قُلْ كُلُّ مُتَرَبِّصٍ فَتَرَبَّصُوا ۚ فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ أَصْحَابُ

پہلے تو کہہ ہر کوئی راہ دیکھتا ہے سو تم بھی راہ دیکھو آئندہ جان لو گے کون ہیں سیدھی

الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدَىٰ ۝۱۳۵

راہ والے اور کس نے راہ پائی

## خلاصہ تفسیر

(یہ معترضین جو اعراض پر اصرار کر رہے ہیں تو) کیا ان لوگوں کو (اب تک) اس سے بھی ہدایت

نہیں ہوئی کہ ہم ان سے پہلے بہت سے گردہوں کو (اس اعراض ہی کے سبب عذاب کے) ہلاک کر چکے ہیں

کہ ان (میں سے بعض) کے رہنے کے مقامات میں یہ لوگ بھی چلتے (پھرتے) ہیں (کیونکہ شام کو جاتے

ہوئے اہل مکہ کے رستہ میں بعض ان قوموں کے مکانات آتے تھے) اُس (امر مذکور) میں تو اہل فہم کے

(سمجھنے کے) لئے (کافی) دلائل (اعراض کے نتائج بد ہونے کے) موجود ہیں اور (ان پر فوری عذاب

نہ آنے سے جو ان کو شبہ اپنے مذہب کے مذموم نہ ہو سکا ہوتا ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ) اگر آپ

کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے فرمائی ہوئی نہ ہوتی (وہ یہ کہ بعض مصلحتوں کی وجہ سے ان کو

مہلت دیجائے گی) اور (عذاب کے لئے) ایک میعاد معین نہ ہوتی (کہ وہ قیامت کا دن ہے) تو

(ان کے کفر و اعراض کے اقتضائے) عذاب لازمی طور پر ہوتا (خلاصہ یہ کہ کفر تو مقضیٰ عذاب کا ہے

لیکن ایک مانع کی وجہ سے توقف ہو رہا ہے پس ان کا وہ شبہ اور فوری عذاب نہ آئیے اپنے حق پر

ہونے کا استدلال غلط ہے، غرض یہ کہ اہمال ہے اہمال نہیں) سو (جب عذاب کا آنا یقینی ہے تو)

آپ ان کی (کفر آمیز) باتوں پر صبر کیجئے (اور بغض فی اللہ کی وجہ سے جو ان پر غیظ آتا ہے اور ان پر

تاخیر عذاب اضطراب ہوتا ہے اس اضطراب کو ترک کیجئے) اور اپنے رب کی حمد (دُنا) کے ساتھ

(اکی) تسبیح (و تقدیس) کیجئے (اس میں نماز بھی آگئی) آفتاب نکلنے سے پہلے (مثلاً نماز فجر) اور اسکے

غروب سے پہلے (مثلاً نماز ظہر و عصر) اور اوقات شب میں (بھی) کیا کیجئے (مثلاً نماز مغرب و عشاء)



اور دن کے اول و آخر میں (تسبیح کرنے کے واسطے اہتمام کے لئے مکرر کہا جاتا ہے جس سے نماز فجر و خرب کے ذکر کی بھی اہتماماً تکریر ہو گئی) تاکہ (آپ کو ثواب ملے) آپ (اُس سے) خوش ہوں (مطلب یہ کہ آپ اپنی توجہ معبود حقیقی کی طرف رکھئے لوگوں کی فکر نہ کیجئے) اور ہرگز اُن چیزوں کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے (جیسا اب تک بھی نہیں دیکھا) جس سے ہم نے کفار کے غفلت گرد ہوں کو (مثلاً یہود و نصاریٰ و مشرکین کو) اُن کی آزمائش کے لئے متمتع کر رکھا ہے کہ وہ (محض) دنیوی زندگی کی رونق پر (مطلب اُوروں کو سنانا ہے کہ جب معصوم نبی کے لئے یہ ممانعت ہے جنہیں احتمال بھی نہیں تو غیر معصوم کو تو اسکا اہتمام کیونکر ضروری نہ ہوگا۔ اور آزمائش یہ کہ کون احسان مانتا ہے اور کون کشری کرتا ہے) اور آپ کے رب کا عطیہ (جو آخرت میں ملے گا) بدرجہا (اس سے) بہتر اور دیر پا ہے کہ کبھی فنا ہی نہ ہوگا۔ خلاصہ کلام کا یہ ہوا کہ نہ اُن کے اعراض بکسر الہمزہ کی طرف التفات کیا جاوے نہ انکے اعراض بفتح الہمزہ یعنی اسباب پیش کی طرف سب کا انجام عذاب ہے) اور اپنے متعلقین کو (یعنی اہل خاندان کو یا مومنین کو) بھی نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اسکے پابند رہئے (یعنی زیادہ توجہ کے قابل یہ امور ہیں) ہم آپ کے اور (اسی طرح دوسروں سے ایسے) معاش (کو مانا) نہیں چاہتے جو طاعات ضروریہ سے نافع ہوں) معاش تو آپ کو (اور اسی طرح اُوروں کو) ہم دیں گے (یعنی مقصود اصلی اکتساب نہیں بلکہ دین اور طاعت ہیں) اکتساب کی اُسی حالتیں اجازت یا امر ہے کہ ضروری طاعت میں وہ مغل نہ ہو) اور بہتر انجام تو پرہیزگاری ہی کا ہے۔ (اسلئے ہم حکم دیتے ہیں لَا تَمْنُنْ اور وَأَمْرٌ أَهْلًا اَلَمْ اور مترضین کے بعض احوال و اقوال جو اُوپر معلوم ہوئے اسی طرح اُن کا ایک اور قول بھی مذکور ہوتا ہے کہ) وہ لوگ (غافلاً) یوں کہتے ہیں کہ یہ سؤل ہمارے پاس کوئی نشانی (اپنی نبوت کی) کیوں نہیں لاتے (آگے جواب ہے کہ) کیا ان کے پاس پہلی کتابوں کے مضمون کا ظہور نہیں پہنچا (مُرَاد اس سے قرآن ہے کہ اس سے کتب سابقہ کے مضمون پیشین گوئی کے صدق کا ظہور ہو گیا مطلب یہ کہ کیا انکے پاس قرآن نہیں پہنچا جس کی پہلے سے شہرت تھی کہ وہ نبوت پر کافی دلیل ہے) اور اگر ہم ان کو قبل قرآن آنے کے (سزائے کفر میں کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے) اور پھر قیامت کے روز اصلی سزائے کفر کی دی جاتی کہ وہ لازم ہی تھی) تو یہ لوگ (بطور عذر کے) یوں کہتے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہمارے پاس کوئی سؤل (دُنیا میں) کیوں نہیں بھیجا تھا کہ ہم آپ کے احکام پر چلتے قبل اسکے کہ ہم (یہاں خود) بے قدر ہوں اور (دوسروں کی نگاہ میں) رسوا ہوں (مواب اس عذر کی بھی گنجائش نہیں رہی، اگر وہ یوں کہیں کہ وہ عذاب کر ہو گا تو) آپ کہہ دیجئے کہ (ہم) سب انتظار کر رہے ہیں سو (چند سے) اور انتظار کر لو اب عنقریب تم کو (بھی) معلوم ہو جائیگا کہ راہِ راست ولے کون ہیں اور وہ کون ہے جو (منزلِ مقصود تک پہنچا) یعنی وہ فیصلہ عنقریب بعد موت یا بعد الحشر ظاہر ہو جاوے گا)۔



## معارف و مسائل

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ بَحْرَ مِیْنِ قَابِلٍ یُّهْدِیْ کِیْطَرَفٍ رَاجِحٍ ہے جو اسی لفظ کے ضمن میں مذکور ہے اللہ ہدیٰ سے مراد قرآن یا رسول ہے تو معنی یہ ہیں کہ کیا قرآن یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو یعنی اہل مکہ کو یہ ہدایت نہیں دی اور اس سے باخبر نہیں کیا کہ تم سے پہلے کتنی امتیں اور جماعتیں اپنی نافرمانی کی وجہ سے عذاب خداوندی میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو چکی ہیں جن کے گھروں اور زمینوں میں اب تم چلتے پھرتے ہو اور یہ بھی ممکن ہو کہ اس میں ضمیر فاعل اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف راجع ہو اور معنی یہ ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ہدایت نہیں دی۔ الخ

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُولُوْنَ اہل مکہ جو ایمان سے بھاگنے کے لئے طرح طرح کے حیلے بہانے سلاش کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے بڑے کلمات سے یاد کرتے تھے، کوئی ساحر کوئی شاعر کوئی کاذب کہتا تھا۔ اُن کی ایذا کا علاج قرآن کریم نے اس جگہ دو چیزوں سے بتلایا ہے اول یہ کہ آپ انکے کہنے کی طرف التفات نہ کریں بلکہ صبر کریں۔ دوسری چیز اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جانا ہی جو اگلے جملے میں قَسِمٌ بِمُحَمَّدٍ رَیْفٌ کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ دشمنوں کی ایذاؤں سے بچنے کا علاج صبر اور اللہ کی یاد میں مشغول ہونا ہے۔

نجات نہیں ملتی۔ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی دشمن ہوتا ہے اور دشمن بکننا ہی حقیر و ضعیف ہوا اپنے مخالف کو کچھ نہ کچھ ایذا پہنچا ہی دیتا ہے مگر باقی گالی گلوچ ہی ہے، سامنے ہمت نہ ہو تو پیچھے ہی ہے۔ اس لئے دشمن کی ایذاؤں سے بچنے کی فکر ہر شخص کو ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے ان کا بہترین اڈا کامیاب نسخہ دو چیزوں سے مرکب بیان فرمایا ہے۔ اول صبر یعنی اپنے نفس کو قابو میں رکھنا اور انتقام کی فکر میں نہ پڑنا دوسرے اللہ تعالیٰ کی یاد اور عبادت میں مشغول ہو جانا۔ تجربہ شاہد ہے کہ صرف یہی نسخہ ہے جس سے ان ایذاؤں سے نجات مل سکتی ہے ورنہ انتقام کی فکر میں پڑنے والا کتنا ہی قوی اور بڑا اور صاحب اقتدار ہو بسا اوقات مخالف سے انتقام لینے پر قادر نہیں ہوتا اور یہ فکر انتقام ایک مستقل عذاب اُس کیلئے بن جاتا ہے اور جب انسان کی توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہو جائے اور وہ دھیان یہ کرے کہ اس دنیا میں کوئی کسی کو کسی طرح کا نقصان یا ایذا بغیر مشیت خداوندی کے نہیں پہنچا سکتا اور اللہ تعالیٰ کے اعمال و افعال سب حکمت پر مبنی ہوتے ہیں اس لئے جو صورت پیش آئی ہے اس میں ضرور کوئی حکمت ہوگی تو مخالف کی ایذا اُقل کپیڈا ہو یا لاغیظ و غضب خود بخود کا فور ہو جاتا ہے اسی لئے آخر آیت میں فرمایا لَعَلَّکُمْ تَذَعُّونَ یعنی اس تدبیر سے آپ راضی خوشی بسر کر سکیں گے وَ یَسْتَجِیْبُ رَدَّیْکَ یعنی آپ اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کریں انکی حمد و شکر کیساتھ۔ اس میں اشارہ ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ کا نام لینے یا کچھ عبادت کرنے کی توفیق ہو جائے اسکو چاہئے کہ اپنے اس عمل پر ناز و فخر کرے بجائے اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کو اپنا وظیفہ بنائے یہ ذکر اللہ یا عبادت اُسی کی توفیق کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔ اور یہ لفظ سب سے پہلے عام ذکر و حمد کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے اور خاص نماز کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔



حضرات مفسرین نے اسی کو لیا ہے اور اس کے بعد جو اوقات معین کر کے بتلائے ہیں وہ بھی نمازوں کے اوقات قرار دیئے ہیں مثلاً قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ سے مراد نماز فجر اور قَبْلَ غُرُوبِهَا سے مراد نماز ظہر و عصر اور مِنْ اَکْثَرِ الْيَكْلِ سے مراد رات کی سب نمازیں مغرب عشر یہاں تک کہ تہجد بھی اس میں شامل ہے اور پھر لفظ اَطْرَافِ النَّهَارِ سے اس کی مزید تاکید بتلائی گئی ہے۔

دولت دنیا چند روزہ ہے یہ اللہ کے نزدیک مقبولیت کی علامت نہیں اور دراصل ہدایت کرنا اُمت کو ہے کہ دنیا کے مالدار دنیا پر ایسا ہی ہے بلکہ مومن کے لئے خطرہ کی چیر ہے کو قسم قسم کی دنیوی رونق اور طرح طرح کی نعمتیں حاصل ہیں۔ آپ اُن کی طرف نظر بھی نہ اٹھائیے کیونکہ یہ سب عیش فانی اور چند روزہ ہے اللہ تعالیٰ نے جو نعمت آپ کو اور آپ کے واسطے سے مومنین کو عطا فرمائی ہے وہ بدرجہا اُن کی اس چند روزہ رونق حیات سے بہتر ہے۔

دنیا میں کفار و فجار کی عیش و عشرت اور دولت و ثروت ہمیشہ ہی سے ہر شخص کے لئے یہ سوال بنتی رہی ہے کہ جب یہ لوگ اللہ کے نزدیک مبغوض اور ذلیل ہیں تو اُن کے پاس یہ نعمتیں کیسی اور کیوں ہیں، اور اطاعت شعار مومنین کی غربت و افلاس کیوں؟ یہاں تک کہ فاروق اعظمؓ جیسے عالی قدر بزرگ کو اس سوال نے متاثر کیا جس وقت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے خاص حجرہ میں داخل ہوئے جس میں آپ خلوت گزریں تھے اور یہ دیکھا کہ آپ ایک موٹی موٹی تیلیوں کے بورے پر لیٹے ہوئے ہیں اور ان تیلیوں کے نشانات آپ کے بدن مبارک پر کھڑے ہو گئے ہیں تو بے اختیار رو پڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کسری و قیصر اور اُن کے امرا کیسی کیسی نعمتوں اور راحتوں میں ہیں اور آپ ساری مخلوق میں اللہ کے منتخب رسول اور محبوب ہیں اور آپ کی معیشت کا یہ حال ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابن خطاب کیا تم اب تک شک و شبہ میں مبتلا ہو۔ یہ لوگ تو وہ ہیں جن کی لذات و منجوبات اللہ نے اسی دنیا میں اُن کو دیدی ہیں آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں وہاں عذاب ہی عذاب ہے (اور مومنین کا معاملہ برعکس ہے) یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی زینت اور راحت طلبی سے بالکل بے نیاز اور بے تعلق زندگی کو پسند فرماتے تھے باوجودیکہ آپ کو پوری قدرت حاصل تھی کہ اپنے لئے بہتر سے بہتر راحت کا سامان جمع کر لیں۔ اور جب کبھی دنیا کی دولت آپ کے پاس بغیر کسی محنت مشقت اور سعی و طلب کے آ بھی جاتی تھی تو فوراً اللہ کی راہ میں غریب و فقرا پر اس کو خرچ کر دالتے تھے اور اپنے واسطے کل کے لئے بھی کچھ باقی نہ چھوڑتے تھے۔ ابن ابی حاتم نے بردایت ابو سعید خدریؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

ان اخوف ما اخاف علیکم ما یفتحہ اللہ لکم من ذمہ الدنیا (ابن کثیر)

مجھے تم لوگوں کے بارے میں جس چیز کا سب سے زیادہ خوف اور خطرہ ہے وہ دولت و زینت دنیا ہے جو تم پر کھول دی جاوے گی۔



اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو پہلے ہی یہ خبر بھی دیدی ہے کہ کائناتِ زمانے میں تمہاری فتوحات دُنیا میں ہوں گی اور مال و دولت اور عیش و عشرت کی فراوانی ہو جائے گی۔ (یعنی صورتِ حال کچھ زیادہ خوش ہونے کی نہیں بلکہ ڈرنے کی چیز ہے کہ اُس میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ کی یاد اور اُس کے احکام سے غفلت نہ ہو جائے۔

اپنے اہل و عیال اور متعلقین کو نماز کی پابندی کی تاکید اور اسکی حکمت الگ الگ ہیں۔ ایک اہل و عیال کو نماز کی تاکید دوسرے خود اس کی پابندی لیکن غور کیا جائے تو خود اپنی نماز کی پوری پابندی کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ آپ کا ماحول آپکے اہل و عیال اور متعلقین نماز کے پابند ہوں کیونکہ ماحول اس کے خلاف ہوا تو طبعی طور پر انسان خود بھی کوتاہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

لفظ اہل میں بیوی اولاد اور متعلقین بھی داخل ہیں جن سے انسان کا ماحول اور معاشرہ بنتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ روزانہ صبح کی نماز کے وقت حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کے مکان پر جا کر آواز دیتے تھے الصلوٰۃ الصلوٰۃ (قطبی)

اور حضرت عروہ ابن زبیرؓ جب کبھی امراء و سلاطین کی دولت و حشمت پر اُن کی نظر پڑتی تو فوراً اپنے گھر میں لوٹ جاتے اور گھر والوں کو نماز کے لئے دعوت دیتے اور یہ آیت پڑھ کر سناتے تھے۔ اور حضرت فاروق اعظمؓ جب رات کو تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو اپنے گھر والوں کو بھی بیدار کر دیتے تھے اور یہی آیت پڑھ کر سناتے تھے (قطبی)

جو آدمی نماز اور اللہ کی عبادت میں لگ جاتا ہے لا تَسْأَلُكَ رِزْقًا، یعنی ہم تم سے یہ مطالبہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اُس کے لئے رزق کا معاملہ آسان بنائے گا کہ تم اپنا اور اپنے اہل و عیال کا رزق اپنے زورِ علم و عمل سے پیدا کرو بلکہ یہ معاملہ ہم نے اپنے ذمہ رکھا ہے کیونکہ رزق کی تحصیل دراصل انسان کے بس میں ہی نہیں وہ زیادہ سے زیادہ یہی تو کر سکتا ہے کہ زمین کو نرم قابلِ کاشت بنائے اور کچھ دانے اسیں ڈال دے مگر دانہ کے اندر سے درخت نکالنا اور پیدا کرنا اسیں تو اس کا کوئی ادنیٰ دخل نہیں وہ براہِ راست حق تعالیٰ کا فعل ہے۔ درخت نکل آنے کے بعد بھی انسان کا سارا عمل اس کی حفاظت کرنا اور جو پھل پھول قدرت نے اُس کے اندر پیدا فرمائے ہیں اُن سے فائدہ اٹھانا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جائے اللہ تعالیٰ یہ بارِ محنت بھی اس کے لئے آسان اور ہلکا کر دیتے ہیں۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقول اللہ تعالیٰ یا ابن آدم تقصّر عن عبادتی املأ صدرك غنی واملأ فقرک دان لم یکن کو فارغ کر لے تو میرے سینے کو غنا و استغناء بھر دو گا



تفعل ملاقات صدرك شغلا ولم

اسد فقرك (ابن کثیر)

اور تیری محتاجی کو دور کر دوں گا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیرا سینہ  
فکر اور شغل سے بھر دوں گا اور محتاجی دور نہ کروں گا (یعنی جتنا

مال بڑھتا جائے گا حرص بھی اتنی ہی بڑھتی چلی جائے گی اس لئے ہمیشہ محتاج ہی رہے گا۔)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ :

جو شخص اپنے سارے فکروں کو ایک فکر یعنی آخرت کی فکر بنائے تو  
اللہ تعالیٰ اسکے دنیا کے فکروں کی خود کفالت کرتا ہے اور جس  
کے فکر دنیا کے مختلف کاموں میں لگے رہے تو اللہ تعالیٰ کو کوئی پروا  
نہیں کہ وہ اُن فکروں کے کسی جھگڑ میں ہلاک ہو جائے۔

من جعل همومه هماً واحداً هم السعاد

كفاه الله هم دنياه ومن تشعبت به الهموم

في احوال الدنيا لم يبالي الله في اعدوية

هلك رواه ابن ماجه (ابن کثیر)

بَيِّنَةٌ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَى، یعنی پچھلی آسمانی کتابیں تو رات و انجیل اور صحیفہ ابراہیم علیہ السلام  
وغیرہ سب کے سب رسول آخر الزماں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی شہادت دیتے آئے  
ہیں کیا یہ بینات ان منکرین کے لئے کافی سے زیادہ ثبوت نہیں ہے۔

فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ أَصْحَابُ السُّيُوفِ وَمِنْ اهْتَدَى، یعنی آج تو اللہ تعالیٰ نے ہر شخص

کو زبان دی ہوئی ہے ہر ایک اپنے طریقے اور اپنے عمل کے بہتر اور صحیح ہو سکا دعویٰ کر سکتا ہے لیکن یہ

دعویٰ کچھ کام دینے والا نہیں۔ بہتر اور صحیح طریقہ تو وہی ہو سکتا ہے جو اللہ کے نزدیک مقبول و صحیح ہو،

اور اسکا پتہ قیامت کے روز سب کو لگ جائیگا کہ کون غلطی اور گمراہی پر تھا کون صحیح اور سیدھے راستہ پر۔

اللَّهُمَّ اهْدِنَا لِمَا اخْتَلَفَ فِيهِ النَّاسُ الْحَقَّ بِأَذْنِكَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ وَلَا تَجْلُأْ وَلَا تَفْجَأْ مِنْكَ إِلَّا الْيَقِيْنُ

الحمد لله الذي وفقني لتكميل سورة طه ضحى يوم الخميس لاربعة عشر

خلت من ذي الحجة الحرام سنة ١٣٩٠م والله سبحانه وتعالى اسأل لتكميل باقي

القرآن والله المستعان وعليه التكلان





# سورة الانبیاء

سورة الانبیاء مکیہ ۲۱ آیتیں ہیں اور اسکی ایک سو بارہ آیتیں ہیں اور سات رکوع

سورة انبیاء مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی ایک سو بارہ آیتیں ہیں اور سات رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہد مہربان نہایت رحم والا ہے

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ۱ مَا يَأْتِيهِمْ

ازدیک آگیا لوگوں کے اُن کے حساب کا وقت اور وہ بے خبر مٹا رہے ہیں کوئی نصیحت نہیں

مِّنْ ذِكْرِ مَنْ رَّزَقَهُمْ مَّحْدِثٍ اِلَّا اَسْمَعُوْهُ ۚ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ۲ لَا هِیَۃَ

پہنچی اُن کو اُن کے رب سے نئی سراس کو سنتے ہیں کہیں میں گئے ہوئے کھیل میں پڑے ہیں

فَلَوْ بِهِمْ ۚ وَاَسْرُوْا النَّجْوٰی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ هَلْ هٰذَا اِلَّا

دل اُن کے اور چھپا کر مصلحت کی بے انصافوں نے یہ شخص کون ہے ایک

بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَأْتُوْنَ السَّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ۳ قُلْ رَزَقْنٰی

آدمی ہے تم ہی جیسا پھر کیوں پہنتے ہو اسکے جادو میں آنکھوں دیکھتے اُس نے کہا میرے رب کو

یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۴ بَلْ

خبر ہے بات کی آسمان میں ہو یا زمین میں اور وہ ہے سنتے والا جاننے والا اس کو

قَالُوْٓا اَصْغَاتُ اَحْلَامٍۭۤ اَبَلْ اَفْتَرٰہُۤ بَلْ هُوَ شَاعِرٌۭۤ ۚ فَلِیَاٰتِنَا

چھوڑ کر کہتے ہیں بیوردہ خواب ہیں نہیں، جھوٹ بانڈھ لیا ہے، نہیں، شعر کہتا ہے پھر ملے لے آئے

بَآیَۃٍۭۤ کَمَا اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۵ مَا اَمْنَتْۢ قُبُلُهُمْۢ مِّنْ قُرْبٰیۃٍۭۤ

ہماری پاس کوئی نشانی بھی پیغام لے کر آئے ہیں پہلے نہیں مانا اُن سے پہلے کسی بستی نے

اَهْلَکُنَّہَا ۚ اَفْہُمْ یَوْمٌۭۤ مُّوْنٌ ۶ وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ اِلَّا رِجَالًا

جن کو فارت کر دیا جنہ کیا اب یہ مان لیں گے اور پیغام نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے مکر ہی مردوں کے ہاتھ

مُوحِیۡنَ اِلَیْہُمْ فَسَلُّوْٓا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۷

وحی بھیجتے تھے ہم اُن کو سو پوچھ لو یاد رکھنے والوں سے اگر تم نہیں جانتے



وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ ۝۹ ثُمَّ

اور نہیں بنائے تھے ہم نے اُن کے ایسے بدن کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ تھے وہ ہمیشہ رہ جانے والے پھر

صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ فَأَنْجَيْنَاهُمْ وَمَنْ نَشَاءُ وَأَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِينَ ۝۱۰

سچا کر دیا ہم نے اُن سے وعدہ سو بچا دیا اُن کو اور جس کو ہم نے چاہا اور غارت کر دیا حد سے نکلنے والوں کو

لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝۱۱

ہم نے اتاری ہے تمہاری طرف کتاب کہ اس میں تمہارا ذکر ہے کیا تم سمجھتے نہیں۔

## خلاصہ تفسیر

اُن (منکر، لوگوں سے اُن کا (وقت) حساب نزدیک آپہنچا) یعنی قیامت وقتاً نزدیک ہوتی جاتی ہے اور یہ (ابھی) غفلت (ہی) میں (پرے) ہیں اور اسکے یقین کرنے اور اس کے لئے تیاری کرنے سے اعراض کئے ہوئے ہیں اور اُن کی غفلت یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ اُن کے پاس اُن کے رب کی طرف سے جو نصیحت تازہ (حیال اُن کے) آتی ہے (بجائے اسکے کہ اُن کو متنبہ ہوتا) یہ اسکو ایسے طور سے سُنتے ہیں کہ (اس کے ساتھ) ہنسی کرتے ہیں (اور) اُن کے دل (اصلاً اُدھر) متوجہ نہیں ہوتے اور یہ لوگ یعنی ظالم (اور کافر) لوگ (آپس میں) چپکے چپکے سرگوشی کرتے ہیں (اس لئے نہیں کہ انکو اہل سلام کا خوف تھا کیونکہ مکہ میں کفار ضعیف نہ تھے بلکہ اس لئے کہ اسلام کے خلاف خفیہ سازش کر کے اسکو مٹائیں) کہ یہ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) محض تم جیسے ایک (معمولی) آدمی ہیں (یعنی نبی نہیں اور یہ جو ایک دلکش و دلربا کلام سُنا تے ہیں اس پر اعجاز کا شبہ اور اس اعجاز سے نبوت کا خیال نہ کرنا کیونکہ وہ حقیقت میں سحر آمیز کلام ہے) تو کیا (باد جو اس بات کے) پھر بھی تم جادو کی بات سُنتے کو (ان کے پاس) جادوگے حالانکہ تم (اس بات کو خوب) جانتے (تو بوجھتے) ہو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جواب دینے کا حکم ہوا اور اُنھوں نے (موافق حکم کے جواب میں) فرمایا کہ میرا رب ہر بات کو (خواہ) آسمان میں ہو اور (خواہ) زمین میں ہو اور خواہ ظاہر ہو یا خفی ہو خوب) جانتا ہے اور وہ خوب سُنتے والا اور خوب جاننے والا (سو تمہارے ان اقوال کفریہ کو بھی جانتا ہے اور تم کو خوب سزا دیگا اور اُنھوں نے کلام حق کو صراحتاً جادو کہنے پر اکتفا نہیں کیا) بلکہ یوں (بھی) کہا کہ یہ (قرآن) پریشان خیالات ہیں کہ واقع میں دلکش بھی نہیں) بلکہ (اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ) اُنھوں نے (یعنی پیغمبر نے) اس کو (قصداً و اختیاراً اپنے دل سے) تراش لیا ہے (اور خواب کے خیالات میں تو انسان قدرے بے اختیار اور معذور اور مبتلائے اشتباہ بھی ہو سکتا ہے اور یہ اختراں کچھ قرآن ہی کے ساتھ خاص نہیں) بلکہ یہ تو ایک شاعر شخص ہیں (ان کی تمام باتیں ایسی ہی تراشیدہ اور خیالی ہوتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ رسول نہیں ہیں اور



بڑے مدعی رسالت کے ہیں) تو ان کو چاہیے کہ ایسی کوئی (بڑی) نشانی لاویں جیسا پہلے لوگ رسول بنائے گئے (اور بڑے بڑے معجزات ظاہر کئے) اس وقت ہم رسول مانیں اور ایمان لائیں اور یہ کہنا بھی ایک بہانہ تھا ورنہ انبیاء سابقین کو بھی نہ مانتے تھے حق تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں کہ) اُن سے پہلے کوئی بستی والے جن کو ہم نے ہلاک کیا ہے (باوجود ان کے فراموشی معجزات ظاہر ہو جانے کے) ایمان نہیں لائے سو کیا یہ لوگ (ان معجزات کے ظاہر ہونے پر) ایمان لے آویں گے (اور ایسی حالت میں ایمان نہ لانے پر عذاب نازل ہو جا دیکھا اس لئے ہم وہ معجزات ظاہر نہیں فرماتے اور قرآن مجزہ کافی ہے) اور (رسالت کے متعلق جو ان کا یہ شبہ ہے کہ رسول بشر نہ ہونا چاہیے) اس کا جواب یہ ہے کہ) ہم نے آپ سے قبل صرف آدمیوں ہی کو پیغمبر بنایا ہے جن کے پاس ہم وحی بھیجا کرتے تھے سو (اے منکر و) اگر تم کو (یہ بات) معلوم نہ ہو تو اول کتاب سے دریافت کر لو (کیونکہ یہ لوگ اگرچہ کافر ہیں مگر خبر متواتر میں راوی کا مسلمان یا ثقہ ہونا شرط نہیں، پھر تم اُن کو اپنا دوست سمجھتے ہو تو تمہارے نزدیک نئی بات معتبر ہونی چاہیے) اور اسی طرح رسالت کے متعلق جو اس شبہ کی دوسری تقریر ہے کہ رسول فرشتہ ہونا چاہیے اس کا جواب یہ ہے کہ) ہم نے ان رسولوں کے (جو کہ گزر چکے ہیں) ایسے بدن نہیں بنائے تھے جو کھانا نہ کھاتے ہوں (یعنی فرشتہ نہ بنایا تھا) اور (یہ لوگ جو آپ کی وفات کے انتظار میں خوشیاں منا رہے ہیں) بقولہ تعالیٰ لَا تَزِرُ وَضْعُهُمْ رَبِّكَ الْمُنُونُ كَذَانِي الْعَالَمِ، یہ وفات بھی منافی نبوت نہیں کیونکہ وہ گزشتہ حضرات (بھی دنیا میں) ہمیشہ رہنے والے نہیں ہوئے (پس اگر آپ کی بھی وفات ہو جائے تو نبوت میں کیا اعتراض لازم آیا، غرض یہ کہ جیسے پہلے رسول تھے ویسے ہی آپ بھی ہیں اور یہ لوگ جس طرح آپ کی تکذیب کرتے ہیں اسی طرح ان حضرات کی بھی اُس زمانے کے کفار نے تکذیب کی، پھر ہم نے جو ان سے وعدہ کیا تھا (کہ مکذبین کو عذاب سے ہلاک کریں گے اور تم کو اور مومنین کو محفوظ رکھیں گے) ہم نے اُس (وعدہ) کو سچا کیا یعنی ان کو اور جن جن کو (نجات دینا) منظور ہوا (اُس عذاب سے) ہم نے نجات دی اور (اس عذاب سے) حد (اطاعت) سے گزرنے والوں کو ہلاک کیا (سو ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے) اے منکر و اس تکذیب کے بعد تم پر دنیا و آخرت میں عذاب آدے تو تعجب نہیں کیونکہ) ہم تمہارے پاس ایسی کتاب بھیج چکے ہیں کہ اس میں تمہاری نصیحت (کافی) موجود ہے کیا (باوجود ایسی تسلیغ و عظمت کے) پھر بھی تم نہیں سمجھتے (اور نہیں مانتے)۔

## معارف و مسائل

سُورَةُ الْأَنْبِيَاءِ کی فضیلت | حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ سورہ کہف اور مریم اور طہ اور انبیاء یہ چاروں سورتیں نزول کے اعتبار سے ابتدائی سورتیں اور میری یہ قدیم دولت اور کمائی ہیں



جن کی ہمیشہ حفاظت کرتا ہوں (قطعی)

اِخْتَوَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ، یعنی وہ وقت قریب آگیا جبکہ لوگوں سے اُن کے اعمال کا حساب لیا جائیگا مگر اس سے قیامت ہے اور اُسکا قریب آجانا دنیا کی پھلی عمر کے لحاظ سے ہے کیونکہ یہ امت آخر الائم ہے، اور اگر حساب عام مراد لیا جائے تو حساب قبر بھی اس میں شامل ہے جو ہر انسان کو مرنیکے فوراً بعد دینا ہوتا ہے اور اسی لئے ہر انسان کی موت کو اسکی شخصی قیامت کہا گیا ہے من مات فقد قامت قیامتہ، یعنی جو شخص مر گیا اسکی قیامت تو ابھی قائم ہو گئی، اس معنی کے اعتبار سے حساب کا وقت قریب ہونا تو بالکل ہی واضح ہے کہ ہر شخص کی موت خواہ کتنی ہی عمر ہو کچھ دیر نہیں خصوصاً جبکہ عمر کی انتہا نامعلوم ہے تو ہر دن ہر گھنٹہ موت کا خطرہ سامنے ہے۔

مقصود اس آیت سے غفلت شعار لوگوں کو متنبہ کرنا ہے جس میں سب نومن و کافر داخل ہیں کہ دنیا کی خواہشات میں مشغول ہو کر اس حساب کے دن کو نہ بھلائیں کیونکہ اس کو بھلا دینا ہی ساری خرابیوں اور گناہوں کی بنیاد ہے۔

مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرِ مَنْ رَزَقَهُمْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ لَأُولَٰئِكَ أَجُورٌ، جو لوگ آخرت اور قبر کے عذاب سے غفلت اور اُس کے لئے تیاری سے اعراض کرنے والے ہیں یہ اُن کے حال کا مزید بیان ہے کہ جب ان کے سامنے قرآن کی کوئی نئی آیت آتی اور پڑھی جاتی ہے تو وہ اُسکو اس حالت میں سنتے ہیں کہ کھیل اور ہنسی مذاق کرتے ہیں اور ان کے دل اللہ سے اور آخرت سے بالکل غافل ہوتے ہیں اسکی یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ قرآن کی آیات سننے کے وقت یہ اپنے کھیل اور شغل میں اسی طرح لگے رہتے ہیں قرآن کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے اور یہ ہنسی بھی ہو سکتے ہیں کہ خود آیات قرآن ہی سے کھیل اور ہنسی مذاق کا معاملہ کرنے لگتے ہیں۔

اَفْتَأْتُونَ التَّحَوُّرَ اَنْ تَكْفُرُوْا بْبُيُوتِكُمْ، یعنی یہ لوگ آپس میں آہستہ آہستہ سرگوشی کر کے یہ کہتے ہیں کہ یہ جاپنے کو نبی اور رسول کہتے ہیں یہ تو ہم جیسے ہی انسان ہیں کوئی فرشتہ تو ہیں نہیں کہ ہم اُن کی بات مان لیں اور پھر اس کلام الہی کو جو اُن کے سامنے پڑھا جاتا تھا اور اس کی حلاوت و بلاغت اور دلوں میں تاثیر کا کوئی کافر بھی انکار نہ کر سکتا تھا اُس سے لوگوں کو ہٹانے کی صورت نکالی کہ اس کو سحر اور جادو قرار دیں اور پھر لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لئے یہ کہیں کہ جب تم سمجھ گئے کہ یہ جادو ہے تو پھر ان کے پاس جانا اور یہ کلام سننا دانشمندی کے خلاف ہے شاید یہ گفتگو آپس میں آہستہ آہستہ کرتے تھے کہ مسلمان سن لیں گے تو اُن کی احمقانہ تبلیغ کا پول کھول دیں گے۔

بَلْ قَالُوا اَصْغَاتٌ اَحْلَآءٌ، اصغاث احمال ان خوابوں کو کہا جاتا ہے جن میں کچھ نفسانی یا شیطانی خیالات شامل ہو جاتے ہیں اسی لئے اسکا ترجمہ پریشان خیالات سے کیا گیا ہے یعنی ان منکرین نے اول تو



قرآن کو جادو کہا پھر اُس سے آگے بڑھے تو پریشان خواب کہنے لگے پھر اس سے بھی آگے بڑھے تو کہنے لگے یہ تو خدا تعالیٰ پر افتراء اور بہتان ہے کہ یہ اسکا کلام ہے پھر کہنے لگے کہ اصل بات یہ ہے کہ یہ کوئی شاعر آدمی ہے شاعرانہ خیالات اسکے کلام میں ہوتے ہیں۔

قَلْبًا مِّنَّا يَاقُوتَ، یعنی اگر یہ واقعی نبی و رسول ہیں تو ہمارے مانگے ہوئے خاص معجزات دکھلائیں اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ پھیلی اُستوں میں اسکا بھی تجربہ ادا شاہد ہو چکا ہے کہ جس طرح کا معجزہ اُنھوں نے خود طلب کیا اللہ کے رسول کے ہاتھوں وہی معجزہ سامنے آگیا مگر وہ پھر بھی ایمان نہ لائے اور نہ مانگے معجزے کو دیکھنے کے بعد بھی جو قوم ایمان سے گریز کرے اسکے لئے اللہ کا قانون یہ ہے کہ دنیا ہی میں عذاب نازل کر کے ختم کر دیتا ہے اور چونکہ اُمت مرحومہ کو حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عذاب میں دنیا کے عذاب عام سے محفوظ کر دیا ہے اس لئے اُن کو اُن کے مانگے ہوئے معجزات دکھلانا مصلحت نہیں آگے اَفْهَمُ يَوْمَئِذٍ میں اسطرح اشارہ ہے کہ کیا منہ مانگے معجزہ کو دیکھ کر یہ ایمان لائے آئینگے مراد یہ ہے کہ ان سے انکی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی اسلئے مطلوبہ معجزہ نہیں دکھایا جاتا۔

فَسَلُّوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ، اہل الذکر سے مراد اس جگہ علماء تورات و انجیل ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں پچھلے انبیاء کا حال معلوم نہیں کہ وہ انسان تھے یا فرشتے تو علماء تورات و انجیل سے معلوم کر لو کیونکہ وہ سب جانتے ہیں کہ سب انبیاء سابقین انسان ہی کی نوع سے تھے اسلئے اگر یہاں اہل الذکر سے مطلق اہل کتاب یہود و نصاریٰ ہی مراد ہوں تو بعید نہیں کیونکہ اس معاملے کے سبھی شاہدیں خلاصہ تفسیر میں اسی احتمال کو اختیار کر کے تشریح کی گئی ہے۔ مسئلہ :- تفسیر قرطبی میں ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جاہل آدمی حکم و احکام شریعت معلوم نہ ہوں اُسپر عالم کی تقلید واجب ہے کہ عالم سے دریافت کر کے اسکے مطابق عمل کرے۔

قرآن کریم عربوں کے لئے عزت و فخر ہے | کِتَابًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ، کتاب سے مراد قرآن ہے اور ذکر اس جگہ بمعنی مشرف و فضیلت اور شہرت کے ہے۔ مراد یہ ہے کہ یہ قرآن جو تمہاری زبان عربی میں نازل ہوا تمہارے لئے ایک بڑی عزت اور دائمی شہرت کی چیز ہے تمہیں اس کی قدر کرنا چاہیے جیسا کہ دنیا نے دیکھ لیا کہ اہل عرب کو حق تعالیٰ نے قرآن کی برکت سے ساری دنیا پر غالب اور فاتح بنادیا اور پورے عالم میں اُن کی عزت و شہرت کا ڈنکا بجا۔ اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ یہ عربوں کی مقامی یا قبائلی یا لسانی خصوصیت کی بناء پر نہیں بلکہ صرف قرآن کی بدولت ہوا۔ اگر قرآن نہ ہوتا تو شاید آج کوئی عرب قوم کا نام لینے والا بھی نہ ہوتا۔



وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا

اور کتنی پس ڈالیں ہم نے بستیاں جو تھیں گناہگار اور اٹھا کھڑے کئے اُن کے پیچھے اور

آخِرِينَ ۱۱ فَلَمَّا أَحْسَوْا بِأَسْنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَرْكُضُونَ ۱۲ لَا

لوگ پھر جب آہٹ پائی انھوں نے ہماری آفت کی تب لگے وہاں سے لڑا کرنے لڑے

تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَى مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسَاكِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَسْأَلُونَ ۱۳

مت کرو اور لوٹ جاؤ جہاں تم نے عیش کیا تھا اور اپنے گھروں میں شاید کوئی تم کو پوچھے

قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۱۴ فَمَا زَالَتْ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّىٰ

کہنے لگے ہائے خرابی ہماری ہم تھے بیشک گناہگار پھر برابر یہی رہی اُن کی فریاد یہاں تک کہ

جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خِلْدِينَ ۱۵

ذخیر کر دیئے گئے کاٹ کر پیچھے پڑے ہوئے

## خلاصہ تفسیر

اور ہم نے بہت سی بستیاں جن کے رہنے والے ظالم (یعنی کافر) تھے تباہ کر ڈالیں اور ان کے

بعد دوسری قوم پیدا کر دی تو جب ان ظالموں نے ہمارا عذاب آتا دیکھا تو اس بستی سے بھاگنا شروع

کیا (تاکہ عذاب سے بچ جاویں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ) بھاگو مت اور اپنے سامانِ عیش اور اپنے

مکانات کی طرف واپس چلو شاید تم سے کوئی پوچھے پاچھے کہ تم پر کیا گزری مقصود اس سے بطور تعریض

کے ان کی احمقانہ جسارت پر تنبیہ ہے کہ جس سامان اور مکان پر تم کو ناز تھا اب نہ وہ سامان رہا نہ

مکان نہ کسی دوست ہمدرد کا نام و نشان رہا (وہ لوگ) نزولِ عذاب کے وقت، کہنے لگے کہ ہائے

ہماری کم بختی بیشک ہم لوگ ظالم تھے اُن کا یہی شور و غل رہا یہاں تک کہ ہم نے اُن کو ایسا (نیست)

نابود) کر دیا جس طرح کھیتی کٹ گئی ہو یا آگ بجھ گئی ہو۔

## معارف و مسائل

ان آیات میں جن بستیوں کے تباہ کرنے کا ذکر ہے بعض مفسرین نے ان کو یمن کی بستیاں حضورِ وار

اور قلابہ قرار دیا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک رسول بھیجا تھا جس کے نام میں روایات مختلف ہیں۔

بعض میں موسیٰ بن میشا اور بعض میں شعیب ذکر کیا گیا ہے اور اگر شعیب نام ہے تو وہ مدین والے

شعیب علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور ہیں ان لوگوں نے اللہ کے رسول کو قتل کر ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے ان

کو ایک کافر بادشاہ بُجخت نصر کے ہاتھوں تباہ کرایا۔ بُجخت نصر کو ان پر مسلط کر دیا جیسا کہ بنی اسرائیل



نے جب فلسطین میں بے راہی اختیار کی تو ان پر بھی بُجبتِ نصر کو مستط کر کے سزا دی گئی تھی مگر صاف بات یہ ہے کہ قرآن نے کسی خاص بستی کو معین نہیں کیا اس لئے عام ہی رکھا جائے اُمیں یمن کی بستی بھی داخل ہوں گی وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعِبَادٍ ۝۱۶ ۱۶

اور ہم نے نہیں بنایا آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے کھینچے ہوئے اگر ہم چاہتے

أَنْ تَتَّخِذَ لَهُمْ آلًا تَتَّخِذُ لَهُ مِنْ لَدُنَّا كُفَّاءً ۝۱۷ ۱۷

کہ بنالیں کچھ کھانا تو بنالیتے ہم اپنے پاس سے اگر ہم کو کرنا ہوتا

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ قِدًّا مَّغْهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۝۱۸ ۱۸

توں نہیں پر ہم پھینک مارتے ہیں حق کو جھوٹ پر پھرو اسکا سر پھوڑ ڈالتا ہے پھروہ جاتا رہتا ہے اور

لَكُمْ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ۝۱۹ ۱۹

تمہارے لئے خرابی ہے اُن باتوں سے جو تم بتلاتے ہو اور اسی کا ہے جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں

وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ۝۲۰ ۲۰

اور جو اسکے نزدیک رہتے ہیں سرکشی نہیں کرتے اس کی عبادت سے اور نہیں کرتے کاہلی

يَسْتَحْسِرُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ۝۲۱ ۲۱

یاد کرتے ہیں رات اور دن نہیں ٹھکتے کیا ٹھہرائے ہیں انہوں نے اور معبود

مَنْ الْأَرْضِ هُمْ يَنْشُرُونَ ۝۲۲ ۲۲

زمین میں کے کہ وہ چلا اٹھائیں گے ان کو اگر ہوتے ان دونوں میں اور معبود سوائے اللہ کے

لَفَسَدَتَا ۝۲۳ ۲۳

تو دونوں خراب ہو جاتے، سو پاک ہے اللہ عرش کا مالک ان باتوں سے جو یہ بتلاتے ہیں اُس سے

يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ ۝۲۴ ۲۴

پوچھا جائے جو وہ کرے اور ان سے پوچھا جائے کیا ٹھہرائے ہیں انہوں نے اس سے ورے

أَنَّهُمْ قُلُوبًا لَّوَّا بُرْهَانًا ۝۲۵ ۲۵

اور معبود تو کہہ لاؤ اپنی سند یہی بات ہے میرے ساتھ والوں کی اور یہی بات ہو

قَبْلُ ۝۲۶ ۲۶

مجھ سے پہلوں کی، کوئی نہیں پردہ بہت لوگ نہیں سمجھتے سچی بات سے ٹلا رہے ہیں

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا

اور نہیں بھیجا ہم نے مجھ سے پہلے کوئی رسول مگر اسکو یہی حکم بھیجا کہ بات یوں ہے کہ کسی



إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ۝۲۵ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ

کی بندگی نہیں سوائے میرے سو میری بندگی کرو اور کہتے ہیں رحمن نے کر لیا کسی کو بیشادہ ہرگز اس کی نہیں

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ۝۲۶ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ

لیکن وہ بندے ہیں جن کو عزت دی ہے اس سے بڑھ کر نہیں ہوں سکتے اور وہ اسی کے حکم پر کام

يَعْمَلُونَ ۝۲۷ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا

کرتے ہیں اس کو معلوم ہے جو ان کے آگے ہے اور پیچھے اور وہ سفارش نہیں کرتے سوا

لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ۝۲۸ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ

اسکی جس سے اللہ راضی ہو اور وہ اسکی بیعت سے ڈرتے ہیں اور جو کوئی ان میں کہے کہ میری

إِنِّي إِلَهُ قُرْءَانِهِمْ فَنَالِكَ فَتَجْزِيهِمْ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝۲۹

بندگی ہے اس کے درے سوا اسکو ہم بدلہ دیں گے جہنم بدلتی ہم بدلہ دیتے ہیں بے انصافوں کو

## خلاصہ تفسیر

اور ہمارے یکتا ہونے پر ہماری مصنوعات دلالت کر رہی ہیں کیونکہ ہم نے آسمان اور زمین کو اڈا جو کچھ انکے درمیان ہیں ہے اس کو اس طور پر نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں (بلکہ انہیں بہت سی حکمتیں ہیں جنہیں بڑی حکمت توحید حق پر دلالت ہے اور) اگر ہم کو (آسمان اور زمین کے بنانے سے کوئی حکمت مقصود نہ ہوتی بلکہ ان کو محض) مشغلہ ہی بنانا منظور ہوتا (جس میں کوئی معتد بہ فائدہ مقصود نہیں تھا محض دل بہلانا منظور ہوتا ہے) تو ہم خاص اپنے پاس کی چیز کو مشغلہ بناتے (مثلاً اپنی صفات کمال کے شاہدہ کو) اگر ہم کو یہ کرنا ہوتا (کیونکہ مشغلہ کو مشاغل کی شان سے مناسبت چاہیے تو کہاں ذات خالق کائنات اور کہاں یہ مصنوعات حادثہ البتہ صفات کو بوجہ قدیم اور لازم ذات ہونے کے باہم مناسبت سے جو جب بدلائل عقلیہ اجماع اہل بطل اسکا بھی مشغلہ قرار دیا جانا محال ہے تو مصنوعات حادثہ میں کسی کو اسکا دہم بھی نہ ہونا چاہیے پس ثابت ہوا کہ ہم نے عبث یعنی فضول پیدا نہیں کیا) بلکہ اثبات حق اور ابطال باطل کیلئے پیدا کیا ہے اور ہم (اس) حق بات کو (جس کے ثبوت پر مصنوعات دلالت کرتی ہیں) باطل بات پر اس طرح غالب کر دیتے ہیں جیسے یوں سمجھو کہ ہم اس کو اس پر (پھینک مارتے ہیں سو وہ (حق) اس باطل کا بھیجا بیکال دیتا ہے (یعنی اس کو مغلوب کر دیتا ہے) سو وہ (باطل مغلوب ہو کر) دفعۃً جاتا رہتا ہے (یعنی دلائل توحید جو ان مصنوعات سے حاصل ہوتے ہیں شرک کی باکظلیہ نفی کر دیتے ہیں جس کی جانب مخالف کا احتمال ہی نہیں رہتا) اور دم جو باوجود ان دلائل قاطعہ کے شرک کرتے ہو تو تمہارے لئے اس بات سے بڑی خرابی ہو جو تم (خلاف حق کے) گھڑتے ہو اور (حق تعالیٰ کی وہ شان ہے کہ)



جتنے کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اسی کے (ملوک) ہیں اور ان میں سے جو اللہ کے نزدیک (بڑے مقبول و مقرب) ہیں ان کی بندگی کی یہ کیفیت ہے کہ وہ انکی عبادت سے عار نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں (بلکہ) شب و روز (اللہ کی) تسبیح (و تقدیس) کرتے ہیں (کسی وقت) موقوف نہیں کرتے (جب انکی یہ حالت ہے تو عام مخلوق تو کس شمار میں ہے پس لائق عبادت کے وہی ہے اور جب کوئی دوسرا ایسا نہیں تو پھر اسکا شریک بھنا کتنی بے عقلی ہے) کیا (باوجود ان دلائل توحید کے) ان لوگوں نے خدا کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں (بالخصوص) زمین کی چیزوں میں سے (جو کہ اور بھی ادنیٰ تر اور نازل تر ہیں جیسے پتھر یا معدنیات کے ٹپتے) جو کسی کو زندہ کرتے ہیں (یعنی جو جان بھی نہ ڈال سکتا ہو ایسا عاجز کب معبود ہونیکے قابل ہوگا اور) زمین (میں یا) آسمان میں اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود (واجب الوجود) ہوتا تو دونوں (کبھی کے) درہم برہم ہو جاتے (کیونکہ عادتہ دونوں کے ارادوں اور افعال میں تزامن ہوتا، ایک دوسرے سے ٹکراتے اور اس کے لئے فساد لازم ہے لیکن فساد واقع نہیں ہے اس لئے متعدد معبود بھی نہیں ہو سکتے) سو ان تقریرات سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ جو کہ مالک ہے عرش کا اُن امور سے پاک ہے جو کچھ یہ لوگ بیان کر رہے ہیں کہ نعوذ باللہ اسکے اور شرکاء بھی ہیں حالانکہ اس کی ایسی عظمت ہے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے اُس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا اور اوروں سے باز پرس کی جا سکتی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ باز پرس کر سکتا ہے پس کوئی غفلت میں اسکا شریک نہیں ہوا پھر عبودیت میں کوئی کیسے شریک ہو سکتا ہے، یہاں تک بطور ابطال اور نقصان استلزام محال کے کلام تھا آگے بطور سوال اور منع کے کلام ہے کہ) کیا خدا کو چھوڑ کر انھوں نے اور معبود بنا رکھے ہیں (ان سے) کہتے کہ تم اپنی دلیل (اس دعویٰ پر) پیش کرو (یہاں تک تو سوال اور دلیل عقلی سے شرک کا ابطال تھا آگے دلیل نقلی سے استدلال ہے کہ) یہ میرے ساتھ والو کی کتاب (یعنی قرآن) اور مجھ سے پہلے لوگوں کی کتابیں (یعنی توراۃ و انجیل و زبور) موجود ہیں (جن کا صدق اور نزول من اللہ ہونا دلیل عقلی سے ثابت ہے اور اوروں میں گو تحریف ہوئی ہے مگر قرآن میں تحریف کا احتمال نہیں، پس جو مضمون ان کتب کا قرآن کے مطابق ہوگا وہ یقیناً صحیح ہے اور ان سب دلائل مذکورہ کا مقتضا یہ تھا کہ یہ لوگ توحید کے قائل ہو جاتے لیکن پھر بھی قائل نہیں) بلکہ ان میں زیادہ وہی ہیں جو امر حق کا یقین نہیں کرتے سو (اسوجہ سے) وہ (اسکے قبول کرنے سے) اعراض کر رہے ہیں اور (یہ توحید کوئی جسدید بات نہیں جس سے توہش ہو بلکہ شرع قدیم ہے چنانچہ ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود (ہونے کے لائق) نہیں پس میری (ہی) عبادت کیا کرو اور یہ (مشرک) لوگ (جو ہیں ان میں بعضے) یوں کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو (اولاد بنا رکھی ہے) (توبہ توبہ) وہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے (اور وہ فرشتے اسکی اولاد نہیں ہیں) بلکہ (اسکے) بندے ہیں (ہاں) معزز (بندے ہیں اسی سے بے عقلوں کو اشتباہ ہو گیا اور انکی عبودیت



اور حکومت اور ادب کی یہ کیفیت ہے کہ وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے (بلکہ منظر حکم رہتے ہیں) اور وہ اسی کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں (اس کے خلاف نہیں کر سکتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ ان کے اگلے پچھلے احوال کو (خوب) جانتا ہے (پس جو حکم ہوگا اور جب حکم ہوگا موافق حکمت کے ہوگا اس لئے نہ علی مخالفت کرتے ہیں نہ قوی مسابقت کرتے ہیں) اور (ان کے ادب کی یہ کیفیت ہے کہ) وہ بجز اس (شخص) کے جس کے لئے (شفاعت کرنے کی) خدا تعالیٰ کی مرضی ہو اور کسی کی سفارش نہیں کر سکتے اور وہ سب اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں اور (یہ تو بیان تھا ان کی مخلوبیت اور حکومت کا۔ آگے بیان ہے اللہ تعالیٰ کی غالبیت اور حاکمیت کا، گو حاصل دونوں کا متقارب ہے یعنی) ان میں سے جو شخص (بافرض) یوں کہے کہ (نعم و بالہ) میں عطا کردہ خدا کے معبود ہوں سو ہم اس کو سزا سے جہنم دیں گے داد، ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں (یعنی خدا کا ان پر پورا بس ہے جیسے اور مخلوقات پر، پھر وہ خدا کی ادلا د جس کے لئے خدا ہونا ضروری ہے کیسے ہو سکتے ہیں)۔

## معارف و مسائل

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعَيْبٍ، یعنی ہم آسمان اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کو لعب اور کھیل کے لئے نہیں بنایا۔ پچھلی آیتوں میں بعض بستیوں کو تباہ و ہلاک کرنے کا ذکر آیا تھا اس آیت میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جس طرح زمین و آسمان اور ان کی تمام مخلوقات کی تخلیق بڑی بڑی اہم حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہے جن بستیوں کو تباہ کیا گیا ان کا تباہ کرنا بھی عین حکمت تھا۔ اس مضمون کو اس آیت میں تعبیر اس طرح کیا گیا کہ یہ توحید یا رسالت کے منکر کیا ہماری قدرت کاملہ اور علم و بصیرت کی ان نمایاں نشانیوں کو جو زمین و آسمان کی تخلیق میں اور تمام مخلوقات کی صنعت گری میں مشاہدہ کی جا رہی ہیں دیکھتے سمجھتے نہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے یہ سب چیزیں فضول ہی محض کھیل کے لئے پیدا کی ہیں۔

لَا عَيْبَ، لعب سے مشتق ہے، لعب ایسے کام کو کہا جاتا ہے جس سے کوئی صحیح مقصد متعلق نہ ہو (راغب) اور آہو اس کام کو کہتے ہیں جس سے کوئی صحیح یا غلط مقصد ہی نہ ہو خالی وقت گزاری کا مشغلہ بنایا جائے منکرین اسلام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر اعتراض اور توحید کا انکار کرتے ہیں، قدرت حق کی ان عظیم الشان نشانیوں کے باوجود نہیں مانتے تو ان کا یہ عمل گویا اسکا دعویٰ ہے کہ یہ سب چیزیں فضول ہی کھیل کے لئے بنائی گئی ہیں، ان کے جواب میں یہ ارشاد ہوا کہ یہ کھیل اور فضول نہیں ذرا بھی غور و فکر سے کام لو تو کائنات کے ایک ایک ذرہ میں اور قدرت کی ایک ایک صنعت میں ہزاروں حکمتیں ہیں اور سب کی سب معرفت حق سبحانہ اور اس کی توحید کے خاموش سبق ہیں سہ ہر گیارہویں کہ از زمین روید و خدا شہد کہ گوید



تَوَّارَدْنَا أَن نَّتَّخِذَ لَهُوَ إِلَّا تَخَذَ نَاهُ مِن لَّدُنَّا إِن كُنَّا فَاعِلِينَ، یعنی اگر ہم کوئی مشغلہ بطور کھیل کے بنانا ہی چاہتے اور ہمیں یہ کام کرنا ہی ہوتا تو ہمیں انکی کیا ضرورت تھی کہ زمین و آسمان وغیرہ پیدا کریں یہ کام اپنے پاس کی چیزوں سے بھی ہو سکتا تھا۔

عربی زبان میں حرف کو فرضی چیزوں کے لئے بولا جاتا ہے جسکا کوئی وجود نہ ہو اس جگہ بھی اسی حرف سے یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ جو حق ان تمام علویات اور سفلیات آسمانی اور زمینی مخلوقات اور مصنوعات عجیبہ کو بہو و لعب سمجھتے ہیں کیا وہ اتنی بھی عقل نہیں رکھتے کہ اتنے بڑے بڑے کام لہو و لعب کیلئے نہیں ہوا کرتے یہ کام جس کو کرنا ہو وہ یوں نہیں کیا کرتا، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ لہو و لعب کا کوئی کام بھی حق تعالیٰ کی عظمت شان تو بہت بلند و بالا ہے کسی اچھے معقول آدمی سے بھی متصور نہیں۔

لہو کے اصلی اور محروف معنی بیکاری کے مشغلہ کے ہیں اسی کی مطابق مذکورہ تفسیر کی گئی ہے۔ بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ لفظ لہو کبھی بیوی کے لئے اور اولاد کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور یہاں یہ مراد لیجائے تو مطلب آیت کا یہود و نصاریٰ پر رد کرنا ہوگا جو حضرت مسیح یا عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں کہ اگر ہمیں اولاد ہی بنانی ہوتی تو انسان مخلوق کو کیوں بناتے اپنے پاس کی مخلوق میں سے بنا لیتے۔ فاشنام بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ، قذف کے لغوی معنی پھینکنا اور

پھینک مارنے کے ہیں دمغ کے معنی دماغ پر ضرب لگانے کے ہیں اور زاهق کے معنی جانے والا اور بے نام و نشان ہو جانا والا۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ زمین و آسمان کی عجیب غریب کائنات ہم نے کھیل کے لئے نہیں بلکہ بڑی حکمتوں پر مبنی کر کے بنائی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعہ حق و باطل کا امتیاز ہوتا ہے، مصنوعات قدرت کا مشاہدہ انسان کو حق کی طرف ایسی دہری کر تا ہے کہ باطل اس کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔ اسی مضمون کی تعبیر اس طرح کی گئی ہے کہ حق کو باطل کے اوپر پھینک مارا جاتا ہے جس سے باطل کا دماغ (بھیجا) نکل جاتا ہے اور وہ بے نام و نشان ہو کر رہ جاتا ہے۔

وَمَن يَتَذَكَّرْ فَإِنَّهُ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ، یعنی ہمارے جو بندے ہمارے پاس ہیں مراد اس سے فرشتے ہیں وہ ہر وقت ہماری عبادت میں بغیر کسی وقفہ کے ہمیشہ مشغول رہتے ہیں اگر تم ہماری عبادت نہ کرو تو ہماری خدائی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ انسان چونکہ دوسروں کو بھی اپنے حال پر قیاس کر نیکا عادی اور خوگر ہوتا ہے اسکو دائمی عبادت سے دو چیزیں مانع ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ کسی کی عبادت کرنے کو اپنے درجہ اور مقام کے خلاف سمجھے اسلئے عبادت کے پاس ہی نہ جائے دوسرے یہ کہ عبادت تو کرنا چاہتا ہے مگر دائمی مسلسل اس لئے نہیں کر سکتا کہ بمقتضائے بشریت وہ تھوڑا کام کر کے تھک جاتا ہے اس کو آرام کرنے اور سونے کی ضرورت پیش آتی ہے اسلئے آخر آیت میں فرشتوں سے ان دونوں موانع کی نفی کر دی گئی کہ وہ نہ تو ہماری عبادت سے استکبار کرتے ہیں



کہ اسکو اپنی شان کے خلاف جانیں اور نہ عبادت کرنے سے کسی وقت تھکتے ہیں اسی مضمون کی تکمیل بعد کی آیت میں اس طرح فرمائی یَسْبَحُونَ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُونَ، یعنی فرشتے رات دن تسبیح کرتے رہتے ہیں کسی وقت رست بھی نہیں ہوتے۔

عبداللہ بن عمارت کہتے ہیں کہ میں نے کعب احبار سے پوچھا کہ کیا فرشتوں کو تسبیح کرنے کے سوا اور کوئی کام نہیں، اگر ہے تو پھر دوسرے کاموں کیساتھ ہر وقت کی تسبیح کیسے جاری رہتی ہے۔ کعب نے فرمایا اے میرے بھتیجے کیا تمھارا کوئی کام اور مشغلہ تمھیں سانس لینے سے روکتا ہے اور کام کرنے میں مغلّ و مانع ہوتا ہے حقیقت یہی ہے کہ تسبیح فرشتوں کے لئے ایسی ہے جیسے ہمارا سانس یا آنکھ جھپکنا کہ یہ دونوں چیزیں ہر وقت ہر حال میں جاری رہتی ہیں اور کسی کام میں مانع اور مغلّ نہیں ہوتیں (قطبی جو حیطہ) اَمَّا اتَّخَذُوا آلِهَةً مِّنَ الْأَرْضِ هُمْ یُنْشِرُونَ، اسیں مشرکین کی جہالت کو کئی طرح ظاہر فرمایا ہے۔ اول یہ کہ یہ کیسے احمق ہیں کہ خدا بھی بنایا تو زمین کی مخلوق کو بنایا یہ تو علوی اور آسمانی مخلوقات سے بہر حال کمتر و اتر ہیں دوسرے یہ کہ جن کو خدا بنایا کیا ان کو انھوں نے یہ کام کرتے دیکھا ہے کہ وہ کسی کو زندہ کرتے اور اسیں جان ڈالتے ہیں۔ معبود کے لئے تو یہ بات ضروری ہے کہ موت و حیات خلاق اسکے قبضہ میں ہو۔

کُوْنَا فِیْہِمْ آلَہٌ، یہ توحید کی دلیل عادی ہے جو عام عادات کے اعتبار پر مبنی ہے اور دلیل عقلی کی طرف بھی اشارہ ہے جس کی مختلف تقریریں علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور دلیل عادی اس بنا پر ہے کہ اگر زمین و آسمان کے دو خدا اور دونوں مالک و مختار ہوں تو ظاہر ہے کہ دونوں کے احکام پورے پورے زمین و آسمان میں نافذ ہونے چاہئیں اور عادتہ یہ ممکن نہیں کہ جو حکم ایک دے دے دوسرا بھی دے یا جس چیز کو ایک پسند کرے دوسرا بھی اُسی کو پسند کرے اسلئے کبھی کبھی اختلاف رائے اور اختلاف احکام ہونا ناگزیر ہے اور جب دو خداؤں کے احکام زمین و آسمان میں مختلف ہوئے تو نتیجہ ان دونوں کے فساد کے سوا کیا ہے۔ ایک خدا چاہتا کہ اس وقت دن ہو۔ دوسرا چاہتا ہے رات ہو۔ ایک چاہتا ہے بارش ہو دوسرا چاہتا ہے نہ ہو تو دونوں کے متضاد احکام کس طرح جاری ہونگے اور اگر ایک مغلوب ہو گیا تو مالک و مختار اور خدا نہ رہا۔ اس پر یہ شبہ کہ دونوں آپس میں مشورہ کر کے احکام جاری کیا کریں اس میں کیا بعد ہے اسکے جوابات علم کلام کی کتابوں میں بڑی تفصیل سے آئے ہیں۔ اتنی بات یہاں بھی سمجھ لیجائے کہ اگر دونوں مشورہ کے پابند ہوئے ایک بغیر دوسرے کے مشورے کے کوئی کام نہ کر سکے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ انہیں سے ایک بھی مالک و مختار نہیں، دونوں ناقص ہیں اور ناقص خدا نہیں ہو سکتا اور شاید اگلی آیت لَا یَسْأَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یَسْأَلُونَ میں بھی اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ جو شخص کسی قانون



کا پابند ہو جس کے افعال و اعمال پر کسی کو مواخذہ کرنیکا حق ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ خدا وہی ہے جو کسی کا پابند نہ ہو، جس سے کسی کو سوال کرنیکا حق نہ ہو۔ اگر دو خدا ہوں اور دونوں مشورہ کے پابند ہوں تو ہر ایک کو دوسرے سے سوال کرنے اور ترک مشورہ پر مواخذہ کرنیکا حق لازمی ہو جو خود منصبِ خدائی کے منافی ہو۔

هَذَا ذِكْرٌ مِّنْ مَّعْنَىٰ وَذِكْرٌ مِّنْ قَبْلِي، اسکا ایک مفہوم تو وہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں بیان ہوا ہے کہ ذِکْرٌ مِّنْ مَّعْنَىٰ سے مراد قرآن اور ذِکْرٌ مِّنْ قَبْلِي سے مراد تورات و انجیل اور زبور وغیرہ کتب سابقہ ہیں اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ میرا اور میرے ساتھ والوں کا قرآن اور پچھلی اُمتوں کی کتابیں تورات و انجیل وغیرہ موجود ہیں کیا ان میں سے کسی کتاب میں اللہ کے سوا کسی کی عبادت کی تلقین موجود ہے۔ تو رُتد انجیل وغیرہ میں تحریف ہو جانے کے باوجود یہ تو اب تک بھی کہیں صاف نہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کر کے دوسرا معبود بنالو۔ بحر محیط میں اسکا یہ مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ قرآن ذکر ہے میرے ساتھ والوں کیلئے بھی اور ذکر ہے مجھ سے پہلوں کیلئے بھی۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے ساتھ والوں کیلئے تو دعوت اور تشریح احکام کے لحاظ سے ذکر ہے اور سابقین کیلئے ذکر بایں معنی ہے کہ اسکے ذریعہ سابقین کے احوال و معاملہ اور قصص زندہ ہیں۔ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهٖ يَعْمَلُونَ، یعنی فرشتے حق تعالیٰ کی اولاد تو کیا ہوتے وہ تو ایسے خائف اور مؤدب رہتے ہیں کہ نہ قول میں اللہ تعالیٰ سے سبقت کرتے ہیں نہ عمل میں اسکے خلاف کبھی کچھ کرتے ہیں، قول میں سبقت نہ کرنیکا مطلب یہ ہے کہ جب تک حق تعالیٰ ہی کی طرف سے کوئی ارشاد نہ ہو خود کوئی کلام کرنے میں مسابقت کی ہمت نہیں کرتے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑوں کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ جب مجلس میں کوئی بات آئے تو جو اس مجلس کا بڑا ہے اسکے کلام کا انتظار کیا جائے پہلے ہی کسی اور کا بول پڑنا خلافِ ادب ہے۔

أَوَلَمْ يَرِ الْذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ صَا كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا

اور کیا نہیں دیکھا ان منکروں نے کہ آسمان اور زمین منہ بند تھے پھر ہم نے ان کو کھول دیا

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۰ وَجَعَلْنَا فِي

اور بنائی ہم نے پانی سے ہر ایک چیز جس میں جان ہے پھر کیا یقین نہیں کرتے اور کہہ دیے ہم نے

الْاَرْضَ صِرَآءٍ اَنْ تَحْمِلَ زَهْرَہٗ وَجَعَلْنَا فِيْهَا رِجَالًا مُّسٰبِلًا

زمین میں بھاری بوجھ کبھی اُن کو لے کر ٹھک پڑے اور رکھیں اُس میں کشادہ راہیں

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۳۱ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۖ وَهَمَّ

تاکہ وہ راہ پائیں اور بنایا ہم نے آسمان کو چھت محفوظ اور وہ

عَنْ اٰیٰتِہَا مُّعْرِضُوْنَ ۝۳۲ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الْیَلَّ وَالنَّهَارَ

آسمان کی نشانیوں کو دھیان میں نہیں لاتے اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن اور



الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿۳۳﴾

سورج اور چاند سب اپنے اپنے گھر میں پھرتے ہیں

### خلاصہ تفسیر

کیا ان کافروں کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ آسمان اور زمین (پہلے) بند تھے (یعنی آسمان سے بارش ہوتی تھی نہ زمین سے کچھ پیداوار، اسی کو بند ہونا فرمایا جیسا کہ اب بھی اگر کسی جگہ یا کسی زمانے میں آسمان سے بارش اور زمین سے پیداوار نہ ہو تو اُس جگہ یا اُس زمانے کے اعتبار سے انکو بند کہا جاسکتا ہے) پھر ہم نے دونوں کو (اپنی قدرت سے) کھول دیا کہ آسمان سے بارش اور زمین سے نباتات کا اُجھٹا شروع ہو گیا (اور بارش سے صرف نباتات ہی کو نمو نہیں ہوتا بلکہ ہم نے (بارش کے) پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا ہے (یعنی ہر زندہ جاندار کے وجود اور بقا میں پانی کا دخل ضرور ہے خواہ بلا واسطہ ہو یا کسی واسطہ سے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے) وَمَا أَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَخْيَارَ بِهِ الدَّارُ الْغُرَىٰ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ کیا (ان باتوں کو شکر، پھر بھی ایمان نہیں لاتے اور ہم نے (اپنی قدرت سے) زمین میں پہاڑ اس لئے بنائے کہ زمین ان لوگوں کو لے کر پلٹے نہ لگے اور ہم نے اس (زمین) میں کشادہ کشادہ رستے بنائے تاکہ لوگ (ان کے ذریعہ) منزل (مقصود) کو پہنچ جاویں اور ہم نے (اپنی قدرت سے) آسمان کو (بمقابلہ زمین کے اس کے اُپر مثل) ایک چھت دے (بنایا جو (ہر طرح سے) محفوظ ہے۔ (یعنی گرنے سے بھی ٹوٹنے پھوٹنے سے بھی اور اس سے بھی کہ شیطان وہاں تک پہنچ کر آسمان کی باتیں سن سکیں مگر یہ آسمان کا محفوظ و مضبوط ہونا بھی دائمی نہیں ایک زمانہ معین تک ہے) اور یہ لوگ اس (آسمان) کے (اندر کی موجودہ) نشانیوں سے اعراض کئے ہوئے ہیں (یعنی ان میں غور و فکر اور تدبیر نہیں کرتے) اور وہ ایسا (قادر) ہے کہ اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند بنائے (وہ نشانیاں آسمان کی یہی ہیں اور شمس قمر میں سے) ہر ایک ایک ایک دائرے میں (اس طرح چل رہے ہیں کہ گویا تیر رہے ہیں۔

### معارف و مسائل

أَوَلَمْ يَرِ الْيَزِيدُ كَقَرُّوْا، اس جگہ لفظ رؤیت بمعنی علم عام ہے خواہ وہ آنکھوں سے دیکھ کر حاصل ہو یا استدلال عقلی سے۔ کیونکہ آگے جو مضمون آ رہا ہے اُسکا تعلق کچھ مشاہدہ اور دیکھنے سے ہے کچھ علم استدلالی سے۔

أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتْ آتِفَاتٍ فَتَقْنَهُمَا لَفْظِ رَتَقَ کے معنی بند ہونے اور فتق کے معنی کھول دینے کے ہیں۔ ان دو لفظوں کا مجموعہ رتق و فتق کسی کام کے انتظام اور اُس کے



پڑے اختیار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ الفاظ آیت کا ترجمہ یہ ہوا کہ آسمان اور زمین بند تھے پہلے ان کو کھول دیا۔ اس میں بند ہونے اور کھول دینے سے مراد کیا ہے اس کی مراد میں حضرات مفسرین نے مختلف اقوال نقل کئے ہیں مگر ان سب میں جو معنی صحابہ کرام اور جمہور مفسرین نے اختیار فرمائے وہ وہی ہیں جو خلاصہ تفسیر میں لئے گئے ہیں کہ بند ہونے سے مراد آسمان کی بارش اور زمین کی پیداوار کا بند ہونا ہے اور کھولنے سے مراد ان دونوں کو کھول دینا ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ابن ابی حاتم کی سند سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور ان سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی انھوں نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس شخص کے پاس جاؤ ان سے دریافت کرو اور وہ جو جواب دیں مجھے بھی اس کی اطلاع کرو یہ شخص حضرت ابن عباسؓ کے پاس گیا اور دریافت کیا کہ اس آیت میں ساقا اور فتننا سے کیا مراد ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پہلے آسمان بند تھے بارش سیر سالتے تھے اور زمین بند تھی کہ اس میں نباتات نہیں اُگتی تھی جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر انسان کو آباد کیا تو آسمان کی بارش کھول دی اور زمین کا نشوونما۔ یہ شخص آیت کی تفسیر معلوم کر کے حضرت ابن عمرؓ کے پاس واپس گیا اور جو کچھ ابن عباسؓ سے سنا تھا وہ بیان کیا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ اب مجھے ثابت ہو گیا کہ واقعی ابن عباسؓ کو قرآن کا علم عطا کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے میں تفسیر قرآن کے بارے میں ابن عباسؓ کے بیانات کو ایک جرات سمجھا کرتا تھا جو مجھے پسند نہ تھی اب معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انکو علوم قرآن کا خاص ذوق عطا فرمایا ہے انھوں نے رتق و فتق کی تفسیر صحیح فرمائی ہے۔

روح المعانی میں ابن عباسؓ کی اس روایت کو ابن المنذر اور ابونعیم اور ایک جماعت محدثین کے حوالہ سے نقل کیا ہے جن میں حاکم صاحب مستدرک بھی ہیں، حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

ابن عطیہ غنی اس روایت کو نقل کر کے کہتے ہیں کہ یہ تفسیر حسن اور جامع اور سیاق و سباق قرآن کے مناسب ہے اس میں منکرین کے خلاف عبرت اور حجت بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاص نعمتوں اور قدرت کاملہ کا اظہار بھی جو معرفت و توحید کی بنیاد ہے اور بعد کی آیت میں جو وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ حَلًّا شَقِيًّا فرمایا ہے اس سے اسی معنی کے اعتبار سے مناسبت ہے۔ بحر محیط میں بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ قرطبی نے اسی کو عکرمہ کا قول بھی قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ایک دوسری آیت سے بھی اس معنی کی تائید ہوتی ہے یعنی وَالسَّمَاءَ ذَاتَ الرَّجْعِ وَالْأَرْضَ ذَاتِ الصَّدْرِ طبری نے بھی اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ، مراد یہ ہے کہ ہر جاندار کی تخلیق میں پانی کا دخل ضرور ہے اور جاندار و ذی روح اہل تحقیق کے نزدیک صرف انسان اور حیوانات ہی نہیں بلکہ



نباتات بلکہ جمادات میں روح اور حیات محققین کے نزدیک ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ پانی کو ان سب چیزوں کی تخلیق دایجاد اور ارتقا میں بڑا دخل ہے۔

ابن کثیر نے امام احمد کی سند سے بروایت ابو ہریرہ رضی نقل کیا ہے کہ ابو ہریرہ رضی نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ میں جب آپ کی زیارت کرتا ہوں تو میرا دل باغ باغ اور آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں (آپ مجھے ہر شے کی تخلیق کے بار میں بتلا دیجئے، آپ نے فرمایا کہ حیر پانی سے پیدا کی گئی ہے اس کے بعد ابو ہریرہ رضی نے سوال کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتلا دیجئے جس پر عمل کرنے سے میں جنت میں پہنچ جاؤں، آپ نے فرمایا:

افش السلام و اطعم الطعام و صل سلام کرنے کو عام کر دو (خواہ غناطی بنی ہو) اور کھانا کھانا  
الاحرام و قم باللیل والناس نیام کر دو اسکو بھی حدیث میں عام رکھا ہے کھانا کھانا شخص  
ثم ادخل الجنة سلام تفرد به احمد کو خواہ کافر فاسق ہی ہو ثواب خالی نہیں اور صلہ رحمی  
وهذا اسناد علی شرط الشيخین الخ کیا کرو اور رات کو تہجد کی نماز پڑھا کرو جب سب لوگ  
سوتے ہوں تو جنت میں سلامتی کیساتھ داخل ہو جاؤ گے

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ ۖ لَفْظٌ مُبْدَعٌ عَرَبِيٌّ زَبَانٌ مِثْلُ اضْطِرَابِي حَسْرَتِ  
کو کہا جاتا ہے اور مراد آیت کی یہ ہے کہ زمین پر پہاڑوں کا بوجھ حق تعالیٰ نے اسکا توازن برقرار رکھنے کے لئے ڈال دیا ہے تاکہ وہ اضطرابی حرکت نہ کر سکے جس سے اُس کے اُپر بسنے والوں کو نقصان پہنچے۔ اس کی فلسفیانہ تحقیق کہ پہاڑوں کے بوجھ کو زمین کے قرار میں کیا دخل ہے اُنکی یہاں ضرورت نہیں۔ تفسیر کبیر وغیرہ میں اسکا مفصل بیان اہل علم دیکھ سکتے ہیں اور بقدر ضرورت سورہ نمل کی تفسیر میں حضرت حکیم الامتہؒ نے تفسیر بیان القرآن میں بھی لکھ دیا ہے۔

كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ لَفْظٌ فَلَكٌ دراصل ہر دائرے اور گول چیز کو کہا جاتا ہے اسی وجہ سے چرخے میں جو گول چمڑا لگا ہوتا ہے اسکو فلکۃ المیزان کہتے ہیں (دُوج) اور اسی وجہ سے آسمان کو بھی فلک کہ دیا جاتا ہے۔ یہاں مراد شمس و قمر کی وہ مداریں ہیں جن پر وہ حرکت کرتے ہیں۔ الفاظ قرآن میں اُنکی کوئی تصریح نہیں ہے یہ مداریں آسمان کے اندر ہیں یا باہر فضا میں۔ حالیہ خلائی تحقیقات نے واضح کر دیا ہے کہ یہ مداریں فضا اور فضا میں آسمان سے بہت نیچے ہیں۔

اس آیت کے ظاہر سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ آفتاب بھی ایک مدار پر حرکت کرتا ہے جدید فلاسفہ پہلے اسے منکر تھے اب وہ بھی اس کے قائل ہو گئے ہیں۔ مزید تفصیلات کی یہ جگہ نہیں۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم



وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمْ الْخَالِدُونَ ﴿۳۳﴾

اور نہیں دیا ہم نے تجھ سے پہلے کسی آدمی کو ہمیشہ کے لئے زندہ رہنا، پھر کیا اگر تو مر گیا تو وہ رہ جائیں گے

كُلُّ نَفْسٍ ذَرْبَةُ الْمَوْتِ ۖ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ

ہر جی کو چھنی ہے موت اللہ ہم تم کو جانچتے ہیں بُرائی سے اور بھلائی سے آزمائے کو

وَالْيَنَّا تُرْجَعُونَ ﴿۳۴﴾ وَإِذَا رَأَوْا الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ أَنُفُسُهُمْ يَتَذَكَّرُونَ

اور ہماری طرف پھر کرا جاؤ گے اور جہاں تجھ کو دیکھا منکروں نے تو کوئی کام نہیں اُن کو تجھ سے

إِلَّا هُزُوا ۚ أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ ۖ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمَنِ

مگر ٹھٹھا کرنا کیا یہی شخص ہے جو نام لیتا ہے تمہارے سیدوں کا اور وہ رحمن کے نام سے

هُمْ كَفِرُونَ ﴿۳۵﴾ خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۖ سَأُورِيكُمْ آيَاتِي فَلَا

منکر ہیں بنا ہے آدمی جلدی کا اب دکھاتا ہوں تم کو اپنی نشانیاں سو

تَسْتَعْجِلُونَ ﴿۳۶﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۷﴾

مجھ سے جلدی مت کرو اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو

كُوِّنَ الْإِنسَانُ أَكْفَرًا ۚ لَا يَكَفُونَ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا

اگر جان لیں یہ منکر اسوقت کو کہ نہ روک سکیں گے اپنے منہ سے آگ اور نہ

عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۳۸﴾ بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ

اپنی پیٹھ سے اور نہ اُن کو مدد پہنچے گی کچھ نہیں وہ آئے گی اُن پر ناگہان پھر انکے ہوش

فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۳۹﴾ وَلَقَدْ اسْتَهْزَأُوا

کہوے گی پھر نہ پھیر سکیں گے اُس کو اور نہ اُن کو فرصت ملے گی اور ٹھٹھے ہو چکے ہیں

بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ فَخَافَ بِاللَّيْلِ سَاحِرُوا مِنْهُمْ قَاكَاوَا بِهِ

رُشولوں سے تجھ سے پہلے پھر اُلٹ پڑی ٹھٹھا کرنے والوں پر اُن میں سے وہ چیز جس کا

يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۴۰﴾ قُلْ مَنْ يَكْلَأُ كُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنْ

ٹھٹھا کرتے تھے تو کہہ کون جگہبائی کرتا ہے تمہاری رات میں اور دن میں

الرَّحْمَنِ ۖ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُعْرِضُونَ ﴿۴۱﴾ أَمَّا لَهُمُ الْهَفْءُ

رحمن سے کوئی نہیں وہ اپنے رب کے ذکر سے منہ پھرتے ہیں یا انکے واسطے کوئی مجاہد ہیں

تَمْنَعُهُمْ مِنْ دُونِنَا لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ

کہ اُن کو بچاتے ہیں ہمارے سوا وہ اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے اور نہ اُن کی ہماری

مِّنَّا يُضْعَبُونَ ﴿۴۲﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هَؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ طَالَ

طرف سے رفاقت ہو کوئی نہیں پر ہم نے عیش دیا اُن کو اور اُن کے باپ دادوں کو یہاں تک کہ بڑھ گئی



عَلَيْهِمُ الْعُزَّةُ أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ

اُن کے اندر پھر کیا ہیں دیکھتے کہ ہم چلے آتے ہیں زمین کو گھٹاتے اُس کے

أَطْرَافِهَا أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۲۳﴾ قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُم بِآلُوهِي وَلَا

کناروں سے اب کیا وہ جیتنے والے ہیں تو کہہ میں جو تم کو ڈراتا ہوں سو حکم کے موافق اور سننے

يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ إِذَا مَا يُنذَرُونَ ﴿۲۴﴾ وَلَكِنْ مَسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ

نہیں: ہرے پکارنے کو جب کوئی اُن کو اُذر کی بات سنائے اور کہیں پہنچ جائے اُن تک ایک بھاپ

مِنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ يَوْمَئِذٍ إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۲۵﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ

تیرے رب کے عذاب کی تو ضرور کہنے لگیں ہمارے کم بجتی ہماری بیشک ہم تھے گنہگار اور رکھیں گے ہم ترازوئیں

الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ

انصاف کی تیامت کے دن پھر ظلم نہ ہوگا کسی جی بڑا ایک ذرہ اور اگر ہوگا برابر رائی کے

حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَى بِنَا حَاسِبِينَ ﴿۲۶﴾

دانہ کی تو ہم لے آئیں گے اُس کو اور ہم کافی ہیں حساب کرنے کو

## خلاصہ تفسیر

اور یہ لوگ جو آپ کی وفات کی خوشیاں منا رہے ہیں بقولہ تعالیٰ نَذَرْنَا بِهِ رَبِّ الْمُنُونِ، یہ وفات بھی منافی نبوت کی نہیں کیونکہ، ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کے لئے (خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی دنیا میں) ہمیشہ ہنا تجویز نہیں کیا (بقولہ تعالیٰ وَمَا كُنَّا بِأَخْلِدِينَ) پس جیسے آپ سے پہلے انبیاء کو موت آئی اس سے ان کی نبوت میں کسی کو شبہ نہیں ہوا اسی طرح آپ کی وفات سے آپ کی نبوت میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبوت اور موت دونوں ایک شخص میں جمع ہو سکتی ہیں (پھر یہ کہ) اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو کیا یہ لوگ (دنیا میں) ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے (آخر یہ بھی مرے گئے پھر خوشی کا کیا مقام ہے؟ مطلب یہ کہ آپ کی وفات سے ان کی خوشی اگر ابطال نبوت کے لئے ہے، تب تو مَا جَعَلْنَا الْبَشَرِ الْإِنَّمِ اس کا جواب ہے اور اگر ذاتی بغض و عداوت سے ہے تو أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ رَاسُومًا فَذَرْنَاهُ وَمَنْ حَرَّامًا اور غرض ہر حال میں یہ انتظار پھل اور لغو ہے اور موت تو ایسی چیز ہے کہ تم میں) ہر جاندار موت کا مزا چکے گا اور (یہ جو ہم نے چند روزہ تم کو زندگی دے رکھی ہے تو اس سے مقصود محض یہ ہے کہ) ہم تم کو بُری پہلی حالتوں سے اچھی طرح آزماتے ہیں (بُری حالت سے مراد جو کہ خلاف مزاج ہو جیسے مرض و فقر اور اچھی حالت سے مراد جو کہ موافق مزاج ہو جیسے صحت اور غنا زندگی میں یہی حالتیں مختلف طور پر پیش آتی ہیں۔ کوئی ان میں ایمان اور طاعت بجالاتا ہے اور کوئی کفر و



مصلحت کرتا ہے مطلب یہ کہ زندگی اس لئے دے رکھی ہے کہ دیکھیں کیسے کیسے عمل کرتے ہو (اور اس زندگی کے ختم پر) پھر تم سب ہمارے پاس چلے آؤ گے (اور ہر ایک کو اس کے مناسب جزا و جزا دیں گے پس امر ہم تو موت اور مابعد الموت ہی ہوا اور زندگی محض عارضی پھر یہ لوگ اس پر اترتے ہیں اور پیغمبر کی وفات پر خوشیاں مناتے ہیں یہ نہ ہوا کہ اس مستعار زندگی میں دولت ایمان و طاعت کما لیتے جو ان کے کام آتی اور ان کا نامہ اعمال سیاہ اور آخرت کی منزل بھاری کر رہے ہیں (ڈرتے نہیں) اور (ان منکرین کی یہ حالت ہے کہ) یہ کافر لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے ہنسی مذاق کرنے لگتے ہیں (اور آپس میں کہتے ہیں) کہ کیا یہی (صاحب) ہیں جو تمہارے معبودوں کا (برائی سے) ذکر کیا کرتے ہیں (سو آپ پر تو بتوں کے انکار کا بھی اعتراض ہے) اور خود یہ لوگ (حضرت) رحمان (جل شانہ) کے ذکر پر انکار (اور کفر) کیا کرتے ہیں (تو اعتراض کی بات تو درحقیقت یہ ہے اس لئے ان کو اپنی اس حالت پر استہزاء کرنا چاہئے تھا اور ان کی یہ حالت ہے کہ جب سزائے کفر کا مضمون سنتے ہیں جیسے اور پر ہی ذکر ہوا ہے **إِنَّا نُرْجِئُكَ** تو بوجہ تکذیب کے اس کا تقاضا کرتے ہیں کہ یہ سزا جلد آجائے اور یہ تقاضا اور عجلت کچھ انسانی طبیعت کا خاصہ اکثر یہ بھی ہے پس اس کا طبعی ہونا ایسا ہے جیسے گویا انسان جلدی ہی (کے خمیر) کا بنا ہوا (ہے یعنی عجلت اور جلدی مثل اس کے اجزاء ترکیب کے ہی اسی واسطے یہ لوگ عذاب جلدی جلدی مانگتے ہیں اور اس میں دیر ہونے کو دلیل عدم وقوع کی سمجھتے ہیں لیکن اسے کافر و یہ تمہاری غلطی ہے کیونکہ اس کا وقت معین ہے سو ذرا صبر کرو) ہم غمگین (اس کے وقت آنے پر) تم کو اپنی نشانیاں (قہر کی یعنی سزائیں) دکھائے دیتے ہیں، پس تم مجھ سے جلدی مت بچاؤ (کیونکہ عذاب وقت سے پہلے آتا نہیں اور وقت پر ٹلتا نہیں) اور یہ لوگ (جب یہ مضمون سنتے ہیں کہ وقت موعود پر عذاب آویگا تو رسول اور مومنین سے یوں کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کس وقت آویگا اگر تم (وقوع عذاب کی خبریں) سچے ہو (تو توقف کلبے کا جلدی سے کیوں نہیں واقع کر دیا جاتا۔ اصل یہ ہے کہ ان کو اس مصیبت کی خبر نہیں جو ایسی بے فکری کی باتیں کرتے ہیں) کاش ان کافروں کو اس وقت کی خبر ہوتی جبکہ (ان کو سب طرف سے دوزخ کی آگ گھیرے گی اور) یہ لوگ (اُس) آگ کو نہ اپنے سامنے سے روک سکیں گے اور اپنے پیچھے سے اور نہ ان کی کوئی حمایت کرے گی (یعنی اگر اس مصیبت کا علم ہوتا تو ایسی باتیں نہ بناتے اور یہ جو دنیا ہی میں عذاب نار کی فرمائش کر رہے ہیں سو یہ ضرور نہیں کہ ان کی فرمائش کے موافق عذاب نار آجائے) بلکہ وہ آگ (تو) ان کو ایک دم سے آگنی سوان کو بدحواس کر دے گی پھر نہ اُس کے ہٹانے کی ان کو قدرت ہوگی اور نہ ان کو بہلت دی جائے گی اور (اگر وہ یوں کہیں کہ اگر یہ عذاب آخرت میں موعود ہونے کی وجہ سے دنیا میں نہیں ہوتا تو اچھا دنیا میں اس کا کوئی نمونہ تو دکھلا دو تو گو بقاعدہ



مناظرہ نمونہ دکھلانا ضرور نہیں لیکن تبرعاً نمونہ کا پتہ بھی دیا جاتا ہے وہ یہ کہ آپ سے پہلے جو پیغمبر گزرے ہیں ان کے ساتھ بھی (کفار کی طرف سے) تمسخر کیا گیا سو جن لوگوں نے ان سے تمسخر کیا تھا ان پر وہ عذاب واقع ہو گیا جس کے ساتھ وہ استہزار کرتے تھے کہ عذاب کہاں ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ کفر موجب عذاب ہے پس اگر دنیا میں وقوع نہ ہو تو آخرت میں ہوگا اور یہ بھی ان سے کہہ دیجئے کہ دنیا میں جو تم عذاب سے محفوظ ہو سو یہ حفاظت بھی حضرت رحمان ہی کر رہا ہے اس میں بھی اُسی کا احسان اور دلالت علی التوحید ہے اور اگر تم اُس کو تسلیم نہیں کرتے تو پھر بتلاؤ کہ وہ کون ہے جو رات اور دن میں رحمان (کے عذاب) سے تمہاری حفاظت کرتا ہو اور اس مضمون کا سلم مقصدا یہ تھا کہ توحید کے قائل ہو جاتے مگر وہ اب بھی قائل نہ ہوئے بلکہ وہ لوگ (اب بھی بدستور) اپنے رب (حقیقی) کے ذکر (توحید کے قبول کرنے) سے روگرداں (ہی) ہیں (ہاں ہم مَن يَكْفُرْ يَكْفُرْ کے مصداق کی توضیح کے لئے قصراً دریافت کرتے ہیں کہ کیا انکے پاس ہمارے سوا اور ایسے معبود ہیں کہ (عذاب کو) وہ ان کی حفاظت کر لیتے ہوں (وہ بیچارے ان کی تو کیا حفاظت کرتے ان کی بیچارگی و درماندگی کی تو حیاتِ بحکم) وہ خود اپنی حفاظت کی قدرت نہیں رکھتے مثلاً ان کو کوئی توڑنے پھوڑنے لگے تو مدافعت بھی نہیں کر سکتے بقولہ تعالیٰ وَإِنْ تَسْلُبْنَاهُمْ الذُّبَابَ الْخَمِيرَ پس نہ وہ ان کے معبودان کی حفاظت کر سکتے ہیں (اور نہ ہمارے مقابلہ میں کوئی ان کا ساتھ دے سکتا ہے) اور یہ لوگ باوجود ان دلائل ساطعہ کے جو حق کو قبول نہیں کرتے تو یہ وجہ نہیں کہ دعویٰ یا دلیل میں کچھ غلط ہے بلکہ (اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ) میں نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو (دنیا کا) خوب سامان دیا یہاں تک کہ ان پر (اسی حالت میں) ایک عرصہ دراز گزر گیا کہ پشتہائے پشت سے عیش آرام کرتے آ رہے ہیں پس کھا کھا کے غُستّرانے لگے اور آنکھیں پتھر اگیں مطلب یہ کہ ان ہی میں خلل غفلت کا ہے لیکن باوجود منہیات تشریعیہ تکوینیہ کے اتنی غفلت بھی نہ ہونا چاہیے چنانچہ ایک امرِ منہیہ کا ذکر کیا جاتا ہے وہ یہ کہ کیا ان کو یہ نظر نہیں آتا کہ ہم (ان کی) زمین کو (بذریعہ فتوحات اسلامیہ کے) ہر چہار طرف سے برابر گھساتے چلے جاتے ہیں سو کیا یہ لوگ (یہ توقع رکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین پر) غالب آدیں گے (کیونکہ قرآنِ عادیہ اور دلائل تنزیلیہ متفق ہیں ان کے مغلوب اور اہل حق کے غالب ہوتے جانے پر تاؤ فتنہ کہ مسلمان اطاعتِ خداوندی سے منہ نہ موڑیں اور حمایتِ اسلام نہ چھوڑیں پس اس امر میں تاؤل کرنا بھی تنبیہ کے لئے کافی ہے اگر اس پر بھی عناد و جہالت سے وقوع عذاب ہی کی فرائش کریں تو) آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف وحی کے ذریعہ سے تم کو ڈراتا ہوں (عذاب کا آنا میرے بس سے باہر ہے) اور (گو یہ طریقہ دعوت الی الحق کا اور یہ انداز کافی ہے مگر) یہ بہرے جو وقت (حق کی طرف بلائے جانے کے واسطے عذاب سے) ڈرائے جاتے ہیں سُنتے ہی نہیں (اور طریق و ضوابطِ حق



میں تامل ہی نہیں کرتے بلکہ وہی مرغی کی ایک ٹانگ عذاب ہی مانگے جاتے ہیں، اور کیفیت عالی ہمتی کی یہ ہے کہ، اگر ان کو آپ کے رب کے عذاب کا ایک جھوٹکا بھی ذرا لگجاوے تو (ساری بہادری ختم ہو جاوے اور) یوں کہنے لگیں کہ ہائے ہماری کمبختی (کیسی ہمارے سامنے آئی) واقعی ہم خطا دار تھے (بس اس ہمت پر عذاب کی فرمائش ہے واقعی اُن کی اس شرارت کا تو یہی مقتضاتھا کہ دنیا ہی میں فیصلہ کر دیتے مگر ہم بہت سی حکمتوں سے دنیا میں سزائے موعود دینا نہیں چاہتے بلکہ آخرت کیلئے اُنہیں رکھا ہے اور وہاں) قیامت کے روز ہم میزانِ عدل قائم کریں گے (اور سب کے اعمال کا وزن کریں گے) کسی پر اصلاً ظلم نہ ہوگا اور (ظلم ہو گیا یہ ثمرہ ہوگا کہ) اور اگر کسی کا کوئی عمل رائی کے دانے کے برابر بھی ہو تو ہم اُس کو (وہاں) حاضر کر دیں گے (اور اُس کا بھی وزن کریں گے) اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں (ہمارے اس وزن اور حساب کے بعد پھر کسی حساب کتاب کی ضرورت نہ رہے گی بلکہ اُسی پر سب فیصلہ ہو جاوے گا پس وہاں لوگوں کی شرارتوں کی بھی سزائے مناسب کافی جاری کر دی جاوے گی۔

## معارف و مسائل

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ قَبْلَ نَبِيِّكَ الْخُلْدَ، سابقہ آیات میں کفار و مشرکین کے باطل دعووں و شرکات عقیدوں کی جنہیں حضرت یحییٰ، یونس وغیرہ کو فدائی کا شریک یا فرشتوں اور یحییٰ کو خدا تعالیٰ کی اولاد کہا گیا ان گمراہ کن عقائد کی تردید و ابطال واضح دلائل کے ساتھ آیا ہے جس کا مخالفین کے پاس کوئی جواب نہ تھا ایسے مواقع میں جب مخالف حجت و دلیل سے مغلوب ہو جائے تو بھجلاہٹ پیدا ہوتی ہے اسی کا نتیجہ تھا کہ مشرکین مکہ اسکی تمنا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلد وفات ہو جاوے جیسا کہ بعض آیات میں ہے نَتَوَقَّعُ بِهِ رَبِّبَ الْمُتَوَنِّينَ، اس آیت میں حق تعالیٰ نے اُن کی اس بیودہ تمنا کے جواب دینے ہیں۔ وہ یہ کہ اگر ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جلد ہی وفات ہوگئی تو تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا؟ اگر تمہارا مقصد یہ ہے کہ اُن کی موت ہو جائے گی تو ہم لوگوں کو بتلائیں گے کہ یہ نبی و رسول نہیں تھے ورنہ موت نہ آتی تو اسکا یہ جواب دیا کہ جن انبیاء کی نبوت کو تم بھی مانتے ہو کیا اُن کو موت نہیں آئی، جب اُن کی موت سے اُن کی نبوت و رسالت میں کوئی فرق نہیں آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے آپ کی نبوت کے خلاف کوئی پروپیگنڈا کیسے کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر تمہارا مقصد آپ کی جلد وفات سے اپنا غصہ ٹھنڈا کرنا ہے تو یاد رکھو کہ یہ موت کا مرحلہ تمہیں بھی درپیش ہے آخر تمہیں بھی مرنا ہے پھر کسی کی موت سے خوش ہونے کے کیا معنی؟

اگر مرد و عدد جائے شادمانی نیست کہ زندگانی مانیز جاودانی نیست  
موت کیا چیز ہے | پھر ارشاد فرمایا مَحَلُّ نَفْسٍ ذَاتُ قُوَّةٍ الْمَوْتِ، یعنی ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے



یہاں مراد ہر نفس سے نفوس ارضیہ یعنی زمینی جاندار ہیں۔ ان سب کو موت آنا لازمی ہے نفوس ملائکہ  
اسیں داخل نہیں، اسیں اختلاف ہے کہ قیامت کے روز فرشتوں کو بھی موت آئے گی یا نہیں؟ بعض  
حضرات نے فرمایا کہ ایک لحظہ کے لئے تو سب پر موت طاری ہو جائیگی خواہ انسان اور نفوس ارضیہ  
ہوں یا فرشتے اور نفوس سماویہ۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ فرشتے اور جنت کے حور و علمائے موت سے  
مستثنیٰ ہیں۔ واللہ اعلم (روح المعانی) اور موت کی حقیقت جمہور علماء کے نزدیک روح کا جسد غفیری  
سے نکل جانا ہے اور روح خود ایک جسم نورانی لطیف ذی حیات متحرک کا نام ہے جو انسان کے  
پورے بدن میں ایسا سمایا ہوا رہتا ہے جیسے عرق گلاب اسکے پھول میں۔ ابن قیم نے روح کی حقیقت  
بیان کر کے اس کو سو دلائل سے ثابت کیا ہے (روح المعانی)

لفظ ذائقۃ الموت سے اشارہ اس طرف پایا جاتا ہے کہ ہر نفس موت کی خاموش تکلیف محسوس کر چکا  
کیونکہ مزہ چکھنے کا محاورہ ایسے ہی مواقع میں استعمال ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ روح کا جیسا اتصال  
بدن کے ساتھ ہے اُس کے نکلنے کے وقت تکلیف اور الم کا احساس امر طبعی ہے رہا بعض اہل اللہ  
کا یہ معاملہ کہ ان کو موت سے لذت و راحت حاصل ہوتی ہے کہ دنیا کی تنگیوں سے نجات ہوئی اور  
محبوب اکبر سے ملاقات کا وقت آگیا، تو یہ ایک دوسری طرح کی لذت ہے جو مفارقت بدن کی طبعی  
تکلیف کے منافی نہیں کیونکہ جب کوئی بڑی راحت اور بڑا فائدہ سامنے ہوتا ہے تو اُس کے  
لئے چھوٹی تکلیف برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے اس معنی کے لحاظ سے بعض اہل اللہ نے دنیا کے  
غم و رنج اور مصیبتوں کو بھی محبوب قرار دیا ہے کہ ”از محبت تلخنا شیریں شوند“ ۵

غم چہ استادہ تو بردیر ما ۶ اندر آیار ما برادر ما

اور مولانا رومی نے فرمایا ۵

رنج راحت شد چو طلبش بزرگ ۷ گر دگھلے تو تیارے چشم گرگ

دنیا کی ہر تکلیف و راحت آزمائش ہے [وَنَبَدُّكُمْ بِالْاَشْيَاءِ الْخَيْرِ فَنَنْتَهِ]، یعنی ہم شر اور خیر دونوں  
کے ذریعہ انسان کی آزمائش کرتے ہیں۔ شر سے مراد ہر خلاف طبع چیز ہے جیسے بیماری، رنج و غم،  
فقر و فاقہ اور خیر سے اسکے بالمقابل ہر مرغوب طبع چیز ہے جیسے صحت و عافیت، خوشی و راحت، رغبت  
و سبائش وغیرہ۔ یہ دونوں طرح کی چیزیں اس دنیا میں انسان کی آزمائش کے لئے آتی ہیں کہ شریعتی  
خلاف طبع اُمور پر صبر کر کے اسکا حق ادا کرنا اور خیر یعنی مرغوب غلط چیزوں پر شکر کر کے اسکا حق ادا کرنا  
آزمائش یہ ہے کہ کون اس پر ثابت قدم رہتا ہے کون نہیں رہتا۔ اور بزرگوں نے فرمایا کہ حقوق شکر پر  
ثابت قدم رہنا بہ نسبت حقوق صبر کے مشکل ہے۔ انسان کو تکلیف پر صبر کرنا آنا بھاری نہیں ہوتا جتنا  
عیش و عشرت اور آرام و راحت میں اسکے حق شکر ادا کرنے پر ثابت قدمی مشکل ہوتی ہے اسی بنا پر حضرت



قاروق اعظم نے فرمایا :

بُلینا بالصبراء فصبرنا وبلینا بالشراء

فلما نصبر (ردیم المعافی)

یعنی ہم تکلیفوں میں مبتلا کئے گئے اُس پر تو ہم نے صبر کر لیا لیکن جب راحت  
عیش میں مبتلا کئے گئے تو اُس پر صبر نہ کر سکے یعنی اُس کے حقوق ادا کرنے  
پر ثابت قدم نہ رہ سکے۔

جلد بازی مذموم | خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَاقٍ، عَجَل بِمَنْعَةِ عَجَلَتِ اور جلدی کے ہے جسکی حقیقت کسی چیز کو  
اُس کے وقت سے پہلے طلب کرنا ہے اور یہ وصف فی نفسہ مذموم ہے قرآن کریم میں دوسری جگہ بھی اس کو انسانی  
کمزوری کے طور پر ذکر فرمایا ہے وَكَانَ الْإِنْسَانُ عُجُولًا یعنی انسان بڑا جلد باز ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب  
کوہ طور پر اپنی قوم سے آگے بڑھ کر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو وہاں بھی اس عجلت پر عتاب ہوا۔ اور  
انبیاء و صلحاء کے بارے میں جو سارعت اور مسابقت فی الخیرات کو بطور مدح کے ذکر کیا گیا ہے وہ جلد بازی  
اور عجلت کے مفہوم میں داخل نہیں۔ کیونکہ وہ وقت سے پہلے کسی چیز کی طلب نہیں بلکہ وقت پر تکثیر خیرات و  
חסنات کی کوشش ہے وَاللَّهُ اعْلَمُ

اور خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَاقٍ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی طبیعت میں جس طرح کچھ دوسری کمزوریاں رکھ دی گئی ہیں  
انہیں سے ایک کمزوری عجلت کی بھی ہے اور جو چیز طبیعت اور جبلت میں داخل ہوتی ہے عرب اس کو ایسی عنوان سے  
تعبیر کرتے ہیں کہ شخص اُس چیز سے پیدا کیا گیا جیسے کسی کے مزاج میں غصہ غالب ہوگا تو کہا جائے گا کہ یہ  
غصہ کا بنا ہوا آدمی ہے۔

سَأَدْرِكُمْ أَيْدِيَّ، اسمیں آیات سے مراد وہ معجزات اور حالات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کے صدق و حقانیت پر شہادت دیتے ہیں (قرطبی) جیسے غزوہ بدر وغیرہ میں نشانیاں کھلے طور پر ظاہر ہوئیں، اور  
انجام کار ان مسلمانوں کا غلبہ سب کی آنکھوں نے دیکھ لیا جن کو سب سے زیادہ ضعیف و ذلیل سمجھا جاتا تھا۔

قیامت میں وزن اعمال | وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ، لفظ موازنین میزان کی جمع ہے  
اور اُس کی میزان جو ترازو کے معنی میں آتا ہے اسجگہ میزان کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اس

سے بعض حضرات مفسرین نے یہ قرار دیا ہے کہ وزن اعمال کے لئے بہت سی میزانیں استعمال کی جائیں گی خواہ ہر  
شخص کے لئے الگ الگ میزان ہو یا خاص خاص اعمال کے لئے الگ الگ میزانیں ہوں مگر جمہور علماء اس  
پر متفق ہیں کہ میزان ایک ہی ہوگی اس کو بصیغہ جمع اس لئے تعبیر کر دیا ہے کہ وہ بہت سی موازین کا کام  
دیگی کیونکہ ساری مخلوقات آدم علیہ السلام سے قیامت تک جسکی تعداد اللہ ہی جانتا ہے اُن سب کے اعمال کو  
یہی ترازو تولے گی۔ اور قسط کے معنی عدل و انصاف کے ہیں معنی یہ ہیں کہ یہ میزان عدل و انصاف کے ساتھ  
وزن کرے گی ذرا کمی بیشی نہ ہوگی۔ مستدرک حاکم میں بروایت حضرت سلمان روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز جو میزان وزن اعمال کے لئے رکھی جائے گی اتنی بڑی اور وسیع ہوگی کہ نہیں



آسمان و زمین کو تولد چاہیں تو وہ بھی اس میں سما جائیں۔ (مظہری)

حافظ ابو القاسم لاکھانی نے اپنی مشن میں حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میزان پر ایک فرشتہ مقرر ہوگا اور ہر انسان کو اس میزان کے سامنے لایا جائیگا۔ اگر کسی نیکیوں کا پلہ بھاری ہو گیا تو فرشتہ سنا دی کرے گا جس کو تمام اہل مشرئیں گے کہ فلاں شخص کا میاب ہو گیا اب بھی اسکو عفو دی نہیں ہوگی، اور اگر نیکیوں کا پلہ ہلکا رہا تو یہ فرشتہ سنا دی کرے گا کہ فلاں شخص شقی اور مسرور ہو گیا اب بھی کا میاب یا مراد نہیں ہوگا۔ اور حافظ مذکور نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ فرشتہ جو میزان پر مقرر ہوگا حضرت جبریل امین ہیں۔ (قطبی)

حاکم اور بیہقی اور آجری نے حضرت صدیقہ عائشہؓ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا قیامت کے روز بھی آپ اپنے اہل واولاد کو یاد رکھیں گے تو فرمایا کہ قیامت میں تین مقام تو ایسے ہونگے کہ ان میں کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا۔ ایک وہ وقت جب میزان عدل کے سامنے وزن اعمال کے لئے حاضر ہوں گے جب تک نتیجہ معلوم نہ ہو جائے کہ اسکا پلہ نیکیوں کا بھاری ہو یا ہلکا رہا کسی کو کسی کی یاد نہ آدگی اور دوسرا مقام وہ ہے جب نامہ اعمال اڑائے جا دیں گے جب تک یہ متعین نہ ہو جائے کہ نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں آیا (جو نجات کی علامت) یا بائیں ہاتھ یا پشت کی طرف آیا (جو عذاب کی علامت ہے) اور تیسرا مقام پھر اٹھ کے گزرے گا وقت تک جب تک پار نہ ہو جاویں کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا۔ (مظہری)

ذَلَّانِ كَانَ مِنْ أَتَشَقَّالٍ حَبَّةَ قَرْنٍ خَوْذِلٍ أَنْتَبَاهَا، یعنی یوم حساب اور میزان اعمال کے وقت انسان کے سارے چھوٹے بڑے اچھے بُرے اعمال حاضر کئے جائیں گے تاکہ حساب اور وزن میں شامل ہوں۔

وزن اعمال کی صورت | یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فرشتوں کے لکھے ہوئے اعمال نامے تولے جائیں جیسا کہ حدیث بطاقت سے اس طرف اشارہ نکلتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عین اعمال کو وہاں ہوا ہر مستقلہ کی شکل دیدی جاوے اور ان کا وزن کیا جائے عام طور سے روایات اسی پر شاہد ہیں اور جو در علمائے اسی صورت کو اختیار کیا ہے۔

قرآن مجید میں قَوْحِدٌ وَأَمَّا عَمِلُوا خِصْرًا غَيْرَ آيَاتٍ اور بہت سی روایات حدیث سے اسی کی تائید ہوتی ہے اعمال کا محاسبہ | ترمذی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے سامنے آکر بیٹھا اور بیان کیا یا رسول اللہ میرے دو غلام ہیں جو مجھے جھوٹا کہتے ہیں اور معاملات میں خیانت کرتے ہیں اور میرے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اُس کے مقابلے میں میں اُن کو زبان سے بھی برا بھلا کہتا ہوں اور ہاتھ سے مارتا بھی ہوں، تو میرا اور ان غلاموں کا انصاف کس طرح ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اُن کی نافرمانی اور خیانت اور سرکشی کو تو لا جائے گا، پھر تمہارے سب دشمن اور مار پیٹ کو

تولا جائیگا اگر تمہاری سزا اور ان کا جرم برابر ہوئے تو معاملہ برابر ہو جائے گا۔ اور اگر تمہاری سزا ان کے جرم سے کم رہی تو وہ تمہارا احسان شمار ہوگا اور اگر ان کے جرم سے بڑھ گئی تو جتنی تم نے زیادتی کی ہو اسکا



تم سے انتقام اور قصاص لیا جا دیگا۔ یہ شخص یہاں سے اٹھ کر الگ بیٹھ گیا اور رونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے قرآن میں یہ آیت نہیں پڑھی وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقُسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ، اس نے عرض کیا کہ اب تو میرے لئے اس کے سوا کوئی راہ نہیں کہ میں ان کو آزاد کر کے اس حساب کے غم سے بے فکر ہو جاؤں۔ (قرطبی)

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۵۸﴾

اور ہم نے دی تھی موسیٰ اور ہارون کو تفسیر چکانے والی کتاب اور روشنی اور نصیحت ڈرنے والوں کو

الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ﴿۵۹﴾

جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے اور وہ قیامت کا خطرہ رکھتے ہیں

وَهَذَا ذِكْرٌ مُّبْرَكٌ أَنزَلْنَاهُ ۖ أَفَأَنْتُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ﴿۶۰﴾

اور یہ ایک نصیحت ہے برکت کی جو ہم نے اتاری سو کیا تم اس کو نہیں مانتے

عزیم

### خلاصہ تفسیر

اور ہم نے (آپ کے قبل) موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو ایک فیصلہ کی اور روشنی کی اور متقیوں کے لئے نصیحت کی چیز (یعنی توریت) عطا فرمائی تھی جو (متقی) اپنے رب کے دیکھے ڈرتے ہیں اور (خدا ہی سے ڈرنے کے سبب) وہ لوگ قیامت سے (بھی) ڈرتے ہیں کیونکہ قیامت میں اسکا خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور سزا نہ ہونے لگے، اور (جیسے اُن کو وہ کتاب ہم نے دی تھی اسی طرح) یہ (قرآن بھی) ایک کثیر الفائدہ نصیحت (کی کتاب) ہے جو ہم نے نازل کیا، سو کیا (بعد اسکے کہ نازل کتب کا عادتہ اللہ ہونا معلوم ہو گیا اور خود اسکا منزل من اللہ ہونا دلیل سے ثابت ہے) پھر بھی تم اسکے (منزل من اللہ ہونے کے) منکر ہو۔

### معارف و مسائل

الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ، یہ تینوں صفتیں تورات کی ہیں کہ فرقان یعنی حق و باطل میں امتیاز کرنے والی ہے اور قلوب کے لئے ضیاء و نور ہے اور لوگوں کے لئے ذکر و تذکیر اور ذریعہ ہدایت ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ فرقان سے مراد اللہ تعالیٰ کی مدد ہے جو ہر موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کیساتھ رہی کہ فرعون کے گھر میں پرورش ہوئی اور پھر اُس سے مقابلے کے وقت اللہ تعالیٰ نے فرعون کو ذلیل کیا پھر شکر فرعون کے تعاقب کے وقت دریا میں راستے پیدا ہو کر اس سے نجات ملی اور شکر فرعون غرق کیا گیا اسی طرح بعد کے ہر موقع پر اس مدد خداوندی کا مشاہدہ ہوتا رہا۔ اور ضیاء و ذکر دونوں تورات کی صفتیں ہیں قرطبی نے اسی کو ترجیح دی ہے کیونکہ الفرقان کے بعد داؤد کے ذریعہ فاصلہ کرنے سے اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ فرقان تورات کے علاوہ کوئی چیز ہے واللہ اعلم



وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَلِيمِينَ ﴿٥١﴾ إِذْ قَالَ

اور آگے دی تھی ہم نے ابراہیم کو اسکی نیک راہ اور ہم رکھتے ہیں اس کی خبر جب کہا اُس نے

لِرَبِّهِ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ مَا هَذِهِ الشَّيْءُ الَّذِي أَنْتُمْ لَهَا عَكِفُونَ ﴿٥٢﴾

اپنے پاپ کو اور اپنی قوم کو یہ کسی سورتیں ہیں جن پر تم مجاہد بنے بیٹھے ہو

قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عِبِيدِينَ ﴿٥٣﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ

بولے ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو انہی کی پوجا کرتے بولا مقرر رہے تم

وَأَبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٥٤﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنْتَ

اور تمہارے باپ دادے صریح گمراہی میں بولے تو ہمارے پاس لایا ہے کچھ بات یا تو

مِنَ اللَّعِينِينَ ﴿٥٥﴾ قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الَّذِي

کھلاڑیاں کرتا ہے بولا نہیں رب تمہارا وہی ہے رب آسمان اور زمین کا جس نے

فَطَرَهُنَّ وَأَنَا عَلَىٰ ذِكْرِ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿٥٦﴾ وَتَاللَّهِ لَآ كِيدَنَّ

اُن کو بنایا اور میں اسی بات کا قائل ہوں اور قسم اللہ کی میں علامت کر ڈنگا

أَصْنَاءُكُمْ بَعْدَ أَنْ تُولُوهُمْ مَدْرِينِ ﴿٥٧﴾ فَجَعَلَهُمْ جَذًا إِلَّا

تمہارے بیٹوں کا جب تم جا چکے تھے بیٹھے پھیر کر پھر کر ڈالا اُن کو ٹکڑے ٹکڑے مگر

كَبِيرًا اللَّهُمَّ كَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ ﴿٥٨﴾ قَالُوا مَنْ فَعَلَ هَذَا

ایک بڑا اُن کا کہ شاید اس کی طرف رجوع کریں کہنے لگے کس نے کیا یہ کام ہمارے

بِالْهَيْتَانِ إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٩﴾ قَالُوا سَمِعْنَا قَوْلَ يَدِّكَ كَرُّهُمْ يُقَالُ

مبوروں کے ساتھ وہ تو کوئی بے انصاف ہے وہ بولے ہم نے سنا ہے ایک جوان بیٹوں کو کچھ کہا کرتا ہے

لَهُ إِبْرَاهِيمُ ﴿٦٠﴾ قَالُوا فَأَتُوا بِهِ عَلَىٰ أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ ﴿٦١﴾

اسکو کہتے ہیں ابراہیم وہ بولے اسکو لے آؤ لوگوں کے سامنے شاید وہ دیکھیں

قَالُوا أَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا يَا إِبْرَاهِيمُ ﴿٦٢﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ

بولے کیا تو نے کیا ہے یہ ہمارے مبدوروں کے ساتھ ہے ابراہیم بولا نہیں پر یہ کیا ہے انکے

كَبِيرًا هُمْ هَٰذَا فَسَلُّوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ ﴿٦٣﴾ فَرَجَعُوا إِلَىٰ

اس بڑے نے سزا ان سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں پھر سوچے اپنے

أَنْفُسِهِمْ فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٦٤﴾ ثُمَّ تَوَكَّلْنَا عَلَىٰ

جی میں پھر بولے لوگو تم ہی بے انصاف ہو پھر آؤ دے ہو گئے

رَبِّهِمْ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا هَٰؤُلَاءِ يَنْطِقُونَ ﴿٦٥﴾ قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ

سربجہا کر تو تو جانتا ہے جیسا یہ بولتے ہیں بولا کیا پھر تم پوجتے ہو



مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۚ

اشترے دوسے ایسے کو جو تمہارا کچھ بھلا کرے نہ بُرا بیزار ہوں میں تم سے اور

لِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۚ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ

جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے کیا تم کو سمجھ نہیں ہو لے اس کو جلاؤ

وَأَنْصَرُوا إِلَهُتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَعِلِينَ ۚ قُلْنَا يَنْارُ كُوْنِي بَرْدًا وَ

اور مدد کرو اپنے معبودوں کی اگر کچھ کرتے ہو ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور

سَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۚ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ۚ

آدام ابراہیم پر اور چاہنے لگے اُسکا بُرا پھراؤ ہی کو ڈالا ہم نے نقصان میں

وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ۚ وَهَبْنَا

اور بچاؤ نکالا ہم نے اُسکو اور لوط کو اُس زمین کی طرف جس میں برکت رکھی ہم نے جہان کے واسطے اور بخشا ہم نے

لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۚ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ۚ وَجَعَلْنَاهُمْ

اس کو اسحق اور یعقوب دیا انعام میں اور سب کو نیک بخت کیا اور انکو کیا ہم نے

أُمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ

پیشوا راہ بتلاتے تھے ہمارے حکم سے اور کہلا بھیجا ہم نے اُن کو کرنا نیکیوں کا اور قائم رکھنی

الصَّلَاةَ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةَ ۚ وَكَانُوا لَنَا عِبِيدِينَ ۚ

نماز اور دینی زکوٰۃ اور وہ تھے ہماری بندگی میں لگے ہوئے

## خلاصہ تفسیر

اور ہم نے اس (زمانہ موسوی) سے پہلے ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کی (شان کے مناسب) خوش فہمی عطا فرمائی تھی اور ہم اُن (کے کمالات علمیہ و عملیہ) کو خوب جانتے تھے (یعنی وہ بڑے کامل تھے اُن کا وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جبکہ اُنھوں نے اپنے باپ سے اور اپنی برادری سے اُن کو بت پرستی میں مشغول دیکھ کر فرمایا کہ کیا (دواہیات) مورتیں ہیں جن (کی عبادت) پر تم تجھے بیٹھے ہو (یعنی یہ ہرگز قابل عبادت نہیں) وہ لوگ (جواب میں) کہنے لگے کہ ہم نے اپنے بڑوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا ہے (اور وہ لوگ عاقل تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مورتیں لائق عبادت کے ہیں) ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ بیشک تم اور تمہارے باپ دادا (ان کو لائق عبادت سمجھتے ہیں) صریح غلطی میں (متبلا) ہو۔ (یعنی خود ان ہی کے پاس ان کی معبودیت کی کوئی دلیل اور سند نہیں ہے وہ تو اس لئے ضلال میں ہیں اور تم ایسوں کی تقلید کرتے ہو جو بے دلیل بے ثبوت ادھام کے پیچھے چلنے والے ہیں اسلئے تم ضلال میں ہو)



چونکہ اُن لوگوں نے ایسی بات سنی نہ تھی نہایت متعجب ہو کر، وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا تم (اپنے نزدیک) سچی بات (سمجھ کر) ہمارے سامنے پیش کر رہے ہو یا (یوں ہی) دل لگی کر رہے ہو، ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ نہیں (دل لگی نہیں بلکہ سچی بات ہے اور صرف میرے ہی نزدیک نہیں بلکہ واقع میں بھی سچی بات یہی ہے کہ یہ عبادت کے قابل نہیں) بلکہ تمہارا رب (حقیقی جلالِ حق عبادت ہے) وہ ہے جو تمام آسمانوں کا اور زمین کا رب جس نے (علاوہ تربیت کے) اُن سب (آسمانوں اور زمین اور اُن میں جو مخلوق ہے جس میں ایضاً بھی داخل ہیں سب) کو پیدا کیا اور میں اس (دعویٰ) پر دلیل بھی رکھتا ہوں (تمہاری طرح کو راہِ تقلید سے کام نہیں کرتا) اور خدا کی قسم میں تمہارے اُن بتوں کی گت بناؤں گا جب تم (ان کے پاس سے) چلے جاؤ گے (تاکہ ان کا عاجز اور در ماندہ ہونا زیادہ مشاہدے میں آجائے، اُن لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ یہ اکیلے ہمارے مخالف کارروائی کیا کر سکتے ہیں کچھ التفات نہ کیا ہو گا اور چلے گئے) تو (اُن کے چلے جانے کے بعد) انھوں نے اُن بتوں کو (شیر وغیرہ سے توڑ پھونک کر) ٹکڑے ٹکڑے کر دیا بجز اُن کے ایک بڑے بت کے (جو جُتھے میں یا اُن لوگوں کی نظر میں معظم ہونے میں بڑا تھا کہ اس کو چھوڑ دیا جس سے ایک قسم کا استہزاء مقصود تھا کہ ایک کے سالم اور دوسروں کے قطع و برید سے ایہام ہوتا ہے کہ کہیں اُسی نے تو سب کو نہیں توڑا، پس ابتداء تو ایہام ہے پھر جب وہ لوگ قطع و برید کرنے والے کی تحقیق کریں گے اور اُس بڑے بت پر احتمال بھی نہ کریں گے تو ان کی طرف سے اُس کے عجز کا بھی اعتراف ہو جا دیکھا اور حجت اور لازم تر ہو جا دگی۔ پس انتہا پر یہ الزام و انجام ہے یعنی لا جواب کرنا ہے اور مقصود مشترک ثباتِ عجز ہے، بعض کا انکار سے اور ایک کا اُن کے اقرار سے، غرض ایک کو اس مصلحت سے چھوڑ کر سب کو توڑ دیا) کہ شاید وہ لوگ ابراہیم کی طرف (دریافت کرنے کے طور پر) رجوع کریں (اور پھر وہ تقریر جواب مکرر پوری طرح احقاقِ حق کر سکیں غرض وہ لوگ جو بت خانہ میں آئے تو بتوں کی بُری گت بنی دیکھی آپس میں) کہنے لگے کہ یہ (بے ادبی کا کام) ہمارے بتوں کے ساتھ کس نے کیا ہے ابیں کوئی شک نہیں کہ اُس نے بڑا ہی غضب کیا (یہ بات ایسے لوگوں نے پوچھی جن کو اس قول کی اطلاع نہ تھی قَالَ اللَّهُ اَکِیْکَیْنَ اٰلِہٖمَ یَا تُوَسُوْجَہٗ سَے کہ وہ اس وقت موجود نہ ہوں گے کیونکہ اس مناظرہ کے وقت تمام قوم کا مجمع ہونا ضرور نہیں اور یا موجود ہوں مگر سُنا نہ ہو اور بعضوں نے سُن لیا ہو، کذا فی الدر المنثور عن ابن مسعود نحو اَمْنِہُ) بعضوں نے کہا (جن کو اس قول کا علم تھا) کہ ہم نے ایک نوجوان آدمی کو جس کو ابراہیم کر کے پکارا جاتا ہے اُن بتوں کا (برائی کیساتھ) تذکرہ کرتے سُنا ہے (پھر) وہ (سب) لوگ (یا جنہوں نے اول استفسار کیا تھا) بولے کہ (جب یہ بات ہے) تو اچھا اس کو سب آدمیوں کے سامنے حاضر کر د تاکہ (شاید وہ اقرار کر لے اور) وہ لوگ (اس کے اقرار کے) گواہ ہو جائیں (پھر تمام حجت کے بعد سزا دی جائے جس پر کوئی ملامت نہ کر سکے، غرض سب کے رد و وہ آئے اور اُن سے) اُن لوگوں نے کہا کہ کیا ہمارے بتوں کیساتھ تم نے یہ حرکت کی ہے اے ابراہیم، انھوں نے (جواب میں) فرمایا کہ



تم یہ احتمال کیوں نہیں فرض کرتے کہ یہ حرکت میں نے نہیں کی، بلکہ اُن کے اُس بڑے (گرو) نے کی (اد) جب اس کبیر میں فاعل ہونیکا احتمال ہو سکتا ہے تو ان صغار میں ناطق ہونیکا احتمال بھی ہوگا) سو ان (ہی) سے پوچھ لو (نا) اگر یہ بولتے ہوں (اد) اگر بڑے بُت کا فاعل اس عمل کا ہونا اور دوسرے بُتوں میں بولنے کی طاقت ہونا باطل ہے تو عجز ان کا تمہارے نزدیک سلم ہو گیا پھر اعتقاد الوہیت کی کیا وجہ اس پر وہ لوگ اپنے جی میں سوچتے پھر (آپس میں) کہنے لگے کہ حقیقت میں تم ہی لوگ ناحق پر ہو (اد) ابراہیم حق پر ہے کہ جو ایسا عاجز ہو وہ کیا معبود ہوگا) پھر (شرمندگی کے مارے) اپنے سروں کو بوجھ کالیا (اد) ابراہیم علیہ السلام سے نہایت مخلو بانہ لہجہ میں بولے کہ (اے ابراہیم تم کو تو معلوم ہی ہے کہ یہ بُت (کچھ) بولتے نہیں ہم اُن سے کیا پوچھیں اور اس سے فاعلیت کبیر کی نفی بدرجہ ادلی ہوگی اسوقت) ابراہیم (علیہ السلام) نے (خوب خبر لی اور) فرمایا کہ (افسوس جب یہ ایسے ہیں) تو کیا خدا کو چھوڑ کر تم ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جو تم کو نہ کچھ نفع پہنچا سکے اور نہ (بالمباشرة) کچھ نقصان پہنچا سکے تم پر کہ باوجود وضوح حق کے باطل پر مصر ہو) اور اُن پر (بھی) جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے (اس تمام تقریر سے خصوص اس سے کہ توڑنے پھوڑنے سے انکار نہیں فرمایا باوجودیکہ احتمال انتقام مقتضی انکار کو تھا ان کو ثابت ہو گیا کہ یہ کام اُن ہی کا ہے اور تقریر کا کچھ جواب بن نہ آیا تو بمقتضائے اس قول کے کہ ۵

چو حجت نما نہ جفا جوئے را بہ پرخاش در ہم کشد رُوئے را

یعنی جب جاہل جواب نہ رکھتا ہو اور قدرت رکھتا ہو تو برسرِ پیکار آجاتا ہے، آپس میں) وہ لوگ کہنے لگے کہ ان (ابراہیم) کو آگ میں جلا دو اور اپنے معبودوں کا (اُن سے) بدلا لو اگر تم کو کچھ کرنا (تو یہ کام کرو در نہ بالکل ہی بات ڈوب جاو گی۔ غرض سب نے متفق ہو کر اسکا سامان کیا اور ان کو آتش سوزاں میں ڈال دیا اسوقت) ہم نے (آگ کو) حکم دیا کہ اے آگ تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا، ابراہیم کے حق میں (یعنی نہ ایسی گرم رہ جس سے جلنے کی نوبت آوے اور نہ بہت ٹھنڈی برف ہو جا کہ اسکی ٹھنڈک سے تکلیف پہنچے بلکہ مثل ہوائے معتدل کے بن جا چنانچہ ایسا ہی ہو گیا) اور اُن لوگوں نے اُن کے ساتھ بُرائی کرنا چاہا تھا (کہ ہلاک ہو جائیں گے) سو ہم نے اُن ہی لوگوں کو ناکام کر دیا (کہ اُن کا مقصود حاصل نہ ہوا بلکہ اور بالعکس حقانیت ابراہیم علیہ السلام کا زیادہ ثبوت ہو گیا) اور ہم نے ابراہیم کو اور (اُن کے برادر زادہ کذا فی الدر المنثور عن ابن عباسؓ) لوط علیہ السلام کو (کہ انھوں نے برخلاف قوم کے ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق کی تھی قال تعالیٰ فَاَمِّنْ لَّہٗ نُوَظُّہٗ اور اسوجہ سے لوگ اُن کے بھی مخالف اور دُور پے تھے) ایسے ملک (یعنی شام) کی طرف بھیج کر (کافروں کے شر و ایذا سے) بچالیا جس میں ہم نے دُنیا جہان والوں کے واسطے (خیر و) برکت رکھی ہے (دُنوی بھی کہ ہر قسم کے عمدہ پھیل پھول کثرت



پیدا ہوتے ہیں اور دوسرے لوگ بھی اس سے منتفع ہو سکتے ہیں اور دینی بھی کہ بکثرت انبیاء علیہم السلام وہاں ہوئے جن کے شرائع کی برکت دور دور عالم میں پھیلی یعنی انہوں نے ملک شام کی طرف باذن الہی ہجرت فرمائی اور (ہجرت کے بعد) ہم نے اُن کو اسحق (بیٹا) اور یعقوب پوتا عطا کیا اور ہم نے ان سب (باپ بیٹے پوتے) کو (اعلیٰ درجہ کا) نیک کیا (اعلیٰ درجہ کی نیکی کا مصداق عصمت جو بشریت میں خواص نبوت سے ہے پس مراد یہ ہے کہ اُن سب کو نبی بنایا) اور ہم نے اُن (سب) کو مقتدا بنایا (جو کہ لوازم نبوت سے ہے) کہ ہمارے حکم سے (خلق کو) ہدایت کیا کرتے تھے (جو کہ مناصب نبوت سے ہے) اور ہم نے اُن کے پاس نیک کاموں کے کرنے کا اور (خصوصاً) نماز کی پابندی کا اور زکوٰۃ ادا کرنا حکم بھیجا (یعنی یہ حکم بھیجا کہ ان کاموں کو کیا کرو) اور وہ (حضرات) ہماری (خوب) عبادت کیا کرتے تھے (یعنی ان کو جو حکم ہوا تھا اس کو اچھی طرح بجالاتے تھے پس صالحین میں کمال نبوت کی طرف اور اَوْحِیْنَا اِلَیْہُمْ فِیْ خَلِّیْلِ الْخِیْرَاتِ میں کمال علم کی طرف اور کَاٰوَلْنَا نَاۡیِبِیْنَہُمْ میں کمال عمل کی طرف اور اٰمَنَّا بِہُمْ فِیْہِہُمْ میں دوسروں کی ہدایت و تربیت کی طرف اشارہ کافیہ ہے۔

## معارف و مسائل

وَقَالِیْہِ لَا یُکَیِّدُنَا اَصْنَامُکُمْ ، الفاظ آیت سے ظاہر یہی ہے کہ یہ بات ابراہیم علیہ السلام نے اپنی برادری کے سامنے کہی تھی مگر اس پر شبہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے اِنِّیْ سَمِیْعٌ (میں بیمار ہوں) کا عذر کر کے اُن کے ساتھ عید کے اجتماع میں جانے سے گریز کیا تھا اور جب بتوں کو توڑنے کا واقعہ پیش آیا تو برادری اس تلاش میں پڑی کہ یہ کس نے کیا۔ اگر ابراہیم علیہ السلام کا یہ کلام پہلے ہی برادری کو معلوم تھا تو یہ سب باتیں کیسے ہوئیں اسکا جواب ادھر خلاصہ تفسیر میں یہ دیا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام اس خیال کے اکیلے آدمی تھے پوری برادری کے مقابلے میں اُن کی کوئی حیثیت نہ سمجھ کر ممکن ہے کہ ان کے کلام کی طرف التفات نہ کیا ہو اور تبدیل بھی گئے ہوں (بیان القرآن) اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تلاش و تحقیق کرنے والے دوسرے لوگ ہوں جن کو ابراہیم علیہ السلام کی اس گفتگو کا علم نہیں تھا اور مفسرین میں سے مجاہد اور قتادہ کا قول یہ ہے کہ یہ کلام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے برادری کے سامنے نہیں کہا بلکہ اپنے دل میں کہا یا برادری کے جانے کے بعد ایک دو ضعیف آدمی جو رہ گئے تھے اُن سے کہا پھر جب بُت شکنی کا واقعہ پیش آیا اور برادری کو ایسا کرنے والے کی تلاش ہوئی تو ان لوگوں نے غبری کردی (قطبی) فَجَعَلُوْہُمْ جُذُوْا ، جذاذ جذ بکسر الجیم کی جمع ہے جس کے معنی ٹکڑے کے ہیں مراد یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے توڑ کر ان سب بتوں کے ٹکڑے کر دیئے۔

اِلَّا کِبْرًا لِّہُمْ ، یعنی صرف بڑے بُت کو بغیر توڑے ہوئے چھوڑ دیا ، اسکا بڑا ہونا یا تو حسی



اعتبار سے ہو کہ اپنے جسم اور جُستے کے اعتبار سے یہ دوسرے بتوں سے بڑا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جسم اور جُستے میں سب کے برابر ہو نیکی باوجود یہ بت ان بت پرستوں کے عقیدہ میں سب سے بڑا مانا جاتا ہو۔

لَعَلَّكُمْ مِنَ الَّذِينَ يُزِجُّوْنَ اَسْمٰیہ کی ضمیر میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہو جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں ایسا ہی بیان کیا گیا اور اسکے مناسب آیت کی یہ تشریح کی گئی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد اس عمل سے خود ہی یہ تھا کہ یہ لوگ میری طرف رجوع کریں مجھ سے پوچھیں کہ تم نے ایسا کیوں کیا تو میں اُن کو اُن کی بوقوتی پر مطلع کروں اور اَلَّذِي يُزِجُّوْنَ کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ عمل اس اُسید پر کیا کہ شاید اپنے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے دیکھ کر اُن میں عقل آجائے کہ یہ پرستش کے قابل نہیں پھر وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی طرف رجوع ہو جا دیں۔ اور کلبی نے فرمایا کہ اَلَّذِي کی ضمیر کبیر کی طرف راجع ہے اور معنی یہ ہیں کہ جب یہ لوگ واپس آ کر سارے بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے اور بڑے بت کو صحیح مسلم اور اسکے نوڈھے پر کلہاڑا رکھا ہوا دیکھیں گے تو شاید اُس بڑے بت کی طرف رجوع ہوں اور اُس سے پوچھیں کہ ایسا کیوں ہوا وہ کوئی جواب نہ دیگا تو اسکا بھی عاجز ہونا اُن پر واضح ہو جا دیگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول جھوٹ نہیں بلکہ ایک کنایہ تھا اس کی تفصیل و تحقیق  
یعنی جب ابراہیم علیہ السلام کو اُن کی برادری نے گرفت کر کے بلایا اور ان سے اقرار لینے کے لئے سوال کیا کہ کیا آپ نے ہمارے بتوں کیساتھ یہ معاملہ کیا ہے تو ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ بلکہ ان کے بڑے نے یہ کام کیا ہے تم خود ان سے دریافت کر لو اگر یہ بول سکتے ہوں۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کام تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود کیا تھا پھر اس سے انکار اور اُن کے بڑے کی طرف منسوب کرنا بظاہر خلاف واقعہ ہے جس کو جھوٹ کہا جاتا ہے حضرت خلیل اللہ کی شان اس سے بالا و برتر ہے۔ اس کے جواب کے لئے حضرات مفسرین نے بہت سے احتمالات بیان فرمائے ہیں انہیں سے ایک وہ بھی ہے جسکو خلاصہ تفسیر بیان القرآن میں اختیار کیا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول بطور فرض کے تھا یعنی تم یہ کیوں نہیں فرض کر لیتے کہ یہ کام بڑے بت نے کیا ہوگا اور بطور فرض کے کوئی خلاف واقعہ بات کہنا جھوٹ میں داخل نہیں جیسے خود قرآن میں ہے اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاِنَّ اَوَّلَ الْاَعَابِدِیْنَ یعنی اگر اللہ رحمن کے کوئی لڑکا ہوتا تو میں سب سے پہلے اُس کی عبادت کرنے والوں میں داخل ہوتا۔ لیکن بے غبار اور بے تاویل وہ توجیہ ہے جسکو بحر محیط۔ قرطبی۔ روح المعانی وغیرہ میں اختیار کیا ہے کہ یہ سناد مجازی ہے جو کام ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے کیا تھا اسکو بڑے بت کی طرف بطور اسناد مجازی کے منسوب کر دیا کیونکہ اس کام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آمادہ کرنیوالا یہی بت تھا اور اسکی تخصیص شاید اسوجہ سے ہو کہ اُن کی برادری اُس بت کی تعظیم سب سے زیادہ کرتی تھی اسکی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی چور کی سسراییں اُس کا ہاتھ کاٹ دے اور پھر کہے کہ یہ میں نے نہیں کاٹا بلکہ تیرے عمل اور تیری کج بردی نے ہاتھ کاٹا ہے



کیونکہ ہاتھ کاٹنے کا سبب اسکا عمل ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عملی طور پر بھی بتوں کے توڑنے کو بڑے بُت کی طرف منسوب کیا تھا جیسا کہ روایات میں ہے کہ جس تبر یا کُلمہ اڑے سے اُن کے بُت توڑے تھے یہ کُلمہ اڑا بڑے بُت کے منوڈھے پر یا اُس کے ہاتھ میں رکھ دیا تھا کہ دیکھنے والے کو یہ خیال پیدا ہو کہ اُس نے ہی یہ کام کیا ہے اور تو لا بھی اسکی طرف منسوب فرمایا تو یہ ایک اسناد مجازی ہے جیسے عربی کا مشہور مقولہ انبت الربیع البقلة اس کی معرّفہ مثال ہے (یعنی موسم ربیع کی بارش نے کھیتی اگائی ہے) کہ اگرچہ اُگلنے والا درحقیقت حق تعالیٰ ہے مگر اسکے ایک ظاہری سبب کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے اور اسکو کوئی جھوٹ نہیں کہہ سکتا اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بڑے بُت کی طرف اس فعل کو عملاً اور تو لا منسوب کر دینا جھوٹ ہرگز نہیں۔ البتہ بہت سی مصالح دینیہ کے لئے یہ تدبیر اختیار فرمایا اور انہیں ایک مصلحت تو یہی تھی کہ دیکھنے والوں کو اس طرف توجہ ہو جائے کہ شاید اس بڑے بُت کو اس پر غصہ آگیا ہو کہ میرے ساتھ عبادت میں ان چھوٹے بتوں کو کیوں شریک کیا جاتا ہے۔ اگر یہ خیال اُن کے دلوں میں پیدا ہو تو تو حید حق کا راستہ کھُل جاتا ہے کہ جب ایک بڑا بُت اپنے ساتھ چھوٹے بتوں کی شرکت گوارا نہیں کرتا تو رب العالمین ان پتھروں کی شرکت اپنے ساتھ کیسے گوارا کرے۔

دوسرے یہ کہ ان کو یہ خیال اس وقت پیدا ہونا قرین عقل ہے کہ جن کو ہم خدا اور مختار کُل کہتے ہیں اگر یہ ایسے ہی ہوتے تو کوئی اُن کے توڑنے پر کیسے قادر ہوتا۔ تیسرے یہ کہ اگر اس فعل کو وہ بڑے بُت کی طرف منسوب کر دیں تو جو بُت یہ کام کر سکے کہ دوسرے بتوں کو توڑ دے انہیں گویائی کی طاقت بھی ہونی چاہیے اس لئے فرمایا فَسَلُّوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ، خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول مذکور کو بلا تاویل کے اپنے ظاہر پر رکھ کر یہ کہا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس فعل کو بڑے بُت کی طرف منسوب فرمایا اور یہ اسناد مجازی کے طور پر فرمایا تو اس میں کوئی جھوٹ اور خلاف واقعہ کاشبہ نہیں رہتا صرف ایک قسم کا تدبیر ہے۔

حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف تین جھوٹ منسوب کرنے کی حقیقت (رواہ البخاری و مسلم) یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ بجز تین جگہوں کے پھر ان تینوں کی تفصیل اسی حدیث میں اس طرح بیان فرمائی کہ ان میں سے دو جھوٹ تو خالص اللہ کے لئے بولے گئے ایک یہی جو اس آیت میں بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ فرمایا ہے، دوسرا عید کے روز برادری سے یہ عذر کرنا کہ اِنِّیْ سَقِیْمٌ میں بیمار ہوں اور تیسرا اپنی زوجہ کی حفاظت کے لئے بولا گیا، وہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ محترمہ حضرت سارہ کیساتھ سفر میں



تھے ایک ایسی بستی پر گزر رہا جہاں کارٹیں ظالم بدکار تھا جب کسی شخص کے ساتھ اسکی بیوی کو دیکھتا تو بیوی کو پکڑ لیتا اور اُس سے بدکاری کرتا۔ مگر یہ معاملہ اُس صورت میں نہ کرتا تھا جبکہ کوئی بیٹی اپنے باپ کے ساتھ یا بہن اپنے بھائی کیساتھ ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس بستی میں مع اہلیہ کے پہنچنے کی خبری اس ظالم بدکار کے سامنے کر دی گئی تو اُس نے حضرت سارہ کو گرفتار کر کے بلوایا۔ پکڑنے والوں نے ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ عورت رشتہ میں تم سے کیا تعلق رکھتی ہے ابراہیم علیہ السلام نے ظالم کے خوف سے بچنے کے لئے یہ فرمادیا کہ یہ میری بہن ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کو حدیث میں تیسرے جھوٹ سے تعبیر کیا گیا ہے، مگر اسکے باوجود وہ پکڑ کھلے گئے اور ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کو بھی بتلادیا کہ تم نے تم کو اپنی بہن کہا ہے تم بھی اسکے خلاف نہ کہنا اور وجہ یہ ہے کہ اسلامی رشتہ سے تم میری بہن ہو کیونکہ اسوقت اس زمین میں ہم دو ہی مسلمان ہیں اور اسلامی اخوت کا تعلق رکھتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کو مقابلے پر قدرت نہ تھی۔ اللہ کے سامنے الحاج وزاری کے لئے نماز پڑھنا شروع کر دیا حضرت سارہ کو اس کے پاس پہنچیں یہ ظالم بُری نیت سے ان کی طرف بڑھا تو قدرت نے اس کو پانچ دھنڈا کر دیا اس پر اس نے حضرت سارہ سے درخواست کی کہ تم دُعا کر دو کہ میری یہ معذوری دور ہو جاوے میں تمہیں کچھ نہ کہوں گا۔ ان کی دُعا سے اللہ تعالیٰ نے پھر اسکو صحیح سالم کر دیا مگر اُس نے عہد شکنی کی اور پھر بُری نیت سے اُن پر ہاتھ ڈالنا چاہا پھر اللہ نے اُس کی ساتھ دہی معاملہ کیا اسی طرح تین مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا تو اس نے حضرت سارہ کو واپس کر دیا (یہ خلاصہ منون حدیث کا ہے) بہر حال اس حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف تین جھوٹ کی نسبت صراحت کی گئی ہے جو شان نبوت و عصمت کی خلاف ہے مگر اسکا جواب خود اسی حدیث کے اندر موجود ہے وہ یہ کہ دراصل انہیں سے ایک بھی حقیقی معنی جھوٹ نہ تھا یہ تو یہ تھا جو ظلم سے بچنے کے لئے جائز و حلال ہوتا ہے وہ جھوٹ کے حکم میں نہیں ہوتا اسکی دلیل خود حدیث مذکور میں یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ سے کہا تھا کہ میں نے تمہیں اپنی بہن بتلایا ہے تم سے پوچھا جائے تو تم بھی مجھے بھائی بتلانا اور بہن کہنے کی وجہ بھی اُن کو بتلادی کہ ہم دونوں اسلامی برادری کے اعتبار سے بہن بھائی ہیں اسی کا نام تو یہ ہے کہ الفاظ ایسے بولے جائیں جن کے دو مفہوم ہو سکیں، سُننے والا اُس سے ایک مفہوم سمجھے اور بولنے والے کی نیت دوسرے مفہوم کی ہو اور ظلم سے بچنے کے لئے یہ تدبیر تو یہ کی باتفاق فقہاء جائز ہے یہ شیعوں کے تقیہ سے بالکل مختلف چیز ہے۔ تقیہ میں صریح جھوٹ بولا جاتا ہے اور اُس پر عمل بھی کیا جاتا ہے تو یہ میں صریح جھوٹ نہیں ہوتا بلکہ جس سُننے سے متکلم بول رہا ہے وہ بالکل صحیح اور پرست ہوئے ہیں جیسے اسلامی برادری کے لحاظ سے بھائی بہن ہونا۔ یہ وجہ تو خود حدیث مذکور کے الفاظ میں صراحت مذکور ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ درحقیقت کذب نہ تھا بلکہ ایک تو یہ تھا۔ ٹھیک اسی طرح کی توجیہ پہلے دونوں کلاموں میں ہو سکتی ہے بَلْ نَعْلَمُ کَلِمَہِہُم



کی توجیہ بھی اور لکھی گئی ہے کہ ہمیں بطور اسناد مجازی اس فعل کو بڑے بُت کی طرف منسوب کیا ہے اسی طرح اِنِّی سَقِیْمٌ کا لفظ ہے کیونکہ سَقِیْمٌ کا لفظ جس طرح ظاہری طور پر بیمار کے معنی میں آتا ہے اسی طرح رنجیدہ و غمگین اور مضمحل ہونے کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے ابراہیم علیہ السلام نے اسی دوسرے معنی کے لحاظ سے اِنِّی سَقِیْمٌ فرمایا تھا مخاطبوں نے اس کو بیماری کے معنی میں سمجھا اور اسی حدیث میں جو یہ الفاظ آئے ہیں کہ ان تین کذبات میں دو اللہ کی ذات کے لئے تھے یہ خود قرینہ قویہ اسکا ہے کہ یہ کوئی گناہ کا کام نہ تھا اور نہ گناہ کا کام اللہ کے لئے کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں ہو سکتا اور گناہ کا کام نہ تھا جیسا ہو سکتا ہے جبکہ وہ حقیقتہً کذب نہ ہو بلکہ ایسا کلام ہو جسکے دو معنی ہو سکتے ہوں، ایک کذب اور دوسرا صحیح ہو۔

حدیث کذبات ابراہیم علیہ السلام | مرزا قادیانی اور کچھ دوسرے مستشرقین سے مخلوب مسلمانوں نے اس حدیث کو باوجود صحیح السند ہونے کے اسلئے غلط اور باطل کو غلط قرار دینا جہالت ہے

کہہ دیا کہ اس سے حضرت خلیل اللہ کی طرف جھوٹ کی نسبت ہوتی ہے اور سند کے سارے راویوں کو جھوٹا کہہ دینا اس سے بہتر ہے کہ خلیل اللہ کو جھوٹا قرار دیا جائے کیونکہ وہ قرآن کے خلاف ہے اور پھر اس سے ایک کلیہ قاعدہ یہ نکال لیا کہ جو حدیث قرآن کی خلاف ہو خواہ وہ کتنی ہی قوی اور صحیح اور معتبر اسانید سے ثابت ہو وہ غلط قرار دی جائے یہ بات اپنی جگہ تو بالکل صحیح اور ساری اُمت کے نزدیک بطور فرض محال کے مسلم ہے مگر علماء اُمت نے تمام ذخیرہ احادیث میں اپنی عمریں صرف کر کے ایک ایک حدیث کو چھان لیا ہے جس حدیث کا ثبوت قوی اور صحیح اسانید سے ہو گیا اُن میں ایک بھی ایسی نہیں ہو سکتی کہ جسکو قرآن کی خلاف کہا جاسکے بلکہ وہ اپنی کم فہمی یا کج فہمی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ جس حدیث کو رد اور باطل کرنا چاہا اسکو قرآن سے ٹکرا دیا اور یہ کہہ کر فارغ ہو گئے کہ یہ حدیث خلاف قرآن ہونے کے سبب غیر معتبر ہے جیسا کہ اسی حدیث میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ الفاظ کذبات سے تو یہ مراد ہونا خود حدیث کے اندر موجود ہے رہا یہ معاملہ کہ پھر حدیث میں تو یہ کہ کذبات کے لفظ سے کیوں تعبیر کیا گیا تو اُس کی وجہ وہی ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کی بھول اور لغزش کو عصیٰ اور غویٰ کے الفاظ سے تعبیر کرنے کی ابھی سورۃ ظہر میں موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں گزر چکی ہے کہ مقربانِ بارگاہ حق تبارک کے لئے ادنیٰ کمزوری اور محض رخصت اور جائز پر عمل کر لینا اور عزیمت کو چھوڑ دینا بھی قابلِ مواخذہ سمجھا جاتا ہے اور ایسی چیزوں پر قرآن میں حق تعالیٰ کا عتاب انبیاء کے بارے میں بکثرت منقول ہے حدیث شفاعت جو مشہور و معروف ہے کہ محشر میں ساری مخلوق جمع ہو کر حساب جلد ہو سکے متعلق انبیاء سے شفاعت کے طالب ہونگے۔ آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء سے پہلے تک تمام انبیاء کے پاس پہنچیں گے ہر پیغمبر اپنے کسی قصور اور کوتاہی کا ذکر کر کے شفاعت کی ہمت نہ کرے گا، آخر میں سب خاتم الانبیاء علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونگے اور آپ اس شفاعتِ کبریٰ کے لئے



کھڑے ہونگے۔ اس حدیث میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ ان کلمات کو جو بطور تورہ کے کہے گئے تھے حقیقۃً کذب نہ تھے مگر پیغمبرانہ عزیمت کیخلاف تھے اپنا قصور اور کوتاہی قرار دیکر عذر کر دیں گے۔ اسی کوتاہی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے حدیث میں ان کو بلفظ کذبات تعبیر کر دیا گیا جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تھا اور آپ کی حدیث روایت کرنے اور بیان کرنے کی حد تک ہمیں بھی حق ہے مگر اپنی طرف سے کوئی حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں یوں کہے کہ انھوں نے بھوٹ بولا یہ جائز نہیں جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ کے ساتھ سورہ ظہ کی تفسیر میں قرطبی اور بحر محیط کے حوالہ سے بیان ہو چکا ہے کہ قرآن یا حدیث میں جو اس طرح کے الفاظ کسی پیغمبر کے بارے میں آئے ہیں ان کا ذکر بطور تلاوت قرآن یا تعلیم قرآن یا روایت حدیث کے تو کیا جاسکتا ہے خود اپنی طرف سے ان الفاظ کا کسی پیغمبر کی طرف منسوب کرنا بے ادبی ہے جو کسی کے لئے جائز نہیں۔

حدیث مذکور میں ایک اہم ہدایت | حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جن کذبات اور اخلاص عمل کی باریکی کا بیان | ثلثہ کا ذکر آیا ہے حدیث میں ان میں سے پہلے دو کے بارے میں تو یہ آیا کہ اللہ کے لئے تھے مگر تیسری بات جو حضرت سارہ کے بارے میں کہی گئی اُس کو اللہ کے لئے نہیں فرمایا حالانکہ بیوی کی آبرو کی حفاظت بھی عین دین ہے اس پر تفسیر قرطبی میں قاضی ابوبکر بن عربی سے ایک بڑا مکتہ نقل کیا ہے جس کے متعلق ابن عربی نے فرمایا کہ یہ سارا دودلیار کی مکر توڑ دینے والی بات ہے وہ یہ کہ تیسری بات بھی اگرچہ کام دین ہی کا تھا مگر اس میں کچھ اپنا حفظ نفس بیوی کی عصمت اور حرم کی حفاظت کا بھی تھا، اتنی سی غرض دنیوی شامل ہو جانے کی بنا پر اس کو فی اللہ اور اللہ کی فہرست سے الگ کر دیا گیا کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ۔ یہ معاملہ بیوی کی عصمت کی حفاظت کا اگر ہماری یا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو بلاشبہ اس کو بھی شرفی اللہ ہی میں شمار کیا جاتا مگر انبیاء علیہم السلام کی عظمت شان کا مقام سب سے بلند ہے ان کے لئے اتنا سا حفظ نفس شامل ہونا بھی اخلاص کامل کے معانی سمجھا گیا۔ واللہ اعلم ووفقنا اللہ للاخلاص فی کل عمل۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نارِ نمرود | جو لوگ معجزات اور خوارق عادات کے منکر ہیں انھوں نے کے گلزار بن جانے کی حقیقت | تو اس میں عجیب و غریب تحریفات کی ہیں۔ بات یہ ہے کہ فلسفہ کا یہ ضابطہ کہ جو چیز کسی چیز کے لئے لازم ذات ہو وہ اُس کے کسی وقت جدا نہیں ہو سکتی خود ایک باطل اور بے دلیل ضابطہ ہے حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں اور تمام مخلوقات میں کوئی چیز کسی کے لازم ذات نہیں بلکہ صرف عادۃ اللہ یہ جاری ہے کہ آگ کے لئے حرارت اور جلانا لازم ہے، پانی کے لئے ٹھنڈا کرنا اور بجھانا لازم ہے۔ مگر یہ لازم صرف عادی ہے عقلی نہیں کیونکہ فلاسفہ بھی اسکے عقلی ہونے کی کوئی معقول دلیل نہیں پیش کر سکے اور جب یہ لازم عادی ہوا تو جب اللہ تعالیٰ کسی خاص حکمت سے







وَجَعَلْنَاهُ دَوْتَطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ، یعنی حضرت ابراہیم اور ان کے ساتھ لوط علیہما السلام کو ہم نے اس زمین سے جس پر غرود کا غلبہ تھا (یعنی عراق کی زمین، نجات دیکر ایک ایسی زمین میں پہنچا دیا جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لئے برکت رکھی ہے مُراد اس سے مُلک شام کی زمین ہے کہ وہ اپنی ظاہری اور باطنی حیثیت سے بڑی برکتوں کا مجموعہ ہے باطنی برکت تو یہ ہے کہ یہ زمین مخزنِ انبیاء، بیشترِ انبیاء علیہم السلام اسی زمین میں پیدا ہوئے اور ظاہری برکات آب و ہوا کا اعتدال، نہروں اور چشموں کی فراوانی پھل پھول اور ہر طرح کی نباتات کا غیر معمولی نشوونما وغیرہ ہے جس کے فوائد صرف اس زمین کے رہنے والوں کو نہیں بلکہ عام دنیا کے لوگوں تک پہنچتے ہیں۔

دَوَّهَبْنَا لَهُ رَاسُحَقٍّ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً، یعنی ہم نے عطا کر دیا اس کو بیٹا اسحق (اُن کی دعا و درخواست کے مطابق) اور اُس پر زیادہ دیدیا پوتا یعقوب علیہ السلام یعنی دعا تو صرف بیٹے کے لئے تھی اللہ نے اپنے فضل سے بیٹا بھی دیا پھر اس سے پوتا بھی اپنی طرف سے زائد عطا فرما دیا اسی لئے اسکو نافلہ کہا گیا۔

وَلَوْ طَأَّتَيْنَهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ

اور لوٹ کر دیا ہم نے حکم اور سمجھ اور بچا نکالا اس کو اس بستی سے جو کرتے تھے

تَعْمَلُ الْخَبِيثَاتُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَسَقِينَ ﴿٤٣﴾ وَأَدْخَلْنَاهُ

گندے کام وہ سقے لوگ برے نافرمان اور اس کو لے لیا ہم

فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٤٥﴾	
---	--

نہ اپنی رحمت میں، وہ ہے نیک بختوں میں	
---------------------------------------	--

خلاصہ تفسیر

اور لوط (علیہ السلام) کو ہم نے حکمت اور علم (مناسب شان انبیاء) عطا فرمایا اور ہم نے ان کو اس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے گندے گندے کام کیا کرتے تھے (جن میں سب سے بدتر لواطت تھی اور بھی بہت سے بیہودہ اور بُرے افعال کے یہ لوگ عادی تھے۔ شراب خوری، گانا بجانا، داڑھی کٹانا، مونچھیں بڑھانا، کیو تر بازی، ڈھیلے پھینکنا، سیٹی بجانا، ریشمی لباس پہننا، اخوجہ اسحق بن بشر الخطیب و ابن عساکر عن الحسن مرفوعاً کذا فی الروح) بلاشبہ وہ لوگ بڑے بد ذات بدکار تھے اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں (یعنی جن بندوں پر رحمت ہوتی ہے ان میں) داخل کیا (کیونکہ بلاشبہ وہ بڑے (درجہ کے) نیکوں میں سے تھے) بڑے درجہ کے نیک سے مراد معصوم ہے جو نبی کی خصوصیت ہے)۔



## معارف و مسائل

حضرت لوط علیہ السلام کو جس بستی سے نجات دینے کا ذکر ان آیات میں آیا ہے اُس بستی کا نام سدوم تھا اسکے تابع سات بستیاں اور تھیں جن کو جبریلؑ نے اُلٹ کرتے دبا کر ڈالا تھا صرف ایک بستی باقی چھوڑ دی تھی جس میں لوط علیہ السلام مع اپنے متعلقین مومنین کے رہ سکے (قالہ ابن عثماں - قرطبی) تَحْمِلُ الْخَبِيثَاتِ، خباثت خبیثہ کی جمع ہے۔ بہت سی خبیث اور گندی عادتوں کو خباثت کہا جاتا ہے۔ یہاں ان کی سب سے بڑی خبیث اور گندی عادت جس سے جنگلی جانور بھی پرہیز کرتے ہیں لواطت تھی، یعنی مرد کا مرد کے ساتھ شہوت پوری کرنا۔ یہاں اسی ایک عادت کو اسکے بڑے جرم ہونے کے سبب خباثت کہہ دیا گیا ہو تو یہ بھی بعید نہیں جیسا کہ بعض مفسرین نے فرمایا ہے اور اس کے علاوہ دوسری خبیث عادتیں اُن میں ہونا بھی روایات میں مذکور ہے جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں بحوالہ روح المعانی گزر چکا ہے اس لحاظ سے مجموعہ کو خباثت کہنا تو ظاہر ہی ہے واللہ اعلم

وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ

اور نوح کو جب اس نے پکارا اس سے پہلے پھر قبول کر لی ہم نے اسکی دعا سو بجا دیا اسکو اور اسکے گھرانوں کو

الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝۶۱ وَتَصَرَّفَهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

بڑی گھبراہٹ سے اور مدد کی اُس کی ان لوگوں پر جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتیں

إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۝۶۲

وہ تھے بڑے بُرے لوگ پھر ڈبا دیا ہم نے ان سب کو

## خلاصہ تفسیر

اور نوح (علیہ السلام کے قصہ) کا تذکرہ کیجئے جبکہ اُس (زمانہ ابراہیمی) سے پہلے اُنھوں نے (اللہ تعالیٰ سے) دعا کی کہ ان کافروں سے میرا بدلہ لے لیجئے سو ہم نے اُن کی دعا قبول کی اور اُن کو اور اُن کے متبعین کو بڑے بھاری غم سے نجات دی (یہ غم کفار کی تکذیب اور اُن کے ساتھ طرح طرح کی ایذا میں پہنچانے سے پیش آتا تھا) اور نجاتاً طرح دی کہ ہم نے ایسے لوگوں سے ان کا بدلہ لیا جنھوں نے ہمارے حکموں کو (جو کہ حضرت نوح علیہ السلام لائے تھے) جھوٹا بتلایا تھا بلاشبہ وہ لوگ بہت بُرے تھے اسلئے ہم نے اُن سب کو غرق کر دیا۔

## معارف و مسائل

وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِنْ قَبْلُ، من قبل سے مراد ابراہیم و لوط علیہما السلام سے پہلے ہونا ہے



جن کا ذکر اوپر کی آیات میں آیا ہے اور نوح علیہ السلام کی جس نذر کا ذکر اس جگہ مجمل آیا ہے اس کا بیان سورۃ نوح میں یہ ہے کہ نوح علیہ السلام نے قوم کے لئے بددعا کی سبب لافند زعلی الارض من الکفرین دیناراً، یعنی اسے پروردگار روئے زمین پر کافروں میں کسی بسنے والے کو نہ چھوڑا اور ایک جگہ یہ ہے کہ جب نوح علیہ السلام کی قوم نے کسی طرح اُن کا کہنا نہ مانا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا، اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَاقْتَصِرْ، یعنی میں مغلوب اور عاجز ہو چکا ہوں آپ ہی ان لوگوں سے انتقام لے لیجئے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَجَیْنَاهُ وَآهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ، کرب عظیم سے مراد یا تو طوفان میں غرق ہونا ہے جس میں پوری قوم مبتلا ہوئی، یا اس قوم کی ایذا میں مراد ہیں جو وہ طوفان سے پہلے حضرت نوح اور اُن کے خاندان کو پہنچاتے تھے۔

وَدَاوُدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْكُمُنَ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَسَتْ فِیْهِمْ غَمَرُ الْقَوْمِ

اور داؤد اور سلیمان کو جب لگے فیصل کرنے کیسی کا جھگڑا جب روزہ گئیں اس کوڑتھا ایک قوم کی بکریاں

وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَهِیْدِیْنَ ﴿۷۸﴾ فَفَقَّهْمُنَّهَا سُلَیْمٰنُ ۖ وَكَلَّا اَتَيْنَا حُكْمًا وَّ

اور سامنے تھا ہمارے ان کا فیصلہ پھر سمجھا دیا ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو اور دونوں کو دیا تھا ہم نے حکم اور

عِلْمًا نَّوَسَّخَرْنَا مَعْ دَاوُدَ الْجَبَالَ یُسَبِّحْنَ وَالطَّیْرُ وَكُنَّا فَعِلِیْنَ ﴿۷۹﴾

سمجھ اور تابع کئے ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑا، تیغ پڑھا کرتے اور اڑتے جانور اور یہ سب کچھ ہم نے کیا

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبِوْسٍ لِّكُمۡ لِنُخْصِنَکُمۡ مِّنۡ اَبَاسِكُمْ ۖ فَهَلۡ اَنْتُمْ

اور اسکو سکھایا ہم نے بنانا ایک تمہارا لباس کہ بچاؤ ہو تم کو تمہاری بڑائی میں سو کچھ تم شکر

شَاكِرُونَ ﴿۸۰﴾ وَ لِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ عَاصِفَةً تَجْرِیۡ بِاَمْرِكَ اِلَی الْاَرْضِ

کرتے ہو اور سلیمان کے تابع کی ہوا زور سے چلنے والی کہ چلتی اسکے حکم سے اس زمین کی طرف

الَّتِیۡ بُرِکْنَا فِیْهَا ۚ وَكُنَّا بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَ مِنَ الشَّیْطٰنِ مَرۡ

جہاں برکت دی ہے ہم نے اور ہم کو سب چیز کی خبر ہے اور تابع کئے کتنے شیطان جو

یَغْوُصُونَ لَهُ ۚ وَیَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حَفِیْظِیْنَ ﴿۸۲﴾

غوطہ لگاتے اسکے واسطے اور بہت سے کام بناتے اسکے سوائے اور ہم نے ان کو تمام رکھا تھا

## خلاصہ تفسیر

اور داؤد اور سلیمان (علیہما السلام کے قصہ) کا تذکرہ کیجئے جبکہ دونوں حضرات کسی کھیت کے بارہ میں (جس میں غلہ تھا یا انگور کے درخت تھے کذا فی الدر المنثور) فیصلہ کرنے لگے جبکہ اس (کھیت میں) کچھ لوگوں



کی بکریاں رات کے وقت جا پڑیں (اور اسکو چرگنیں) اور ہم اس فیصلہ کو جو (مقدمہ والے) لوگوں کے متعلق ہوا تھا دیکھ رہے تھے سو ہم نے اس فیصلہ (کی آسان صورت) کی سمجھ سلیمان کو دیدی۔ اور (یوں) ہم نے دونوں (ہی) کو حکمت اور علم عطا فرمایا تھا (یعنی داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی خلاف شرع نہ تھا صورت مقدمہ کی یہ تھی کہ جب قدر کھیت کا نقصان ہوا تھا اس کی لاگت بکریوں کی قیمت کے برابر تھی۔ داؤد علیہ السلام نے ضمان میں کھیت والے کو وہ بکریاں دلوادیں اور اصل قانون شرعی کا یہی مقتضا تھا جس میں مدعی یا مدعا علیہ کی رضا کی شرط نہیں مگر چونکہ اس میں بکری والوں کا بالکل ہی نقصان ہوتا تھا اس لئے سلیمان علیہ السلام نے بطور مصالحت کے جو کہ موقوف تھی جانبین کی رضامندی پر یہ صورت جس میں دونوں کی سہولت اور رعایت تھی تجویز فرمائی کہ چند روز کے لئے بکریاں تو کھیت والے کو دی جاویں کہ انکے دودھ وغیرہ سے اپنا گزر کرے اور بکری والوں کو وہ کھیت سپرد کیا جاوے کہ اس کی خدمت آبپاشی وغیرہ سے کریں جب کھیت پہلی حالت پر آجاوے کھیت اور بکریاں اپنے اپنے مالکوں کو دیدی جاویں۔ کذا فی الدر المنثور عن مرة وابن مسعود و مسروق وابن عباس و مجاہد قتادہ و الزہری۔ پس اس سے معلوم ہو گیا کہ دونوں فیصلوں میں کوئی تعارض نہیں کہ ایک کی صحت دوسرے کی عدم صحت کو مقتضی ہوا سئلے کلاً ایتنا حکماً و عیلاً بڑھا دیا گیا) اور (یہاں تک تو کرامت عامہ کا ذکر تھا جو دونوں حضرات میں مشترک تھی آگے دونوں حضرات کی خاص خاص کرامتوں کا بیان ہے) ہم نے داؤد (علیہ السلام) کے ساتھ تابع کر دیا تھا پہاڑوں کو کہ (ان کی تسبیح کے ساتھ) وہ (بھی) تسبیح کیا کرتے تھے اور اسی طرح) پرندوں کو بھی (جیسا سورہ سبا میں ہے یا جبائاً اذین معة والطیر) اور (کوئی اس بات پر تعجب نہ کرے کیونکہ ان کاموں کے کرنے والے ہم تھے) اور ہماری قدرت کا عظیم ہونا ظاہر ہے پھر ان معجزات میں تعجب ہی کیا ہے) اور ہم نے ان کو زرہ (بنانے) کی صنعت تم لوگوں کے (نفع کے) واسطے سکھلائی (یعنی تاکہ وہ زرہ) تم کو (دلائی میں) ایک دوسرے کی زد سے بچائے) اور اس نفع عظیم کا مقتضایہ ہے کہ تم شکر کرو) سو تم (اس نعمت کا) شکر کرو گے بھی (یا نہیں) اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کا تیز ہوا کو تابع بنا دیا تھا کہ وہ ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف کو چلتی جس میں ہم نے برکت کر رکھی ہے (مراد ملک شام ہے جو ان کا مسکن تھا کذا فی الدر عن السدی ویدل علیہ عمارت بیت المقدس یعنی جب ملک شام سے کہیں چلے جاتے اور پھر آتے تو یہ آنا اور اسی طرح جانا بھی ہوا کے ذریعہ سے ہوتا تھا جیسا درمنثور میں بروایت و تصحیح حاکم حضرت ابن عباس رضی عنہ سے اسکی کیفیت مروی ہے کہ سلیمان علیہ السلام مع اعیان ملک کے کریبوں پر بیٹھ جاتے پھر ہوا کو بلا کر حکم دیتے وہ سب کو اٹھا کر تھوڑی دیر میں ایک ایک ماہ کی مسافت قطع کرتی) اور ہم ہر چیز کو جانتے ہیں (ہمارے علم میں سلیمان کو یہ چیزیں دینے میں حکمت تھی اس لئے عطا فرمائی) اور بعضے بعضے شیطان (یعنی



جن) ایسے تھے کہ سلیمان (علیہ السلام) کے لئے (دریاؤں میں) غوطے لگاتے تھے (تاکہ موتی نکال کر ان کے پاس لادیں) اور وہ اور کام بھی اس کے علاوہ (سلیمان کے لئے) کیا کرتے تھے اور (گودہ جن بڑے سرکش اور شریر تھے مگر) ان کے سنبھالنے والے ہم تھے (اس لئے وہ چوڑے نہیں کر سکتے تھے)

## معارف و مسائل

نَفَسَتْ فِيهِ عِلْمُ الْقَوَمِ، لفظا نفش کے معنی عربی لغت کے اعتبار سے یہ ہیں کہ رات کے وقت کوئی جانور کسی کے کھیت پر جا پڑے اور نقصان پہنچائے۔

فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ، فہمنا کی ضمیر لفظ ہر مقدمہ اور اس کے فیصلہ کی طرف راجع ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو فیصلہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ تھا اللہ تعالیٰ نے وہ حضرت سلیمان کو سمجھا دیا۔ اس مقدمہ اور فیصلہ کی صورت اور خلاصہ تفسیر میں آپ کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی از روئے قانون شرعی غلط نہیں تھا مگر جو فیصلہ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو سمجھایا اس میں فریقین کی رعایت اور مصلحت تھی اس لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ پسندیدہ قرار دیا گیا۔ امام بخاری نے حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؓ اور زہریؓ سے اس واقعہ کی روایت اس طرح کی ہے کہ دو شخص حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں ایک شخص بکریوں والا اور دوسرا کھیتی والا تھا کھیتی والے نے بکریوں والے پر یہ دعویٰ کیا کہ اس کی بکریاں رات کو چھوٹ کر میرے کھیت میں گھس گھس گئیں اور کھیت کو بالکل صاف کر دیا کچھ نہیں چھوڑا (غالباً مدعا علیہ نے اس کا اقرار کر لیا ہوگا اور بکریوں کی پوری قیمت اس کے ضائع شدہ کھیت کی قیمت کے برابر ہوگی اس لئے) حضرت داؤدؑ نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ بکریوں والا اپنی ساری بکریاں کھیت والے کو دیدے۔ (کیونکہ جو چیزیں قیمت ہی کے ذریعہ لی اور دیجاتی ہیں جبکہ صرف فقہاء میں ذوات الیقیم کہا جاتا ہے وہ اگر کسی نے ضائع کر دی تو اس کا ضمان قیمت ہی کے حساب سے دیا جاتا ہے بکریوں کی قیمت چونکہ ضائع شدہ کھیتی کی قیمت کے مساوی تھی اس لئے یہ ضابطہ کا فیصلہ فرمایا گیا) یہ دونوں مدعی اور مدعا علیہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت سے واپس ہوئے تو دروازے پر ان کے صاحبزادے (حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات ہوئی انھوں نے دریافت کیا کہ تمہارے مقدمہ کا کیا فیصلہ ہوا؟ ان لوگوں نے بیان کر دیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر اس مقدمہ کا فیصلہ میں کرتا تو اس کے علاوہ کچھ اور ہوتا جو فریقین کے لئے مفید اور نافع ہوتا۔ پھر خود والد ماجد حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر یہی بات عرض کی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے تاکید کے ساتھ دریافت کیا کہ وہ کیا فیصلہ ہے جو دونوں کے لئے اس فیصلہ سے بہتر ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ بکریاں تو سب کھیت والے کو دیدیں کہ وہ ان کے دودھ اور اون وغیرہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور کھیت کی زمین بکریوں والے کے پھر کر دیں کہ وہ اس میں کاشت کر کے کھیت اگائے۔ جب



یہ کھیت اُس حالت پر آجائے جس پر بکریوں نے کھایا تھا تو کھیت کھیت والے کو دلوادیں اور بکریاں بکری والے کو۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس فیصلے کو پسند فرما کر کہا کہ میں اب فیصلہ یہی رہنا چاہیے اور فریقین کو بلا کر دوسرا فیصلہ نافذ کر دیا (منظہری و قرطبی وغیرہ)

کیا فیصلہ دینے کے بعد کسی قاضی یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب ایک کا فیصلہ توڑا اور بدلا جاسکتا ہے فیصلہ دے چکے تھے تو سلیمان علیہ السلام کو اُس کے توڑنے کا کیا حق تھا؟ اور اگر خود حضرت داؤد ہی نے اُن کا فیصلہ سن کر اپنے سابق فیصلے کو توڑا اور دوسرا جاری کیا تو کیا قاضی کو اس کا اختیار ہے کہ ایک فیصلہ دیدینے کے بعد اس کو توڑ دے اور فیصلہ بدل دے۔

قرطبی نے اس جگہ اس طرح کے مسائل پر بڑی تفصیل سے بحث فرمائی ہے خلاصہ اُسکا یہ ہے کہ اگر کسی قاضی نے نصوص شرعیہ اور جمہور اُمت کے خلاف کوئی غلط فیصلہ محض اُنکل سے دیدیا ہے تو وہ فیصلہ باتفاق اُمت مردود و باطل ہے دوسرے قاضی کو اس کے خلاف فیصلہ دینا نہ صرف جائز بلکہ واجب اور اس قاضی کا معزول کرنا واجب ہے لیکن اگر ایک قاضی کا فیصلہ شرعی اجتہاد پر مبنی اور اصول اجتہاد کے ماتحت تھا تو کسی دوسرے قاضی کو اس فیصلہ کا توڑنا جائز نہیں کیونکہ اگر ایسا کیا جائیگا تو فساد عظیم ہوگا اور اسلامی قانون ایک کھیل بن جائے گا اور ردِ حلال و حرام بدلا کر بیگے، البتہ اگر خود اسی فیصلہ دینے والے قاضی کو بعد اسکے کہ اصول اجتہاد کے تحت وہ ایک فیصلہ نافذ کر چکا ہے اب اذرفئے اجتہاد یہ نظر آئے کہ پہلے فیصلے اور پہلے اجتہاد میں غلطی ہوگئی ہے تو اسکا بدلنا جائز بلکہ بہتر ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے جو ایک مفصل خط حضرت ابو موسیٰ اشعری کے نام قضاء اور فصل مقدمات کے اصول پر مشتمل لکھا تھا اُس میں اس کی تصریح ہے کہ فیصلہ دینے کے بعد اجتہاد بدل جائے تو پہلے فیصلہ کو بدل دینا چاہیے۔ یہ خط دارقطنی نے سند کیساتھ نقل کیا ہے۔ (قرطبی لمخصّصاً) اور شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط باب القضاء میں بھی یہ خط مفصل دیا ہے۔

اور امام تفسیر مجاہد کا قول یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام دونوں کے فیصلے اپنی اپنی جگہ ہیں اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے جو فیصلہ فرمایا تھا وہ ضابطہ کا فیصلہ تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو فرمایا وہ درحقیقت مقدمہ کا فیصلہ نہیں، بلکہ فریقین میں صلح کرانے کا ایک طریقہ تھا اور قرآن میں وَالصُّلْحُ خَيْرٌ کا ارشاد وارد ہے اس لئے یہ دوسری صورت اللہ کے نزدیک پسندیدہ ٹھہری (منظہری)

حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے قاضیوں کو یہ ہدایت دے رکھی تھی کہ جب آپکے پاس دو فریق کا مقدمہ آئے تو پہلے ان دونوں میں رضامندی کے ساتھ کسی بات پر صلح کرانے کی کوشش کریں اگر یہ ناممکن ہو جائے تو اپنا شرعی فیصلہ جاری کریں اور حکمت اس کی یہ ارشاد فرمائی کہ حاکمانہ عدالتی



فیصلے سے وہ شخص جس کے خلاف ہوا ہو دُوب تو جاتا ہے مگر ان دونوں میں بغض و عداوت کا بیج قائم ہو جاتا ہے جو دو مسلمانوں میں نہیں ہونا چاہیے بخلاف مصالحت کی صورت کے کہ اس سے دلوں کی منافرت بھی دُور ہو جاتی ہے (از معین الحکام)

مجاہد کے اس قول پر یہ معاملہ قاضی کے فیصلہ کو توڑنے اور بدلنے کا نہیں رہا بلکہ فریقین کو جو حکم سنایا تھا وہ ابھی گئے بھی نہ تھے کہ انہیں ایک صورت مصالحت کی نکل آئی اور وہ دونوں اس پر راضی ہو گئے۔ دو مجتہد اگر اپنے اپنے اجتہاد سے دو متضاد اس موقع پر قرطبی نے بڑی تفصیل سے اور دوسرے مفسرین فیصلے کریں تو کیا اُن میں سے ہر ایک صواب اور نے مفصل یا مختصر یہ بحث بھی کی ہے کہ ہر مجتہد ہمیشہ مصیب درست ہے یا کسی ایک کو غلط کہا جائے۔ ہی ہوتا ہے اور دو متضاد اجتہاد ہوں تو وہ دونوں کو حق سمجھا جائے گا یا اُن میں سے ایک فیصلہ کو خطا اور غلط قرار دیا جائے گا؟ آپس میں قدیم زمانے سے علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ آیت مذکورہ سے دونوں جماعتوں نے استدلال کیا ہے جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ دونوں اجتہاد حق ہیں اگرچہ متضاد ہوں اُن کا استدلال آیت کے آخری جملے سے ہے جس میں فرمایا وَكُلًّا أَتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا۔ اس میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان دونوں کو حکمت اور علم عطا کرنے کا ارشاد ہے حضرت داؤد علیہ السلام پر کوئی عتاب نہیں ہے نہ ان کو یہ کہا گیا کہ اُن سے غلطی ہو گئی اس سے معلوم ہوا کہ داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی حق تھا اور سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ بھی، البتہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کو فریقین کے لئے اصلح ہونے کی بنا پر ترجیح دیدی گئی۔ اور جو حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اختلاف اجتہادی کے مواقع میں حق ایک طرف ہوتا ہے دوسرا غلط ہوتا ہے ان کا استدلال اسی آیت کے پہلے جملے سے ہے یعنی فقہنا سلیمان کہ اس میں تخصیص کر کے حضرت سلیمان کے بار میں فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو حق فیصلہ سمجھا دیا اس ثابت ہوتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کا فیصلہ حق نہ تھا گو وہ بوجہ اپنے اجتہاد کے اس میں مغدوم ہوں اور ان کے سپر کوئی مواخذہ نہ ہو۔ یہ بحث اصول فقہ کی کتابوں میں بڑی تفصیل سے آئی ہے وہاں دیکھی جا سکتی ہے یہاں صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے اجتہاد کیا اور کوئی حکم دینی اصول اجتہاد کے ماتحت بیان کیا اگر اس کا اجتہاد صحیح ہوا تو اس کو دوا بر ملیں گے ایک اجتہاد کرنے کی محنت کا دوسرا صحیح جواب حکم تک پہنچنے کا اور اگر یہ اجتہاد صحیح نہ ہوا اُس سے خطا ہو گئی تو پھر اس کو ایک اجزا اجتہاد کی محنت کا ملے گا دوسرا بر جو اصل حکم صحیح تک پہنچنے کا تھا وہ نہ ملے گا (یہ حدیث اکثر مستند کتب حدیث میں منقول ہے) اس حدیث سے اس اختلاف علماء کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ درحقیقت یہ اختلاف ایک نزاع فطری جیسا ہے کیونکہ حق دونوں طرف ہونیکا حاصل یہ ہے کہ اجتہاد میں خطا کرنے والے مجتہد اور اسکے متبعین کے لئے بھی اجتہاد حق و صحیح ہے اس پر عمل کرنے سے اُن کی نجات ہو جائیگی خواہ یہ اجتہاد اپنی ذات میں خطا ہی ہو مگر اس پر



عمل کرنے والوں کو کوئی گناہ نہیں اور جن حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ حق ان دونوں میں ایک ہی ہے دوسرا غلط اور خطا ہے اسکا حاصل بھی اس سے زیادہ نہیں کہ اصل مراد حق تعالیٰ اور مطلوب خداوندی تک نہ پہنچنے کی وجہ سے اس مجتہد کے ثواب میں کمی آجائے گی اور یہ کمی اسوجہ سے ہے کہ اسکا اجتہاد حق بات تک نہ پہنچا لیکن یہ مطلب اسکا بھی نہیں ہے کہ مجتہد غلطی پر کوئی ملامت ہوگی یا اسکے متبعین کو گناہ گار کہا جائے گا۔ تفسیر قرطبی میں اس مقام پر ان تمام مباحث کو پوری تفصیل سے لکھا ہے اہل علم وہاں دیکھ سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ فقہیہ کہ اگر کسی کے جانور دیکھے آدمی کی جان یا مال کو نقصان پہنچا دیں فیصلہ کیا ہونا چاہئے کہ جانور کے مالک پر ضمان آئے گا اگر یہ واقعہ رات میں ہوا ہو لیکن یہ ضروری نہیں کہ داؤد علیہ السلام کی شریعت کا جو فیصلہ ہو وہی شریعت محمدیہ میں رہے اسی لئے اس مسئلہ میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اگر رات کے وقت کسی کے جانور کسی دوسرے کے کھیت میں داخل ہو کر نقصان پہنچا دیں تو جانور کے مالک پر ضمان آئے گا اور اگر دن میں ایسا ہو تو ضمان نہیں آئے گا ان کا استدلال حضرت داؤد کے فیصلہ سے بھی ہو سکتا ہے مگر شریعت محمدیہ کے اصول کے تحت انھوں نے ایک حدیث سے استدلال فرمایا ہے جو موطا امام مالک میں مرسل منقول ہے کہ حضرت براہ بن عازب رضی کی ناقتہ ایک شخص کے باغ میں داخل ہو گئی اور اسکو نقصان پہنچا دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ باغوں اور کھیتوں کی حفاظت رات میں انکے مالکوں کے ذمہ ہے اور ان کی حفاظت کے باوجود اگر رات کو کسی کے جانور نقصان پہنچا دیں تو جانور کے مالک پر ضمان ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ اور فقہاء کوفہ کا مسلک یہ ہے کہ جس وقت جانوروں کے ساتھ ان کا چرانے والا یا حفاظت کرنے والا کوئی آدمی موجود ہو اس نے غفلت کی اور جانوروں نے کسی کے باغ یا کھیت کو نقصان پہنچا دیا اس صورت میں تو جانور کے مالک پر ضمان آتا ہے خواہ یہ معاملہ رات میں ہو یا دن میں اور اگر مالک یا محافظ جانوروں کیساتھ نہ ہو جانور خود ہی نکل گئے اور کسی کے کھیت کو نقصان پہنچا دیا تو جانور کے مالک پر ضمان نہیں معاملہ دن اور رات کا اسیں بھی برابر ہے امام اعظم رضی کی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم اور تمام محدثین نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جرح البصائر جبہ یعنی جانور جو کسی کو نقصان پہنچا دے وہ قابل مواخذہ نہیں یعنی جانور کے مالک پر اسکا ضمان نہیں ہے (بشرطیکہ جانور کا مالک یا محافظ اسکے ساتھ نہ ہو جیسا کہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے) اس حدیث میں دن رات کی تفریق کے بغیر عام قانون شرعی یہ قرار دیا گیا ہے کہ اگر جانور کے مالک نے خود اپنے قصد و ارادے سے کسی کے کھیت میں نہیں چھوڑا جانور بھاگ کر چلا گیا تو اسکے نقصان کا ضمان جانور کے مالک پر نہیں ہوگا۔ اور حضرت براہ بن عازب کے واقعہ کی روایت کی سند میں فقہاء حنفیہ نے کلام کیا ہے اور فرمایا کہ اس کو



صعین کی حدیث مذکور کے مقابلے میں حجت نہیں قرار دیا جاسکتا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح | وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فَاعِلِينَ، حضرت داؤد علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے ظاہری کمالات میں سے ایک کمال حسنِ صوت کا بھی عطا فرمایا تھا، جب وہ زبور پڑھتے تھے تو پرندے ہوا میں ٹھہرنے لگتے تھے اور ان کے ساتھ تسبیح کرنے لگتے تھے اسی طرح پہاڑ اور ہر شجر و درخت تسبیح کی آواز نکلتے لگتی تھی خوش آوازی کا کمال تو ظاہری کمالات میں سے تھا اور پرندوں و پہاڑوں کا تسبیح میں شریک ہو جانا تسخیرِ خداوندی بطورِ معجزہ کے تھا اور معجزہ کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ پرندوں اور پہاڑوں میں حیات و شعور ہو بلکہ بطورِ معجزہ ہر غیر ذی شعور میں بھی شعور پیدا ہو سکتا ہے۔ اسکے علاوہ تحقیق یہی ہے کہ پہاڑوں اور پتھروں میں بھی حیات و شعور بقدر ان کی حیثیت کے موجود ہے صحابہ کرام میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بہت خوش آواز تھے ایک روز وہ قرآن پڑھ رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ان کی طرف ہوا تو آپ ان کی تلاوت سُننے کے لئے ٹھہر گئے اور سُنتے رہے پھر فرمایا کہ اُن کو اللہ تعالیٰ نے خوش آوازی حضرت داؤد علیہ السلام کی عطا فرمائی ہے۔ جب ابو موسیٰ رحمہ کو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تلاوت سُن رہے تھے تو عرض کیا کہ اگر مجھے آپ کا سُننا معلوم ہو جاتا تو میں اور زیادہ سنوار کر پڑھنے کی کوشش کرتا (ابن کثیر)

فائدہ | اس سے معلوم ہوا کہ تلاوتِ قرآن میں حسنِ صوت اور اچھا لہجہ جس سے دلکشی پیدا ہو ایک درجہ میں مطلوب و محبوب ہے بشرطیکہ آجکل کے قراء کی طرح اس میں غلو نہ ہو کہ صرف آواز ہی سنوارنے اور لوگوں کو بُھانے کی فکر رہ جائے تلاوت کا اصل مقصد ہی غائب ہو جائے وَاللَّهُ اعْلَمُ

زرہ بنائیکِ صنعت حضرت داؤد علیہ السلام | وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكَوْهُ لَفْظِ لَبُوسٍ لغت کے کو منجانب اللہ عطا کی گئی۔ اعتبار سے اسلمہ میں سے ہر چیز کو کہا جاتا ہے جو انسان

اڈھ کر یا گلے میں ڈال کر استعمال کرے مراد اس جگہ آہنی زرہ ہے جو جنگ میں حفاظت کے لئے پہنی جاتی ہے دوسری آیت میں ہے وَكَانَ لَدَىٰ الْحَدِيدِ یعنی ہم نے اُن کے لئے لوہے کو نرم کر دیا تھا خواہ اس طرح کہ لوہا اُن کے ہاتھ میں آکر خود بخود نرم ہو جاتا ہو کہ اُس کو جس طرح موڑیں مُڑ جائے اور باریک یا موٹا کرنا چاہیں تو ہو جائے جیسے موم ہوتا ہے یا اس طرح کہ اُن کو آگ میں پگھلا کر نرم کرنے کی تدبیر بتلا دی جو سب لوہے کے کارخانوں میں آج استعمال کی جاتی ہے۔

ایسی صنعت جس سے لوگوں کو فائدہ | اس آیت میں زرہ سازی کی صنعت داؤد علیہ السلام کو سکھانے پہنچے مطلوب اور فعلِ انبیاء ہے | کے ذکر کے ساتھ اُس کی حکمت بھی یہ بتلائی ہے کہ لَبُوسٌ لَّكَوْهُ

مِنْ بَابِ سَكْوٍ، یعنی تاکہ یہ زرہ تمہیں جنگ کے وقت تیز تلوار کے خطرہ سے محفوظ رکھ سکے یہ ایک ایسی ضرورت ہے کہ جس سے اہل دین اور اہل دنیا سب کو کام پڑتا ہے اسلئے اس صنعت کے



سکھانے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک انعام قرار دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جس صنعت کے ذریعہ لوگوں کی ضرورتیں پوری ہوں اسکا سیکھنا سکھانا داخلِ ثواب ہے بشرطیکہ نیت خدمتِ خلق کی ہو، صرف کمائی ہی مقصد نہ ہو۔ حضراتِ انبیاء علیہم السلام سے مختلف قسم کی صنعتوں کا عمل کرنا منقول ہے حضرت آدم علیہ السلام سے کھیتی بونے کاٹنے کا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو صنعتکار اپنی صنعت میں نیت نیک یعنی خدمتِ خلق کی رکھے اُس کی مثال اُمّ موسیٰ کی سی ہو جاتی ہے کہ اُنھوں نے اپنے ہی بچہ کو دودھ پلایا اور معادضہ فرعون کی طرف سے مفت میں ملا۔ اسی طرح خدمتِ خلق کی نیت سے صنعتکاری کرنے والے کو اپنا مقصد ثوابِ خدمتِ خلق تو حاصل ہوگا ہی صنعت کا نفع دنیوی مزید براں اسکو ملے گا یہ حدیث حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں سورہ طہ میں گزر چکی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے ہوا حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ جب حضرت سلیمانؑ کا یہ واقعہ پیش آیا کہ کی تسخیر اور اُس کے متعلقہ مسائل لشکری گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول ہو کر عصر کی نماز فوت ہو گئی تو اپنی اس غفلت پر افسوس ہوا اور یہ گھوڑے جو اس غفلت کا سبب بنے تھے انکو بیکار کر کے چھوڑ دیا، چونکہ اُن کا یہ عمل اللہ کی رضا جوئی کیلئے ہوا تھا اسلئے اللہ تعالیٰ نے انکو گھوڑوں سے بہتر اور تیز رفتار سواری ہوا کی عطا فرمادی اس واقعہ کی تفصیل اور اس سے متعلق آیات کی تفسیر ص ۱۱۱ میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحُ عَاصِفَةً، یہ جملہ سابقہ سَخْرَ نَامَعٍ دَاوُدَ پر عطف ہے یعنی جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا تھا جو اُن کی آواز کے ساتھ تسبیح کیا کرتے تھے اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا تھا جس پر سوار ہو کر وہ جہاں چاہتے بہت جلد آسانی سے پہنچ جاتے تھے اس جگہ یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ تسخیر داؤد علیہ السلام میں تو لفظ مع استعمال فرمایا کہ اُن کے ساتھ پہاڑوں پرندوں کو مسخر کر دیا تھا اور یہاں حرف لام کے ساتھ فرمایا کہ ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر کر دیا تھا اس میں لطیف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ دونوں تسخیروں میں فرق تھا داؤد علیہ السلام جب تلاوت کرتے تو پہاڑ اور پرندے خود بخود تسبیح کرنے لگتے تھے اُن کے حکم کے منتظر نہ رہتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کو اُن کے حکم کے تابع بنا دیا گیا کہ جب چاہیں جو وقت چاہیں جہاں چاہیں ہوا کو حکم دیدیا اُسے پہنچا دیا پھر جہاں اُترنا چاہیں وہاں اُتار دیا پھر جب واپس چلنے کا حکم ہوا واپس پہنچا دیا۔ (روح عن البیضاوی)

تفسیر ابن کثیر میں تخت سلیمان علیہ السلام جو ہوا پر چلتا تھا اُس کی کیفیت یہ بیان کی ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے لکڑی کا ایک بہت بڑا وسیع تخت بنوایا تھا جس پر خود مع اعیانِ سلطنت اور مع لشکر اور آلاتِ حرب کے سب سوار ہو جاتے پھر ہوا کو حکم دیتے وہ اس عظیم الشان وسیع و عریض تخت کو اپنے کانڈھوں پر اٹھا کر جہاں کا حکم ہوتا وہاں جا کر اُتار دیتی تھی۔ یہ ہوائی تخت صبح



سے دو پہر تک ایک مہینہ کی مسافت طے کرتا تھا اور دو پہر سے شام تک ایک مہینہ کی یعنی ایک دن میں دو مہینوں کی مسافت ہوا کے ذریعہ طے ہو جاتی تھی۔ ابن ابی حاتم نے حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ اس تخت سلیمانی پر چھ لاکھ کرسیاں رکھی جاتی تھیں جسیں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اہل ایمان انسان سوار ہوتے تھے اور ان کے پیچھے اہل ایمان جن بیٹھتے تھے پھر پرندوں کو حکم ہوتا کہ وہ اس پورے تخت پر سایہ کر لیں تاکہ آفتاب کی تپش سے تکلیف نہ ہو پھر ہوا کو حکم دیا جاتا تھا وہ اس عظیم الشان مجمع کو اٹھا کر جہاں کا حکم ہوتا پہنچا دیتی تھی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ اس ہوائی سفر کے وقت پورے راستہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام سر جھکائے ہوئے اللہ کے ذکر و شکر میں مشغول رہتے تھے دائیں بائیں کچھ نہ دیکھتے تھے اور اپنے عمل سے تواضع کا اظہار فرماتے تھے (ابن کثیر) عاصفہ، یرح عاصفہ کے لفظی معنی سخت اور تیز ہوا کے ہیں۔ قرآن کریم کی دوسری آیت میں اس ہوا کی صفت رخاء بیان کی گئی ہے جس کے معنی نرم ہوا کے ہیں جس سے نہ غبار اڑے نہ فضا میں تلاطم پیدا ہو۔ بظاہر یہ دو متضاد صفتیں ہیں لیکن دونوں صفتوں کا جمع ہونا اس طرح ممکن ہے کہ یہ ہوا اپنی ذات میں بڑی سخت اور تیز ہو جسکی وجہ سے چند گھنٹوں میں ایک مہینہ کی مسافت طے کر سکے لیکن قدرت حق تعالیٰ نے اُس کو ایسا بنا دیا ہو کہ اُس سے فضا میں تلاطم نہ پیدا ہو چنانچہ اس کا یہ حال بیان کیا گیا ہے کہ جس فضا میں یہ تخت روانہ ہوتا تھا وہاں کسی پرندے کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچتا تھا۔

سلیمان علیہ السلام کیلئے | وَمِنَ الشَّيَاطِينِ مَن يَغْوُهُمْ لَهٗ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَٰلِكَ  
تسخیر جنات و شیاطین | وَكَذَٰلِكَ أَكْهَمُ حَفِظِينَ، یعنی ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر کر دیا شیاطین جن میں ہے ایسے لوگوں کو جو دریاؤں میں غوطہ لگا کر سلیمان علیہ السلام کے لئے جواہرات نکال کر لاتے تھے اور اسکے علاوہ دوسرے کام بھی کرتے تھے جن میں سے بعض کا ذکر دوسری آیات میں آیا ہے۔  
يَعْمَلُونَ لَهٗ مَا يَشَاءُ مِنْ حَرْبٍ أَوْ سَلَامٍ أَوْ يَبْنُونَ جُفَاً ۚ أَمْ يُصِيبُكَ شَيْءٌ مِّنْ عِندِ رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ بِرُءُوسِ الْعُرْسِ الْمَعْمُورِ  
شاندار مکانات اور مورتیں اور پتھر کے بڑے بڑے پیالے جو حوض کی طرح کام دیں اُن سے سلیمان بڑی مشقت کے کام بھی لیتے تھے اور عجیب و غریب صنعتوں کے بھی، اور ہم ہی اُن کے محافظ تھے۔

شیاطین، وہ آگ کے بنے ہوئے اجسام لطیفہ ہیں جو عقل و شعور رکھتے ہیں اور انسان کی طرح احکام شرع کے مکلف ہیں۔ اس نوع کے لئے اصل لفظ جن یا جنات استعمال ہوتا ہے ان میں جو ایمان قبول کریں کافر ہیں ان کو شیاطین کہا جاتا ہے ظاہر یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر تو سبھی جنات تھے خواہ مؤمن ہوں یا کافر، مگر مومنین تو تسخیر کے بغیر بھی سلیمان علیہ السلام کے احکام کی تعمیل ایک مذہبی فریضہ کی حیثیت سے کرتے تھے اُن کے لئے تسخیر کے ذکر کی ضرورت نہیں۔



اسلئے تسخیر میں صرف شیاطین یعنی کفار جنات کا ذکر فرمایا کہ وہ باوجود اپنے کفر و سرکشی کے زبردستی حضرت سلیمان کے تابع فرمان رہتے تھے اور شاید اسی لئے آیت کے آخر میں یہ جملہ بڑھایا گیا کہ ہم ہی اُن کے محافظ تھے ورنہ کفار جنات سے تو ہر وقت یہ خطرہ تھا کہ وہ کوئی نقصان پہنچا دیں مگر حفاظتِ خداوندی کا پہرہ اُن پر لگا ہوا تھا اسلئے کوئی گزند نہ پہنچا سکتے تھے۔

ایک لطیفہ | حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے تو حق تعالیٰ نے سب سے زیادہ سخت اور کثیف اجسام کو مسخر فرمایا جن میں پہاڑ اور لوہا جیسی سخت چیزیں شامل ہیں، اسکے بالمقابل سلیمان علیہ السلام کیلئے ایسے اجسام لطیفہ کو مسخر فرمایا جو دیکھنے میں بھی نہ آسکیں جیسے ہوا اور جنات اسیں حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا ہر قسم کی مخلوقات پر حاوی ہونا واضح کیا گیا ہے (تفسیر کبیر للرازی)

وَاَيُّوبَ اِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ اِنِّیْ مُسْنِنٌ اِلَیْكَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّحِمِیْنَ ﴿۸۴﴾

اور ایوب کو جس وقت پکارا اس نے اپنے رب کو کہ مجھ پر بڑی ہے تکلیف اور تو ہے سب رحم والوں سے رحم والا  
فَاَسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضِرٍّ وَاَتَيْنَاهُ اَهْلَهُ وَبِئْسَ لَهُمْ مَعَهُمْ  
پھر ہم نے سن لی اُس کی فریاد سو دُور کر دی جو اُس پر تھی تکلیف اور عطا کئے اسکو اسکے گھر لے اور اتنے ہی اور لکے ساتھ

رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَبِيدِ ﴿۸۴﴾

رحمت اپنی طرف سے اور نصیحت بندگی کرنے والوں کو

## خلاصہ تفسیر

اور ایوب (علیہ السلام) کے قحط کا تذکرہ کیجئے جب کہ اُنھوں نے (مرض شدید میں مبتلا ہو چکے بعد) اپنے رب کو پکارا کہ مجھ کو یہ تکلیف پہنچ رہی ہے اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں (تو اپنی مہربانی سے میری یہ تکلیف دُور کر دیجئے) تو ہم نے اُن کی دعا قبول کی اور اُن کو جو تکلیف تھی اُس کو دُور کر دیا اور (بغیر اُن کی درخواست کے) ہم نے اُن کا کنبہ (یعنی اولاد جو اُن سے غائب ہو گئے تھے) (قالہ الحسن کذا فی الدر المنثور) یا مر گئے تھے (کما قال غیرہ) عطا فرمایا (اس طرح سے کہ وہ اُن کے پاس آگئے) یا بایں معنی کہ اتنے ہی اور پیدا ہو گئے، قالہ معمرہ کما فی فتح المنان) اور انکے ساتھ (گنتی میں) اُن کے برابر اور بھی (دیئے) اپنی جتنی اولاد پہلے تھی اُس کے برابر اور بھی دیدیئے خواہ خود اپنی صلب سے یا اولاد کی اولاد ہونے کی حیثیت سے (کذا فی فتح المنان من کتاب ایوب) اپنی رحمتِ خاصہ کے سبب سے اور عبادت کرنے والوں کے لئے ایک یادگار رہنے کے سبب سے۔



## معارف و مسائل

**قصہ ایوب علیہ السلام** | حضرت ایوب علیہ السلام کے قصہ میں اسرائیلی روایات بڑی طویل ہیں انہیں سے جن کو حضرت یحییٰ بن خزیمنہ نے تاریخی وجہ میں قابل اعتماد سمجھا ہے وہ نقل کیجاتی ہیں۔ قرآن کریم سے تو صرف اتنی بات ثابت ہے کہ اُن کو کوئی شدید مرض پیش آیا جس پر وہ صبر کرتے رہے بالآخر اللہ تعالیٰ نے اُن کی توحید کی تعریف کی اور یہ کہ اس بیماری کے زلزلے میں اُن کی اولاد اور احباب سب غائب ہو گئے خواہ موت کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ سے، پھر حق تعالیٰ نے اُن کو صحت عافیت دی اور جتنی اولاد تھی وہ سب نکو دیدی بلکہ اتنی ہی اور بھی یادہ دیدی، باقی حصے کے اجزاء بعض مستند احادیث میں موجود ہیں اور زیادہ تاریخی روایات ہیں حافظ ابن کثیر نے اس قصہ کی تفصیل یہ لکھی ہے کہ :

ایوب علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے ابتدا میں مال و دولت اور جائیداد اور شاندار مکانات اور سواریاں اور اولاد اور حشم و خدم بہت کچھ عطا فرمایا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کو پیغمبرانہ آزمائش میں مبتلا کیا یہ سب چیزیں اُن کے ہاتھ سے نکل گئی اور بدن میں بھی ایسی سخت بیماری لگ گئی جیسے جذام ہوتا ہے کہ بدن کا کوئی حصہ بجز زبان اور قلب کے اس بیماری سے نہ بچا وہ اس حالت میں زبان و قلب کو اللہ کی یاد میں مشغول رکھتے اور شکر ادا کرتے رہتے تھے۔ اس شدید بیماری کی وجہ سے سب عزیزوں، دوستوں اور پڑوسیوں نے اُن کو الگ کر کے آبادی سے باہر ایک کوڑا کچرہ ڈالنے کی جگہ پر ڈال دیا۔ کوئی اُن کے پاس نہ جاتا تھا صرف اُن کی بیوی اُن کی خبر گیری کرتی تھی جو حضرت یوسف علیہ السلام کی بیٹی یا پوتی تھی جس کا نام لیانا بنت ہیشام بن یوسف علیہ السلام بتلایا جاتا ہے (ابن کثیر، مال و جائیداد تو سب ختم ہو چکا تھا اُن کی زوجہ محترمہ محنت مزدوری کر کے اپنے اور اُن کے لئے رزق اور ضروریات فراہم کرتی اور ان کی خدمت کرتی تھیں۔ ایوب علیہ السلام کا یہ ابتلا و امتحان کوئی حیرت و تعجب کی چیز نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الصحابون ثم الامثال فالامثال، یعنی سب سے زیادہ سخت بلا میں اور آزمائشیں انبیاء علیہم السلام کو پیش آتی ہیں اُن کے بعد دوسرے صالحین کو درجہ بدرجہ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہر انسان کا ابتلا اور آزمائش اس کی دینی صلابت اور مضبوطی کے اندازے پر ہوتا ہے جو دین میں جتنا زیادہ مضبوط ہوتا ہے اتنی اس کی آزمائش و ابتلا زیادہ ہوتی ہے (تاکہ اسی مقدار سے اسکے درجات اللہ کے نزدیک بلند ہوں) حضرت ایوب علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے زمرہ انبیاء علیہم السلام میں دینی صلابت اور صبر کا ایک امتیازی مقام عطا فرمایا تھا (جیسے داؤد علیہ السلام کو شکر کا ایسا ہی امتیاز دیا گیا تھا) مصائب و شدائد پر صبر میں حضرت ایوب علیہ السلام ضرب المثل ہیں۔ یزید بن میسرہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو مال و اولاد وغیرہ

عنہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کے بارے میں اس روایت کی اصل وضاحت معارف القرآن جلد ہفتم صفحہ نمبر ۵۲۲ پر سورہ ص کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔ محمد تقی عثمانی ۱۴۲۶ھ/۳/۱۸



سب دنیا کی نعمتوں سے خالی کر کے آزمائش فرمائی تو انہوں نے فانی ہو کر اللہ کی یاد اور عبادت میں اور زیادہ محنت شروع کر دی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے مجھے مال جائیداد اور دولت دنیا اور اولاد عطا فرمائی جس کی محبت میرے دل کے ایک ایک جزیر پر چھا گئی پھر اس پر بھی شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے مجھے ان سب چیزوں سے فانی اور خالی کر دیا اور اب میرے اور آپ کے درمیان حائل ہونے والی کوئی چیز باقی نہ رہی۔

حافظ ابن کثیر یہ مذکورہ روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ وہب بن منبہ سے اس قصہ میں بڑی طویل روایات منقول ہیں جن میں غرابت پائی جاتی ہے اور طویل ہیں اسلئے ہم نے ان کو چھوڑ دیا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی | حضرت ایوب علیہ السلام اس شدید بلا میں کہ سب مال و جائیداد دُعا صبر کے خلاف نہیں اور دولت دنیا سے الگ ہو کر ایسی جسمانی بیماری میں مبتلا ہوئے

کہ لوگ پاس آتے ہوئے گھبراتیں، بستی سے باہر ایک کوڑے کچرے کی جگہ پر سات سال چند ماہ پڑے رہے کبھی جزع و فزع یا شکایت کا کوئی کلمہ بان پر نہیں آیا۔ نیک بی بی تیار زوجہ محترمہ نے عرض بھی کیا کہ آپ کی تکلیف بہت بڑھ گئی ہے اللہ سے دُعا کیجئے کہ یہ تکلیف دور ہو جائے تو فرمایا کہ میں نے ستر سال صحیح تندرست اللہ کی بے شمار نعمت و دولت میں گزارے ہیں کیا اس کے مقابلے میں سات سال بھی مصیبت کے گزرنے مشکل ہیں۔ پیغمبرانہ عزم و ضبط اور صبر و ثبات کا یہ عالم تھا کہ دُعا کرنے کی بھی ہمت نہ کرتے تھے کہ کہیں صبر کینچلافت نہ ہو جائے (حالانکہ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنا اور اپنی احتیاج و تکلیف پیش کرنا بے صبری میں داخل نہیں) بالآخر کوئی ایسا سبب پیش آیا جس نے ان کو دُعا کرنے پر مجبور کر دیا اور جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے یہ عاء دُعا ہی تھی کوئی بے صبری نہیں تھی حق تعالیٰ نے اُن کے کمال صبر پر اپنے کلام میں مہر ثبت فرمادی ہے فرمایا اِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا اس سبب کے بیان میں روایات بہت مختلف اور طویل ہیں اس لئے ان کو چھوڑا جاتا ہے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب ایوب علیہ السلام کی دُعا قبول ہوئی اور اُن کو حکم ہوا کہ زمین پر ایڑ لگائیے یہاں سے صاف پانی کا چشمہ پھوٹے گا اُس سے غسل کیجئے اور اس کا پانی پیجئے تو یہ سارا روگ چلا جائیگا۔ حضرت ایوبؓ نے اس کے مطابق کیا تمام بدن جو زخموں سے چھوڑ تھا اور جھڑیوں کے کچھ نہ رہا تھا اس چشمہ کے پانی سے غسل کرتے ہی سارا بدن کھال اور بال یکایک اپنی اصلی حالت پر آگئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے جنت کا ایک لباس بھیج دیا وہ زیب تن فرمایا اور اس کوڑے کچرے سے الگ ہو کر ایک گوشہ میں بیٹھ گئے۔ زوجہ محترمہ حسبِ عادت انکی خبر گیری کے لئے آئی تو اُن کو اپنی جگہ پر نہ پا کر رونے لگی۔ ایوب علیہ السلام جو ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے تھے اُن کو نہیں پہچانا کہ حالت بدل چکی تھی، انہیں سے پوچھا کہ اے خدا کے بندے (کیا تمہیں معلوم ہے کہ)







فرمایا کہ ان کا نام ان دونوں پیغمبروں کیساتھ شامل کر کے ذکر کرنے سے ظاہر یہی ہے کہ یہ بھی کوئی اللہ کے نبی اور پیغمبر تھے مگر بعض دوسری روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمرۃ انبیاء میں نہیں تھے بلکہ ایک مرد صالح اولیاء اللہ میں سے تھے۔ امام تفسیر ابن جریر نے اپنی سند کیساتھ مجاہد سے نقل کیا ہے کہ حضرت یسوع (جن کا نبی و پیغمبر ہونا قرآن میں مذکور ہے) جب بوڑھے اور ضعیف ہو گئے تو ارادہ کیا کہ کسی کو اپنا خلیفہ بنادیں جو ان کی زندگی میں وہ سب کام ان کی طرف سے کرے جو نبی کے فرائض میں داخل ہیں۔

اس مقصد کے لئے حضرت یسوع علیہ السلام نے اپنے سب صحابہ کو جمع کیا کہ میں اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں جس کے لئے تین شرطیں ہیں جو شخص ان شرائط کا جامع ہو اس کو خلیفہ بناؤں گا۔ وہ تین شرطیں یہ ہیں کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھتا ہو اور ہمیشہ رات کو عبادت میں بیدار رہتا ہو اور کبھی غصہ نہ کرتا ہو۔ مجمع میں سے ایک ایسا غیر معروف شخص کھڑا ہوا جس کو لوگ حقیر ذلیل سمجھتے تھے اور کہا کہ میں اس کام کے لئے حاضر ہوں۔ حضرت یسوع نے دریافت کیا کہ کیا تم ہمیشہ روزہ رکھتے ہو اور ہمیشہ شب بیداری کرتے ہو اور کبھی غصہ نہیں کرتے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ بیشک میں ان تین چیزوں کا عامل ہوں۔ حضرت یسوع (کو شاید کچھ اسکے قول پر اعتماد نہ ہوا اسلئے) اُس روز اسکو رُک کر دیا پھر کسی دوسرے روز اسی طرح مجمع سے خطاب فرمایا اور سب حاضرین ساکت رہے اور یہی شخص پھر کھڑا ہو گیا اُس وقت حضرت یسوع نے ان کو اپنا خلیفہ نامزد کر دیا۔ شیطان نے یہ دیکھا کہ ذوالکفل اسیں کامیاب ہو گئے تو اپنے اعدائے شیاطین سے کہا کہ جاؤ کسی طرح اس شخص پر اثر ڈالو کہ یہ کوئی ایسا کام کر بیٹھے جس سے یہ منصب اسکا سلب ہو جائے۔ اعدائے شیطان نے غدر کر دیا۔ کہ وہ ہمارے قابو میں آئیں والا نہیں شیطان ابلیس نے کہا کہ اچھا تم اس کو مجھ پر چھوڑ دو (میں اُس سے نمٹ لوں گا) حضرت ذوالکفل اپنے اقرار کے مطابق دن بھر روزہ رکھتے اور رات بھر جاگتے تھے صرف دو پہر کو قیلولہ کرتے تھے (قیلولہ دو پہر کے سونے کو کہتے ہیں) شیطان عین دو پہر کو ان کے قیلولہ کے وقت آیا اور دروازہ پر دستک دی یہ بیدار ہو گئے اور پوچھا کون ہے کہنے لگا کہ میں بوڑھا مظلوم ہوں، اُنھوں نے دروازہ کھولا یا۔ اُس نے اندر پہنچ کر ایک افسانہ کہنا شروع کر دیا کہ میری برادری کا مجھ سے جھگڑا ہے اُنھوں نے مجھ پر یہ ظلم کیا وہ ظلم کیا، ایک طویل داستان شروع کر دی یہاں تک کہ دو پہر کے سونے کا وقت ختم ہو گیا۔ حضرت ذوالکفل نے فرمایا کہ جب میں باہر آؤں تو میرے پاس آجاؤ میں تمھارا حق دلوں گا۔

حضرت ذوالکفل باہر تشریف لائے اور اپنی مجلس عدالت میں اُسکا انتظار کرتے رہے مگر اسکو نہیں پایا۔ اگلے روز پھر جب وہ عدالت میں فیصلہ مقدمات کے لئے بیٹھے تو اس بوڑھے کا انتظار کرتے رہے اور یہ نہ آیا۔ جب دو پہر کو پھر قیلولہ کے لئے گھر میں گئے تو یہ شخص آیا اور دروازہ کوٹنا شروع کیا۔ اُنھوں نے پھر پوچھا کون ہے؟ جواب دیا کہ ایک مظلوم بوڑھا ہے، اُنھوں نے پھر دروازہ کھولا یا اور فرمایا کہ کیا



میں نے کل تم سے نہیں کہا تھا کہ جب میں اپنی مجلس میں بیٹھوں تو تم اجاؤ (تم نہ کل آئے نہ آج صبح سے آئے) اُسے کہا کہ حضرت میرے مخالف بڑے خبیث لوگ ہیں جب انھوں نے دیکھا کہ آپ اپنی مجلس میں بیٹھے ہیں اور میں حاضر ہو گا تو آپ اُن کو میرا حق دینے پر مجبور کریں گے تو انھوں نے اُس وقت اقرار کر لیا کہ ہم تیرا حق دیتے ہیں، پھر جب آپ مجلس سے اٹھ گئے تو انکار کر دیا۔ انھوں نے پھر اسکو یہی فرمایا کہ اب جاؤ جب میں مجلس میں بیٹھوں تو میرے پاس اجاؤ۔ اسی گفت و شنید میں آج کے دو پہر کا سونا بھی رہ گیا اور وہ باہر مجلس میں تشریف لے گئے اور اس بوڑھے کا انتظار کرتے رہے (اگلے روز بھی دو پہر تک انتظار کیا وہ نہیں آیا پھر جب تیسرے روز دو پہر کا وقت ہوا اور نیند کو تیسرا دن ہو گیا تھا غیند کا غلبہ تھا، تو گھر میں آکر گھر والوں کو اس پر مقرر کیا کہ کوئی شخص دروازے پر دستک نہ دے سکے۔ یہ بوڑھا پھر تیسرے روز پہنچا اور دروازے پر دستک دینا چاہا لوگوں نے منہ کیا تو ایک روشندان کے راستے سے اندر داخل ہو گیا اور اندر پہنچ کر دروازہ بجانا شروع کر دیا یہ پھر نیند سے بیدار ہو گئے اور دیکھا کہ یہ شخص گھر کے اندر ہے اور دیکھا کہ دروازہ بدستور بند ہے اس سے پوچھا، تو کہاں سے اندر پہنچا، اس وقت حضرت ذوالکفل نے پہچان لیا کہ شیطان ہے اور فرمایا کہ کیا تو خدا کا دشمن ابلیس ہے؟ اس نے اقرار کیا کہ ہاں، اور کہنے لگا کہ تو نے مجھے میری ہر تدبیر میں تھکا دیا کبھی میرے جال میں نہیں آیا، اب میں نے یہ کوشش کی کہ تجھے کسی طرح غصہ دلا دوں تاکہ تو اپنے اس اقرار میں جھوٹا ہو جائے جو شیخ نبی کے ساتھ کیا ہے، اس لئے میں نے یہ سب حرکتیں کیں۔ یہ واقعہ تھا جس کی وجہ سے اُن کو ذوالکفل کا خطاب دیا گیا، کیونکہ ذوالکفل کے معنی ہیں ایسا شخص جو اپنے عہد اور ذمہ داری کو پورا کرے، حضرت ذوالکفل اپنے اس عہد پر پورے اترے۔ (ابن کثیر)

مسند احمد میں ایک روایت اور بھی ہے مگر اس میں ذوالکفل کے بجائے الکفل کا نام آیا ہے۔ اسی لئے ابن کثیر نے اُس روایت کو نقل کر کے کہا کہ یہ کوئی دوسرا شخص کفل نامی ہے وہ ذوالکفل جنکا ذکر اس آیت میں آیا ہے وہ نہیں۔ روایت یہ ہے :-

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی ہے اور ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ سات مرتبہ سے زائد سنی ہے وہ یہ کہ آپؐ نے فرمایا کہ کفل بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا جو کسی گناہ سے پرہیز نہ کرتا تھا، اُسکے پاس ایک عورت آئی اُس نے اسکو ساٹھ دینار (گنتیاں) دیں اور فعل حرام پر اسکو راضی کر لیا۔ جب وہ مباشرت کے لئے بیٹھ گیا تو یہ عورت کانپنے اور رونے لگی اُس نے کہا کہ رونے کی کیا بات ہے کیا میں نے تم پر کوئی جبر اور زبردستی کی ہے۔ اس نے کہا نہیں جبر تو نہیں کیا، لیکن یہ ایسا گناہ ہے جو میں نے کبھی عمر بھر نہیں کیا اور اس وقت مجھے اپنی ضرورت نے مجبور کر دیا اس لئے اس پر آمادہ ہو گئی یہ منکر وہ شخص



اسی حالت میں عورت سے الگ ہو کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ جاؤ یہ دینار بھی تمہارے ہیں اور اب سے کفل بھی کوئی گناہ نہیں کریگا، اتفاق یہ ہوا کہ اسی رات میں کفل کا انتقال ہو گیا اور صبح اسکے دروازے پر غیب سے یہ تحریر لکھی ہوئی دیکھی گئی غفرلہ للکفل یعنی اللہ نے کفل کو بخش دیا ہے۔

ابن کثیر نے یہ روایت مسند احمد کی نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس کو صحاح ستہ میں سے کسی نے روایت نہیں کیا اور اسناد اسکی غریب ہے اور بہر حال اگر روایت ثابت بھی ہے تو اسمیں ذکر کفل کا ہے ذوالکفل کا نہیں، یہ کوئی دوسرا شخص معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم خلاصہ کلام یہ ہے کہ ذوالکفل حضرت یسوع نبی کے خلیفہ اور ولی صالح تھے اُن کے خاص محبوب اعمال کی بنا پر ہو سکتا ہے کہ اُن کا ذکر اس آیت میں بزمہ انبیاء کر دیا گیا اور اسمیں بھی کوئی بعد نہیں معلوم ہوتا کہ شروع میں یہ حضرت یسوع کے خلیفہ ہی ہوں پھر حق تعالیٰ نے ان کو منصب نبوت عطا فرمادیا ہو واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

وَإِذَا النُّونُ إِذْ ذُهِبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ يَنْقُدَ رَعْلَيْهِ فَنَادَىٰ فِي

ان اور پھلی والے کو جب چلا گیا غصہ ہو کر پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو پھر پکارا

الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۸۷﴾

انذھیردوں میں کہ کوئی حاکم نہیں سوائے تیرے تو بے عیب ہے میں تھا گناہگاروں سے

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَخَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۸﴾

پھر سن لی ہم نے اسکی فریاد اور بخا دیا اسکو اس گھٹنے سے اور توبہی ہم بخا دیتے ہیں ایمان والوں کو

## خلاصہ تفسیر

اور پھلی والے (پیغمبر یعنی یونس علیہ السلام کے قصہ) کا تذکرہ کیجئے جب وہ (اپنی قوم سے جبکہ وہ ایمان نہ لائے) خفا ہو کر چلے گئے (اور انکی قوم پر سے عذاب ٹپکنے کے بعد بھی خود واپس نہ آئے اور اس سفر کے لئے ہمارے حکم کا انتظار نہیں کیا) اور انھوں نے (اپنے اجتہاد سے) یہ سمجھا کہ ہم (اس چلے جانے میں) اُن پر کوئی دار و گیر نہ کریں گے (یعنی چونکہ اس فرار کو انھوں نے اپنے اجتہاد سے جائز سمجھا اس لئے وحی کا انتظار نہ کیا لیکن چونکہ اُمید وحی تک وحی کا انتظار انبیاء کے لئے مناسب ہے اور یہ مناسب کام اُن سے ترک ہو گیا لہذا ان کو یہ ابتلا پیش آیا کہ راستہ میں اُن کو کوئی دریا ملا اور وہاں کشتی میں سوار ہوئے، کشتی چلتے چلتے ٹک گئی یونس علیہ السلام سمجھ گئے کہ میرا یہ بلا اجازت فرار ناپسند ہوا اس کی وجہ سے یہ کشتی ٹکی، کشتی والوں سے فرمایا کہ مجھ کو دریا میں ڈال دو، وہ راضی نہ ہوئے



غرض قرعہ پر اتفاق ہوا تب بھی ان ہی کا نام نکلا، آخر ان کو دریا میں ڈال دیا اور خدا کے حکم سے انکو ایک پھلی نے نیکل لیا، اخرجہ ابن ابی حاتم عن ابن عباس کذا فی الدر المنثور) پس انھوں نے اندھیروں میں پکارا (ایک اندھیرا پھلی کے پیٹ کا، دوسرا دریا کے پانی کا دونوں گہرے اندھیرے جو بہت سی اندھیروں کے قائم مقام، یا تیسرا اندھیرا رات کا، قالہ ابن مسعود درخ کما فی الدر المنثور، غرض ان تاریکیوں میں دعا کی کہ آپکے سوا کوئی معبود نہیں (یہ توحید ہے) آپ سب نقائص سے پاک ہیں (یہ تنزیہ ہے) میں بیشک قصور دار ہوں (یہ استغفار ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ میرا قصور معاف کر کے اس شدت سے نجات دیجئے) سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو اس گھٹن سے نجات دی (جسکا قصہ سورہ صافات میں قَتَبْنَا نَارًا بِالْعَرَاءِ الخ میں مذکور ہے) اور ہم اسی طرح (اور) ایمان والوں کو (بھی کرب اور غم سے) نجات دیا کرتے ہیں (جبکہ چند سے غم میں رکھنا مصلحت نہ ہو)۔

## معارف و مسائل

ذَوِ الْاُنْتُونِ، حضرت یونس بن متی علیہ السلام کا قصہ قرآن کریم نے سورہ یونس سورہ انبیاء پھر سورہ صافات اور سورہ نون میں ذکر فرمایا کہیں ان کا اصل نام ذکر فرمایا ہے کہیں ذوالنون یا صاحب الموت کے القاب سے ذکر کیا گیا ہے۔ نون اور موت دونوں کے معنی پھلی کے ہیں ذوالنون اور صاحب الموت کا ترجمہ ہے پھلی والا، حضرت یونس علیہ السلام کو بتقدیر الہی چند روز بطن مہر میں رہنے کا واقعہ غریبہ پیش آیا تھا اس کی مناسبت سے ان کو ذوالنون بھی کہا جاتا ہے اور صاحب الموت کے الفاظ سے بھی تعبیر کیا گیا۔

قصہ یونس علیہ السلام [تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ یونس علیہ السلام کو علاقہ موصل کی ایک بستی نینوی کے لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا تھا۔ یونس علیہ السلام نے ان کو ایمان و عمل صالح کی دعوت دی، انھوں نے تمرد اور سرکشی سے کام لیا۔ یونس علیہ السلام ان سے ناراض ہو کر بستی سے نکل گئے اور ان کو کہہ دیا کہ تین دن کے اندر تمھارے اوپر عذاب آجائیگا۔ یونس علیہ السلام بستی چھوڑ کر نکل گئے تو ان کو فکر ہوئی کہ اب عذاب آہی جائیگا (اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب کے بعض آثار کا ان کو مشاہدہ بھی ہو گیا) تو انھوں نے اپنے شرک و کفر سے توبہ کی اور بستی کے سب مرد عورت اور بچے جنگل کی طرف نکل گئے اور اپنے مویشی جانوروں اور ان کے بچوں کو بھی ساتھ لے گئے اور بچوں کو ان کی ماؤں سے الگ کر دیا اور سب نے گریہ و زاری کرنا شروع کی اور الحاح و زاری کے ساتھ اللہ سے پناہ مانگی، جانوروں کے بچوں نے جن کو ان کی ماؤں سے الگ کر دیا گیا تھا الگ شور و غل کیا۔ حق تعالیٰ نے ان کی سچی توبہ اور الحاح و زاری کو قبول کر لیا



اور عذاب اُن سے ہٹا دیا۔ ادھر حضرت یونس علیہ السلام اس انتظار میں رہے کہ قوم پر عذاب آ رہا ہے، وہ ہلاک ہو گئی ہوگی جب اُن کو یہ پتہ چلا کہ عذاب نہیں آیا اور قوم صحیح سالم اپنی جگہ ہے تو (ان کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اب میں جھوٹا سمجھا جاؤں گا، اور بعض روایات میں ہے کہ اُن کی قوم میں یہ رسم جاری تھی کہ کسی کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے تو اس کو قتل کر دیا جاتا تھا (مظہری) اس حضرت یونس علیہ السلام کو اپنی جان کا بھی خطرہ لاحق ہو گیا تو، یونس علیہ السلام نے اپنی قوم میں پلے جانے کے بجائے کسی دوسری جگہ کو ہجرت کر نیکے کے قصد سے سفر اختیار کیا راستہ میں دریا بہتا اسکو پار کرنے کے لئے ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ اتفاق سے کشتی ایسے گرداب میں بھنسی کہ غرق ہونے کا خطرہ لاحق ہو گیا ملاحوں نے یہ طے کیا کہ کشتی میں سوار لوگوں میں سے ایک کو دریا میں ڈال دیا جائے تو باقی لوگ غرقابی سے محفوظ رہ سکیں گے۔ اس کام کے لئے کشتی والوں کے نام پر قرعہ اندازی کی گئی اتفاق سے قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام پر نکل آیا کشتی والے شاید اُمی بزرگی سے واقف تھے، ان کو دریا میں ڈالنے سے انکار کیا اور دوبارہ قرعہ ڈالا پھر بھی اسی نام یونس علیہ السلام کا نکلا، ان کو پھر بھی تامل ہوا تو تیسری مرتبہ قرعہ ڈالا پھر بھی انہیں کا نام نکل آیا۔ اسی قرعہ اندازی کا ذکر قرآن کریم میں دوسری جگہ ان الفاظ سے آیا ہے فَسَاهَقَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ یعنی قرعہ اندازی کی گئی تو یونس علیہ السلام ہی اس قرعہ میں متعین ہوئے۔ اس وقت یونس علیہ السلام کھڑے ہو گئے اور اپنے غیر ضروری کپڑے اتار کر اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا اُدھر حق تعالیٰ نے بحر اخضر سے ایک مچھلی کو حکم دیا وہ دریاؤں کو چیرتی پھاڑتی فوراً یہاں پہنچ گئی (کما قالہ ابن مسعود رحمہ اللہ) اور یونس علیہ السلام کو اپنے اندر لے لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو یہ ہدایت فرمادی تھی کہ نہ ان کے گوشت کو کوئی نقصان پہنچے نہ ہڈی کو یہ تیری غذا نہیں بلکہ تیرا پیٹ چند روز کے لئے ان کا قید خانہ ہے دیہانتک یہ سب کراہت ابن کثیر میں ہے بجز ان کلمات کے جو تو سین میں لئے گئے ہیں وہ دوسری کتابوں سے لئے ہوئے ہیں، قرآن کریم کے اشارات اور بعض تصریحات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کا بغیر اللہ تعالیٰ کے صریح حکم کے اپنی قوم کو چھوڑ کر نکل جانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسند ہوا اسی پر عتاب نازل ہوا اور دریا میں پھر مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی نوبت آئی۔

حضرت یونس علیہ السلام نے جو قوم کو تین دن کے اندر عذاب آجانے سے ڈرایا تھا ظاہر یہ ہے کہ یہ اپنی رائے سے نہیں بلکہ وحی الہی سے ہوا تھا اور اس وقت قوم کو چھوڑ کر ان سے الگ ہو جانا بھی جو قدیم عادت انبیاء علیہم السلام کی ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی حکیم خداوندی ہوا ہو گا یہ ہانتک کوئی بات لغزش کی موجب عتاب نہیں تھی مگر جب قوم کی سچی توبہ اور الحاح و زاری کو اللہ تعالیٰ نے قبول



فرما کر ان سے عذاب ہٹا دیا اُس وقت حضرت یونس علیہ السلام کا اپنی قوم میں واپس نہ آنا اور بقصد ہجرت سفر اختیار کرنا یہ اپنے اس اجتہاد کی بنا پر ہوا کہ اس حالت میں اگر میں واپس اپنی قوم میں گیا تو جھوٹا سمجھا جاؤں گا اور میری دعوت بے اثر بے فائدہ ہو جاوے گی بلکہ اپنی جان کا بھی خطرہ ہوگا اور اگر میں انکو چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں تو یہ بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل مواخذہ و گرفت نہیں ہوگی اپنے اجتہاد کی بنا پر ہجرت کا قصد کر لینا اور اللہ تعالیٰ کے صریح حکم کا انتظار نہ کرنا اگرچہ کوئی گناہ نہیں تھا مگر اللہ تعالیٰ کو یونس علیہ السلام کا یہ طرز عمل پسند نہ آیا کہ وحی کا انتظار کئے بغیر ایک فیصلہ کر لیا یہ اگرچہ کوئی گناہ نہیں تھا مگر خلافتِ اولیٰ ضرور ہوا۔ انبیاء علیہم السلام اور مقربانِ بارگاہِ الہی کی شان بہت بلند ہوتی ہے اُن کو مزاج شناس ہونا چاہیے، اُن سے اس معاملے میں اُدنی کوتاہی ہوتی ہے تو اوپر بھی عتاب اور گرفت ہوتی ہے یہی معاملہ تھا جس پر عتاب ہوا۔

تفسیر قرطبی میں قشیری سے بھی نقل کیا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ صورتِ غضبِ یونس علیہ السلام کی اُس وقت پیش آئی جبکہ قوم سے عذاب ہٹ گیا ان کو یہ پسند نہ تھا، اور پھلی کے پیٹ میں چند روز رہنا بھی کوئی تعذیب نہیں بلکہ تادیب کے طور پر تھا جیسے اپنے نابالغ بچوں پر زجر و تنبیہ تعذیب نہیں ہوتی تادیب ہوتی ہے تاکہ آئندہ وہ احتیاط برتیں (قرطبی) واقعہ سمجھ لینے کے بعد آیاتِ مذکورہ کے الفاظ کی تفسیر دیکھئے۔

ذَهَبَ مُغَاضِبًا، یعنی چلے گئے غصہ میں اگر، ظاہر ہے کہ مراد اس سے اپنی قوم پر غصہ ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی منقول ہے اور جن حضرات نے مغاضب کا مفعول رب کو قرار دیا ہے اُن کی مراد بھی مغاضبِ الرب ہے یعنی اپنے رب کے لئے غصہ میں بھر کر چلے گئے اور کفارِ فجّار سے اللہ کے لئے غصہ کرنا عین علامتِ ایمان ہے (کذا فی القرطبی والبحر المحیط)

فَظَنَّ أَنْ لَنْ يَنْقُذَ عَلَيْهِ، لفظِ تقدیر میں باعتبار لغت ایک احتمال ہے کہ مصدرِ قدرت سے مشتق ہو تو معنی یہ ہونگے اُنھوں نے گمان کر لیا کہ ہم اُن پر قدرت اور قابو نہ پاسکیں گے ظاہر ہے کہ یہ بات کسی پیغمبر سے تو کیا کسی مسلمان سے بھی اسکا گمان نہیں ہو سکتا کیونکہ ایسا سمجھنا کفر صریح ہے اس لئے یہاں معنی قطعاً نہیں ہو سکتے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ مصدرِ تقدیر سے مشتق ہو جس کے معنی

تنگی کرنے کے ہیں جیسے قرآن کریم میں ہے اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَ يَقْدِرُ لَهُ یعنی اللہ تعالیٰ وسعت کر دیتا ہے رزق میں جس کے لئے چاہے اور تنگ کر دیتا ہے جس پر چاہے۔

ائمہ تفسیر میں سے عطار، سعید بن جبیر، حسن بصری، اور بہت سے علماء نے یہی معنی اس آیت میں لئے ہیں اور مراد آیت کی یہ قرآنی کہ حضرت یونس علیہ السلام کو اپنے قیاس و اجتہاد سے یہ گمان تھا کہ ان حالات میں اپنی قوم کو چھوڑ کر کہیں چلے جانے کے واسطے میں بچ کر کوئی تنگی نہیں کیا جائیگی۔



اور تیسرا احتمال یہ بھی ہے کہ یہ لفظ قدّر بمعنی تقدیر سے مشتق ہے جس کے معنی قضاء اور فیصلہ دینے کے ہیں تو معنی آیت کے یہ ہونگے کہ حضرت یونس علیہ السلام کو یہ گمان ہو گیا کہ اس معاملہ میں مجھ پر کوئی گرفت اور مواخذہ نہیں ہوگا۔ ائمہ تفسیر میں سے قتادہ اور مجاہد اور فرار نے اسی معنی کو اختیار کیا ہے۔ بہر حال پہلے معنی کا تو اس جگہ کوئی احتمال نہیں دوسرے یا تیسرے معنی ہو سکتے ہیں۔

دُعَا یونس علیہ السلام ہر شخص کے لئے ہر زمانے میں ہر مقصد کے لئے مقبول ہے | وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ، یعنی جس طرح ہم نے یونس علیہ السلام کو غم اور مصیبت سے نجات دی اسی طرح ہم سب مومنین کیساتھ بھی یہی معاملہ کرتے ہیں جبکہ وہ صدق و اخلاص کیساتھ ہماری طرف متوجہ ہوں اور ہم سے پناہ مانگیں۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذوالنون کی وہ دعا جو انھوں نے بطن ماہی کے اندر کی تھی یعنی لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ، جو مسلمان اپنے کسی مقصد کے لئے ان کلمات کیساتھ دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمادینگے (رواہ احمد والترمذی والحاکم صحیح من حدیث سعد بن ابی وقاص۔ از منظر ہری)

وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَى رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴿۹۰﴾

اور زکریا کو جب پکارا اُس نے اپنے رب کو، اے رب نہ چھوڑ تو مجھ کو اکیلا اور تو ہے سب سے بہتر وارث

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَاهُ زَوْجَهُ طَائِفَتُهُمْ كَانُوا

پھر ہم نے سن لی انکی دعا اور بخشا اس کو یحییٰ اور اچھا کر دیا اس کی عورت کو وہ لوگ دور تھے

يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَشِعِينَ ﴿۹۱﴾

تھے بھلائیوں پر اور پکارتے تھے ہم کو توقع سے اور ڈر سے اور تھے ہمارے آگے عاجز

## خلاصہ تفسیر

اور زکریا (علیہ السلام کے قصہ) کا تذکرہ کیجئے جب کہ انھوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب مجھ کو لا وارث نہ رکھیو (یعنی مجھ کو فرزند دیجئے جو میرا وارث ہو) اور (یوں تو) سب وارثوں سے بہتر (یعنی حقیقی وارث) آپ ہی ہیں (اسلئے فرزند بھی وارث حقیقی نہ ہوگا بلکہ ایک وقت وہ بھی فنا ہو جائیگا لیکن اس ظاہری وارث سے بعض دینی فوائد اور منافع حاصل ہو جائیں گے اسلئے اسکی طلب ہے) سو ہم نے انکی دعا قبول کر لی اور ہم نے انکو یحییٰ (فرزند) عطا فرمایا اور انکی خاطر سے اُن کی بی بی کو بھی (جو بایںچہ تھیں) ادلا دے قابل کر دیا یہ سب (انبیاء جن کا اس سورت میں ذکر ہوا ہے) نیک کام نہیں دوڑتے تھے اور امید و بیم کیساتھ ہماری عبادت کیا کرتے تھے اور ہمارے سامنے ڈب کر رہتے تھے۔



## معارف و مسائل

حضرت زکریا علیہ السلام کی خواہش تھی کہ ایک فرزند وارث عطا ہو اُس کی دُعا مانگی مگر ساتھ ہی یہ بھی عرض کر دیا کہ اَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِیْنَ کہ بیٹا ملے یا نہ ملے ہر حال میں آپ تو بہتر وارث ہیں یہ پیغمبرانہ رعایت ادب ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی اصل توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہونا چاہیے غیر اللہ کی طرف اُن کی توجہ ہو بھی تو اصل مرکز سے نہ ہٹنے پاوے۔

يَدْعُوْنَا رَغْبًا وَرَهْبًا، وہ رغبت و خوف یعنی راحت اور تکلیف کی ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں اور اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ اپنی عبادت و دُعا کے وقت اُمید و بیم و دونوں کے درمیان رہتے ہیں اللہ تعالیٰ سے قبول اور ثواب کی اُمید بھی رہتی ہے اور اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے خوف بھی (قطب)

وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَ

اور وہ عورت جس نے قابو میں رکھی اپنی شہوت پھر بھونک دی ہم نے اُس عورت میں اپنی روح اور کیا اسکو اور

ابْنَهَا آيَةً لِلْعَالَمِيْنَ ۙ (۹۱)

اسکے بیٹے کو نشانی جہان والوں کے واسطے

## خلاصہ تفسیر

اور اُن بنی بنی (مریم کے قصہ) کا بھی تذکرہ کیجئے جنہوں نے اپنے ناموس کو (مردوں سے) بچایا (زینکاح سے بھی اور ناجائز سے بھی) پھر ہم نے اُن میں (بواسطہ جبریل علیہ السلام) اپنی روح پھونک دی (جس سے اُن کو بے شوہر کے حمل رہ گیا) اور ہم نے ان کو اور اُن کے فرزند (عیسیٰ علیہ السلام) کو دنیا جہان والوں کے لئے اپنی قدرت کاملہ کی نشانی بنا دیا کہ اُن کو دیکھ کر سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ بغیر باپ کے بھی اولاد پیدا کر سکتا ہے اور بغیر ماں اور باپ کے بھی جیسا کہ آدم علیہ السلام۔

اِنَّ هٰذِهِ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۙ (۹۲)

یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے سب ایک دین پر اور میں ہوں رب تمہارا سو میری بندگی کرو اور

تَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۖ كُلُّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ ۙ (۹۳) فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۚ

مکڑے مکڑے بانٹ لیا لوگوں نے آپس میں اپنا کام سب ہمارے پاس پھر آئیں گے سو جو کوئی کرے کچھ



الْصَّلَاحِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعِيدِهِ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ ﴿۹۳﴾

نیک کام اور وہ رکھتا ہو ایمان سدا کات نہ کریں گے اسکی سچی کو اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں

وَحَرَمٌ عَلَى قُرْبَىٰ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۹۴﴾ حَتَّىٰ إِذَا

اور مقرر ہو چکا ہر بستی پر جس کو قارت کر دیا ہم نے کہ وہ پھر نہ آئیں گے یہاں تک کہ جب

فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ﴿۹۵﴾

کھول دیئے جائیں یا جوج اور ما جوج اور وہ ہر اوجان سے پھسلنے چلے آئیں

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ

اور نزدیک آگئے سچا وعدہ پھر اُس دم اندر لگی رہ جائیں شکروں کی آنکھیں

كَفَرُوا يَوِيلُنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۹۶﴾

ہائے کم بخت ہماری ہم بے خبر رہے اس سے، نہیں، پر ہم تھے گنہگار

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا

تم اور جو کچھ تم پوجتے ہو اشرکے سوائے ایندھن ہے دوزخ کا تم کو اُس پر

وَرِدُونَ ﴿۹۷﴾ لَوْ كَانَ هُوَ آلَ اللَّهِ مَا وَرَدُوهَا وَكُلٌّ فِيهَا

پہنچنا ہے اگر ہوتے یہ بت مسموم تو نہ پہنچتے اُس پر اور سارے اس میں

خَالِدُونَ ﴿۹۸﴾ لَهُمْ فِيهَا زَوْجٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ﴿۹۹﴾ إِنْ

سدا پڑے رہیں گے اُن کو وہاں چلانا ہے اور وہ اس میں کچھ نہ سنیں گے جن کے

الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿۱۰۰﴾

لئے پہلے سے ٹھہر چکی ہماری طرف سے نیکی وہ اُس سے دور رہیں گے

لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خَالِدُونَ ﴿۱۰۱﴾

نہیں سنیں گے اُس کی آہٹ اور وہ اپنے جی کے مزوں میں سدا رہیں گے

لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّهِمُ الْمَلَائِكَةُ هَذَا يَوْمُكُمْ

نہ غم ہوگا اُن کو اس بڑی گھبراہٹ میں اور لینے آئیں گے اُن کو فرشتے آج دن تمہارا ہے

الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۱۰۲﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ

جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا جس دن ہم لپیٹ لیں آسمان کو جیسے پیٹتے ہیں طومار میں

لَكُنْتُ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نَّعِيدُهُ وَعَدَّا عَلَيْنَا وَإِنَّا لَنَّا

کانڈ جیسا سرے سے بنایا تھا ہم نے پہلی بار، پھر اسکو دہرائیں گے، وعدہ ضرور ہو چکا ہے تم پر ہرکو

فَاعِلِينَ ﴿۱۰۳﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ

پورا کرنا ہے اور ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں نصیحت کے پیچھے کہ آخر زمین پر مالک ہونگے



## يَرْثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۱۰۵

سیرے نیک بندے

## خلاصہ تفسیر

رابط آیات | یہاں تک انبیاء علیہم السلام کے قصص اور واقعات اور ان کے ضمن میں بہت سے اصولی اور فردی مسائل کا بیان تھا۔ اصول مثلاً توحید و رسالت اور عقیدہ آخرت، سب انبیاء علیہم السلام میں اصول مشترک ہیں جو ان کی دعوت کی بنیاد ہے جیسا کہ واقعات مذکورہ میں ان حضرات کی سب کوششوں کا محور توحید حق سبحانہ و تعالیٰ کا مضمون تھا۔ اگلی آیات میں بطور نتیجہ قصص توحید کا اثبات اور شرک کی مذمت کا بیان ہے۔

اے لوگو! (اور جو انبیاء علیہم السلام کا طریقہ و عقیدہ توحید کا معلوم ہو چکا ہے) یہ تمہارا طریقہ ہے (جس پر تم کو رہنا واجب ہے) کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے (جس میں کسی نبی اور کسی شریعت کو اختلاف نہیں ہوا) اور (حاصل اس طریقہ کا یہ ہے کہ) میں تمہارا رب ہوں تو تم میری عبادت کیا کر دو اور (لوگوں کو چاہئے تھا کہ جب یہ ثابت ہو چکا کہ تمام انبیاء اور تمام آسمانی کتابیں اور شریعتیں اسی طریقہ کی داعی ہیں تو وہ بھی اسی طریقہ پر رہتے مگر ایسا نہ کیا بلکہ) ان لوگوں نے اپنے دین میں اختلاف پیدا کر لیا (مگر اس کی سزا دیکھیں گے کیونکہ) سب ہمارے پاس آنے والے ہیں (اور آنے کے بعد ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ملیگا) تو جو شخص نیک کام کرتا ہو گا اور وہ ایمان والا بھی ہو گا تو اس کی محنت اکارت جانے والی نہیں اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں (جس میں بھول اور خطا کا امکان نہیں رہتا اُس لکھے ہوئے کے مطابق اس کو ثواب ملیگا) اور (ہم نے جو یہ کہا ہے کہ سب کے سب ہمارے پاس آئیں گے) اس میں منکرین یہ شبہ کرتے ہیں کہ دنیا کی اتنی عمر گزر چکی ہے اب تک تو ایسا ہوا نہیں کہ مردے زندہ ہوئے ہوں ان کا حساب ہوا ہو، ان کا یہ شبہ اس لئے غلط ہے کہ اللہ کی طرف لوٹنے کے لئے ایک دن قیامت کا مقرر ہے اُس سے پہلے کوئی نہیں لوٹتا، یہی وجہ ہے کہ ہم جن بستیوں کو (عذاب یا موت سے) فٹا کر چکے ہیں ان کے لئے یہ بات (بامتناع شرعی) ناممکن ہے کہ وہ (دنیا میں حساب کتاب کے لئے) پھر لوٹ کر آویں (مگر یہ نہ لوٹنا دائمی نہیں بلکہ وقت موعود یعنی قیامت تک ہے یہاں تک کہ جب (وہ وقت موعود) پہنچا جس کا ابتدائی سامان یہ ہو گا کہ) یا جوج ماجوج (جن کا اب سد ذوالقرنین کے ذریعہ راستہ رکھا ہوا ہے) کھول دیے جاویں گے اور وہ (انتہائی کثرت کے سبب) ہر بلندی و ٹیلہ اور پہاڑ سے نکلے (معلوم) ہونگے اور اللہ کی طرف لوٹنے کا سچا وعدہ (نزدیک) پہنچا







وعدہ کی تو اس سے ظاہر ہے کہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور تاکید اس بات سے کہ کوئی آسمانی کتاب اس سے خالی نہیں)

## معارف و مسائل

وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَوْمٍ مَّا هُمْ بِأَعْلَمُونَ لَا يَخْلَعُونَ، اس جگہ لفظ حرام بمعنی تمتنع شرعی کے جس کا ترجمہ خلاصہ تفسیر میں ناممکن سے کیا گیا ہے اور لَا يَخْلَعُونَ میں اکثر حضرات مفسرین کے نزدیک حرف لازماً ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ جو بستی اور اسکے آدمی پہنے ہلاک کر دیئے ہیں ان کے لئے محال ہے کہ وہ پھر ٹوٹ کر دنیا میں آجائیں اور بعض حضرات مفسرین نے لفظ حرام کو اس جگہ بمعنی واجب قرار دیکر لا کو اپنے معروف معنی نفی کے لئے رکھا ہے اور مفہوم آیت کا یہ لکھا کہ واجب ہے اس بستی پر حکوم نے عذاب ہلاک کر دیا، کہ وہ دنیا میں نہیں ٹوٹیں گے (قطبی) آیت کا مطلب یہ ہے کہ مرنے کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی دنیا میں آکر عمل صالح کرنا چاہے تو اس کا موقع نہیں ملے گا، اب تو صرف روز قیامت کی زندگی ہوگی حتیٰ اِذَا فُتِحَتْ يَابُجُوجُ وَمَا جُوجُ وَهُمْ قَوْمٌ مِّنْ حَذَابٍ يَنْشِلُونَ، لفظ حتیٰ سابق مضمون پر تفریح و ترتیب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ آیت سابقہ میں یہ کہا گیا تھا کہ جو لوگ کفر پر مرکب ہیں ان کا دوبارہ دنیا میں زندہ ہو کر ٹوٹنا ناممکن ہے اس عدم امکان کی انتہا یہ بتلائی گئی کہ دوبارہ زندہ ہو کر ٹوٹنا ناممکن اس وقت تک ہے جب تک کہ یہ واقعہ یاجوج ماجوج کا پیش نہ آجائے جو قیامت کی قریبی علامت ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم چند صحابہ ایک روز آپس میں کچھ مذاکرہ کر رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، دریافت فرمایا کہ کیا مذاکرہ تمہارے درمیان جاری ہے ہم نے عرض کیا کہ قیامت کا ذکر کر رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک اس علامتیں اس سے پہلے ظاہر نہ ہو جائیں۔ ان دس علامتوں میں خروج یاجوج ماجوج کا بھی ذکر فرمایا۔ آیت میں یاجوج ماجوج کے لئے لفظ فُتِحَتْ یعنی کھولنا استعمال فرمایا گیا ہے جس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ اس وقت سے پہلے وہ کسی بندش اور رکاوٹ میں رہیں گے قرب قیامت کے وقت جب اللہ تعالیٰ کو ان کا نکلنا منظور ہوگا تو یہ بندش راستے سے ہٹا دی جائے گی۔ اور ظاہر قرآن کریم سے یہ کہ یہ رکاوٹ سید ذوالقرنین ہے جو قرب قیامت میں ختم ہو جائے گی خواہ اس سے پہلے بھی وہ ٹوٹ چکی ہو مگر ان کے لئے بالکل راستہ ہموار اسی وقت ہوگا۔ سورہ کہف میں یاجوج ماجوج اور سید ذوالقرنین کے محل وقوع اور دوسرے متعلقہ مسائل پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے وہاں دیکھ لیا جاوے۔

مِنْ حَذَابٍ يَنْشِلُونَ، لفظ حَذَابٌ ہر اونچی جگہ کو کہا جاتا ہے وہ بڑے پہاڑوں یا چھوٹے چھوٹے ٹیلے۔ سورہ کہف میں جہاں یاجوج ماجوج کے محل وقوع پر گفتگو کی گئی ہے اس معلوم ہو چکا ہے کہ ان کی جگہ دنیا کے شمالی پہاڑوں کے پیچھے ہے اس لئے خروج کے وقت اسی طرف



سے پہاڑوں ٹیلوں سے اُمنڈتے ہوئے نظر آئیں گے۔

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبٌ جَهَنَّمُ، یعنی تم اور تمہارے معبود بجز اللہ کے سب کے سب جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ اس آیت میں تمام معبوداتِ باطلہ جن کی ناجائز پرستش کفار کے مختلف گروہوں نے دنیا میں کی سب کا جہنم میں داخل ہونا بیان فرمایا گیا ہے اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ناجائز عبادت تو حضرت یسوع اور عزیٰز اور فرشتوں کی بھی کی گئی ہے تو سب کے جہنم میں جائیگا کیا مطلب ہوگا؟ اسکا جواب حضرت ابن عباسؓ نے دیا ہے اُن کی روایت تفسیر قرطبی میں اس طرح ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قرآن کی ایک آیت ایسی ہے جس میں لوگ شبہات کرتے ہیں مگر عجیب اتفاق ہے کہ اسکے متعلق لوگ مجھ سے سوال نہیں کرتے، معلوم نہیں کہ شبہات کا جواب ان لوگوں کو معلوم ہو گیا ہو اسلئے سوال نہیں کرتے یا انھیں شبہ اور جواب کی طرف التفات ہی نہیں ہوا۔ لوگوں نے عرض کیا وہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ آیت إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ الْآیۃ ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو کفار قریش کو سخت ناگوار ہوا اور کہنے لگے کہ اس میں تو ہمارے معبودوں کی سخت توہین کی گئی ہے یہ لوگ (عالمِ اہل کتاب) ابن الزبیری کے پاس گئے اور اس کی شکایت کی اُس نے کہا کہ اگر میں وہاں موجود ہوتا تو ان کو اسکا جواب دیتا۔ ان لوگوں نے پوچھا کہ آپ کیا جواب دیتے، اسنے کہا کہ میں اُن سے کہتا کہ نصاریٰ حضرت یسوع علیہ السلام کی اور یہود حضرت عزیٰز علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں اُن کے بارے میں آپؐ کیا کہیں گے؟ کیا معاذ اللہ وہ بھی جہنم میں جائیں گے؟ کفار قریش یہ سن کر بڑے خوش ہوئے کہ واقعی یہ بات تو ایسی ہے کہ محمدؐ (صلی علیہ وسلم) اسکا کوئی جواب نہیں دے سکتے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جو آگے آتی ہے إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰی أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ، یعنی جن لوگوں کے لئے ہماری طرف بھلائی اور اچھا نتیجہ مقدر ہو چکا ہے وہ اس جہنم سے بہت دُور رہیں گے۔

اور اسی ابن الزبیری کے متعلق قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی وَكَمَا ضَرَبَ ابْنُ قُرَيْشٍ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ، یعنی جب ابن زبیری نے حضرت ابن مریم کی مثال پیش کی تو آپؐ کی قوم کے لوگ قریش خوشی سے شور مچانے لگے۔

لَا يَخْذُ نَفْسُهُمْ الْفَنَاءُ الْآخِرُ، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ فزع اکبر سے مراد صور کا نفخہ ثانیہ ہے جس سے سب مردے زندہ ہو کر حساب کے لئے کھڑے ہوں گے بعض حضرات نے نفخہ اولیٰ کو فزع اکبر قرار دیا ہے۔ ابن عربی کا قول یہ ہے کہ نفحات تین ہوں گے پہلا نفخہ فزع فزع ہوگا جس سے ساری دنیا کے لوگ گھبرا اٹھیں گے اسی کو یہاں فزع اکبر کہا گیا ہے۔ دوسرا نفخہ نفخہ صغریٰ ہوگا جس سے سب مردے گئے اور فنا ہو جائیں گے، تیسرا نفخہ نفخہ بعث ہوگا جس سے سب مردے زندہ ہو جائیں گے اس کی شہادت میں مسند ابویعلیٰ اور بیہقی، عبد بن حمید، ابوالشیخ، ابن جریر طبری



وغیرہ سے حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث نقل کی گئی ہے (مظہری) واللہ اعلم۔

یَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّبِ التَّيْبِ لِلْكَتِيبِ لفظ مجمل کے معنی حضرت ابن عباسؓ سے صحیفہ کے منقول ہیں علی بن طلحہ - عوفی - مجاہد - قتادہ وغیرہ نے بھی یہی معنی بیان کئے ہیں۔ ابن جریر ابن کثیر وغیرہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور کتب اس جگہ بمعنی المکتوب ہے معنی یہ ہیں کہ آسمان کو اس طرح لپیٹ دیا جائیگا جس طرح کوئی صحیفہ اپنے اندر رکھی ہوئی تحریر کیساتھ لپیٹ دیا جاتا ہے (لذا قالہ ابن کثیر و ذکرہ فی المروح) مجمل کے متعلق دوسری روایات کہ وہ کسی شخص یا فرشتہ کا نام ہے محدثین کے نزدیک ثابت نہیں (فصلہ ابن کثیر) آیت کے مفہوم کے متعلق صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز سب زمینوں اور آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے ہاتھ میں رکھیں گے ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ساتوں آسمانوں کو انکے اندر کی تمام مخلوقات کیساتھ اور ساتوں زمینوں کو انکی تمام مخلوقات کے ساتھ لپیٹ کر ایک جگہ کر دیں گے اور وہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ایک رائی کے دانے کی مثل ہوں گے (ابن کثیر)

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ آلِ إِبْرَٰهٖمَ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا عِبَادِيَ الْغَافِلُونَ

لفظ زبور، زبور کی جمع ہے جس کے معنی کتاب کے ہیں اور زبور اس خاص کتاب کا نام بھی ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ اس جگہ زبور سے کیا مراد ہے اس میں اقوال مختلف ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت میں یہ ہے کہ ذکر سے مراد آیت میں تورات ہے اور زبور سے مراد وہ سب کتابیں ہیں جو تورات کے بعد نازل ہوئیں۔ انجیل۔ زبور۔ داؤد۔ اور قرآن (آخر حصہ ابن جریر) یہی تفسیر ضحاک سے بھی منقول ہے۔ اور ابن زید نے فرمایا کہ ذکر سے مراد نوح محفوظ ہے اور زبور سے مراد تمام کتابیں جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی ہیں۔ زجاج نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (روح المعانی)

الارض، اس جگہ ارض سے مراد جہود مفسرین کے نزدیک ارض جنت ہے۔ ابن جریر نے ابن عباسؓ سے یہ تفسیر نقل کی ہے اور یہی تفسیر مجاہد۔ ابن جبر۔ عکرمہ۔ سدی اور ابوالعالیہ بھی منقول ہے۔ امام رازی نے فرمایا کہ قرآن کی دوسری آیت اسی کی مؤید ہے جس میں فرمایا ہے **وَأَرْضَنَا الْأَرْضِ نَنُورُ الْأَمْنِ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ** اور آیت میں جو یہ فرمایا کہ اس ارض کے وارث صالحین ہوں گے یہ بھی اسی کا قرینہ ہے کہ ارض سے ارض جنت مراد ہو۔ دنیا کی زمین کے وارث تو مؤمن کافر بھی ہو جاتے ہیں۔ نیز یہ کہ یہاں صالحین کا وارث ارض ہونا ذکر قیامت کے بعد آیا ہے اور قیامت کے بعد جنت کی زمین کے سوا کوئی دوسری زمین نہیں۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس ارض سے مراد عام ارض ہے دنیا کی زمین بھی اور جنت کی زمین



بھی جنت کی زمین کے تو تنہا وارث صالحین ہونا ظاہر ہے۔ دنیا کی پوری زمین کے وارث ہونا بھی ایک وقت میں مومنین صالحین کے لئے موعود ہے جس کی خبر قرآن کریم کی متعدد آیات میں دی گئی ہے۔ ایک آیت میں ہے، **إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ**، ایک دوسری آیت میں ہے **وَعَلَى اللَّهِ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لِيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ**، تیسری ایک آیت میں **إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ**، مومنین صالحین کا دنیا کے منظم سمورہ پر قابض اور وارث ہونا ایک مرتبہ دنیا پہلے مشاہدہ کر چکی ہے اور زمانہ دراز تک یہ صورت قائم رہی اور پھر مہدی علیہ السلام کے زمانے میں ہونے والی ہے (روح المعانی دابن کشیر)

**إِنَّ فِي هَذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ غَبِيٍّ ۝ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً**

اس میں مطلب کو پہنچتے ہیں لوگ بندگی والے اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو بہرانی کر کر

**لِّلْعَالَمِينَ ۝ قُلْ إِنَّمَا يُوحِي إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ ۖ فَهَلْ**

جہان کے لوگوں پر تو کہہ تجھ کو تو حکم ہی آیا ہے کہ معبود تمہارا ایک معبود ہے پھر کیا ہو

**أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ أَذْنُكُمْ عَلَى سَوَاءٍ ۖ وَإِنْ**

تم حکم برداری کرنے والے پھر اگر وہ منہ موڑیں تو تو کہہ دے میں نے خبر کر دی تم کو دونوں طرف برابر اور

**أَدْرِي أَقْرَبُ أَمْ بَعِيدُ ۚ مَا تُوعَدُونَ ۝ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ**

میں نہیں جانتا نزدیک ہے یا دور ہے جو تم سے وعدہ ہوا وہ رب جانتا ہے جو بات

**مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تُكْتُمُونَ ۝ وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ**

پکار کر کرو اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور میں نہیں جانتا شاید تاخیر میں تمکو جانچنا ہے

**لَكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ قُلْ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ ۖ وَرَبُّنَا**

اور فائدہ دینا ہے ایک وقت تک رسول نے کہا اے رب فیصلہ کر انصاف کا اور رب ہمارا

**الرَّحْمَنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۝**

رحمن ہے اسی سے مدد مانگتے ہیں ان باتوں پر جو تم بتلاتے ہو

### خلاصہ تفسیر

بلاشبہ اس (قرآن یا اس کے جزر یعنی سورت مذکورہ) میں کافی مضمون ہے ان لوگوں کے لئے جو عبادت کرنے والے ہیں (اور جو عبادت اور اطاعت سے سرکشی کرنے والے ہیں یہ ہدایت تو ان کے لئے بھی ہے مگر انہیں ہدایت کی طلب نہیں، اس لئے اس کے فائدے سے محروم ہیں، اور ہم نے آپ کو کسی اور بات



کے واسطے (رسول بنا کر) نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں پر (اپنی) مہربانی کرنے کے لئے (وہ مہربانی یہی ہے کہ لوگ رسول سے ان مضامین کو قبول کریں اور ہدایت کے ثمرات حاصل کریں اور جو قبول نہ کرے وہ اس کا قصور ہے اُس سے اس مضمون کی صحت میں کوئی فرق نہیں پڑتا) آپ ان لوگوں سے (بطور خلاصہ کلام کے مکرر) فرما دیجئے کہ میرے پاس تو (موحّدین اور مشرکین کے باہمی اختلاف کے بارے میں) صرف یہ وحی آئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے تو (اس کی حقانیت ثابت ہو جانے کے بعد) اب بھی تم مانتے ہو (یا نہیں یعنی اب تو مان لو) پھر بھی اگر یہ لوگ (اسکے قبول کرنے سے) سرتابی کریں تو آپ (بطور اتمام حجت کے) فرما دیجئے کہ میں تم کو نہایت واضح اطلاع کر چکا ہوں (جس میں ذرّہ برا برفضاد پوشیدگی نہیں رہی تو حید اور حقانیت اسلام کی اطلاع بھی اور اسکے انکار پر جو سزا ملیگی وہ بھی صاف صاف بیان ہو چکی ہے اب نہ مجھ پر تبلیغ حق کی کوئی ذمہ داری باقی رہی نہ تمہارا کوئی عذر باقی رہا) اور اگر (اسکے حق ہونے میں تم کو اس وجہ سے شبہ ہو کہ جو سزا بتلائی گئی ہے وہ بل کیوں نہیں جاتی تو سمجھ لو کہ سزا کا ملنا تو یقینی ہے مگر میں یہ نہیں جانتا کہ جس (سزا) کا تم سے وعدہ ہوا ہے آیا وہ قریب (واقع ہونیوالی ہے) یا دور دراز (زمانے میں واقع ہونے والی) ہے (البتہ اسکا واقع ہونا ضروری ہے کیونکہ) اللہ تعالیٰ کو (تمہاری) پکار کر کہی ہوئی بات کی بھی خبر ہے اور جو تم دل میں رکھتے ہو اُس کی بھی خبر ہے اور (تاخیر عذاب کے اسکے واقع نہ ہونے کے دھوکے میں نہ رہنا یہ تاخیر کسی مصلحت و حکمت سے ہوتی ہے) میں نہیں جانتا (کہ وہ مصلحت کیا ہے ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ) شاید (یہ تاخیر عذاب) تمہارے لئے امتحان ہو (کہ شاید متنبہ ہو کر ایمان لے آویں) اور ایک وقت (محدود یعنی موت کے وقت) فائدہ پہنچانا ہو (کہ خوب غفلت بڑھے اور عذاب بڑھتا چلا جائے۔ پہلا معاملہ یعنی امتحان رحمت ہے اور دوسرا معاملہ یعنی عمر دراز اور اُس کی سہولتیں دینا یہ عقوبت و سزا ہے) اور جب ان سب مضامین سے ہدایت نہ ہوئی تو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے (باذن الہی) کہا کہ اے میرے رب (ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان) فیصلہ کر دیجئے (جو کہ ہمیشہ) حق کے موافق (ہوا کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ علی فیصلہ فرما دیجئے کہ مسلمانوں سے جو فتح و نصرت کے وعدے ہیں وہ واقع کر دیجئے تاکہ اُن پر اور زیادہ حجت تمام ہو جائے) اور (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے یہ بھی فرمایا کہ) ہمارا رب بڑا مہربان ہے جس سے اُن باتوں کے مقابلے میں مدد چاہی جائے جو تم بنایا کرتے ہو (کہ مسلمان جلد نیست و نابود ہو جائیں گے یعنی ہم اُسی مہربان رب سے تمہارے مقابلے میں مدد چاہتے ہیں)۔

## معارف و مسائل

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ، عالمین عالم کی جمع ہے جس میں ساری مخلوقات



انسان، جن، حیوانات، نباتات، جمادات سبھی داخل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سب چیزوں کے لئے رحمت ہونا اس طرح ہے کہ تمام کائنات کی حقیقی روح اللہ کا ذکر اور اس کی عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت زمین سے یہ روح نکل جائے گی اور زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا تو ان سب چیزوں کی موت یعنی قیامت آجائیگی اور جب ذکر اللہ عبادت کا ان سب چیزوں کی روح ہونا معلوم ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سب چیزوں کے لئے رحمت ہونا خود بخود ظاہر ہو گیا۔ کیونکہ اس دنیا میں قیامت تک ذکر اللہ اور عبادت آپ ہی کے دم قدم اور تعلیمات سے قائم ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انا رحمة مھلکة میں اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی رحمت ہوں۔ (بخاری، ابن عساکر عن ابی ہریرۃ) اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا رحمة مھلکة برفع قوم وخفض اخرین، یعنی میں اللہ کی بھیجی ہوئی رحمت ہوں تاکہ اللہ کے حکم ماننے والی ایک قوم کو سر بلند کر دوں اور دوسری قوم (جو اللہ کا حکم ماننے والی نہیں نکو) پست کر دوں (ابن کثیر)۔

اس سے معلوم ہوا کہ کفر و شرک کو مٹانے کیلئے کفار کو پست کرنا اور ان کے مقابلے میں جہاد کرنا بھی عین رحمت ہے جس کے ذریعہ سرکشوں کو ہوش آکر ایمان اور عمل صالح کا پابند ہو جانے کی اُمید کی جاسکتی ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

تَعْرِيفُ سُوْرَةِ الْاَنْبِيَاءِ وَاللّٰهُ الْحَمْدُ لِكَلِمَةِ السَّلَامِ وَالْعَشْرِيْنَ مِنْ  
ذِي الْحِجَّةِ الْحَرَامِ سَنَةِ ١٣٩٠ هـ مِنَ الْهَجْرَةِ النَّبَوِيَّةِ قَبْلَ الْعِشَاءِ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلًا  
وَاٰخِرًا وَظَاهِرًا وَبَاطِنًا وَهُوَ الْحَقُّ لَا تَمَّامُ الْبَاقِ وَمَا ذَلِكُ عَلَيَّهِ بِعَزِيْزٍ  
رَّبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ





## سُورَةُ الْحَجِّ

سُورَةُ الْحَجِّ بِدَنِيَّةٍ وَهِيَ ثَمَانٌ وَسِتُّونَ آيَةً وَعَشْرُ رُكُوعَةٍ  
سُورَةُ حَجِّ مدینہ میں نازل ہوئی اور اسکی انتہر آیتیں ہیں اور دس رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ①

لوگو! ڈرو اپنے رب سے بیشک بھونچال قیامت کا ایک بڑی چیز ہے

يَوْمَ تَرَوُنَّهَا تُنْهَلُّ هَلْ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ

جس دن اسکو دیکھو گے بھول جائے گی ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پلانے کو اور ڈال دے گی

كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلُهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَ مَا هُمْ

ہر پیٹ والی اپنا پیٹ اور تو دیکھے لوگوں پر نشہ اور اُن پر

بِسُكَارَى وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ②

نشہ نہیں پر آفت اللہ کی سخت ہے

### خلاصہ تفسیر

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو (اور ایمان و اطاعت اختیار کرو کیونکہ) یقیناً قیامت کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہوگی (جسکا آنا ضروری ہے اُس روز کے شدائد سے بچنے کی اب فکر کرو جسکا طریقہ تقویٰ ہے آگے اس زلزلہ کی شدت کا بیان ہے) جس روز تم لوگ اس (زلزلہ) کو دیکھو گے اُس روز (یہ حال ہوگا کہ) تمام دودھ پلانے والیاں (مہبت و دہشت کی وجہ سے) اپنے دودھ پیتے (بچہ) کو بھول جا دیں گی اور تمام حمل والیاں اپنا حمل (دن پورے ہونے سے پہلے) ڈال دیں گی اور بچہ کو (اے مخاطب) لوگ نشہ کی سی حالت میں دکھائی دیں گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے (کیونکہ وہاں کسی نشہ کی چیز استعمال کرنے کا کوئی امکان و احتمال ہی نہیں) لیکن اللہ کا عذاب



ہی سخت چیز ہے (جس کے خوف کی وجہ سے اُن کی حالت نشہ والے کی سی ہو جاوے گی)۔

## معارف و مسائل

**خصوصاً سورت** | اس سورت کے کئی یا مدنی ہونے میں مفسرین کا اختلاف ہے حضرت ابن عباسؓ ہی سے دونوں روایتیں منقول ہیں۔ جہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ سورت آیات مکہ اور مدینہ سے مخلوط سورت ہے۔ قرطبی نے اسی کو واضح قرار دیا ہے۔ نیز فرمایا کہ اس سورت کے عجائب میں سے یہ بات ہے کہ اس کی آیات کا نزول بعض کرات میں، بعض کا دن میں، بعض کا سفر میں، بعض کا حضر میں، بعض کا مکہ میں، بعض کا مدینہ میں، بعض کا جنگ و جہاد کے وقت اور بعض کا صلح و امن کی حالت میں ہوا ہے اور اس میں بعض آیتیں ناسخ ہیں اور بعض منسوخ، بعض محکم ہیں بعض متشابہ کیونکہ تمام اصناف تنزیل پر مشتمل ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ، یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بحالت سفر نازل ہوئی تو آپ نے بلند آواز سے اس کی تلاوت شروع فرمائی۔ رفقاء سفر صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنکر جمع ہو گئے۔ آپ نے صحابہ کرام کو خطاب کر کے فرمایا کہ زلزلہ قیامت جس کا ذکر اس آیت میں ہے آپ جانتے ہیں کہ کس دن میں ہوگا صحابہ کرام نے عرض کیا اللہ اور رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ وہ دن ہوگا جس میں اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے خطاب کر کے فرما دیں گے کہ جہنم میں جانے والوں کو اٹھائیے۔ آدم علیہ السلام دریافت کریں گے کہ وہ جہنم میں جانے والے کون لوگ ہیں تو حکم ہوگا کہ ہر ایک ہزار میں نو سو ننانوے، اور فرمایا کہ یہی وہ وقت ہوگا کہ بول اور خوف سے بچے بوڑھے ہو جاویں گے اور چل والی عورتوں کا حمل ساقط ہو جاوے گا۔ صحابہ کرام یہ سنکر ہم گئے اور پوچھنے لگے پھر یا رسول اللہ ہم میں سے وہ کون ہوگا جو نجات پائے تو فرمایا کہ تم بے فکر رہو جہنم میں جانے والا یا جوج ماجوج میں سے ایک ہزار اور تم میں سے ایک ہوگا۔ مضمون صحیح مسلم وغیرہ کی روایات میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور بعض روایات میں ہے کہ اُس روز تم ایسی دو مخلوقوں کے ساتھ ہو گے کہ وہ جب کسی جماعت کے ساتھ ہوں تو وہی تعداد میں غالبہ اکثر رہیں گے۔ ایک یا جوج ماجوج اور دوسرے ابلیس اور اس کی ذریت اور اولاد آدم میں سے جو لوگ پہلے مر چکے ہیں (اس لئے نو سو ننانوے میں بڑی تعداد انھیں کی ہوگی)، تفسیر قرطبی وغیرہ میں یہ سب روایات نقل کی ہیں۔

زلزلہ قیامت کب ہوگا | قیامت قائم ہونے اور لوگوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے بعد یا اس سے پہلے، بعض نے فرمایا کہ یہ قیامت سے پہلے اسی دنیا میں ہوگا اور قیامت کی آخری علامت میں



شمار ہوگا جس کا ذکر قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں آیا ہے۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا۔ وَ  
 جُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْجًا وَغَيْرَہ۔ اور  
 بعض حضرات نے حدیث مذکور جس میں آدم علیہ السلام کو خطاب کرنے کا ذکر ہے اس سے استدلال  
 کرتے ہوئے یہ قرار دیا ہے کہ زلزلہ حشر و نشر اور دوبارہ زندہ ہونے کے بعد ہوگا۔ اور حقیقت یہ ہے  
 کہ دونوں میں کوئی منافات نہیں۔ قیامت سے پہلے زلزلہ ہونا بھی آیات قرآن اور احادیث صحیحہ سے  
 ثابت ہے اور حشر و نشر کے بعد ہونا اس حدیث مذکور سے ثابت ہے وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

اس زلزلہ قیامت کی جو کیفیت آگے آیت میں ذکر کی گئی ہے کہ تمام حمل والی عورتوں کے حمل  
 ساقط ہو جائیں گے اور دودھ پلانے والی عورتیں اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جا دیں گی۔ اگر یہ  
 زلزلہ اسی دنیا میں قبل القیامت ہے تو ایسا واقعہ پیش آنے میں کوئی اشکال نہیں اور اگر حشر و نشر  
 قیامت کے بعد ہے تو اس کی توجیہ یہ ہوگی کہ جو عورت اس دنیا میں حالت حمل میں مری ہے قیامت  
 کے روز اسی حالت میں اسکا حشر ہوگا۔ اور جو دودھ پلانے کے زمانے میں مر گئی ہے وہ اسی طرح  
 بچے کے ساتھ اٹھائی جائے گی (کما ذکرہ القطبی) وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ

اور بعض لوگ وہ ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں بے خبری سے اور پیروی کرتا ہے

شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ ۝ كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ

ہر شیطان سرکش کی جس کے حق میں لکھ دیا گیا ہے کہ جو کوئی اسکا رفیق ہو سو وہ اسکو بہکائے

وَيَهْدِيهِ إِلَى عَذَابِ السَّعِيرِ ۝ يَأَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي

اور لے جائے عذاب میں دوزخ کے اے لوگو اگر تم کو

رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّن نَّرٍ ۖ ثُمَّ نَمِّنُ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ

دھوکا ہے جی اٹھنے میں تو ہم نے تم کو بنایا مٹی سے پھر قطرہ سے پھر

مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِّن مَّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ

جسے ہوئے خون سے پھر گوشت کی بوٹی نقشہ بنی ہوئی سے اور بدون نقشہ بنی ہوئی سے اسلئے کہ تمکو کھڑکڑنا دیں

وَنُقَرِّرُ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ

اور ٹھہرا رکھتے ہیں ہم ہیٹ میں جو کچھ چاہیں ایک وقت میں تک پھر تم کو نکالتے ہیں

طِفْلًا ثُمَّ لَتَبْلُغُوا أَشَدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ

لڑکا پھر جب تک کہ پہنچو اپنی جوانی کے زور کو اور کوئی تم میں سے قبضہ کر لیا جاتا ہے اور کوئی تم میں سے



مَنْ يَرُدُّ إِلَىٰ أَرْدَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ط وَ

بھر چلایا جاتا ہے۔ نکتی عمر تک تاکہ سمجھنے کے پیچھے کچھ نہ سمجھنے لگے اور

تَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً ۖ فَلَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَ

تو دیکھتا ہے زمین خراب پڑی ہوئی پھر جہاں ہم نے اُنار اُس پر پانی تازی ہو گئی اور

رَبَّتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ رَوْحٍ ۖ يَخْرِجُ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ

انجھری اور اُگائیں ہر قسم قسم رونق کی چیزیں یہ سب کچھ اس واسطے کہ اللہ ہی ہے

الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ ۚ وَآتَتْهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

محقق اور وہ چلاتا ہے مردوں کو اور وہ ہر چیز کر سکتا ہے اور

أَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ ۖ لَا رَيْبَ فِيهَا ۚ وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۝

یہ کہ قیامت آتی ہے اس میں دھوکا نہیں اور یہ کہ اللہ اُٹھائے گا قبروں میں بڑے ہوؤں کو

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا

اور بعضا شخص وہ ہے جو جھگڑاتا ہے اللہ کی بات میں بغیر جانے اور بغیر دلیل اور ہدایت

كِتَابٍ مُّنِيرٍ ۝ ثَانِيَ عِطْفِهِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فِي الدُّنْيَا

روشن کتاب کے اپنی گردن موڑ کر تاکہ بہکائے اللہ کی راہ سے اُس کے لئے دُنیا میں

خِزْيٌ وَنُزِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ عَذَابُ الْحَرِيقِ ۝ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ

رُسوای ہے اور چھائیں گے ہم اُس کو قیامت کے دن جلن کی مار یہ اس کی وجہ سے جو آگے

يَدَاكَ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝

بھیج چکے تیرے دو ہاتھ اور اس وجہ سے کہ اللہ نہیں ظلم کرتا بندوں پر

## خلاصہ تفسیر

اور بعض آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں (یعنی اسکی ذات یا صفات یا افعال کے متعلق) بے جانے بوجھے جھگڑا کرتے ہیں اور ہر شیطان سرکش کے پیچھے ہو لیتے ہیں (یعنی گمراہی کی ایسی قابلیت ہے کہ جو شیطان جس طرح بہکا دے اُسکے بہکانے میں آ جاتا ہے پس اس شخص میں انتہائی درجہ کی ضلالت ہوئی کہ اس پر ہر شیطان کی دسترس ہو جاتی ہے جس کی نسبت (خدا کے یہاں سے) یہ بات لکھی جا چکی ہے (اور طے ہو چکی ہے) کہ جو شخص اس سے تعلق رکھ گیا (یعنی اسکا اتباع کر گیا) تو اسکا کام ہی یہ ہے کہ وہ اسکو (راہ حق سے) بے راہ کر دیگا اور اسکو عذاب دوزخ کا راستہ دکھلا دیگا (آگے ان مجادلین کو خطاب ہے کہ) اے لوگو اگر تم (قیامت کے روز) دوبارہ زندہ ہونے (کے امکان) سے شک میں ہو تو (ذرا مضمون



آئندہ میں غور کر لو تاکہ شک رفع ہو جائے اور وہ یہ کہ ہم نے (اصل بار) تم کو مٹی سے بنایا (کیونکہ غذا جس سے لفظ بنتا ہے اول عناصر سے پیدا ہوتی ہے جس میں ایک جز مٹی بھی ہے) پھر لفظ سے (جو کہ غذا سے پیدا ہوتا ہے) پھر خون کے لو قشرے سے (کہ لفظ میں غلطی اور سُرخی آنے سے حاصل ہوتا ہے) پھر بوٹی سے (کہ علقہ میں سختی آجانے سے حاصل ہوتا ہے) کہ (بعضی) پوری ہوتی ہے (کہ اس میں پورے اعضاء بن جاتے ہیں) اور (بعضی) ادھوری بھی (ہوتی ہے) کہ بعض اعضاء ناقص رہ جاتے ہیں یہ اس طرح کی ساخت اور ترتیب اور تفاوت سے اس لئے بنایا تاکہ ہم تمہارے سامنے (اپنی قدرت) ظاہر کر دیں (اور اسی سے ظاہر ہے کہ وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے) اور (تمہارے مضمون کا یہ ہے جس سے اور زیادہ قدرت ظاہر ہوتی ہے کہ ہم (ماں کے) رحم میں جس (لفظ) کو چاہتے ہیں ایک مدت معین (یعنی وضع حمل کے وقت تک ٹھہرا رکھتے ہیں) اور جس کو ٹھہرانا نہیں چاہتے ہیں وہاں اسقاط ہو جاتا ہے) پھر (اس مدت معینہ کے بعد) ہم تم کو بچہ بنا کر (ماں کے پیٹ سے) باہر لاتے ہیں پھر (اس کے بعد تین قسمیں ہو جاتی ہیں ایک قسم یہ کہ تم میں سے بعض کو جوانی تک ہلت دیتے ہیں) تاکہ تم اپنی بھری جوانی (کی عمر) تک پہنچ جاؤ اور بعض تم میں وہ بھی ہیں جو (جوانی سے پہلے ہی) مرتبے ہیں (یہ دوسری قسم ہوئی) اور بعض تم میں وہ ہیں جو (کچھ عمر) (یعنی زیادہ بڑھاپے) تک پہنچا دیے جاتے ہیں جس کا اثر یہ ہے کہ ایک چیز سے باخبر ہو کر پھر بے خبر ہو جاتے ہیں (جیسا اکثر بوڑھوں کو دیکھا کہ ابھی ایک بات بتلائی اور ابھی پھر پوچھ رہے ہیں۔ یہ تیسری قسم ہوئی یہ سب احوال بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کی نشانیاں ہیں ایک استدلال تو یہ تھا) اور (آگے دوسرا استدلال ہے کہ) اے مخاطب تو زمین کو دیکھتا ہے کہ خشک (پڑی) ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم (یعنی قسم قسم کی خوشنما نباتات اُگاتی ہے) سو یہ بھی دلیل ہے قدرت کاملہ کی آگے استدلال کو اور واضح کرنے کے لئے تصرفات مذکورہ کی علت اور حکمت کا بیان فرماتے ہیں (یہ) جو کچھ اوپر دونوں استدلالوں کے ضمن میں اشیاء مذکورہ کا ایجاد و اظہار مذکور ہوا یہ سب اس سبب سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہستی میں کامل ہے (یہ تو اس کا کمال ذاتی ہے) اور وہ ہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے (یہ اس کا کمال فعلی ہے) اور وہی ہر چیز پر قادر ہے (یہ اس کا کمال وصفی ہے) اور یہ تینوں امور ملکر امور مذکورہ کی علت ہیں کیونکہ اگر کمالات ثلاثہ میں سے ایک بھی غیر متحقق ہوتا تو ایجاد نہ پایا جاتا چنانچہ ظاہر ہے) اور (نیز اس سبب سے ہوا کہ) قیامت آنیوالی ہے اُس میں ذرا شبہ نہیں اور اللہ تعالیٰ (قیامت میں) قبر والوں کو دوبارہ پیدا کرے گا (یہ امور مذکورہ کی حکمت ہیں یعنی ہم نے وہ تصرفات مذکورہ اس لئے ظاہر کئے کہ اس میں منجملہ اور حکمتوں کے ایک حکمت اور غایت یہ تھی کہ ہم کو قیامت کا لانا اور مردوں کو زندہ کرنا منظور تھا تو ان تصرفات سے اُن کا امکان لوگوں پر ظاہر ہو جاوے گا پس ایجاد اشیاء مذکورہ کی تین علتیں اور دو حکمتیں مذکور ہوئیں



اور سبب بالمعنی الاعم سب کو عام ہوا اسلئے پانچ اللہ کی براء سبعیۃ سب پر داخل ہو گئی، اور (یہاں تک تو مجاہدین کی گمراہی اور اُس کے رد میں استدلال مذکور تھا آگے ان کا اضلال۔ یعنی دوسروں کو گمراہ کرنا۔ اور دونوں ضلال و اضلال کا وبال عظیم مذکور ہوتا ہے) بعضے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں (یعنی اسکی ذات یا صفات یا افعال کے مقدمہ میں) بددن واقفیت (یعنی علم ضروری) اور بددن دلیل (یعنی علم استدلالی عقلی) اور بددن کسی روشن کتاب (یعنی علم استدلالی نقلی) کے (اور دوسرے محقق کے اتباع و تقلید سے) تکبر کرتے ہوئے جھگڑا کرتے ہیں تاکہ (دوسرے لوگوں کو بھی) اللہ کی راہ سے (یعنی دین حق سے) بے راہ کر دیں ایسے شخص کے لئے دنیا میں رُسوائی ہے (خواہ کسی قسم کی رُسوائی ہو چنانچہ بعضے گمراہ قتل و قید وغیرہ سے ذلیل ہوتے ہیں بعضے مناظرہ اہل حق میں مغلوب ہو کر عقلا کی نظر میں بے عزت ہوتے ہیں) اور قیامت کے دن ہم اس کو جلتی آگ کا عذاب چکھا دیں گے (اور اُس سے کہا جاوے گا کہ یہ کیسے ہاتھ کے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے اور یہ بات ثلثت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ (اپنے) بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں (پس تجھ کو بلا جرم سنا نہیں دی گئی)۔

## معارف و مسائل

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُّجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ، یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی جو بڑا جھگڑا لہو تھا، فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں اور قرآن کو پچھلے لوگوں کے افسانے کہا کرتا تھا اور قیامت اور دوبارہ زندہ ہونیکا منکر تھا (کنز الدواعی ابن ابی حاتم عن ابی مالک۔ مظهری) نزول آیت کا اگرچہ ایک خاص شخص کے بارے میں ہوا مگر حکم اس کا سب کے لئے عام ہے جس میں اس طرح کی بُری خصلتیں پائی جائیں۔

بطن مادر میں تخلیق انسانی کے | قَالَا خَلَقْنَاكَ مَرَّةً ثَوَابًا، اس آیت میں بطن مادر کے اندر انسان درجات اور مختلف احوال کی تخلیق کے مختلف درجات کا بیان ہے۔ اس کی تفصیل صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے جو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اور وہ پچ بولنے والے اور سچے سمجھے جانے والے ہیں کہ انسان کا مادہ چالیس روز تک حم میں جمیع رہتا ہے پھر چالیس دن کے بعد علقہ یعنی منجھ خون بن جاتا ہے پھر چالیس ہی دن میں وہ مضغہ یعنی گوشت بن جاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونک دیتا ہے اور اُس کے متعلق چار باتیں اُسی وقت فرشتہ کو لکھوا دی جاتی ہیں۔ اول یہ کہ اس کی عمر کتنی ہے دوسرے رزق کتنا ہے، تیسرے عمل کیا کیا کر چکا، چوتھے یہ کہ انجام کار یہ شقی اور بدبخت ہوگا یا سعید خوش نصیب (قطبی)



دوسری ایک روایت میں جس کو ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی سے روایت کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ نطفہ جب کئی دور سے گزرنے کے بعد مضغہ گوشت بن جاتا ہے تو اس وقت وہ فرشتہ جو ہر انسان کی تخلیق پر مامور ہے وہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کرتا ہے يَا رَبِّ تُخَلِّقُ ادْغِيْرُ تَخْلُقُ (یعنی اس مضغہ سے انسان کا پیدا کرنا آپکے نزدیک مقدر ہے یا نہیں) اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب ملتا ہے کہ یہ غیر مخلقہ ہے تو رحم اسکو ساقط کر دیتا ہے تخلیق کے دوسرے مراتب تک نہیں پہنچتا اور اگر حکم ہوتا کہ یہ مخلقہ ہے تو پھر فرشتہ سوال کرتا ہے کہ لڑکا ہے یا لڑکی، اور شقی ہے یا سعید اور اس کی عمر کیا ہے اور اس کا عمل کیسا ہے اور کہاں مرے گا (یہ سب چیزیں اُسی وقت فرشتہ کو بتلا دی جاتی ہیں (ابن کثیر) مخلقہ و غیر مخلقہ کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے (قطبی)

تُخَلِّقُ وَادْغِيْرُ تَخْلُقُ، حدیث مذکور سے ان دونوں کی تفسیر یہ معلوم ہوئی کہ جس نطفہ انسانی کا پیدا ہونا مقدر ہوتا ہے وہ مخلقہ ہے اور جس کا ضائع اور ساقط ہو جانا مقدر ہے وہ غیر مخلقہ ہے اور بعض حضرات مفسرین مخلقہ اور غیر مخلقہ کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ جس بچے کی تخلیق مکمل اور تمام اعضاء صحیح سالم اور متناسب ہوں وہ مخلقہ اور جس کے بعض اعضاء قص ہوں یا قد اور رنگ وغیرہ غیر متناسب ہو وہ غیر مخلقہ ہے خلاصہ تفسیر مذکور میں اسی تفسیر کو لیا گیا ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا، یعنی پھر بطنِ مادر سے تم کو نکالتے ہیں طفل ضعیف کی صورت میں اُس کا بدن بھی کمزور ہوتا ہے سماعت و بصارت بھی۔ حواس و عقل بھی، حرکت و گرفت کی قوت بھی غرضیکہ سب قوتیں انتہائی ضعیف و کمزور ہوتی ہیں پھر تدریجاً اُن میں ترقی دی جاتی ہے یہاں تک کہ پوری قوت تک پہنچ جاتے ہیں ثُمَّ لَتَبْلُوْا اَشْدَّ كَرْهٍ کے یہی معنی ہیں۔ لفظ اشد، شدۃ کی جمع ہے جیسے النعم نعمة کی جمع آتی ہے معنی یہ ہوئے کہ تدریجی ترقی کا سلسلہ اس وقت تک چلتا رہتا ہے جب تک کہ تمہاری ہر قوت مکمل نہ ہو جائے جو جوانی کے وقت میں ہوتی ہے۔

اَزْ ذٰلِ الْعُمُرِ، یعنی وہ عمر جس میں انسان کے عقل و شعور اور حواس میں خلل آنے لگے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عمر سے پناہ مانگی ہے۔ نسائی میں بروایت سعد رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب ذیل الفاظ پر شتمل یہ دعا بکثرت مانگتے تھے اور راوی حدیث حضرت سعدؓ یہ دعا اپنی سب اولاد کو یاد کر دیتے تھے وہ دعا یہ ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبَحْلِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اُرْذَلَ اِلٰی اَزْ ذٰلِ الْعُمُرِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْیَا وَ عَذَابِ الْقَبْرِ (قطبی) انسان کی ابتدائی تخلیق کے بعد عمر | مسند احمد اور مسند ابویعلیٰ میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچہ جب تک بالغ نہیں ہوتا اس کے نیک عمل اس کے والدین کے حساب میں لکھے جاتے ہیں اور جو کوئی بُرا عمل کرے تو وہ نہ اس کے حساب



میں لکھا جاتا ہے نہ والدین کے، پھر جب وہ بالغ ہو جاتا ہے تو قلم حساب اسکے لئے جاری ہو جاتا ہے اور دو فرشتے جو اسکے ساتھ رہنے والے ہیں ان کو حکم دیدیا جاتا ہے کہ اسکی حفاظت کریں اور قوت بہم پہنچائیں جب حالت اسلام میں چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو (تین قسم کی بیماریوں سے) محفوظ کر دیتے ہیں یعنی جنون اور جذام اور برص سے۔ جب پچاس سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکا حساب ہلکا کر دیتے ہیں۔ جب ساٹھ سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی طرف رجوع کی توفیق دیدیتے ہیں۔ جب ستر سال کو پہنچتا ہے تو سب آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اسی سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے حسنات کو لکھتے ہیں اور سیئات کو معاف فرما دیتے ہیں پھر جب نوے سال کی عمر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسکے سب اگلی پھلے گناہ معاف فرما دیتے ہیں اور اس کو اپنے اہل بیت کے معاملے میں شفاعت کرنے کا حق دیتے ہیں اور اسکی شفاعت قبول فرماتے ہیں اور اسکا لقب امین اللہ اور اسیر اللہ فی الارض (یعنی زمین میں اللہ کا قیدی) ہو جاتا ہے (کیونکہ اس عمر میں پہنچ کر عموماً انسان کی قوت ختم ہو جاتی ہے کسی چیز میں لذت نہیں رہتی، قیدی کی طرح عمر گزارتا ہے اور جب ارذل عمر کو پہنچ جائے تو اسکے تمام وہ نیک عمل نامہ اعمال میں برابر لکھے جاتے ہیں جو اپنی صحت و قوت کے زمانے میں کیا کرتا تھا اور اگر اس سے کوئی گناہ ہو جاتا ہے تو وہ لکھا نہیں جاتا۔

یہ روایت حافظ ابن کثیر نے مسند ابو یعلیٰ سے نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے ہذا حدیث غریب جلا و فیہ نکارۃ شدیدۃ (یعنی یہ حدیث غریب ہے اور اس میں سخت نکارت ہے) پھر فرمایا ومع ہذا قد رواہ الامام احمد بن حنبل فی مسندہ موقوفاً و مرفوعاً (یعنی اس غرابت و نکارت کے باوجود امام احمد نے اپنی مسند میں اسکو موقوفاً اور مرفوعاً دونوں طرح روایت کیا ہے پھر ابن کثیر نے مسند احمد سے یہ دونوں قسم کی روایتیں نقل کی ہیں جنکا مضمون تقریباً وہی ہے جو بحوالہ مسند ابو یعلیٰ اد پر نقل ہوا ہے واللہ اعلم

ثانی عطفہ، عطف کے معنی جانب اور کر وٹ کے ہیں یعنی کر وٹ موڑنے والا۔ اس سے مراد اسکا اعراض کرنا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ ۖ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ

۱۰ بعضا شخص وہ ہے کہ بندگی کرتا ہے اللہ کی کنارے پر پھر اگر پہنچی اس کو بھلائی تو قائم ہو گیا اس عبادت

بہ ۱۱ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ أَلْقَىٰ الْقُلُوبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ ۖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ

۱۲ اور اگر پہنچ گئی اس کو جانچی پھر گیا اٹا اپنے منہ پر گنہوائی دنیا اور آخرت

ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ۝ ۱۱ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْصُرُهُ

یہی ہے ٹوٹا صریح پکارتا ہے اللہ کے سوائے ایسی چیز کو کہ نہ اسکا نقصان کرے



وَمَا لَا يَنْفَعُهُ ذَلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ۝ يَدْعُوا لِمَنْ ضَرُّهُ

اند نہ اسکا فائدہ کرے یہی ہے دور جا پڑنا گمراہ ہو کر پکارے جلتا ہے اسکو جن کا ضرر

أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ لِبَيْسِ الْمَوْلَىٰ وَلِبَيْسِ الْعَشِيرِ ۝

پہلے پہنچے نفع سے بیشک بُرا دوست ہے اور بُرا رشتہ

## خلاصہ تفسیر

اور بعض آدمی اللہ کی عبادت (ایسے طور پر) کرتا ہے (جیسے کوئی کسی چیز کے) کنارہ پر (کھڑا ہو اور موقع پا کر چلہ بنے پر تیار ہو) پھر اگر اس کو کوئی (دنیوی) نفع پہنچ گیا تو اس کی وجہ سے (ظاہری) قرار پایا اور اگر اُس پر کچھ آزمائش ہو گئی تو منہ اٹھا کر (کفر کی طرف) چل دیا (جس سے) دنیا و آخرت دونوں کو کھو بیٹھا یہی ہے کھلا نقصان (دنیا کا نقصان تو دنیاوی آزمائش جو کسی مصیبت سے ہوتی وہ ظاہری ہے اور آخرت کا نقصان یہ ہوا کہ اسلام اور) خدا کو چھوڑ کر اسی چیز کی عبادت کرنے لگا جو (استقرار عاجز اور بے بس ہو کر) نہ اس کو نقصان پہنچا سکتی ہے نہ نفع پہنچا سکتی ہے (یعنی اکی عبادت نہ کر و تو کوئی نقصان پہنچانے کی اور کرد تو نفع پہنچانے کی کوئی قدرت نہیں۔ ظاہر ہے کہ قادرِ مطلق کو چھوڑ کر ایسی بے بس چیز کو اختیار کرنا خسارہ ہی خسارہ ہے) یہ انتہا درجہ کی گمراہی ہے (صرف یہی نہیں کہ اس کی عبادت سے کوئی نفع نہ پہنچے بلکہ الٹا ضرر اور نقصان ہے کیونکہ) وہ ایسے کی عبادت کر رہا ہے کہ اسکا ضرر اسکے نفع سے زیادہ قریب ہے۔ ایسا کارساز بھی بُرا اور ایسا رفیق بھی بُرا جو کسی طرح کسی حال کسی کام نہ آئے کہ اسکو مولیٰ اور آقا بنا لویا دوست اور ساتھی بنا لوسی حال اُس سے کچھ نفع نہیں)۔

## معارف و مسائل

فَمَنْ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ، بخاری اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں مقیم ہو گئے تو بعض ایسے لوگ بھی آکر مسلمان ہو جاتے تھے (جن کے دل میں ایمان کی نچنگی نہیں تھی) اگر اسلام لائیکے بعد اسکی اولاد اور مال میں ترقی ہو گئی تو کہتا تھا کہ یہ دین اچھا ہے اور اگر اسکے خلاف ہوا تو کہتا تھا کہ یہ بُرا دین ہے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ یہ لوگ ایمان کے ایک کنارہ پر کھڑے ہیں۔ اگر ان کو ایمان کے بعد دنیوی راحت اور مال و سامان مل گیا تو اسلام پر جم گئے اور اگر وہ بطور آزمائش کسی تکلیف و پریشانی میں مبتلا ہو گئے تو دین سے پھر گئے۔



إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ

اللّٰہ داخل کرے گا اُن کو جو ایمان لائے اور کیں بھلائیاں باغوں میں بہتی ہیں

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ۱۳

نیچے اُن کے نہریں اللہ کرتا ہے جو چاہے جس کو یہ خیال ہو کہ

لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ

ہرگز نہ مدد کرے گا اُس کی اللہ دنیا میں اور آخرت میں تو تان لے ایک رستی آسمان کو

ثُمَّ لِيَقْطَعَ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُدْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ ۱۵ وَكَذَلِكَ

پھر کاٹ ڈالے اب دیکھ کچھ جاتا رہا اس کی اس تدبیر سے اس کا غصہ اور یوں اُتارا

أَنْزَلْنَاهُ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يُرِيدُ ۱۶

ہم نے یہ قرآن کھلی باتیں اور یہ ہے کہ اللہ سمجھا دیتا ہے جس کو چاہے

## خلاصہ تفسیر

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے (جنت کے) ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی (اور اللہ جس شخص یا قوم کو کوئی ثواب یا عذاب دینا چاہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں کیونکہ) اللہ تعالیٰ (قادر مطلق ہے) جو ارادہ کرتا ہے کرگزرتا ہے (اور جن لوگوں کے دین حق میں مجادلہ کر نیکا ذکر آیا ہے اگلی آیت میں اُن کی ناکامی اور محدودی کا بیان ہے فرمایا) جو شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخالفت اور مخالفت کر کے) اس بات کا خیال رکھتا ہو کہ (میں غالب آجاؤں گا اور آپ کے دین کی ترقی کو روک دوں گا اور یہ کہ) اللہ تعالیٰ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم کی) اور آپ کے دین کی) دنیا و آخرت میں مدد نہ کرے گا تو اس کو چاہیے کہ ایک رستی آسمان تک تان لے (اور آسمان سے باندھ دے) پھر (اس رستی کے ذریعہ اگر آسمان پر پہنچ سکے تو پہنچ جائے تاکہ) اس وحی کو موقوف کرا دے (اور ظاہر ہے کہ ایسا کوئی نہیں کر سکتا) تو پھر غور کرنا چاہیے آیا اس کی (یہ) تدبیر (جس سے بالکل عاجز ہے) اس کے غیظ و غضب کی چیز کو (یعنی وحی کو) موقوف کر سکتی ہے اور ہم نے اس (قرآن) کو اسی طرح اُتارا ہے کہ اس میں ہمارے ارادے اور قدرت کے سوا کسی کا دخل نہیں (جس میں کھلی کھلی دلیلیں (تیسین حق کی) ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔

## معارف و مسائل

مَنْ كَانَ يَظُنُّ، حاصل یہ ہے کہ اسلام کا راستہ روکنے والے معاند جو یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ



اپنے رسول اور اُسکے دین کی مدد نہ کرے اُن کو سمجھنا چاہیے کہ یہ تو جیسی ہو سکتا ہے جبکہ معاذ اللہ  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منصب نبوت سلب ہو جائے اور آپ پر وحی آنا منقطع ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ  
جس کو نبوت و رسالت سپرد فرماتا ہے اور اسکو وحی الہی سے نوازتا ہے اُسکی مدد تو دنیا و آخرت میں کرنے  
کا اُس کی طرف سے پختہ عہد ہے اور عقلاً بھی اُسکے خلاف نہ ہونا چاہیے تو جو شخص آپ کی اور آپ کے دین  
کی ترقی کو روکنا چاہتا ہے اُسکو اگر اُسکے قبضہ میں ہو تو ایسی تدبیر کرنا چاہیے کہ یہ منصب نبوت  
سلب ہو جائے اور وحی الہی منقطع ہو جائے۔ اس مضمون کو ایک فرض محال کے عنوان سے اس طرح  
تعبیر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی کو منقطع کر نیکام کام کرنا چاہتا ہے تو کسی طرح  
آسمان پر پہنچے وہاں جا کر اس سلسلہ وحی کو ختم کر دے۔ اور ظاہر ہے کہ نہ کسی کا اس طرح آسمان پر جانا ممکن  
نہ اللہ تعالیٰ سے قطع وحی کو کہنا ممکن تو پھر جب تدبیر کوئی کارگر نہیں تو اسلام و ایمان کے خلاف  
غیظ و غضب کا کیا نتیجہ؟ یہ تفسیر بعینہ درمنثور میں ابن زید سے روایت کی ہے اور میرے نزدیک  
سب سے بہتر اور صاف تفسیر ہے (بیان القرآن مع تسہیل)۔

قرطبی نے اسی تفسیر کو ابو جعفر نخاس سے نقل کر کے فرمایا کہ یہ سب سے احسن تفسیر ہے اور حضرت  
ابن عباسؓ سے بھی اس تفسیر کو نقل کیا ہے۔ اور بعض حضرات نے اس آیت کی تفسیر یہ کی ہے کہ  
سماں سے مراد اپنے مکان کی چھت ہے اور مراد آیت کی یہ ہے کہ اگر کسی معاند جاہل کی خواہش یہی ہے  
کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور اُسکے دین کی مدد نہ کرے اور وہ اسلام کے خلاف غیظ و غضب لئے ہوئے  
ہے تو سمجھ لے کہ اُسکی یہ مراد تو کبھی پوری نہ ہوگی اس احتمال غیظ و غضب کا تو علاج یہی ہے کہ چھت  
میں رسی ڈال کر پھاٹسی لیلے اور مرجائے۔ (منظہری وغیرہ)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَىٰ وَ

جو لوگ مسلمان ہیں اور جو یہود ہیں اور صابئین اور نصاریٰ اور

الْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُم يَوْمَ

مجوس اور جو شرک کرتے ہیں مقرر اللہ فیصلہ کرے گا ان میں قیامت

الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝۱۴ ۚ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ

کے دن اللہ کے سامنے ہے ہر چیز کو نے نہیں دیکھا کہ اللہ کو

يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ

سجدہ کرتا ہے جو کوئی آسمان میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے اور سورج اور چاند

وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ

اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت آدمی



وَكَثِيرٌ حَقٌّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ

اور بہت ہیں کہ اُن پر ٹھہر چکا عذاب اور جس کو اللہ ذلیل کرے اُسے کوئی نہیں عزت دینے والا

إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۝ (۱۸)

اللہ کرتا ہے جو چاہے

## خلاصہ تفسیر

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان اور یہود اور صابئین اور نصاریٰ اور مجوس اور شرکین، اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان میں قیامت کے روز (علی) فیصلہ کر دے گا کہ مسلمانوں کو جنت میں اور سب اقسام کافروں کو جہنم میں داخل کرے گا، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔

اے مخاطب کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے (اپنی اپنی حالت کے مطابق) سب عاجزی کرتے ہیں جو کہ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور تمام مخلوقات کے مطیع و فرمانبردار ہونے کے باوجود انسان جو خاص درجہ کی عقل بھی رکھتا ہے وہ سب کے سب مطیع و فرمانبردار نہیں بلکہ بہت سے (تو) آدمی بھی (اطاعت اور عاجزی کرتے ہیں) اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب کا استحقاق ثابت ہو گیا ہے اور (یہ ہے کہ) جس کو خدا ذلیل کرے (کہ اُسکو ہدایت کی توفیق نہ ہو) اُس کا کوئی عزت دینے والا نہیں (اور) اللہ تعالیٰ (کو اختیار ہے اپنی حکمت سے) جو چاہے کرے۔

## معارف و مسائل

پہلی آیت میں تمام اقوام عالم مؤمنین اور کفار پھر کفار کے مختلف القائد گروہوں کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کا فیصلہ فرما دیں گے اور وہ ہر ایک کے ظاہر و باطن سے باخبر ہیں۔ فیصلہ کیا ہو گا اسکا ذکر بار بار قرآن میں آچکا ہے کہ مؤمنین صالحین کے لئے ابدی اور لازوال راحت ہے اور کفار کے لئے دائمی عذاب۔ دوسری آیت میں تمام مخلوقات خواہ زندہ ذی روح ہوں یا جمادات نباتات سب کا حق تعالیٰ کے لئے مطیع اور فرمانبردار ہونا بعض ان سجدہ بیان فرما کر بنی نوع انسان کی دقتیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک مطیع و فرمانبردار سجدہ میں سب کے ساتھ شریک اور دوسرا سرکش باغی سجدہ سے منحرف۔ اور تابع فرمان ہونے کو سجدہ کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے جسکا ترجمہ خلاصہ تفسیر میں عاجزی کرنے سے کیا ہے تاکہ مخلوقات کی ہر نوع اور ہر قسم کے سجدہ کو شامل ہو جائے کیونکہ انہیں سے ہر ایک کا سجدہ اُس کے مناسب حال ہوتا ہے انسان کا سجدہ زمین پر پیشانی رکھنے کا نام ہے دوسری مخلوقات



کا سجدہ اپنی اپنی خدمت جس کے لئے اُن کو پیدا کیا گیا ہے اسکو انجام دینے کا اور خدمت کا حق ادا کرنا نام ہے تمام مخلوقات کے مطیع و فرمانبردار | تمام کائنات و مخلوقات کا اپنے خالق کے زیرِ حکم اور تابع مشیتِ مولا ایک ہونے کی حقیقت تو تکوینی اور تقدیری طور پر غیر اختیاری ہے جس سے کوئی بھی مخلوق مؤمن یا

کافر زندہ یا مردہ، جمادات یا نباتات مستثنیٰ نہیں اس حیثیت میں سب کے سب یکساں طور پر حق تعالیٰ کے زیرِ حکم و مشیت ہیں۔ جہاں کا کوئی ذرہ یا پہاڑ اُس کے اذن و مشیت کے بغیر کوئی ادنیٰ حرکت نہیں کر سکتا۔ دوسری اطاعت و فرمانبرداری اختیاری ہے کہ کوئی مخلوق اپنے قصد و اختیار سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرے اس میں مؤمن و کافر کا فرق ہوتا ہے کہ مؤمن اطاعت شعار فرمانبردار ہوتا ہے کافر اس سے منحرف اور منکر ہوتا ہے۔ اس آیت میں چونکہ مؤمن و کافر کا فرق بیان فرمایا ہے یہ قرینہ اسکا ہے کہ اس میں سجدہ اور فرمانبرداری سے مراد صرف تکوینی و تقدیری اطاعت نہیں بلکہ اختیاری اور ارادی اطاعت ہے۔ اس میں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اختیاری اور ارادی اطاعت تو صرف ذوی العقول انسان اور جن وغیرہ میں ہوتی ہے۔ حیوانات، نباتات، جمادات میں عقل و شعور ہی نہیں تو پھر قصد و ارادہ کہاں اُد اطاعت اختیاری کی کسی؟ کیونکہ قرآن کریم کی بے شمار نصوص اور تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ عقل و شعور اور قصد و ارادہ سے کوئی بھی مخلوق خالی نہیں، کمی بیشی کا فرق ہے۔ انسان اور جن کو اللہ تعالیٰ نے عقل و شعور کا ایک کامل درجہ عطا فرمایا ہے اور اسی لئے ان کو احکام امر و نہی کا مکلف بنایا گیا ہے ان کے سوا باقی مخلوقات میں سے ہر نوع اور ہر صنف کو اس صنف کی ضروریات کے موافق عقل و شعور دیا گیا، انسان کے بعد سب سے زیادہ یہ عقل و شعور حیوانات میں ہے اسکے دوسرے نمبر میں نباتات ہیں، تیسرے میں جمادات ہیں۔ حیوانات کا عقل و شعور تو عام طور پر محسوس کیا جاتا ہے نباتات کا عقل و شعور بھی ذرا سا غور و تحقیق کرنے والا پہچان لیتا ہے لیکن جمادات کا عقل و شعور اتنا کم اور مخفی ہے کہ عام انسان اس کو نہیں پہچان سکتے۔ مگر اُن کے خالق و مالک نے خبر دی ہے کہ وہ بھی عقل و شعور اور قصد و ارادہ کے مالک ہیں۔ قرآن کریم نے آسمان و زمین کے بارے میں فرمایا ہے قَالَتْ اَتَيْنَا طَائِعِينَ، یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو حکم دیا کہ تم کو ہمارے تابع فرمان رہنا ہے اپنی خوشی سے فرمانبرداری اختیار کرو ورنہ جبراً اور حکماً تابع رہنا ہی ہے تو آسمان و زمین نے عرض کیا کہ ہم اپنے ارادے اور خوشی سے اطاعت و فرمانبرداری قبول کرتے ہیں اور دوسری جگہ پہاڑ کے پتھروں کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ، یعنی بعض پتھر ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی خشیت و خوف کے مارے اوپر سے نیچے لڑھک جاتے ہیں۔ اسی طرح احادیث کثیرہ میں پہاڑوں کی باہم گفتگو اور دوسری مخلوقات میں عقل و شعور کی شہادتیں بکثرت ملتی ہیں۔ اس لئے اس آیت میں جس اطاعت و فرمانبرداری کو سجدہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے،



اس سے اطاعتِ اختیاری و ارادی مراد ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ نذیرِ انسان کے علاوہ (جن کے ضمن میں جنات بھی داخل ہیں) باقی تمام مخلوقات اپنے قصد و اختیار سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز یعنی تابع فرمان ہیں صرف انسان اور جن ایسے ہیں جنہیں دوحقہ ہو گئے ایک مومن و مطیع سجدہ گزار دوسرے کافر و نافرمان سجدہ سے منحرف جن کو اللہ نے ذلیل کر دیا ہے کہ انکو سجدہ کی توفیق نہیں بخشی واللہ اعلم

هٰذِهِ خَصْمَتَانِ اِخْتَصِمَا فِي رِزْقِهِمْ قَالَ يَنْ كَفَرُوا وَاقُطِعَتْ لَهُمْ

یہ دو مدعی ہیں جھگڑے ہیں اپنے رب پر سو جو منکر ہوئے اُن کے واسطے بیہوش ہیں

ثِيَابٌ مِنْ نَارٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ۱۹ يُصْهِرُ

کپڑے آگ کے ڈالتے ہیں اُن کے سر پر جلتا پانی نکل کر نیکل جاتا

بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ۲۰ وَلَهُمْ مَقَامِعٌ مِنْ حَدِيدٍ ۲۱

اس سے جو کچھ اُن کے پیٹ میں ہے اور کھال بھی اور اُن کے واسطے ہتھوڑے ہیں لوہے کے

كَلِمًا اَرَادُوا اَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اَعِيدُوا فِيهَا وَذُقُوا

جب چاہیں کہ نیکل پڑیں دوزخ سے گھٹنے کے مارے پھر ڈال دیئے جائیں اسکے اندر اور چکھتے رہو

عَذَابَ الْحَرِيقِ ۲۲ اِنَّ اللّٰهَ يَدْخُلُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا

جتنے کا عذاب بیشک اللہ داخل کرے گا اُن کو جو یقین لائے اور کیں

الصّٰلِحٰتِ جَنَّٰتٍ تَجْرٰى مِنْ تَحْتِهَا اَنْهٰرٌ يُحَلَوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ

بھلائیاں باغوں میں بہتی ہیں اُن کے نیچے نہریں گہنا بہنائیں گے اُن کو وہاں کسنگن

مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۲۳ وَهٰذَا اِلَى الطّٰيِبِ

سونے کے اور موتی اور اُن کی پوشاک ہے وہاں ریشم کی اور راہ پائی اُنہوں نے

مِنَ الْقَوْلِ ۲۴ وَهٰذَا اِلَى صِرَاطٍ مُّجِيْدٍ ۲۵

ستھری بات کی اور پائی اس تعریفوں والے کی راہ

## خلاصہ تفسیر

(جن کا ذکر اد پر آیت اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا میں ہوا ہے) یہ دو فریق ہیں (ایک مومن دوسرا کافر۔ پھر کافر مردہ کی کئی قسمیں ہیں۔ یہود، نصاریٰ، صابئین، مجوس اور بُت پرست) جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں (معتقد اور کبھی کبھی مباحثہ بھی) باہم اختلاف کیا (اس اختلاف کا فیصلہ قیامت میں اس طرح ہوگا کہ) جو لوگ کافر تھے اُن کے (پہننے کے لئے آگ کے کپڑے قطع کئے



جادیں گے (یعنی آگ اُن کے پورے بدن پر اس طرح محیط ہوگی جیسے لباس) اور اُن کے سر کے اُوپر سے تیز گرم پانی چھوڑا جائیگا جس سے اُن کے پیٹ کی چیزیں (یعنی آنتیں) اور کھالیں سب گل جادیں گی، (یعنی یہ کھوتا ہوا تیز پانی کچھ پیٹ کے اندر چلا جائیگا جس سے آنتیں اور پیٹ کے اندر کے سب اجزاء اعضاء گل جادیں گے کچھ اوپر پہنچے گا جس سے کھال گل جاوے گی) اور ان کے (مانے کے لئے) لوہے کے گرز ہونگے (اور اس مصیبت سے کبھی نجات نہ ہوگی) وہ لوگ جب (دوزخ میں) گھٹے گھٹے (گھبرا جائیں گے اور) اس سے باہر نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں دھکیل دیئے جادیں گے اور کہا جائیگا کہ جلنے کا عذاب (ہمیشہ کے لئے) چکھتے رہو (کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا اور) اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے (پہشت کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہونگی اُن کو وہاں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جادیں گے اور پوشاک اُن کی وہاں ریشم ہوگی اور (سیب انعام و کرام ان کے لئے اس سبب سے ہے کہ دُنیا میں اُن کو) کلمہ طیب (کے اعتقاد) کی ہدایت ہوگئی تھی اور اُن کو اس (خدا) کے رستہ کی ہدایت ہوگئی تھی جو لائق حمد ہے (وہ راستہ اسلام ہے)۔

## معارف و مسائل

هٰذِهِنَّ خُفَّةٌ مِّنْ اُخْتَصَمُوا، یہ دو فرق جن کا ذکر اس آیت میں ہے عام مومنین اور اُن کے مقابلہ میں تمام گروہ کفار ہیں خواہ قرن اول کے ہوں یا قرون مابعد کے۔ البتہ نزول اس آیت کا اُن دو فرق کے بارے میں ہوا ہے جو میدان بدر کے مبارزہ میں ایک دوسرے کے مقابل نبرد آزما ہوئے تھے مسلمانوں میں سے حضرت علی و حمزہ و عبیدہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور کفار میں سے عتبہ بن ربیعہ اور اسکا بیٹا ولید اور اسکا بھائی شیبہ تھے جنہیں سے کفار تو قینوں مارے گئے اور مسلمانوں میں سے حضرت علی و حمزہ صحیح سالم واپس آئے اور عبیدہ شہید شدیدی زخمی ہو کر آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں پہنچ کر دم توڑ دیا۔ آیت کا نزول ان مبارزین بدر کے بارے میں ہونا بخاری و مسلم کی احادیث سے ثابت ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ حکم ان کیساتھ مخصوص نہیں پوری امت کیلئے عام ہے، کسی بھی زمانے میں ہو۔

اہل جنت کو کنگن | یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ کنگن ہاتھوں میں پہننا عورتوں کا کام اور انھیں کا زیور ہے۔

مردوں کے لئے مہیوب سمجھا جاتا ہے جواب یہ ہے کہ دُنیا کے بادشاہوں کی یاقاری شان رہی ہے کہ سر پر تاج اور ہاتھوں میں کنگن استعمال کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک کو جبکہ وہ مسلمان نہیں تھے اور سفر ہجرت میں آپ کو گرفتار کرنے کے لئے تعاقب میں نکلے تھے، جب اُن کا گھوڑا باذن خدا دندی زمین میں دھنس گیا اور اُس نے توبہ کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے گھوڑا نکل گیا اس وقت سراقہ بن مالک سے وعدہ فرمایا تھا کہ کسریٰ شاہ فارس



کے کنگن مالِ غنیمت میں مسلمانوں کے پاس آئیں گے وہ تھیں دیئے جائیں گے اور حب فاروقِ اعظمؓ کے زمانے میں فارس کا ملک فتح ہوا اور ایران کے یہ کنگن دوسرے اموالِ غنیمت کیساتھ آئے تو سراقہ بن لکث نے مطالبہ کیا اذان کو دیدیئے گئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جیسے سر بلج پہننا عام مردوں کا رواج نہیں، شاہی اعزاز ہے اسی طرح ہاتھوں میں کنگن بھی شاہی اعزاز سمجھے جاتے ہیں اسلئے اہل جنت کو کنگن پہنانے جائیں گے۔ کنگن کے متعلق اس آیت میں اور سورہ فاطر میں تو یہ ہے کہ وہ سونے کے ہوں گے اور سورہ دھر میں یہ کنگن چاندی کے بتلائے گئے ہیں اس لئے حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اہل جنت کے ہاتھوں میں تین طرح کے کنگن پہنائے جائیں گے ایک سونے کا، دوسرا چاندی کا تیسرا موتیوں کا جیسا کہ اس آیت میں موتیوں کا بھی ذکر موجود ہے۔ (قرطبی)

ریشم کے کپڑے مردوں کے لئے حرام ہیں | آیت مذکورہ میں ہے کہ اہل جنت کا لباس ریشم کا ہوگا مراد یہ ہے کہ اُن کے تمام ملبوسات اور فرش اور پرے وغیرہ ریشم کے ہونگے جو دنیا میں سب سے زیادہ بہتر لباس سمجھا جاتا ہے اور جنت کا ریشم ظاہر ہے کہ دنیا کے ریشم سے صرف نام کی شرکت رکھتا، ورنہ اُس کی عمدگی اور بہتری کو اس سے کوئی مناسبت نہیں۔

امام نسائی اور ہزار اور بیہقی نے بسندِ جید حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت کا ریشمی لباس جنت کے پھلوں میں سے نیکلے گا اور حضرت جابرؓ کی ایک روایت میں ہے کہ جنت میں ایک درخت ایسا ہوگا جس سے ریشم پیدا ہوگا اہل جنت کا لباس اُسی سے تیار ہوگا (مظہری)

حدیث میں امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من لبس الحریر فی الدنیا لم یلبسہ فی الآخرۃ ومن شرب الخمر فی الدنیا لم یشر بہا فی الآخرۃ ومن شرب فی انیۃ الذہب الفضۃ لم یشر بہ فی الآخرۃ ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لباس اہل الجنة وشراب اہل الجنة وانیۃ اہل الجنة (اذقرطبی بحوالہ نسائی)

جو شخص ریشمی کپڑا دنیا میں پہنے گا وہ آخرت میں پہنے گا اور جو دنیا میں شراب پئے گا وہ آخرت کی شراب سے محروم رہے گا اور جو دنیا میں سونے چاندی کے برتنوں میں (کھائے، پئے) گا وہ آخرت میں سونے چاندی کے برتنوں میں کھائے گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تینوں چیزیں اہل جنت کے لئے مخصوص ہیں۔

مراد یہ ہے کہ جس شخص نے دنیا میں یہ کام کئے اور تو بہ نہیں کی وہ جنت کی ان تین چیزوں سے محروم رہے گا اگرچہ جنت میں داخل بھی ہو جائے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے دنیا میں شراب پی، پھر اُس سے تو بہ نہیں کی



وہ آخرت میں جنت کی شراب سے محروم رہے گا (رواہ الاثمہ - قطبی) نیز ایک دوسری حدیث میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

من لبس الحرور فی الدنیا لعل یشرب فی الآخرة وان دخل الجنة لبسه اهل الجنة ولعل یشرب هو وراہ ابو داؤد الطیالسی فی مسنده وقال القرطبی اسنادہ صحیح۔

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب ایک شخص جنت میں داخل کر لیا گیا پھر اگر وہ کسی چیز سے محروم کیا گیا تو اسکو حسرت و افسوس ہے گا اور جنت اس کی جگہ نہیں۔ وہاں کسی شخص کو کسی کا غم و افسوس نہ ہونا چاہیے اور اگر یہ حسرت و افسوس نہ ہو تو پھر اس محرومی کا کوئی فائدہ نہیں رہتا۔ اسکا جواب قرطبی نے اچھا دیا ہے کہ اہل جنت کے جس طرح مقامات اور درجات مختلف اور متفاوتات اعلیٰ و ادنیٰ ہوں گے۔ اُن کے تفاوت کا احساس بھی سب کو ہو گا مگر اس کے ساتھ ہی حق تعالیٰ شانہ اہل جنت کے قلوب ایسے بنا دیگا کہ اُن میں حسرت و افسوس کسی چیز کا نہ رہے گا واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

وَهُدُوًا إِلَى الْكَلْبِ مِنَ الْقَوْلِ، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ ہے۔ بعض نے فرمایا قرآن مراد ہے (قطبی) صحیح یہ کہ یہ سب چیزیں اس میں داخل ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

جو لوگ منکر ہوئے اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور مسجد حرام سے

الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً مِنَ الْعَاكِفِ فِيهِ وَالْبَادِ وَمَنْ يُرِدْ

جو ہم نے بنائی سب لوگوں کے واسطے برابر ہے اس میں رہنے والا اور باہر سے آنے والا اور جو اُس میں

فِيهِ بِالْحَادِ بِظِلِّ شِدْقِهِ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ (۲۵)

چاہے ٹیڑھی راہ شرارت سے اُسے ہم چکھائیں گے ایک عذاب دردناک

## خلاصہ تفسیر

بیشک جو لوگ کافر ہوئے اور (مسلمانوں کو) اللہ کے راستہ سے اور مسجد حرام سے روکتے ہیں

(تاکہ مسلمان عمرہ ادا نہ کر سکیں حالانکہ حرم کی حیثیت یہ ہے کہ اس میں کسی کی خصوصیت نہیں بلکہ)

اس کو ہم نے تمام آدمیوں کے واسطے مقرر کیا ہے کہ اس میں سب برابر ہیں اس (حرم کے داخل

حدود) میں رہنے والا بھی (یعنی جو لوگ وہاں مقیم ہیں) اور باہر سے آنے والا (مسافر) بھی



اور جو کوئی اس میں (یعنی حرم شریف میں) ظلم کے ساتھ کوئی بے دینی کا کام کرنے کا ارادہ کرے گا تو ہم اُس شخص کو عذاب دردناک چکھا دیں گے۔

## معارف و مسائل

پچھلی آیت میں مؤمنین اور کفار کے دو فرق کی باہمی نخاصیت کا ذکر تھا اسی نخاصیت کی ایک خاص صورت اس آیت میں بیان کی گئی ہے کہ ان میں بعض ایسے کفار بھی ہیں جو خود گمراہی پر چھ ہوئے ہیں دوسروں کو بھی اللہ کے راستہ پر چلنے سے روکتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کو جبکہ وہ عمرہ کا احرام باندھ کر حرم شریف میں داخل ہونا چاہتے تھے مسجد حرام میں داخل ہونے سے روک دیا حالانکہ مسجد حرام اور حرم شریف کا وہ حصہ جس سے لوگوں کی عبادت عمرہ و حج کا تعلق ان کی ملک میں داخل نہیں تھا جس کی بناء پر ان کو مزاحمت اور مداخلت کا کوئی حق پہنچتا، بلکہ وہ سب لاٹوں کے لئے یکساں ہے جہاں باشندگان حرم اور باہر کے مسافر اور شہری اور پردیسی سب برابر ہیں۔ آگے اُن کی سزا کا ذکر ہے کہ جو شخص مسجد حرام (یعنی پورے حرم شریف) میں کوئی بے دینی کا کام کرے گا جیسے لوگوں کو حرم میں داخل ہونے سے روکنا یا دوسرا کوئی خلافِ دین کام کرنا، اسکو عذاب دردناک چکھایا جائے گا خصوصاً جبکہ اس بے دینی کے کام کے ساتھ ظلم یعنی شرک بھی ملا ہوا ہو جیسا کہ مشرکین مکہ کا حال تھا جنہوں نے مسلمانوں کو حرم میں داخل ہونے سے روکا کہ ان کا یہ عمل بھی خلافِ دین ناروا تھا پھر اس کے ساتھ وہ کفر و شرک میں بھی مبتلا تھے۔ اور اگرچہ ہر خلافِ دین کام خصوصاً شرک کفر ہر جگہ ہر زمانے میں حرام اور انتہائی جرم و گناہ و موجبِ عذاب ہے مگر جو ایسے کام حرم محترم کے اندر کرے اُس کا جرم و گناہ بڑھ جاتا ہے اسلئے یہاں حرم کی تخصیص کر کے بیان کیا گیا ہے۔

يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ، سبیل اللہ سے مراد اسلام ہے معنی آیت کے یہ ہیں کہ یہ لوگ خود تو اسلام سے دور ہیں ہی دوسروں کو بھی اسلام سے روکتے ہیں۔

وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، یہ اُن کا دوسرا گناہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔ مسجد حرام اصل میں اُس مسجد کا نام ہے جو بیت اللہ کے گرد بنائی ہوئی ہے اور یہ حرم مکہ کا ایک اہم جز ہے لیکن بعض مرتبہ مسجد حرام بول کر پورا حرم مکہ بھی مراد لیا جاتا ہے جیسے خود اسی واقعہ یعنی مسلمانوں کو عمرہ کے لئے حرم میں داخل ہونے سے روکنے کی جو صورت پیش آئی وہ یہی تھی کہ کفار مکہ نے آپ کو صرف مسجد میں جانے سے نہیں بلکہ حدودِ حرم مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور قرآن کریم نے اس واقعہ میں مسجد حرام کا لفظ بمعنی مطلق حرم استعمال



فرمایا ہے وَصَدَّكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ -

تفسیر درمنثور میں اس جگہ مسجد حرام کی تفسیر میں پورا حرم مراد ہونا حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے  
 حرم مکہ میں سب مسلمانوں کے | اتنی بات پر تمام اُمت اور ائمہ فقہاء کا اتفاق ہے کہ مسجد حرام اور  
 مسادی حق کا مطلب | حرم شریف مکہ کے وہ تمام حصے جن سے افعال حج کا تعلق ہے جیسے

صفاء مردہ کے درمیان کا میدان جس میں سعی ہوتی ہے اور منیٰ کا پورا میدان اسی طرح عرفات کا پورا  
 میدان اور مزدلفہ کا پورا میدان یہ سب زمینیں سب دنیا کے مسلمانوں کے لئے وقف عام ہیں کسی  
 شخص کی ذاتی ملکیت ان پر نہ کبھی ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے ان کے علاوہ مکہ مکرمہ کے عام مکانات  
 اور باقی حرم کی زمینیں ان کے متعلق بھی بعض ائمہ فقہاء کا یہی قول ہے کہ وہ بھی وقف عام ہیں۔  
 ان کا فروخت کرنا یا کرایہ دینا حرام ہے ہر مسلمان ہر جگہ ٹھہر سکتا ہو مگر دوسرے فقہاء کا مختار مسکت ہے  
 کہ مکہ کے مکانات ملک خاص ہو سکتے ہیں انکی خرید و فروخت اور انکو کرایہ پر دینا جائز ہے حضرت فاروق اعظمؓ  
 سے ثابت ہے کہ انھوں نے صفوان بن امیہ کا مکان مکہ مکرمہ میں خرید کر اس کو بھرموں کے لئے  
 قید خانہ بنایا تھا امام اعظم ابوحنیفہؒ سے اس میں روایتیں منقول ہیں ایک پہلے قول کے مطابق دوسری  
 دوسرے قول کے مطابق اور فتویٰ دوسرے قول پر ہے۔ کذا فی روح المعانی - یہ بحث کتب فقہ میں  
 مفصل مذکور ہے مگر اس آیت میں حرم کے جن حصوں سے روکنے کا ذکر ہے وہ حصے ہر حال سب کے  
 نزدیک وقف عام ہیں ان سے روکنا حرام ہے آیت مذکورہ سے اسی کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

وَمَنْ يُّؤْذِ فِيهِ بِالْحَكَاةِ يَظْلَمْ، الحاد کے معنی لغت میں سیدھے راستے سے ہٹ جانیکے ہیں۔

اس جگہ الحاد سے مراد مجاہد و قتادہ کے نزدیک کفر و شرک ہے مگر دوسرے مفسرین نے اسکو اپنے  
 عام معنی میں قرار دیا ہے جس میں ہر گناہ اور اللہ و رسول کی نافرمانی داخل ہے یہاں تک کہ اپنے خادم کو  
 گالی دینا بڑا گناہ بھی۔ اور اسی معنی کے لحاظ سے حضرت عطار نے فرمایا کہ حرم میں الحاد سے مراد  
 اس میں بغیر احرام کے داخل ہو جانا یا ممنوعات حرم میں سے کسی ممنوع چیز کا ارتکاب کرنا ہو جیسے حرم  
 کا شکار مارنا یا اسکا درخت کاٹنا وغیرہ۔ اور جو چیزیں شریعت میں ممنوع ناجائز ہیں وہ بھی جگہ  
 گناہ اور موجب عذاب ہیں حرم کی تخصیص اس بنا پر کی گئی کہ جس طرح حرم مکہ میں نیکی کا ثواب بہت بڑھ  
 جاتا ہے اسی طرح گناہ کا عذاب بھی بہت بڑھ جاتا ہے (قالہ مجاہد) اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اسکی  
 ایک تفسیر یہ بھی منقول ہے کہ حرم کے علاوہ دوسری جگہوں میں محض گناہ کا ارادہ کرنے سے گناہ نہیں  
 لکھا جاتا جب تک عمل نہ کرے اور حرم میں صرف ارادہ بچھتہ کر لینے پر بھی گناہ لکھا جاتا ہے۔ قرطبی نے  
 یہی تفسیر ابن عمرؓ سے بھی نقل کی ہے اور اس تفسیر کو صحیح کہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حج کے  
 لئے جاتے تو دو خیمے لگاتے تھے ایک حرم کے اندر دوسرا باہر۔ حرم میں اگر اپنے اہل و عیال یا خدام



و متعلقین میں کسی کو کسی بات پر سرزنش اور عتاب کرنا ہوتا تو حرم سے باہر والے خیمے میں جا کر یہ کام کرتے تھے۔ لوگوں نے مصلحت دریافت کی تو فرمایا ہم سے یہ بیان کیا جاتا تھا کہ انسان جو عتاب ناراضی کے وقت کلا واللہ یا بلی واللہ کے الفاظ بولتا ہے یہ بھی الحاد فی الحرم میں داخل ہے (مظہری)

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَ

اور جب شیک کردی ہم نے ابراہیم کو جگہ اُس گھر کی کہ شریک نہ کرنا میرے ساتھ کسی کو اور

طَهَّرَ بَيْتِي لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝۳۶ وَ

پاک رکھ میرا گھر طواف کرنے والوں کے واسطے اور کھڑے رہنے والوں کے اور رکوع و سجدہ والوں کے اور

أَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ

پکار دے لوگوں میں حج کے واسطے کہ آئیں تیری طرف پیروں چل کر اور سوار ہو کر ڈبلے ڈبلے اذٹوں پر چلے آئیں

مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝۳۷ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا

راہوں دور سے تاکہ پہنچیں اپنے فائدہ کی جگہوں پر اور پڑھیں

اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقْنَاهُمْ مِنْ ۝۳۸ هَيْمَةً

اللہ کا نام کئی دن جو معلوم ہیں ذبح پر جو پایوں مواشی کے جو اللہ نے دیئے ہیں

الْأَنْعَامِ ۝۳۹ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ۝۴۰ ثُمَّ لِيَقْضُوا

اُن کو سوکھاؤ اُس میں سے اور کھلاؤ برے حال کے محتاج کو پھر چاہئے کہ ختم

تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝۴۱

کر دیں اپنا میل کچیل اور پوری کر دیں اپنی منتیں اور طواف کریں اس قدیم گھر کا

## خلاصہ تفسیر

اور (اس قصہ کا تذکرہ کیجئے) جب کہ ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو خانہ کعبہ کی جگہ بتلا دی (کیونکہ اس وقت خانہ کعبہ بنا ہوا نہ تھا اور حکم دیا) کہ (اس مکان کو عبادت کے لئے تیار کرو اور اس عبادت میں) میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا (یہ دراصل ان کے بعد کے لوگوں کو سنانا تھا اور بنا بیت اللہ کے ساتھ شرک کی ممانعت کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ بیت اللہ کی طرف نماز اور اسکا طواف کرنے سے کسی جاہل کو یہ شبہ نہ ہو جائے کہ یہی معبود ہے) اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے اور (نماز میں) قیام اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے واسطے (ظاہری اور باطنی نجاسات یعنی کفرو شرک سے) پاک رکھنا (یہ بھی دراصل دوسروں ہی کو سنانا تھا ابراہیم علیہ السلام سے تو اس کے



خلاف کا احتمال ہی نہ تھا) اور (ابراہیم علیہ السلام سے یہ بھی کہا گیا کہ) لوگوں میں حج (کے فرض ہونے) کا اعلان کر دو (اس اعلان سے) لوگ تمہارے پاس (یعنی تمہاری اس مقدس عمارت کے پاس) چلے آئیں گے پیادہ بھی اور (طویل سفر کی وجہ سے ڈبلی ہو جانے والی) اونٹنیوں پر بھی جو کہ دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی (اور وہ لوگ اس لئے آویں گے) تاکہ اپنے (اپنے دینی اور دنیوی) فوائد کیلئے حاضر ہو جائیں (دینی فوائد تو معلوم و مشہور ہیں دنیوی فوائد بھی اگر مقصود نہ ہوں مثلاً خرید و فروخت اور قربانی کا گوشت وغیرہ تو یہ بھی کوئی مذموم نہیں) اور (اس لئے آویں گے) تاکہ ایام مقررہ میں (جو قربانی کے ایام دسویں سے بارہویں ذی الحجہ تک ہیں) ان مخصوص چوپاؤں پر (یعنی قربانی کے جانوروں پر ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیں جو خدا تعالیٰ نے اُن کو عطا کئے ہیں (ابراہیم علیہ السلام کے خطاب کا مضمون ہو چکا آگے امت محمدیہ مخاطب ہے) ان (قربانی کے) جانوروں میں سے تم بھی کھایا کرو۔ (کہ یہ جائز ہے اور مستحب یہ ہے کہ) مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلایا کرو پھر (قربانی کے بعد) لوگوں کو چاہیے کہ اپنا میل کچیل ڈور کریں (یعنی احرام کھول ڈالیں سر منڈالیں) اور اپنے واجبات کو خواہ نذر سے قربانی وغیرہ واجب کر لی ہو یا بلا نذر جو افعال حج کے واجب ہیں اُن سب کو پورا کریں اور (انہی ایام معلومات میں) اس مامون و محفوظ گھر (یعنی بیت اللہ) کا طواف کریں (بطواف زیارت کھلتا ہے)۔

## معارف و مسائل

اس سے پہلی آیت میں مسجد حرام اور حرم سے روکنے والوں پر عذاب شدید کی وعید آئی ہے آگے اس کی مناسبت سے بیت اللہ کے خاص فضائل اور عظمت کا بیان ہے جس سے اُن کے فعل کی قیامت اور زیادہ واضح ہو جائے۔

بیت اللہ کی ابتدا | ذَاذِ بَوَّانَا لِاِثْرِهِمْ مَكَانَ الْبَيْتِ، بَوَّاء کا لفظ لغت میں کسی کو ٹھکانا اور رہنے کا مکان دینے کے معنے میں آتا ہے۔ معنے آیت کے یہ ہیں کہ یہ بات قابل ذکر اور یاد رکھنے کی ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اُس جگہ کا ٹھکانا دیا جہاں بیت اللہ ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے اُس زمین پر آباد نہ تھے جیسا کہ روایات سے ثابت ہے کہ اُن کو ملک شام سے ہجرت کر کر یہاں لایا گیا تھا۔ اور مکان البیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ بیت اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے موجود تھا جیسا کہ معتبر روایات میں ہے کہ اُنکی پہلی پناہ تو حضرت آدم علیہ السلام کے زمین لانے سے پہلے یا اُنکے ساتھ ہوئی تھی اور آدم علیہ السلام اور اُن کے بعد کے انبیاء بیت اللہ کا طواف کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے وقت بیت اللہ کی تعمیر اٹھالی گئی تھی بنیادیں اور اُنکی معین جگہ موجود تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہیں لاکر ٹھہرایا گیا اور اُنکو حکم



دیگیا اَنْ لَا تُشْرِكُوْا بِيْ شَيْئًا، یعنی میری عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شرک کرنے کا کوئی احتمال نہیں۔ اُن کی بُت شکنی اور شرک کرنے والوں کا مقابلہ اور اس میں سخت ترین آزمائش کے واقعات پہلے ہو چکے تھے اس لئے مراد اس سے عام لوگوں کو سنانا ہی کہ شرک سے پرہیز کریں۔ دوسرا حکم یہ دیا گیا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ (یعنی میرے گھر کو پاک کیجئے) اس وقت اگرچہ گھر موجود نہیں تھا مگر بیت اللہ دراصل درود دیوار اور تعمیر کا نام نہیں، وہ اُس بقعہ مقدسہ کا نام ہے جس میں بیت اللہ پہلے بنایا گیا تھا اوداب دوبارہ بنانے کا حکم دیا جا رہا ہے وہ بقعہ اور مکان بہر حال موجود تھا اُس کو پاک کر نیکا حکم اس لئے دیا گیا کہ اس زمانے میں بھی قوم جبریم اور عمالقہ نے یہاں کچھ بُت رکھے ہوئے تھے جن کی پوجا پاٹ ہوتی تھی (ذکر المصطفیٰ) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حکم آئندہ آنے والوں کو سنانا ہو اور پاک کرنے سے مراد جیسے کفر و شرک سے پاک رکھنا ہے ایسے ہی ظاہری نجاسات اور گندگیوں سے پاک رکھنا بھی مراد ہے اور ابراہیم علیہ السلام کو اسکا خطاب کرنے سے دوسرے لوگوں کو اہتمام کی فکر دلانا مقصود ہے کہ جب خلیل اللہ کو اسکا حکم ہوا جو خود ہی اس پر عامل تھے تو ہمیں اسکا اہتمام کتنا کرنا چاہیے۔

تیسرا حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ دیا گیا کہ اِذْنُ فِي النَّاٰبِ بِالْحَجِّ، یعنی لوگوں میں اعلان کر دیجئے کہ اس بیت اللہ کا حج تیسرے فرض کر دیا گیا ہے۔ بغوی۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی سے نقل کیا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو فرضیت حج کے اعلان کا حکم ہوا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ (یہاں تو جنگلی میدان ہے کوئی سُننے والا نہیں) جہاں آبادی ہے وہاں میری آواز کیسے پہنچے گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کی ذمہ داری صرف اعلان کرنے کی ہے اسکے ساری دُنیا میں پہنچانے اور پھیلانے کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا جس کو اللہ تعالیٰ نے بہت اونچا کر دیا اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے جبل ابی قیس پر چڑھ کر یہ اعلان کیا، کانوں میں انگلیاں رکھ کر داہنے اور بائیں اور شرقاً و غرباً ہر طرف یہ ندا دی کہ اے لوگو تمہارے رب نے اپنا بیت بنایا ہے اور تم پر اس بیت کا حج فرض کیا ہے تو تم سب اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرو۔

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی یہ آواز اللہ تعالیٰ نے ساری دُنیا میں پہنچا دی اور صرف اُس وقت تک زندہ انسانوں تک ہی نہیں بلکہ جو انسان آئندہ تاقیامت پیدا ہونے والے تھے بطور معجزہ ان تک یہ آواز پہنچا دی گئی اور جس جس کی قسمت میں اللہ تعالیٰ نے حج کرنا لکھ دیا ہے انہیں سے ہر ایک نے اس آواز کے جواب میں بَلِّیْکَ اَللّٰہُمَّ بَلِّیْکَ کہا یعنی حاضر ہونیکا اقرار کیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حج کے تبلیہ کی اصل بنیاد یہی ندا ابراہیمؑ کا جواب ہے۔ (قطبی و مظہری)



آگے آیت میں اُس تاثیر کا ذکر ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے اعلان کو تمام انسانوں تک منجانب اللہ پہنچانے سے قیامت تک کے لئے قائم ہو گئی وہ یہ ہے **يَا تُثَوِّكُ رِجَالًا وَ عَلَى كُلِّ مَضَامِيرٍ يَأْتِيَن مِّنْ كُلِّ** فِجْ عَمَلِيَّتِي، یعنی اطرافِ عالم سے لوگ بیت اللہ کی طرف چلے آویں گے کوئی پیادہ کوئی سوار، اور سواری سے کئے والے بھی دُور دراز ملکوں سے آئیں گے جس سے انکی سواریاں بھی لاغر ہو جائیں گی چنانچہ اس وقت سے آج تک کہ ہزار ہا سال گزر چکے ہیں بیت اللہ کی طرف حج کے لئے آنی والوں کی یہی کیفیت ہے۔ بعد میں آنے والے سب انبیاء اور اُن کی امتیں بھی اس کی پابند رہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جو طویل دُور جاہلیت کا گزرا ہے اس میں بھی عرب کے باشندے اگرچہ بیت پرستی کی بلاریں مبتلا ہو گئے تھے مگر حج کے ارکان کے اُسی طرح پابند تھے جس طرح ابراہیم علیہ السلام سے منقول و مأثور چلا آتا تھا۔

لَيْشَهْدُ فَاَمْتَنَافِعَ لَهَقُوْهُ، یعنی اُن کی یہ حاضری دور دراز سفر طے کر کے اپنے ہی منافع کیلئے ہے  
قرآن میں منافع کو بصیغہ نکرہ لاکر اسکے عموم کی طر ت اشارہ کر دیا ہے جس میں دینی منافع تو بیشمار ہیں، ہی  
دُنیوی منافع بھی بہت مشاہدہ میں آتے ہیں کم از کم اتنی بات خود قابلِ تعجب حیرت ہے کہ حج کے سفر  
پر عموماً بڑی رقم خرچ ہوتی ہے جو بعض لوگ ساری عمر محنت کر کے تھوڑی تھوڑی بچا کر جمع کرتے ہیں اور یہاں  
بیک وقت خرچ کر ڈالتے ہیں لیکن ساری دُنیا کی تاریخ میں کوئی ایک واقعہ ایسا نہیں بتایا جاسکتا کہ کوئی شخص  
حج یا عمرہ میں خرچ کر نیکی وجہ سے فقیر و محتاج ہو گیا ہو۔ اسکے سوا دوسرے کاموں مثلاً بیاہ شادی کی رسموں  
میں مکان تعمیر کر نہیں خرچ کر کے ہزاروں آدمی محتاج و فقیر ہو نیوالے ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے  
سفر حج و عمرہ میں یہ خصوصیت بھی رکھی ہے کہ اس سے کوئی شخص دُنیوی فقر و فاقہ میں مبتلا نہیں ہوتا  
بلکہ بعض روایات میں ہے کہ حج و عمرہ میں خرچ کرنا افلاس و محتاجی کو دُور کر دیتا ہے غور کیا جائے  
تو اسکا بھی مشاہدہ عموماً پایا جائیگا اور حج کے دینی منافع تو بہت ہیں ان میں سے ایک یہی کچھ کم نہیں جو حضرت  
ابو ہریرہ رضی کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کے لئے حج کیا  
اور اسیں بے حیائی کی باتوں سے اور گناہ کے کاموں سے بچتا رہا تو وہ حج سے ایسی حالتیں واپس  
آئیگا کہ گویا یہ اپنی ماں کے پیٹ سے آج برآمد ہوا ہے یعنی جیسے ابتداء و ولادت میں بچہ بے گناہ  
معصوم ہوتا ہے یہ بھی ایسا ہی ہو جائیگا۔ رواہ البخاری۔ مسلم (مظہری) بیت اللہ کے پاس  
جمع ہو نیوالے حجاج کے آئے کا ایک فائدہ تو اوپر مذکور ہوا کہ وہ اپنے دینی اور دُنیوی منافع اور فوائد کا  
مشاہدہ کر لیں۔ دوسرا فائدہ یہ بتلایا گیا کہ وَیَذْكُرُوا اللّٰهَ فِیْ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا  
رَزَقْنٰهُمْ مِنْ اٰیٰتِہٖمُ الْاَلٰفَیَاہِ، یعنی تاکہ وہ اللہ کا نام ذکر کریں ایام معلومات میں اُن چوپایہ جانوروں  
پر جو اللہ نے اُن کو عطا فرمائے ہیں۔ اسیں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ قربانی کے گوشت اور اس سے  
حاصل ہو نیوالے فوائد پر نظر نہ ہونی چاہیے بلکہ اصل چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے جو ان دونوں میں قربان



کرنے کے وقت جانوروں پر کیا جاتا ہے جو روح عبادت سے۔ قربانی کا گوشت ان کے لئے حلال کر دیا گیا یہ مزید انعام ہے۔ اور ایام معلومات سے مراد وہی دن ہیں جنہیں قربانی جائز ہے یعنی ذی الحجۃ کی دسویں، گیارہویں بارہویں تاریخیں۔ اور مَا رَزَقْنَاهُمْ مِّنْ بَیْضَةِ الْاَنْعَامِ کے الفاظ عام ہیں اس میں ہر طرح کی قربانی داخل ہے خواہ واجب ہو یا مستحب فَكُلُوا مِنْهَا، یہاں نفظ کلاوا اگرچہ بصیغہ امر آیا ہے مگر مراد اس سے وجوب نہیں بلکہ اباحت اور جواز ہے جیسا قرآن کی آیت وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا میں شکار کا حکم بمعنی اجازت ہے۔

**مسئلہ** اس مسئلہ اور زمانہ حج میں مختلف قسم کے جانور ذبح کئے جاتے ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو کسی جرم کی سزا کے طور پر جانور کی قربانی واجب ہو جاتی ہے جیسے کسی نے حرم شریف کے اندر شکار مار دیا تو اس پر اسکی جزا میں کسی جانور کی قربانی واجب ہوتی ہے جس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے کہ کون سے جانور کے بدلے میں کس طرح کا جانور قربان کرنا ہے۔ اسی طرح جو کام احرام کی حالت میں ممنوع ہیں اگر کسی نے وہ کام کر لیا تو اسپر بھی جانور ذبح کرنا لازم اور واجب ہو جاتا ہے جسکو فقہاء کی اصطلاح میں دم جنایت کہا جاتا ہے اس میں بھی کچھ تفصیل ہے بعض ممنوعہ کے کر لینے سے گائے یا اونٹ ہی کی قربانی دینا ضروری ہوتا ہے اور بعض کیلئے بکرے ذبح کی کافی ہوتی ہے بعض میں دم واجب نہیں ہوتا صرف صدقہ دینا کافی ہوتا ہے ان تفصیلات کی یہ جگہ نہیں، احقر نے اپنے سالہ احکام الحج میں بقدر ضرورت لکھ دیا ہے۔ یہ قسم دم کی جو کسی جنایت اور جرم کی سزا کے طور پر لازم ہوا ہے اسکا گوشت کھانا خود اس شخص کیلئے جائز نہیں بلکہ صرف فقراء و مساکین کا حق ہے کسی دوسرے مالدار آدمی کو بھی اسکا کھانا جائز نہیں۔ اسپر تمام فقہاء اُمت کا اتفاق ہے۔ باقی قسمیں قربانی کی خواہ واجب ہوں یا نفلی، واجب میں حنفیہ مالکیہ شافعیہ کے نزدیک دم تمتع اور دم قرآن بھی داخل ہیں ان سب کا گوشت قربانی کرنے والا اسکے احباب و اعزاء اگرچہ غنیاً ہوں وہ بھی کھا سکتے ہیں اس آیت میں اسی کا بیان ہے اور پوری تفصیل اسکے مسائل کی کتب فقہ میں دیکھی جائے۔ عام قربانی کا گوشت ہو یا خاص حج کی قربانیاں ان سب کا حکم یہی ہے کہ قربانی کرنا خود اور ہر مسلمان غنی ہو یا فقیر اس میں سے کھا سکتا ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ کم از کم ایک تہائی حصہ غریب و فقراء کو دیدیا جائے۔ اسی امر مستحب کا بیان آیت کے اگلے جملے میں اس طرح فرمایا ہے وَأَطِيعُوا أَمْرَ الْفَقِيرِ، بآئس کے معنی بہت تنگ دست مصیبت زدہ اور فقیر کے منہ حاجتمند کے میں مطلب ہے کہ قربانی کے گوشت میں سے ان کو بھی کھلانا اور دینا مستحب اور مطلوب ہے۔

ثُمَّ لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ کے لغوی معنی میل کچیل کے ہیں جو انسان کے بدن پر جمع ہو جاتا ہے حالت احرام میں چونکہ بالوں کا موڑنا، کاٹنا، نوچنا اسی طرح ناخن تراشنا، خوشبو لگانا یہ سب چیزیں حرام ہوتی ہیں تو انکے نیچے میل کچیل جمع ہونا طبعی امر ہے اس آیت میں یہ فرمایا کہ جب حج میں قربانی سے



فارغ ہو جاؤ تو اس نیل کچیل کو دودھ کر و مطلب یہ ہے کہ اب احرام کھول ڈالو اور سر منڈالو ناخن تراشو۔  
زیر ناف کے بال صاف کر لو۔ آیت مذکورہ میں پہلے قربانی کرنیکا ذکر آیا اسکے بعد احرام کھولنے کا اس  
سے استفاد ہوتا ہے کہ اسی ترتیب سے کام کرنا چاہیے قربانی سے پہلے حلق کرنا یا ناخن کاٹنا وغیرہ ممنوع  
ہے اور جو ایسا کر چکا اُس پر دم جنایت واجب ہوگا۔

افعال حج میں ترتیب کا درجہ | جو ترتیب افعال حج کی قرآن و حدیث میں آئی اور فقہاء نے اسکو منضبط  
کیا اسی ترتیب سے افعال حج ادا کرنا باتفاق اُمت کم از کم سنت ضرور ہے واجب ہونیں اختلاف کم  
امام عظیم ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک واجب ہے جس کے خلاف کرنے سے ایک دم جنایت لازم  
ہوتا ہے امام شافعی کے نزدیک سنت ہے اسلئے اسکے خلاف کرنی سے ثواب میں کمی آتی ہے مگر دم لازم  
نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے من قدم شیئاً من نسكہ او اخرک فلیهرق حیا  
رواہ ابن ابی شیبہ موقوفاً و هو فی حکم المرفوع (مظہری) یعنی جس شخص نے افعال حج میں سے کسی  
کو مقدم یا مؤخر کر دیا اُس پر لازم ہے کہ ایک دم دے۔ یہ روایت طحاوی نے بھی مختلف طرق سے نقل  
کی ہے اور حضرت سعید بن جبیر، قتادہ، نخعی، حسن بصری کا بھی یہی مذہب ہے کہ خلاف ترتیب کرنے  
والے پر دم لازم کرتے ہیں۔ تفسیر مظہری میں اس جگہ اس مسئلہ کی پوری تفصیل و تحقیق مذکور ہے۔ نیز  
دوسرے مسائل حج بھی مفصل لکھے ہیں۔

وَلْيُؤْذَنُوا نَذْرَهُمْ، نَذْرُہُمْ، نَذْرُہُمْ کی جمع ہے جس کو اردو میں مَنّت کہا جاتا ہے اُس کی  
حقیقت یہ ہے کہ جو کام شرعاً کسی شخص پر لازم واجب نہیں تھا اگر وہ زبان سے یہ نذر کر لے اور  
مَنّت مان لے کہ میں یہ کام کروں گا یا اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ فلاں کام کروں تو یہ نذر ہو جاتی ہے۔  
جسکا حکم یہ ہے کہ اسکا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے اگرچہ اصل سے واجب نہیں تھا مگر اسکے واجب  
ہو جانے کے لئے یہ شرط تو باتفاق اُمت ہے کہ وہ کام شرعاً گناہ اور ناجائز نہ ہو۔ اگر کسی شخص نے  
گناہ کے کام کی نذر مان لی تو اُس پر وہ گناہ کرنا اس سے لازم نہیں ہو جاتا ہے بلکہ اسکے خلاف  
کرنا واجب ہے البتہ اُس پر کفارہ قسم لازم ہو جائے گا۔ اور ابو حنیفہ وغیرہ ائمہ فقہاء کے نزدیک یہ  
بھی شرط ہے کہ وہ کام ایسا ہو جس کی جنس میں کوئی عبادت مقصودہ شرعیہ پائی جاتی ہو جیسے  
نماز، روزہ، صدقہ، قربانی وغیرہ کہ ان کی جنس میں کچھ شرعی واجبات اور عبادات مقصودہ ہیں۔  
تو اگر کوئی شخص نفلی نماز روزے صدقہ وغیرہ کی نذر مان لے تو وہ نفل اسکے ذمہ واجب ہو جاتی ہے  
اُسکا پورا کرنا اسکے ذمہ لازم و واجب ہے۔ آیت مذکورہ سے یہی حکم ثابت ہوتا ہے کیونکہ اسمیں نذر  
کے ایفار یعنی پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مسئلہ | یہ یاد رہے کہ صرف دل میں کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرنے سے نذر نہیں ہوتی جب تک زبان



سے الفاظ نذر ادا نہ کرے۔ تفسیر منطری میں اس جگہ نذر اور منیت کے احکام و مسائل بڑی تفصیل سے جمع کر دیے ہیں جو اپنی جگہ بہت اہم ہیں مگر یہاں ان کی گنجائش نہیں۔

ایک سوال اور جواب | اس آیت سے پہلے بھی اعمال حج قربانی اور احرام کھولنے وغیرہ کا ذکر ہوا ہے اور آگے بھی طواف زیارت کا بیان ہے درمیان میں ایفا نذر کا ذکر کس مناسبت سے ہوا جبکہ ایفائے نذر ایک مستقل حکم ہے حج میں ہو یا حج کے بغیر اور حرم شریف میں ہو یا باہر کسی ملک میں۔

جواب یہ ہے کہ اگرچہ ایفا نذر ایک مستقل حکم شرعی ہے ایام حج اور افعال حج یا حرم کیساتھ مخصوص نہیں لیکن اسکا ذکر یہاں افعال حج کے ضمن میں شاید اسوجہ سے ہے کہ انسان جب حج کے لئے نکلتا ہے تو دل کا داعیہ ہوتا ہے کہ اس سفر میں زیادہ زیادہ نیک کام اور عبادات ادا کرے اس میں بہت سی چیزوں کی نذر بھی کر لیتا ہے خصوصاً جانوروں کی قربانی کی نذر کرنے کا تو عام رواج ہے حضرت ابن عباسؓ نے یہاں نذر سے مراد قربانی ہی کی نذر قرار دی ہے۔ اور ایک مناسبت نذر کی احکام حج سے یہ بھی ہے کہ جس طرح نذر اور قسم سے انسان پر بہت سی چیزیں جو اصل شرع کی رُود سے واجب نہیں تھیں واجب ہو جاتی ہیں۔ اور بہت سی چیزیں جو اصل احکام کی رُود سے حرام ناجائز نہیں تھیں وہ اس شخص پر ناجائز و حرام ہو جاتی ہیں۔ احرام کے تمام احکام تقریباً ایسے ہی ہیں کہ پہلے ہوئے کپڑے، خوشبو کا استعمال بال مونڈنا، ناخن تراشنا وغیرہ فی نفسہ کوئی ناجائز کام نہ تھے مگر اسنے احرام باندھ کر یہ سب کام اپنے اوپر حرام کر لئے۔ اسی طرح حج کے دوسرے اعمال و افعال جو فرض تو عمر میں ایک ہی مرتبہ ہوتے ہیں مگر بعد میں حج و عمرہ کے لئے احرام باندھ کر یہ سب کام اسکے لئے فرض ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے حضرت عکرمہؓ نے اس جگہ نذر کی تفسیر میں یہی فرمایا کہ اس سے واجب حج مراد ہیں جو حج کی وجہ سے اس پر لازم ہو گئے ہیں۔

وَلْيَكُونُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ، یہاں طواف سے مراد طواف زیارت ہے جو دسویں تاریخ ذی الحجہ کو رمی جمرہ اور قربانی کے بعد کیا جاتا ہے یہ طواف حج کا دوسرا رکن اور فرض ہے پہلا رکن وقوف عرفات ہے جو اس سے پہلے ادا ہو جاتا ہے۔ طواف زیارت پر احرام کے سب احکام مکمل ہو کر پورا احرام کھل جاتا ہے (روی ذلک عن ابن عباس و مجاہد و الضحاك جماعة بل قال الطبري وان لم يسلم له لاخلات بين المتأولين في انه طواف الافاضة ويكون ذلک يوم النحر از روح المعاني)

بیت عتیق، بیت اللہ کا نام بیت عتیق اسلئے ہے کہ عتیق کے معنی آزاد کے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے گھر کا نام بیت عتیق اسلئے رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو کفار و جبارہ کے غلبہ اور قبضہ سے آزاد کر دیا ہے (طہ الترمذی و حنہ و الحاکم و صحیح ابن جریر و الطبرانی و غیرہ از روح المعانی) کسی کافر کی مجال نہیں کہ اس پر قبضہ یا غلبہ کر سکے۔ اصحاب فیل کا واقعہ اس پر شاہد ہے واللہ اعلم۔ تفسیر منطری میں اس موقع پر طواف کے مفصل احکام و مسائل جمع کر دیے ہیں جو بہت اہم قابل دید ہیں۔ واللہ اعلم



ذٰلِكَ وَمَنْ يُعْظَمْ حُرْمَتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لّٰهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَاِجْلَتْ

یہ سن چکے اور جو کوئی بڑائی رکھے اللہ کی حرمتوں کی سودہ بہتر ہے اسکے لئے اپنے رب کے پاس اور حلال ہیں

لَكُمْ اَلَا نَعَامٌ اِلَّا مَا يَمْلِكُ عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ

تم کو جو پائے مگر جو تم کو مٹاتے ہیں سو بچتے رہو بتوں کی گندگی سے

وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝۳۰ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهِ وَمَنْ

اور بچتے رہو جھوٹی بات سے ایک اللہ کی طرف کے ہو کر نہ کہ اسکے ساتھ شریک بنا کر اور جسے

يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَانَ تَمَازِجًا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُ الطَّيْرُ اَوْ يَهْوِيْ

شریک بنایا اللہ کا سو جیسے گر پڑا آسمان سے پھرا پھرتے ہیں اسکو اڑنے والے مردار خوار یا جا ڈالا

بِهَ الرِّيحِ ۝۳۱ فِيْ مَكَانٍ سَبِيْحٍ ۝۳۲ ذٰلِكَ وَمَنْ يُعْظَمْ شَعَايِرُ اللّٰهِ

اس کو ہوائے کسی قور مکان میں یہ سن چکے اور جو کوئی ادب رکھے اللہ کے نام لگی چیزوں کا

فَلَا تَهَانِ مِنْ تَقْوٰى الْقُلُوْبِ ۝۳۳ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى

سودہ دل کی پرہیزگاری کی بات ہے تمہارے واسطے جو پایوں میں فائدے ہیں ایک مقرر وعدہ تک

ثُمَّ رَحَلْنَاهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝۳۴

پھر اُن کو پہنچنا اس قدیم گھر تک

## خلاصہ تفسیر

یہ بات تو ہو چکی (جو حج کے مخصوص احکام تھے) اور اب دوسرے عام احکام جن میں حج اور عللاؤ حج کے دوسرے مسائل بھی ہیں سنو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے محترم احکام کی وقعت کریگا سو یہ اسکے حق میں اسکے رب کے نزدیک بہتر ہے (احکام کی وقعت کرنے میں یہ بھی داخل ہے کہ اُن کا علم بھی حاصل کرے اور یہ بھی کہ اُن پر عمل کا اہتمام کرے۔ اور احکام خداوندی کی وقعت کا اسکے لئے بہتر ہونا اس لئے ہے کہ وہ عذاب سے نجات اور دائمی راحت کا سامان ہے) اور ان مخصوص چوپاؤں کو باستثنائی اُن (بعض بعض) کے جو تم کو پڑھ کر سنا دیئے گئے ہیں (یعنی سورۃ النعام وغیرہ کی آیت اَجَلٌ فِیْمَا اَوْحٰی اِلَیْكُمْ مِّنْ اَمْرًا میں حرام جانوروں کی تفصیل بتلا دی گئی ہے انکے سوا دوسرے چوپائے) تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے (اس جگہ چوپایہ جانوروں کے حلال ہونیکا ذکر اس لئے کیا گیا کہ حالت احرام میں شکار کی ممانعت سے کسی کو احرام کی حالت میں عام چوپائے جانوروں کی ممانعت کا شبہ نہ ہو جائے اور جب دین و دنیا کی بھلائی احکام خداوندی کی تعظیم میں منحصر ہے) تو تم لوگ گندگی سے یعنی بتوں سے کنارہ کش رہو (کیونکہ بتوں کو خدا کے ساتھ شریک کرنا تو حکم الہی سے کھلی بغاوت ہے اس جگہ شرک سے بچنے



کی ہدایت خاص طور پر اس لئے کی گئی کہ مشرکین مکہ اپنے حج میں جو تبلیغ پڑھتے تھے اُنہیں الّا شریکاً ہو لاک ملا دیتے تھے یعنی اللہ کا کوئی شریک بجز اُن بتوں کے نہیں ہے جو خود اُسی اللہ کے ہیں اور جھوٹی بات سے بچتے رہو (خواہ وہ عقائد کا جھوٹ ہو جیسے مشرکین کا اعتقاد شرک یا دوسری قسم کا جھوٹ) اس طور سے کہ اللہ کی طرف جھکے رہو اس کے ساتھ کسی کو شرک یا بت پرستی سے بچاؤ اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو (اُس کی حالت ایسی ہوگی جیسے) گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اُس کی بوٹیاں توڑ چکیں یا اسکو ہوائے کسی دُور دراز جگہ لپکا کر پھینک دیا۔ یہ بات بھی (جو بطور قاعدہ کلیہ کے تھی) ہو چکی اور اب ایک ضروری بات قربانی کے جائزوں کے متعلق اور اُن کو کہ جو شخص دین خداوندی کے ان (مذکورہ) یادگاروں کا پورا لحاظ رکھے گا تو اُس کا یہ لحاظ رکھنا دل کے ساتھ خدا سے ڈرنے سے حاصل ہوتا ہے (یادگاروں کا لحاظ رکھنے سے مراد احکام الہیہ کی پابندی ہے جو قربانی کے متعلق ہیں خواہ ذبح سے قبل کے احکام ہوں یا ذبح کے وقت ہوں جیسا اُس پر اللہ کا نام لینا یا بعد ذبح کے ہوں جیسے اُس کا کھانا یا نہ کھانا کہ جس کا کھانا جس کے لئے حلال ہے وہ کھائے جس کا کھانا جس کے لئے حلال نہیں وہ نہ کھائے۔ ان احکام میں کچھ تو پہلے بھی ذکر کئے جا چکے اور کچھ یہ ہیں کہ) تم کو ان سے ایک معین وقت تک فوائد حاصل کرنا جائز ہے (یعنی جب تک وہ قواعد شرعیہ کے مطابق ہدی نہ بنائے جا دیں تو اُن سے دودھ یا سواری بار برداری وغیرہ کا فائدہ اٹھانا جائز ہے مگر جب اُن کو بیت اللہ اور حج یا عمرہ کے لئے ہدی بنا دیا تو پھر اُن سے کوئی نفع اٹھانا جائز نہیں) پھر (یعنی ہدی بننے کے بعد) اسکے ذبح حلال ہونے کا موقع بیت عتیق کے قریب سے (مراد پورا حرم ہے یعنی حرم سے باہر ذبح نہ کریں)۔

## معارف و مسائل

حُرْمَتِ اللہ سے مراد اللہ کی محترم اور معزز بنائی ہوئی چیزیں یعنی احکام شرعیہ ہیں۔ اُن کی تعظیم یعنی اُن کا علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا سرمایہ سعادت دنیا و آخرت ہے۔  
 اٰحِلَّتْ لَكُمْ مَالًا نَعَامًا اِلَّا مَا يَمْلِكُ عَلَيْكُمْ، اَنْعَام سے مراد اونٹ۔ گائے بکرا۔ مینڈھا۔ دُنبہ وغیرہ ہیں کہ یہ جائز حالتِ احرام میں بھی حلال ہیں اور اِلَّا مَا يَمْلِكُ عَلَيْكُمْ میں جن جائزوں کو مستثنیٰ کرنے کا ذکر ہے اُن کا بیان دوسری آیات میں آیا ہے وہ مرادِ جائز اور موقوفہ اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو یا جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو یہ سب ہمیشہ کے لئے حرام ہیں حالتِ احرام کی ہو یا غیر احرام کی۔

فَاَجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ، رِجْس کے معنی ناپاکی اور گندگی کے ہیں اَوْثَانِ وثن کی جمع ہے بُت کے معنی میں۔ بُتوں کو نجاست اس لئے قرار دیا کہ وہ انسان کے باطن کو شرک



کی نجاست سے بھر دیتے ہیں۔

وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ، قول زور سے مراد جھوٹ ہے، حق کے خلاف جو کچھ ہے وہ باطل اور جھوٹ میں داخل ہے خواہ عقائدہ فاسدہ شرک و کفر ہوں یا معاملات میں اور شہادت میں جھوٹ بولنا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب کبیرہ گناہوں میں سے بڑے کبیرہ یہ گناہ ہیں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا اور عام باتوں میں جھوٹ بولنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری لفظ وَقَوْلَ الزُّوْرِ کو بار بار فرمایا (رواہ البخاری) وَمَنْ يُعْظِمُ شَعَارَتُ الدِّينِ، شعائر شعیرہ کی جمع ہے جس کے معنی علامت کے ہیں جو چیزیں کسی خاص مذہب یا جماعت کی علامات خاص بھی جاتی ہوں وہ اُس کے شعائر کہلاتے ہیں شعائر اسلام اُن خاص احکام کا نام ہے جو عرف میں مسلمان ہونے کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ حج کے اکثر احکام ایسے ہی ہیں۔

مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ، یعنی شعائر اللہ کی تعظیم دل کے تقویٰ کی علامت ہے ان کی تعظیم ہی کرتا جس کے دل میں تقویٰ اور خوف خدا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ کا تعلق اصل میں انسان کے دل سے ہے جب اُس میں خوف خدا ہوتا ہے تو اس کا اثر سب اعمال افعال میں دیکھا جاتا ہے۔

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى، یعنی چوپائے جانوروں سے دودھ، سواری، بار برداری ہر قسم کے منافع حاصل کرنا تمہارے لئے اس وقت تک تو حلال ہے جب تک اُن کو حرم مکہ میں ذبح کرنے کے لئے نامزد کر کے ہدی نہ بنالیا ہو۔ ہدی اُسی جانور کو کہتے ہیں جو حج یا عمرہ کرنے والا اپنے ساتھ کوئی جانور لیجائے کہ اس کو حرم شریف میں ذبح کیا جائے گا۔ جب اُس کو ہدی حرم کے لئے نامزد اور مقرر کر دیا تو پھر اُس سے کسی قسم کا نفع اٹھانا بغیر کسی خاص مجبوری کے جائز نہیں جیسے اونٹ کو ہدی بنا کر ساتھ لیا اور خود پیدل چل رہا ہے سواری کے لئے کوئی دوسرا جانور موجود نہیں اور پیدل چلنا اُس کے لئے مشکل ہو جائے تو مجبوری اور ضرورت کی بنا پر اس وقت سواری ہونے کی اجازت ہے۔

ثُمَّ يَمْشِي إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ، یہاں بیت عتیق سے مراد پورا حرم شریف کا جو درحقیقت بیت اللہ ہی کا حرم خاص ہے جیسے سابقہ آیت میں مسجد حرام کے لفظ سے پورا حرم مراد لیا گیا، یہاں بیت عتیق کے لفظ سے بھی پورا حرم مراد ہے اور محلّہا میں حِلّ کے معنی موضع حلال اہل کے ہیں مراد اس سے موضع ذبح ہے یعنی ہدی کے جانوروں کے ذبح کرنے کا مقام بیت عتیق کے پاس ہے اور مراد پورا حرم ہے کہ وہ بیت عتیق ہی کے حکم میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہدی کا ذبح کرنا حرم کے اندر ضروری ہے حرم سے باہر جائز نہیں۔ اور پھر حرم عام ہے خواہ منہر منی ہو یا مکہ مکرمہ کی کوئی اور جگہ ہو (روح المعانی)



وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّذِكْرِ اسْمِ اللَّهِ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ

اور ہر امت کے واسطے ہم نے مقرر کر دی ہے قربانی کہ یاد کریں اللہ کے نام ذبح پر جو پالیوں کے

مِّنْ أَبْهِيمَةَ الْأَنْعَامِ فَأَلْهَكُمُ اللَّهُ وَوَاحِدُ قُلُوبِهِمْ وَأَسْلَمُوا

جو ان کو اللہ نے دیئے سو اللہ تمہارا ایک اللہ ہے سو اسی کے حکم میں رہو اور

بَشِيرَاتٍ مُّخْبِتِينَ ۝۳۳ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ

بشارت سنا دے عاجزی کرنے والوں کو وہ کہ جب نام یحییٰ اللہ کا ذکر جائیں ان کے دل

وَالضَّالِّينَ عَلَى مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ

اور گمراہنے والے اُس کو جو ان پر پڑے اور قائم رکھنے والے نماز کے اور ہمارا دینا ہوا کچھ خرچ

يُنْفِقُونَ ۝۳۴ وَالْبُدُنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَائِرِ اللَّهِ

کرتے رہتے ہیں اور کنبہ کے چرٹھانے کے اونٹ ٹھہرائے ہیں تمہارے واسطے نشانی اللہ کے نام

لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ ۖ فَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافٍ ۚ فَإِذَا

کی تمہارے واسطے اس میں بھلائی ہے سو پڑھو ان پر نام اللہ کا قطار باندھ کر پھر جب

وَجِبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطِيعُوا الْقَارِنَ وَالْمَعْتَزَ كَذَلِكَ

پڑے ان کی کر دے تو کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ صبر سے بیٹھے کو اور بیکراری کرتے کو اسی طرح

سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝۳۵ لَّنْ يَنَالَهُ اللَّهُ لِحُومِهَا

تمہارے بس میں کر دیا ہم نے ان جانوروں کو تاکہ تم احسان مانو اللہ کو نہیں پہنچتا ان کا گوشت

وَلَا دِمَآؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ كَذَلِكَ سَخَّرَهَا

اور ان کا لہو لیکن اس کو پہنچتا ہے تمہارے دل کا ادب اسی طرح ان کو بس میں کر دیا

لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ۝۳۶

تمہارے کہ اللہ کی بڑائی پڑھو اس بات پر کہ تم کو راہ سچائی اور بشارت سنا دے نیکی والوں کو

## خلاصہ تفسیر

اور (ا) پر جو قربانی کا حرم میں ذبح کرنے کا حکم ہے اس کے کوئی یہ نہ سمجھے کہ مقصود اصلی تعظیم حرم کی ہے بلکہ اصل مقصود اللہ ہی کی تعظیم اور اس کے ساتھ تقرب ہے اور مذبح اور ذبح اس کا ایک آگہ اور ذریعہ ہے اور تخصیص بعض حکمتوں کی وجہ سے ہے اور اگر یہ تخصیصات مقصود اصلی ہوتیں تو کسی شریعت میں نہ بدلتیں مگر ان کا بدلتا رہنا ظاہر ہے البتہ تقرب الی اللہ جو اصل مقصود تھا وہ سب شرائع میں محفوظ رہا چنانچہ ہم نے (جتنے اہل شرائع گزرے ہیں ان میں سے) ہر امت کے لئے قربانی کو نام اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپالیوں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے انکو عطا



فرمایا تھا (پس صلی مقصود یہ نام لینا تھا) سو (اس سے یہ بات نکل آئی کہ) تمہارا معبود (حقیقی) ایک ہی خدا ہے (جبکہ ذکر کر کے سب کو تقرب کا حکم ہوتا رہا) تو تم ہمہ تن اسی کے ہو کر رہو (یعنی موجد خالص رہو، کسی مکان وغیرہ کو معظّم بالذات سمجھنے سے ذرہ برابر شرک کا شائبہ اپنے عمل میں نہ ہونے دو) اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگ ہماری اس تعلیم پر عمل کریں) آپ (ایسے احکام الہیہ کے سامنے) گردِ مجھ کا دینے والوں کو (جنت وغیرہ کی) خوشخبری سننا دیجئے جو (اس توحید خالص کی برکت سے) ایسے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ (کے احکام و صفات اور وعدہ و وعید) کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈرجاتے ہیں اور جو ان مصیبتوں پر کہ ان پر پڑتی ہیں صبر کرتے ہیں اور جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اُس میں سے (بقدر حکم اور توفیق کے) خرچ کرتے ہیں (یعنی توحید خالص ایسی بابرکت چیز ہے کہ اسکی بدولت کمالاتِ نفسانیہ و دنیویہ مالیہ پیدا ہو جاتے ہیں) اور (اسی طرح اور جو تعظیم شعار اللہ انہیں بعض استغاثات کا ممنوع ہونا معلوم ہوا ہے اس سے بھی ان قربانیوں کے معظّم بالذات ہونے کا شبہ نہ کیا جادے کیونکہ اس سے بھی اصل وہی اللہ تعالیٰ کی اور اسکے دین کی تعظیم ہے اور یہ تخصیصات اسکا ایک طریق ہے پس) قربانی کے اونٹ اور گائے کو (اور اسی طرح بکری بھیڑ کو بھی) ہم نے اللہ (کے دین) کی یادگار بنایا ہے کہ اسکے متعلق احکام کے علم اور عمل سے اللہ کی عظمت اور دین کی وقعت ظاہر ہوتی ہے کہ اسکے نامزد چیز سے منتفع ہونے میں مالک مجازی کی رائے قابل اعتبار نہ رہے جس سے اس کی پوری عبدیت اور مالک حقیقی کی معبودیت ظاہر ہوتی ہے اور اس حکمت دینی کے علاوہ) ان جانوروں میں تمہاری (اور بھی) فائدے ہیں (مثلاً دنیوی فائدہ کھانا اور کھلانا اور آخری فائدہ ثواب ہے) سو (جب اس میں یہ حکمتیں ہیں تو) تم ان پر کھڑے کر کے (ذبح کر نیکی و قوت) اللہ کا نام لیا کرو (یہ صرف اونٹوں کے اعتبار سے فرمایا کہ ان کا کھڑے کر کے ذبح کرنا جو حسبِ آسانی ذبح و خروج روح کے بہتر ہے پس اس سے تو آخری فائدہ یعنی ثواب حاصل ہوا اور نیز اللہ کی عظمت ظاہر ہوئی کہ اسکے نام پر ایک جان قربان ہوئی جس سے اسکا خالق اور اسکا مخلوق ہونا ظاہر کر دیا گیا) پس جب وہ (کسی) کروٹ کے بل گر پڑیں (اور ٹھنڈے ہو جاویں) تو تم خود بھی کھاؤ اور بے سوال اور سوالی محتاج) کو (جو کہ بامس فقیر کی دو قسمیں ہیں) بھی کھانے کو دو۔ کہ یہ دنیوی فائدہ بھی ہے اور) ہم نے ان جانوروں کو اس طرح تمہارے زیرِ حکم کر دیا کہ تم باوجود تمہارے ضعف اور ان کی قوت کے اس طرح اسکے ذبح پر قادر ہو گئے) تاکہ تم (اس تسخیرِ اللہ تعالیٰ کا) شکر کرو (یہ حکمت مطلق ذبح میں ہے۔ قطع نظر اس کی قربانی ہونے کے اور آگے ذبح کی تخصیصات کے مقصود بالذات نہ ہونے کو ایک عقلی قاعدے سے بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو ظاہر بات ہے کہ) اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون،







پر دل میں پیدا ہو۔ اللہ کے نیک بندوں اور صلحاء کا یہی حال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور نام سن کر ان کے دلوں پر اُس کی عظمت اور بڑائی کے سبب ایک خاص ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔  
وَالْبَدَنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّنْ شَعَائِرِ اللَّهِ، پہلے گزر چکا ہے کہ شعائر اُن خاص احکام و عبادات کا نام ہے جو دین اسلام کی علامات سمجھی جاتی ہیں۔ قربانی بھی اُنہیں میں سے ہے ایسے احکام کی پابندی زیادہ اہم ہے۔

فَاذْكُرُوا اللَّهَ عَلَيْهَا صَوًّا وَآوًا، صوات بمعنی مصفوفہ ہے یعنی صف بستہ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کی تفسیر یہ بیان فرمائی ہے کہ جانور تین پاؤں پر کھڑا ہو ایک ہاتھ بندھا ہوا ہو۔ یہ صورت قربانی کی اونٹ کے ساتھ مخصوص ہے اسکی قربانی کھڑے ہو چکی حالت میں سنت اور بہتر ہے، باقی جانوروں کو ٹاکر ذبح کرنا سنت ہے۔

فَلَرَّاءَ وَجَبَتْ جَوَّيْهَا، یہاں وَجَبَتْ بمعنی سقطت آیا ہے جیسے وجبت الشمس بمعنی سقطت کا محاورہ مشہور ہے مراد اس سے جانور کی جان کل بکل جاتا ہے۔

الْقَانِمَ وَالْمُعْتَصِرَ، پھیلی آیت میں جن لوگوں کو قربانی کا گوشت دینا چاہیے انکو بانش فقیر کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے جس کے معنی ہیں مصیبت زدہ محتاج۔ اس آیت میں اس کی جگہ قانم اور معتصر کے دو لفظوں میں اُس کی تفسیر و توضیح کی گئی ہے۔ قانم سے مراد وہ محتاج فقیر ہے جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا اپنی غربت و فقر کے باوجود اپنی جگہ بیٹھ کر چوبل جائے اُس پر قناعت کرتا ہے اور معتصر، جو ایسے مواقع پر جائے جہاں سے کچھ ملنے کی امید ہو خواہ زبان سے سوال کرے یا نہ کرے (مظہری)

عبادات کی خاص صورتیں اہل مقصود نہیں بلکہ دل کا اخلاص و اطاعت مقصود ہے | لَنْ يَنَالَ اللَّهَ لُحُوفُكُمْ هَا میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ قربانی جو ایک عظیم عبادت ہے اللہ کے پاس اس کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا نہ وہ مقصود قربانی ہے بلکہ مقصود اصلی اس پر اللہ کا نام لینا اور حکم ربی کی بجا آوری دلی اخلاص کے ساتھ ہے۔ یہی حکم دوسری تمام عبادات کا ہے کہ نماز کی نشست و برخاست، روزہ میں بھوکا پیاسا رہنا اصل مقصود نہیں بلکہ مقصود اصلی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل دلی اخلاص و محبت کیساتھ ہے اگر یہ عبادات اس اخلاص و محبت سے خالی ہوں تو صرف صورت اور ڈھانچہ ہے روح غائب ہے مگر عبادات کی شرعی صورت اور ڈھانچہ بھی اس لئے ضروری ہے کہ حکم ربانی کی تعمیل کیلئے اُس کی طرف سے یہ صورتیں متعین فرمادی گئی ہیں۔ واللہ اعلم۔



إِنَّ اللَّهَ يَدْفَعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ

اشد دشمنوں کو ہٹا دے گا ایمان والوں سے اشد کو خوش نہیں آتا کوئی

خَوَّانٍ كَفُورٍ ۳۸

دغا باز ناشکر

الثلاثاء  
۵ جمادی الثانی

## خلاصہ تفسیر

بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ان مشرکین کے غلبہ اور ایذا رسانی کی قدرت کو) ایمان والوں سے (عنقریب ہٹا دیگا کہ پھر حج وغیرہ سے روک نہ سکیں گے) بیشک اللہ تعالیٰ کسی دغا باز کفر خیز آلے کو نہیں چاہتا (بلکہ ایسے لوگوں سے ناراض ہے اسلئے انجام کار ان لوگوں کو مغلوب اور مومنین فلاحین کو غالب کرے گا)۔

## معارف و مسائل

سابقہ آیات میں اسکا ذکر تھا کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو جو عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ کے قریب مقام حدیبیہ پر پہنچ چکے تھے حرم شریف اور مسجد حرام میں جانے اور عمرہ ادا کرنے سے روک دیا تھا اس آیت میں مسلمانوں کو اس وعدہ کیساتھ تسلی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ان مشرکین کی اس قوت کو توڑ دیگا جس کے ذریعہ وہ مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں یہ واقعہ سنہ ہجری میں پیش آیا تھا اسکے بعد سے مسلسل کفار مشرکین کی طاقت کمزور اور ہمت پست ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ سنہ ۶ میں مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔ اگلی آیات میں اس کی تفصیل آ رہی ہے۔

أَذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ

حکم دہا ان لوگوں کو جن سے کافر ہوتے ہیں اس واسطے کہ ان پر ظلم ہوا اور اللہ ان کی مدد کرنے پر

لَقَدِيرٌ ۳۹ ۱۰ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ

قادر ہے وہ لوگ جن کو نکالا ان کے گھروں سے اور دعویٰ کچھ نہیں سوائے اسکے کہ وہ

يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمُ بِبَعْضٍ

کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو دوسرے سے

لَهَدَمَتِ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدٌ يُدْعَوْنَ فِيهَا اسْمُ

تو ڈھائے جاتے سیکے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ

اللَّهُ كَثِيرًا وَلَكِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ ۴۰ ۱۱ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۴۰

کا بہت اور اللہ مقررہ ذکر کیا اسکی جو مدد کر گیا اسکی بیشک اللہ زبردست ہے زور والا



الَّذِينَ اَنْ مَكَتَهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَ

وہ لوگ کہ اگر ہم اُن کو قدرت دیں ملک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور

اَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَاللّٰهُ عَاقِبَةُ الْاُمُورِ ﴿۴۱﴾

حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں بُرائی سے اور اللہ کے اختیار میں ہے آخر ہر کام کا

## خلاصہ تفسیر

(گو اب تک بصلاح کفار سے لڑنے کی ممانعت تھی لیکن اب) لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دیدی گئی جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے اس وجہ سے کہ اُن پر (بہت) ظلم کیا گیا ہے (یہ علت ہے مشروعیت جہاد کی) اور (اس حالتِ اذن میں مسلمانوں کی قلت اور کفار کی کثرت پر نظر نہ کرنا چاہیے کیونکہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے غالب کر دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے (آگے ان کی مظلومیت کا بیان ہے کہ) جو (بیچارے) اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے (یعنی عقیدہ توحید پر کفار کا یہ تمام تر غیظ و غضب تھا کہ ان کو اس قدر پریشان کیا کہ وطن چھوڑنا پڑا آگے جہاد کی حکمت ہے) اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ (ہمیشہ سے) لوگوں کا ایک دوسرے کے ہاتھ سے زور نہ کھٹواتا رہتا (یعنی اہل حق کو اہل باطل پر وقتاً فوقتاً غالب نہ کرتا رہتا) تو (اپنے اپنے زمانوں میں) نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم (اور منہدم) ہو گئے ہوتے (آگے اخلاص فی الجہاد پر غلبہ کی بشارت ہے) اور بیشک اللہ تعالیٰ اُسکی مدد کرے گا جو کہ اللہ کے دین کی مدد کرے گا (یعنی اسکے لڑنے میں خالص نیت اعلا رکلمۃ اللہ کی ہو) بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا (اور) غلبہ والا ہے (وہ جس کو چاہے قوت و غلبہ دے سکتا ہے آگے ان کی فضیلت ہے) یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ خود بھی نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی) نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور بُرے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو خدا ہی کے اختیار میں ہے (پس مسلمانوں کی موجودہ حالت دیکھ کر یہ کوئی کیونکر کہہ سکتا ہے کہ انجام بھی ان کا یہی رہے گا بلکہ ممکن ہے کہ اسکا عکس ہو جاوے چنانچہ ہوا)۔

## معارف و مسائل

کفار کیساتھ جہاد کا پہلا حکم | مکہ مکرمہ میں مسلمانوں پر کفار کے مظالم کا یہ حال تھا کہ کوئی دغالی نہ جاتا تھا کہ کوئی



مسلمان ان کے دستِ ستم سے زخمی اور چوٹ کھایا ہوا نہ آتا ہو۔ قیامِ مکہ کے آخری دور میں مسلمانوں کی تعداد بھی خاصی ہو چکی تھی وہ کفار کے ظلم و جور کی شکایت اور ان کے مقابلے میں قتل و قتال کی اجازت مانگتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں فرماتے کہ صبر کرو مجھے ابھی تک قتال کی اجازت نہیں دی گئی یہ سلسلہ دس سال تک اسی طرح جاری رہا (قرطبی عن ابن عربی)

جس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وطن مکہ چھوڑنے اور ہجرت کرنے پر مجبور کر دیئے گئے اور ہدیٰ بن ابی اسد کے رفیق تھے تو مکہ مکرمہ سے نکلتے وقت آپ کی زبان سے نکلا آخر جوا نبتکم لہلککم یعنی ان لوگوں نے اپنے نبی کو نکالا ہے اب ان کی ہلاکت کا وقت آگیا ہے اس پر مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو کفار سے قتال کی اجازت دیدی گئی (رواہ النسائی والترمذی عن ابن عباس - قرطبی)

اور حضرت ابن عباسؓ سے ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسکو حسن فرمایا ہے روایت یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ پہلی آیت ہے جو قتال کفار کے معاملہ میں نازل ہوئی جبکہ اس سے پہلے ستر سے زیادہ آیتوں میں قتال کو ممنوع قرار دیا گیا تھا۔

**جہاد و قتال کی ایک حکمت** | ذکو لا دفع اللہ الناس، اس میں جہاد و قتال کی حکمت کا اور اسکا بیان ہے کہ یہ کوئی نیا حکم نہیں۔ پچھلے انبیاء اور ان کی امتوں کو بھی قتال کفار کے احکام دیئے گئے ہیں اور اگر ایسا نہ کیا جاتا تو کسی مذہب اور دین کی خیر نہ تھی سارے ہی دین و مذہب اور ان کی عبادت گاہیں ڈھادی جاتیں۔

لَهْدٍ مَّتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ جتنے دین و مذہب دنیا میں الے ہوئے ہیں کہ کسی زمانے میں ان کی اصل بنیاد الشریط سے اور وحی کے ذریعہ سے قائم ہوئی تھی پھر وہ منسوخ ہو گئے اور ان میں تحریف ہو کر کفر و شرک میں تبدیل ہو گئے مگر اپنے اپنے وقت میں وہی حق تھے ان سب کی عبادت گاہوں کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے کیونکہ اپنے اپنے وقت میں ان کی عبادت گاہوں کا احترام اور حفاظت فرض تھی ان مذاہب کے عبادت خانوں کا ذکر نہیں فرمایا جن کی بنیاد کسی وقت بھی نبوت اور وحی الہی پر نہیں تھی جیسے آتش پرست مجوس یا بت پرست ہندو کیونکہ ان کے عبادت خانے کسی وقت بھی قابل احترام نہ تھے۔

آیت میں صوامع، صومعہ کی جمع ہے جو نصاریٰ کے تارک الدنیا راہبوں کی مخصوص عبادت گاہ کو کہا جاتا ہے اور بیعہ بیعتہ کی جمع ہے جو نصاریٰ کے عام کنیسوں کا نام ہے اور صَلَوَات صَلَوَات کی جمع ہے جو یہود کے عبادت خانہ کا نام ہے اور مَسَاجِد مسلمانوں کی عبادت گاہوں کا نام ہے۔



مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر کفار سے قتال و جہاد کے احکام نہ آتے تو کسی زمانے میں کسی مذہب و ملت کے لئے امن کی جگہ نہ ہوتی۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں صلوٰت اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں صوامع اور بیع اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجدیں ڈھادی جاتیں (قرطبی) خلفائے راشدین کے حق میں قرآن کی پیشین گوئی اور اس کا ظہور

الَّذِينَ اِنْ مَكَثُوهُمْ فِي الْاَرْضِ ۱۱ اس آیت میں الذین کی صفت ہے اُن لوگوں کی جن کا ذکر اس سے پہلے آیت میں ان الفاظ سے آیا ہے الَّذِينَ اُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ، یعنی وہ لوگ جن کو اُن کے گھروں سے ظلماً بغیر کسی حق کے نکال دیا گیا۔ ان لوگوں کے بارے میں اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان کو زمین میں حکومت و اقتدار دیدیا جائے تو یہ لوگ اپنے اقتدار کو ان کاموں میں صرف کرینگے کہ نمازیں قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کاموں کی طرف لوگوں کو دعوت دیں بُرے کاموں سے روکیں۔ اور یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ یہ آیات ہجرت مدینہ کے فوراً بعد اُس وقت نازل ہوئی ہیں جبکہ مسلمانوں کو کسی بھی زمین میں حکومت و اقتدار حاصل نہیں تھا مگر حق تعالیٰ نے اُن کے بار میں پہلے ہی یہ خبر دیدی کہ جب اُن کو اقتدار حکومت ملے گا تو یہ دین کی مذکورہ اہم خدمات انجام دیں گے اسی لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ثناء قبل بلاء، یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عمل کے وجود میں آنے سے پہلے اُس کے عمل کرنے والوں کی مدح و ثناء ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی اس خبر کا جس کا وقوع یقینی تھا اس دنیا میں وقوع اس طرح ہوا کہ چاروں خلفائے راشدین اور مہاجرین الَّذِينَ اُخْرِجُوا کے مصداق صحیح تھے پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں کو سب سے پہلے زمین کی مکت و قدرت یعنی حکومت و سلطنت عطا فرمائی اور قرآن کی پیشین گوئی کے مطابق اُن کے اعمال و کردار ان کاموں نے دنیا کو دکھلا دیا کہ انہوں نے اپنے اقتدار کو اسی کام میں استعمال کیا کہ نمازیں قائم کیں زکوٰۃ کا نظام مضبوط کیا اچھے کاموں کو رواج دیا بُرے کاموں کا راستہ بند کیا۔

اسی لئے علماء نے فرمایا کہ یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ خلفاء راشدین سب کے سب اسی بشارت کے مصداق ہیں اور جو نظام خلافت اُن کے زمانے میں قائم ہوا حق و صحیح اور عین اللہ تعالیٰ کے ارادے اور رضا اور پیشگی خبر کے مطابق ہے (رحمہم اللہ)

یہ تو اس آیت کے شان نزول کا واقعہ ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ الفاظ قرآن جب عام ہوں تو وہ کسی خاص واقعہ میں منحصر نہیں ہوتے اُن کا حکم عام ہوتا ہے۔ اسی لئے ائمہ تفسیر میں سے ضحاک نے فرمایا کہ اس آیت میں اُن لوگوں کے لئے ہدایت بھی ہے جن کو اللہ تعالیٰ ملک و سلطنت عطا فرمادیں کہ وہ اپنے اقتدار میں یہ کام انجام دیں جو خلفاء راشدین نے اپنے وقت میں انجام دیئے تھے۔ (قرطبی مع توضیح)



وَإِنْ يَكْذِبُواكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودٌ ۝

اور اگر تجھ کو جھٹلائیں تو ان سے پہلے جھٹلا چکی ہے قومِ نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور

قَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ۝ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ وَكَذَّبَ مُوسَى فَأَمَلَيْتُ

ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم اور مدین کے لوگ اور موسیٰ کو جھٹلایا پھر میں نے

لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝ فَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ

ڈھیل دی مکروں کو پھر پکڑ لیا ان کو تو کیسا ہوا میرا انکار سو کتنی بستیاں ہم نے غارت

أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فِيهَا خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا وَبِئْسَ مَعْظَلَةٌ

کر ڈالیں اور وہ گنہگار تھیں اب وہ بگڑی ہیں اپنی چھتوں پر اور کتنے کنوئیں بکے پرے

وَقَصْرِ مَشِيدٍ ۝ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونُ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ

اور کتنے محلِ بگھکاری کے کیا سیر نہیں کی ملک کی جوان کے دل ہوتے جن سے سمجھتے

بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ ۚ فَاتَّهَمُوا نَعْيَ الْأَبْصَارِ وَلَكِنْ

یا کان ہوتے جن سے سمجھتے سو کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں پر اندھے

نَعْيَ الْقُلُوبِ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ۝ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ كَنْ

ہو جاتے ہیں دل جو سینوں میں ہیں اور تجھ سے جلدی مانگتے ہیں عذاب اور اللہ

يَخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَإِنْ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا

ہرگز نہ "مالے" کا اپنا وعدہ اور ایک دن تیرے رب کے یہاں ہزار برس کے برابر ہوتا ہے جو تم

تَعْدُونَ ۝ وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَمَلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ

گنتے ہو اور کتنی بستیاں ہیں کہ میں نے ان کو ڈھیل دی اور وہ گنہگار تھیں پھر

أَخَذْتُهُمْ وَإِلَى الْمَصِيرِ ۝ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ

میں نے ان کو پکڑا اور میری طرف پھر کر آنا ہے تو کہہ اے لوگو میں تو ڈرنا دینے والا ہوں

نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ

تم کو کھول کر سو جو لوگ یقین لائے اور کہیں بھلائیاں ان کے گناہ بخش دیتے ہیں اور ان کو ازری تر

كَرِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُجْرِمِينَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْحَرِيمِ ۝

عزت کی اور جو ڈوڑے ہماری آیتوں کے ہراسے کو وہی ہیں دوزخ کے رہنے والے

## خلاصہ تفسیر

اور یہ (مجادلہ کرنے والے لوگ) اگر آپ کی تکذیب کرتے ہوں (تو آپ مغموں نہیں کیونکہ)



ان لوگوں سے پہلے قوم نوح اور عاد و ثمود اور قوم ابراہیم اور قوم لوط اور اہل مدین بھی (اپنے اپنے انبیاء علیہم السلام کی) تکذیب کر چکے ہیں اور موسیٰ (علیہ السلام) کو بھی کاذب قرار دیا گیا (مگر تکذیب کے بعد) میں نے ان کافروں کو (چند روز) مہلت دی جیسے آج کے منکروں کو مہلت دے رکھی ہے پھر میں نے ان کو (عذاب میں پکڑ لیا تو) (دیکھو) میرا عذاب کیسا ہوا۔ غرض کتنی بستیاں ہیں جنکو ہم نے (عذاب سے) ہلاک کیا جن کی یہ حالت تھی کہ وہ نافرمانی کرتی تھیں تو (اب ان کی یہ کیفیت ہے کہ) وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں (یعنی ویران ہیں کیونکہ عادۃً اول چھت گرا کرتی ہے پھر دیواریں آپڑتی ہیں) اور (اس طرح ان بستیوں میں) بہت سے بیکار کنویں (جو پہلے آباد تھے) بہت سے پختہ قلعے چوڑے کے محل (جو اب شکستہ ہو گئے) یہ سب ان بستیوں کے ساتھ تباہ ہوئے پس اسی طرح وقت موعود پر اس زمانے کے لوگ بھی عذاب میں پکڑے جا دیں گے) تو کیا یہ (من کر) لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں جس سے ان کے دل ایسے ہو جاویں کہ ان سے سمجھنے لگیں یا ان کے کان ایسے ہو جاویں کہ ان سے سُنے لگیں بات یہ ہے کہ (نہ سمجھنے والوں کی کچھ) آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں (ان موجودہ منکرین کے بھی دل اندھے ہو گئے ورنہ پچھلی اُمتوں کے حالات سے سبق سیکھ لیتے) اور یہ لوگ (نبوت میں شبہ ڈالنے کے لئے) آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں (اور عذاب کے جلدی نہ آنے سے یہ دلیل پکڑتے ہیں کہ عذاب آئندہ ہی نہیں) حالانکہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنا وعدہ خلاف نہ کرے گا (یعنی وعدہ کے وقت ضرور عذاب واقع ہوگا) اور آپ کے رب کے پاس کا ایک دن (جس میں عذاب واقع ہوگا یعنی قیامت کا دن اپنے امتداد یا اشتداد میں) ایک ہزار سال کی برابر ہے تم لوگوں کی شمار کے مطابق (تو یہ بڑے بیوقوف ہیں کہ ایسی مصیبت کا تقاضا کرتے ہیں) اور (جواب مذکور کا خلاصہ پھر سن لو کہ) بہت سی بستیاں ہیں جن کو میں نے مہلت دی تھی اور وہ نافرمانی کرتی تھیں پھر میں نے ان کو (عذاب میں) پکڑ لیا اور سب کو میری ہی طرف ٹوٹنا ہوگا (اُس وقت پوری سزا ملے گی) اور آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تو تمہارے لئے ایک صاف ڈرائے والا ہوں (عذاب واقع کرنے نہ کر میں میرا دخل نہیں) میں نے اسکا دعویٰ کیا ہے) تو جو لوگ (اس ڈر کو سن کر) ایمان لے آئے اور اچھے کام کرنے لگے ان کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی (یعنی جنت) ہے اور جو لوگ ہماری آیتوں کے متعلق (انکے انکار اور ابطال کی) کوشش کرتے رہتے ہیں (نبی کو اور اہل ایمان کو ہرگز ہرانے) (یعنی عاجز کرنے) کیلئے ایسے لوگ دوزخ میں (رہنے والے) ہیں۔

## معارف و مسائل

زمین کی سیر و سیاحت اگر عبرت و بصیرت حاصل کرنے کے لئے ہو تو مطلوب دینی ہے { اَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَكُنْوا لَهُمْ قُلُوبًا } اس آیت میں



زمین کی سیر و سیاحت جبکہ پچشم عبرت ہو اس کی طرف ترغیب ہے اور فَتَكُونُ لَهُمْ قُلُوبٌ بِسُوءِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ اشارہ ہے کہ زمانہ ماضی اور گزشتہ اقوام عالم کے حالات و کیفیات کا مشاہدہ انسان کو عقل و بصیرت عطا کرنے والا ہے بشرطیکہ ان حالات کو بعض تاریخی سوانح کی حیثیت سے نہیں بلکہ عبرت کی نظر سے دیکھے تو ہر واقعہ ایک بصیرت کا سبق دیگا۔ ابن ابی حاتم نے کتاب التفسیر میں حضرت مالک بن دینار سے نقل کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ لوہے کے جوڑے بناؤ اور لوہے کی عصا ہاتھ میں لو اور اللہ کی زمین میں اتنے پھر دو کہ یہ آہنی جوڑے گھس جائیں اور آہنی عصا ٹوٹ جائے (روح المعانی) اگر ردایت صحیح ہے تو اس سیر و سیاحت کا مقصد وہی عبرت و بصیرت حاصل کرنا ہے۔

آخرت کا دن ایک ہزار | آیت مذکورہ میں جو یہ فرمایا ہے إِنَّ يَوْمَئِذٍ رَبُّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ، یعنی سال ہونے کا مطلب آپ کے رب کے پاس ایک دن دُنیا کے ایک ہزار سال کی برابر ہوگا۔ اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس دن سے مُراد قیامت کا دن لیا جائے اور اسکا ایک ہزار سال کی برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس دن کے ہولناک واقعات اور ہولناک حالات کی وجہ سے یہ دن اتنا دراز محسوس ہوگا جیسے ایک ہزار سال خلاصہ تفسیر مذکور میں اسی کو اشتداد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے بہت سے حضرات مفسرین نے اس کے یہی معنی قرار دیئے ہیں۔

دوسرے یہ کہ واقع میں عالم آخرت کا ایک دن ہمیشہ کے لئے دُنیا کے ایک ہزار سال ہی کی برابر ہو بعض روایات حدیث سے اسی معنی کی شہادت ملتی ہے۔ مسند احمد، ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز فقراء، مہاجرین کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم کو میں قیامت کے روز مکمل نور کی بشارت دیتا ہوں اور یہ کہ تم اغنیاء اور مالداروں سے آدھا دن پہلے جنت میں جاؤ گے اور اللہ کے یہاں ایک دن ایک ہزار سال کا ہوگا اسلئے فقراء، اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہونگے (رداء الترمذی وحسنہ - منظرہری) خلاصہ تفسیر میں اسی دوسرے معنی کو بلفظ امتداد تعبیر کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

ایک شبہ کا جواب | سورہ مبارک میں جو آخرت کے دن کو پچاس ہزار سال کی برابر قرار دیا ہے كَانَتْ يَوْمَئِذٍ اَلْأَحْيَاءُ اَلْأَمْوَاتِ اس میں بھی دونوں تفسیریں اشتداد اور امتداد کی ہو سکتی ہیں اور ہر شخص کی شدت و مصیبت چونکہ دوسروں سے مختلف اور کم و بیش ہوگی اسلئے وہ دن کسی کو ایک ہزار سال کا محسوس ہوگا کسی کو پچاس ہزار سال کا، اور اگر دوسرے معنی لئے جاویں کہ حقیقتہً آخرت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا تو ان دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہوتا ہے کہ ایک میں ایک ہزار سال اور دوسری میں پچاس ہزار سال کا ذکر ہے تو اسکی تطبیق سیدی حکیم الامت قدس سرہ نے بیان القرآن میں بیان فرمائی ہے جو اہل علم کے لئے علمی اور اصطلاحی الفاظ میں نقل کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ تفاوت



ایک ہزار سال سے پچاس ہزار سال تک اختلاف آفاق کے اعتبار سے ہو جس طرح دنیا میں معدل ہوا کی حرکت کہیں دولابی ہے کہیں جمالی کہیں رجوی اور اسی وجہ سے خطا ستوار پر ایک رات دن چوبیس گھنٹے کا ہوتا ہے اور عرض تسعین (قطب شمالی) پر ایک سال کا دوران دونوں کے درمیان مختلف مقادیر پر مختلف ہوتا چلا جاتا ہے اسی طرح مگر کہ اول نس کی حرکت جو معدل کیساتھ ہے بطور خرق عادت و اعجاز اس قدر مست ہو جائے کہ ایک افق پر ایک ہزار سال کا دن ہو اور جو افق اُس سے پچاس حصے ہٹا ہوا ہو اُس پر پچاس ہزار برس کا ہو اور درمیان میں کسی نسبت کے متفادت ہو واللہ اعلم (بیّن القرآن)

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى

اور جو رسول بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے یا نبی موجب لگا خیال باندھنے

الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكُمُ اللَّهُ

شیطان نے بلا دیا اُس کے خیال میں پھر اللہ مٹا دیتا ہے شیطان کا ملایا ہوا پھر یہی کر دیتا ہے اپنی

آيَتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۵۱ لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً

باتیں اور اللہ سب خبر رکھتا ہے حکمتوں والا اس واسطے کہ جو کچھ شیطان نے بلا دیا اُس سے جانچے

لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي

اُن کو کہ جن کے دل میں روگ ہیں اور جن کے دل سخت ہیں اور گنہگار تو ہیں

شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۵۲ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ

مخالفت میں دور جاڑے اور اس واسطے کہ معلوم کر لیں وہ لوگ جن کو سمجھ ملی ہے کہ یہ تحقیق ہے تیرے

رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادٍ

رب کی طرف سے پھر اس پر یقین لائیں اور نرم ہو جائیں اُس کے آگے دل اُن کے اور اللہ سمجھانے والا ہے یقین

الَّذِينَ آمَنُوا إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۵۳ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا

لانے والوں کو راہ سیدھی اور منکروں کو ہمیشہ رہے گا اس میں

فِي مَرِيكٍ مِنْهُ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ

دھوکا جب تک آپہنچے اُن پر قیامت بے خبری میں یا آپہنچے اُن پر آفت ایسے دن کی

يَوْمٍ عَقِيمٍ ۵۴ أَلَمْ لِكُ يَوْمَ مِيقَاتِهِ لِيُحْكَمْ بَيْنَهُمْ فَأَلْزَمَ اللَّهُ

جیسے راہ نہیں خلاصی کی راج اس دن اللہ کا ہے ان میں فیصلہ کرے گا سو جو یقین لائے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّتِ النَّعِيمِ ۵۵ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا

اور کہیں بھلائیاں نعمت کے باغوں میں ہیں اور جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری

بِآيَاتِنَا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ۵۶

باتیں سو اُن کے لئے ہے ذلت کا عذاب



## خلاصہ تفسیر

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ جو شیطان کے اغواء سے آپ سے مجادلہ کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ) ہم نے آپ کے قبل کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اس نے (اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے) کچھ پڑھا (تب ہی) شیطان نے اسکے پڑھنے میں (کفار کے قلوب میں) شبہ (اور اعتراض) ڈالا (اور کفار انہی شبہات اور اعتراضات کو پیش کر کے انبیاء سے مجادلہ کیا کرتے جیسا دوسری آیات میں ارشاد ہے وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَاطِئِينَ إِلَّا نِسَاءً وَالْحَرَمَ يُؤْتِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ ذُخْرَ الْقَوْلِ غَرُورًا وَإِنَّ الشَّاطِئِينَ لَيُؤْخِرُونَ إِلَىٰ أُولِيٰئِهِمْ لِيُجَادِلُوهُمْ) پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو (جوابات قاطعہ و دلائل واضحہ سے) نیست دنا بود کر دیتا ہے (جیسا کہ ظاہر ہے کہ جواب صحیح کے بعد اعتراض دفع ہو جاتا ہے) پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات (کے مضامین) کو زیادہ مضبوط کر دیتا ہے (گودہ فی نفسہا بھی مستحکم نہیں لیکن اعتراضات کے جواب سے اس استحکام کا زیادہ ظہور ہو گیا) اور اللہ تعالیٰ (ان اعتراضات کے متعلق) خوب علم والا ہے (اور ان کے جواب کے تعلیم میں) خوب حکمت والا ہے (اور یہ سارا قصہ اس لئے بیان کیا ہے) تاکہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ایسے لوگوں کے لئے آزمائش (کا ذریعہ) بنادے جن کے دل میں (شک کا) مرض ہے اور جن کے دل (بالکل ہی) سخت ہیں (کہ وہ شک سے بڑھ کر باطل کا یقین کئے ہوئے ہیں، سو ان کی آزمائش ہوتی ہے کہ دیکھیں بعد جواب کے اب بھی شبہات کا اتباع کرتے ہیں یا جواب کو سمجھ کر حق کو قبول کرتے ہیں) اور واقعی (یہ) ظالم لوگ (یعنی اہل شک بھی اور اہل یقین بالباطل بھی) بڑی مخالفت میں ہیں (کہ حق کو باوجود واضح ہونے کے محض عناد کے سبب قبول نہیں کرتے شیطان کو دوسرے ڈالنے کا تصرف تو اس لئے دیا گیا تھا کہ آزمائش ہو) اور (ان شبہات کا) جو یہ صحیحہ و نوریہ ہدایت سے ابطال اس لئے ہوتا ہے) تاکہ جن لوگوں کو فہم (صحیح) عطا ہوا ہے وہ (ان) جو بڑے نوریہ ہدایت سے) اس امر کا زیادہ یقین کر لیں کہ یہ (جو نبی نے پڑھا ہے وہ) آپ کے رب کی طرف سے حق ہے سو ایمان پر زیادہ قائم ہو جاویں پھر (زیادہ یقین کی برکت سے) اُس (پر عمل کرنے) کی طرف اُن کے دل اور بھی جھک جا دیں اور واقعی ان ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہی راہ راست دکھاتا ہے (پھر کیونکر ان کو ہدایت نہ ہو۔ یہ تو ایمان والوں کی کیفیت ہوئی) اور (رہ گئے) کافر لوگ (سو وہ) ہمیشہ اُس (بڑھے ہوئے حکم) کی طرف سے شک ہی میں رہیں گے (جو اُن کے دل میں شیطان نے ڈالا تھا) یہاں تک کہ اُن پر دفعۃً قیامت آجاوے (جس کی ہول ہی کافی ہے گو عذاب



نہ بھی ہوتا) یا (اس سے بڑھ کر یہ کہ) ان پر کسی بے برکت دن کا (کہ قیامت کا دن ہے) عذاب پہنچے (اور دونوں کا جمع ہونا جو کہ واقع میں ہوگا اور بھی اشد مصیبت ہے مطلب یہ ہے کہ یہ بد دن مشاہدہ عذاب کفر سے باز نہ آویں گے مگر اس وقت نافع نہ ہوگا) بادشاہی اس روز اللہ ہی کی ہوگی وہ ان سب (مذکورین) کے درمیان (عملی فیصلہ فرمادے گا۔ سو جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور اچھے کام کئے ہوں گے وہ چین کے باغوں میں ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہوگا تو ان کے لئے ذلت کا عذاب ہوگا۔

## معارف مسائل

من رسول ولا نبی، ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اور نبی دو الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں ایک نہیں، ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ اس میں اقوال مختلف ہیں مشہور اور واضح یہ ہے کہ نبی تو اس شخص کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب نبوت قوم کی اصلاح کے لئے عطا ہوا ہو اور اس کے پاس اللہ کی طرف سے وحی آتی ہو خواہ اس کو کوئی مستقل کتاب اور شریعت دی جائے یا کسی پہلے نبی ہی کی کتاب اور شریعت کی تبلیغ کے لئے مامور ہو۔ پہلے کی مثال حضرت موسیٰ و عیسیٰ اور خاتم الانبیاء علیہم السلام کی ہے اور دوسرے کی مثال حضرت ہارون علیہ السلام کی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تو رات اور انہی کی شریعت کی تبلیغ و تعلیم کے لئے مامور تھے۔ اور رسول وہ ہے جس کو مستقل شریعت اور کتاب ملی ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہر رسول کا نبی ہونا ضروری ہے مگر ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں، یہ تقسیم انسانوں کیلئے ہے۔ فرشتہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لیکر آتا ہے اس کو رسول کہنا اس کے منافی نہیں، اسکی تفصیل سورۃ مریم میں آچکی ہے۔

أَفَلَى الشَّيْطَانِ فِي أُمْنِيَّتِهِ لَفْظاً تَمَعْنِ اس جگہ بمعنی قرأ ہے اور أُمْنِيَّة کے معنی قراءت کے ہیں۔ عربی لغت کے اعتبار سے یہ معنی بھی معروف ہیں۔ اس آیت کی جو تفسیر اور خلاصہ تفسیر میں لکھی ہے وہ بہت صاف بے غبار ہے۔ ابو حیان نے بحر محیط میں اور بہت سے دوسرے حضرات مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ کتب حدیث میں اس جگہ ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے جو غرائب کے نام سے معروف ہے یہ واقعہ جہور محدثین کے نزدیک ثابت نہیں ہے بعض حضرات نے اسکو موضوع ملحدین و زنادقہ کی ایجاد قرار دیا ہے اور جن حضرات نے اس کو معتبر بھی قرار دیا ہے تو اس کے ظاہری الفاظ سے جو شبہات قرآن و سنت کے قطعی اور یقینی احکام پر عائد ہوتے ہیں ان کے مختلف جوابات دیئے ہیں لیکن اتنی بات بالکل واضح ہے کہ اس آیت قرآن کی تفسیر اس واقعہ پر موقوف نہیں بلکہ اس کا سیدھا سادہ مطلب یہی جو اوپر بیان ہو چکا ہے بلا وجہ اسکو اس آیت کی تفسیر کا جزو بنا کر شکوک و شبہات کا دروازہ کھولنا اور پھر جوابدہی کی فکر کرنا کوئی مفید کام نہیں اسلئے اسکو ترک کیا جاتا ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم



وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ

اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے اللہ کی راہ میں پھر مارے گئے یا مر گئے البتہ اُن کو دے گا اللہ

رِزْقًا حَسَنًا وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٥٩﴾ لَيْدٌ خَلَّتْهُمْ

روزِی خاصی اور اللہ ہے سب سے بہتر روزی دینے والا البتہ پہنچائے گا اُن کو

مَدَّ خَلًّا يَرْزُقُوهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿٥٩﴾

ایک جگہ جس کو پسند کریں گے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے تحمل والا

### خلاصہ تفسیر

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں (یعنی دین کی حفاظت کے لئے) اپنا وطن چھوڑا (جن کا ذکر پہلی آیت میں بھی اَلَّذِينَ اٰخَرُ جُؤَامِنُ دیا دھو کے الفاظ سے آچکا ہے) پھر وہ لوگ (کفار کے مقابلہ میں) قتل کئے گئے یا (دیے ہی طبعی موت سے) مر گئے (وہ ناکام و محروم نہیں، گو اُن کو دنیاوی فوائد نہ ملے مگر آخرت میں) اللہ تعالیٰ اُن کو ضرور ایک عمدہ رزق دیگا (یعنی جنت کی بیشمار نعمتیں) اور یقیناً اللہ تعالیٰ سب دینے والوں سے اچھا (دینے والا) ہے (اور اس اچھے رزق کیساتھ) اللہ تعالیٰ اُن کو (مُسکن بھی اچھا دیگا یعنی) ایسی جگہ لیجا کر داخل کرے گا جس کو وہ (بہت ہی) پسند کریں گے (وہی یہ بات کہ بعض مہاجرین اس طرح دنیاوی فتح و نصرت اور اُس کے فوائد سے محروم کیوں ہوئے اور اُنکے مقابلے کے کفار اُن کے قتل کرنے پر قادر کیوں ہو گئے وہ قہر الہی کے کیوں نہ ہلاک کر دیے گئے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ہر کام کی حکمت و مصلحت کو خوب جاننے والا ہے) اُن کی اس ظاہری ناکامی میں بھی بہت سی مصلحتیں اور حکمتیں ہیں اور بہت حلیم والا ہے (اس لئے دشمنوں کو فوراً سزا نہیں دیتا)۔

ذٰلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بَغِيَ عَلَيْهِ

یہ سُن چکے اور جس نے بدلہ لیا جیسا کہ اُس کو دُکھ دیا تھا پھر اس پر کوئی زیادتی

لَيَنْصُرَنَّہٗ اللّٰهُ ۚ اِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿٦٠﴾

کرے تو البتہ اسکی مدد کرے گا اللہ، بیشک اللہ درگزر کرنے والا بخشنے والا ہے

### خلاصہ تفسیر

یہ (مضمون تو) ہو چکا اور (آگے یہ سنو کہ) جو شخص (دشمن کو) اسی قدر تکلیف پہنچائے جس قدر (دشمن کی طرف سے) اس کو تکلیف پہنچائی گئی تھی پھر (اس برابر برابر ہو جانے کے بعد اگر اس







إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿٦٣﴾ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَ

بیشک اللہ جانتا ہے، چھپی تدبیریں خبردار ہے، اُسی کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں اور

إِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٦٤﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا

اللہ وہی ہے بے پردا، قریبوں والا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے بس میں کر دیا تمہارے جو

فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرٍ وَيُسَبِّحُ السَّمَاءَ

کچھ ہے زمین میں اور کشتی کچھ چلتی ہے دریا میں اُسکے حکم سے اور نظام رکھتا ہے آسمان کو

أَنْ تَقَعَّ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٦٥﴾

اس سے کہ گر پڑے زمین پر مگر اُسکے حکم سے بیشک اللہ لوگوں پر نرمی کرنے والا مہربان ہے

وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ ﴿٦٦﴾

اور اسی نے تم کو جلایا پھر مارتا ہے پھر زندہ کرے گا بیشک انسان ناشکر ہے

## خلاصہ تفسیر

یہ (مؤمنین کا غالب کر دینا) کہ اللہ تعالیٰ (کی قدرت بڑی کامل ہے وہ) رات (کے اجزاء) کو دن میں اور دن (کے اجزاء) کو رات میں داخل کر دیتا ہے (یہ کائناتی انقلاب ایک قوم کو دوسری پر غالب کر نیوالے انقلاب سے زیادہ عجیب ہے) اور اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ (ان سب کے اقوال و احوال کو) خوب سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے (وہ کفار کے ظلم اور مؤمنین کی مظلومیت کو مستند دیکھتا ہے اس لئے وہ سب حالات سے باخبر بھی ہے اور قوت و قدرت بھی اُس کی سب سے بڑی یہ مجموعہ سبب ہو گیا کمزوروں کو غالب کرنے کا) اور (نیز) یہ (نصرت) اس سبب سے (یقینی) ہے کہ (اس میں کسی طاقت کی مجال نہیں جو اس میں اللہ تعالیٰ کی مزاحمت کرے کیونکہ) اللہ ہی ہستی میں کامل ہے اور جن چیزوں کی اللہ کے سوا یہ لوگ عبادت کرتے ہیں وہ بالکل ہی لچر ہیں۔ (کہ وہ خود اپنے وجود میں محتاج بھی ہیں کمزور بھی وہ کیا اللہ کی مزاحمت کر سکتے ہیں) اور اللہ ہی عالیشان سب سے بڑا ہے (اس میں غور کرنے سے توحید کا حق ہونا اور شرک کا باطل ہونا ہر شخص سمجھ سکتا ہے اس کے علاوہ) کیا تجھ کو خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا جس سے زمین سرسبز ہو گئی پھر بیشک اللہ تعالیٰ بہت مہربان سب باتوں کی خبر رکھنے والا ہے (اس لئے بندوں کی ضرورتوں پر مطلع ہو کر اُن کے مناسب مہربانی فرماتا ہے) سب اُسی کا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ ہی ایسا ہے جو کسی کا محتاج نہیں ہر طرح کی تعریف کے لائق ہے (اور اے مخاطب) کیا تجھ کو خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے کام میں لگا رکھا ہے



زمین کی چیزوں کو اور کشتی کو (بھی) کہ وہ دریا میں اُسکے حکم سے چلتی ہے اور وہی آسمانوں کو زمین پر  
گرنے سے تھامے ہوئے ہے ہاں مگر یہ کہ اُسی کا حکم ہو جاوے (تو یہ سب کچھ ہو سکتا ہے اور بندوں  
کے گناہ اور بُرے اعمال اگرچہ ایسا حکم ہو جانے کے مقضی ہیں مگر پھر بھی جو ایسا حکم نہیں دیتا تو وجہ  
یہ ہے کہ) بالیقین اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑی شفقت اور رحمت فرمانے والا ہے اور وہی ہے جس نے  
تم کو زندگی دی پھر (وقت موعود پر) تم کو موت دیگا پھر (قیامت میں) تم کو زندہ کرے گا  
(ان انعامات و احسانات کا تقاضا تھا کہ لوگ توحید اور اللہ کے شکر کو اختیار کرتے مگر)  
واقعی انسان ہے بڑانا شکر کہ اب بھی کفر و شرک سے باز نہیں آتا۔ مُراد سب انسان نہیں  
بلکہ وہی جو اس ناشکری میں مبتلا ہوں۔

## معارف و مسائل

سَخَّرَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ رِجْسًا مِّنْ سَبِّحُوا اسْمَ رَبِّكُمُ اللَّيْلَ نَدْرِ وَأَضْحَارًا إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي يُخْرِجُ الرِّجْسَ أَنفُسَ الْفُجَّارِ

ظاہری اور عام معنی یہ سمجھے جاتے ہیں کہ وہ اس کے حکم کے تابع چلے۔ اس معنی کے لحاظ سے یہاں شیعہ ہو سکتا ہے کہ زمین کے پہاڑ اور دریا اور درندے پرندے اور ہزاروں چیزیں انسان کے حکم کے تابع تو نہیں چلتے مگر کسی چیز کو کسی شخص کی خدمت میں لگا دینا جو ہر وقت یہ خدمت انجام دیتی رہے یہی درحقیقت اس کے لئے تسخیر ہی ہے اگرچہ وہ اس کے حکم سے نہیں بلکہ مالک حقیقی کے حکم سے یہ خدمت انجام دے رہی ہے۔ اسی لئے یہاں ترجمہ تسخیر کا کام میں لگا دینے سے کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ بھی تھا کہ ان سب چیزوں کو انسان کا تابع حکم بھی بنا دیتے مگر اس کا نتیجہ خود انسان کے حق میں مضر پڑتا، کیونکہ انسانوں کی طبائع، خواہشات اور ضرورتیں مختلف ہوتی ہیں ایک انسان دریا کو اپنا رخ دوسری طرف موڑنے کا حکم دیتا اور دوسرا اس کے خلاف تو انجام بجز فساد کے کیا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے ان سب چیزوں کو تابع حکم تو اپنا ہی رکھا مگر تسخیر کا جو اصل فائدہ تھا وہ انسان کو پہنچا دیا۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ ۖ فَلَا يُنَازِعُونَكَ فِيهِ إِلَّا قَوْمٌ وَادُّعُ

ہر اُمت کے لئے ہم نے مقروض کر دی ایک راہ بندگی کی کہ وہ اس طرح کرتے ہیں بندگی، سوچا ہے تجھ سے جھگڑا کریں اس کام میں اور

إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَّ هُدًى مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦٤﴾ وَإِنْ جَادِلُوكَ فَقُلْ

تو بھائے جا اپنے رب کی طرف، بیشک تو ہے سیدھی راہ پر سو جھوٹا  
اور اگر تجھ سے جھگڑانے لگیں تو تو کہہ

اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٦٨﴾ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

اللہ بہتر جانتا ہے جو تم کرتے ہو اللہ فیصلہ کرے محاکم میں قیامت کے دن



فَمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٦٩﴾ أَلَمْ تَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ

جس چیز میں تمہاری راہ جدا جدا تھی کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ ہے آسمان

وَالْأَرْضِ إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٧٠﴾

اور زمین میں یہ سب لکھا ہوا ہے کتاب میں اللہ پر آسان ہے

## خلاصہ تفسیر

(جتنی اُمّتیں اہل شرائع گزری ہیں اُن میں) ہم نے ہر اُمّت کے واسطے ذبح کرنے کا طریق مقرر کیا ہے کہ وہ اسی طریقہ پر ذبح کیا کرتے تھے تو (اعتراف کرنے والے) لوگوں کو چاہیے کہ اسلام (ذبح) میں آپ سے جھگڑا نہ کریں (اُن کو تو آپ سے بحث اور جھگڑا کر نیکو حق نہیں مگر آپ کو حق ہے اس لئے) آپ (ان کو) اپنے رب (یعنی اسکے دین) کی طرف بلاتے رہئے آپ یقیناً صحیح راستہ پر ہیں۔ (صحیح راستہ پر چلنے والے کو حق ہوتا ہے کہ غلط راستے پر چلنے والے کو اپنی طرف بلانے غلط راستہ والے کو یہ حق نہیں ہوتا) اور اگر (اسپر بھی) یہ لوگ آپ سے جھگڑا کرتے رہیں تو آپ یہ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے (وہی تم کو سمجھے گا آگے اسی کی توضیح یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان قیامت کے دن (عملی) فیصلہ فرما دیگا جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے تھے (آگے اسی کی تائید ہے کہ) اسے مخاطب کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے (اور علم الہی میں محفوظ ہونے کے ساتھ یہ بھی) یقینی بات ہے کہ یہ (یعنی ان کے سب اقوال و اعمال) نامہ اعمال میں (بھی محفوظ) ہی (پس) یقیناً (ثابت ہو گیا کہ) یہ (فیصلہ کرنا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک آسان ہے

## معارف و مسائل

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا، یہی مضمون تقریباً انہیں الفاظ کے ساتھ اسی سورت کی آیت ۱۲۴ میں گزر چکا ہے مگر دونوں جگہ لفظ منسک کے معنے اور مراد میں فرق ہے۔ وہاں منسک اور منسک قربانی کے معنے میں ضمن احکام حج آیا تھا اور اسلئے وہاں واؤ کیساتھ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ فرمایا گیا۔ یہاں منسک کے دوکے معنے (یعنی احکام ذبائح یا علم احکام شرعیہ) اور دوسرا مفہوم مراد ہے اور یہ ایک مستقل حکم ہے اسلئے اسکو عطف کر کے نہیں لیا گیا۔ اس آیت کی تفسیر میں ایک قول تو وہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں لیا گیا ہے کہ بعض کفار منسلماؤں سے اُن کی ذبائح کے متعلق فضول بحث و جدال کرتے تھے اور کہتے تھے کہ تمہارے مذہب کا یہ حکم عجیب ہے کہ جس جانور کو تم خود اپنے ہاتھ سے قتل کرو وہ تو حلال اور جس کو اللہ تعالیٰ براہ راست مار دے یعنی عام مرقار جانور وہ حرام۔ ان کے اس جدال کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی (کہا رواہ المحاکم



صحیح دلتی فی الشعب عن علی بن حسن و ابن عباسؓ انہا نزلت بسبب قول الخزاعیین - (روح المعانی) تو یہاں منسک کے معنی طریقہ ذبح کے ہونگے اور حاصل جواب کا یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک امت اور شریعت کے لئے ذبیحہ کے احکام الگ الگ رکھے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ایک مستقل شریعت ہے اس کے احکام کا معارضہ کسی پہلی شریعت کے احکام سے کرنا بھی جائز نہیں چہ جائیکہ تم اُس کا معارضہ خالص اپنی رائے اور خیال باطل سے کر رہے ہو یعنی مراد ار جہاد کا حلال نہ ہونا تو اس امت و شریعت کیساتھ مخصوص نہیں سب پچھلی شریعتوں میں بھی حرام رہا ہے تو تمہارا یہ قول تو بالکل ہی بے بنیاد اس بے بنیاد خیال کی بنا پر صاحب شریعت نبی سے مجادلہ اور معارضہ کرنا حماقت ہی حماقت ہے (لکھنا میں فی روح المعانی معنی الایۃ)۔ اور جمہور مفسرین نے اس جگہ لفظ منسک عام احکام شریعت کے معنی میں لیا ہے کیونکہ اصل لغت میں منسک کے معنی ایک معین جگہ کے ہیں جو کسی خاص عمل خیر یا شر کے لئے مقرر ہو اور اسی لئے احکام حج کو مناسک الحج کہا جاتا ہے کہ انہیں خاص خاص مقامات حاصل حکام و اعمال کے لئے مقرر ہیں (ابن کثیر) اور قاموس میں لفظ منسک کے معنی عبادت کے لکھے ہیں قرآن میں اَرِنَا مَنَّا مَسْکَنَا اسی معنی کے لئے آیا ہے مناسک سے مراد عبادت کے احکام شرعیہ ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ دوسری تفسیر بھی روایت کی گئی ہے۔ ابن جریر، ابن کثیر، قرطبی، روح المعانی وغیرہ میں اسی معنی عام کی تفسیر کو اختیار کیا گیا ہے اور آیت کا سیاق و سباق بھی اسی کا قرینہ ہے کہ منسک سے مراد شریعت اور اس کے احکام عام ہیں اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ مشرکین اور مخالفین اسلام جو شریعت محمدیہ کے احکام میں جدال اور جھگڑے کرتے ہیں اور بنیاد یہ ہوتی ہے کہ ان کے آبائی مذہب میں وہ احکام نہ تھے تو وہ سن لیں کہ پچھلی کسی شریعت و کتاب سے نئی شریعت و کتاب کا معارضہ مجادلہ کرنا باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر امت کو اس کے وقت میں ایک خاص شریعت اور کتاب دی ہے جس کا اتباع اُس امت پر اس وقت تک درست تھا جب تک کوئی دوسری امت اور دوسری شریعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ آگئی۔ اور جب دوسری شریعت آگئی تو اتباع اس جدید شریعت کا کرنا ہے اگر اس کا کوئی حکم پہلی شریعتوں کے مخالف ہے تو پہلے حکم کو منسوخ اور اس کو ماسخ سمجھا جائیگا اس لئے اس صاحب شریعت سے کسی کو مجادلہ اور منازعت کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ آیت کے آخری الفاظ فَلَا تَمِيزُنَا بَيْنَكُمْ فِي الْاٰهْلِ کلمہ یہی حاصل ہے کہ موجودہ زمانہ میں جبکہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ایک مستقل شریعت لیکر آگئے تو کسی کو اس کا حق نہیں کہ ان کی شریعت کے احکام میں جدال اور نزاع پیدا کرے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ پہلی تفسیر اور اس دوسری تفسیر میں درحقیقت کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا ہے کہ آیت کا نزول کسی خاص نزاع دربارہ ذباحہ کے سبب سے ہوا ہو مگر آیت کے عام الفاظ تمام احکام شرعیہ پر مشتمل ہیں اور اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے خصوص مورد کا نہیں ہوتا۔ تو حاصل دونوں تفسیروں کا یہی ہو جائے گا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہر امت کو الگ الگ شریعت دی ہے جن میں احکام جزئیہ مختلف بھی



ہوتے ہیں تو کسی پچھلی شریعت پر عمل کرنے والے کو نئی شریعت سے معارضہ اور نزاع کا کوئی حق نہیں بلکہ اسپر اس نئی شریعت کا اتباع واجب ہے اسی لئے آخر آیت میں فرمایا گیا، اَدْعُ إِلَى سَبِيلِكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ، یعنی آپ ان لوگوں کی جہ میگوئیوں اور نزاع و جدال سے متاثر نہ ہوں بلکہ برابر اپنے منصبی فریضہ دعوت الی الحق میں مشغول رہیں کیونکہ آپ حق اور صراط مستقیم پر ہیں آپ کے مخالف ہی راستہ سے ہٹے ہوئے ہیں۔

ایک شبہ کا جواب | اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ شریعت محمدیہ کے نزول کے بعد کسی پہلی شریعت پر ایمان رکھنے والے مثلاً یہودی نصرانی وغیرہ کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ خود قرآن نے ہمارے لئے اس آیت میں یہ کہہ کر گنجائش دی ہے کہ ہر شریعت اللہ ہی کی طرف سے ہے اس لئے اگر زمانہ اسلام میں بھی ہم شریعت موسویہ یا عیسویہ پر عمل کرتے رہیں تو مسلمانوں کو ہم سے اختلاف نہ کرنا چاہیے کیونکہ آیت میں ہر امت کو شریعت خاصہ دیے کا ذکر کرنے کے بعد پوری دنیا کے لوگوں کو یہ حکم بھی دیدیا گیا ہے کہ شریعت محمدیہ کے قائم ہو جانے کے بعد وہ اس شریعت کی مخالفت نہ کریں یہ نہیں فرمایا کہ مسلمان ان کی سابقہ شریعت کے کسی حکم کے خلاف نہ بولیں اور اس آیت کے بعد کی آیات سے یہ مضمون اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے جنہیں شریعت اسلام کے خلاف مجادلہ کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ان حرکتوں کو خوب جانتا ہے وہی اسکی سنادرہے گا۔ فَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانٌ وَمَا لَيْسَ لَهُمْ

اور پوجتے ہیں اللہ کے سوائے اُس چیز کو جس چیز کی سند نہیں آتا رہی اُسے اور جس کی خبر نہیں

بِهِ عِلْمٌ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ۝۱۰ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا

اُن کو اور بے انصافوں کا کوئی نہیں مددگار اور جب سنائے اُن کو ہماری آیتیں

بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالْمُنْكَرَ لَيْكَادُونَ يَسْطُونَ

صاف تو پہچانتے تو منکروں کے منہ کی بُری شکل نزدیک ہوتے ہیں کہ حملہ کر پڑیں

بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قُلْ أَفَأَنْتُمْ تُبْشِرُونَ مَنْ ذِكْرُ

اُن پر جو پڑھتے ہیں انکے پاس ہماری آیتیں تو کہہ میں تم کو بتلاؤں ایک چیز اس سے بدتر وہ

النَّارُ وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَبَشِّرِ الْمَصِيرَ ۝۱۱ يَا أَيُّهَا

آگ ہے اسکا وعدہ کر دیا ہے اللہ نے منکروں کو اور وہ بدست بُری ہے پھر جانے کی جگہ اے

النَّاسُ ضَرْبٌ مِّثْلُ فَأَسْمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ

لوگو ایک مثل کہی ہے سو اس پر کان رکھو جن کو تم پوچھتے ہو



دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَا يُجْتَمِعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ

اللہ کے سوائے ہرگز نہ بنا سکیں گے ایک بھی اگرچہ سارے جمع ہو جائیں اور اگر کچھ چھین لے اُن سے

شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ۚ (۷۴) مَا قَدَرُوا

کبھی چھڑانہ سکیں وہ اُس سے بودا ہے چاہنے والا اور جن کو چاہتا ہے اللہ کی قدر

اللَّهُ حَقٌّ قَدَرُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۚ (۷۵)

بہیں سمجھے جیسی اس کی قدر ہے بیشک اللہ زور آور ہے زبردست

### خلاصہ تفسیر

اور یہ (مشرک) لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن (کے جوار عباد)

پر اللہ تعالیٰ نے کوئی حجت (اپنی کتاب میں) نہیں بھیجی اور نہ ان کے پاس اس کی کوئی (عقلی) دلیل ہے

اور (قیامت میں) جب (ان کو) شرک پر سزا ہونے لگے گی تو (ان ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا) نہ تو اُن

کہ انکے فعل کے استحسان پر کوئی حجت پیش کر سکے نہ عملاً کہ اُن کو عذاب سے بچالے اور (ان لوگوں کو

اسی گمراہی اور اہل حق سے عناد رکھنے میں یہاں تک غلو ہے کہ) جب ان لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں

(متعلق توحید وغیرہ کے) جو کہ (اپنے مضامین میں) خوب واضح ہیں (اہل حق کی زبان سے) پڑھ کر

سُنائی جاتی ہیں تو تم کافروں کے چہروں میں (بوجہ ناگواری باطنی کے) بڑے آثار دیکھتے ہو

(جیسے چہرے پر بل پڑ جانا۔ ناک چڑھ جانا۔ تیور بدل جانا اور ان آثار سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ)

قریب ہے کہ اُن لوگوں پر (اب) حملہ کر بیٹھیں (گئے) جو ہماری آیتیں ان کے سامنے پڑھ رہے ہیں

یعنی حملہ کا شبہ ہمیشہ ہوتا ہے اور گاہ گاہ اس حملہ کا تحقق بھی ہوا ہے پس یکادون استمرار کے اعتبار سے

فرمایا) آپ (ان مشرکین سے) کہیے کہ تم کو جو یہ آیات قرآنیہ شکر ناگواری ہوئی تو) کیا میں تم کو اس

(قرآن) سے (بھی) زیادہ ناگواری چیز بتا دوں وہ دوزخ ہے کہ) اسکا اللہ تعالیٰ نے کافروں

سے وعدہ کیا ہے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے (یعنی قرآن سے ناگواری کا نتیجہ ناگوار دوزخ ہے اس ناگواری کا

تو غیظ سے غضب سے انتقام سے کچھ تدارک بھی کر لیتے ہو مگر اُس ناگواری کا کیا علاج کر دے جو دوزخ

سے ہوگی۔ آگے ایک یہی دلیل سے شرک کا ابطال ہے کہ) اے لوگو ایک عجیب بات بیان کی

جاتی ہے اس کو کان لگا کر سنو (وہ یہ ہے کہ) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جن کی تم لوگ خدا کو چھوڑ کر

عبادت کرتے ہو وہ ایک (ادنیٰ) کبھی کو تو پیدا کر ہی نہیں سکتے گو سب کے سب بھی (کیوں نہ) جمع

ہو جا دیں اور (پیدا کرنا تو بڑی بات ہے وہ تو ایسے عاجز ہیں کہ) اگر ان سے کبھی کچھ (انکے چڑھاؤ

میں سے) چھین لے جائے تو اس کو (تو) اس سے چھڑا (ہی) نہیں سکتے ایسا عابد بھی لہجہ اور ایسا



معبود بھی لچر (افسوس ہے) ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسی تعظیم کرنا چاہیے تھی کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرتے (وہ نہ کی کہ شرک کرنے لگے حالانکہ) اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا سب پر غالب ہے۔ (تو عبادت اس کا خالص حق تھا نہ کہ غیر قوی اور غیر عزیز کا جس کی عدم قوت با وضوح وجوہ معلوم ہو چکی)۔

## معارف و مسائل

شرک بت پرستی کی احمقانہ **صُرِبَ مَثَلٌ**، **صُرِبَ مَثَلٌ** کا لفظ عام طور پر جو کسی خاص قصہ کی تشبیہ حرکت کی ایک مثال سے توضیح کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں **صُرِبَ مَثَلٌ** سے یہ صورت مراد نہیں بلکہ شرک و بت پرستی کی حماقت کی ایک واضح مثال سے بیان کرنا ہے کہ یہ بت جن کو تم لوگ اپنا کارساز سمجھتے ہو یہ تو ایسے بے کس بے بس ہیں کہ سب ملا کر ایک کبھی جیسی حقیر چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے اور پیدا کرنا تو بڑا کام ہے تم روزانہ کے سامنے مٹھائی اور پھل وغیرہ کھانے کی چیزیں رکھتے ہو اور کھیاں اس کو کھا جاتی ہیں، ان سے اتنا تو ہوتا نہیں کہ کھیبوں سے اپنی چیز ہی کو بچالیں یہ تمہیں کسی آفت سے کیسا بچائیں گے اسی لئے آخر آیت میں ان کی جہالت اور بوقونی کو ان الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے **صَنَعَ الظَّالِمُ الْاُطْلُوبُ** یعنی جس کا معبود ہی ایسا بے بس ہو اس کا عابد اس سے بھی زیادہ کمزور ہو گا **مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ** یعنی کیسے بے وقوف احسان فراموش ہیں ان لوگوں نے اللہ کی کچھ قدر نہ پہچانی کہ ایسے عظیم الشان قدرت والے کے ساتھ ایسے بے بس بے شعور پتھروں کو برابر کر دیا۔ واللہ اعلم

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ

اللہ چھانت لیتا ہے فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے اور آدمیوں میں اللہ سنتا

بَصِيرٌ ۵۰ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ

دیکھتا ہے جانتا ہے جو کچھ اُن کے آگے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے اور اللہ سب سے

الْأُمُورُ ۵۱ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ

ہر کام کی اے ایمان والو رکوع کرو اور سجدہ کرو اور بندگی کرو اپنے رب کی

وَأَفْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۵۲ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ

اور بھلائی کرو تاکہ تمہارا بھلا ہو اور محنت کرو اللہ کے واسطے جیسی کہ چاہیئے

جِهَادِهِ ۵۳ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ

اس کے واسطے محنت، اُس نے تم کو پسند کیا اور نہیں رکھی تم پر دین میں کچھ مشکل

مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۵۴ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ ۵۵ مِنْ قَبْلُ وَفِي

دین تمہارے باپ ابراہیم کا اسی نے نام رکھا تمہارا مسلمان پہلے سے اور اس

عند الامام الشافعي



هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى

قرآن میں تاکہ رسول ہو بتانے والا تم پر اور تم ہو بتانے والے لوگوں

النَّاسِ فَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ

پر سو قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور مضبوط پکڑو اللہ کو وہ تمہارا مالک ہے

فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿۷۸﴾

سو خوب مالک ہے اور خوب مددگار

## خلاصہ تفسیر

اللہ تعالیٰ (کو اختیار ہے رسالت کے لئے جس کو چاہتا ہے) منتخب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے (جن فرشتوں کو چاہے) احکام (الہیہ نبیوں کے پاس) پہنچانے والے (مقرر فرمادیتا ہے) اور (اسی طرح) آدمیوں میں سے بھی جس کو چاہے عامۂ ناس کے لئے احکام پہنچانے والے مقرر کر دیتا ہے یعنی رسالت کا مدار اصطفاء خداوندی پر ہے اس میں کچھ ملکیت یعنی فرشتہ ہونے کی خصوصیت نہیں بلکہ جس طرح ملکیت کے ساتھ رسالت جمع ہو سکتی ہے جس کو مشرکین بھی مانتے ہیں چنانچہ فرشتوں کے رسول ہونے کی وہ خود تجویز کرتے تھے اسی طرح بشریت کیساتھ بھی وہ جمع ہو سکتی ہے رہا یہ کہ اصطفاء کسی ایک خاص کیساتھ کیوں واقع ہوا تو ظاہری سبب تو اس کا خصوصیات احوال ان رسل کے ہیں اور یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے (یعنی) وہ اُن (سب فرشتوں اور آدمیوں) کی آئندہ اور گزشتہ حالتوں کو (خوب) جانتا ہے (تو حالت موجودہ کو بدرجہ اولیٰ جانے کا غرض سب احوال سموۃ مبصرہ اس کو معلوم ہیں ان میں بعض کا حال مقتضی اس اصطفاء کا ہو گیا) اور (حقیقی سبب اس کا یہ ہے کہ) تمام کاموں کا مدار اللہ ہی پر ہے (یعنی وہ مالک مستقل بالذات و فاعل مختار ہے اس کا ارادہ مرجع بالذات ہے۔ اس ارادہ کے لئے کسی مرجع کی ضرورت نہیں، پس سبب حقیقی ارادہ خداوندی ہے اور اس کا سبب پوچھنا لغو و بھو معنی قولہ تعالیٰ لَا يَسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ، یعنی اللہ تعالیٰ سے اس کے کسی فعل کا سبب یافت کر سکا کسی کو حق نہیں۔)

(آگے ختم سورت پر اول فروع و شرائع کا بیان ہے اور ملتہ ابراہیم پر استقامت کا حکم دیا گیا ہے اور انکی ترغیب کے لئے بعض مضامین ارشاد فرمائے ہیں) اے ایمان والو! (تم اصول کے قبول کرنے کے بعد فروع کی بھی پابندی رکھو۔ خصوصاً نماز کی، پس تم) رکوع کیا کرو اور سجدہ کیا کرو اور (عموبادوں کے فروع بھی بجا لا کر) اپنے رب کی عبادت کیا کرو اور نیک کام کیا کرو۔ اُمید (یعنی وعدہ) ہے کہ تم فلاح پاؤ گے اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کوشش کرنا حق ہے، اسے تم کو (دوسری امتوں سے) ممتاز فرمایا (جیسا کہ آیت جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا وغیرہ میں مذکور ہے) اور تم پر دین



میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی (اور اے ایمان والو، جس اسلام کا تم کو امر کیا گیا ہے کہ احکام کی پوری بجا آوری ہو اور وہی ملتِ ابراہیمی ہے) تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم رہو اس نے تمہارا لقب مسلمان رکھا پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی، تاکہ تمہارے لئے رسول اللہ گواہ ہوں اور (اس شہادتِ رسول کے قبل) تم (ایک بڑے مقدمہ میں جس میں ایک فرقِ حضراتِ انبیاء ہونگے اور فریقِ ثانی ان کی مخالف قویں ہونگی ان مخالف) لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو (اور رسول کی شہادت سے تمہاری شہادت کی تصدیق ہو اور حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے حق میں فیصلہ ہو) سو (ہمارے احکام کی پوری بجا آوری کرو) پس تم لوگ (خصوصیت کیساتھ) نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور (بقیہ احکام میں بھی) اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو (یعنی عزم و ہمت کیساتھ دین کے احکام بجالاؤ، غیر اللہ کی رضا و عدم رضا اور اپنے نفس کی مصلحت و مضرت کی طرف التفات مت کرو) وہ تمہارا کارساز ہے سو کیسا اچھا کارساز ہے اور کیسا اچھا مددگار ہے۔

## معارف و مسائل

سُورَةُ الْحَجِّ کا سجدہ تلاوت | يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ، سُورَةُ الْحَجِّ میں

ایک آیت تو پہلے گزر چکی ہے جس پر سجدہ تلاوت کرنا باتفاق واجب ہے۔ اس آیت پر جو یہاں مذکور ہے سجدہ تلاوت کے وجوب میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام عظیم ابو حنیفہ، امام مالک، سفیان ثوری رحمہم اللہ کے نزدیک اس آیت پر سجدہ تلاوت واجب نہیں کیونکہ اس میں سجدہ کا ذکر رکوع وغیرہ کیساتھ آیا ہے جس سے نماز کا سجدہ مراد ہونا ظاہر ہے جیسے وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ مَعَ الْوَالِدَيْنِ میں سب کا اتفاق ہے کہ سجدہ نماز مراد ہے اس کی تلاوت کرنے سے سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا اسی طرح آیت مذکورہ پر بھی سجدہ تلاوت واجب نہیں۔ امام شافعی، امام احمد وغیرہ کے نزدیک اس آیت پر بھی سجدہ تلاوت واجب ہے اُن کی دلیل ایک حدیث ہے جس میں یہ ارشاد ہے کہ سُورَةُ الْحَجِّ کو دوسری سورتوں پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس میں دو سجدہ تلاوت ہیں۔ امام عظیم ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک اس روایت کے ثبوت میں کلام ہے تفصیل اس کی کتب فقہ و حدیث میں دیکھی جاسکتی ہے۔

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ، لفظ جہاد اور مجاہدہ کسی مقصد کی تحصیل میں اپنی پوری طاقت خرچ کرنے اور اسکے لئے مشقت برداشت کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ کفار کیساتھ قتال میں بھی مسلمان اپنے قول و فعل اور ہر طرح کی امکانی طاقت خرچ کرتے ہیں اس لئے اس کو بھی جہاد کہا جاتا ہے اور حق جہاد سے مراد اُن میں پورا اخلاص اللہ کیلئے ہونا ہی جیسے کسی دنیوی نام و نمود یا مالی غنیمت کی طمع کا شائبہ نہ ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حق جہاد یہ ہے کہ جہاد میں اپنی پوری طاقت خرچ کرے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت پر کان نہ لگائے۔ اور بعض حضرات مفسرین نے اس جگہ جہاد کے معنی



عام عبادات اور احکام الہیہ کی تعمیل میں اپنی پوری طاقت پورے اخلاص کیساتھ خرچ کرنے کے لئے  
ضحاک اور متاعل نے فرمایا کہ مراد آیت کی یہ ہے کہ اعلموا اللہ حق علیہ واعبدوا حق عبادتہ یعنی عمل  
کرو اللہ کے لئے جیسا کہ اسکا حق ہے اور عبادت کرو اللہ کی جیسا کہ اسکا حق ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن  
مبارکؓ نے فرمایا کہ یہاں جہاد سے مراد اپنے نفس اور اسکی بیجا خواہشات کے مقابلہ میں جہاد کرنا ہے اور یہی  
حق جہاد ہے۔ امام بغوی وغیرہ نے اس قول کی تائید میں ایک حدیث بھی حضرت جابر بن عبداللہ سے  
نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام کی ایک جماعت جو جہاد کفار کے لئے گئی ہوئی تھی واپس آئی تو آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قد متخذیہ مقدم من الجہاد الا صغری الجہاد الا کبریٰ  
بجہاد العبد لہوہ رواہ البیہقی وقال ہذا اسناد فیہ ضعف، یعنی تم لوگ خوب واپس  
آئے چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف یعنی اپنے نفس کی خواہشات، بیجا کے مقابلہ کا جہاد اب بھی  
جاری ہے۔ اس روایت کو بیہقی نے روایت کیا ہے مگر کہا ہے کہ اس کے اسناد میں ضعف ہے۔

فائدہ [تفسیر ظہری میں اس دوسری تفسیر کو اختیار کر کے اس آیت سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ صحابہ کرام  
جب مقابلہ کفار میں جہاد کر رہے تھے خواہشات نفسانی کے مقابلہ کا جہاد تو اس وقت بھی جاری تھا  
مگر حدیث میں اسکو واپسی کے بعد ذکر کیا ہے اس میں اشارہ یہ ہے کہ اب وہ نفس کے مقابلہ کا جہاد  
اگرچہ میدان کارزار میں بھی جاری تھا مگر عادتاً یہ جہاد شیخ کامل کی صحبت پر موقوف ہے اس لئے وہ جہاد  
سے واپسی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے وقت ہی شروع ہوا۔  
اُمّت محمدیہ اللہ تعالیٰ ہُوَ اُجْتَبَیْکُمْ، حضرت واثلہ ابن اسقع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے  
کی منتخب اُمّت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے تمام بنی اسماعیل  
میں کنانہ کا انتخاب فرمایا، پھر کنانہ میں سے قریش کا پھر قریش میں سے بنی ہاشم کا پھر بنی ہاشم  
میں سے میرا انتخاب فرمایا۔ (رواہ مسلم۔ مظہری)

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ، یعنی اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملہ میں تم پر کوئی تنگی  
نہیں رکھی۔ دین میں تنگی نہ ہونے کا مطلب بعض حضرات نے یہ بیان فرمایا کہ اس دین میں ایسا کوئی  
گناہ نہیں ہے جو توبہ سے معاف نہ ہو سکے اور عذابِ آخرت سے خلاصی کی کوئی صورت نہ نکلے۔ بخلاف  
پچھلی اُمّتوں کے کہ ان میں بعض گناہ ایسے بھی تھے جو توبہ کرنے سے بھی معاف نہ ہوتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تنگی سے مراد وہ سخت و شدید احکام ہیں جو بنی اسرائیل پر عائد  
کئے گئے تھے جن کو قرآن میں راضوا و اغلال سے تعبیر کیا گیا ہے اس اُمّت پر ایسا کوئی حکم فرض نہیں کیا  
گیا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ تنگی سے مراد وہ تنگی ہے جس کو انسان برداشت نہ کر سکے اس دین  
کے احکام میں کوئی حکم ایسا نہیں جو فی نفسہ ناقابلِ برداشت ہو۔ باقی رہی تھوڑی بہت محنت و مشقت



تو وہ دنیا کے ہر کام میں ہوتی ہے۔ تعلیم حاصل کرنے پھر ملازمت، تجارت و صنعت میں کیسی کیسی محنتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں مگر اس کی وجہ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کام بڑے سخت و شدید ہیں۔ ماحول کے غلط اور مخالف ہونے یا ملک و شہر میں اُسکار و اراج نہ ہونے کے سبب جو کسی عمل میں دشواری پیش آئے وہ عمل کی تسلی اور تشدد نہیں کہلائے گی۔ کرنے والے کو اس لئے بھاری معلوم ہوتی ہے کہ ماحول میں کوئی اُسکا ساتھ دینے والا نہیں۔ جس ملک میں روٹی کھانے پکانے کی عادت نہ ہو وہاں روٹی حاصل کرنا کس قدر دشوار ہو جاتا ہے وہ سب جانتے ہیں مگر اسکے باوجود یہ نہیں کہا جاسکتا کہ روٹی پکانا بڑا سخت کام ہے۔

اور حضرت قاضی شہداء اللہ نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ دین میں تسلی نہ ہونے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو ساری اُمتوں میں سے اپنے لئے منتخب فرمایا ہے اسکی برکت سے اس اُمت کے لوگوں کو دین کی راہ میں بڑی سے بڑی مشقت اٹھانا بھی آسان بلکہ لذیذ ہو جاتا ہے۔ محنت سے راحت ملنے لگتی ہے خصوصاً جب دل میں حلاوتِ ایمان پیدا ہو جائے تو سارے بھاری کام بھی ہلکے پھلکے محسوس ہونے لگتے ہیں۔ حدیث صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جَعَلْتُ قِرَّةَ عَلِيٍّ فِي الصَّلَاةِ عَيْنِي نَمَازٍ مِثْلِي مِثْرِي اَلْكَلْبِ كِي تَفْشُكُ كَرْدِي كَتِي هُو۔ (رواہ احمد والنسائی والمحاکم و صحیحہ)

مَلَكَةُ اَبِيكُمْ اَبْرَاهِيْمُ، یعنی یہ ملت ہے تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی۔ یہ خطاب اصل مومنین قریش کو ہے جو ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں ہیں پھر سب لوگ قریش کے تابع ہو کر اس فضیلت میں شامل ہو جاتے ہیں جیسے حدیث میں ہے النَّاسُ تَبِعُوا لِقُرَيْشٍ فِي هَذَا الشَّانِ مُسْلِمُهُمْ تَبِعُوا مُسْلِمَهُمْ وَكَافِرُهُمْ تَبِعُوا كَافِرَهُمْ (رواہ البخاری و مسلم (مظہری) یعنی سب لوگ اس دین میں قریش کے تابع ہیں، مسلمان مسلمان قریش کے تابع اور کافر لوگ کافر قریش کے تابع ہیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا اَبِيكُمْ اَبْرَاهِيْمُ کا خطاب سب اُمت کے مسلمانوں کو ہے اور ابراہیم علیہ السلام کا ان سب کے لئے باپ ہونا اس اعتبار سے ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کے روحانی باپ ہیں جیسا کہ ازواجِ مطہرات اہبات المومنین ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہونا ظاہر و معروف ہے۔

هُوَ سَمِعَكُمْ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلِ ذَٰلِكَ، یعنی حضرت ابراہیم ہی نے اُمتِ محمدیہ کو تمام اہل ایمان کا نام قرآن سے پہلے سُنم تجویز کیا ہے اور خود قرآن میں بھی جیسا کہ ابراہیم کی دعا قرآن کریم میں یہ منقول ہے رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ تَبَتُّلًا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ۔ اور قرآن میں جو اہل ایمان کا نام سُنم رکھا گیا ہے اس کے رکھنے والے اگرچہ براہِ راست ابراہیم علیہ السلام نہیں



مگر قرآن سے پہلے اُن کا یہ نام تجویز کر دینا قرآن میں اسی نام سے موسوم کر نیکا سبب بنا اس لئے اس کی نسبت بھی ابراہیم علیہ السلام کی طرف کر دی گئی۔

لَيَكُونَنَّ الرَّسُولُ مُشْهِدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ، یعنی آپ محشر میں گواہی دیں گے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے احکام اس اُمت کو پہنچا دیئے تھے۔ اور اُمت محمدیہ اسکا اقرار کرے گی مگر دوسرے انبیاء جب یہ کہیں گے تو اُن کی اُمتیں مکر جائیں گی اُسوقت اُمت محمدیہ شہادت دے گی کہ بیشک سب انبیاء نے اپنی اپنی قوم کو اللہ کے احکام پہنچا دیئے تھے دوسری اُمتوں کی طرف سے ان کی شہادت پر یہ جرح ہوگی کہ ہمارے زمانے میں تو اُمت محمدیہ کا وجود بھی نہ تھا یہ ہمارے معاملے میں کیسے گواہ بن سکتے ہیں۔ اُن کی طرف سے جس طرح کا یہ جواب ہوگا کہ بیشک ہم موجود نہ تھے مگر ہم نے یہ بات اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے جن کے صدق میں کوئی شک شبہ نہیں اس لئے ہم یہ گواہی دے سکتے ہیں۔ تو اُن کی شہادت قبول کی جائے گی یہ مضمون اس حدیث کا ہے جس کو بخاری وغیرہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

فَاقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ، مُراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں پر ایسے احسانات عظیمہ فرمائے ہیں جن کا ذکر اوپر آیا ہے تو تمہارا فرض ہے کہ احکام الہیہ کی پابندی میں پوری کوشش کرو اُن میں سے اس جگہ نماز اور زکوٰۃ کے ذکر پر اکتفا اس لئے کیا گیا کہ بدن کے متعلقہ اعمال و احکام میں نماز سب سے اہم ہے اور مال سے متعلقہ احکام میں زکوٰۃ سب سے زیادہ اہم گویا مراد تمام ہی احکام شرعیہ کی پابندی کرنا ہے۔

وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ، یعنی اپنے سب کاموں میں صرف اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرو، اُسی سے مدد مانگو اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ مراد اس اعتصام سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگا کرو کہ تم کو تمام مکر وہات دنیا و آخرت سے محفوظ رکھے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ کے معنی یہ ہیں کہ قرآن و سنت کے ساتھ تمسک کرو انکو ہر حال میں لازم پکڑو جیسا کہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ :-

تُرْكُتُ فِيْكُمْ اُمْرَيْنِ لَنْ تَضِلَّوْا مَا تَمْسُكُتُمَا بِيْهَآ	میں تمہارے لئے دو چیزیں ایسی چھوڑی ہیں کہ تم جب
كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِهِ رَوَاهُ مَالِكٌ فِي الْمَوْطِئِ	تمک ان دونوں کو پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے ایک اللہ کی
مَرْسَلًا۔ (مظہری)	کتاب دوسرے اُس کے رسول کی سنت۔

لَقَدْ تَفْسَّرَ سُورَةُ الْحَجِّ بِعَوْنِ اللّٰهِ سَبْعًا ۖ وَبَعَثَ لَنَا نَعْمَ النَّصِيْرَ  
الحمد للہ سورۃ الحج کی تفسیر کا اکثر حصہ شہر حج کے آخری مہینہ ذی الحجہ میں پورا ہوا، پوری سورت کی تفسیرات روز میں مکمل ہوئی پانچ روز ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ کے اور دوسرے مہینہ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ کے اللہ الحمد اولہ و آخرہ وہ سب عین تکمیل لیا اذ اللہ اعلم



## سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ

سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانِيَةٌ وَشِصَانٌ عَشْرَتَانِ آيَةً وَبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
سورہ مؤمنون مکہ میں اُتری اور اُس کی ایک سو اٹھارہ آیتیں ہیں اور چھ رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہد مہربان نہایت رحم والا ہے

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۱) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۲)

کام نکال لے گئے ایمان والے جو اپنی نماز میں جھکنے والے ہیں

وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۳) وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ۴)

اور جو بے گنت بات پر دھیان نہیں کرتے اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَفْوَاجِهِمْ حَفِظُونَ ۵) إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا

اور جو اپنی شہوت کی جگہ کو بچاتے ہیں مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے

مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۶) فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ

ہاتھ کے مال باندیوں پر سو اُن پر نہیں کچھ الزام پھر جو کوئی دھونڈے اس کے

ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۷) وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ

سوا سو دہی ہیں حد سے بڑھنے والے اور جو اپنی امانتوں سے

وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۸) وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۹)

اور اپنے اقرار سے خبردار ہیں اور جو اپنی نمازوں کی خبر رکھتے ہیں

أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۱۰) الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۱۱)

وہی ہیں میراث لینے والے جو میراث پائیں گے باغ الفردوس چھاؤں کے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

وقف لازم



فضائل و خصوصیات سورہ مؤمنون | مسند احمد میں حضرت فاروق اعظم عمر بن خطابؓ کی روایت ہے۔  
 انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو پاس والوں کے کان میں  
 ایسی آواز ہوتی تھی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہوتی ہے۔ ایک روز آپؐ کے قریب ایسی ہی آواز سنی گئی تو ہم  
 ٹھہر گئے کہ تازہ آئی ہوئی وحی سن لیں۔ جب وحی کی خاص کیفیت سے فراغت ہوئی تو آنحضرت  
 صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رخ ہو کر بیٹھ گئے اور یہ دعا کرنے لگے اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَ لَا تَنْقُصْنَا وَ اَكْرِمْ مَنَّا وَ لَا يَهِنْنَا  
 وَ اَعْظِمْ مَنَّا وَ لَا تَخِرْ مَنَّا وَ اَزِدْنَا وَ لَا تُؤَخِّرْ عَلَيْنَا وَ اَرْضَ عَنَّا وَ اَرْضِنَا (یعنی یا اللہ ہمیں زیادہ دے  
 کم نہ کر اور ہماری عزت بڑھا دے اور ہم سے راضی ہو اور ہمیں بھی اپنی رضا سے راضی کر دے۔) اسکے  
 بعد فرمایا کہ مجھ پر اس وقت دس آیتیں ایسی نازل ہوئی ہیں کہ جو شخص اُن پر پورا پورا عمل کرے تو وہ (سیدھا)  
 جنت میں جائیگا۔ پھر یہ دس آیتیں جو اوپر لکھی گئی ہیں پڑھ کر سنائی۔ (ابن کثیر)  
 اور نسائی نے کتاب التفسیر میں یزید بن ابی بنوس سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے حضرت عائشہ  
 صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق کیسا اور کیا تھا، انھوں نے فرمایا  
 آپ کا خلق یعنی طبعی عادت وہ تھی جو قرآن میں ہے اس کے بعد یہ دس آیتیں تلاوت کر کے فرمایا کہ  
 بس یہی خلق و عادت تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (ابن کثیر)

## خلاصہ تفسیر

بالحقیقہ اُن مسلمانوں نے (آخرت میں) فلاح پائی جو تصحیح عقائد کے ساتھ صفات ذیل کیساتھ  
 بھی موصوف ہیں یعنی وہ (اپنی نماز میں) (خواہ فرض ہو یا غیر فرض) خشوع کرنے والے ہیں اور  
 جو لغو (یعنی فضول) باتوں سے (خواہ قولی ہوں یا فعلی) برکتار رہنے والے ہیں اور جو (اعمال و  
 اخلاق میں) اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں۔ اور جو اپنی شرمگاہوں کی (حرام شہوت رانی سے) حفاظت  
 رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی (شرعی) لونڈیوں سے (حفاظت نہیں کرتے)  
 کیونکہ اُن پر (اس میں) کوئی الزام نہیں۔ ہاں جو اسکے علاوہ (اور جگہ شہوت رانی کا) طلبگار  
 ہو ایسے لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں اور جو اپنی (سیردگی میں لی ہوئی) امانتوں اور اپنے  
 عہد کا (جو کسی عقد کے ضمن میں کیا ہو یا ویسے ہی ابتداء کیا ہو) خیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنی  
 (فرض) نمازوں کی پابندی کرتے ہیں ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں جو فردوس (بریں) کے  
 وارث ہوں گے (اور) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔







اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتے ہیں۔ آیات مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے فلاح پانیکا وعدہ ان مؤمنین سے کیا ہے جنہیں وہ سات صفات موجود ہوں جن کا ذکر ان آیات کے اندر آیا ہے۔ یہ فلاح عام اور شامل جس میں آخرت کی کامل مکمل فلاح بھی داخل ہے اور دنیا میں جس قدر فلاح حاصل ہونا ممکن ہے وہ بھی۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ صفات مذکور کے حامل مؤمنین کو آخرت کی کامل فلاح ملنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن دنیا میں فلاح تو بظاہر کفار و فجار کا حصہ بنی ہوئی ہے اور ہر زمانے کے انبیاء اور اُن کے بعد صلحا بر امت عموماً تکلیفوں میں مبتلا رہے ہیں مگر جواب اسکا ظاہر ہے کہ دنیا میں مکمل فلاح کا تو وعدہ نہیں کہ کوئی تکلیف پیش ہی نہ آوے بلکہ کچھ نہ کچھ تکلیف تو یہاں پر صالح و متقی کو بھی اور ہر کافر فاجر کو بھی پیش آنا ناگزیر ہے اور یہی حال حصولِ مُراد کا ہے کہ کچھ نہ کچھ یہ مقصد بھی ہر انسان کو خواہ وہ صالح و متقی ہو خواہ کافر و بدکار ہو حاصل ہوتا ہی ہے۔ پھر ان دونوں میں فلاح پانے والا کس کو کہا جائے تو اسکا اعتبار عواقب اور انجام پر ہے۔

دنیا کا تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ جو اہل صلاح ان سات اوصاف کے حامل اور اُن سے متصف اور اُن پر قائم ہیں گو دنیا میں وقتی تکلیف اُن کو بھی پیش آجائے مگر انجام کار اُن کی تکلیف جلد دور ہوتی ہے اور مُراد حاصل ہو جاتی ہے ساری دنیا اُن کی عزت کرنے پر مجبور ہوتی ہے اور دنیا میں نیک نام اُنہیں کا باقی رہتا ہے۔ جتنا دنیا کے حالات کا غور و انصاف سے مطالعہ کیا جائیگا ہر دور ہر زمانے ہر خطہ میں اسکی شہادتیں ملتی چلی جائیں گی۔

مؤمن کامل کے وہ سات اوصاف جن پر سب سے پہلا وصف تو مؤمن ہونا ہے مگر وہ ایک بنیادی آیات مذکورہ میں فلاح دنیا و آخرت کا وعدہ ہے چیز اور اصل لاُصول ہے اُس کو الگ کر کے سات اوصاف جو یہاں بیان کئے گئے ہیں یہ ہیں۔

اول نماز میں خشوع، خشوع کے لغوی معنی سکون کے ہیں اصطلاح شرع میں خشوع یہ ہے کہ قلب میں بھی سکون ہو۔ یعنی غیر اللہ کے خیال کو قلب میں بالقصد حاضر نہ کرے اور اعضاء بدن میں بھی سکون ہو کہ عبث اور فضول حرکتیں نہ کرے (بیان القرآن) خصوصاً وہ حرکتیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں منع فرمایا ہے اور فقہاء نے اُن کو مکروہات نماز کے عنوان سے جمع کر دیا ہے۔ تفسیر مظہری میں خشوع کی یہی تعریف حضرت عمر بن دینار سے نقل کی ہے اور دوسرے بزرگوں سے جو خشوع کی تعریف میں مختلف چیزیں نقل کی گئی ہیں وہ دراصل اسی سکون قلب و جوارح کی تفصیلات ہیں۔ مثلاً حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ نظر اور آواز کو پست رکھنے کا نام خشوع ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دائیں بائیں التفات یعنی گوشہ چشم سے دیکھنے سے بچنا خشوع ہے۔ حضرت عطارؒ نے فرمایا کہ بدن کے کسی حصہ سے کھیل نہ کرنا خشوع ہے۔ حدیث میں حضرت



ابودرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نماز کے وقت اپنے بندے کی طرف برابر متوجہ رہتا ہے جب تک وہ دوسری طرف التفات نہ کرے جب دوسری طرف التفات کرتا ہے یعنی گوشہ چشم سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس سے رخ پھیر لیتے ہیں۔ (رواہ احمد والنسائی و ابوداؤد وغیرہ۔ منظرہ) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کو حکم دیا کہ اپنی نگاہ اُس جگہ رکھو جس جگہ سجدہ کرتے ہو اور یہ کہ نماز میں دائیں یا بائیں التفات نہ کرو۔ (رواہ ابویوسف فی السنن الکبریٰ منظرہ) اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں اپنی دائرہ سے کھیل رہا ہے تو فرمایا لو خشع قلب هذا الخشعت جوارحه (رواہ الحاکم الترمذی مستدرکاً) یعنی اگر اس شخص کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی سکون ہوتا۔ (منظرہ)

نماز میں خشوع کی امام غزالیؒ و قرطبیؒ اور بعض دوسرے حضرات نے فرمایا کہ نماز میں خشوع فرض ہے ضرورت کا درجہ اگر پوری نماز خشوع کے بغیر گزر جائے تو نماز ادا ہی نہ ہوگی۔ دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اس میں شبہ نہیں کہ خشوع رُوح نماز ہے اس کے بغیر نماز بے جان ہے مگر اس کو رکن نماز کی حیثیت سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ خشوع نہ ہوا تو نماز ہی نہ ہوئی اور اس کا اعادہ فرض قرار دیا جائے۔

حضرت سیدی حکیم الامتہؒ نے بیان القرآن میں فرمایا کہ خشوع صحت نماز کیلئے موقوف علیہ تو نہیں اور اس درجہ میں وہ فرض نہیں مگر قبول نماز کا موقوف علیہ اور اس مرتبہ میں فرض ہے حدیث میں طبرانی نے مجمع کبیر میں بسند حسن حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو چیز اس اُمت سے اٹھ جائیگی یعنی سلب ہو جائیگی وہ خشوع ہے یہاں تک کہ قوم میں کوئی خاشع نظر نہ آئیگا۔ کذا فی مجمع الزوائد (بیان)

مومن کامل کا دو مسل و صفت، نعو سے پرہیز کرنا ہے وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ لغو کے معنی فضول کلام یا کام جس میں کوئی دینی فائدہ نہ ہو۔ لغو کا اعلیٰ درجہ معصیت اور گناہ ہے جس میں فائدہ دینی نہ ہونے کے ساتھ دینی ضرر و نقصان ہے اس سے پرہیز واجب ہے اور اذنی درجہ یہ ہے کہ نہ مفید ہو نہ مضر، اس کا ترک کم از کم ادلیٰ اور موجب مدح ہے حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من حسن اسلام المرأ ترکہ مالا یعنبہ یعنی انسان کا اسلام جب اچھا ہو سکتا ہے جبکہ وہ بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے۔ اسی لئے آیت میں اسکو مومن کامل کی خاص صفت قرار دیا ہے۔

تیسرا وصف زکوٰۃ ہے لفظ زکوٰۃ کے معنی لغت میں پاک کرنے کے ہیں اصطلاح میں شرح مال کا ایک خاص حصہ کچھ شرائط کے ساتھ صدقہ کرنے کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے اور قرآن کریم میں عام طور پر یہ لفظ اسی اصطلاحی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس آیت میں یہ معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں۔



اور اس پر جو شبہ کیا جاتا ہے کہ یہ آیت نکی ہے مکہ میں زکوٰۃ فرض نہ ہوئی تھی، ہجرت مدینہ کے بعد فرض ہوئی، اسکا جواب ابن کثیر وغیرہ مفسرین کی طرف سے یہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت مکہ ہی میں ہو چکی تھی سورہ فرقان جو بالاتفاق نکی ہے اس میں بھی اَقِمْوُا الصَّلٰوةَ کِیساتھ اَتُواْ الزَّكٰوةَ کا ذکر موجود ہے مگر سرکاری طور پر اس کے وصول کرنے کا عام انتظام اور نصابات وغیرہ کی تفصیلات مدینہ طیبہ جانے کے بعد جاری ہوئیں۔ جن لوگوں نے زکوٰۃ کو مدنی احکام میں شمار کیا ہے انکا یہی مشاء ہے۔ اور جن حضرات نے فرضیت زکوٰۃ کو مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد کا حکم قرار دیا ہے انہوں نے اس جگہ زکوٰۃ کا مضمون عام لغوی معنی میں اپنے نفس کو پاک کرنا قرار دیا ہے خلاصہ تفسیر میں بھی یہی لیا گیا ہے اس معنی کا قرینہ اس آیت میں یہ بھی ہے کہ عام طور پر قرآن کریم میں جہاں زکوٰۃ فرض کا ذکر آیا ہے تو اُس کو اِیْتَاَ الْعَالَمِیْنَ زَکٰوةً یُّؤْتُوْنَہَا زَکٰوةً اور اَتُواْ الْعَالَیْنَ زَکٰوةً کے عنوان سے بیان کیا گیا، یہاں عنوان بدل کر لِلزَّکٰوةِ فَاعِلُوْنَ فرمایا اسکا قرینہ ہے کہ یہاں زکوٰۃ کے وہ اصطلاحی معنی مراد نہیں آئے علاوہ فاعلون کا بے تکلف تعلق فعل سے ہوتا ہے اور زکوٰۃ اصطلاحی فعل نہیں بلکہ ایک حصہ مال ہے اس حصہ مال کیلئے فاعلون کہنا بغیر تاویل کے نہیں ہو سکتا۔ اگر آیت میں زکوٰۃ کے معنی اصطلاحی زکوٰۃ کے لئے جاویں تو اسکا فرض ہونا اور مومن کے لئے لازم ہونا کھلا ہوا معاملہ ہے اور اگر مراد زکوٰۃ سے تزکیہ نفس ہے یعنی اپنے نفس کو رذائل سے پاک کرنا تو وہ بھی فرض ہی ہے کیونکہ شرک۔ ریا۔ تکبر۔ حسد۔ بغض۔ حرص۔ بخل جن سے نفس کو پاک کرنا تزکیہ کہلاتا ہے یہ سب چیزیں حرام اور گناہ کبیرہ ہیں۔ نفس کو ان سے پاک کرنا فرض ہے۔

چوتھا وصف شرمگاہوں کی حفاظت حرام سے وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ فَا مَلَکَتْ اَیْمَانُہُمْ، یعنی وہ لوگ جو اپنی بیویوں اور شرعی لونڈیوں کے علاوہ سب کے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ان دونوں کے ساتھ شرعی ضابطہ کے مطابق شہوت نفس پوری کرنے کے علاوہ کسی کے کسی ناجائز طریقہ پر شہوت رانی میں مبتلا نہیں ہوتے۔ اس آیت کے ختم پر ارشاد فرمایا فَا تَمْتَعُوْا بِمُلُوْسِہِیْنَ، یعنی شرعی قاعدے کے مطابق اپنی بیوی یا لونڈی سے شہوت نفس کو تسکین دینے والوں پر کوئی ملامت نہیں اس میں اشارہ ہے کہ اس ضرورت کو ضرورت کے درجہ میں رکھنا ہے مقصد زندگی بنانا نہیں۔ اسکا درجہ اتنا ہی ہے کہ جو ایسا کرے وہ قابل ملامت نہیں واللہ اعلم۔

فَمِنْ اَبْتٰغٰی وَّرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْعٰدُوْنَ، یعنی منکوحہ بیوی یا شرعی قاعدہ سے حاصل شدہ لونڈی کیساتھ شرعی قاعدے کے مطابق قصار شہوت کے علاوہ اور کوئی بھی صورت شہوت پورا کرنے کی حلال نہیں اس میں زنا بھی داخل ہے اور جو عورت شرعاً اُس پر حرام ہے اُس سے نکاح



بھی حکم زنا ہے اور اپنی بیوی یا نوٹھی سے حیض و نفاس کی حالت میں یا غیر فطری طور پر جارج کرنا بھی سمجھ میں آتا ہے۔  
یعنی کسی مرد یا عورت کے سے یا کسی جانور سے شہوت پوری کرنا بھی۔ اور جہور کے نزدیک مستمنا بالکبد یعنی  
اپنے ہاتھ سے منی خارج کر لینا بھی اس میں داخل ہے۔ (از تفسیر بیان القرآن۔ قطبی بحوالہ عظیم و غیرہ)  
پانچواں وصف امانت کا حق ادا کرنا وَالَّذِينَ يَذْكُرْنَ مَوَدَّةَ بَيْنِهِمْ وَهُمْ لَا عَيْنٌ لِّغَافِلَةٍ  
کے لغوی معنی ہر اُس چیز کو شامل ہیں جس کی ذمہ داری کسی شخص نے اٹھائی ہو اور اُس پر اعتماد و بھروسہ  
کیا گیا ہو اس کی قسمیں چونکہ بیشمار ہیں اسی لئے باوجود مصدر ہونے کے اسکو بصیغہ جمع لایا گیا ہے  
تاکہ امانت کی سب قسموں کو شامل ہو جائے خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد  
سے۔ حقوق اللہ سے متعلق امانات تمام شرعی فرائض و واجبات کا ادا کرنا اور تمام محرمات و مکروہات  
سے پرہیز کرنا ہے اور حقوق العباد سے متعلق امانات میں مالی امانت کا داخل ہونا تو معروف  
و مشہور ہے کہ کسی شخص نے کسی کے پاس اپنا کوئی مال امانت کے طور پر رکھ دیا یہ اسکی امانت ہے  
اس کی حفاظت اُسکے واپس کرنے تک اس کی ذمہ داری ہے۔ اسکے علاوہ کسی نے کوئی راز کی بات  
کسی سے کہی وہ بھی اسکی امانت ہے بغیر اذن شرعی کے کسی کار از ظاہر کرنا امانت میں خیانت ہے۔  
مزدور، ملازم کو جو کام سپرد کیا گیا اُسکے لئے جتنا وقت خرچ کرنا باہم طے ہو گیا اُس کام کو پورا  
کرنے کا حق ادا کرنا اور مزدوری ملازمت کے لئے جتنا وقت مقرر ہے اُسکو اسی کام میں لگانا  
بھی امانت ہے کام کی چوری یا وقت کی چوری خیانت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امانت کی حفاظت  
اور اسکا حق ادا کرنا بڑا جامع لفظ ہے سب مذکورہ تفصیلات اُس میں داخل ہیں۔

پہٹا وصف عہد پورا کرنا ہے۔ عہد ایک تو وہ معاہدہ ہے جو دو طرف سے کسی معاملے کے  
سلسلے میں لازم قرار دیا جائے اُسکا پورا کرنا فرض اور اسکے خلاف کرنا غدر اور دھوکا ہے جو  
حرام ہے۔ دوسرا وہ جس کو وعدہ کہتے ہیں یعنی یکطرفہ صورت سے کوئی شخص کسی شخص سے کسی چیز  
کے دینے کا یا کسی کام کے کرنے کا وعدہ کر لے۔ اسکا پورا کرنا بھی شرعاً لازم و واجب ہو جاتا ہے۔  
حدیث میں ہے الْعِدَّةُ دَيْنٌ یعنی وعدہ ایک قسم کا قرض ہے۔ جیسے قرض کی ادائیگی واجب ہے  
ایسے ہی وعدہ کا پورا کرنا واجب ہے بلا عذر شرعی اسکے خلاف کرنا گناہ ہے۔ فرق دونوں قسموں  
میں یہ ہے کہ پہلی قسم کے پورا کرنے پر دوسرا آدمی اُس کو بذریعہ عدالت بھی مجبور کر سکتا ہے یکطرفہ  
و وعدہ کو پورا کرنے کے لئے بذریعہ عدالت مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ دینا اُسکا پورا کرنا بھی واجب  
اور بلا عذر شرعی خلاف کرنا گناہ ہے۔

سَاتُوا ن وصف نماز پر محافظت ہے وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يَحْفَظُونَ نماز  
کی محافظت سے مراد اُس کی پابندی کرنا اور ہر ایک نماز کو اسکے وقت مستحب میں ادا کرنا ہے۔



دکذا فترہ ابن مسعود (رح) یہاں صلوات کا لفظ جمع اسلئے لایا گیا ہے کہ مراد اس سے پانچ وقت کی نمازیں ہیں جن کو اپنے اپنے وقت مستحب میں پابندی سے ادا کرنا مقصود ہے اور شروع میں چہا مقصود بالذکر خشوع تھا وہاں لفظ مفرد لایا گیا کہ مطلقاً جس نماز خواہ فرض ہو یا واجب، سنت ہو یا نفل سب کی روح خشوع ہے۔ غور کیا جائے تو ان سات اوصاف مذکورہ میں تمام حقوق اللہ اور حقوق العباد اور ان سے متعلق احکام آجاتے ہیں جو شخص ان اوصاف کے ساتھ متصف ہو جائے اور اس پر جمار ہے وہ مومن کامل، فلاح دنیا و آخرت کا مستحق ہے۔

یہ بات قابل نظر ہے کہ ان سات اوصاف کو شروع بھی نماز سے کیا گیا اور ختم بھی نماز پر کیا گیا اس میں اشارہ ہے کہ اگر نماز کو نماز کی طرح پابندی اور آداب نماز کیساتھ ادا کیا جائے تو باقی اوصاف اس میں خود بخود پیدا ہوتے چلے جائیں گے اللہ اعلم

اُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرَادُوسَ ۝ اوصاف مذکورہ کے حامل لوگوں کو اس آیت میں جنت الفردوس کا وارث فرمایا ہے لفظ وارث میں اشارہ اس طرف ہے کہ جس طرح مورث کا مال اسکے وارث کو پہنچتا قطعی اور لازمی ہے اسی طرح ان اوصاف والوں کا جنت میں داخلہ یقینی ہے اور قَدْ اَفْلَحَ کے بعد اوصاف منفعیین پورے ذکر کرنے کے بعد اس جملے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ فلاح کامل اور اصلی فلاح کی جگہ جنت ہی ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ۝۱۳ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً ۝

اور ہم نے بنایا آدمی کو مٹی سے پھر ہم نے رکھا اسکو پانی کی بوند کے

فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝۱۴ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً ۝ فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً ۝

ایک جے ہوئے ٹھکانہ میں پھر بنایا اس بوند سے لہو جما ہوا پھر بنایا اس لہو جمے ہوئے سے گوشت

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظًا فَكَسَوْنَا الْعِظَ لَحْمًا ۝ ثُمَّ اَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۝

کی بوٹی پھر بنائیں اس بوٹی سے ہڈیاں پھر پہنائیں ان ہڈیوں پر گوشت پھر اٹھا کھڑا کیا اسکو ایک نئی صورت میں

فَتَبَارَكَ اللهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝۱۵ ثُمَّ اِنَّا كُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَعَبِيدُونَ ۝۱۶

سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانے والا ہے پھر تم اسکے بعد مرد گے۔

ثُمَّ اِنَّا كُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ تَبْعَتُونَ ۝۱۶ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ ۝

پھر تم قیامت کے دن کھڑے کئے جاؤ گے اور ہم نے بنائے تمہارے اوپر سات رستے

وَمَا كُنَّا عَنْ الْخَلْقِ غَافِلِينَ ۝۱۷ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۝ بِقَدَرٍ ۝

اور ہم نہیں ہیں خلق سے بے خبر اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی ماپ کر پھر اس کو



فَأَسْكَنَهُ فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِنَّا عَلَى ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ ﴿١٨﴾ فَأَنشَأْنَا

شہر ادا زمین میں اور ہم اس کو لے جائیں تو یجاسکتے ہیں پھر اُگادیے

لَكُمْ بِهِ جَنَّاتٍ مِّنْ تَحِيلٍ وَأَعْنَابٍ لَّكُمْ فِيهَا فَوَاكِهٌ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا

تمہارے واسطے اس سے باغ کھجور اور انگور کے، تمہارے واسطے انہیں میوے میں بہت اور انہی میں سے

تَأْكُلُونَ ﴿١٩﴾ وَشَجَرَةٌ تَخْرُجُ مِنْ طُورٍ سَيْنَاءٍ تَنبُتُ بِالدُّهْنِ

کھاتے ہو اور وہ درخت جو نکلتا ہے سینا پہاڑ سے لے اُگتا ہے تیل

وَصَبِغٍ لِلَّاحِلِينَ ﴿٢٠﴾ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيكُمْ

اور روٹی ڈبونا کھانے والوں کے واسطے اور تمہارے لئے چوپایوں میں دھیان کرنے کی بات ہے پلاتے ہیں ہم تم کو

قِمَاتٍ فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٢١﴾

اُن کے پیٹ کی چیز سے اور تمہارے لئے اُن میں بہت فائدہ ہے اور بعضوں کو کھاتے ہو

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿٢٢﴾

اور اُن پر اور کشتیوں پر لدے پھرتے ہو

## خلاصہ تفسیر

(اول بیان ہے ایجاد انسان کا) اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (یعنی غذا) سے بنایا (یعنی اول مٹی ہوتی ہے پھر اس سے بذریعہ نباتات کے غذا حاصل ہوتی ہے) پھر ہم نے اس کو لطفہ سے بنایا جو کہ (ایک مدت معینہ تک) ایک محفوظ مقام (یعنی رحم) میں رہا (اور وہ غذا سے حاصل ہوا تھا) پھر ہم نے اس لطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنادیا پھر ہم نے اس بوٹی (کے بعض اجزاء) کو ہڈیاں بنادیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا (جس سے وہ ہڈیاں ڈھک گئیں) پھر (ان سب انقلابات کے بعد) ہم نے (اس میں) روح ڈال کر، اُس کو ایک دوسری ہی (طرح کی) مخلوق بنادیا (جو حالات سابقہ سے نہایت ہی متمایز و متبائن ہے کیونکہ اس سے پہلے سب انقلابات ایک جماد بے جان میں ہو رہے تھے اور اب یہ ایک ذی حیات زندہ انسان بن گیا) سو کیسی شان ہے اللہ کی جو تمام صنائعوں سے بڑھ کر (کیونکہ دوسرے صنائع تو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں جوڑ توڑ کر کے ہی بنا سکتے ہیں زندگی پیدا کرنا یہ خاص اللہ ہی کا کام ہے اور لطفہ پر مذکورہ انقلابات کی تفصیل اسی ترتیب کیساتھ قانون وغیرہ کتب طبیہ میں بھی مذکور ہے آگے انسان کے آخری انجام فنا کا بیان ہے) پھر تم بعد اس (تمام قصہ عجیبہ) کے ضرور ہی مرنے والے ہو (آگے بیان ہے اعادہ کا یعنی) پھر تم قیامت



کے روز دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے (اور جس طرح ہم نے تم کو ابتداءً وجود عطا فرمایا اسی طرح تمہاری بقا کا سامان بھی کیا کہ) ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان (جن میں ملائکہ کے آمد و رفت کیلئے راہیں ہیں) بنائے (کہ اس سے تمہاری بھی بعض مصلحتیں متعلق ہیں) اور ہم مخلوق (کی مصلحتوں) سے بے خبر نہ تھے۔ (بلکہ ہر مخلوق کو مصالح و حکم کی رعایت کر کے بنایا) اور ہم نے (انسان کی بقا اور نشوونما کے لئے) آسمان سے (مناسب) مقدار کے ساتھ پانی برسایا پھر ہم نے اسکو (مدت تک) زمین میں ٹھہرایا (چنانچہ کچھ پانی تو زمین کے اوپر رہتا ہے اور کچھ اندر اتر جاتا ہے جو وقتاً فوقتاً نکلتا رہتا ہے) اور ہم (جس طرح اُس کے برسانے پر قادر ہیں اسی طرح) اُس (پانی) کے معدوم کر دینے پر (بھی) قادر ہیں (خواہ ہوا کی طرف مستحیل کر کے خواہ اتنی دُور زمین کی گہرائی میں اُتار کر کہ آلات کے ذریعہ سے نہ نکال سکو مگر ہم نے باقی رکھا) پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعہ سے باغ پیدا کئے کھجوروں کے اور انگوروں کے تمہارے واسطے اُن (کھجوروں انگوروں) میں بکثرت میوے بھی ہیں (جبکہ ان کو تازہ تازہ کھایا جاوے تو میوہ سمجھا جاتا ہے) اور ان میں سے (جو بچا کر خشک کر کے رکھ لیا جاتا ہے اسکو بطور غذا کے) کھاتے بھی ہوا اور (اُسی پانی سے) ایک (زمینوں کا) درخت بھی (ہم نے پیدا کیا) جو کہ طور سینا میں (بکثرت) پیدا ہوتا ہے جو آگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کے لئے سالن لئے ہوئے (یعنی اُس کے پھل سے دونوں فوائد حاصل ہوتے ہیں خواہ روشن کرنے کے اور مالش کرنے کے کام میں لاؤ خواہ اُس میں روٹی ڈبو کر کھاؤ یہ سامان مذکور پانی اور نباتات سے تھا) اور (آگے حیوانات کے ذریعہ انسان کے منافع اور آسانیوں کا بیان ہے کہ) تمہارے لئے مویشی میں (بھی) غور کرنے کا موقع ہے کہ ہم تم کو اُن کے جوف میں کی چیز (یعنی دودھ) پینے کو دیتے ہیں اور تمہارے لئے اُنہیں اور بھی بہت سے فائدے ہیں (کہ ان کے بال اور اُون کا کام آتی ہے) اور (نیز) اُنہیں سے بعض کو کھاتے بھی ہوا اور اُن (میں جو بار برداری کے قابل ہیں اُن) پر اور کشتی پر لدے لدے پھرتے (بھی) ہو۔

## معارف و مسائل

پچھلی آیات میں انسان کی فلاح دُنیا و آخرت کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُسکے احکام کی تعمیل میں اپنے ظاہر و باطن کو پاک رکھنے اور تمام انسانوں کے حقوق ادا کرنے سے بیان کیا گیا تھا۔ آیات مذکور میں اللہ جل شانہ کی قدرتِ کاملہ اور بنی نوع انسان کی تخلیق میں اُسکے مظاہرِ خاص کا ذکر ہے جس سے واضح ہو جائے کہ انسان جسکو عقل و شعور ہو وہ اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ اختیار کر ہی نہیں سکتا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ، سُلَالہ بمعنی خلاصہ اور طین، گیلی مٹی،



جس کے معنی یہ ہیں کہ زمین کی مٹی کے خاص اجزاء بحال کراؤں سے انسان کو پیدا کیا گیا۔ انسان کی تخلیق کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے اور ان کی تخلیق اس مٹی کے خلاصہ سے ہوئی اس لئے ابتدائی تخلیق کو مٹی کی طرف منسوب کیا گیا اسکے بعد ایک انسان کا لطفہ دوسرے انسان کی تخلیق کا سبب بنا۔ اگلی آیت میں اسی کا بیان **ثُمَّ جَعَلْنَاهُ لُطْفَةً** سے فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ ابتدائی تخلیق مٹی سے ہوئی پھر کچھ سلسلہ تخلیق اسی مٹی کے جزو لطیف یعنی لطفہ سے جاری کر دی گئی۔ جمہور مفسرین نے آیت مذکورہ کی تفسیر یہی لکھی ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ سلالۃ من طین سے مراد بھی لطفہ انسانی ہو کیونکہ وہ غذا سے پیدا ہوتا ہے اور غذا انسانی مٹی سے بنتی ہے۔ **وَاللَّهُ عَالِمٌ**

تخلیق انسانی کے سات مدارج | آیات مذکورہ میں انسان کی تخلیق کی سات دور ذکر کئے گئے ہیں۔ سب سے پہلے سلالۃ من طین، دوسرے درجہ میں لطفہ، تیسرے میں علقہ، چوتھے میں مضغہ یا پانچویں میں عظام یعنی ہڈیاں، چھٹے دور میں ہڈیوں پر گوشت چڑھانا۔ ساتواں دور تکمیل تخلیق کا ہے یعنی **نُفُوحٌ يَمْشُونَ**۔

ایک لطیفہ عجیبہ از حضرت ابن عباسؓ | تفسیر قرطبی میں اس جگہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اسی آیت سے استدلال کر کے ایک عجیب لطیفہ شب قدر کی تعیین میں نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک مرتبہ اکابر صحابہ کے مجمع سے سوال کیا کہ شب قدر رمضان کی کونسی تاریخ میں ہے؟ سب نے جواب میں صرف اتنا کہا کہ **اللَّهُ اعْلَمُ** کوئی تعیین بیان نہیں کی۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان سب میں چھوٹے تھے اُن سے خطاب فرمایا کہ آپ کیا کہتے ہیں تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ نے آسمان سات پیدا کئے، زمینیں سات پیدا کیں، انسان کی تخلیق سات درجات میں فرمائی۔ انسان کی غذا سات چیزیں بنائیں اسلئے میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ شب قدر ستائیسویں شب ہوگی۔ فاروق اعظمؓ نے یہ عجیب استدلال سُن کر اکابر صحابہ سے فرمایا کہ آپ سے وہ بات نہ ہو سکی جو اس لڑکے نے کی جس کے سر کے بال بھی ابھی تکمیل نہیں ہوئے۔ یہ حدیث طویل ابن ابی شیبہ کے مُسند میں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے تخلیق انسانی کے سات درجات سے مراد وہی لیا ہے جو اس آیت میں ہے اور انسان کی غذا کی سات چیزیں سورہ عبس کی آیت میں ہیں **فَأَنْتَبْنَا نَحَبًا وَغَبَابًا وَنُفُوءًا وَغَلَاظًا وَحَدَاقًا وَغُلْبًا وَفَاكِهَةً وَأَبًّا**، اس آیت میں آٹھ چیزیں مذکور ہیں جنہیں پہلی سات انسان کی غذا اور آخری یعنی آب یہ جانوروں کی غذا ہے۔ (قرطبی)

پھر تخلیق انسانی پر جو سات دور گزرتے ہیں قرآن کریم کی بلاغت دیکھئے کہ ان سب کو ایک ہی انداز سے بیان نہیں فرمایا بلکہ کہیں ایک دور سے دوسرے دور تک انقلاب کو لفظ **مُشَرَّعٌ**



سے تعبیر کیا ہے جو تراخی یعنی کچھ دیر سے ہونے پر دلالت کرتا ہے کہیں اس انقلاب کا ذکر حرف فار سے کیا ہے جو پلانا تاخیر ہونے پر دلالت کرتا ہے اس میں اشارہ اس ترتیب کی طرف ہے جو ایک انقلاب سے دوسرے انقلاب کے درمیان فطرۃ ہوتی ہے کہ بعض انقلابات انسانی عقل کے لحاظ سے بہت مشکل اور بہت دیر طلب ہوتے ہیں۔ بعض اتنے دیر طلب نہیں ہوتے چنانچہ قرآن کریم نے ابتدائی تین دور کو لفظ شَم سے تعبیر کیا ہے اول سلالہ طین پھر اس کو لفظہ کی صورت میں تبدیل کرنا۔ اسکو لفظ شَم سے فرمایا ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نَظْفَةً کیونکہ مٹی سے غذا کا پیدا ہونا پھر غذا کا جزو بدن ہونا پھر اس میں سے جزو خاص کا لفظہ کی صورت میں تبدیل ہونا انسانی قیاس کی رو سے بڑا وقت چاہتا ہے۔ اسی طرح اسکے بعد تیسرا درجہ نطفہ کا گوشت کے ٹکڑے کی شکل میں تبدیل ہونا یہ بھی ایک طویل وقت چاہتا ہے اس کو بھی ثُمَّ خَلَقْنَا النَّطْفَةَ عَلَقَةً سے تعبیر فرمایا۔ اسکے بعد کے تین دور علقہ سے مضغہ مضغہ سے ہڈیاں اور ہڈیوں پر گوشت چڑھانا ان سب کا تھوڑی تھوڑی مدت میں ہو جانا مستبعد نہیں معلوم ہوتا تو ان تینوں کو حرف فار سے بیان فرمایا ہے۔ پھر آخری دور جو نفع روح اور زندگی پیدا کر نیکا ہے اسکو بھی لفظ شَم سے تعبیر فرمایا کیونکہ ایک غریزی روح جہاد میں روح اور حیات پیدا کرنا قیاس عقل میں بڑی مدت چاہتا ہے اس لئے یہاں پھر لفظ شَم لایا گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک دور سے دوسرے دور کی طرف انقلاب جن صورتوں میں انسانی عقل و قیاس کے مطابق دیر طلب اور مدت کا کام تھا وہاں لفظ شَم سے اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا اور جہاں عام انسانی قیاس کی رو سے زیادہ مدت درکار نہیں تھی وہاں حرف فار سے تعبیر کر کے اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ اس لئے اس پر اس حدیث سے شبہ نہیں ہو سکتا جس میں یہ بیان فرمایا ہے کہ ہر دور سے دوسرے دور تک منقلب ہونے میں چالیس چالیس دن صرف ہوتے ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا کام ہے جو انسانی قیاس کے تابع نہیں۔

تخلیق انسانی کا آخری مقام یعنی اس کا بیان قرآن کریم نے ایک خاص اور ممتاز انداز سے اس طرح اس میں روح و حیات پیدا کرنا فرمایا ثُمَّ آتَيْنَاهُ نَفْسًا رُّوحًا یعنی پھر ہم نے اسکو ایک خاص قسم کی اور پیدائش عطا کی۔ اس امتیاز بیان کی وجہ یہ ہے کہ پہلے چھ دور تخلیق کے عالم عناصر اور مادیات سے اور ان میں انقلاب و تبدیل سے متعلق تھے اور یہ آخری ساتواں دور دوسرے عالم یعنی عالم ارواح سے روح کو اسکے جسم میں منتقل کرنا اور تھا اس لئے اسکو خلقتِ آخر سے تعبیر کیا گیا۔

روحِ حقیقی اور روحِ حیوانی | یہاں خلقتِ آخر کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؓ، شعبیؓ، عکرمہؓ، ضحاکؓ ابو العالیہؓ وغیرہ نے نفع روح سے فرمائی ہے۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ غالباً مراد اس روح سے روحِ حیوانی ہے کہ وہ بھی مادی اور ایک جسم لطیف ہے جو جسم حیوانی کے ہر جزو میں سمایا ہوا ہوتا ہے



جس کو اطباء اور فلاسفہ رُوح کہتے ہیں۔ اُس کی تخلیق بھی تمام اعضاء انسانی کی تخلیق کے بعد ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو لفظ ثانی سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور رُوح حقیقی جس کا تعلق عالم ارواح سے ہے، وہیں سے لاکر اس رُوح حیوانی کے ساتھ اس کا کوئی رابطہ حق تعالیٰ اپنی قدرت سے پیدا فرمادیتے ہیں جسکی حقیقت کا پہچانا انسان کے بس کا نہیں اس رُوح حقیقی کی تخلیق تو تمام انسانوں کی تخلیق سے بہت پہلے ہو انھیں روح کو حق تعالیٰ نے ازل میں جمع کر کے اَلْسُتُ بَرَسْتُکُمْ فرمایا اور سب نے بتائی کے لفظ سورۃ اللہ تعالیٰ کی روایت کا اقرار کیا۔ ہاں اس کا تعلق جسم انسانی کے ساتھ تخلیق اعضاء انسانی کے بعد ہوتا ہے۔ اس جگہ نفع روح سے اگر مراد لی جائے کہ رُوح حیوانی کیساتھ رُوح حقیقی کا تعلق اس وقت قائم فرمایا گیا تو یہ بھی ممکن ہے۔ اور درحقیقت حیات انسان اسی رُوح حقیقی سے متعلق ہے جب اس کا تعلق روح حیوانی کے ساتھ ہو جاتا ہے تو انسان زندہ کہلاتا ہے جب منقطع ہو جاتا ہے تو انسان مُردہ کہلاتا ہے وہ رُوح حیوانی بھی اپنا عمل چھوڑ دیتی ہے۔

فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ، خلق و تخلیق کے صلی معنی کسی چیز کو از سر نو بغیر کسی مادہ سابقہ کے پیدا کرنا ہے جو حق تعالیٰ جل شانہ کی مخصوص صفت ہے اس معنی کے اعتبار سے خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے کوئی دوسرا شخص فرشتہ ہو یا انسان کسی ادنیٰ چیز کا خالق نہیں ہو سکتا لیکن کبھی کبھی یہ لفظ خلق و تخلیق صنعت کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے اور صنعت کی حقیقت اس سے زائد نہیں کہ اللہ جل شانہ نے جو مواد اور عناصر اس جہان میں اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمادیے ہیں انکو جوڑ توڑ کر ایک دوسرے کے ساتھ مرکب کر کے ایک نئی چیز بنادی جائے یہ کام ہر انسان کر سکتا ہے اور اسی معنی کے لحاظ سے کسی انسان کو کبھی کسی خاص چیز کا خالق کہہ دیا جاتا ہے۔ خود قرآن کریم نے فرمایا تَخْلُقُونَ أَفْکًا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا اِنِّیْ اَخْلَقْتُ لَکُمْ مِنَ الطِّیْنِ کَهَيْئَةِ الطَّیْرِ ان تمام مواقع میں لفظ خلق مجازی طور پر صنعت کے معنی میں بولا گیا ہے۔

اسی طرح یہاں لفظ خَالِقِیْنَ بصیغہ جمع اسی لئے لایا گیا ہے کہ عام انسان جو اپنی صنعتگری کے اعتبار سے اپنے کو کسی چیز کا خالق سمجھتے ہیں اگر ان کو مجازاً خالق کہا بھی جائے تو اللہ تعالیٰ ان سب خالقوں یعنی صنعت گردوں میں سب سے بہتر صنعت کرنے والے ہیں۔ واللہ اعلم

ثُمَّ اِنَّا کُمْ بَعْدَ ذٰلَکَ کَعِبَادٍ، پچھلی تین آیتوں میں انسان کے مَبْدُأ یعنی ابتداء آفرینش کا ذکر تھا۔ اب دو آیتوں میں اُس کے معاد یعنی انجام کار کا ذکر ہے۔ آیت مذکورہ میں فرمایا کہ پھر تم سب اس دنیا میں آنے اور رہنے کے بعد موت سے دوچار ہونے والے ہو جس سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ پھر فرمایا کہ ثُمَّ اِنَّا کُمْ یَوْمَ الْقِیَمَةِ نُبْعَثُکُمْ، یعنی مرنے کے بعد پھر قیامت کے روز تم سب زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے تاکہ تمہارے اعمال کا حساب لیکر اصلی ٹھکانے جنت یا دوزخ تک







پھر زمین کے مختلف تالابوں، حوضوں اور قدرتی گڑھاہوں میں یہ پانی جمع رہتا ہے جس کو انسان اور جانور ضرورت کے وقت استعمال کرتے ہیں مگر ظاہر یہی ہے پانی چند روز میں ختم ہو جاتا ہے۔ دائمی طور پر روزانہ انسان کو تازہ پانی کس طرح پہنچے جو ہر خطے کے باشندوں کو مل سکے؟ اس کا نظام قدرت نے یہ بتایا کہ پانی کا بہت بڑا حصہ برف کی صورت میں ایک بحر منجمد بنا کر پہاڑوں کے سروں پر ایسی پاک صاف فضا میں رکھ دیا جہاں نہ گرد و غبار کی رسائی نہ کسی آدمی اور جانور کی اور جس میں نہ سڑنے کا امکان ہی نہ اُسکے ناپاک یا خراب ہونے کی کوئی صورت ہے پھر یہ برف کا پانی آہستہ آہستہ رُس رُس کر پہاڑوں کی رگوں کے ذریعہ زمین کے اندر پھیلتا ہے اور یہ قدرتی پائپ لائن پوری زمین کے گوشہ گوشہ میں پہنچ جاتی ہے جہاں سے کچھ تو چشمے خود پھوٹ نکلتے ہیں اور ندی نالے اور نہروں کی شکل میں زمین پر بہنے لگتے ہیں۔ تازہ تازہ جاری پانی کروڑوں انسانوں اور جانوروں کو سیراب کرتا ہے اور کچھ ہی پہاڑی برف سے بہنے والا پانی زمین کی تہ میں اتر کر نیچے نیچے بہتا رہتا ہے اور اُس کو کنواں کھود کر ہر جگہ نکالا جاسکتا ہے۔ قرآن کریم کی آیت مذکورہ میں اس پورے نظام کو ایک لفظ قَاسْمٌ کَثِیْرٌ فی الْأَرْضِ سے بیان فرما دیا ہے آخر میں اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ زمین کی تہ سے جو پانی کنوؤں کے ذریعہ نکالا جاتا ہے یہ بھی قدرت کی طرف سے آسانی ہے کہ بہت زیادہ گہرائی میں نہیں بلکہ تھوڑی گہرائی میں یہ پانی رکھا گیا ہے۔ ورنہ یہ بھی ممکن تھا بلکہ پانی کی طبعی خاصیت کا تقاضا یہی تھا کہ یہ پانی زمین کی گہرائی میں اترتا چلا جاتا، جہاں تک انسان کی رسائی ممکن نہیں۔ اسی مضمون کو آیت کے آخری جملہ میں ارشاد فرمایا اَلَمْ یَاۤءِیْہِ لَقَدْ دُوْنَ۔

آگے پانی کے ذریعہ پیدا ہونے والی خاص خاص چیزوں کو عرب کے مزاج و مذاق کے مطابق ذکر فرمایا کہ کھجور اور انگور کے باغات اُس سے پیدا ہوئے اور دوسرے پھلوں کو ایک عام لفظ میں جمع کر کے ذکر فرمایا لَکُمْ فِیْہَا فَاوَاکِہُ کَثِیْرٌ ۚ یعنی ان باغات میں تمہارے لئے کھجور انگور کے علاوہ ہزاروں قسم کے پھل پیدا کئے جن کو تم محض تفریحی اور شوقیہ طور پر بھی کھاتے ہو اور ان میں سے بعض پھلوں کا ذخیرہ کر کے تمہاری مستقل غذا بھی اُن سے تیار ہوتی ہے وَ مِمَّا تَأْكُلُوْنَ کا یہی مطلب ہے۔ آگے خصوصیت سے زیتون اور اُسکے تیل کے پیدا کرنے کا ذکر فرمایا کیونکہ اس کے منافع بیشمار ہیں۔ اور چونکہ زیتون کے درخت کوہ طور پر زیادہ پیدا ہوتے ہیں اس لئے اس کی طرف نسبت کر دی گئی وَ شَجَرَةٌ تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سِیْنٍ ۚ سینار اور سینین اُس مقام کا نام ہے جس میں کوہ طور واقع ہے۔ زیتون کا تیل تیل کی ضرورت یا مثلاً بدن کی مالش اور چراغ میں جلانے کے بھی کام آتا ہے اور کھانے میں سالن کا بھی کام دیتا ہے اسی کو فرمایا تَنْبُتُ بِاللِّحْنِ وَ صِبْغٍ لِلْاَعْلَانِ، زیتون کے درخت کے لئے کوہ طور کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ درخت سب



سے پہلے کوہ طور ہی پر پیدا ہوا ہے اور بعض نے کہا کہ طوفانِ نوح کے بعد سب سے پہلا درخت جو زمین پر اگایا گیا ہے وہ زیتون تھا۔ (مظہری)

اس کے بعد ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے جانوروں، چوپایوں کے ذریعہ انسان کو عطا فرمائی تاکہ انسان اُن سے عبرت حاصل کرے اور حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور رحمتِ کاملہ پر استدلال کر کے توحید و عبادت میں مشغول ہو۔ اسی لئے فرمایا قُلْ لَّكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةٌ، یعنی تمہارے لئے چوپایہ جانوروں میں ایک عبرت و نصیحت ہے آگے اُنکی کچھ تفصیل اس طرح بتلائی تَسْقِيَكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِنَّ، کہ ان جانوروں کے پیٹ میں تم نے تمہارے لئے پاکیزہ دودھ تیار کیا جو انسان کی بہترین غذا ہے اور پھر فرمایا کہ صرف دودھ ہی نہیں، ان جانوروں میں تمہارے لئے بہت سے (بیشمار) منافع اور فوائد ہیں وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ، غور کرو تو جانوروں کے جسم کا ایک ایک جزو، رُؤُوسِ اِنساں کے کام آتا ہے اور اُس انسان کی معیشت کے لئے بیشمار قسم کے سامان تیار ہوتے ہیں۔ جانوروں کے بال، ہڈی، آنتیں، چمچے اور سبھی اجزاء سے انسان اپنی معیشت کے کتنے سامان بناتا اور تیار کرتا ہے اُسکا شمار بھی مشکل ہے ان بیشمار منافع کے علاوہ ایک بڑا نفع یہ بھی ہے کہ ان میں سے جو جانور حلال ہیں اُن کا گوشت بھی انسان کی بہترین غذا ہے وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ۔ آخر میں ان جانوروں کا ایک اور عظیم فائدہ ذکر کیا گیا کہ تم اُن پر سوار بھی ہوتے ہو اور بار برداری کا بھی ان سے کام لیتے ہو۔ اس آخری فائدہ میں چونکہ جانوروں کے ساتھ دریا میں چلنے والی کشتیاں بھی شریک ہیں کہ سواری اور بار برداری کا بڑا کام ان سے نکلتا ہے اس لئے کشتیوں کو بھی اس کے ساتھ ذکر فرما دیا۔ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلِ تُحْمَلُونَ، نلک یعنی کشتیوں ہی کے حکم میں وہ تمام سواریاں بھی ہیں جو پہیوں کے ذریعہ چلنے والی ہیں۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ لِقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ

اور ہم نے بھیجا نوح کو اُس کی قوم کے پاس تو اُس نے کہا اے قوم بندگی کرو اللہ کی تمہارا کوئی

مِنَ إِلَهِ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلِكُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن

حاکم نہیں اس کے سوائے کیا تم ڈرتے نہیں تب بولے سردار جو کافر تھے اُس کی

قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ

قوم میں یہ کیا ہے آدمی ہے جیسے تم چاہتا ہے کہ بڑائی کرے تم پر اور اگر اللہ

اللَّهُ لَا نَزْلَ مَلَكَةٍ مَّا سَمِعْنَا هَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿۲۴﴾

چاہتا تو اُتارتا فرشتہ ہم نے یہ نہیں سنا اپنے اگلے باپ دادوں میں



إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهٖ حِجَّتُهُ فَتَرَىٰ بَصَوَائِهٖ حَتَّىٰ حِينَ ۲۵ قَالَ

اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے کہ اس کو سودا ہے سو راہ دیکھو اسکی ایک دقت تک بولا

رَبِّ انصُرْنِي مِمَّا كَذَّبُونَ ۲۶ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنْ اصْنَعْ الْقُلُوكَ

اے رب تو مدد کر میری کہ انھوں نے مجھ کو جھٹلایا پھر ہم نے حکم بھیجا اس کو کہ بنا کشتی ہماری

بِأَعْيُنِنَا وَوَحَيْنَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ

آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم سے پھر جب پہنچے ہمارا حکم اور اُبلے تنور تو تو ڈال لے کشتی میں ہر چیز

كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۲۷

کا جوڑا دو دو اور اپنے گھر کے لوگ مگر جس کی قسمت میں پہلے سے ٹھہر چکی ہے بات

وَلَا تَخَاطَبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُّعْرِضُونَ ۲۸ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ

اور مجھ سے بات نہ کر ان ظالموں کے واسطے بیشک ان کو ڈوبنا ہے پھر جب چڑھ چکے

أَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْقُلُوكَ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّيْنَا

تو اور جو تیرے ساتھ ہے کشتی پر تو کہہ شکر اللہ کا جس نے چھڑایا ہم کو

مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۲۹ وَقُلْ رَبِّ أَرِنِي مِزْرَ لَا مُبْرَكًا وَأَنْتَ

گنہگار لوگوں سے اور کہہ اے رب اُتار مجھ کو برکت کا اُتارنا اور تو ہے

خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ۳۰ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ وَإِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ۳۱

بہتر اُتارنے والا اس میں نشانیاں ہیں اور ہم ہیں جانچنے والے

## خلاصہ تفسیر

(اس سے پہلی آیتوں میں انسان کی تخلیق اور اس کی بقا، دُعاؤں کے لئے مختلف قسم کے سامان پیدا کرنے کا ذکر تھا آگے اُس کی روحانی تربیت اور دینی فلاح کا جو انتظام فرمایا اُسکا ذکر ہے اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اُن کی قوم کی طرف پیغمبر کر کے بھیجا سو انھوں نے (اپنی قوم سے) فرمایا کہ اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کیا کرو اُسکے سوا کوئی تمھارے لئے معبود بنانے کے لائق نہیں (اور جب یہ ایک بات ثابت ہے تو) پھر کیا تم (دوسروں کے معبود بنانے سے) ڈرتے نہیں ہو پس (نوح علیہ السلام کی یہ بات سُن کر) اُن کی قوم میں جو کافر رئیس تھے (عوام سے) کہنے لگے کہ یہ شخص بجز اُسکے کہ تمھاری طرح کا ایک معمولی آدمی ہے اور کچھ (رسول وغیرہ) نہیں ہے (اس دعوے سے) اُن کا اصل مطلب یہ ہے کہ تم سے برتر ہو کر رہے (یعنی اسکا مقصد محض اپنی جاہ و عزت ہے) اور اگر اللہ کا (رسول بھیجا) منظور ہوتا تو اس کام کے لئے (فرشتوں کو بھیجا



(پس دعویٰ ان کا غلط ہے اسی طرح ان کی دعوت کرتا تو حید کی طرف یہ دوسری غلطی ہے کیونکہ) ہم نے یہ بات کہہ کر کسی کو معبود مت قرار دو اپنے پہلے بڑوں میں (کبھی) نہیں سنی بس یہ ایک آدمی ہے جس کو جنون ہو گیا ہے (اس واسطے ساری دنیا کے خلاف باتیں کرتا ہے کہ میں رسول ہوں اور معبود ایک ہے) سو ایک وقت خاص (یعنی اسکے مرنے کے وقت) تک اس (کی حالت) کا اور انتظار کرو (آخر ایک وقت پر پہنچ کر ختم ہو جاوے گا اور سب پاپ کٹ جاوے گا) (نور محمد علیہ السلام) نے اُن کے ایمان لانے سے مایوس ہو کر جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ اے میرے رب (اُن سے) میرا بدلہ لے بوجہ اسکے کہ انھوں نے مجھ کو جیٹلایا ہے پس ہم نے (اُن کی دعا قبول کی اور) اُن کے پاس حکم بھیجا کہ تم کشتی تیار کرو ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے کہ اب طوفان آوے گا اور تم اور مؤمنین اسکے ذریعہ سے محفوظ رہو گے) پھر جس وقت ہمارا حکم (عذاب کا قریب) آپہنچے اور (علامت اُچی یہ ہے کہ) زمین سے پانی اُبلنا شروع ہو جاوے تو (اُس وقت) ہر قسم (کے جانوروں) میں سے (جو کہ انسان کے کارآمد ہیں اور پانی میں زندہ نہیں رہ سکتے، جیسا بھیڑ بھری، گائے بیل اور نٹ گھوڑا گدھا وغیرہ) ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ یعنی دو دو عدد اس (کشتی) میں داخل کر لو اور اپنے گھر والوں کو بھی (سوار کرو) باستثناء اسکے جس پر اُن میں سے (غرق ہویکا) حکم نافذ ہو چکا ہے (یعنی ایک اہل و عیال میں جو کافر ہوا اس کو مت سوار کرو) اور (یہ سُن لو کہ عذاب آنے کے وقت) مجھ سے کافروں کی نجات کے بارے میں کچھ گفتگو مت کرنا (کیونکہ) وہ سب غرق کئے جا دیں گے پھر جو وقت تم اور تمھارے ساتھی (مُسلماں) کشتی میں بیٹھ چکو تو یوں کہنا کہ شکر ہے خدا کا جس نے ہم کو کافر لوگوں سے (یعنی اُن کے افعال سے اور اُن کے وبال سے) نجات دی اور جب بعد فرو ہونے طوفان کے کشتی سے زمین پر آنے لگو تو (یوں کہنا کہ اے میرے رب مجھ کو (زمین پر) برکت کا اتارنا اتاریو (یعنی اطمینان ظاہری و باطنی کے ساتھ رکھیو) اور آپ سب (اپنے پاس بطور مہمانی کے) اتارنے والوں سے اچھے ہیں (یعنی اور لوگ جو مہمان کو اتار لیتے ہیں وہ اپنے مہمان کی مقصد براری اور مصائب سے نجات پر قدرت نہیں رکھتے آپ کو ان سب چیزوں پر قدرت ہے) اس (واقعہ مذکورہ) میں (اہل عقل کے لئے ہماری قدرت کی) بہت سی نشانیاں ہیں اور ہم (یہ نشانیاں معلوم کر اگر اپنے بندوں کو) آزماتے ہیں کہ دیکھیں کہ کون ان سے نفع اُٹھاتا ہے کون نہیں اُٹھاتا، اور نشانیاں یہ ہیں۔ رسول بھیجنا، ایمان داروں کو بچالینا، کافروں کو ہلاک کر دینا دفعۃً طوفان پیدا کر دینا، کشتی کو محفوظ رکھنا وغیرہ وغیرہ۔



## معارف و مسائل

وَكَانَ التَّنْزِيلُ، تنزیر، اُس خاص جگہ کو بھی کہا جاتا ہے جو روٹی پکانے کیلئے بنائی جاتی ہے اور یہی معنی معروف و مشہور ہیں۔ دوسرے معنی میں تنزیر پوری زمین کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ خلاصہ تفسیر میں اسی معنی کے اعتبار سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ اور بعض حضرات نے اس سے ایک خاص تنزیر روٹی پکانے والا مراد لیا ہے جو کوفہ کی مسجد میں اور بعض کے نزدیک ملک شام میں کسی جگہ تھا۔ اس تنزیر سے پانی اُبلنے لگنا حضرت نوح علیہ السلام کے لئے طوفان کی علامت یہ تشرار دی گئی تھی (مظہری) حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے طوفان اور کشتی کا واقعہ پچھلی سور تو نہیں تفصیل سے گزر چکا ہے۔

ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿۳۱﴾ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا

پھر پیدا کی ہم نے اُن سے پیچھے ایک جماعت اور پھر بھیجا ہم نے ان میں ایک رسول

مِنْهُمْ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۳۲﴾

ان میں کا کہ بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا حاکم اس کے سوائے پھر کیا تم ڈرتے نہیں اور

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِإِيقَاعِ الْآخِرَةِ ۖ وَ

بولے سردار اُس کی قوم کے جو کافر تھے اور جھٹلاتے تھے آخرت کی علامات کو اور

أَتُوفِنُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ ۖ يَأْكُلُ مِمَّا

آرام دیا تھا ان کو ہم نے دنیا کی زندگی میں اور کچھ نہیں یہ ایک آدمی ہے جیسے تم کھاتا ہے جس قسم سے

تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ۖ وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا

تم کھاتے ہو اور پیتا ہے جس قسم سے تم پیتے ہو اور کہیں تم چلنے لگے کہنے پر ایک آدمی کے

مِثْلَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ إِذَا الْخُسُوفُ ۖ أَيْعِدُكُمْ أَنْتُمْ إِذَا امْتَرَأْتُمْ وَكُنْتُمْ

اپنے برابر کے تو تم بیشک خراب ہوئے کیا تم کو وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مرجاؤ اور ہواؤ مالا

تُرَابًا وَعِظَامًا أَنْتُمْ مُخْرَجُونَ ۖ هِيَ هَاتِ هِيَ هَاتِ لِمَا تُوعَدُونَ

مٹی اور ہڈیاں تو تم کو نکلتا ہے، کہاں ہو سکتا ہو کہاں ہو سکتا ہے جو تم سے وعدہ ہوتا ہو

إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ۖ

اور کچھ نہیں یہی جینا ہے ہمارا دنیا کا مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم کو پھر اُٹھنا نہیں

إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ ۖ فَتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَيْدَ بَاوَعْنَاهُ لَمَّا عُودِينَا ۖ

اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے باندھ لایا ہے اللہ پر جھوٹ اور اُس کو ہم نہیں ماننے والے



قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كُنْتُ بُونٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَيُصْبِحُنَّ

نِدْمِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَآخَذَ تَهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَهُمْ غُشَاةً ج

پہناتے پھر پھر ان کو چنگھاڑنے تحقیق پھر کر دیا ہم نے ان کو کھڑا

قَبْعًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

سو دور ہو جائیں گنہگار لوگ

### خلاصہ تفسیر

پھر (قوم نوح کے بعد) ہم نے دوسرا گروہ پیدا کیا (مراد عاد ہے یا ثمود) پھر ہم نے انہیں ایک پیغمبر کو بھیجا جو ان ہی میں سے تھے (مراد ہود علیہ السلام یا صالح علیہ السلام ہیں، ان پیغمبر نے کہا کہ تم لوگ اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود (حقیقی) نہیں، کیا تم (شرک) دیتے نہیں ہو اور (ان پیغمبر کی بات منکر) ان کی قوم میں سے جو میں سے تھے جنہوں نے (خدا رسول کے ساتھ) کفر کیا تھا اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا تھا اور ہم نے ان کو دنیوی زندگی میں عیش بھی دیا تھا کہنے لگے کہ بس یہ تو تمہاری طرح ایک (محمولی) آدمی ہیں (چنانچہ) یہ وہی کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتے ہیں جو تم پیتے ہو اور (جب یہ تمہارے ہی جیسے بشر ہیں تو) اگر تم اپنے جیسے ایک (محمولی) آدمی کے کہنے پر چلنے لگو تو بیشک تم (عقل کے) گھائے میں ہو (یعنی بڑی بے وقوفی ہے) کیا یہ شخص تم سے یہ کہتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور (مرکر) مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے (چنانچہ جب اجزاء رجمیہ خاک ہو جاتے ہیں تو ہڈیاں بے گوشت رہ جاتی ہیں پھر بعد چند سے وہ بھی خاک ہو جاتی ہیں تو یہ شخص کہتا ہے کہ جب اس حالت پر پہنچ جاؤ گے) تو پھر دوبارہ زندہ کر کے زمین سے نکالے جاؤ گے (تو بھلا ایسا شخص کہیں قابل اطاعت و اتباع ہو سکتا ہے اور) بہت ہی بعید اور بہت ہی بعید ہے جو بات تم سے کہی جاتی ہے بس زندگی تو یہی ہماری دنیوی زندگی ہے کہ ہم میں کوئی مرتا ہے اور کوئی پیدا ہوتا ہے اور ہم دوبارہ زندہ کئے جاویں گے بس یہ ایک ایسا شخص ہے جو اللہ پر جھوٹ بانڈھتا ہے کہ اس نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور کوئی دوسرا معبود نہیں اور قیامت آدے گی) اور ہم تو ہرگز اس کو سچا نہ سمجھیں گے۔ پیغمبر نے دعا کی کہ اے میرے رب میرا بدلہ لے اس وجہ سے کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا، ارشاد ہوا کہ یہ لوگ عنقریب پشیمان ہونگے چنانچہ ان کو ایک سخت آواز نے (یا سخت عذاب نے) موافق وعدہ برحق کے (کہ لَيُصْبِحُنَّ نِدْمِيْنَ) آپکڑا (جس سے وہ سب ہلاک ہو گئے) پھر (ہلاک کرنے کے بعد) ہم نے ان کو خس و خاشاک کی طرح پامال کر دیا سو خدا کی مار کافر لوگوں پر۔



## معارف و مسائل

اس سے پہلی آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ مسلسلہ ہدایت ذکر کیا گیا تھا، آگے دوسرے پیغمبروں اور ان کی اُمتوں کا کچھ حال اجمالاً بغیر نام متعین کئے ذکر کیا گیا ہے۔ آثار و علامات سے حضرات مفسرین نے فرمایا کہ مراد ان اُمتوں سے عادیات و یا دونوں ہیں۔ عادی طسرت حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا اور ثمود کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام تھے۔ اس قصہ میں ان قوموں کا ہلاک ہونا ایک صیغہ یعنی غیبی سخت آواز کے ذریعہ بیان فرمایا ہے اور صیغہ کے ذریعہ ہلاک ہونا دوسری آیات میں قوم ثمود کا بیان ہوا ہے اس سے بعض حضرات نے فرمایا کہ ان آیات میں قریناً آخرین سے مراد ثمود ہیں مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صیغہ کا لفظ اس جگہ مطلق عذاب کے معنی میں لیا گیا ہو تو پھر یہ قوم عاد کے ساتھ بھی لگ سکتا ہے۔ واللہ اعلم

انہی الاَحْیَاءُ اَلَّذِیْنَ اَنشَاْنَا نَحْنُ وَنَحْیَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ (اس دنیا کی زندگی کے سوا اور کوئی زندگی نہیں۔ پس مرنا جینا اسی دنیا کا ہے اور پھر دوبارہ زندہ ہونا نہیں)۔ یہی قول عام کفار کا ہے جو قیامت کے منکر ہیں۔ یہ انکار جو زبان سے کرتے ہیں وہ تو کھلے کافر ہیں ہی، لیکن افسوس اور بہت فکر کی چیز یہ ہے کہ اب بہت سے مسلمانوں میں بھی عملی طور پر ایہ نکار اُن کے ہر قول و فعل سے مترشح ہوتا ہے کہ آخرت اور قیامت کے حساب کی طرف کبھی دھیما بھی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس مصیبت سے نجات عطا فرماویں۔

ثُمَّ اَنشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِہُمْ قُرُوْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿۲۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْۢ اُمَّۃٍ

پھر پیدا کیں ہم نے ان سے پیچھے جماعتیں اور نہ آگے جائے کوئی قوم

اَجَلُہَا وَ مَا یَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۲۳﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ اِذْ کُلَّمَا

اپنے وعدہ سے اور نہ پیچھے رہے پھر بھیجتے رہے ہم اپنے رسول لگاتار جہاں پہنچا

جَاءَ اُمَّۃٌ رَّسُوْلُہَا کَذَّٰبُوْہٖ فَاتَّبَعُوْا بَعْضُہُمْ بَعْضًا وَ جَعَلْنٰہُمْ

کسی اُمت کے پاس اُن کا رسول اسکو جھٹلا دیا، پھر چلائے گئے ہم ایک کے پیچھے دوسرے اور کڑوا ان کو

اَحَادِیْثٌۭ فَبَعَدَ الْقَوْمِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی

کہانیاں سو قدر ہو جائیں جو لوگ نہیں مانتے پھر بھیجا ہم نے موسیٰ

وَ اٰخَاہٗ هَارُوْنَ ؕ بِاٰیٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۵﴾ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ مَلَآئِہٖ

اور اُسکے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں دے کر اور کھلی سند فرعون اور اُسکے سرداروں کے پاس



فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوا أَنْوُزْ مِنْ لِبَشَرَيْنِ

پھر گھٹے بڑائی کرنے اور وہ لوگ زور پر چڑھ رہے تھے سو بولے کیا ہم مانیں گے اپنی برابر کے دو

مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عِیدُونَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنْ

آدمیوں کو اور ان کی قوم ہماری تابعدار ہیں پھر جھٹلایا ان دونوں کو پھسر ہو گئے

الْمُهْلَكِينَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿۴۹﴾

غارت ہونے والوں میں اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب تاکہ وہ راہ پائیں

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَهُمَا إِلَىٰ رُبُوعٍ

اور بنایا ہم نے مریم کے بیٹے اور اسکی ماں کو ایک نشانی اور ان کو ٹھکانا دیا ایک ٹیلہ پر

ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ﴿۵۰﴾

جہاں ٹھہرنے کا موقع تھا اور پانی نہ تھا

## خلاصہ تفسیر

پھر ان (عاد یا ثمود) کے (ہلاک ہونے کے) بعد ہم نے اور اُمتوں کو پیدا کیا (جو کہ تکذیبِ رسول کے سبب وہ بھی ہلاک ہوئے اور ان کے ہلاک ہونے کی جو مدتِ علم انہی میں مقرر تھی) کوئی اُمت (ان اُمتوں میں سے) اپنی (اس) مدتِ معینہ سے (ہلاک ہوئے ہیں نہ پیشِ دستی کر سکتی تھی اور نہ (اس مدت سے) وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے تھے) بلکہ عینِ وقت پر ہلاک کئے گئے غرض وہ اُمتیں اُدل پیدا کی گئیں، پھر (ان کے پاس) ہم نے اپنے پیغمبروں کو یکے بعد دیگرے (ہدایت کے لئے) بھیجا (جس طرح وہ اُمتیں یکے بعد دیگرے پیدا ہوئیں مگر ان کی حالت یہ ہوئی کہ) جب بھی کسی اُمت کے پاس اس اُمت کا (خاص) رسول (خدا کے احکام لیکر) آیا انھوں نے اُسکو جھٹلایا سو ہم نے (بھی ہلاک کرنے میں) ایک کے بعد ایک کا تار باندھ دیا اور ہم نے ان کی کہانیاں بنادیں (یعنی وہ ایسے نیست و نابود ہوئے کہ بجز کہانیوں کے ان کا کچھ نام و نشان نہ رہا) سو خدا کی مار ان لوگوں پر جو (انبیاء کے سمجھانے پر بھی) ایمان نہ لاتے تھے۔ پھر ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو اپنے احکام اور کھلی دلیل (یعنی معجزہ صریحہ کہ دلیلِ نبوت ہے) دیکر فرعون اور اسکے درباریوں کے پاس (بھی پیغمبر بنا کر) بھیجا (اور بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہونا بھی معلوم ہے) سو ان لوگوں نے (ان کی تصدیق و اطاعت سے) تکبر کیا اور وہ لوگ تھے ہی متکبر (یعنی پہلے ہی سے ان کا دماغ سڑا ہوا تھا) چنانچہ وہ (باہم) کہنے لگے کہ کیا ہم ایسے دو شخصوں پر جو ہماری طرح کے آدمی ہیں (انہیں کوئی بات امتیاز کی نہیں) ایمان لے آویں (اور ان کے



فرمانبردار بن جاویں) حالانکہ ان کی قوم کے لوگ (تو خود) ہمارے زیرِ حکم ہیں (یعنی ہم کو تو خود ان کی قوم پر ریاست حاصل ہے پھر ان دونوں کے اقتدار اور ریاست کو ہم کیسے تسلیم کر سکتے ہیں، اُن لوگوں نے ریاستِ دینیہ کو ریاستِ دنیویہ پر قیاس کیا کہ ہم کو ایک قسم کی ریاست یعنی دنیوی حاصل ہے تو دوسری قسم کے بھی ہم ہی مستحق ہیں اور جب ان کو دنیوی ریاست نہیں ملی تو دینی کیسے مل سکتی ہے اور فساد اس قیاس کا ظاہر ہے) غرض وہ لوگ ان دونوں کی تکذیب ہی کرتے رہے پس (اس تکذیب کی وجہ سے) ہلاک کئے گئے اور (اُن کے ہلاک ہونے کے بعد) ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب (یعنی توراۃ) عطا فرمائی تاکہ (اُس کے ذریعہ سے) وہ لوگ (یعنی موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل) ہدایت پائیں اور ہم نے (اپنی قدرت و توحید پر دلالت کے لئے) اور نیز بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے (مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام) کو اور اُن کی ماں (حضرت مریم علیہا السلام) کو بڑی نشانی (اپنی قدرت کی اور اُن کے صدق کی) بنایا کہ بے باپ تولد ہونا دونوں کے متعلق آیتِ عظیمہ ہے) اور (چونکہ اُن کو نبی بنانا منظور تھا اور ایک ظالم بادشاہ بچپن ہی میں اُن کے درپے قتل ہو گیا تھا اسلئے) ہم نے (اس سے بچا کر) ان دونوں کو ایک ایسی بلند زمین پر لیجا کر پناہ دی جو (بوجہ غلات اور میوہ جات پیدا ہونیکے) ٹھہرنے کے قابل اور (بوجہ نہر جاری ہونے کے) شاداب جگہ تھی (یہاں تک کہ امن و امان سے جوان ہوئے اور نبوت عطا ہوئی تو توحید و دعویٰ رسالت میں اُن کی تصدیق ضروری تھی مگر بعض نے نہ کی)۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ

اے رسولو کھاؤ سُتھری چیزیں اور کام کرو بھلا جو تم کرتے ہو میں جانتا

عَلَيْكُمْ ۝ وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ۝۵۲

ہوں اور یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے سب ایک دین پر اور میں ہوں تمہارا رب سو مجھ سے ڈرتے رہو

فَقُطِّعُوا أَمْرُهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝۵۳

پھر بھٹوٹ ڈال کر کر لیا اپنا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے، ہر فرقہ جو اُن کے پاس ہے اس پر ربحہ رہے ہیں

فَذَرْهُمْ فِي غَمَرٍ ظَنٍّ ۝۵۴ أَيْحَسِبُونَ أَنَّهُم مُّسْتَمِدُّونَ ۝۵۵

سو چھوڑ دے اُن کو اُن کی بہ ہوشی میں ڈبے ایک وقت تک کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ جو ہم اُن کو دینے جاتے

مِنْ قَالٍ وَبَيْنَ ۝۵۵ نَسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ ۝۵۶

ہیں مال اور اولاد سو ڈوڑ ڈوڑ کر پہنچا رہے ہیں ہم اُن کو بھلائیوں یہ بات نہیں وہ سمجھتے نہیں







اپنے وقت میں دو ہدایات دی گئی ہیں ایک یہ کہ کھانا حلال اور پاکیزہ کھاؤ، دوسرے یہ کہ عمل نیک صالح کرو۔ اور جب انبیاء علیہم السلام کو یہ خطاب کیا گیا ہے جن کو اللہ نے معصوم بنایا ہے تو ان کی اُمت کے لوگوں کے لئے یہ حکم زیادہ قابل اہتمام ہے اور اصل مقصود بھی اُمتوں ہی کو اس حکم پر چلانا ہے۔ علماء نے فرمایا کہ ان دونوں حکموں کو ایک ساتھ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ حلال غذا کا عمل صالح میں بڑا دخل ہے جب غذا حلال ہوتی ہے تو نیک اعمال کی توفیق خود بخود ہونے لگتی ہے اور غذا حرام ہو تو نیک کام کا ارادہ کرنے کے باوجود بھی اس میں مشکلات حائل ہو جاتی ہیں۔ حدیث میں ہے کہ بعض لوگ لمبے لمبے سفر کرتے ہیں اور غبار آلود رہتے ہیں پھر اللہ کے سامنے دُعا کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور یارب یارب پکارتے ہیں مگر ان کا کھانا بھی حرام ہوتا ہے پینا بھی، لباس بھی حرام سی تیار ہوتا ہے اور حرام ہی کی ان کو غذا ملتی ہے ایسے لوگوں کی دُعا کہاں قبول ہو سکتی ہے۔ (قطبی)

اس سے معلوم ہوا کہ عبادت اور دُعا کے قبول ہونے میں حلال کھانے کو بڑا دخل ہے جب غذا حلال نہ ہو تو عبادت اور دُعا کی مقبولیت کا بھی استحقاق نہیں رہتا۔

وَلَا تَهِنُوا قُلُوبًا ۚ قُلْ أَتَمَّتْ أُمَّتُكُمْ قَادِحَاتٌ ۚ لَفْظُ اُتَمَّتْ، ایک جماعت اور کسی خاص پیغمبر کی قوم کے معنی میں معروف و مشہور ہے اور کبھی یہ لفظ طریقہ اور دین کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے قرآن کی ایک آیت وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ ۚ اسیں اُمت سے مراد ایک دین اور طریقہ ہے۔ یہی معنی اس جگہ بھی مراد ہیں فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۚ زُبُرًا زبور کی جمع ہے جو کتاب کے معنی میں آتا ہے اس معنی کے اعتبار سے مراد آیت کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو سب انبیاء اور ان کی اُمتوں کو اصول اور عقائد کے مسائل میں ایک ہی دین اور طریقہ پر چلنے کی ہدایت فرمائی تھی مگر اُمتوں نے اسکو نہ مانا اور آپس میں ٹکڑے مختلف ہو گئے ہر ایک نے اپنا اپنا طریقہ الگ اور اپنی کتاب الگ بنالی۔ اور زُبُر کبھی زُبرہ کی جمع بھی آتی ہے جس کے معنی قطعہ اور فرقہ کے ہیں۔ یہی معنی اس جگہ زیادہ واضح ہیں اور مراد آیت کی یہ ہے کہ یہ لوگ عقائد اور اصول میں بھی مختلف فرقے بن گئے لیکن فردی اختلاف ائمہ مجتہدین کا نہیں داخل نہیں کیونکہ ان اختلافات سے دین و ملت الگ نہیں ہو جاتا اور ایسا اختلاف رکھنے والے الگ الگ فرقے نہیں کہلاتے۔ اور اس اجتہادی اور فردی اختلاف کو فرقہ واریت کا رنگ دینا خالص جہالت ہے جو کسی مجتہد کے نزدیک جائز نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِينَ هُمْ

ابنہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب

بَابِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿۵۹﴾

کی باتوں پر یقین کرتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتے



وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ

اور جو لوگ کہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل ڈر رہے ہیں اسلئے کہ ان کو اپنے رب کی طرف

رُجُوعُونَ ﴿۶۱﴾ أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿۶۲﴾

کوٹ کر جانا ہے وہ لوگ دوڑ دوڑ کر لیتے ہیں بھلائیاں اور وہ ان پر پہنچنے سے آگے

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنْتَظِقُ

اور ہم کسی پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر اس کی گنجائش کے موافق اور ہماری پاس لکھا ہوا ہے جو بولتا ہے

بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۶۳﴾

سچ اور ان پر ظلم نہ ہوگا

## خلاصہ تفسیر

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ مشرک نہیں کرتے اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور (بادجوہ اللہ کی راہ میں دینے اور خرچ کرنے کے) ان کے دل اس سے خوفزدہ رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں (دیکھئے وہاں جا کر ان صدقات کا کیا ثمرہ ظاہر ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ دینا حکم کے موافق نہ ہو مثلاً مال حلال نہ ہو یا نیت اللہ کے لئے فالص نہ ہو اور نیت میں اخلاص کامل نہ ہو یا مال کا حرام ہونا ہمیں معلوم نہ ہو تو اٹھا اس پر مواخذہ ہونے لگے تو جن لوگوں میں یہ صفات ہوں) یہ لوگ اپنے قائد سے جلدی جلدی حاصل کر رہے ہیں اور وہ ان کی طرف دوڑ رہے ہیں اور (یہ اعمال مذکورہ کچھ سخت بھی نہیں جنکا کرنا مشکل ہو کیونکہ) ہم کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کام کرنے کو نہیں کہتے (اس لئے یہ سب کام آسان ہیں اور اس کے ساتھ ان کا اچھا انجام اور ثمرہ یقینی ہے کیونکہ) ہمارے پاس ایک دفتر (نامہ اعمال کا محفوظ) ہے جو ٹھیک ٹھیک (سب کا حال) بتلا دے گا اور لوگوں پر ذرا ظلم نہ ہوگا۔

## معارف و مسائل

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ، لفظ یؤتوں، ایتاء سے مشتق ہے جس

کے معنی دینے اور خرچ کرنے کے ہیں اس لئے اس کی تفسیر صدقات کے ساتھ کی گئی ہے اور حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک قرأت اسکی یا تون ما اتون بھی منقول ہے یعنی عمل کرتے ہیں جو کچھ کرتے ہیں



اس میں صدقات نماز روزہ اور تمام نیک کام شامل ہو جاتے ہیں اور مشہور قرارت پر اگرچہ ذکر یہاں صدقات ہی کا ہو گا مگر مراد بہر حال عام اعمال صالحہ ہیں جیسا کہ ایک حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس آیت کا مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یہ کام کر کے ڈرنے والے لوگ وہ ہیں جو شراب پیتے یا چوری کرتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے صدیق کی بیٹی یہ بات نہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے اور نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقات دیتے ہیں اس کے باوجود اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ شاید ہمارے یہ عمل اللہ کے نزدیک (ہماری کسی کوتاہی کے سبب) قبول نہ ہوں ایسے ہی لوگ نیک کاموں میں مسارعت اور مسابقت کیا کرتے ہیں (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ۔ مظہری) اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو نیک عمل کر کے اتنے ڈرتے تھے کہ تم بڑے عمل کر کے بھی اتنا نہیں ڈرتے (قطبی)

أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ، مسارعت فی الخیرات سے مراد یہ ہے کہ جیسے عام لوگ دنیا کے منافع کے پیچھے دڑتے اور دوسروں سے آگے بڑھنے کی فکر میں رہتے ہیں یہ حضرات دین کے فوائد میں ایسا ہی عمل کرتے ہیں! اسی لئے وہ دین کے کاموں میں دوسروں سے آگے رہتے ہیں۔

بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِّنْ هَٰذَا وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِّنْ دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ

کوئی نہیں اُن کے دل بیہوش ہیں اس طرف سے اور اُن کو اندکام لگ رہے ہیں انکے سوائے کہ وہ اُن کو

لَهَا عَمَلُونَ ﴿٦٣﴾ حَتَّىٰ إِذَا آخَذْنَا مِيثَرًا فِیْهِمْ بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ

کر رہے ہیں یہاں تک کہ جب پکڑیں گے ہم اُن کے آسودہ لوگوں کو آفت میں تبھی وہ لگیں گے

يَجْرُونَ ﴿٦٣﴾ لَا تَجْرُوا الْيَوْمَ إِنَّكُمْ مِنَّا لَا تَنْصَرُونَ ﴿٦٥﴾ قَدْ

چلانے مت چلاؤ آج کے دن تم ہم سے چھوٹ نہ سکو گے تم کو

كَانَتْ إِلَيْنَا تَنَالِي عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلَٰیٰ أَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُونَ ﴿٦٦﴾

مُتَنَالِي جاتی تھیں میری آیتیں تو تم ایڑیوں پر اُنے بھاگتے تھے

مُسْتَكْبِرِينَ ﴿٦٦﴾ بِهٖ سِمَٰرًا هَجَرُونَ ﴿٦٧﴾ أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ

اس سے تکبر کر کے ایک قصہ گو کو چھوڑ کر چلے گئے سو کیا انھوں نے دھیان نہیں کیا اس کلام میں یا

جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ

آئی ہے اُن کے پاس ایسی چیز جو نہ آئی تھی اُنکے پہلے باپ دادوں کے پاس یا پہچانا نہیں انھوں اپنے پیغام لانے والے کو

فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ﴿٦٩﴾ أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ بَلْ جَاءَهُمُ بِالْحَقِّ

سو وہ اس کو ادا پراکتے ہیں یا کہتے ہیں اس کو سودا ہے، کوئی نہیں وہ تو لایا ہے اُنکے پاس سچی بات



وَ أَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كُرْهُوْنَ ۝۴۰ وَ لَوْ أَتَبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ

اور انہیں بہتوں کو یہی بات بڑی گنتی ہے اور اگر سچا رب چلے اُن کی خوشی پر تو خراب ہو جائیں

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ ۖ بَلْ أَتَيْنَهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ

آسمان اور زمین اور جو کوئی اُن میں ہے کوئی نہیں ہم نے پہنچائی ہے اُن کو اُن کی نصیحت

عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ ۝۴۱ أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَجَ رَبُّكَ خَيْرٌ

سو وہ اپنی نصیحت کو دھیان نہیں کرتے یا تو اُن سے مانگتا ہے کچھ محصول تو محصول تیرے رب کا بہتر ہے

وَهُوَ خَيْرُ الرَّزَاقِينَ ۝۴۲ وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝۴۳

اور وہ ہے بہتر روزی دینے والا اور تو تو بتلاتا ہے اُن کو سیدھی راہ پر

وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنُكَيِّبُونَ ۝۴۴

اور جو لوگ نہیں مانتے آخرت کو راہ سے ٹیڑھے ہو گئے ہیں

وَكُوْرَحْمَتِهِمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِنْ ضُرٍّ لِّدَجْوَائِنَا فِي طَغْيَانِهِمْ

اور اگر ہم اُن پر رحم کریں اور کھول دیں جو تکلیف پہنچی اُن کو تو بھی برابر لگے رہیں گے اپنی شرارت میں

يَعْمَهُوْنَ ۝۴۵ وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُمْ بِالْعُنَايِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِلرَّبِّهِمْ

پکے ہوئے اور ہم نے پکڑا تھا اُن کو آفت میں پھر عجزا جزی کی اپنے رب کے آگے

وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ۝۴۶ حَتَّىٰ إِذَا قَتَحْنَا عَلَيْهِمُ بَابًا ذَا عُنَابٍ

اور نہ رگڑا کرتے یہاں تک کہ جب کھول دیں ہم اُن پر دروازہ ایک سخت

شَدِيدٍ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ۝۴۷

آفت کا تب اُس میں اُن کی آس ٹوٹے گی

## خلاصہ تفسیر

(یہ تو اوپر مؤمنین کی حالت سنی مگر کفار ایسے نہیں ہیں) بلکہ (برعکس) ان کفار کے قلوب اس دین کی طرف سے (جس کا ذکر باینتِ ذِہْوَ میں ہے) جہالت (اور شک) میں ڈوبے ہوئے ہیں (جس کا حال اوپر بھی معلوم ہو چکا فَذَرْنَهُمْ فِي غَمَرَتِهِمْ) اور اس (جہالت و انکار) کے علاوہ ان لوگوں کے اور بھی (بڑے بڑے خبیث) عمل ہیں جن کو (سلسل) کرتے رہتے ہیں (یہ لوگ شرک اور اعمالِ سیئہ کے برابر جو کر رہیں گے) یہاں تک کہ جب ہم اُن کے خوشحال لوگوں کو (جن کے پاس مال و دولت اور نوکر چاکر سب کچھ ہی عذاب (بعد الموت) میں دھریں گے) اور غریب غریب، تو کس گنتی میں ہیں اور وہ تو عذاب کے کیا بچاؤ کر سکتے ہیں، غرض یہ کہ جب ان سب پر عذاب نازل ہوگا) تو فوراً چلا اٹھیں گے (اور سارا انکار و استکبار



جس کے اب عادی ہیں کافور ہو جا دیگا اس وقت اُن کے کہا جاوے گا کہ) اب مت چلاؤ (کہ کوئی فائدہ نہیں کیونکہ) ہماری طرف سے تمہاری مطلق مدد نہ ہوگی (کیونکہ یہ دارالجزا ہے دارالعمل نہیں ہے جس میں چلانا اور عاجزی کرنا مفید ہو جو دارالعمل تھا اس میں تو تمہارا یہ حال تھا کہ) میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر (رسول کی زبان سے) سنائی جایا کرتی تھیں تو تم اُٹھے پاؤں بھاگتے تھے تکبر کرتے ہوئے قرآن کا مشغلہ بناتے ہوئے (اس قرآن کی شان) میں یہودہ بکتے ہوئے (کہ کوئی اس کو سحر کہتا تھا کوئی شعر کہتا تھا اور مشغلہ کا یہی مطلب ہے پس تم نے دارالعمل میں جیسا کیا آج دارالجزا میں ویسا بھگتو اور یہ لوگ جو قرآن کی اور صاحب قرآن کی تکذیب کر رہے ہیں تو اسکا کیا سبب ہے) کیا ان لوگوں نے اس کلام (الہی) میں غور نہیں کیا (جس سے اسکا اعجاز ظاہر ہو جاتا اور یہ ایمان لے آتے) یا (تکذیب کی یہ وجہ ہے کہ) ان کے پاس کوئی ایسی چیز آئی ہے جو ان کے پہلے بڑوں کے پاس نہیں آئی تھی (مراد اس سے احکام الہیہ کا آنا ہے جو کوئی نئی بات نہیں، ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اُن کی اُمتوں کو یہی احکام دیے جاتے رہے ہیں کقولہ تعالیٰ مَا كُنْتُ بِدُعَايِ الْمُرْسَلِينَ، پس تکذیب کی یہ وجہ بھی باطل ٹھہری اور یہ وجہ تو قرآن کے متعلق ہیں۔ آگے صاحب قرآن کے متعلق فرماتے ہیں معنی) یا (وجہ تکذیب کی یہ ہے کہ) یہ لوگ اپنے رسول (کی صفت دیانت و صدق امانت) سے واقف نہ تھے اسوجہ سے اُن کے منکر ہیں، (یعنی یہ وجہ بھی باطل ہے کیونکہ آپ کے صدق و دیانت پر سب کا اتفاق تھا) یا (یہ وجہ ہے کہ) یہ لوگ (نعوذ باللہ) آپ کی نسبت جنون کے قائل ہیں (سو آپ کا اعلیٰ درجہ کا صاحب عقل اور صاحب الرائے ہونا بھی ظاہر ہے۔ سو واقع میں ان میں سے کوئی وجہ بھی معقول نہیں) بلکہ (اصلی وجہ یہ ہے کہ) یہ رسول ان کے پاس حق بات لیکر آئے ہیں اور ان میں اکثر لوگ حق بات سے نفرت رکھتے ہیں۔ (پس یہ تمام تر وجہ ہے تکذیب کی اور عدم اتباع حق کی اور یہ لوگ اس دین حق کا اتباع تو کیا کرتے یہ تو اور اُٹا یہ چاہتے ہیں کہ وہ دین حق ہی ان کے خیالات کے تابع کر دیا جاوے اور جو مضامین قرآن میں ان کے خلاف ہیں اُن کو خارج یا ترمیم کر دیا جاوے کقولہ تعالیٰ فِي سُوْرَةِ يُسُف قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا اَنْتُمْ بِقُلُوْبٍ غَيْرِ هٰذِهِ اَوْ بَدِلْهُمْ) اور (بفرض محال) اگر (ایسا امر واقع ہو جاتا) اور دین حق اُن کے خیالات کے تابع (اور موافق) ہو جاتا تو (تمام عالم میں کفر و شرک پھیل جاتا اور اسکا اثر یہ ہوتا کہ حق تعالیٰ کا غضب تمام عالم پر متوجہ ہو جاتا اور اسکا مقتضایہ تھا کہ) تمام آسمان اور زمین اور جو انہیں (آباد) ہیں سب تباہ ہو جاتے (جیسا قیامت میں تمام انسانوں میں گمراہی عام ہو جانے کے سبب اللہ تعالیٰ کا غضب بھی سب پر عام ہو گا اور غضب الہی عام ہونے سے سب کی ہلاکت بھی عام ہوگی) اور اول تو کسی امر کا حق ہونا مقتضی ہے اُس کے وجوب قبول کو گو نافع بھی نہ ہو اور اسکا قبول نہ کرنا خود عیب ہے مگر ان لوگوں میں صرف یہی ایک عیب نہیں کہ حق سے کراہت ہو) بلکہ اس سے بڑھ کر



دوسرا عیب اور بھی ہے کہ حق کا اتباع جو انہیں کے نفع کا سامان ہے اُس سے دُور بھاگتے ہیں بس ہم نے اُن کے پاس اُن کی نصیحت (اور نفع) کی بات بھی سو یہ لوگ اپنی نصیحت سے بھی روگردانی کرتے ہیں یا (علادہ وجوہ مذکورہ کے ان کی تکذیب کی یہ وجہ ہے کہ ان کو یہ شبہ ہوا ہو کہ) آپ ان سے کچھ آمدنی چاہتے ہیں تو (یہ بھی غلط ہے کیونکہ جب آپ جانتے ہیں کہ) آمدنی تو آپ کے رب کی سب سے بہتر ہے اور وہ سب دینے والوں سے اچھا ہے (تو آپ لوگوں سے کیوں مانگتے ہیں) اور (خلاصہ ان کی حالت کا یہ ہے کہ) آپ تو ان کو سیدھے رستہ کی طرف (جس کو اُدھر حق کہا ہے) بلاتے ہیں اور ان لوگوں کی جو کہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یہ حالت ہے کہ اس (سیدھے) رستہ سے ہٹ جاتے ہیں مطلب یہ کہ حق ہونا اور مستقیم ہونا اور نافع ہونا یہ سب مقتضیات ایمان کے جمع ہیں اور جو وجوہات مانع ہو سکتی تھیں وہ کوئی موجود نہیں، پھر ایمان نہ لانا اشد درجہ کی جہالت اور ضلالت ہے) اور (ان کی قسوت و عناد کی یہ حالت ہے کہ جس طرح یہ لوگ آیات شرعیہ سے متاثر نہیں ہوتے اسی طرح آیات قہریہ مصائب و بلیات سے بھی متاثر نہیں ہوتے گو مصیبت کے وقت طبعی طور پر ہم کو ہیکار تے بھی ہیں لیکن وہ دفع الوقتی ہوتی ہے چنانچہ) اگر ہم ان پر مہربانی فرمادیں اور ان پر جو تکلیف ہے اُس کو ہم دُور بھی کر دیں تو وہ لوگ (پھر) اپنی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے اصرار کرتے رہیں (اور وہ قول و قرار جو مصیبت میں کئے تھے سب ختم ہو جاویں کقولہ تعالیٰ إِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا ثُمَّ دَعَا رَبَّهُ وَإِنَّا لِلْفُلْكِ الْغَمَّ) اور (شاہد اس کا یہ ہے کہ بعض اذقات) ہم نے ان کو گرفتارِ عذاب بھی کیا ہے سو ان لوگوں نے نہ اپنے رب کے سامنے (پورے طور پر) فروتنی کی اور نہ عاجزی اختیار کی (پس جب عین مصیبت میں اور مصیبت بھی ایسی سخت جس کو عذاب کہا جاسکے جیسے قحط جو مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے ہوا تھا انہوں نے عاجزی اختیار نہیں کی تو بعد زوال مصیبت کے تو بدرجہ اَدلی اُن سے اسکی توقع نہیں مگر ان کی سیاری بے پردگی و بیباکی ان مصائب تک ہے جن کے عادی ہو چکے ہیں) یہاں تک کہ ہم جب ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے (جو کہ فوق العادہ ہو خواہ دنیا ہی میں کہ کوئی غیبی قہر آپڑے یا بعد الموت کہ ضروری واقع ہوگا) تو اس وقت بالکل حیرت زدہ رہ جاویں گے (کہ یہ کیا ہو گیا اور سب نشہ ہرن ہو جاوے گا)

## معارف و مسائل

غَمَّقَ، ایسے گہرے پانی کو کہتے ہیں جس میں آدمی ڈوب جائے اور جو اس میں داخل ہونے والے کو اپنے اندر چھپالے اسی لئے لفظ غمرہ پر وہ اور ہر ڈھانپ لینے والی چیز کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ یہاں اُن کی مشرکانہ جہالت کو غمرہ کہا گیا ہے جس میں اُن کے دل ڈوبے ہوئے اور چھپے ہوئے ہیں کہ کسی



طرف سے اُن کو روشنی کی کرن نہیں پہنچتی۔

وَلَكِنَّهُمْ آتَمَالٌ لِّتَن دُونَ ذٰلِكَ، یعنی اُن کی گمراہی کے لئے تو ایسا شرک و کفر ہی کا پردہ غفلت کافی تھا مگر وہ اسی پر بس نہیں کرتے اس کے ساتھ دوسرے اعمالِ خبیثہ بھی مسلسل کرتے ہی رہتے ہیں۔ مَثَرَفِیْہُمْ، مَثَرَفٌ، تَوَقُّعٌ مشتق ہے جس کے معنی تنعم اور خوشحالی کے ہیں۔ اس جگہ اس قوم کو عذاب میں پکڑنے کا ذکر ہے جس میں امیرِ غریب خوشحال بد حال سبھی داخل ہونگے مگر مترفعین اور خوشحالوں کا ذکر خاص طور پر اسلئے کیا کہ ایسے ہی لوگ دنیا کے مصائب سے اپنے بچاؤ کا کچھ سامان کر لیا کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا عذاب جب آتا ہے تو سب سے پہلے یہی لوگ بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس آیت میں جس عذاب کے اندر اُنکے پکڑے جانے کا ذکر ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ عذاب ہے جو غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تلواروں سے ان کے سرواڑوں پر پڑا تھا۔ اور بعض حضرات نے اس عذاب سے مراد قحط کا عذاب لیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے مکہ والوں پر تسلط کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ وہ مردار جانور اور کتے اور ہڈیاں کھانے پر مجبور ہو گئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے لئے بددعا بہت کم کی ہے لیکن اس موقع میں مسلمانوں پر ان کے مظالم کی شدت سے مجبور ہو کر یہ بددعا کی تھی۔ اللہم امثلد و طأتک علی مضر و اجعلہا علیہم سنین کسفی یوسف (رواہ البخاری و مسلم)۔ (قطبی و مظہری)

مُسْتَكْبِرِیْنَ یہ سِرّاً تَهْجُرُوْنَ، اس میں لفظ بہہ کی ضمیر اکثر مفسرین نے حرم کی طرف راجع قرار دی جو اگرچہ اوپر کہیں مذکور نہیں مگر حرم سے قریش مکہ کا گہرا تعلق اور اس پر ان کا ناز اتنا معروف و مشہور تھا کہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور معنی اس کے یہ ہیں کہ قریش مکہ کا اللہ کی آیتیں سن کر پچھلے پاؤں بھاگنے اور نہ ماننے کا سبب حرم مکہ کی نسبت اور اُس کی خدمت پر ان کا تکبر اور ناز تھا۔ اور سامراء، سمر سے مشتق ہے جس کے اصل معنی چاندنی رات کے ہیں۔ عرب کی عادت تھی کہ چاندنی رات میں بیٹھ کر قصے کہانیاں کہاتے تھے اس لئے لفظ سمر قصہ کہانی کے معنی میں استعمال ہونے لگا اور سمر قصہ گو کو کہا جاتا ہے یہ لفظ اگرچہ مفرد ہے مگر معنی میں جمع کے لئے بھی بولا جاتا ہے اس جگہ سامر بمعنی سامرین جمع کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مشرکین کا ایک حال جو آیاتِ الہیہ سے انکار کا سبب بنا ہوا تھا حرم مکہ کی نسبت و خدمت پر ان کا ناز تھا۔ دوسرا حال یہ بیان فرمایا کہ یہ لوگ بے اصل اور بے بنیاد قصے کہانیوں میں مشغول رہنے کے عادی ہیں ان کو اللہ کی آیات سے دلچسپی نہیں۔

تَهْجُرُوْنَ، یہ لفظ تَجَرُّ بضم الہاء سے مشتق ہے جس کے معنی فضول بکواس اور گالی گلوچ کے ہیں یہ تیسرا حال ان مشرکین کا بیان کیا گیا کہ یہ لوگ فضول بکواس اور گالی گلوچ کے عادی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بعض ایسے ہی گستاخانہ کلمات کہتے رہتے ہیں۔



عشار کے بعد قصہ گوئی کی | رات کو افسانہ گوئی کا مشغلہ عرب و عجم میں قدیم سے چلا آتا ہے اور اس میں بہت  
نماعت اور خاص ہدایات سے مفاسد اور دقت کی اشاعت تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کسم کو  
مٹانے کے لئے عشار سے پہلے سونے کو اور عشار کے بعد فضول قصہ گوئی کو منع فرمایا۔ حکمت یہ تھی کہ عشار کی  
نماز پر انسان کے اعمال یومیہ ختم ہو رہے ہیں جو دن بھر کے گناہوں کا بھی کفارہ ہو سکتا ہے۔ یہی اس کا  
آخری عمل اس دن کا ہو تو بہتر ہے اگر بعد عشار فضول قصہ گوئی میں لگ گیا تو اولاً یہ خود فعل عیث اور کفر  
اس کے علاوہ اسکے ضمن میں غیبت جھوٹ اور دوسرے طرح طرح کے گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے اور ایک  
بڑا انجام اس کا یہ ہے کہ رات کو دیر تک جاگے گا تو صبح کو سویرے نہیں اٹھ سکے گا اسی لئے حضرت فاروق اعظم  
جب کسی کو عشار کے بعد فضول قصوں میں مشغول دیکھتے تو تنبیہ فرماتے تھے اور بعض کو منرا بھی دیتے تھے  
اور فرماتے کہ جلد سو جاؤ شاید آخر رات میں تہجد کی توفیق ہو جائے۔ (قطبی)

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ ۖ سَآءَ مَا يَفْقَهُونَ بِهٖ رَحْمَةُ اللّٰهِ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْحِسَابِ  
 کہ لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے کسی درجہ میں مانع ہو سکتی تھیں اور اُن میں سے  
 ہر ایک وجہ کے منفی ہونے کا بیان اس کے ساتھ کر دیا ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ جو وجوہ ان لوگوں  
 کے لئے ایمان سے مانع ہو سکتی تھیں اُن میں سے کوئی بھی وجہ موجود نہیں اور ایمان لانے کے لئے  
 جو اسباب و وجوہ داعی ہیں وہ سب موجود ہیں اس لئے اب انکار خالص مناد اور ہٹ دھرمی  
 کے سوا کچھ نہیں جس کا ذکر اسکے بعد کی آیت میں اس طرح فرمایا ہے بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَكَذَّبُوهُم بِالْحَقِّ  
 كُرْهُوْنَ۔ یعنی انکار رسالت کی کوئی عقلی یا طبعی وجہ تو موجود نہیں پھر انکار کا سبب اسکے سوا کچھ نہیں  
 کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق بات لیکر آئے ہیں اور یہ لوگ حق بات ہی کو بُرا سمجھتے ہیں سُفْہا نہیں  
 چاہتے جس کا سبب ہوا وہ ہوس کا غلبہ اور جاہلوں کو جو ریاست و اقتدار حاصل ہے اس کی محبت  
 اور جاہلوں کی تقلید ہے۔ یہ پانچ وجوہ جن کا ذکر ایمان اور اقرار بالنبوت سے مانع ہونے کی حیثیت میں  
 کیا گیا ہے اُن میں ایک یہ بھی بیان فرمائی ہے۔

اَمْ كَذِبٌ يَغْرِثُوْا رَسُوْلَهُمْ اِیْنِی اُن کے انکار کی ایک وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ جو شخص دعوتِ حق اور دعوائے نبوت لیکر آیا ہے یہ کہیں باہر سے آیا ہوتا تاکہ یہ لوگ اسکے نام و نسب اور عادات و خصال اور کردار سے واقف نہ ہوتے تو یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم اس مدعی کے حالات سے واقف نہیں اس کو کیسے نبی و رسول مان کر اپنا مقتدا بنالیں۔ مگر یہاں تو یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش ہی کے اعلیٰ نسب میں اسی شہر مکہ میں پیدا ہوئے اور بچپن سے لیکر جوانی اور مابعد کا سارا زمانہ انہیں لوگوں کے سامنے گزرا۔ آپ کا کوئی عمل کوئی عادت ان سے چھپی ہوئی نہیں تھی اور دعوائے نبوت سے پہلے تک سارے کفار مکہ آپ کو صادق دابین کہا کرتے تھے آپکے کردار و



عمل پر کسی نے بھی کبھی کوئی شبہ نہ ظاہر نہیں کیا تھا تو اب ان کا یہ عذر بھی نہیں چل سکتا کہ وہ انکو پہچانتے نہیں۔

وَلَقَدْ أَخَذَ نَهْمُهُم بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَكَانُوا يَقْتَضِرُونَ، اس سے پہلی آیت میں مشرکین کے بارے میں یہ کہا گیا تھا کہ یہ لوگ جو عذاب میں مبتلا ہونے کے وقت اللہ سے یا رسول سے فریاد کرتے ہیں اگر ہم ان کی فریاد پر رحم کھا کر عذاب ہٹا دیں تو ان کی جبلی شرارت و سرکشی کا عالم یہ ہے کہ عذاب سے نجات پانیکے بعد پھر اپنی سرکشی اور نافرمانی میں مشغول ہو جائیں گے اس آیت میں ان کے ایک اسی طرح کے واقعہ کا بیان ہے کہ ان کو ایک عذاب میں پکڑ لیا مگر عذاب سے بدعاد بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نجات پانے کے بعد بھی یہ اللہ کے سامنے نہیں جھکے اور برابر اپنے کفر و شرک پر جھمے رہے۔

پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ پر قحط کا عذاب مستط ہونے کی دعا کی تھی اس کی وجہ سے یہ سخت قحط میں مبتلا ہوئے اور مردار وغیرہ کھانے پر مجبور ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ابوسفیانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں اور سہلہ رحمی کی کیا آپ نے یہ نہیں کہا کہ میں اہل عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، آپ نے فرمایا بیشک کہا ہے اور واقعہ بھی یوں ہی ہے۔ ابوسفیانؓ نے کہا کہ آپ نے اپنی قوم کے بڑوں کو تو بدر کے معرکہ میں تلوار سے قتل کر دیا اور جواب رہ گئے ہیں ان کو بھوک سے قتل کر رہے ہیں اللہ سے دعا کیجئے کہ یہ عذاب ہم سے ہٹ جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی یہ عذاب اُسی وقت ختم ہو گیا اسی پر یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی وَلَقَدْ أَخَذَ نَهْمُهُم بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ۔

اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ عذاب میں مبتلا ہونے پھر اس سے نجات پانے کے بعد بھی یہ لوگ اپنے رب کے سامنے نہیں جھکے چنانچہ واقعہ یہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے قحط رفع بھی ہو گیا مگر مشرکین نے اپنے شرک و کفر پر اسی طرح جھمے رہے۔ (مظہری وغیرہ)

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا

اور اسی نے بنادینے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل تم بہت تنویرا

مَا تَشْكُرُونَ ۝۴۸ وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ

حق مانتے ہو اور اسی نے تم کو پھیلا رکھا ہے زمین میں اور اسی کی طرف

تَحْشَرُونَ ۝۴۹ وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ

جمع ہو کر جاؤ گے اور وہی ہے چلاتا اور مارتا اور اسی کا کام ہے بدلتا رات



وَالنَّهَارِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۸۰﴾ بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿۸۱﴾

اور دن کا سو کیا تم کو سمجھ نہیں کوئی بات نہیں یہ تو وہی کہہ رہے جیسا کہہ کرتے تھے پہلے لوگ

قَالُوا آءِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا ۖ إِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ

کہتے ہیں کیا جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم کو زندہ ہو کر اٹھنا ہے وعدہ دیا

وَعِدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَذَا مِنْ قَبْلُ ۖ إِن هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ

جاتا ہے ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو یہی پہلے سے اور کچھ بھی نہیں یہ نقلیں ہیں

الْأَوَّلِينَ ﴿۸۳﴾ قُلْ لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا ۖ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۴﴾

پہلوں کی تو کہہ کس کی ہے زمین اور جو کوئی اس میں ہے بتاؤ اگر تم جانتے ہو

سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ

اب کہیں گے سب کچھ اللہ کا ہے تو کہہ پھر تم سوچتے نہیں تو کہہ کون ہے مالک ساتوں

السَّابِعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا

آسمانوں کا اور مالک اس بڑے تخت کا اب بتائیں گے اللہ کو تو کہہ پھر تم

تَتَّقُونَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْ أَمْسَدَ مَلَكُوتٍ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا

ڈرتے نہیں تو کہہ کس کے ہاتھ میں ہے حکومت ہر چیز کی اور وہ بچا لیتا ہے اور اس

يُجَارُ عَلَيْهِ ۖ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ

کے کوئی بچا نہیں سکتا بتاؤ اگر تم جانتے ہو اب بتائیں گے اللہ کو تو کہہ

فَأَنىٰ تُسْحَرُونَ ﴿۸۹﴾ بَلْ أَتَيْنَاهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۹۰﴾

پھر کہاں سے تم پر جادو آپڑتا ہے کوئی نہیں ہم نے ان کو پہنچایا سچ اور وہ البتہ جھوٹے ہیں

مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ ۚ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلٰهٍ ۖ إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ

اللہ نے کوئی بیٹا نہیں کیا اور نہ اس کے ساتھ کسی کا حکم چلے یہوں ہوتا تو لے جاتا ہر حکم والا

إِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ ۚ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللَّهِ عَمَّا

اپنی بنائی چیز کو اور چڑھائی کرتا ایک پر ایک اللہ ترالا ہے ان کی بتلائی

يُصِفُونَ ﴿۹۱﴾ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۹۲﴾

باتوں سے جاننے والا جیسے اور کھٹے کا وہ بہت اوپر ہے اس سے جو کوئی شریک بتلاتے ہیں

## خلاصہ تفسیر

اور وہ (اللہ) ایسا (قادر اور شہم) ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے



(کہ آرام بھی برتو اور دین کا بھی ادراک کرو لیکن) تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو (کیونکہ صلی شکر یہ تھا کہ اس منعم کے پسندیدہ دین کو قبول کرتے اور دوبارہ قیامت میں زندہ کرنے کا انکار نہ کرتے) اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلا رکھا ہے اور تم سب (قیامت میں) اسی کے پاس لائے جاؤ گے (اسوقت اس کفرانِ نعمت کی حقیقت معلوم ہوگی) اور وہ ایسا ہے جو چلاتا ہے اور مارتا ہے اور اُسی کے اختیار میں ہے رات اور دن کا گھٹنا بڑھنا سو کیا تم (اتنی بات) نہیں سمجھتے (کہ یہ دلائل قدرت توحید اور قیامت میں دوسری زندگی، دونوں پر دال ہیں مگر) پھر بھی مانتے نہیں، بلکہ یہ بھی ویسی ہی بات کہتے ہیں جو اگلے (کافر) لوگ کہتے چلے آئے ہیں (یعنی) یوں کہتے ہیں کہ کیا ہم جب مر جاویں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں رہ جاویں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جاویں گے اسکا تو ہم سے اور (ہم سے) پہلے ہمارے بڑوں سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے یہ کچھ بھی نہیں محض بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے منقول ہوتی چلی آتی ہیں (چونکہ اس قول سے انکار قدرت لازم آتا ہے اور اس سے مثل انکار بعثت کے انکار توحید کا بھی ہوتا ہے اس لئے اس قول کے جواب میں اثبات قدرت کے ساتھ اثبات توحید کا بھی ارشاد ہے یعنی) آپ (جواب میں) یہ کہہ دیجئے کہ (اچھا یہ بتلاؤ کہ) یہ زمین اور جو اس پر رہتے ہیں کس کی ملک ہیں، اگر تم کو کچھ خبر ہے۔ وہ ضرور یہی کہیں گے کہ اللہ کے ہیں (تو) ان سے کہئے کہ پھر کیوں نہیں غور کرتے (کہ قدرت علی البعث اور توحید دونوں کے حکم کا ثبوت ہو جاوے اور) آپ یہ بھی کہئے کہ (اچھا یہ بتاؤ کہ) ان سات آسمانوں کا مالک اور عالیشان عرش کا مالک کون ہے (اسکا بھی) وہ ضرور یہی جواب دیں گے کہ یہ بھی (سب) اللہ کا ہے آپ (اسوقت) کہئے کہ پھر تم (اس سے) کیوں نہیں ڈرتے (کہ اس کی قدرت اور آیات بعثت کا انکار کرتے ہو اور) آپ (ان سے) یہ بھی کہئے کہ (اچھا) وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور وہ (جس کو چاہتا ہے) پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اگر تم کو کچھ خبر ہے (تب بھی جواب میں) وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ سب صفات بھی اللہ ہی کی ہیں آپ (اسوقت) کہئے کہ پھر تم کو کیسا ضبط ہو رہا ہے (کہ ان سب مقدمات کو مانتے ہو اور نتیجہ کو کہ توحید اور قیامت کا اعتقاد ہے نہیں مانتے یہ تو استدلال تھا مقصود پر ان کے جواب میں) آگے انکے مقدمہ کی دلیل یعنی انْ هَذَا آيَاتُ الْاَوَّلِينَ کا ابطال ہے یعنی یہ جو ان کو بتلایا جا رہا ہے کہ قیامت آوے گی اور مردے زندہ ہونگے یہ اساطیر الاولین نہیں ہے (بلکہ ہم نے ان کو سچی بات پہنچائی ہے اور یقیناً یہ (خود ہی) جھوٹے ہیں) یہاں تک مکالمہ ختم ہو چکا اور توحید و بعثت دونوں ثابت ہو گئے مگر ان دونوں مسئلوں میں چونکہ توحید کا مسئلہ زیادہ مہتمم بالمشا اور حقیقت میں مسئلہ قیامت و آخرت کا بھی مبنی اور محل کلام بھی زیادہ تھا اس لئے تتمہ تقریر



میں اس کو مستقلاً ارشاد فرماتے ہیں کہ (اللہ تعالیٰ نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا) جیسا مشرکین ملائکہ کی نسبت کہتے تھے (اور نہ اُس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے، اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو (تقسیم کر کے) جُدا کر لیتا اور (پھر دُنیا کے بادشاہوں کی عادت کے مطابق دوسرے کی مخلوقات چھیننے کے لئے) ایک دوسرے پر چڑھائی کرتا) پھر مخلوق کی تباہی کی تو کیا انتہا ہے لیکن نظامِ عالم بدستور قائم ہی اس سے ثابت ہوا کہ (اللہ تعالیٰ ان (مکروہ) باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ (اسکی نسبت) بیان کرتے ہیں) جاننے والا ہے سب پوشیدہ اور آشکارا کا، غرض ان لوگوں کے شرک سے وہ بالاتر (اور منزہ) ہے۔

## معارف و مسائل

وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ، یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہے عذاب اور مصیبت بھیج دے تکلیف سے پناہ دیدے اور یہ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے مقابلہ پر کسی کو پناہ دیکر اُس کے عذاب و تکلیف سے بچالے۔ یہ بات دُنیا کے اعتبار سے بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو کوئی نفع پہنچانا چاہے اسکو کوئی ردک نہیں سکتا اور جس کو کوئی تکلیف و عذاب دینا چاہے اُس سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ اور آخرت کے اعتبار سے بھی یہ مضمون صحیح ہے کہ جس کو وہ عذاب میں مبتلا کرے گا اُس کو کوئی بچانہ سکے گا اور جسکو جنت اور راحت دیگا اُس کو کوئی ردک نہ سکے گا (قطبی)

قُلْ رَبِّ اِمَّا تُرِيْنِي مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي

تو کہہ اے رب اگر تو دکھانے لگے مجھ کو جو اُن سے وعدہ ہوا ہے تو اے رب مجھ کو نہ کرو

فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ۙ وَاِنَّا عَلٰى اَنْ تُرِيْكَ مَا نَعِدُهُمْ

ان گنہگار لوگوں میں اور ہم کو قدرت ہے کہ تجھ کو دکھلا دیں جو اُن سے وعدہ

لَقَدْ رُوْنَا ۙ اِذْ فَعَّ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةِ طَنَحْنُ اَعْلَمُ

کر دیا ہے بڑی بات کے جواب میں وہ کہہ جو بہتر ہے ہم خوب جانتے ہیں

بِمَا يَصِفُوْنَ ۙ وَقُلْ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٍ الشَّيْطٰنِ ۙ وَ

جو یہ بتاتے ہیں اور کہہ اے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطان کی چھیڑ سے اور

اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنَ ۙ حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمْ

پناہ تیری چاہتا ہوں اے رب اس سے کہ میرے پاس نہیں یہاں تک کہ جب پہنچے اُن میں کسی کو

الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنَ ۙ لَعَلِّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ

موت کہے گا اے رب مجھ کو پھر بھیج دو شاید کچھ میں بھلا کام کروں آہیں جو پیچھے چھوڑ آیا



كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ

ہرگز نہیں یہ ایک بات ہے کہ وہی کہتا ہے اور ان کے پیچھے پردہ ہے اُس دن

إِلَى يَوْمٍ يَبْعَثُونَ ۱۰۰

تک کہ اٹھائے جائیں

### خلاصہ تفسیر

آپ (حق تعالیٰ سے) دعا کیجئے کہ اے میرے رب جس عذاب کا ان کافروں سے وعدہ کیا جا رہا ہے (جیسا اذفا فتحنا علیہم سے بھی معلوم ہوا) اگر آپ مجھ کو دکھا دیں (مثلاً یہ کہ وہ عذابِ پیر میری زندگی میں اس طور سے آوے کہ میں بھی دیکھوں کیونکہ اس عذابِ موعود کا کوئی وقت خاص نہیں بتلایا گیا ہے چنانچہ آیت مذکورہ بھی مبہم ہے جس میں یہ احتمال مذکور بھی ہے غرض اگر ایسا ہوا) تو اے میرے رب مجھ کو ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کیجئے اور ہم اس بات پر کہ جو ان سے وعدہ کر رہے ہیں آپ کو بھی دکھلا دیں قادر ہیں (باقی جب تک ان پر عذاب نہ آوے) آپ (ان کیساتھ یہ معاملہ رکھئے کہ) ان کی بدی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کر دیا کیجئے جو بہت ہی اچھا (اور نرم) ہو (اور اپنی ذات کے لئے بدلہ نہ لیجئے بلکہ ہمارے حوالہ کر دیا کیجئے) ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ (آپ کی نسبت) کہا کرتے ہیں اور (اگر آپ کو بمقتضا بشریت غیظ آجایا کرے تو) آپ یوں دعا کیا کیجئے کہ اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے دسوسوں سے (جو مفسدین ہو جاویں کسی ایسے امرِ سیف جو خلاف مصلحت ہو گو خلافِ شریعت نہ ہو) اور اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس بھی آویں (اور دسوسہ ڈالنا تو درکنار پس اس سے وہ غیظ جاتا رہے گا۔ یہ کفار اپنے کفر و انکارِ معاد سے باز نہیں آتے) یہاں تک کہ جب انہیں کسی (کے سر) پر موت آ (کھڑی ہو) تی ہے (اور آخرت کا سعائے ہوئے لگتا ہے) اُس وقت (آنکھیں کھلتی ہیں اور اپنے جہل و کفر پر نادم ہو کر) کہتا ہے کہ اے میرے رب (مجھ سے موت کو نالہ کیجئے اور) مجھ کو (دنیا میں) پھر واپس بھیج دیجئے تاکہ جس (دنیا) کو میں چھوڑ آیا ہوں اُس میں (پھر جا کر) نیک کام کروں (یعنی تصدیق و طاعت حق تعالیٰ) اس درخواست کو رد فرماتے ہیں کہ (ہرگز ایسا نہیں ہوگا) یہ (اسکی) ایک بات ہی بات ہے جبکو یہ کہے جا رہا ہے (اور پوری ہونے والی نہیں) اور (وجہ اس کی یہ ہے کہ) ان لوگوں کے آگے ایک (چیز) آڑ (کی آنے والی) ہے (کہ جبکا آنا ضروری ہے اور وہی دنیا میں واپس آنے سے مانع ہے مراد اس سے موت ہے کہ اسکا وقوع بھی وقتِ مقدر پر ضروری ہے وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا اور موت کے بعد دنیا میں لوٹ کر آنا بھی) قیامت کے دن تک (قانونِ الٰہی سے خلاف ۱۰۰)



## معارف و مسائل

قُلْ رَبِّ اِمَّا تُرِيْنِيْ مَا يُوْعَدُّوْنَ ۝ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ۝

مطلب ان دونوں آیتوں کا یہ ہے کہ قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں مشرکین و کفار پر عذاب کی وعید مذکور ہے جو عام ہے قیامت میں تو اسکا وقوع قطعی اور یقینی ہے دنیا میں ہونیکا بھی احتمال ہی پھر یہ عذاب اگر دنیا میں ان پر واقع ہو تو اسیں یہ احتمال بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد آئے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ ہی کے سامنے ان پر اللہ کا کوئی عذاب آجائے اور دنیا میں جب کسی قوم پر عذاب آتا ہے تو بعض اوقات اُس عذاب کا اثر صرف ظالموں ہی پر نہیں رہتا بلکہ نیک لوگ بھی اُس سے دنیاوی تکلیف میں متاثر ہوتے ہیں گو آخرت میں انکو کوئی عذاب نہ ہو بلکہ اس دنیا کی تکلیف پر جو ان کو پہنچتی ہے اجر بھی ملے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے [تَقْوَاهُمْ لَّا تُضِلُّوْا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً] یعنی ایسے عذاب سے ڈرو جو اگر آگیا تو صرف ظالموں ہی تک نہیں رہے گا دوسرے لوگ بھی اُسکے لپیٹ میں آئیں گے۔

ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دُعا تلقین فرمائی گئی ہے کہ یا اللہ اگر ان لوگوں پر آپ کا عذاب میرے سامنے اور میرے دیکھتے ہوئے ہی آنا ہے تو مجھے ان ظالموں کیساتھ نہ رکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم اور عذاب الہی سے محفوظ ہونا اگرچہ آپ کے لئے یقینی تھا مگر پھر بھی اس دُعا کی تلقین اس لئے فرمائی گئی کہ آپ ہر حال میں اپنے رب کو یاد رکھیں اُس سے فریاد کرتے رہیں تاکہ آپ کا اجر بڑھے (قطبی)

وَاِنَّا عَلٰی اَنْ تَرْسَلَكَ مَا نَعِدُ هُمْ لَقَدْ رُوْنَا ۝ یعنی ہم کو اس پر پوری قدرت ہے کہ ہم آپ کے سامنے ہی آپ کو ان پر عذاب آنا ہوا دکھلا دیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اگرچہ اس اُمرت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے عذاب عام نہ آئیکا وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو چکا ہے دُعا کا اللہ یُبْعِدُ عَنْهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ یعنی ہم ان لوگوں کو اس حالتیں ہلاک کرنوالے نہیں کہ آپ ان کے اندر موجود ہوں لیکن خاص خاص لوگوں پر خاص حالات میں عذاب نیا ہی میں آجانا اسکے منافی نہیں۔ اس آیت میں صیاء کہ فرمایا ہے کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ آپ کو بھی ان کا عذاب دکھلا دیں وہ اہل مکہ پر قحط اور بھوک کا عذاب پھر غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تلوار کا عذاب آپ کے سامنے ہی ان پر پڑ چکا تھا (قطبی)

اِدْفَعْ بِاَلْمِیْ دِهٰی اَحْسَنُ السَّيِّئَةِ ۝ یعنی آپ کو بھلائی کے ذریعہ ظلم کو انصاف کے ذریعہ اور بے رحمی کو رحم کے ذریعہ دفع فرما دیں۔ یہ مکارم اخلاق کی تعلیم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی ہے جو مسلمانوں کے باہم معاملات کے لئے ہمیشہ جاری ہے البتہ



کفار و مشرکین سے اُن کے مظالم کے مقابلے میں عفو و درگزر رہی کرتے رہنا، اُن پر ہاتھ نہ اٹھانا، یہ حکم آیات جہاد سے منسوخ ہو گیا مگر عین حالت جہاد میں بھی اس حُسن خلق کے بہت سے مظاہر باقی رکھے گئے کہ عورت کو قتل نہ کیا جائے، بچے کو قتل نہ کیا جائے جو نہ ہی لوگ مسلمانوں کے مقابلے پر جنگ میں شریک نہیں اُن کو قتل نہ کیا جائے اور جس کو بھی قتل کریں تو اُس کا مُثلہ نہ بنا دیں کہ تاک کان وغیرہ کاٹ لیں، وغیرہ ذلک من احکام مکارم الاخلاق۔ اسی لئے بعد کی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شیطان اور اس کے دس ادس سے پناہ مانگنے کی دُعا تلقین کی گئی کہ عین میدانِ قتال میں بھی آپ کی طرف سے عدل و انصاف اور مکارم اخلاق کے خلاف کوئی چیز شیطان کے غصہ دلانے سے صادر نہ ہونے پائے وہ دُعا یہ ہے:-

وَقُلْ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَٰرَجَاتِ الشَّيْطٰنِ ۝ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ  
لفظ ہرج کے معنی دھکا دینے اور دبانے کے آتے ہیں۔ اور پیچھے کی طرف سے آواز دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ دُعا اپنے مفہوم عام کے اعتبار سے ایک جامع دُعا شیطان کے شر اور مکر سے بچنے کے لئے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس دُعا کی تلقین فرمائی تاکہ ایسے غصہ اور غیظ و غضب کی حالت میں جبکہ انسان کو اپنے نفس پر قابو نہیں رہتا اور اس میں ہرج شیطان کا دخل ہوتا ہے اُس سے محفوظ رہیں۔ اس کے علاوہ شیاطین اور جنات کے دوسرے آثار اور حملوں سے بچنے کے لئے بھی یہ دُعا مجرب ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو شرب میں غینہ نہ آتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو یہ کلمات دُعا تلقین فرمائے کہ یہ پڑھ کر لیٹا کریں۔ اُنھوں نے پڑھا تو یہ شکایت جاتی رہی وہ دُعا یہ ہے اَعُوْذُ بِكَ لِمَا تَنْهٰی اللّٰہُ النَّامِتَ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ وَعِقَابِہٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِہٖ وَمِنْ هَٰرَجَاتِ الشَّيْطٰنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنِ -

اَنْ يَّحْضُرُوْنِ، صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان ہمارے ہر کام میں ہر حال میں ہمارے پاس آتا ہے اور ہر کام میں گناہوں اور غلط کاموں کا دوسو سوہ دل میں ڈالتا رہتا ہے (قرطبی) اسی سے پناہ مانگنے کے لئے یہ دُعا تلقین فرمائی گئی ہے۔

رَبِّ اَرْجِعُوْنِ، یعنی موت کے وقت کافر پر جب آخرت کا عذاب سامنے آنے لگتا ہے تو وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش میں پھر دنیا میں لوٹ جاؤں اور نیک عمل کر کے اس عذاب سے نجات حاصل کر لوں۔ ابن جریر نے بروایت ابن جریر نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت کے وقت مومن جب رحمت کے فہرشتے اور رحمت کے سامان سامنے دیکھنے لگتا ہے تو



فرشتے اُس سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم چاہتے ہو کہ پھر تمہیں دُنیا میں واپس کر دیا جائے تو وہ کہتا ہے کہ میں اُس غموں اور تکلیفوں کے عالم میں جا کر کیا کر ڈنگا مجھے تو اب اللہ کے پاس لیجاؤ اور کافر سے پوچھتے ہیں تو وہ کہتا ہے رَبِّ اجْعَلْنِي مِثْلَ دُنيَايَا لَمْ يَكُنْ لِي فِيهَا شَرٌّ -

كَلَّا لَآ اَنْهَآ كَلِمَةً هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ، بَرْزَخُ كے لفظی معنی حاجز اور فاصل کے ہیں۔ دو حالتوں یا دو چیزوں کے درمیان جو چیز فاصل ہو اسکو بَرْزَخُ کہتے ہیں اسی لئے موت کے بعد قیامت اور حشر تک کے زمانے کو بَرْزَخُ کہا جاتا ہے کہ یہ دُنیاوی حیات اور آخرت کی حیات کے درمیان حد فاصل ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ جب مرنے والا کافر، فرشتوں سے دوبارہ دُنیا میں بھیجنے کو کہتا ہے تو یہ کلمہ تو اُس کو کہنا ہی تھا کیونکہ اب عذاب سامنے آچکا ہے مگر اس کلمہ کا اب کوئی فائدہ اسلئے نہیں کہ وہ اب بَرْزَخُ میں پہنچ چکا، جس کا قانون یہ ہے کہ بَرْزَخُ سے ٹوٹ کر کوئی دُنیا میں نہیں آتا اور قیامت اور بعثت و نشر سے پہلے دوسری زندگی نہیں ملتی۔ واللہ اعلم

فَاِذَا نَفَخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا تَسَاءَلُونَ ۱۰۱

پھر جب پھونک ماراں صور میں تو نہ قرابتیں ہیں ان میں اس دن اور نہ ایک دوسرے کو پوچھتے

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۱۰۲ وَمَنْ خَفَّتْ

سو جس کی بھاری ہوئی تول تو وہی لوگ کام لے نکلے اور جس کی ہلکی ہوئی

مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فِي هَٰذَا أُولَٰئِكَ ۱۰۳

تول تو وہی لوگ جس جو ہار بیٹھے اپنی جان دوزخ ہی میں رہا کریں گے

تَلَفَحَ وَجُوهُهُمْ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ ۱۰۴ أَلَمْ تَكُنْ أَتَىٰ

جھلس دے گی اُن کے منہ کو آگ اور وہ اس میں بد شکل ہو رہے ہونگے کیا تم کو سنائی نہ تھیں ہماری

تِلْكَ عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ مِثْلَهَا تَكُونَ ۱۰۵ قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا

آئیں پھر تم اُن کو جھلائے تھے بولے اے رب زور کیا ہم پر

شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ۱۰۶ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا

ہماری کم بختی نے اور رہے ہم لوگ بھٹکے ہوئے اے ہمارے رب نکال لے ہم کو اس سے اگر ہم پھر کریں

فَلَا تَظْلِمُونَا ۱۰۷ قَالَ اخْسِئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونَا ۱۰۸ إِنَّهُ

تو ہم گنہگار فرمایا ہڑے رہو پھر نکال دے ہوئے اس میں اور مجھ سے نہ بولو ایک

كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا

فرق تھا میرے بندوں میں جو کہتے تھے اے رب ہمارے ہم یقین لائے سو مٹا کر ہم کو اور رحم کر ہم پر



وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّحِيمِينَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذَ نَسُوهُمْ سَخِرَ بِهِنَّ أَنْسُوكُمْ

اور تو سب رحم والوں سے بہتر ہے پھر تم نے ان کو دشمنوں میں پکڑ لیا تاکہ کہ نبول گئے انکے پیچھے

ذِكْرِي وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضَكُّونَ ﴿۱۱۰﴾ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا

میری یاد اور تم اُن سے ہلستے رہے میں نے آج دیا اُن کو بدلہ اُن کے صبر کرنے کا

أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۱۱۱﴾ قُلْ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ

کہ وہی ہی مراد کو پہنچنے والے فرمایا تم ستنی دیر رہے زمین میں برسوں کی

سِنِينَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسَلِّ الْعَادِينَ ﴿۱۱۳﴾

گنتی سے بولے ہم رہے ایک دن یا کچھ دن سے کم تو جو بوجھ لے گنتی والوں سے

قُلْ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۱۴﴾

فرمایا تم اس میں بہت نہیں سمجھتا ہی رہے ہو اگر تم جانتے ہو تھے

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴿۱۱۵﴾

سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو اور تم ہمارے پاس پھر کر نہ آؤ گے

## خلاصہ تفسیر

پھر جب (قیامت کا روز ہوگا اور) صورت بھونکا جا دیگا تو (ایسی ہول و ہیبت میں گرفتار ہو جائیں گے) اُن میں (جو) باہمی رشتے ناتے (تھے) اُس روز (وہ بھی گویا) نہ رہیں گے (یعنی کوئی کسی کی ہمدردی نہ کر سکا جیسے اجنبی اجنبی ہوتے ہیں) اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا (کہ بھائی تم کس حالت میں ہو، غرض نہ رشتہ ناتا کام آدیگا نہ دوستی اور تعارف، پس وہاں کام کی چیز ایک ایمان ہوگا جس کی عام شناخت کے لئے کہ سب پر ظاہر ہو جاوے ایک تراز و کھڑی کی جاوے گی اور اس سے اعمال عقائد کا وزن ہوگا) سو جس شخص کا پلہ (ایمان کا) بھاری ہوگا (یعنی وہ مومن ہوگا) تو ایسے لوگ کامیاب (یعنی نجات پائیں گے) ہوں گے (اور مذکور ہول و ہیبت کے حالات کہ نہ کسی کا رشتہ کام آوے نہ دوستی اور نہ کوئی کسی کو پوچھے کہ کس حال میں ہو یہ ان مومنین کو پیش نہ آئیں گے لقولہ تعالیٰ لَا يَخْزِيهِمُ الْفَنَاءُ الْكُبْرُ - الآية) اور جس شخص کا پلہ (ایمان کا) ہلکا ہوگا (یعنی وہ کافر ہوگا) سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا اور جہنم میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے ان کے چہروں کو (اس جہنم کی) آگ بجھاتی ہوگی اور اُس (جہنم) میں اُن کے منہ بگڑے ہوں گے (اور ان سے حق تعالیٰ بواسطہ یا بلا واسطہ ارشاد فرمادیں گے کہ) کیوں کیا میری آیتیں (دُنیا میں) تم کو پڑھ کر سنائی نہیں جایا کرتی تھیں، اور تم اُن کو جھٹلایا کرتے تھے (یہ اسکی سزا مل رہی ہے) وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب (واقعی)



ہماری بدبختی نے ہم کو (ہمارے ہاتھوں) گھیر لیا تھا اور (بیشک) ہم گمراہ لوگ تھے (یعنی ہم جرم کا اقرار اور اس پر ندامت و معذرت کا اظہار کر کے درخواست کرتے ہیں کہ) اے ہمارے رب ہم کو اس (جہنم) سے (اب) نکال دیجئے (اور دوبارہ دنیا میں بھیج دیجئے لقولہ تعالیٰ فی الہدایۃ فارجعلنا نعمل صالحاں) پھر اگر ہم دوبارہ (ایسا) کریں تو ہم بیشک پورے قصور دار ہیں (اُسوقت ہم کو خوب سزا دیجئے اور اب چھوڑ دیجئے) ارشاد ہوگا کہ اسی (جہنم) میں راندے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات مت کرو (یعنی ہم نہیں منظور کرتے، کیا تم کو یاد نہیں رہا کہ) میرے بندوں میں ایک گروہ (ایمانداروں کا) تھا جو (بیچارے ہم سے) عرض کیا کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو ہم کو بخش دیجئے اور ہم پر رحمت فرمائیے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں سو تم نے (محض اس بات پر جو ہر طرح قابلِ قدر تھی) ان کا مذاق مقرر کیا تھا (اور) یہاں تک (اسکا مشغلہ کیا) کہ ان کے مشغلہ نے تم کو ہماری یاد بھی بھلا دی اور تم ان سے ہنسی کیا کرتے تھے (سو) ان کا تو کچھ نہ بگڑا چند روز کی کلفت تھی کہ صبر کرنا پڑا جس کا یہ نتیجہ ملا کہ) میں نے اُن کو آج اُن کے صبر کا یہ بدلہ دیا، کہ وہی کامیاب ہوئے (اور تم اس ناکامی میں گرفتار ہوئے مطلب جواب کا یہ ہوا کہ تمہارا قصور اس قابل نہیں کہ سزا کے وقت اقرار کرنے سے معاف کر دیا جاوے کیونکہ تم نے ایسا معاملہ کیا جس سے ہمارے حقوق کا بھی اتلاف ہوا اور حقوق العباد کا بھی۔ اور عباد کہیں کیسے ہمارے مقبول درجہ جو ہم سے خصوصیتِ خاصہ رکھتے تھے کیونکہ ان کو سخریہ بنانے میں اُن کی ایذا کہ اضاعتہ حق العبد ہے اور تکذیبِ حق جو منشا سخریہ کا ہے کہ اضاعتہ حق اللہ ہے دونوں لازم آئے پس اس کی سزا کے لئے دوام اور تمام ہی مناسب ہے اور مؤمنین کو اُن کے سامنے جنت کی نعمتوں سے کامیاب کرنا یہ بھی ایک سزا ہے کفار کیلئے کیونکہ اعداء کی کامیابی سے روحانی ایذا ہوتی ہے یہ تو جواب ہو گیا اُن کی درخواستوں کا آگے تنبیہ ہے اُن کے بطلانِ اعتقاد و شرب پر تاکہ ذلت پر ذلت و حسرت پر حسرت ہونے سے عقوبت میں شدت ہو، اسلئے) ارشاد ہوگا کہ (اچھا یہ بتلاؤ) تم برسوں کے شمار سے کس قدر مدت زمین میں رہے ہو گے (چونکہ وہاں کے ہول و ہیبت سے اُن کے ہوش و حواس گم ہو چکے ہونگے اور اُس دن کا طول بھی پیش نظر ہوگا) وہ جواب دیں گے کہ (برس کیسے، بہت رہے ہونگے تو) ایک دن یا ایک دن سے بھی کم ہم رہے ہونگے (اور سچ یہ ہے کہ ہم کو یاد نہیں) سو گننے والوں سے (یعنی فرشتوں سے کہ اعمال و اعمار سب کا حساب کرتے تھے) پوچھ لیجئے، ارشاد ہوگا کہ (یوم اور بعض یوم تو غلط ہے مگر اتنا تو تمہارے اقرار سے جو کہ صحیح بھی ہے ثابت ہو گیا کہ) تم (دنیا میں) تنہا ہی کیا مدت رہے (لیکن) کیا خوب ہوتا کہ تم (یہ بات اُسوقت) سمجھتے ہوئے (کہ دنیا کی بقا ناقابلِ اعتبار ہے اور اسکے سوا اور کوئی دارالقرار ہے مگر وہاں تو بقا کو دنیا ہی میں منحصر سمجھا اور



اس عالم کا انکار کرتے ہے وَقَالُوا لَآ اَنْزِلَ الْاَحْيَاءُ تَنْزِيلًا دُنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِيْنَ اور اب جو غلطی ظاہر ہوئی اور صحیح سمجھے تو بیکار، اور غلطی اعتقاد پر تنبیہ کے بعد آگے پھر اس اعتقاد پر زجر ہے، جو بطور خلاصہ مضمون فرد قرار داد جرم کے ہے کہ ہاں تو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو یوں ہی مہمل (خالی از حکمت) پیدا کر دیا ہے اور یہ (خیال کیا تھا کہ تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے) مطلب یہ کہ جب ہم نے آیات میں جن کا صدق دلائل صحیحہ سے ثابت ہے قیامت اور اس میں اعمال کے بدلے کی خبر دی تھی تو معلوم ہو گیا تھا کہ مکلفین کی تخلیق کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اسکا مُسْكِرٌ ہونا کہتنا بڑا امر مُسْكِرٌ تھا۔

## معارف و مسائل

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ، قیامت کے روز صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا نفخہ اولیٰ یعنی پہلے صور کا یہ اثر ہوگا کہ سارا عالم زمین و آسمان اور جو اس کے درمیان ہے فنا ہو جائیگا اور نفخہ ثانیہ سے پھر سارے مردے زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے قرآن کریم کی آیت ثُمَّ نُفِخُ فِيهِ أُخْرٰی فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اس آیت میں صور کا نفخہ اولیٰ مراد ہے یا نفخہ ثانیہ، اس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ابن جریر منقول ہے کہ اس آیت میں مراد نفخہ اولیٰ ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا اور بروایت عطاء بن ابی رباح حضرت ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے کہ مراد اس جگہ نفخہ ثانیہ ہے۔ تفسیر مظہری میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول یہ ہے کہ قیامت کے روز ایک ایک بندے مرد و عورت کو محشر کے میدان میں لایا جائے گا اور تمام اولین و آخرین کے اس بھرے مجمع کے سامنے کھڑا کیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ کا ایک مُنادی یہ ندا کرے گا کہ یہ شخص فلاں بن فلاں ہے اگر کسی کا کوئی حق اسکے ذمہ ہے تو سامنے آجائے اس سے اپنا حق وصول کر لے۔ یہ وہ وقت ہوگا کہ بیٹا اپر خوش ہوگا کہ میرا حق باپ کے ذمہ نکل آیا، اور باپ کا کوئی حق بیٹے پر ہوا تو باپ خوش ہوگا کہ اس سے وصول کر ڈھکا اسی طرح میاں بیوی اور بھائی بہن جس کا جیسے کوئی حق ہوگا یہ مُنادی مُشکر اُس سے وصول کرنے پر آمادہ اور خوش ہوگا، یہی وہ وقت ہے جس کے متعلق اس آیت مذکورہ میں آیا ہے فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ، یعنی اُس وقت باہمی نسی رشتے اور قرابتیں کام نہ آئیں گی کوئی کسی پر رحم نہ کرے گا، ہر شخص کو اپنی اپنی فکر لگی ہوگی یہی مضمون اس آیت کا ہے يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَدَاقَتِهِ وَبَيْنِيهِ، یعنی وہ دن جس میں ہر انسان اپنے بھائی سے، ماں اور باپ سے، بیوی اور اولاد سے دُور بھاگے گا۔



محشر میں مومنین اور کفار کے حالات میں فرق یہ حال نہیں ہوگا کیونکہ مومنین کا حال خود قرآن نے یہ ذکر کیا ہے الْحَقُّنَاہُمْ ذَرِّیَّتَهُمْ، یعنی مومنین صالحین کی اولاد کو بھی اللہ تعالیٰ (بشرط ایمان) اپنے آپا صالحین کیساتھ لگا دیں گے اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز جس وقت محشر میں سب پیاسے ہونگے تو مسلمان بچے جو نابالغی کی حالت میں مر گئے تھے وہ جنت کا پانی لئے ہوئے نکلیں گے لوگ اُن سے پانی مانگیں گے تو وہ کہیں گے کہ ہم تو اپنے ماں باپ کو تلاش کر رہے ہیں یہ پانی اُن کے لئے ہے۔ (رواہ ابن ابی الدنیاء عن عبد اللہ بن عمر بن عمر بن ابی ذر عن ابی ذر عن منظری)

اسی طرح ایک صحیح حدیث میں جس کو ابن عساکر نے بسند صحیح حضرت ابن عمر بن عمر سے نقل کیا ہے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز ہر نسبی تعلق یا زوجیت کے تعلق سے جو رشتے پیدا ہونگے وہ سب منقطع ہو جائیں گے (کوئی کسی کے کام نہ آویگا) بجز میرے نسب اور میری زوجیت کے رشتہ کے علماء نے فرمایا کہ اس نسب نبوی میں ساری اُمت کے مسلمان بھی داخل ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کے باپ اور آپ کی ازواج مطہرات اُمت کی مائیں ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ رشتہ اور دوستی کا کوئی تعلق کسی کے کام نہ آنا یہ حال محشر میں کافروں کا ہوگا مومنین ایک دوسرے کی شفاعت اور مدد کریں گے اور اُن کے تعلقات ایک دوسرے کے کام آئیں گے۔

وَلَا يَتَسَاءَلُونَ، یعنی آپس میں کوئی کسی کی بات نہ پوچھے گا اور دوسری ایک آیت میں جو یہ مذکور ہے وَقَبَلُ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ، یعنی محشر میں لوگ باہم ایک دوسرے سے سوالات کریں گے اور حالات پوچھیں گے۔ اس کے بارہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ محشر میں مختلف موقف ہوں گے ہر موقف کا حال مختلف ہوگا۔ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ کوئی کسی کو نہ پوچھیگا پھر کسی موقف میں جب وہ ہیبت اور ہول کا غلبہ کم ہو جائیگا تو باہم ایک دوسرے کا حال بھی دریافت کریں گے۔ (منظری) فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ یعنی میزانِ عمل میں جس شخص کا نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا وہ ہی فلاح پانے والے ہیں اور جس کا پلہ نیکیوں کا ہلکا رہے گا تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں خود اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا اور اب وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنے والے ہیں۔ اس آیت میں مقابلہ صرف مومنین کا ملین اور کفار کا ہے اور انہیں کے وزن اعمال کا اور اُن میں سے ہر ایک کے انجام کا ذکر کیا گیا کہ مومنین کا ملین کا پلہ بھاری ہوگا انکو فلاح حاصل ہوگی، کفار کا پلہ ہلکا رہے گا اُن کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنا پڑے گا۔

اور قرآن کریم کی دوسری تصریحات سے ثابت ہے کہ اس جگہ مومنین کا ملین کا پلہ بھاری ہوگا



مطلب یہ ہے کہ دوسرے پتے یعنی سیئات و معاصی کے پتے میں کوئی وزن ہی نہ ہوگا وہ خالی نظر آئے گا۔ اور کفار کا پتلہ ہلکا ہونیکا مطلب یہ ہے کہ نیکیوں کے پتلے میں کوئی وزن ہی نہ ہوگا بالکل خالی جیسا ہلکا رہے گا جیسے کہ قرآن میں ارشاد ہے **فَلَا تَقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَزْنًا**، یعنی ہم کفار اور انکے اعمال کا قیامت کے دن کوئی وزن ہی قائم نہ کریں گے۔ یہ حال تو مؤمنین کا ملین کا ہوا اور جن سے گناہ سرزد ہی نہیں ہوئے یا توبہ وغیرہ سے معاف کر دیئے گئے وزن اعمال کے وقت سیئات کے پتلے میں ان کے نام پر کچھ نہ ہوگا۔ دوسری طرف کفار ہیں جن کے نیک اعمال بھی شرط ایمان موجود نہ ہونے کے سبب میزانِ عدل میں بے وزن ہوں گے۔ باقی رہا معاملہ گنہگار مسلمانوں کا جن کے نیکیوں کے پتلے میں بھی اعمال ہونگے اور سیئات کے پتلے میں بھی اعمال ہونگے ان کا ذکر اس آیت میں صراحتہ نہیں کیا گیا بلکہ عموماً قرآن کریم میں گنہگار مسلمانوں کی سزا و جزا سے سکوت ہی اختیار کیا گیا ہے اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ نزولِ قرآن کے زمانے میں جتنے مؤمنین صحابہ کرام تھے وہ سب کے سب عدول تھے یعنی عموماً تو وہ کبیرہ گناہوں سے پاک ہی رہے اور اگر کسی سے کوئی گناہ ہو بھی گیا تو اُس نے توبہ کر لی توبہ سے معاف ہو گیا۔ (مظہری)

قرآن مجید کی ایک آیت **خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرًا سَيِّئًا** میں ایسے لوگوں کا ذکر ہے جنکے نیک و بد اعمال ملے جملے ہیں۔ ان کے متعلق حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قیامت کے روز ان لوگوں کے اعمال کا حساب اس طرح ہوگا کہ جس شخص کی نیکیاں اُسکے گناہوں سے بڑھ جائیں خواہ ایک ہی نیکی کی مقدار سے بڑھے وہ جنت میں جائیگا اور جس شخص کے سیئات اور گناہ نیکیوں سے بڑھ جائیں خواہ ایک ہی گناہ کی مقدار سے بڑھے وہ دوزخ میں جائیگا مگر اس مومن گنہگار کا دوزخ میں داخلہ تطہیر اور پاک کرنے کے لئے ہوگا جیسے لوہے، سونے وغیرہ کو آگ میں ڈال کر میل اور رنگ سے صاف کیا جاتا ہے اس کا جہنم میں جانا بھی ایسا ہی ہوگا۔ جسوقت جہنم کی آگ سے اسکے گناہوں کا رنگ دُور ہو جا دیگا تو جنت میں داخل ہونے کے قابل ہو جا دیگا، جنت میں بھیج دیا جائے گا اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قیامت کی میزانِ عمل ایسا صحیح وزن کرنے والی ہوگی کہ ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی کمی بیشی ہوگی تو پتلہ جھک جائیگا یا اٹھ جائیگا۔ اور جس شخص کی حسنات اور سیئات میزانِ عمل میں بالکل برابر برابر ہیں گے تو وہ اصحابِ اُغراف میں داخل ہوں گے اور ایک زمانہ تک دوزخ اور جنت کے درمیان حکم ثانی کا منتظر رہے گا اور بالآخر اسکو بھی جنت میں داخلہ مل جائے گا (رفاعہ ابن ابی حاتم۔ منطہری)

ابن عباسؓ کے اس قول میں کفار کا ذکر نہیں صرف مؤمنین گنہگاروں کا ذکر ہے۔  
وزن اعمال کی کیفیت | بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خود انسان مومن و کافر کو



میزانِ عدل میں رکھ کر تولاجائے گا۔ کافر کا کوئی وزن نہ ہوگا خواہ وہ کتنا ہی فریہ اور موٹا ہو۔ (بخاری و مسلم من حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ) اور بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے نامہ اعمال تو لے جائیں گے۔ ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے یہ مضمون حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کے اعمال جو دنیا میں بے وزن بے جہم اعتراض ہوتے ہیں محشر میں ان کو مجتم کر کے میزانِ عمل میں رکھا جائیگا وہ تو لے جائیں گے۔ طبرانی وغیرہ نے یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ ان ربی روایات حدیث کے الفاظ اور متن تفسیر مظہری میں مکمل موجود ہیں وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اسی آخری قول کی تائید میں ایک حدیث عبدالرزاق نے فضلِ علم میں ابراہیم بنی رحمہ اللہ سے نقل کی ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص کے اعمال وزن کے لئے لائے جائیں گے اور ترازو کے پلہ میں رکھے جائیں گے تو یہ پلہ ہلکا رہیگا۔ پھر ایک چیز ایسی لائی جائے گی جو بادل کی طرح ہوگی اس کو بھی اسکے حسنات کے پلہ میں رکھ دیا جائے گا تو یہ پلہ بھاری ہو جائیگا اس وقت اس شخص سے کہا جائیگا کہ تم جانتے ہو یہ کیا چیز ہے (جسے تمھاری نیکیوں کا پلہ بھاری کر دیا) وہ کہے گا مجھے کچھ معلوم نہیں۔ تو بتلایا جائے گا کہ یہ تیرا علم ہے جو تو لوگوں کو سکھایا کرتا تھا۔ اور ذہبی نے فضلِ علم میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز شہیدوں کا خون اور علماء کی روشنائی (جس سے انھوں نے علمِ دین کی کتابیں لکھی تھیں) باہم تولے جائیں گے تو علماء کی روشنائی کا وزن شہیدوں کے خون سے زیادہ نکلے گا۔ (مظہری)

وزنِ اعمال کی کیفیت کے متعلق تینوں قسم کی روایات نقل کرنے کے بعد تفسیر مظہری میں فرمایا کہ اس میں کوئی بعد نہیں کہ خود انسان اور اسکے اعمال کو جسمانی شکل میں تولاجائے یا اسکے نامہ اعمال کو اسکے ساتھ رکھ کر تولاجائے اس لئے ان تینوں روایتوں میں کوئی تعارض اور اختلاف نہیں۔

وَهُمْ فِيهَا كَالْحُوتِ، کَالْحُوتِ لغت میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے دونوں ہونٹ اسکے دانتوں کو نہ چھپائیں ایک اوپر رہے دوسرا نیچے دانت نکلے ہوئے نظر آئیں جو نہایت بد صورت ہے جہنم میں جہنمی کا اوپر کا ہونٹ اوپر چڑھ جائیگا اور نیچے کا ہونٹ نیچے لٹک جائیگا دانت کھلے نکلے نظر آویں گے وَكَانَ كَالْمُؤْنِ، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اہل جہنم کا یہ آخری کلام ہوگا جس کے جواب میں حکم ہو جائیگا کہ ہم سے کلام نہ کرو پھر وہ کسی سے کچھ کلام نہ کر سکیں گے جانوروں کی طرح ایک دوسرے کی طرف بھونکیں گے۔ اور بیٹی وغیرہ نے محمد بن کعب سے نقل کیا ہے کہ قرآن میں اہل جہنم کی پانچ درخواستیں نقل کی گئی ہیں ان میں سے چار کا جواب دیا گیا اور پانچویں کے جواب میں حکم ہو گیا لَا تَكَلُمُوْنَ فَبِئْسَ الْاَمَّا

آخری کلام ہوگا اس کے بعد کچھ نہ بول سکیں گے۔ (مظہری)



فَعَلَى اللَّهِ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ﴿١١٦﴾

سو بہت اویس ہے اللہ وہ بادشاہ پتلا کوئی حاکم نہیں اسکے سوائے مالک اس عزت کے تحت کا

وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ

اور جو کوئی پکارے اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم جس کی سند نہیں اسکے پاس سو اس کا حساب ہے

عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿١١٧﴾ وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ

اسکے رب کے نزدیک، بیشک بھلا نہ ہوگا منکروں کا اور تو کہہ اے رب معاف کر اور رحم کر

وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّحِيمِينَ ﴿١١٨﴾

اور تو ہے بہتر سب رحم والوں سے

## خلاصہ تفسیر

(اور یہ سب مضامین جب معلوم ہو چکے) سو (اس سے یہ کامل طور پر ثابت ہو گیا کہ) اللہ تعالیٰ بہت ہی عالیشان ہے جو کہ بادشاہ (ہے اور بادشاہ بھی) حقیقی ہے اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں (اور وہ) عرش عظیم کا مالک ہے اور جو شخص (اس امر پر دلائل قائم ہونے کے بعد) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی بھی عبادت کرے کہ جس (کے معبود ہونے) پر اسکے پاس کوئی بھی دلیل نہیں سو اس کا حساب اس کے رب کے یہاں ہوگا (جس کا نتیجہ لازمی یہ ہے کہ) یقیناً کافروں کو فلاح نہ ہوگی (بلکہ ابد الابد معذب رہیں گے) اور (جب حق تعالیٰ کی یہ شان ہے تو) آپ (اور دوسرے لوگ بدرجہ ادلی) یوں کہا کریں کہ اے میرے رب (میری خطائیں) معاف کر اور (ہر حالت میں مجھ پر) رحم کر (معاش میں بھی، توفیق طاعات میں بھی، نجات آخرت میں بھی، عطائے جنت میں بھی) اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

## معارف و مسائل

یہ سورہ مؤمنون کی آخری آیتیں آنحضرتؐ انما خلقکم عبداً و انکم الینا لا ترجعون سے آخر سورت تک خاص فضیلت رکھتی ہیں۔ بغوی اور ثعلبی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ اُن کا گزر ایک ایسے بیمار پر ہوا جو سخت امراض میں مبتلا تھا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کے کان میں سورہ مؤمنون کی یہ آیتیں آنحضرتؐ سے آخر تک پڑھ دی وہ اُسی وقت اچھا ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ نے اس کے کان میں کیا پڑھا؟ عبداللہ بن مسعودؓ نے عرض کیا کہ یہ آیتیں پڑھی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے



قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی آدمی جو یقین رکھنے والا ہو یہ آیتیں پہاڑ پر پڑھ دے تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے۔ (قطبی و مظہری)

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ ہاں اغفر اور ارحم دونوں کا مفعول ذکر نہیں کیا گیا کہ کیا معاف کریں اور کس چیز پر رحم کریں اس سے اشارہ عموم کی طرف ہے کہ دُعا مغفرت شامل ہے ہر مضراد تکلیف دہ چیز کے ازالہ کو اور دُعا رحمت شامل ہے ہر مُراد اور محبوب چیز کے حاصل ہونے کو۔ کیونکہ دفع مضرت اور جلب منفعت جو انسانی زندگی اور اُس کے مقاصد کا خلاصہ ہیں دونوں اس میں شامل ہو گئے (مظہری) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دُعا مغفرت و رحمت کی تلقین باوجودیکہ آپ معصوم اور مرحوم ہی ہیں دراصل اُمت کو سکھانے کیلئے ہو کہ تمہیں اس دُعا کا کتنا اہتمام کرنا چاہیے (قطبی) اِنَّ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ، سورہ مؤمنون کی ابتدا اِنَّ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ سے ہوئی تھی اِنَّ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ پر کی گئی، جس سے معلوم ہوا کہ فلاح یعنی مکمل کامیابی مومنین ہی کا حصہ ہے کفار اس سے محروم ہیں۔

تَمَّتْ سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ فِي ثَمَانِيَةِ اَيَّامٍ مِنْ اَوَّلِ مُحَرَّمٍ سَلَسَلَةً وَذَلِكَ فِي يَوْمٍ عَاشُورَاءِ يَوْمِ الْاَشْيَيْنِ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَوَّلُهَا وَآخِرُهَا اَيَّاهُ اسْتَأْذَنَ التَّوْفِيقَ لِاتِّمَامِ الْبَاقِي كَمَا يُحِبُّ وَيَرْضَاهُ وَاِنْ يَتَقَبَّلَ مِنِّي وَجَعَلَهُ ذُخْرًا لِآخِرَتِي وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ





# سُورَةُ النُّورِ

سُورَةُ النُّورِ نِسْبَةً إِلَى كِتَابِهَا وَتِسْعُونَ آيَةً وَتَسْعُ رُكُوعًا  
سُورَةُ نَزَّلَتْ فِيهِ فِي مَدِينَةِ مَكَّةَ نَزَلَ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ وَتِسْعُ رُكُوعًا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

سُورَةُ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَأَنْزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لَّعَلَّكُمْ

یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اتاری اور فرض کیا اور اتاری اس میں باتیں صاف تاکہ تم

تَذَكَّرُونَ ۱) الْزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً

یاد رکھو بدکاری کرنے والی عورت اور مرد سوار د ہر ایک کو دونوں میں سے سو تلو

جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْ بَعِثَتُمَا رَأْفَةً فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ

دڑے اور نہ آدے تم کو ان پر ترس اللہ کے حکم چلانے میں اگر تم یقین رکھتے ہو

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابُهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۲)

اللہ پر اور پچھلے دن پر اور دیکھیں ان کا مارنا کچھ لوگ مسلمان

سُورَةُ نُورِ کی بعض خصوصیات | اس سورت میں زیادہ تر احکام عفت کی حفاظت اور ستر و حجاب کے متعلق ہیں

اور اسی کی تکمیل کے لئے حد زنا کا بیان آیا۔ پچھلی سورت یعنی مؤمنون میں مسلمانوں کی فلاح دنیا و

آخرت کو جن اوصاف پر موقوف رکھا گیا ہے ان میں ایک اہم وصف شرمگاہوں کی حفاظت تھی

جو خلاصہ ہے ابواب عفت کا۔ اس سورت میں عفت کے اہتمام کے لئے متعلقہ احکام ذکر کئے گئے

ہیں، اسی لئے عورتوں کو اس سورت کی تعلیم کی خصوصی ہدایات آئی ہیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کے نام اپنے ایک فرمان میں تحریر فرمایا علموا نساءکم

سُورَةُ النُّورِ، یعنی اپنی عورتوں کو سورہ نور کی تعلیم دو۔



خود اس سورت کی تمہید جن الفاظ سے کی گئی ہے کہ سُوْرَةُ اَنْزَلْنٰهَا وَاَوْقَرْنَا مِنْهَا، یہ بھی اس سورت کے خاص اہتمام کی طرف اشارہ ہے۔

## خلاصہ تفسیر

یہ ایک سورت ہے جس (کے الفاظ) کو (بھی) ہم (ہی) نے نازل کیا ہے اور اس (کے معانی یعنی احکام) کو (بھی) ہم (ہی) نے مقرر کیا ہے (خواہ وہ فرض و واجب ہوں یا مندوب مستحب) اور ہم نے (ان احکام پر دلالت کرنے کے لئے) اس (سورت) میں صاف صاف آیتیں نازل کی ہیں تاکہ تم سمجھو (اور عمل کرو) زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد (دونوں کا حکم یہ ہے کہ) ان میں سے ہر ایک کے سزاؤں اور عذابوں کو ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنا چاہیے (کہ رحم کھا کر چھوڑ دیا سزا میں کمی کر دو) اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیے (تاکہ ان کی رسوائی ہو اور دیکھنے سننے والوں کو عبرت ہو)۔

## معارف و مسائل

اس سورت کی پہلی آیت تو بطور تمہید کے ہے جس سے اسکے احکام کا خاص اہتمام بیان کرنا مقصود ہے اور احکام میں سب سے پہلے زنا کی سزا کا ذکر جو مقصود سورت، عفت اور اُس کے لئے نگاہوں تک کی حفاظت، بغیر اجازت کسی کے گھر میں جانے اور نظر کرنے کی ممانعت کے احکام آگے آئے ہیں زنا کا ارتکاب ان تمام احتیاطوں کو توڑ کر عفت کے خلاف انتہائی حد پر پہنچنا اور احکام الہیہ کی کھلی بغاوت ہے۔ اسی لئے اسلام میں انسانی جرائم پر جو سزائیں (حدود) قرآن میں متعین کر دی گئی ہیں زنا کی سزا بھی ان تمام جرائم کی سزا سے اشد اور زیادہ ہے زنا خود ایک بہت بڑا جرم ہونے کے علاوہ اپنے ساتھ سیکڑوں جرائم لیکر آتا ہے اور اُس کے نتائج پوری انسانیت کی تباہی ہے۔ دنیا میں جتنے قتل و غارتگری کے واقعات پیش آتے ہیں تحقیق کی جائے تو ان میں بیشتر کا سبب کوئی عورت اور اُس سے حرام تعلق ہوتا ہے اس لئے شروع سورت میں اس انتہائی جرم و بے حیائی کا قلع قمع کرنے کے لئے اس کی حد شرعی بتلائی گئی ہے۔

زنا ایک جرم عظیم اور بہت سے جرائم قرآن کریم اور احادیث متواترہ نے چار جرائم کی سزا اور اُس کا طریقہ کا مجملہ ہے اسلئے اسلام میں اُس کی خود متعین کر دیا ہے کسی قاضی یا امیر کی رائے پر نہیں چھوڑا نہیں سزا بھی سب سے بڑی رکھی گئی ہے متعینہ سزائوں کو اصطلاح شرع میں حدود کہا جاتا ہے اُن کے علاوہ باقی جرائم کی سزا کو اس طرح متعین نہیں کیا گیا بلکہ امیر یا قاضی مجرم کی حالت اور جرم کی حیثیت اور



ماحول وغیرہ کے مجموعہ پر نظر کر کے جب قدر سزا دینے کو انسداد جرم کے لئے کافی سمجھے وہ سزا دے سکتا ہے ایسی سزائوں کو شرعیّت کی اصطلاح میں تعزیرات کہا جاتا ہے۔ حدود شرعیہ پانچ ہیں۔ چوری۔ ڈاکہ۔ کسی پاکدامن عورت پر تہمت رکھنا۔ شراب پینا اور زنا کرنا۔ انہیں سے ہر جرم اپنی جگہ بڑا سخت اور دنیا کے امن و امان کو برباد کرنے والا اور بہت سی خرابیوں کا مجموعہ ہے لیکن ان سب میں بھی زنا کے عواقب اور نتائج بد جیسے دنیا کے نظام انسانیت کو تباہ و برباد کرنے والے ہیں وہ شاید کسی دوسرے جرم میں نہیں۔ (۱) کسی شخص کی بیٹی، بہن، بیوی پر ہاتھ ڈالنا اُس کی ہلاکت کا مُراد ہے۔ شریف انسان کو سارا مال و جائیداد اور اپنا سب کچھ قربان کر دینا اتنا مشکل نہیں جتنا اپنے حرم کی عفت پر ہاتھ ڈالنا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں روزمرہ یہ واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ جن لوگوں کے حرم پر ہاتھ ڈال گیا ہے وہ اپنی جان کی پروا کئے بغیر زانی کے قتل و قنا کے درپے ہوتے ہیں اور یہ جوش انتقام فساد میں چلتا ہے اور خاندانوں کو تباہ کر دیتا ہے۔

(۲) جس قوم میں زنا عام ہو جائے وہاں کسی کا نسب محفوظ نہیں رہتا۔ ماں بہن بیٹی وغیرہ جن سے نکاح حرام ہے جب یہ رشتے بھی غائب ہو گئے تو اپنی بیٹی اور بہن بھی نکاح میں آ سکتی ہے جو زنا سے بھی زیادہ اشد جرم ہے۔

(۳) غور کیا جائے تو دنیا میں جہاں کہیں بد امنی اور فتنہ و فساد ہوتا ہے اسکا بیشتر سبب عورت اور اُس سے کم مال ہوتا ہے۔ جو قانون عورت اور دولت کی حفاظت صحیح انداز میں کر کے ان کو اُنکے مقررہ حدود سے باہر نہ نکلنے دے وہ ہی قانون امن عالم کا ضامن ہو سکتا ہے۔ یہ جگہ زنا کے تمام مفسدات اور خرابیاں جمع کرنے اور تفصیل سے بیان کرنے کی نہیں۔ انسانی معاشرہ کے لئے اُسکی تباہ کاری کے معلوم ہونے کے لئے اتنا بھی کافی ہے اسی لئے اسلام نے زنا کی سزا کو دوسرے سارے جرائم کی سزائوں سے اشد قرار دیا ہے وہ سزا آیت مذکورہ میں اس طرح بیان کی گئی ہے **الذانیۃ والزانی فاجلدوا کلّ واحدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةٍ**۔ اس میں عورت زانیہ کا ذکر پہلے اور مرد زانی کا بعد میں لایا گیا ہے سزا دونوں کی ایک ہی ہے عام قیاس بیان احکام کا یہ ہے کہ اکثر تو صرف مردوں کو مخاطب کر کے حکم دیا جاتا ہے عورتیں بھی اس میں ضمناً شامل ہوتی ہیں اُن کا علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی۔ سارے قرآن میں **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** کے صیغہ مذکر سے جو احکام بیان کئے گئے ہیں عورتیں بھی اُس میں بغیر ذکر شامل قرار دی گئی ہیں۔ شاید حکمت اس کی یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو مستور رہنے کا حکم دیا ہے اُن کے ذکر کو بھی ذکر رجال کے ضمن میں مستور کر کے بیان کیا گیا ہے اور چونکہ اس طرز سے یہ احتمال تھا کہ کسی کو یہ شبہ ہو جائے کہ یہ سب احکام مردوں ہی کے لئے ہیں عورتیں ان سے سبکدوش ہیں! اسلئے خاص خاص آیات میں مستقلاً عورتوں کا ذکر بھی کر دیا جاتا ہے **أَيُّهَا**



الصَّلَاةَ وَالْزَّكَاةَ اور جہاں مرد و عورت دونوں ہی کا ذکر کرنا ہوتا ہے تو ترتیب طبعی ہوتی ہے کہ مرد کا ذکر مقدم عورت کا بعد میں ہوتا ہے۔ چوری کی سزائیں اسی ضابطہ عرفیہ کے مطابق السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا فرمایا ہے جس میں مرد چور کو مقدم اور عورت کو مؤخر ذکر کیا ہے مگر سزائے زنائیں اقل تو عورت کے ذکر کے ضمنی آجانے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ صراحتاً ذکر مناسب سمجھا گیا دوسرے عورت کا ذکر مرد پر مقدم کر کے بیان کیا گیا۔ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں اول تو عورت ضعیف الخلقہ اور طبعی طور پر قابلِ رحم سمجھی جاتی ہے اگر اس کا صراحتاً ذکر نہ ہوتا تو کسی کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید عورت اس سزا سے مستثنیٰ ہے۔ اور عورت کا ذکر مقدم اس لئے کیا گیا کہ فعل زنا ایک ایسی بے حیائی ہے جس کا صدور عورت کی طرف سے ہونا انتہائی بیباکی اور بے پروائی سے ہو سکتا ہے کیونکہ قدرت نے اس کے مزاج میں فطری طور پر ایک حیا اور اپنی عفت کی حفاظت کا جذبہ قویہ ودیعت فرمایا ہے اور اس کی حفاظت کے لئے بڑے سامان جمع فرمائے ہیں اس کی طرف سے اس فعل کا صدور بہ نسبت مرد کے زیادہ اشد ہے بخلاف چور کے کہ مرد کو اللہ تعالیٰ نے کسب اور کمائی کی قوت دی ہے۔ اپنی ضروریات اپنے عمل سے حاصل کرنے کے مواقع اس کے لئے فراہم کئے ہیں یہ کہ اُن کو چھوڑ کر چوری کرنے پر اُتر آئے یہ مرد کے لئے بڑا عار اور عیب ہے۔ عورت کے چونکہ یہ حالات نہیں ہیں اگر اُس سے چوری کا صدور ہو جائے تو مرد کی نسبت سے اہون اور کم درجہ ہے۔

فَاجْلِدُوا الْقَوَّاسَ جَلْدُ كَوْرًا مارنے کے معنی میں آتا ہے وہ جلد سے مشتق ہے کیونکہ کوڑا عموماً چمڑے سے بنایا جاتا ہے۔ بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ لفظ جَلْد سے تعبیر کیے ہیں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ کوڑوں یا دڑوں کی ضرب اس حد تک رہنی چاہیے کہ اس کا اثر انسان کی کھال تک رہے گوشت تک نہ پہنچے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑے لگانے کی سزائیں اسی توسط و اعتدال کی تلقین عملاً فرمائی ہے کہ کوڑا نہ بہت سخت ہو جس سے گوشت تک اُدھڑ جائے اور نہ بہت نرم ہو کہ اُس سے کوئی خاص تکلیف ہی نہ پہنچے اس جگہ اکثر حضرات مفسرین نے یہ روایات حدیث سند اور الفاظ کی تفسیر کی ہیں۔ سو کوڑوں کی مذکورہ سزا صرف غیر شادی شدہ مرد و عورت کیلئے مخصوص ہے یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ زنا کی سزا کے احکام بتدریج آئے ہیں اور حققت سے شدت کی طرف بڑھتے گئے ہیں جیسے شراب کی حرمت میں بھی اسی طرح کی تدریج خود قرآن میں مذکور ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے لہذا سب سے پہلا حکم تو وہ تھا جو سورۃ نسا کی آیات نمبر ۱۵، ۱۶ میں مذکور ہے وہ یہ ہے:

وَالَّذِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاُسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَ اَرْبَعَةً مِنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوا فَاَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّيَنَّ الْمَوْتَ

اور جو کوئی بدکاری کرے تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ لاؤ اُن پر چار مرد اپنوں میں سے پھر اگر وہ گواہی دیں تو بند رکھو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ اُنھیں موت آئے



أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ۝ وَالَّذِينَ لَا  
يَأْتِيَانِيَا مِنْكُمْ فَأُذِيْنَهُمَا فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا  
فَاعْرِضْ عَنْهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۝  
(سُورَةُ نِسَاء)

موت یا مقرر کر دے اللہ تعالیٰ اُن کے لئے کوئی راہ - اور جو مرد کریں  
تم میں سے وہی بدکاری تو اُن کو ایذا دے پھر اگر وہ توبہ کریں اور اپنی  
اصلاح کریں تو اُن کا خیال چھوڑ دو - بیشک اللہ تعالیٰ  
توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے -

ان دونوں آیتوں کی مکمل تفسیر اور ضروری بیان سُورہ نساء میں آچکا ہے - یہاں اس لئے اسکا اعادہ کیا گیا ہے  
کہ زنا کی سزا کا ابتدائی دور سامنے آجائے - ان آیتوں میں ایک تو ثبوتِ زنا کا خاص طریقہ چار مردوں کی  
شہادت کے ساتھ ہونا بیان فرمایا ہے - دوسرے زنا کی سزا عورت کے لئے گھر میں قید رکھنا اور دونوں  
کے لئے ایذا پہنچانا مذکور ہے اور ساتھ اس میں یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ سزا زنا کا یہ حکم آخری نہیں آئندہ  
اور کچھ حکم آئندہ ہے اَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا کا یہی مفہوم ہے -

مذکورہ سزائیں عورتوں کو گھر میں قید رکھنا اُس وقت کافی قرار دیا گیا اور دونوں کو ایذا دینے کی  
سزا کافی قرار دی گئی مگر اس ایذا اور تکلیف کی کوئی خاص صورت خاص مقدار اور حد بیان نہیں فرمائی ہے  
بلکہ الفاظِ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ زنا کی ابتدائی سزا صرف تعزیری تھی جس کی مقدار شریعت سے  
متعین نہیں ہوئی بلکہ قاضی یا امیر کی صوابدید پر موقوف تھی اس لئے ایذا دینے کا مبہم لفظ اختیار  
فرمایا گیا مگر ساتھ ہی اَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ یہ ہو سکتا ہے کہ آئندہ  
ان مجرموں کے لئے سزا کا کوئی اور طریقہ جاری کیا جائے - جب سُورہ نور کی آیت مذکورہ نازل ہوئی  
تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ سُورہ نساء میں جو وعدہ کیا گیا تھا اَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا  
یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور سبیل بتا دے تو سُورہ نور کی اس آیت نے وہ سبیل بتا دی یعنی  
سو کوڑے مارنے کی سزا عورت مرد دونوں کیلئے متعین فرمادی - اسکے ساتھ ہی حضرت ابن عباسؓ  
نے سو کوڑے مارنے کی سزا کو غیر شادی شدہ مرد و عورت کے لئے مخصوص قرار دے کر فرمایا -

يعْنِي الرَّجْمُ لِلشَّيْبِ وَالْجُلْدُ لِلْبُكَرِ  
(صحیح بخاری کتاب التفسیر صفحہ ۶۵۷)

یعنی وہ سبیل اور سزائے زنا کی تعین یہ ہے کہ شادی شدہ  
مرد و عورت سے یہ گناہ سرزد ہو تو اُن کو سنگسار کر کے ختم  
کیا جائے اور غیر شادی شدہ کے سو کوڑے مارنا سزا ہے -

ظاہر ہے کہ سُورہ نور کی مذکورہ آیت میں تو بغیر کسی تفصیل کے سزائے زنا سو کوڑے ہونا مذکور ہے -  
اس حکم کا غیر شادی شدہ مرد و عورت کے ساتھ مخصوص ہونا اور شادی شدہ کے لئے رجم یعنی سنگساری  
کی سزا ہونا اُن کو کسی دوسری دلیل حدیث سے معلوم ہوا ہوگا اور وہ حدیث صحیح مسلم، مسند احمد  
سنن نسائی، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت عبادہ ابن صامتؓ کی روایت سے اس  
طرح آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-



خَذْ وَاعْتَقِ خَذْ وَاعْتَقِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِهَذِهِ  
سَبِيلًا الْبَكَرُ بِالْبَكَرِ جَلْدُ مِائَتًا وَتَغْرِيْبُ عَامٍ  
وَالثَّيْبُ بِالثَّيْبِ جَلْدُ مِائَتًا وَالتَّرْجِيْعُ -  
(ابن کثیر)

مجھ سے علم چل کر ہو مجھ سے علم چل کر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے زانی  
مرد و عورت کے لئے وہ سبیل جسکا وعدہ سورہ نسا کی آیت  
میں ہوا تھا اب سورہ نور میں فرمادی ہے وہ یہ ہے کہ غیر شادی شدہ  
مرد و عورت کے لئے سو کوڑے اور سال بھر چلا وطنی اور شادی  
شدہ مرد و عورت کے لئے سو کوڑے اور سنگساری۔

غیر شادی شدہ مرد و عورت کی سزا سو کوڑے جو آیت نور میں مذکور ہے اس حدیث میں اس کے  
ساتھ ایک مزید سزا کا ذکر ہے کہ مرد کو سال بھر کے لئے چلا وطن بھی کر دیا جائے یا میں فقہاء کا اختلاف ہے  
کہ یہ سال بھر کی چلا وطنی کی سزا مرد زانی کو سو کوڑوں کی طرح لازمی ہے یا قاضی کی صوابدید پر موقوف ہے  
کہ وہ ضرورت سمجھے تو سال بھر کے لئے چلا وطن بھی کرے۔ امام عظیم ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک یہی آخری  
صورت صحیح ہے یعنی حاکم کی رائے پر موقوف ہے۔ دوسری بات اس حدیث میں یہ ہے کہ شادی شدہ  
مرد و عورت کے لئے سنگساری سے پہلے سو کوڑوں کی سزا بھی ہے مگر دوسری روایات حدیث اور  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اکثر خلفاء راشدین کے تعامل سے ثابت یہ ہے کہ یہ دونوں سزائیں جمع  
نہیں ہوں گی۔ شادی شدہ پر صرف سزائے سنگساری جاری کی جائے گی۔ اس حدیث میں خاص  
طور پر یہ بات قابل نظر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اَوْ جَعَلَ اللَّهُ لِهَذِهِ سَبِيلًا  
کی تفسیر فرمائی ہے۔ اور تفسیر میں جو بات سُورۃ النور کی آیت میں مذکور ہے یعنی سو کوڑے  
لگانا۔ اس پر کچھ مزید چیزوں کا اضافہ بھی ہے اَوَّلُ سو کوڑے کی سزا کا غیر شادی شدہ مرد و عورت  
کے لئے مخصوص ہونا، دوسرے سال بھر کی چلا وطنی کا اضافہ تیسرے شادی شدہ مرد و عورت  
کے لئے رجم و سنگساری کا حکم۔ ظاہر ہے کہ اس میں سورہ نور کی آیت پر جن چیزوں کی زیادتی رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی وہ بھی وحی الہی اور حکم ربانی ہی سے تھی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ، اور پیغمبر اور  
اُن سے براہ راست سننے والوں کے حق میں وہ وحی جو بصورت قرآن تلامذت کی جاتی ہے اور وہ وحی  
جس کی تلامذت نہیں ہوتی دونوں برابر ہیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے مجمع عام  
کے سامنے اس پر عمل فرمایا۔ ماعز اور غامدیہ پر سزائے رجم و سنگساری جاری فرمائی۔ جو تمام کتب  
حدیث میں اسناد صحیحہ کیساتھ مذکور ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ اور زید بن خالد جہنیؓ کی روایت صحیحین  
میں کہ ایک غیر شادی شدہ مرد نے جو ایک شادی شدہ عورت کا ملازم تھا اس کیساتھ زنا کیا۔ زانی لڑکے کا  
باپ اس کو لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ واقعہ اقرار سے ثابت ہو گیا تو  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا قَضِيْنَ بَيْنَكُمَا بَكْتَابِ اللَّهِ، یعنی میں تم دونوں کے معاملہ  
کا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کر دوں گا۔ پھر یہ حکم صادر فرمایا کہ زانی لڑکا جو غیر شادی شدہ تھا اسکو



سو کوڑے لگائے جاویں اور عورت شادی شدہ تھی اُس کو رجم و سنگسار کرنے کے لئے حضرت انسؓ کو حکم فرمایا انھوں نے خود عورت سے بیان لیا اُس نے اعتراف کر لیا تو اس پر حکیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رجم و سنگساری کی سزا جاری ہوئی (ابن کثیر)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کو سو کوڑے لگانے کی دوسرے کو سنگسار کرنے کی سزا دی اور دونوں سزائوں کو قضا کر کتاب اللہ فرمایا، حالانکہ آیت سورہ نور میں صرف کوڑوں کی سزا کا ذکر ہے، سنگساری کی سزا مذکور نہیں۔ وجہ دہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اس آیت کی مکمل تفسیر و تشریح اور تفصیلی حکم بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے بتلادیا تھا وہ سارا کتاب اللہ ہی کے حکم میں ہے گو اس میں سے بعض حصہ کتاب اللہ میں مذکور اور متلو نہیں۔ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کتب حدیث میں حضرت فاروق اعظمؓ کا خطبہ بروایت ابن عباسؓ مذکور ہے صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں۔

قال عمر بن خطاب وهو جالس على منبر رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله بعث محمدا صلى الله عليه وسلم بالحق وانزل عليه الكتاب فكان مما انزل الله عليه آية الرجم قرأناها وعیناها وعقلناها فوجم رسول الله صلى الله عليه وسلم رجما بعدة فاختشى ان طال بالناس زمان ان يقول قائل ما نجد الرجم في كتاب الله تعالى فيضلوا بتركه فريضه انزلها الله وان الرجم في كتاب الله حق على من زنا اذا احصى الرجال والنساء اذا قامت البينة او كان الحبلى والاعترا (مسلم ج ۲)

حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا جبکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر تشریف رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کیساتھ بھیجا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی تو جو کچھ کتاب اللہ میں آپ پر نازل ہوا اس میں آیت رجم بھی ہے جس کو ہم نے پڑھا، یاد کیا اور سمجھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رجم کیا اور ہم نے آپ کے بعد رجم کیا اب مجھے یہ خطرہ ہے کہ زمانہ گزرنے پر کوئی یوں نہ کہنے لگے کہ ہم رجم کا حکم کتاب اللہ میں نہیں پاتے تو وہ ایک نئی فریضہ چھوڑ دینے سے گمراہ ہو جاویں جو اللہ نے نازل کیا ہے اور مجھ کو کہ رجم کا حکم کتاب اللہ میں حق ہے اُس شخص پر جو مردوں اور عورتوں میں سے محض ہو یعنی شادی شدہ جبکہ اسکے زنا پر شرعی شہادت قائم ہو جائے یا حمل اور اعتراف پایا جائے۔

یہ روایت صحیح بخاری میں بھی زیادہ تفصیل کیساتھ مذکور ہے (بخاری ۹۰۰۰ جلد ۲) اور نسائی میں اس روایت کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

انا لا نجد من الرجوعین افاقه حد من حدود الله الا وان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد رجم ورجمنا بعده ولولا ان يفوقا ثلثا ان عمر زاد في كتاب الله ما ليرفعه لكتبته

زنا کی سزا میں ہم شرعی حیثیت سے رجم کرنے پر مجبور ہیں کیونکہ وہ اللہ کی حدود میں سے ایک حد ہے خوب سمجھ لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رجم کیا اور ہم نے آپ کے بعد بھی رجم کیا۔ اور اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ کہنے والے کہیں گے



فی ناحیۃ المصحف وشہد عمر بن الخطاب  
وعبد الرحمن بن عوف وفلان و  
فلان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
رجعہ ورجعنا بعدہ الحدیث  
(ابن کثیر)

کہ عمر نے کتاب اللہ میں اپنی طرف سے کچھ بڑھا دیا ہے تو  
میں قرآن کے کسی گوشہ میں بھی اسکو لکھ دیتا۔ اور عمر بن خطاب  
گواہ ہے عبد الرحمن بن عوف گواہ ہیں اور فلان فلان گواہ۔  
گواہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور آپ کے  
بعد ہم نے رجم کیا۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے اس خطبہ سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حکم رجم کی کوئی مستقل آیت ہے جو  
سورۃ نور کی آیت مذکورہ کے علاوہ ہے مگر حضرت فاروق اعظمؓ نے اُس آیت کے الفاظ نہیں بتلائے کہ کیا  
تھے۔ اور نہ یہ فرمایا کہ اگر وہ اس آیت نور کے علاوہ کوئی مستقل آیت ہے تو قرآن میں کیوں نہیں اور کیوں اس  
کی تلاوت نہیں کی جاتی۔ صرف اتنا فرمایا کہ اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ مجھ پر کتاب اللہ میں زیادتی کا الزام  
لگائیں گے تو میں اس آیت کو قرآن کے حاشیہ پر لکھ دیتا۔ کما رواہ النسائی

اس روایت میں یہ بات قابل غور ہے کہ اگر وہ واقعی قرآن کی کوئی آیت ہے اور دوسری آیات  
کی طرح اُس کی تلاوت واجب ہے تو فاروق اعظمؓ نے لوگوں کی بدگوئی کے خوف سے اُس کو کیسے چھوڑ دیا  
جبکہ اُن کی شدت فی امر اللہ معروف و مشہور ہے اور یہ بھی قابل غور ہے کہ خود حضرت فاروقؓ نے یہ نہیں  
فرمایا کہ میں اس آیت کو قرآن میں داخل کر دیتا بلکہ ارشاد یہ فرمایا کہ میں اسکو قرآن کے حاشیہ پر لکھ دیتا۔  
یہ سب امور اس کے قرائن ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے سورۃ نور کی آیت مذکورہ کی جو تفسیر  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی جس میں آپ نے سو کوڑے لگانے کے حکم کو غیر شادی شدہ مرد و عورت  
کے ساتھ مخصوص فرمایا اور شادی شدہ کے لئے رجم کا حکم دیا۔ اس مجموعی تفسیر کو اور پھر اُس پر  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل کو کتاب اللہ اور آیت کتاب اللہ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا اس  
معنی میں کہ آپ کی یہ تفسیر و تفصیل بحکم کتاب اللہ ہے وہ کوئی مستقل آیت نہیں مگر حضرت فاروق اعظمؓ کو  
کوئی طاقت اس سے نہ روک سکتی کہ قرآن کی جو آیت رہ گئی ہے اس کو اسکی جگہ لکھ دیں۔ حاشیہ پر  
لکھنے کا جو ارادہ ظاہر فرمایا وہ بھی اسی کی دلیل ہے کہ درحقیقت وہ کوئی مستقل آیت نہیں بلکہ آیت  
سورۃ نور ہی کی تشریح میں کچھ تفصیلات ہیں۔ اور بعض روایات میں جو اس جگہ ایک مستقل آیت کے  
الفاظ مذکور ہیں وہ اسناد و ثبوت کے اعتبار سے اس درجہ میں نہیں کہ اُس کی بنا پر قرآن میں اسکا اضافہ  
کیا جاسکے۔ حضرات فقہاء نے جو اسکو منسوخ التلاوة غیر منسوخ الحکم کی مثال میں پیش کیا ہے وہ  
مثال ہی کی حیثیت میں ہیں اُس سے درحقیقت اسکا آیت قرآن ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سورۃ نور کی آیت مذکورہ میں جو زانیہ اور زانی کی سزا سو کوڑے لگانا مذکور ہے  
یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل تشریح و تصریح کی بنا پر غیر شادی شدہ لوگوں کے لئے مخصوص ہے



اور شادی شدہ کی سزا رجم ہے یہ تفصیل اگرچہ الفاظ آیت میں مذکور نہیں مگر جس ذات اقدس پر یہ آیت نازل ہوئی خود ان کی طرف سے ناقابل التباس وضاحت کیساتھ یہ تفصیل مذکور ہے اور صرف زبانی تعلیم ارشاد ہی نہیں بلکہ متعدد بار اس تفصیل پر عمل بھی صحابہ کرام کے مجمع کے سامنے ثابت ہے اور یہ ثبوت ہم تک تو اتر کے ذریعہ پہنچا ہوا ہے اس لئے شادی شدہ مرد و عورت پر سزائے رجم کا حکم درحقیقت کتاب اللہ ہی کا حکم اور اُسی... کی طرح قطعی اور یقینی ہے اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ سزائے رجم کتاب اللہ کا حکم ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ سزائے رجم سنت متواترہ سے قطعی الثبوت جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی الفاظ منقول ہیں کہ رجم کا حکم سنت سے ثابت ہے اور حاصل دونوں کا ایک ہی ایک ضروری تنبیہ | اس مقام پر جہاں جہاں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کے الفاظ احقر نے لکھے ہیں ان الفاظ کو ایک آسان تعبیر کی حیثیت سے لکھا گیا ہے۔ صلی الفاظ محسن اور غیر محسن، یا شیب اور پکر کے حدیث میں آئے ہیں۔ اور محسن کی شرعی تعریف اصل میں یہ ہے کہ جس شخص نے نکاح صحیح کیساتھ اپنی زوجہ سے مباشرت کر لی ہو اور وہ عاقل بھی ہو۔ مراد احکام میں سب جگہ یہی مفہوم ہے تعبیر کی سہولت کے لئے شادی شدہ کا لفظ لکھا جاتا ہے۔

سزائے زنا میں تدریج | مذکورہ بالا روایات حدیث اور آیات قرآن میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تین درجے | کہ ابتداً زنا کی سزا ہلکی رکھی گئی کہ قاضی یا امیر اپنی صوابدید پر اس جرم کے مرتکب مرد و عورت کو ایذا پہنچائے، اور عورت کو گھر میں مقید رکھا جائے، جیسا کہ سورۃ نسا میں اسکا حکم آیا ہے۔ دوسرا دور وہ ہے جسکا حکم سورۃ نور کی اس آیت میں آیا ہے کہ دونوں کو سو سو کوڑے لگائے جاویں تیسرا درجہ وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مذکورہ نازل ہونے کے بعد ارشاد فرمایا کہ سو کوڑوں کی سزا پر ان لوگوں کے لئے اکتفا کیا جائے جو شادی شدہ نہ ہوں اور شادی شدہ مرد و عورت اس کے مرتکب ہوں تو ان کی سزا رجم و سنگساری کے اسلامی قانون میں جس جرم کی سزا سخت ہے اسکے | جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ زنا کی سزا اسلام میں سب ثبوت کے لئے شرائط بھی سخت رکھی گئی ہیں | جرائم کی سزاؤں سے زیادہ سخت ہے۔ اس کے ساتھ اسلامی قانون میں اُس کے ثبوت کے لئے شرائط بھی بہت سخت رکھی گئی ہیں جن میں ذرا بھی کمی رہے یا شبہ پیدا ہو جائے تو زنا کی انتہائی سزا جس کو حد کہا جاتا ہے وہ معاف ہو جاتی ہے صرف تعزیری سزا بقدر جرم باقی رہ جاتی ہے۔ تمام معاملات میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ثبوت کے لئے کافی ہو جاتی ہے مگر حد زنا جاری کرنے کے لئے چار مرد گواہوں کی عینی شہادت جس میں کوئی التباس نہ ہو شرط ضروری ہے جیسا کہ سورۃ نسا کی آیت میں گزر چکا ہے۔ دوسری احتیاط اور شدت اس شہادت میں یہ ہے کہ اگر شہادت زنا کی کوئی شرط مفقود ہونے کی بنا پر شہادت رد کی گئی تو



پھر شہادت دینے والوں کی خیر نہیں۔ اُن پر قذف یعنی زنا کی جھوٹی تہمت کا جرم قائم ہو کر حد قذف اُسی کوڑے لگائے جانے کی صورت میں جاری کیجاتی ہے۔ اس لئے ذرا سا شبہ ہونے کی صورت میں کوئی شخص اس کی شہادت پر اقدام نہیں کر سکتا۔ البتہ جس صورت میں صریح زنا کا ثبوت نہ ہو مگر شہاد سے دو مرد و عورت کا غیر مشروع حالت میں دیکھنا ثابت ہو جائے تو قاضی اُن کے جرم کی حیثیت کے مطابق تعزیری سزا کوڑے لگانے وغیرہ کی جاری کر سکتا ہے سزائے زنا اور اس کی شرائط وغیرہ کے مفصل احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔

کمی دریا جائے کہ سنا فعل قبیح حکم | یہ کہ مرد کسی مرد کے ساتھ یا جانور کے ساتھ یہ فعل کرے تو وہ زنا میں داخل ہو یا نہیں اور اُس کی سزا بھی سزائے زنا ہے یا کچھ اور اس کی تفصیل سورہ نسا کی تفسیر میں گزر چکی ہے کہ اگرچہ لغت اور اصطلاح میں یہ فعل زنا نہیں کہلاتا اور اسی لئے اس پر حد زنا کا اطلاق نہیں ہوتا مگر اس کی سزا بھی اپنی سختی میں زنا کی سزا سے کم نہیں۔ صحابہ کرام نے ایسے شخص کو زندہ جلاد کی سزا دی ہے۔

لَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ، سزائے زنا چونکہ بہت سخت ہے اور اس کا احتمال ہے کہ سزا جاری کرنی والوں کو ان پر رحم آجائے سزا کو چھوڑ بیٹھیں یا کم کر دیں اس لئے اُس کے ساتھ یہ حکم بھی دیا گیا کہ دین کے اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں مجرموں پر رحم اور ترس کھانا جائز نہیں۔ رافت و رحمت اور عفو و کرم ہر جگہ محمود ہے مگر مجرموں پر رحم کھانے کا نتیجہ ساری خلق خدا کے ساتھ بے رحمی ہے اس لئے ممنوع و ناجائز ہے۔

وَلْيَشْهَدْ عَنِ ابْنِهَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ، یعنی سزائے زنا جاری کرنے کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہیے۔ اسلام میں سب سزاؤں اور خصوصاً حدود کو منظر عام پر جاری کر دینے کا طریقہ رائج ہے تاکہ دیکھنے والوں کو عبرت ہو مگر ایک جماعت کو اس میں حاضر و موجود رہنے کا حکم یہ بھی سزائے زنا کی خصوصیت ہے۔

اسلام میں ابتداء جرم کی پردہ پوشی کا حکم ہے | فواحش اور بے حیائی کی روک تھام کے لئے شریعت لیکن جب معاملہ شہادت سے ثابت ہو جائے تو پھر | اسلام نے دُور دور تک پہرے بٹھائے ہیں عورتوں مجرموں کی پوری رسوائی بھی عین حکمت قرار دی گئی ہے | پر پردہ لازم کر دیا گیا۔ مردوں کو نظر نہی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ زیور کی آواز یا عورت کے گانے کی آواز کو ممنوع قرار دیا گیا کہ وہ بے حیائی کے لئے محرک ہیں۔ اس کے ساتھ ہی جس شخص سے ان معاملات میں کوتاہی دیکھی جائے اسکو خلوت میں تو سمجھانے کا حکم ہے مگر اس کو رسوا کرنے کی اجازت نہیں لیکن جو شخص ان تمام شرعی احتیاطوں کو توڑ کر اس درجہ میں پہنچ گیا کہ اسکا جرم شرعی شہادت سے ثابت ہو گیا تو اب اسکی پردہ پوشی دوسرے لوگوں کی جرات بڑھانے



کا موجب ہو سکتی ہے اسلئے اب تک جتنا اہتمام پر وہ پوشی کا شریعت نے کیا تھا اب آٹنا ہی اہتمام کی تفسیر اور سوای کا کیا جاتا ہے اسی لئے زنا کی سزا کو صرف منظر عام پر جاری کرنے پر کنایت نہیں فرمائی بلکہ مسلمانوں کی ایک جماعت کو اس میں حاضر اور شریک رہنے کا حکم دیا گیا۔

الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا

بدکار مرد نہیں نکاح کرتا مگر عورت بدکار سے یا مشرک والی سے اور بدکار عورت سے نکاح نہیں کرتا مگر

زَانٍ أَوْ مُشْرِكٍ وَحُرِّمَ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۳

بدکار مرد یا مشرک اور یہ حرام ہوا ہے ایمان والوں پر

## خلاصہ تفسیر

(زنا ایسی گندی چیز ہے کہ اس سے انسان کی طبیعت کا مزاج ہی بگڑ جاتا ہے اُس کی رغبت بڑی ہی چیزوں کی طرف ہو جاتی ہے ایسے آدمی کی طرف رغبت بھی کسی ایسے ہی خبیث النفس کی ہو سکتی ہے جسکا اخلاقی مزاج بگڑ چکا ہو چنانچہ زانی (اپنے زانی اور راغب الی الزنا ہونے کی حیثیت سے) نکاح بھی کسی کے ساتھ نہیں کرتا بجز زانیہ یا مشرکہ عورت کے اور (اسی طرح) زانیہ کے ساتھ بھی (اُس کے زانیہ اور راغب الی الزنا ہونے کی حیثیت سے) اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرکہ کے اور یہ (ایسا نکاح جو زانیہ کے زانیہ ہونے کی حیثیت کیساتھ ہو جسکا نتیجہ آئندہ بھی اسکا مبتلائے زنا رہتا ہے یا کسی مشرکہ عورت کیساتھ ہو) مسلمانوں پر حرام (اور موجب گناہ) کیا گیا ہے (گو صحت و عدم صحت میں دونوں میں فرق ہو کہ زانیہ بحیثیت زانیہ سے کوئی نکاح کر ہی لے تو گناہ ہونے کے باوجود نکاح منعقد اور صحیح ہو جاوے گا اور مشرکہ سے نکاح کیا تو ناجائز و گناہ ہونے کے علاوہ وہ نکاح ہی نہیں ہوگا بلکہ باطل ہوگا)۔

## معارف و مسائل

زنا کے متعلق دوسرا حکم | پہلا حکم سزائے زنا کا تھا جو اس سے پہلی آیت میں بیان ہو چکا، یہ دوسرا حکم زانی اور زانیہ کے ساتھ نکاح کرنے سے متعلق ہے اسکے ساتھ مشرکہ مرد یا مشرکہ عورت سے نکاح کا بھی حکم ذکر کیا گیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ائمہ تفسیر کے اقوال بہت مختلف ہیں ان سب میں پہلے اہل اہل اسلام تفسیر وہی معلوم ہوتی ہے جسکو خلاصہ تفسیر میں بین القوسین کی وضاحتوں کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے۔ خلاصہ اسکا یہ ہے کہ آیت کا شروع حصہ کوئی حکم شرعی نہیں بلکہ ایک عام مشاہدہ اور تجربہ کا بیان ہے



جس میں زنا کا فعل خبیث ہونا اور اسکے اثرات کی دُور رس مضرتوں کا ذکر ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ زنا ایک اخلاقی زہر ہے اسکے زہریلے اثرات سے انسان کا اخلاقی مزاج ہی بگڑ جاتا ہے اُسے بھلے بُرے کی تمیز نہیں رہتی بلکہ بُرائی اور خباثت ہی مرغوب ہو جاتی ہے حلال حرام کی بحث نہیں رہتی۔ اور جو عورت اُس کو پسند آتی ہے اسکا اصلی مقصد اس سے زنا کرنا اور اس کو زنا کاری پر راضی کرنا ہوتا ہے اگر زنا کے ارادے میں ناکام ہو جاوے تو مجبوری سے نکاح پر راضی ہوتا ہے مگر نکاح کو دل سے پسند نہیں کرتا کیونکہ نکاح کے جو مقاصد ہیں کہ آدمی عقیق ہو کر رہے اور اولاد صالح پیدا کرے اور اسکے لئے بیوی کے حقوق نفقہ وغیرہ کا ہمیشہ کے لئے پابند ہو جاوے یہ ایسے شخص کو وبال معلوم ہوتے ہیں اور چونکہ ایسے شخص کو دراصل نکاح سے کوئی غرض ہی نہیں اسلئے اسکی رغبت صرف مسلمان عورتوں ہی کی طرف نہیں بلکہ مشرک عورتوں کی طرف بھی ہوتی ہے اور مشرک عورت اگر اپنے مذہب کی وجہ سے یا کسی برادری کی رسم کی وجہ سے نکاح کی شرط لگالے تو مجبوراً وہ اُس سے نکاح پر بھی تیار ہو جاتا ہے اس کی اسکو کچھ بحث ہی نہیں کہ یہ نکاح حلال اور صحیح ہو گا یا شرعاً باطل ٹھہرے گا۔ اس لئے اس پر یہ بات صادق آگئی کہ کسی جس عورت کی طرف اصلی رغبت ہوگی اگر وہ مسلمان ہے تو زانیہ کی طرف رغبت ہوگی خواہ پہلے سے زنا کی عادی ہو یا اسی کے ساتھ زنا کر کے زانیہ کہلائے یا پھر کسی مشرک عورت کی طرف رغبت ہوگی جس کے ساتھ نکاح بھی زنا ہی کے حکم میں ہے یہ معنی ہئے آیت کے پہلے جملہ کے یعنی **الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً**۔

اسی طرح جو عورت زنا کی خوگر ہو اور اس سے توبہ نہیں کرتی تو سچے مومن مسلمان جنکا مقصد اصلی نکاح اور نکاح کے شرعی فوائد و مقاصد ہیں وہ ایسی عورت سے متوقع نہیں اسلئے ان کو ایسی عورت کی طرف اصلی رغبت نہیں ہو سکتی خصوصاً جبکہ یہ بھی معلوم ہو کہ یہ عورت نکاح کے بعد بھی اپنی بُری عادت زنا نہ چھوڑے گی۔ ہاں ایسی عورت کی طرف رغبت یا تو زانی کو ہوگی جسکا اصلی مقصد اپنی خواہش پوری کرنا ہے نکاح مقصود نہیں۔ اس میں اگر وہ زانیہ کسی اپنی دُنیوی مصلحت سے اس کے ساتھ ملنے کے لئے نکاح کی شرط لگا دے تو بادل نا خواستہ نکاح کو بھی گوارا کر لیتا ہے یا پھر ایسی عورت کے نکاح پر وہ شخص راضی ہوتا ہے جو مشرک ہو۔ اور چونکہ مشرک سے نکاح بھی شرعاً زنا ہی ہے اس لئے اس میں دو چیزیں جمع ہو گئیں کہ مشرک بھی ہے اور زانی بھی۔ یہ معنی ہیں آیت کے دوسرے جملے کے یعنی **وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ**۔

مذکورہ تفسیر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس آیت میں زانی اور زانیہ سے مراد وہ ہیں جو زنا سے توبہ نہ کریں اور اپنی اس بُری عادت پر قائم رہیں۔ اور اگر ان میں سے کوئی مرد خانہ داری یا اولاد کی مصلحت سے کسی پاکدامن شریف عورت سے نکاح کر لے یا ایسی عورت کسی نیک مرد سے نکاح کر لے تو اس آیت سے اس نکاح کی نفی لازم نہیں آتی۔ یہ نکاح شرعاً درست ہو جائے گا۔



جمہور فقہاء اُمت امام اعظم ابو حنیفہ، مالک، شافعی وغیرہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے اور صحابہ کرام کے  
ایسے نکاح کرانے کے واقعات ثابت ہیں تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس کا بھی یہی فتویٰ نقل کیا ہے۔  
اب رہا آیت کا آخری جملہ وَحَرَّمَ ذَٰلِكَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ، اس میں بعض حضرات مفسرین نے تو ذالک  
کا اشارہ زانیہ کی طرف قرار دیا ہے تو معنی جملے کے یہ ہو گئے کہ جب زانیہ یا خبیث فعل ہے تو زانیہ مؤمنین  
پر حرام کر دیا گیا۔ اس تفسیر پر معنی میں تو کوئی اشکال نہیں رہتا لیکن ذالک سے زانیہ مراد لینا سیاق  
آیت سے کسی قدر بعید ضرور ہے۔ اس لئے دوسرے مفسرین نے ذالک کا اشارہ نکاح زانیہ اور زانیہ اور  
مشرک و مشرکہ کی طرف قرار دیا ہے اس صورت میں مشرکہ سے مسلمان مرد کا نکاح اور مشرک سے مسلمان  
عورت کا نکاح حرام ہونا تو دوسری نصوص قرآن سے بھی ثابت ہے اور تمام اُمت کے نزدیک جہاں  
مسئلہ ہے اور زانیہ مرد سے پاکدامن عورت کا نکاح یا زانیہ عورت سے عقیف مرد کا نکاح حرام ہونا جو  
اس جملے سے مستفاد ہو گا وہ اُس صورت کیساتھ مخصوص ہے کہ عقیف مرد زانیہ عورت سے نکاح کر کے  
اُس کو زانیہ سے نہ روکے بلکہ نکاح کے بعد بھی اس کی زانیہ کاری پر راضی رہے کیونکہ اس صورت میں یہ  
دو ثبوت ہو گئے جو شرعاً حرام ہے اسی طرح کوئی مشرک یا پاکدامن عورت زانیہ کے خوگر شخص سے نکاح کرے  
اور نکاح کے بعد بھی اس کی زانیہ کاری پر راضی رہے یہ بھی حرام ہے یعنی ان لوگوں کا یہ فعل حرام اور  
گناہ کبیرہ ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا باہمی نکاح صحیح نہ ہو یا باطل ہو جائے۔ لفظ  
حرام شریعت کی اصطلاح میں دو معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے ایک یہ کہ وہ گناہ ہے اس کا کرنے والا  
آخرت میں مستحق سزا ہے اور دنیا میں بھی یہ عمل بالکل باطل کا عدم ہے اس پر کوئی شرعی ثمرہ احکام دنیا کا بھی  
مرتب نہیں ہو گا جیسے کسی مشرک عورت سے یا جو عورتیں ہمیشہ کے لئے حرام ہیں انہیں کسی سے نکاح کر لیا تو یہ  
گناہ عظیم بھی ہے اور ایسا نکاح شرعاً کا عدم ہے زانیہ اور اس میں کوئی فرق نہیں۔ دوسرے یہ کہ فعل حرام  
یعنی گناہ موجب سزا ہے مگر دنیا میں اس فعل کے کچھ ثمرات رہتے ہیں معاملہ صحیح ہو جاتا ہے جیسے کسی  
عورت کو دھوکہ دیکر یا اغوا کر کے لے آیا پھر شرعی قاعدے کی مطابق دو گواہوں کے سامنے اس کی مرضی سے  
نکاح کر لیا تو یہ فعل تو ناجائز و حرام تھا مگر نکاح صحیح ہو گیا اولاد ثابت النسب ہو گئی اسی طرح زانیہ  
اور زانیہ کا نکاح جبکہ ان کا مقصد اصلی زانیہ ہو، نکاح محض کسی دنیوی مصلحت سے کرتے ہوں اور زانیہ  
سے تو نہیں کرتے ایسا نکاح حرام ہے مگر دنیوی احکام میں باطل کا عدم نہیں۔ نکاح کے ثمرات شرعیہ  
نفقہ، مہر، ثبوت نسب میراث سب جاری ہوں گے۔ اس طرح لفظ حرم اس آیت میں مشرکہ کے حق میں  
پہلے معنی کے اعتبار سے اور زانیہ اور زانیہ کے حق میں دوسرے معنی کے اعتبار سے صحیح اور درست  
ہو گیا۔ اس تفسیر پر آیت کو منسوخ کہنے کی ضرورت نہ رہی جیسا کہ بعض حضرات مفسرین نے فرمایا ہے  
واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔



وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَا يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ

اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت والیوں کو پھر نہ لائے چار مرد شاہد تو مارو ان کو

مِائِينَ جَلْدَةٍ وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۲

اتنی دڑے اور نہ مانو ان کی کوئی گواہی کبھی اور وہ ہی لوگ ہیں نافرمان

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۵

مگر جنہوں نے توبہ کر لی اسکے پیچھے اور سوز گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے

## خلاصہ تفسیر

اور جو لوگ (زنا کی) تہمت لگائیں پاکدامن عورتوں کو (جن کا زانیہ ہونا کسی دلیل یا قرینہ شرعیہ سے ثابت نہیں) اور پھر چار گواہ (اپنے دعوے پر) نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اسی دڑے لگا دو اور ان کی کوئی گواہی کبھی قبول مت کرو (یہ بھی تہمت لگانے کی سزا ہی کا جز ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے مردود الشہادت ہو گئے یہ تو دنیا کی سزا کا ذکر تھا) اور یہ لوگ (آخرت میں بھی سزا کے مستحق ہیں کیونکہ) فاسق ہیں لیکن جو لوگ اس کے بعد (خدا کے سامنے) توبہ کر لیں (کیونکہ تہمت لگانے میں انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی اور حق اللہ کو ضائع کیا) اور (جس پر تہمت لگائی تھی اُس سے معاف کرا کر بھی) اپنی (حالت کی) اصلاح کر لیں (کیونکہ اسکا حق ضائع کیا تھا) تو اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت کرنیوالا رحمت کرنیوالا ہے (یعنی سچی توبہ کرنے سے عذاب آخرت معاف ہو جائے گا اگرچہ شہادت کا مقبول نہ ہونا جو دنیوی سزا تھی وہ باقی رہے گی کیونکہ وہ حد شرعی کا جز ہے اور ثبوت جرم کے بعد توبہ کرنے سے حد شرعی ساقط نہیں ہوتی)۔

## معارف و مسائل

زنا کے متعلق تیسرا حکم جھوٹی تہمت جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ زنا چونکہ سارے جرائم سے زیادہ کا مجرم ہونا اور اسکی حد شرعی معاشرے میں بگاڑ اور فساد کا ذریعہ ہے اسلئے اسکی سزا شریعت اسلام نے دوسرے سب جرائم سے زیادہ سخت رکھی ہے اس لئے عدل و انصاف کا تقاضا تھا کہ اس معاملہ کے ثبوت کو بڑی اہمیت دی جائے بغیر شرعی ثبوت کے کوئی کسی مرد یا عورت پر زنا کا الزام یا تہمت لگانے کی جرأت نہ کرے اس لئے شریعت اسلام نے بغیر ثبوت شرعی کے جسکا نصاب چار مرد گواہ عادل ہونا ہے اگر کوئی کسی پر تہمت صریح زنا کی لگائے تو اس تہمت لگانے کو بھی شدید جرم قرار دیا اور اس جرم پر بھی حد شرعی اسی کوڑے مقرر کی جسکا لازمی اثر یہ ہوگا کہ کسی شخص پر زنا کا الزام کوئی



شخص اسی وقت لگانے کی جرأت کرے گا جبکہ اس نے اس فعلِ خبیث کو خود اپنی آنکھ سے دیکھا ہو اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کو یہ یقین ہو کہ میرے ساتھ اور تین مردوں نے دیکھا ہے اور وہ گواہی دیں گے۔ کیونکہ اگر دوسرے گواہ ہیں ہی نہیں یا چار سے کم ہیں یا ان کے گواہی دینے میں شبہ ہو تو اکیلا یہ شخص گواہی دیکر تہمتِ زنا کی سزا کا مستحق بننا کسی حال گوارا نہ کر لے گا۔

ایک شبہ اور جواب | رہا یہ معاملہ کہ جب زنا کی شہادت کے لئے ایسی کڑی شرطیں لگا دی گئیں تو مجرموں کو کھلی چھٹی مل گئی نہ کسی کو شہادت کی جرأت ہوگی نہ کبھی ثبوت شرعی بہم پہنچے گا نہ ایسے مجرم کبھی سزا پا سکیں گے مگر یہ خیال اس لئے غلط ہے کہ زنا کی حد شرعی یعنی سو کوڑے یا رجم و سنگساری کی سزا دینے کیلئے تو یہ شرطیں ہیں لیکن دو غیر مجرم مرد و عورت کو یکجا قابلِ اعتراض حالت میں یا بیعیائی کی باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر اس کی شہادت دینے پر کوئی پابندی نہیں اور ایسے تمام امور جو زنا کے مقدّمات ہوتے ہیں یہ بھی شرعاً قابلِ سزائے جرم ہیں لیکن حد شرعی کی سزا انہیں بلکہ تعزیری سزا قاضی یا حاکم کی صوابدید کے مطابق کوڑے لگانے کی دی جاتی ہے۔ اسلئے جس شخص نے دو مرد و عورت کو زنا میں مبتلا دیکھا مگر دوسرے گواہ نہیں ہیں تو صریح زنا کے الفاظ سے تو شہادت نہ دے مگر بے حجابانہ اختلاط کی گواہی دے سکتا ہے اور حاکم قاضی اس پر تعزیری سزا بعد ثبوت جرم جاری کر سکتا ہے۔

محضنت کون ہیں | یہ لفظ احصان سے مشتق ہے اصطلاحِ شرع میں احصان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جسکا حد زنا میں اعتبار کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ جس پر زنا کا ثبوت ہو جاوے وہ عاقل بالغ آزاد مسلمان ہو اور کسی عورت کیساتھ نکاح صحیح کر چکا ہو اور اس سے مباشرت بھی ہو چکی ہو تو اس پر سزائے رجم و سنگساری جاری ہوگی۔ دوسری قسم وہ ہے جسکا اعتبار حد قذف یعنی تہمتِ زنا میں کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جس شخص پر زنا کا الزام لگایا گیا ہے وہ عاقل بالغ آزاد مسلمان ہو اور عقیف ہو یعنی پہلے کبھی اس پر زنا کا ثبوت نہ ہوا ہو۔ اس آیت میں یہی معنی محضنت کے ہیں (جصاص) مسئلہ۔ آیتِ قرآن میں عام معروفِ عادت کے مطابق یا اس واقعہ کی وجہ سے جو شانِ نزول اس آیت کا ہے تہمتِ زنا اور اس کی سزا کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ تہمت لگانے والے مرد ہوں اور جس پر تہمت لگائی گئی وہ پاکدامن عورت ہو مگر حکم شرعی اشتراکِ علت کے سبب سے عام ہے کوئی عورت دوسری عورت پر یا کسی مرد پر یا مرد کسی دوسرے مرد پر تہمتِ زنا لگائے اور ثبوت شرعی موجود نہ ہو تو یہ سب بھی اسی سزائے شرعی کے مستحق ہونگے (جصاص و ہدایہ)

مسئلہ۔ یہ حد شرعی جو تہمتِ زنا پر ذکر کی گئی ہے صرف اسی تہمت کیلئے مخصوص ہے کسی دوسرے جرم کی تہمت کسی شخص پر لگائی جائے تو یہ حد شرعی اس پر جاری نہیں ہوگی۔ ہاں تعزیری سزا حاکم کی صوابدید کے مطابق ہر جرم کی تہمت پر دی جا سکتی ہے۔ الفاظِ قرآن میں اگرچہ صراحت اس حد



کا تہمت زنا کے ساتھ مخصوص ہونا ذکر نہیں مگر چار گواہوں کی شہادت کا ذکر اس خصوصیت کی دلیل ہے کیونکہ چار گواہ کی شرط صرف ثبوت زنا ہی کے لئے مخصوص ہے۔ (جصاص ہدایہ)

مسئلہ۔ حد قذف میں چونکہ حق العبد یعنی جس پر تہمت لگائی گئی ہے اس کا حق بھی شامل ہے اس لئے یہ حد بھی جاری کی جائے گی جبکہ مقذوف یعنی جس پر تہمت لگائی گئی وہ مد جاری کرنیکا مطالبہ بھی کرے ورنہ حد ساقط ہو جائے گی (ہدایہ) بخلاف حد زنا کے کہ وہ خالص حق اللہ ہے اس لئے کوئی مطالبہ کرے یا نہ کرے حد زنا جرم ثابت ہونے پر جاری کی جائے گی۔

وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا، یعنی جس شخص پر زنا کی جھوٹی تہمت لگانے کا جرم ثابت ہو جائے اور مقذوف کے مطالبہ سے اُس پر حد قذف جاری ہو جائے تو اُس کی ایک سزا تو فوری ہو گئی کہ اسی کوڑے لگائے گئے۔ دوسری سزا ہمیشہ کے لئے جاری رہے گی وہ یہ ہے کہ اس کی شہادت کسی معاملے میں قبول نہ کی جائے گی جب تک یہ شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے نہ اُمت کیساتھ توبہ نہ کرے اور مقذوف شخص سے معافی حاصل کر کے توبہ کی تکمیل نہ کرے اُس وقت تک تو باجماع اُمت اسی شہاد کسی بھی معاملے میں مقبول نہ ہوگی۔ اور اگر توبہ کر لے تب بھی حنفیہ کے نزدیک اسی شہاد قبول نہیں ہوتی ہاں گناہ معاف ہو جاتا ہے جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں گزرا اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْۤا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ، یعنی وہ لوگ جن پر تہمت زنا کی حد شرعی جاری کی گئی ہے اگر وہ توبہ کر لیں اور اپنی حالت درست کر لیں کہ آئندہ اس طرح کے اقدام کا اس سے خطرہ نہ رہے اور جس پر تہمت لگائی تھی اُس سے بھی معاف کر لیں تو اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔

یہ استثناء اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوا کا امام اعظم ابو حنیفہ اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک آیت سابقہ کے صرف آخری جملے کی طرف راجع ہے۔ یعنی ذَاوَلَّیْلِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ، تو مطلب اس استثناء کا یہ ہے کہ جس پر حد قذف جاری ہوئی ہے وہ فاسق ہے لیکن اگر وہ صدق دل سے توبہ کرے اور اپنی حالت کی اصلاح بھی مقذوف سے معافی لے کر کرے تو پھر وہ فاسق نہیں رہے گا اور آخرت کی سزا اُس سے معاف ہو جائے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں جو اس پر دو سزاؤں کا ذکر اس آیت کے شروع میں ہے یعنی اسی کوڑے لگانا اور مردودا شہادت کر دینا یہ سزائیں توبہ کے باوجود اپنی جگہ رہیں گی کیونکہ ان میں ایک بڑی سزا کوڑے لگانے کی وہ تو جاری ہو ہی چکی ہے دوسری سزا بھی چونکہ اُسی حد شرعی کا جزو ہے اور یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ توبہ سے حد شرعی معاف نہیں ہوتی اگرچہ آخرت کا عذاب گناہ معاف ہو کر ٹل جاتا ہے۔ تو جب مردودا شہادت ہونا بھی حد شرعی کا جزو ہے تو وہ توبہ سے معاف نہ ہوگا۔ امام شافعی اور بعض دوسرے ائمہ نے استثناء مذکور کو آیت سابقہ کے سب جملوں کی طرف راجع کیا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ توبہ کر لینے سے جیسا کہ وہ فاسق



نہیں رہا اسلئے مردود شہادت بھی نہیں رہے گا۔ جصاص اور نظہری میں دونوں طرف کے دلائل اور جوابات کی تفصیل مذکور ہے اہل علم وہاں دیکھ سکتے ہیں۔ واللہ اعلم

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ

اور جو لوگ عیب نگاہیں اپنی جوڑوں کو اور شاہد نہ ہوں ان کے پاس سوائے ان کی جان کے

فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ⑥ وَ

تو ایسے شخص کی گواہی کی یہ صورت ہے کہ چار بار گواہی دے اللہ کی قسم کھا کر کہ مقررہ شخص سچا ہے اور

الْخَامِسَةَ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَذَّابِينَ ⑦ وَيَذَرُهَا

پانچویں بار یہ کہ اللہ کی لعنت کا شخص پر اگر ہو وہ جھوٹا اور عورت سے

عَنْهَا الْعَذَابُ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَذَّابِينَ ⑧

مل جائے گی مار یوں کہ وہ گواہی دے چار گواہی اللہ کی قسم کھا کر کہ مقررہ شخص جھوٹا ہے۔

وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ⑨

اور پانچویں یہ کہ اللہ کا غضب آئے اس عورت پر اگر وہ شخص سچا ہے

وَكُورًا فَضَّلُ اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ ⑩

اور اگر نہ ہو تو اللہ کا فضل تمہارے اوپر اور اس کی رحمت اور یہ کہ اللہ معاف کرنے والا اور حکمتیں جاننے والا تو کیا کچھ نہ ہوتا

## خلاصہ تفسیر

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو (زنا کی) تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے (ہی) دعوے کے (اور کوئی گواہ نہ ہوں) (جو عدد میں چار ہونے ضروری ہیں) تو ان کی شہادت (جو کہ رافع حبس یا حد قذف ہو) یہی ہے کہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ بیشک میں سچا ہوں اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں اور (اس کے بعد) اس عورت سے سزا (یعنی حبس یا حد زنا) اس طرح مل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ قسم کھا کر کہے کہ بیشک یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو اگر یہ مرد سچا ہو (اس طریق سے دونوں میاں دیوی سزائے دنیوی سے بچ سکتے ہیں البتہ وہ عورت اس مرد پر حرام ہو جاوے گی) اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمپر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کا کرم ہے کہ ایسے ایسے احکام مقرر کئے جس میں انسان کے فطری جذبات کی پوری رعایت ہے) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا حکمت والا ہے تو تم بڑی مضرتوں میں پڑ جاتے جن کا بیان آگے آتا ہے)



## معارف و مسائل

زنا کے متعلقات میں | لعان اور ملاءنت کے معنی ایک دوسرے پر لعنت اور غضب الہی کی بددعا چوتھا حکم لعان کا ہے | کرنے کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں میاں اور بیوی دونوں کو چند خاص قسمیں دینے کو لعان کہا جاتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ جب کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگا دے یا اپنے بچے کو کہے کہ یہ میرے نطفہ سے نہیں ہے اور یہ عورت جس پر الزام لگایا گیا ہے اُس کو جھوٹا بتلا دے اور اُس کا مطالبہ کرے کہ مجھ پر جھوٹی تہمت لگائی ہے اس لئے شوہر پر تہمت زنا کی سزا اسی کوڑے جاری کیجاوے تو اس وقت شوہر سے مطالبہ کیا جاوے گا کہ الزام زنا پر چار گواہ پیش کرے۔ اگر اس نے گواہ پیش کر دیے تو عورت پر حد زنا لگائی جاوے گی۔ اور اگر وہ چار گواہ نہ لاسکا تو ان دونوں میں لعان کرایا جاوے گا۔ یعنی اول مرد سے کہا جاوے گا کہ وہ چار مرتبہ اُن الفاظ سے جو قرآن میں مذکور ہیں یہ شہادت دے کہ میں اس الزام میں سچا اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ اگر شوہر ان الفاظ کے کہنے سے رُکے تو اُس کو قید کر دیا جائے گا کہ یا تو اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کر دیا مذکورہ الفاظ کے ساتھ پانچ مرتبہ قس میں کھاؤ اور جب تک وہ ان دونوں میں سے کوئی کام نہ کرے اُس کو قید رکھا جائے گا۔ اگر اُس نے اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کر لیا تو اس پر حد زنا یعنی تہمت زنا کی شرعی سزا جاری ہوگی اور اگر الفاظ مذکورہ کیساتھ پانچ مرتبہ قس میں کھالیں تو پھر اسکے بعد عورت سے اُن الفاظ میں پانچ قسمیں لی جا دیں گی جو قرآن میں عورت کے لئے مذکور ہیں اگر وہ قسم کھانے سے انکار کرے تو اُس کو اس وقت تک قید رکھا جاوے گا جب تک کہ وہ یا تو شوہر کی تصدیق کرے اور اپنے جرم زنا کا اقرار کرے تو اس پر حد زنا جاری کر دی جاوے اور یا پھر الفاظ مذکورہ کیساتھ پانچ قسمیں کھاوے۔ اگر وہ الفاظ مذکورہ سے قس میں کھانے پر راضی ہو جاوے اور قس میں کھالے تو اب لعان پورا ہو گیا جس کے نتیجہ میں دنیا کی سزا سے دونوں پرچ گئے آخرت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہی ہے کہ اُن میں سے کون جھوٹا ہے جھوٹے کو آخرت میں سزا ملے گی، لیکن دنیا میں بھی جب دو میاں بیوی میں لعان کا معاملہ ہو گیا تو یہ ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتے ہیں شوہر کو چاہئے کہ اسکو طلاق دے کر آزاد کر دے۔ اگر وہ طلاق نہ دے تو حاکم ان دونوں میں تفریق کر سکتا ہے جو بحکم طلاق ہوگی۔ بہر حال اب ان دونوں کا آپس میں دوبارہ نکاح بھی کبھی نہیں ہو سکتا حال لعان کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔

لعان کا قانون شریعت اسلام میں شوہر کے جذبات و نفسیات کی رعایت کی بنا پر نافذ ہوا ہے کیونکہ کسی شخص پر الزام زنا لگانے کا قانون جو پہلی آیات میں گزر چکا ہے اُس کی دوسری ضرورت



کہ الزام زنا لگانے والا چار گواہ یعنی پیش کرے اور جو یہ نہ کر سکے تو الٹی اسی پر تہمت زنا کی حد جاری کی جاوے گی۔ عام آدمی کے لئے تو یہ ممکن ہے کہ جب چار گواہ میسر نہ ہوں تو وہ الزام زنا لگانے سے خاموش رہے تاکہ تہمت زنا کی سزا سے محفوظ رہ سکے لیکن شوہر کے لئے یہ معاملہ بہت سنگین ہے جب اُس نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا اور گواہ موجود نہیں اگر وہ بولے تو تہمت زنا کی سزا پائے اور نہ بولے تو ساری عمر خون کے گھونٹ پیتا رہے اور اس کی زندگی وبال ہو جائے اس لئے شوہر کے معاملہ کو عام قانون کے الگ کر کے اسکا مستقل قانون بنا دیا گیا اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لعان صرف میاں بیوی کے معاملہ میں ہو سکتا ہے دوسروں کا حکم وہی ہے جو پہلی آیات میں گزر چکا ہے۔ کتب حدیث میں اس جگہ دو واقعے ذکر کئے گئے ہیں انہیں سے آیات لعان کا شان نزول کو نسا واقعہ ہے اس میں ائمہ تفسیر کے اقوال مختلف ہیں۔ قرطبی نے آیات کا نزول مکرر مان کر دونوں کو شان نزول قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر شایخ بخاری اور نووی شایخ مسلم نے دونوں میں تطبیق دے کر ایک ہی نزول میں دونوں کو شان نزول آیات لعان کا قرار دیا ہے ان کی توجیہ زیادہ صاف ہے جو آگے آجائے گی۔ ایک واقعہ ہلال بن امیہ اور ان کی بیوی کا ہے جو صحیح بخاری میں بروایت ابن عباس مذکور ہے اور اس واقعہ کا ابتدائی حصہ حضرت ابن عباس ہی کی روایت سے مسند احمد میں اس طرح آیا ہے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب قرآن کریم میں حد زنا کے احکام کی آیات نازل ہوئیں یعنی وَالَّذِينَ يَزْنُونَ يَزْنُونَ الْفَحْشَاءَ يَزْنُونَ بِأَرْبَعَةِ شَهَدَاءَ فَاَجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدًا (نور ۲۳) جس میں کسی عورت پر زنا کا الزام لگانے والے مرد پر لازم کیا گیا ہے کہ یا تو اس الزام پر چار گواہ پیش کرے جنہیں ایک یہ خود ہوگا اور جو ایسا نہ کر سکے تو اسکو چھوٹا قرار دیکر اس پر اسی کوڑوں کی حد اور ہمیشہ کے لئے مرد و النساء تہمت ہونے کی سزا جاری کی جائے گی۔ یہ آیات منکر فساد مدینہ کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ آیات اسی طرح نازل ہوئی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سعد بن عبادہ کی زبان سے ایسی بات سن کر بڑا تعجب ہوا، آپ نے حضرات انصار کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ سن رہے ہیں کہ آپ کے سردار کیا بات کہہ رہے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ، آپ ان کو ملامت نہ فرمادیں۔ ان کے اس کلام کی وجہ ان کی شدت غیرت ہے۔ پھر سعد بن عبادہ نے خود عرض کیا یا رسول اللہ! میرے باپ اور ماں آپ پر قربان ہیں پوری طرح جانتا ہوں یہ آیات حق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں لیکن مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ اگر میں بے حیا بیوی کو اس حال میں دیکھوں کہ غیر مرد اُس پر چڑھا ہوا ہو تو کیا میرے لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ میں اسکو وہاں ڈانٹوں اور وہاں سے ہٹا دوں بلکہ میرے لئے یہ ضروری ہوگا کہ میں چار آدمیوں کو لا کر یہ حالت دکھلاؤں اور اس پر گواہ بناؤں اور جب تک میں



گواہوں کو جمع کر دوں وہ اپنا کام کر کے بھاگ جائے (حضرت سعدؓ کے الفاظ اس جگہ مختلف منقول ہیں خلاصہ سب کا ایک ہی ہے۔ قرطبی)

آیات حد قذف نازل ہونے اور سعد بن عبادہؓ کے اس کلام پر پھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ ہلال بن امیہؓ کو یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ عشاء کے وقت اپنی زمین سے واپس ہوئے تو اپنی بیوی کیساتھ ایک مرد کو بچشم خود دیکھا اور انکی باتیں اپنے کانوں سے سنیں مگر کوئی اقدام نہیں کیا یہاں تک کہ صبح ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واقعہ سن کر دل براہ داد اور بڑا بھاری محسوس کیا۔ ادھر حضرات انصار جمع ہو گئے اور آپس میں تذکرہ کرنے لگے کہ جو بات ہمارے سردار سعد بن عبادہ نے کہی تھی ہم اُسی میں مبتلا ہو گئے اب قانون شرعی کی مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلال بن امیہؓ کو اسی کوڑے حد قذف کے لگائیں گے اور لوگوں میں انکو ہمیشہ کے لئے مردود الشہادت قرار دیدیں گے مگر ہلال بن امیہؓ نے کہا کہ خدا کی قسم مجھے پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس مصیبت سے بچالیں گے۔ اور صحیح بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال کا معاملہ سن کر قرآنی حکم کی مطابق ہلالؓ سے فرمایا یا کہ یا تو اپنے اس دعوے پر بینہ (چار گواہ) لاؤ ورنہ تمھاری پیٹھ پر حد قذف جاری ہوگی۔ ہلال ابن امیہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے عرض کیا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کیساتھ بھیجا ہی میں اپنے کلام میں سچا ہوں اور ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا حکم نازل فرما دیں گے جو میری پیٹھ کو حد قذف کی سزا سے بری کر دیگا۔ یہ گفتگو جاری ہی تھی کہ جبریل امینؑ یہ آیات جن میں لعان کا قانون ہے لیکر نازل ہوئے

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ

ابوعلی نے یہی روایت حضرت انسؓ سے بھی نقل کی ہے اُس میں یہ بھی ہے کہ جب آیات لعان نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال ابن امیہؓ کو بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری مشکل کا حل نازل فرما دیا۔ ہلالؓ نے عرض کیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے اسی کی امید لگائے ہوئے تھا۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیہؓ کی بیوی کو بھی بلوایا اور جب دونوں میاں بیوی جمع ہو گئے تو بیوی سے معاملہ کے متعلق پوچھا گیا۔ اُس نے کہا کہ میرا شوہر ہلال بن امیہؓ مجھ پر جھوٹ الزام لگاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے۔ کیا تم میں کوئی ہے جو (اللہ کے عذاب سے ڈر کر) توبہ کرے اور سچی بات ظاہر کر دے۔ اس پر ہلال بن امیہؓ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں نے بالکل سچ بات کہی ہے اور جو کچھ کہا حق کہا ہے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ نازل شدہ آیات قرآن کی مطابق دونوں میاں بیوی لعان کرایا جائے۔ پہلے حضرت ہلالؓ سے کہا گیا کہ تم چار مرتبہ ان الفاظ سے شہادت دو جو قرآن میں مذکور ہیں۔ یعنی میں اللہ کو حاضر ناظر سمجھ کر کہتا ہوں کہ میں اپنے الزام میں سچا ہوں۔ ہلالؓ نے اس کے مطابق چار مرتبہ اسکی شہادت دی۔ جب پانچویں شہادت



کا نمبر آیا جس کے الفاظ قرآنی یہ ہیں کہ اگر میں جھوٹ بولتا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کے طور پر ہلال بن اُمیہؓ سے فرمایا کہ دیکھو ہلال خدا سے ڈرو کیونکہ دنیا کی سزا آخرت کے عذاب سے ہلکی ہے اور اللہ کا عذاب لوگوں کی دی ہوئی سزا سے کہیں زیادہ سخت ہے اور یہ پانچویں شہادت آخری شہادت ہے اسی پر فیصلہ ہونا ہے مگر ہلال بن اُمیہؓ نے عرض کیا کہ میں قسم کہہ سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس شہادت پر آخرت کا عذاب نہیں دیں گے (کیونکہ بالکل سچی شہادت ہے) جیسا کہ اللہ کے رسول مجھے دنیا میں حد قذف کی سزا نہیں دیں گے اور پھر یہ پانچویں شہادت کے الفاظ ادا کر دیے۔ اس کے بعد اپنے ہلال کی بیوی سے اسی طرح کی چار شہادات یا چار قسمیں لیں اس نے بھی ہر دفعہ میں قرآنی الفاظ کے مطابق یہ شہادت دی کہ میرا شوہر جھوٹا ہے۔ جب پانچویں شہادت کا نمبر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذرا ٹھہرو، پھر اس عورت سے فرمایا کہ خدا سے ڈرو کہ یہ پانچویں شہادت آخری بات ہے اور خدا کا عذاب لوگوں کے عذاب یعنی زنا کی حد شرعی سے کہیں زیادہ سخت ہے یہ مسکروہ قسم کھانے سے جھجکنے لگی، کچھ دیر اسی کیفیت میں رہی مگر پھر آخر میں کہا کہ واللہ میں اپنی قوم کو رسوا نہیں کروں گی اور پانچویں شہادت بھی ان نفلوں کیساتھ ادا کر دی کہ اگر میرا شوہر سچا ہے تو مجھ پر خدا کا غضب ہو۔ یہ لعان کی کارروائی مکمل ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میاں بیوی میں تفریق کر دی یعنی ان کا زکاح توڑ دیا اور یہ فیصلہ فرمایا کہ اس حمل سے جو بچہ پیدا ہو وہ اس عورت کا بچہ کہلائے گا باپ کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا مگر بچے کو مطعون بھی نہ کیا جائے گا۔ انتہی (تفسیر مظہری بحوالہ مسند احمد عن ابن عباسؓ)

دُوسرا واقعہ بھی صحیحین بخاری و مسلم میں مذکور ہے اور واقعہ کی تفصیل امام بیہقی نے بروایت ابن عباسؓ اس طرح نقل فرمائی ہے کہ زنا کی تہمت لگانے والے پر حد قذف جاری کرنے کے احکام جن آیات میں نازل ہوئے یعنی وَالَّذِينَ يَزْنُونَ انْصَبَتْ الْآيَةُ تَوْرُسُوعِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمبر پر کھڑے ہو کر یہ آیات لوگوں کو سنائیں۔ مجمع میں عاصم بن عدی انصاریؓ بھی موجود تھے یہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری جان آپ پر قربان ہو اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی عورت کو کسی مرد کیساتھ مبتلا دیکھے تو اگر وہ اپنے دیکھے ہوئے واقعہ کو بیان کرے تو اس کو کوڑے لگائے جا دیں گے اور ہمیشہ کے لئے مردود الشہادت کر دیا جاوے گا اور مسلمان اس کو فاسق کہا کریں گے ایسی حالت میں ہم گواہ کہاں سے لائیں گے اور اگر گواہوں کی تلاش میں نکلیں گے تو گواہ آنے تک وہ اپنا کام کر کے بھاگ چکا ہوگا۔ یہ وہی سوال تھا جو پہلے واقعہ میں حضرت سعد بن عبادہؓ نے کیا تھا اس دوسرے واقعہ میں عاصم بن عدیؓ نے کیا ہے۔

یہ سوال ایک جمعہ کے دن کیا گیا تھا اسکے بعد یہ قصہ پیش آیا کہ عاصم بن عدیؓ کا ایک چچا زاد



بھائی عومیر تھا جسکا نکاح بھی عام بن عدی کی چچا زاد بہن خولہ سے ہوا تھا۔ عومیر نے ایک روز دیکھا کہ اُن کی بیوی خولہ شریک بن سحما کیساتھ مبتلا ہے اور یہ شریک بن سحما بھی عام کا چچا زاد بھائی تھا۔ عومیر نے یہ واقعہ آکر عام بن عدی سے بیان کیا، عاصم نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ پڑھا اور اگلے روز جمعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پھر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پچھلے جمعہ میں میں نے آپ سے جو سوال کیا تھا افسوس ہے کہ میں خود اس میں مبتلا ہو گیا کیونکہ میرے ہی اہل بیت میں ایک ایسا واقعہ پیش آگیا۔ بخوبی نے ان دونوں کو حاضر کرنے اور پھر آپس میں لعان کرانیکا واقعہ بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے (مظہری) اور صحیحین میں اسکا خلاصہ حضرت سہیل بن سعد ساعدی کی روایت سے یہ مذکور ہے کہ عومیر عجلانی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کیساتھ کسی غیر مرد کو دیکھے تو کیا وہ اس کو قتل کر دے جس کے نتیجہ میں لوگ اس کو قتل کریں گے یا پھر وہ کیا کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور تمہاری بیوی کے معاملے میں حکم نازل فرما دیا ہے۔ جاؤ بیوی کو لیکر آؤ۔ حضرت سہیل بن سعد راوی حدیث فرماتے ہیں کہ ان دونوں کو بلا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے اندر لُحان کرایا (جس کی صورت واقعہ سابقہ میں بیان ہو چکی ہے) جب دونوں طرف سے پانچوں شہادات پوری ہو کر لُحان ختم ہوا تو عومیر عجلانی نے کہا یا رسول اللہ، اگر میں اب اسکو بیوی بنا کر رکھوں تو گویا میں نے اس پر جھوٹا الزام لگایا ہے اسلئے میں اسے تین طلاق دیتا ہوں (مظہری بحوالہ صحیحین)

ان دونوں واقعوں میں سے ہر ایک میں یہ مذکور ہے کہ آیات لُحان اسکے بارے میں نازل ہوئی ہیں حافظ ابن حجر اور شیخ الاسلام نووی نے دونوں میں تطبیق کی یہ صورت بیان کی ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلا واقعہ ہلال بن امیہ کا تھا اور آیات لُحان کا نزول اُسی واقعہ کے بارے میں ہوا اسکے بعد عومیرؓ کو ایسا ہی واقعہ پیش آگیا اور انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا انکو ہلال بن امیہ کا معاملہ سابقہ معلوم نہ ہوگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بتلایا کہ تمہارے معاملہ کا فیصلہ یہ ہے اور قرینہ اسکا یہ ہے کہ ہلال بن امیہؓ کے واقعہ میں تو الفاظ حدیث کے یہ ہیں فذل جیوئیل، اور عومیرؓ کے واقعہ میں الفاظ یہ ہیں قد انزل اللہ فیك جسکا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا واقعہ جیسے ایک واقعہ میں اسکا حکم نازل فرما دیا ہے واللہ اعلم (مظہری)

مسئلہ: جب دو میاں بیوی کے درمیان حاکم کے سامنے لُحان ہو جاوے تو یہ عورت اس مرد پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے جیسے حرمت رضاعت ابدی ہوتی ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے المتلاعنان لا یجتمعان ابداً، حرمت تو لُحان ہونے ہی سے ثابت ہو جاتی ہے لیکن عورت کو دوسرے شخص سے بعد عدت نکاح کرنا امام عظیمؒ کے نزدیک جب جائز



ہوگا جبکہ مرد طلاق دیدے یا زبان سے کہہ دے کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا اور اگر مرد ایسا نہ کرے تو حاکم قاضی ان دونوں میں تفریق کا حکم کر دیگا وہ بھی بحکم طلاق ہو جائے گا پھر عدت طلاق تین حیض پورے ہونے کے بعد عورت آزاد ہوگی اور دوسرے کسی شخص سے نکاح کر سکے گی (مظہری وغیرہ)

مسئلہ: جب بھان ہو چکا اس کے بعد اس محل سے جو بچہ پیدا ہو وہ اُسکے شوہر کی طرف منسوب نہیں ہوگا بلکہ اُس کی نسبت اُس کی ماں کی طرف کی جائیگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ اور عومیر عجلانی دونوں کے معاملات میں یہی فیصلہ فرمایا۔

مسئلہ: بھان کے بعد اگرچہ اُن میں جو جھوٹا ہے اُسکا عذاب آخرت پہلے سے زیادہ بڑھ گیا مگر دنیا کی سزا اس سے ساقط ہوگئی۔ اسی طرح دنیا میں اُس کو زانیہ اور بچے کو ولد الزنا کہنا بھی کسی کے لئے جائز نہیں ہوگا۔ ہلال ابن امیہ کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ میں حکم بھی فرمایا۔ وقصنی بان لا تؤمن ولا ولد لها۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِإِلْفِكَ عُصْبَةً مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم

جو لوگ لائے ہیں یہ طوفان تمہیں میں ایک جماعت ہیں تم اسکو نہ سمجھو بڑا اپنے حق میں

بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي

بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں ہر آدمی کے لئے اُن میں سے وہ ہے جتنا اُسے گناہ کمایا اور جس نے

تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝۱۱ كَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ

اٹھایا ہے اسکا بڑا بوجھ اس کے واسطے بڑا عذاب ہے کیوں نہ جب تم نے اسکو سنا تھا خیال کیا

الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَأْنُسِهِمْ خَيْرًا ۝۱۲ وَقَالُوا هَذَا إِلْفٌ مُّبِينٌ ۝۱۳

ہوتا ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں نے اپنے لوگوں پر بھلا خیال اور کہا ہوتا یہ صریح طوفان ہے

كَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةٍ شَهَادَةٍ ۝۱۴ فَاذْكُرُوا بِالْشَّهَادَةِ فَإِنِّي فَاوَلِيكَ

کیوں نہ لائے وہ اس بات پر چار شاہد پھر جب نہ لائے شاہد تو وہ لوگ

عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝۱۵ كَوْلَا فَضَّلُ اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ

اللہ کے یہاں وہی ہیں جھوٹے اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝۱۶ إِذْ

دنیا اور آخرت میں تو تم پر پڑتی اس پر چاکر نے میں کوئی آفت بڑی جب

تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ يَا فَوَهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَ

لینے لگے تم اسکو اپنی زبانوں پر اور بولنے لگے اپنے منہ سے جس چیز کی تم کو خبر نہیں اور



نَحْسِبُونَهُ هَيِّنًا ۖ وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ۝۱۵ وَكَوَلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ

تم کہتے ہو اسکو ہلکی بات اور یہ اللہ کے یہاں بہت بڑی ہے اور کیوں نہ جب تم نے اسکو سنا تھا

قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ هَذَا ۖ لَمْ نَكُنْ بِهَذَا لَهِتًا ۖ عَظِيمٌ ۝۱۶

کہا ہوتا ہم کو نہیں لائق کہ منہ پر لائیں یہ بات اللہ تو پاک ہے یہ تو بڑا بہتان ہے

يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝۱۷ وَيَبَيِّنُ

اللہ تم کو سمجھاتا ہے کہ پھر نہ کرو ایسا کام کبھی اگر تم ایمان رکھتے ہو اور کہوتا ہے

اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتُ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝۱۸ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ

اللہ تمہارے واسطے پتے کی باتیں اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا ہے جو لوگ چاہتے ہیں کہ

أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۹ فِي

چرچا ہو بدکاری کا ایمان والوں میں اُن کے لئے عذاب ہے دردناک دُنیا

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝۲۰ وَكَوَلَا فَضَّلُ

اور آخرت میں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے اور اگر نہ ہوتا اللہ

اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝۲۱ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

کافضل تم پر اور اس کی رحمت اور یہ کہ اللہ نرمی کرنے والا ہے ہر بان تو کیا کچھ نہ ہوتا اے ایمان

آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۖ وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ

دالو نہ چلو قدموں پر شیطان کے اور جو کوئی چلے گا قدموں پر شیطان کے

فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۖ وَكَوَلَا فَضَّلُ اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَ

سودہ تو یہی بتلائے گا بے حیائی اور بڑی بات اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور

رَحْمَتُهُ مَا زَكَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا ۖ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَنِ يَشَاءُ ۖ

اس کی رحمت تو نہ سنو تا تم میں ایک شخص بھی کبھی دیکھیں اللہ سنوارتا ہے جس کو چاہے

وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝۲۲ وَلَا يَأْتِلُ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ

اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے اور متم نہ کھائیں بڑے درجہ والے تم میں سے اور کشائش والے اس

يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ

پر کہ دیں قریبیوں کو اور محتاجوں کو اور وطن چھوڑنے والوں کو اللہ کی راہ میں

وَلِيَعْفُوا وَلِيَصْفَحُوا ۖ لَا تَجِبُونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ

اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے اور اللہ بخشنے والا ہے

رَحِيمٌ ۝۲۳ إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لَعِنُوا

مہربان جو لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت والیوں پر خبر ایمان والیوں کو انکو بھکاری ہے



فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ يَوْمَ تُشْهَدُ عَلَيْهِمْ

دُنیا میں اور آخرت میں اور اُن کے لئے ہے بڑا عذاب جس دن کہ ظاہر کر دیں گی

أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيُّدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَ مَيِّدٌ يُّوْقِيهِمُ

اُن کی زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں جو کچھ وہ کرتے تھے اُس دن پوری دے گا

اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾ الْخَبِيثَاتُ

اُن کو اللہ ان کی سزا جو چاہیے اور جان لیں گے کہ اللہ وہی ہے سچا کھولنے والا گندیاں ہیں

لِلْخَبِيثَاتِ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ

گندوں کے واسطے اور گندے واسطے گندیوں کے اور سھریاں ہیں سھروں کے واسطے اور سھرے واسطے

لِلطَّيِّبَاتِ أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٢٦﴾

سھریوں کے وہ لوگ بے تعلق ہیں ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں اُنکے واسطے بخشش ہے اور روزی ہے عزت کی

رَبِطَ آيَاتٍ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سورۃ نور کا بیشتر حصہ اُن احکام سے متعلق ہے جو عفت

عصمت کی حفاظت کے لئے جاری کئے گئے ہیں۔ اُنکے بالمقابل عفت و عصمت پر دست اندازی اور

اسکی خلاف ورزی کی دنیوی سزائیں اور اُن پر آخرت کا وبال عظیم ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں پہلے حد زنا

پھر حد قذف اور پھر بھان کا بیان آچکا ہے۔ حد قذف کے ضمن میں کسی پاکدامن عورت پر جب تک

چار گواہوں کی شہادت نہ ہو زنا کا الزام لگانا گناہ عظیم قرار دیا ہے اور ایسا کرنے والے کیلئے حد شرعی

اسی کوڑے لگانے کی جاری فرمائی ہے۔ یہ مسئلہ عام مسلمان پاکدامن عورتوں سے متعلق تھا۔ اور چونکہ

سلسلہ ہجری میں بعض منافقین نے ام المؤمنین حضرت صدیقہ عائشہؓ پر ایسی تہمت گھڑی تھی، اور

تقلیداً بعض مسلمان بھی اُسکا تذکرہ کرنے لگے تھے یہ معاملہ عام مسلمان پاکدامن عورتوں کے معاملہ

سے کہیں زیادہ اشد تھا اس لئے قرآن کریم نے حضرت صدیقہ عائشہؓ کی برائت اور پاکی کے بیان میں

اس جگہ دس آیتیں مذکورہ صدر نازل فرمائیں جنہیں حضرت صدیقہ کی برائت و زناہت کا اعلان اور اُن کے

معاملہ میں جن لوگوں نے افتراء و بہتان میں کسی طرح کا حصہ لیا تھا ان سب کو تنبیہ اور دنیا و آخرت

میں اُن کے وبال کا بیان ہے۔ یہ بہتان بندی کا واقعہ قرآن و حدیث میں واقعہ افک کے نام سے

شہور ہے۔ افک کہتے ہیں بدترین قسم کے جھوٹ و افتراء و بہتان کو۔ ان آیات کی تفسیر سمجھنے میں

قصہ افک کے معلوم ہونے کو بڑا دخل ہے اسلئے مناسب ہے کہ پہلے مختصر طور پر یہ قصہ بیان کر دیا جاوے۔

قصہ افک بہتان صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں یہ واقعہ غیر معمولی طویل تفصیل کیساتھ ذکر کیا

گیا اسکا مختصر بیان یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ بنی المصطلق میں جبکہ غزوہ مریض

بھی کہا جاتا ہے سلسلہ ہجری میں تشریف لے گئے تو اہبات المؤمنین میں سے حضرت صدیقہ عائشہؓ



ساتھ تھیں۔ حضرت عائشہؓ کا اونٹ جس پر ان کا ہودج (پردہ دار شغوف) ہوتا تھا اور چونکہ اُس وقت احکام پردہ کے نازل ہو چکے تھے تو معمول یہ تھا کہ صدیقہ عائشہؓ اپنے ہودج میں سوار ہو جاتیں پھر لوگ اُس ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیتے تھے۔ غزوہ سے فراغت اور مدینہ طیبہ کی طرف واپسی میں ایک روز یہ قصہ پیش آیا کہ ایک منزل میں قافلہ ٹھہرا آخر شب میں کوچ سے کچھ پہلے اعلان کیا گیا کہ قافلہ روانہ ہونے والا ہے تاکہ لوگ اپنی اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو کر تیار ہو جاویں۔ حضرت صدیقہ عائشہؓ کو قضاء حاجت کی ضرورت تھی اُس سے فراغت کے لئے جنگل کی طرف چلی گئیں وہاں اتفاق سے اُن کا ہار ٹوٹ کر گر گیا اس کی تلاش میں اُن کو دیر لگ گئی۔ جب واپس اپنی جگہ پہنچیں تو دیکھا کہ قافلہ روانہ ہو چکا ہے اُن کے اونٹ کا قصہ یہ ہوا کہ جب کوچ ہونے لگا تو عادت کے مطابق حضرت صدیقہ عائشہؓ کا ہودج یہ بچھ کر اونٹ پر سوار کر دیا گیا کہ حضرت صدیقہؓ اس میں موجود ہیں اٹھاتے وقت بھی کچھ شبہ اس لئے نہ ہوا کہ اُس وقت حضرت صدیقہؓ کی عمر کم اور بدن میں نحیف تھیں کسی کو یہ اندازہ ہی نہ ہوا کہ ہودج خالی ہے چنانچہ اونٹ کو ہانک دیا گیا۔ حضرت صدیقہؓ نے اپنی جگہ واپس کر قافلہ کو نہ پایا تو بڑی دانشمندی اور وقار و استقلال سے کام لیا کہ قافلہ کے پیچھے دوڑنے یا ادھر ادھر تلاش کرنے کے بجائے اپنی جگہ چادر اوڑھ کر بیٹھ گئیں اور خیال کیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور رفقاء کو یہ معلوم ہو گا کہ میں ہودج میں نہیں ہوں تو مجھے تلاش کرنے کے لئے یہاں پہنچیں گے، اگر میں ادھر ادھر کہیں اور گئی تو اُن کو تلاش میں مشکل ہوگی اس لئے اپنی جگہ پر چادر میں لپٹ کر بیٹھ رہیں۔ آخر رات کا وقت تھا نیند کا غلبہ ہوا وہیں لیٹ کر آنکھ لگ گئی۔

دوسری طرف قدرت نے یہ سامان کیا کہ حضرت صفوان بن معطل صحابی رض جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی خدمت کے لئے مقرر کیا ہوا تھا کہ وہ قافلہ کے پیچھے رہیں اور قافلہ روانہ ہونے کے بعد بگڑی پڑی کوئی چیز رہ گئی ہو تو اُس کو اٹھا کر محفوظ کر لیں۔ وہ صبح کے وقت اس جگہ پہنچے، ابھی روشنی پوری نہ تھی اسناد دیکھا کہ کوئی آدمی پڑا سو رہا ہے۔ قریب آئے تو حضرت صدیقہ عائشہؓ کو پہچان لیا کیونکہ انھوں نے پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے اُن کو دیکھا تھا۔ پہچاننے کے بعد انتہائی افسوس کے ساتھ اُن کی زبان سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاٰجِعُوْنَ نکلا، یہ کلمہ صدیقہؓ کے کان میں پڑا تو آنکھ کھل گئی اور چہرہ ڈھانپ لیا۔ حضرت صفوانؓ نے اپنا اونٹ قریب لا کر بٹھا دیا۔ حضرت صدیقہؓ اُس پر سوار ہو گئیں اور خود اونٹ کی نکیل پکڑ کر پیادہ پا چلنے لگے یہاں تک کہ قافلہ میں مل گئے۔ عبداللہ بن ابی براء حبیش منافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تھا اس کو ایک بات ہاتھ لگ گئی اور کم بخت نے وہی تباہی بکنا شروع کیا اور بعض بھولے بھالے مسلمان بھی سنی سنائی اُس کا تذکرہ کرنے لگے۔ جیسے حضرت حسانؓ حضرت مسطحؓ مردوں میں سے اور حضرت حمہؓ عورتوں میں سے



تفسیر در منشور میں بحوالہ ابن مردودہ حضرت ابن عباسؓ کا یہی قول نقل کیا ہے کہ اعات ۱۱۱  
عبداللہ ابن ابی حسان و مسطح و حمزہ -

جب اس منافق کے بہتان کا چرچا ہوا تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے سخت صدمہ  
پہنچا۔ صدیقہ عائشہؓ کو تو انتہائی صدمہ پہنچنا تھا ہر روزی ہے عام مسلمانوں کو بھی اس سے سخت رنج  
افسوس ہوا۔ ایک مہینہ تک یہی قصہ چلتا رہا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیقہؓ کی برارت اور  
بہتان باندھنے یا اس میں شریک ہونے والوں کی مذمت میں مذکورہ بالا آیات نازل فرمادیں جن کی  
تفسیر آگے آتی ہے۔ قرآنی ضابطہ کے مطابق جسکا ذکر ابھی حد قذف کے تحت میں آچکا ہے تہمت  
لگانے والوں سے شہادت کا مطالبہ کیا گیا وہ تو ایک بالکل ہی بے بنیاد خبر تھی گواہ کہاں سے آتے۔  
نتیجہ یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تہمت لگانے والوں پر شرعی ضابطہ کے مطابق حد قذف جاری  
کی، ہر ایک کو اسی اسی کوڑے لگائے۔ بزار اور ابن مردودہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت  
کیا ہے کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مسلمانوں پر حد قذف جاری فرمائی، مسطح و حمزہ  
حسانؓ۔ اور طبرانی نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس  
موقع پر عبداللہ بن ابی منافق جس نے اصل تہمت گھڑی تھی اس پر دو ہری حد جاری فرمائی پھر  
مؤمنین نے توبہ کر لی اور منافقین اپنے حال پر قائم رہے (بیان القرآن)

### خلاصہ تفسیر

(اے مسلمانو! تم جو صدیقہ عائشہؓ کے متعلق جھوٹی تہمت کی شہرت سے رنجیدہ ہو اس میں خود  
صدیقہؓ بھی داخل ہیں تو تم زیادہ غم نہ کرو کیونکہ) جن لوگوں نے یہ طوفان (حضرت صدیقہ عائشہؓ  
کی نسبت) برپا کیا ہے وہ تمہارے میں کا ایک (چھوٹا سا) گروہ ہے (کیونکہ تہمت لگانے والے  
مکمل چار تھے، ایک بالذات اور جھوٹی تہمت گھڑنے والا یعنی عبداللہ بن ابی منافق، اور تین  
بالواسطہ جو اسکی خبر سے متاثر ہو گئے یعنی حسان، مسطح و حمزہ جو مؤمن مخلص تھے ان سب کو  
قرآن نے (منکم) میں داخل کیا یعنی مسلمانوں میں، حالانکہ عبداللہ بن ابی منافق تھا اسکی وجہ انکا  
ظاہری دعوائے اسلام تھا۔ مطلب آیت کا تسلی دینا ہے کہ زیادہ غم نہ کرو، اذل تو خبر جھوٹی،  
پھر ناقل بھی مکمل چار ہی آدمی، اور زیادہ آدمی تو اسکے مخالف ہی ہیں پس عرفاً بھی یہ موجب زیادہ  
غم کا نہ ہونا چاہیے، آگے ایک اور طریقہ پر تسلی ہے کہ) تم اس (بہتان بندی) کو اپنے حق میں بُرا  
نہ سمجھو (گو ظاہر میں غم کی بات ہے مگر واقع میں اس سے تمہارا ضرر نہیں) بلکہ یہ (باعتبار انجام  
کے) تمہارے حق میں بہتر ہی بہتر ہے (کیونکہ اس غم سے تم کو صبر کا ثواب ملا، تمہارے دل سے



بڑے خصوصاً متہم حضرات کی برادرۃ کے لئے نصِ قطعی آئی اور آئندہ بھی مسلمانوں کے حق میں خیر ہے کہ ایسے مصیبت زدہ اس واقعہ سے تسلی حاصل کیا کریں گے پس مکھارا تو کوئی ضرر نہ ہوا البتہ ان پر چاکر نے دالوں کا ضرر ہوا کہ ان میں سے ہر شخص کو جتنا کسی نے کچھ کیا تھا گناہ ہوا (مثلاً زبان سے کہنے دالوں کو زیادہ گناہ اور سن کر خاموش رہ جانے دالوں کو یا دل سے بدگمانی کرنے دالوں کو اس کے موافق گناہ ہوا) اور ان میں جس نے اس (بہتان) میں سب سے بڑا حصہ لیا کہ اسکو اختراع کیا مراد اس سے عبد اللہ بن ابی منافق ہے) اس کو (سب سے بڑھ کر) سخت سزا ہوگی (مراد اس سے جہنم ہے جس کا استحقاق پہلے سے بوجہ کفر و نفاق و عداوت رسول کے بھی تھا اب اور زیادہ سزا کا مستحق ہو گیا، یہ تو غم زدوں کے ضرر کی نفی اور بہتان باندھنے دالوں کے ضرر کا اثبات تھا آگے انہیں جو مؤمنین تھے اُن کو ناصحانہ ملامت ہے کہ) جب تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو مسلمان مردوں (جن میں حسان و سبط بھی آگئے) اور مسلمان عورتوں نے (جن میں جمنہ بھی آگئیں) اپنے آپس دالوں کیساتھ (یعنی حضرت صدیقہؓ اور ان صحابی کے ساتھ دل سے) گمان نیک کیوں نہ کیا اور (زبان سے) یہ کیوں نہ کہا کہ یہ صریح جھوٹ ہے جیسا کہ اُدّٰی منشور میں ابو ایوبؓ اور اُن کی زوجہ کا یہی قول مروی ہے اس میں بہتان باندھنے دالوں کے ساتھ وہ بھی شامل ہیں جو سن کر خاموش رہے یا شک میں پڑ گئے ان سب پر بھی ملامت ہے جن میں عام مؤمنین و مؤمنات بھی داخل ہو گئے۔ آگے اس تہمت کو رد کرنے اور نیک گمان رکھنے کے وجوب کی وجہ ارشاد ہے کہ) یہ (بہتان لگانے والے) لوگ اس (اپنے قول) پر چار گواہ کیوں نہ لائے (جو کہ اثباتِ زنا کے لئے شرط ہے) سو جس حالت میں یہ لوگ گواہ (موافق قاعدہ کے) نہیں لائے تو بس اللہ کے نزدیک (جو قانون ہے اس کے اعتبار سے) یہ جھوٹے ہیں (یہ آگے بہتان لگانے دالوں میں جو مؤمن تھے اُن پر بھی رحمت کا ذکر ہے) اور اگر (لے حسان و سبط و جمنہ) تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا دُنیا میں (بھی کہ توبہ کی مہلت دی) اور آخرت میں (بھی کہ توبہ کی توفیق دی اور اس کو قبول بھی کر لیا اگر یہ نہ ہوتا) تو جس شغل میں تم پڑے تھے اکھیں تم پر سخت عذاب آتے ہوتا (جیسا عبد اللہ بن ابی تکو بوجہ عدم توبہ کے ہو گا گو اس وقت مہلت دُنیا میں اسکو بھی دیدی گئی مگر مجموعہ دارین میں رحمت نہیں ہے اور اس سے معلوم ہو گیا کہ صحابہؓ مقبول التوبہ اور پاک ہو کر آخرت میں مرحوم ہیں اور علیکم میں خطاب مؤمنین کو ہونے کا قرینہ ادلاً اور پر کی آیت میں یہ ارشاد ہے ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ ثَانِيًا فِي الْأَخِرَةِ فرمانا کہ منافق تو آخرت میں جہنم کے درک اسفل یعنی نچلے طبقہ کا مستحق ہے وہ یقیناً مرحوم فی الآخرۃ نہیں ہو سکتا۔ ثالثاً آگے لَعِظْتُمْ لَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ میں طبرانی نے ابن عباسؓ کا قول نقل کیا یہیں مسطح و حمۃ و حسانا۔ کذا فی الدرامنثور یعنی لَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ کے مخاطب صرف تین مؤمن ہیں۔ یعنی



مُطَّحٌ، حَمَنٌ، حَسَانٌ۔ آگے اسکا بیان ہے کہ مومنین پر اگر اللہ کا خاص فضل نہ ہوتا کہ انکو توبہ کی توفیق دی اور توبہ بھی کر لی تو جو کام انہوں نے کیا تھا وہ اپنی ذات میں عذابِ عظیم کا موجب تھا فرمایا (جبکہ تم اس (جھوٹ بات) کو اپنی زبانوں سے نقل درنقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی تم کو کسی دلیل سے) مطلق خبر نہیں (اور ایسی خبر کے ناقل کا کاذب ہونا فَادْلِكُمْ عِنْدَ اللَّهِ لَكِذِبُونَ میں بیان ہو چکا ہے) اور تم اسکو ہلکی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات (یعنی موجب گناہِ عظیم) تھی (اول تو کسی پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت خود بڑی معصیت ہے پھر وہ بھی کون، ازواجِ مطہرات میں سے کہ ان پر تہمت لگانا جنابِ سولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا کا سبب بنا۔ پس اس میں بہت سے اسبابِ معصیت کے جمع تھے) اور تم نے جب اس (بات) کو (اول) سنا تھا تو یوں کیوں نہ کہا کہ ہم کو زبیر یا نہیں کہ ایسی بات منہ سے بھی نکالیں۔ معاذ اللہ یہ تو بڑا بہتان ہے (جیسا کہ بعض صحابہ نے اسی طرح کہا تھا جیسا کہ سعد بن معاذ و زید بن حارثہ و ابی ایوب سے اسی طرح کا قول منقول ہے اور زائد کی نفی نہیں ہے ممکن ہے ان بہتوں نے کہا ہو۔ مطلب یہ کہ قاذبین اور ساکتین سب کو یہی کہنا چاہئے تھا۔ یہاں تک تو ماضی پر ملامت تھی اب مستقبل کے لئے نصیحت ہے جو کہ اصل مقصود ہے ملامت کا پس ارشاد ہے کہ) اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ پھر ایسی حرکت مت کرنا اگر تم ایمان والے ہو اور اللہ تعالیٰ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے (جس میں نصیحت اور حدِ قذف اور قبولِ توبہ جو اوپر مذکور ہو چکے ہیں سب داخل ہیں) اور اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا حکمت والا ہے (تمہارے دل کی ندامت کا حال بھی اس کو معلوم ہے اس لئے توبہ قبول کر لی اور سیاست کی حکمت بھی خوب جانتا ہے اس لئے تمہیں سیاستِ دنیا میں سزا دی گئی بھلا فتنہ ابن عباس رواہ فی اللہ۔ یہاں تک نزولِ برائۃ سے قبل تہمت کا تذکرہ کرنے والوں کا ذکر تھا۔ آگے ان کا ذکر ہے جو قرآن میں نزولِ برائۃ کے بعد بھی باز نہ آویں اور ظاہر ہے ایسا شخص بے ایمان ہی ہو گا پس ارشاد ہے) جو لوگ (بعد نزولِ ان آیات کے بھی) چاہتے ہیں (یعنی اسکی کوشش عملی کرتے ہیں) کہ بے حیائی کی بات کا مسلمانوں میں چرچا ہو (یعنی یہ خبر شائع ہو کہ ان مسلمانوں میں بے حیائی کی بات ہے۔ حاصل مطلب یہ کہ جو لوگ ان حضراتِ مقدسین کی طرف زنا کی نسبت کرتے ہیں) ان کے لئے دنیا و آخرت میں سزائے دردناک (مقرر) ہے اور (اس امر پر سزا کا تعجب مت کرو کیونکہ) اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون معصیت (کس درجہ کی ہے) اور تم (اسکی حقیقت پوری) نہیں جانتے (رواہ فی اللہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما) آگے ان لوگوں کو خطاب ہے جنہوں نے توبہ کر لی اور اس پر آخرت کے عذابِ عظیم سے محفوظ ہو گئے (اور) اے تائبین! اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے (جس نے تم کو توفیقِ توبہ کی دی) اور



یہ کہ اللہ بڑا شفیق بڑا رحیم ہے (جس نے تمہاری توبہ قبول کر لی) تو تم بھی (اس وعید سے) نہ بچتے (آگے مسلمانوں کو اپنی رحمت سے بلا تخصیص اس معصیت مذکورہ کے تمام معاصی سے احتراز رکھنے کا امر اور تزکیہ بالتوبہ کی تصریح ہے جو اہتمام کے واسطے بعنوانات مختلفہ مکرر ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ) اے ایمان والو تم شیطان کے قدم بقدم مت چلو (یعنی اس کے اغوار و اضلال پر عمل مت کرو) اور جو شخص شیطان کے قدم بقدم چلتا ہے تو وہ (ہمیشہ ہر شخص کو) بے حیائی اور نامحقوق ہی کام کرنے کو کہے گا (جیسا اس واقعہ انکس میں تم نے دیکھ لیا) اور (شیطان کے قدم بقدم چل چلنے کے اور گناہ سمیٹ لینے کے بعد اس کے وبال و ضرر سے جو کہ ثابت ہو ہی چکا تھا نجات دیدینا یہ بھی ہمارا ہی فضل تھا ورنہ) اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کبھی بھی (توبہ کر کے) پاک صاف نہ ہوتا (یا تو توبہ کی توفیق ہی نہ ہوتی جیسا منافقین کو نہ ہوئی اور یا توبہ قبول نہ کی جاتی، کیونکہ ہم پر کوئی چیز واجب تو ہے نہیں) لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے (توبہ کی توفیق دے کر) پاک صاف کر دیتا ہے (اور بعد توبہ کے اپنے فضل سے وعدہ قبولیت کا بھی فرمایا ہے) اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سُنّتا سب کچھ جانتا، (پس تمہاری توبہ سُن لی اور تمہاری ندامت جان لی اس لئے فضل فرما دیا۔ آگے اسکا بیان ہے کہ بعد نزول آیات برائۃ کے بعض صحابہ نے (جنہیں ابوبکر صدیقؓ بھی ہیں، رواہ البخاری اور دوسرے صحابہ بھی ہیں۔ کذا فی الدر المنثور عن ابن عباسؓ) شدت غیظ میں قسم کھالی کہ جس جس نے یہ چرچا کیا ہے جن میں حاجتمند بھی تھے اُن کو اب سے کسی قسم کی مالی امداد نہ دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی عفو و تقصیر اور امداد جاری کر دینے کے لئے ارشاد فرماتے ہیں) اور جو لوگ تم میں (نبیؐ بزرگی اور نبویؐ) وسعت الہیہ ہوں قرآن کو اور مساکین کو اور اللہ کی راہ میں ہجرت والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں (یعنی اس قسم کے مقتضی پر قائم نہ رہیں بلکہ توڑ ڈالیں یہ مطلب ہے ورنہ قسم تو ہو ہی چکی تھی، یعنی ان صفات کا مقتضی ہے امداد کرنا خصوصاً جس میں کوئی سبب امداد کرنے کا ہو جیسے حضرت مسیحؑ کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے نزدیک کے رشتہ دار بھی ہیں اور مسکین اور مہاجر بھی ہیں، آگے ترغیب کے لئے فرماتے ہیں کہ) اور چاہئے کہ یہ عاف کیوں امداد نہ کریں کیا تم یہ بات نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تصور معاف کر دے (سو تم بھی اپنے قصور واروں کو معاف کر دو) بیشک اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے (سو تم کو بھی تخلّق باخلاق الہیہ چاہئے) آگے منافقین کی وعید کی تفصیل ہے جسکا ادھر اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ الْحَیْوَں میں اجمالاً ذکر تھا یعنی (جو لوگ) (بعد نزول آیات کے بدکاری کی) تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں کو جو پاکدامن ہیں (اور) ایسی باتوں (کے کرنے اور اسکے ارادے) سے (بھی محض) بے خبر ہیں (اور) ایمان والیاں ہیں (اور جن کی برائۃ نصرت سران سے ثابت ہو چکی ہے اور جمع لانا اسلئے ہے کہ سب ازواج مطہرات کو شامل ہو جائے کہ الطبیات سے سب کی طہارت ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگ جو ایسی مطہرات کو متہم کریں کا فرار اور



منافق ہی ہو سکتے ہیں) ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی جاتی ہے (یعنی خدا تعالیٰ کی رحمت خاصہ سے دارین میں بوجہ کفر کے دور ہونگے) اور ان کو (آخرت میں) بڑا عذاب ہوگا جس روز ان کی خلاف ان کی زبانیں گواہی دیں گی اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں بھی (گواہی دیں گے) ان کاموں کی جو کہ یہ لوگ کیا کرتے تھے (مثلاً زبان کہے گی کہ اس نے میرے ذریعہ سے فلاں فلاں کفر کی بات کی۔ اور ہاتھ پاؤں کہیں گے کہ اس نے ترمیم کفریات کے لئے یوں رنگا پوکی) اس روز اللہ تعالیٰ ان کو انکا واجب بدلہ پورا پورا دیگا اور (اس روز ٹھیک ٹھیک) ان کو معلوم ہوگا کہ اللہ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا (اور) بات (کی حقیقت) کو کھول دینے والا ہے (یعنی اب تو بوجہ کفر کے اس بات کا اعتقاد انکو کماحقہ نہیں مگر قیامت کے روز معلوم ہو جاوے گا اور یہ معلوم کر کے بالکل نجات سے مایوس ہو جائیں گے، کیونکہ ان کے مناسب فیصلہ عذاب ابدی ہے یہ آیتیں غیر تائبین کے بارے میں ہیں جو نزل آیات برارت کے بعد بھی اعتقاد تہمت سے باز نہیں آئے۔ تائبین کو فضل اللہ و رحمۃ اللہ میں مرحوم دارین فرمایا اور غیر تائبین کو لعنتوں میں ملعون دارین فرمایا۔ تائبین کو لَمْ تَشْكُوفِي مَا أَفْضَحْتُ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ میں عذاب کے محفوظ بتلایا تھا اور غیر تائبین کو لَمْ تَشْكُوفِي مَا أَفْضَحْتُ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ میں عذاب کے محفوظ بتلایا۔ تائبین کے لئے إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ میں بشارت عفو و غفران یعنی ستر معصیت کی فرمائی تھی اور غیر تائبین کے لئے تَشْهَدُ اور يُؤْفِكُہُمْ میں وعید عدم عفو اور فضیحت کی فرمائی۔ تائبین کو مَا زَكَا يَنْكُحُہُمْ میں طاہر بتلایا تھا غیر تائبین کو اگلی آیت میں خبیث فرمایا جس میں مضمون برادر استدلال کر کے قصہ کو ختم فرمایا ہے یعنی یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں اور ستھری عورتیں ستھرے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لائق ہوتے ہیں (ایک مقدمہ تو یہ ہوا اور دوسرا مقدمہ ضروریات سے ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز آپ کے لائق اور مناسب ہی دی گئی ہے اور وہ ستھری ہی چیزیں ہیں تو ضرور اس مقدمہ ضروریہ کے اعتبار سے آپ کی بی بی بھی ستھری ہیں اور ان کے ستھرے ہونے سے اس تہمت خاص سے حضرت صفوان کا منزرہ ہونا بھی لازم آیا اسی لئے آگے فرماتے ہیں کہ) یہ اس بات سے پاک ہیں جو یہ (منافق) بکتے پھرتے ہیں ان (حضرات) کے لئے (آخرت میں) مغفرت اور عزت کی روزی (یعنی جنت) ہے۔

## معارف و مسائل

حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے خصوصی فضائل | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے آپ کے خلاف اپنی کمالات اور قصہ افک کا کچھ بقیہ ساری ہی تدبیریں صرف کر ڈالیں اور آپ کو ایذا پہنچانے کی



جو جو صورتیں کسی کے ذہن میں آ سکتی تھیں وہ سبھی جمع کی گئیں۔ کفار کی طرف سے جو ایذا میں آپ کو پہنچی ہیں ان میں شاید یہ آخری سخت اور روحانی ایذا تھی کہ ازواجِ مطہرات میں سب سے زیادہ عالمِ دُعا منسل اور مقدس ترین اُم المؤمنین صدیقہ عائشہؓ پر اور ان کے ساتھ حضرت صفوان بن معطلؓ جیسے مقدس صحابی پر عبد اللہ ابن ابی منافق نے تہمت گھڑی۔ منافقین نے اس کو رنگ دینے اور پھیلایا۔ اس میں سب سے زیادہ رنج وہ یہ بات ہوئی کہ چند سیدھے سادے مسلمان بھی ان کی سازش سے متاثر ہو کر تہمت کے تذکرے کرنے لگے۔ اس بے اصل دُبے دلیل ہوئی تہمت کی چند روز میں خود ہی حقیقت کھل جاتی مگر اُم المؤمنینؓ کو اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اس تہمت سے روحانی ایذا پہنچتی تھی حق تعالیٰ نے اُسکے ازالہ اور صدیقہؓ کی برارت کے لئے وحی الہی کے کسی اشارہ پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ قرآن کے تقریباً دو رکوع ان کی برارت میں نازل فرمائے۔ اور جن لوگوں نے یہ تہمت گھڑی یا جن لوگوں نے اسکے تذکرے میں حصہ لیا ان سب پر عذابِ دنیا و آخرت کی ایسی وعیدیں بیان فرمائیں کہ شاید اور کسی موقع پر ایسی وعیدیں نہیں آئیں۔

در حقیقت اس واقعہ افک نے حضرت صدیقہ عائشہؓ کی عفت و تقدس کے ساتھ ان کی اعلیٰ عقل و فہم کے کمالات کو بھی روشن کر دیا۔ اسی لئے اس واقعہ میں جو آیات اُدھر مذکور ہوئیں ان میں سے پہلی آیت میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس حادثہ کو اپنے لئے مشرئہ سمجھو بلکہ یہ تمھارے لئے خیر ہے اس سے بڑی خیر کیا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے دس آیات میں ان کی پاکی اور نزاہت کی شہادت دی جو قیامت تک تملادت کی جائے گی۔ خود صدیقہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے اپنی جگہ یہ تو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری صفائی اور برارت ظاہر فرمادیں گے مگر میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتی تھی کہ میرے معاملہ میں قرآن کی آیات نازل ہو جاویں گی جو ہمیشہ بڑھی جاویں گی۔ اس جگہ واقعہ کی کچھ مزید تفصیل جان لینا بھی آیات کے سمجھنے میں معین ہو گا اسلئے اسکو مختصراً لکھا جاتا ہے۔

اس سفر سے واپس آنے کے بعد حضرت صدیقہؓ نے اپنے گھر یلو کاموں میں مشغول ہو گئیں ان کو کچھ خبر نہیں تھی کہ منافقین نے ان کے بارے میں کیا خبریں اڑائی ہیں۔ صحیح بخاری کی روایت میں خود حضرت صدیقہؓ کا بیان یہ ہے کہ سفر سے واپسی کے بعد کچھ میری طبیعت خراب ہو گئی اور سب سے بڑی وجہ طبیعت خراب ہونے کی یہ ہو گئی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ لطف کرم اپنے ساتھ نہ دیکھتی تھی جو ہمیشہ سے معمول تھا بلکہ اس عرصہ میں آپؐ کا معاملہ یہ رہا کہ گھر میں تشریف لاتے اور سلام کرتے پھر پوچھ لیتے کیا حال ہے اور واپس تشریف لیجاتے تھے۔ مجھے چونکہ اسکی کچھ خبر نہ تھی کہ میرے بارے میں کیا خبر مشہور کی جا رہی ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم



کے اس طرز عمل کا راز مجھ پر نہ کھلتا تھا۔ میں اسی غم میں گھلنے لگی۔ ایک روز اپنی کمزوری کی وجہ سے مسطح صغابی کی والدہ اُمّ مسطح کو ساتھ لیکر میں نے قضاء حاجت کے لئے باہر جائیکا ارادہ کیا کیونکہ اسوقت گھروں میں بیت الخلاء بنانے کا رواج نہ تھا۔ جب میں قضاء حاجت سے فارغ ہو کر گھر کی طرف آنے لگی تو اُمّ مسطح کا پاؤں اُن کی بڑی چادر میں الجھا اور یہ گر پڑیں۔ اسوقت اُنکی زبان سے یہ کلمہ نکلا تَعَسَّ مَسْطَحٌ بِیْہِ اِیْسَا کَلِمَہ ہے جو عرب میں بددعا کے لئے استعمال ہوتا ہے اس میں ماں کی زبان سے اپنے بیٹے مسطح کے لئے بددعا کا کلمہ سن کر صدیقہ عائشہؓ کو تعجب ہوا۔ ان سے فرمایا کہ یہ بہت بُری بات ہے تم ایک نیک آدمی کو برا کہتی ہو جو غزوہ بدر کا شریک تھا یعنی ان کا بیٹا مسطح، اُمّ مسطح نے تعجب سے کہا کہ بیٹی کیا تم کو خبر نہیں کہ مسطح میرا بیٹا کیا کہتا پھرتا ہے۔ میں نے پوچھا وہ کیا کہتا ہے تب اُن کی والدہ نے مجھے یہ سارا واقعہ اہل افک کی چلائی ہوئی تہمت کا اور مسطح کا اس میں شریک ہونا بیان کیا۔ صدیقہ فرماتی ہیں کہ یہ سن کر میرا مرض دوگنا ہو گیا۔ جب میں گھر میں واپس آئی اور حسب معمول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے سلام کیا اور مزاج پُرسی فرمائی تو صدیقہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ اپنے والدین کے گھر چلی جاؤں۔ آپ نے اجازت دیدی۔ منشاء یہ تھا کہ والدین سے اس معاملہ کی تحقیق کریں۔ میں نے جا کر والدہ سے پوچھا، انھوں نے تسلی دی کہ تم جیسی عورتوں کے دشمن ہوا کرتے ہیں اور ایسی چیزیں مشہور کیا کرتے ہیں تم اسکے غم میں نہ پڑو خود بخود معاملہ صاف ہو جاوے گا۔ میں نے کہا، سُبحان اللہ! لوگوں میں اسکا چرچا ہو چکا میں اس پر کیسے صبر کروں۔ میں ساری رات روتی رہی، نہ میرا آسوتا تھا نہ آنکھ لگی۔ دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس خبر کے پھیلنے سے سخت غمگین تھے اور اس عرصہ میں اس معاملے کے متعلق کوئی وحی بھی آپ پر نہ آئی تھی اسلئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اسامہ بن زیدؓ جو دونوں گھر کے ہی آدمی تھے ان سے مشورہ لیا کہ ایسی حالت میں مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے تو گھل کر عرض کیا کہ جہاں تک ہمارا علم ہے ہمیں عائشہؓ کے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں۔ اُنکی کوئی بات ایسی نہیں جس سے بدگمانی کی راہ پیدا ہو۔ آپ ان افواہوں کی کچھ پرواہ نہ کریں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہؓ نے (آپ کو غم و اضطراب سے بچانے کے لئے) یہ مشورہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کچھ تنگی نہیں فرمائی اگر افواہوں کی بنا پر عائشہؓ کی طرف سے کچھ تکذّر طبعی ہو گیا ہے تو عورتیں اور بہت ہیں۔ اور آپ کا یہ تکذّر اس طرح بھی رفع ہو سکتا ہے کہ بریرہؓ جو صدیقہ عائشہؓ کی کنیز ہیں اُن سے انکے حالات کی تحقیق فرمالیجئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہؓ سے پوچھ کچھ فرمائی بریرہؓ نے عرض کیا کہ اور تو کوئی بات عیب کی مجھے ان میں نظر نہیں آئی بجز اسکے کہ تو عمر لڑکی ہیں بعض اوقات آٹا گوندھ کر رکھ دیتی ہیں خود سو جاتی ہیں بکری اگر آٹا



کھا جاتی ہے) اسکے بعد حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ فرمایا اور برسرِ منبر تہمت گھڑنے والوں اور افواہ پھیلانے والوں کی شکایت کا ذکر فرمایا اور طویل قصہ مذکور ہے۔ آگے کا مختصر قصہ یہ ہے کہ) صدیقہ فرماتی ہیں کہ مجھے یہ سارا دن پھر دوسری رات بھی مسلسل روتے ہوئے گزری میرے والدین بھی میرے پاس آگئے تھے وہ ڈر رہے تھے کہ رونے سے میرا کلیجہ پھٹ جائیگا۔ میرے والدین میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرے پاس بیٹھ گئے اور جب یہ قصہ چلا تھا اس سے پہلے آپ میرے پاس آکر نہ بیٹھے تھے پھر آپ نے ایک مختصر خطبہ شہادت پڑھا اور فرمایا اے عائشہ مجھے تمہارے بار میں یہ باتیں پہنچی ہیں۔ اگر تم بری ہو تو ضرور اللہ تعالیٰ تمہیں بری کر دینگے (یعنی برائت کا اظہار بذریعہ وحی فرما دینگے) اور اگر تم سے کوئی لغزش ہو گئی ہے تو اللہ سے توبہ استغفار کرو کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کر کے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کلام پورا فرمایا تو میرے آنسو بالکل خشک ہو گئے، میری آنکھوں میں ایک قطرہ نہ رہا۔ میں نے اپنے والد ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیجئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عذر کیا کہ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ جواب دیجئے انہوں نے بھی عذر کر دیا کہ میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ اب مجبور ہو کر مجھے ہی بولنا پڑا، میں ایک کم عمر لڑکی تھی اب تک قرآن بھی زیادہ نہیں پڑھ سکی تھی۔ اسوقت اس رنج و غم اور انتہائی صدمہ کی حالت میں جبکہ اچھے اچھے عقلا کو بھی کوئی معقول کلام کرنا آسان نہیں ہوتا حضرت صدیقہؓ نے جو کچھ فرمایا وہ ایک عجیب و غریب عاقلانہ فاضلانہ کلام ہے اسکے الفاظ بعینہ لکھے جاتے ہیں۔

وَاللّٰهُ لَقَدْ عَرَفَتْ لَقَدْ سَمِعْتُمْ هٰذَا  
الْحَدِيثَ حَتّٰی اسْتَقَرَّتْ فِیْ اَنْفُسِكُمْ  
وَصَدَقْتُمْ بِهَا وَلَئِنْ قُلْتُ لَكُمْ  
اَنْیَ بَرِیْئَةٍ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اَنْیَ بَرِیْئَةٍ  
لَا تَصْدُقُوْنِیْ وَكَانَ اعْتَرَفْتُ لَكُمْ  
بَاَمْرِیْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اَنْیَ مِنْهُ بَرِیْئَةٍ  
لَتَصْدُقُوْنِیْ وَاللّٰهُ لَا اُجَدِلٰی وَلَكُمْ  
مَثَلًا اِلَّا كَمَا قَالَ اَبُو یُوسُفَ فَصَلِّ  
جَمِیْلًا وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ

مجھ کو معلوم ہو گیا ہے کہ آپ نے اس بات کو سنا اور سُننے رہے یہاں تک کہ آپ کے دل میں بیٹھ گئی اور آپ نے اسکی (عملاً) تصدیق کر دی۔ اب اگر میں یہ کہتی ہوں کہ میں اس سے بری ہوں جیسا کہ اللہ جانتا ہے کہ واقع میں بری ہوں تو آپ میری تصدیق نہ کرینگے اور اگر میں ایسے کام کا اعتراف کروں جس سے میرا بری ہونا اللہ تعالیٰ جانتا ہے تو آپ میری بات مان میں گئے۔ واللہ اب میں اپنے اور آپ کے معاملہ کی کوئی مثال بجز اسکے نہیں پاتی جو یوسف علیہ السلام کے والد یعقوبؑ علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کی غلط بات سُن کر فرمائی تھی کہ میں صبر جمیل اختیار کرتا ہوں اور اللہ سے اُس معاملہ میں مدد طلب کرتا ہوں جو تم بیان کر رہے ہو۔



صدقہ فرماتی ہیں کہ اتنی بات کر کے میں الگ اپنے بستر پر جا کر لیٹ گئی اور فرمایا کہ مجھے یقین تھا کہ جیسا کہ میں فی الواقع بری ہوں اللہ تعالیٰ میری برائت کا اظہار بذریعہ وحی ضرور فرما دیں گے۔ لیکن یہ وہم و خیال بھی نہ تھا کہ میرے معاملے میں قرآن کی آیات نازل ہونگی جو ہمیشہ تلاوت کی جاوے گی کیونکہ میں اپنا مقام اس سے بہت کم محسوس کرتی تھی۔ ہاں یہ خیال تھا کہ غالباً آپ کو خواب میں میری برائت ظاہر کر دیا دے گی۔ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس مجلس سے ابھی نہیں اٹھے تھے اور گھروالوں میں بھی کوئی نہیں اٹھا تھا کہ آپ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو نزول وحی کے وقت ہوا کرتی تھی جس سے سخت سردی کے زمانے میں آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ پھوٹنے لگتا تھا جب یہ کیفیت رفع ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے ہوئے اٹھے اور سب سے پہلا کلمہ جو فرمایا وہ یہ تھا ابشری یا عائشہ امان اللہ فقد ابرأک یعنی اے عائشہ! خوشخبری سنو اللہ تعالیٰ نے تو تمہیں بری کر دیا۔ میری والدہ نے کہا کہ کھڑی ہو جاؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو رہیں نے کہا کہ نہ میں اس معاملہ میں اللہ کے سوا کسی کا احسان مانتی ہوں نہ کھڑی ہوں گی میں اپنے رب کی شکر گزار ہوں کہ اُسی نے مجھے بری فرمایا۔

حضرت صدیقہ کی | امام بخاری نے انہیں آیات کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی چند خصوصیات کی چند خصوصیات ایسی ہیں جو ان کے علاوہ کسی دوسری عورت کو نصیب نہیں ہوئیں اور صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی (بطور حدیث بالنعمة) ان چیزوں کو فخر کے ساتھ بیان فرمایا کرتی تھیں ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے جبریل امین ایک شبی کپڑے میں میری تصویر لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا کہ یہ تمہاری زوجہ ہے (رواہ الترمذی عن عائشہ) اور بعض روایات میں ہے کہ جبریل امین اپنی ہتھیلی میں یہ صورت لیکر تشریف لائے تھے۔

دوسری یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوا کسی کنواری لڑکی سے نکاح نہیں کیا۔ تیسری یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اُنکی گود میں ہوئی۔ چوتھی یہ کہ بیت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی میں آپ مدفون ہوئے۔ پانچویں یہ کہ آپ پر اس وقت بھی وحی نازل ہوتی تھی جبکہ آپ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک لحاف میں ہوتے تھے دوسری کسی بی بی کو یہ خصوصیت حاصل نہ تھی۔ چھٹی یہ کہ آسمان سے اُن کی برائت نازل ہوئی۔ ساتویں یہ کہ وہ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں اور صدیقہ ہیں اور اُن میں سے ہیں جن سے دُنیا ہی میں مغفرت کا اور رزقِ کریم کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ (مظہری)

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فقیہانہ اور عالمانہ تحقیقات اور فاضلانہ تقریر کو دیکھ کر حضرت موسیٰ بن طلحہ نے فرمایا کہ میں نے صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ فصیح و بلیغ نہیں دیکھا۔ (رواہ الترمذی)



تفسیر قرطبی میں نقل کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹے بچے کو گویائی دیکر اُس کی شہادت سے اُن کی برارت ظاہر فرمائی اور حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے اُنکے فرزند عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت سے اُن کو بری کیا اور حضرت صدیقہ عائشہؓ پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی دس آیات نازل کر کے اُن کی برارت کا اعلان کیا، جس نے اُن کے فضل و عزت کو اور بڑھا دیا۔

آیات مذکورہ کی اجمالی تفسیر خلاصہ تفسیر کے عنوان میں آچکی ہے اب آیات کے خاص خاص جملوں سے متعلق کچھ مباحث ہیں وہ دیکھئے۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِآلِ فُلَيْحٍ عِصْيَةٍ يُقَتَّلُونَ، اِفْكَ کے اصلی لغوی معنی پلٹ دینے اور بدل دینے کے ہیں۔ بدترین قسم کا جھوٹ جو حق کو باطل سے اور باطل کو حق سے بدل دے پاکباز متقی کو فاسق، فاسق کو متقی پر ہیزگار بنادے اس جھوٹ کو بھی افک کہتے ہیں۔ عِصْيَةٍ کے معنی جماعت کے ہیں جو دُش سے چالیں تک ہو، اس سے کم و بیش کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے مَنكَوْدٌ سے مراد مؤمنین ہیں۔ اس تہمت کا اصل گھرنے والا اگرچہ مسلمان نہیں بلکہ منافق عبد اللہ بن ابی تھا جو مؤمنین میں داخل نہیں مگر منافقین جو دعویٰ اسلام کا کرتے تھے اُن پر بھی ظاہری احکام مؤمنین کے جاری ہوتے تھے اسلئے مَنكَوْدٌ کے لفظ میں اسکو بھی شامل کر لیا گیا۔ مسلمانوں میں سے دو مرد اور ایک عورت اسمیں مبتلا ہوئے جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات نازل ہونے کے بعد حدِ قذف جاری فرمائی حکماً متساویاً۔ مگر مؤمنین سب تائب ہو گئے اور اللہ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی انہیں اسے حضرت حسانؓ اور شطحؓ دونوں شرکائے بد میں سے ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مغفرت کا اعلان فرما دیا ہے۔ اسی لئے حضرت صدیقہ عائشہؓ کے سامنے کوئی حضرت حسانؓ کی بُرائی کرتا تو وہ پسند نہ کرتی تھیں اگرچہ یہ بھی اُن دو مردوں میں شامل تھے جن پر حدِ قذف لگائی گئی تھی اور صدیقہؓ فرماتی تھیں کہ حسانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کفار کا شاعرانہ مقابلہ خوب کیا ہے اسلئے ان کو بُرا نہیں کہنا چاہیے۔ اور وہ جب صدیقہ عائشہؓ کے پاس حاضر ہوتے تو اُن کو تعظیمِ تکریم کے ساتھ بٹھاتی تھیں۔ (منظہری وغیرہ)

لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُمُ، یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیقہ عائشہؓ اور عفو انؓ اور تمام مؤمنین کو ہے جن کو اس افواہ کی اشاعت سے صدمہ پہنچا۔ اور معنی یہ ہیں کہ اس واقعہ کو آپ بُرا نہ سمجھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں برارت نازل فرما کر ان کا اعزاز اور بڑھا دیا۔ اور جن لوگوں نے یہ حرکات کی تھیں اُن کی وعید شدید نازل فرمادی جو قیامت تک محرابوں میں پڑھی جائے گی۔



لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ، یعنی جن لوگوں نے اس بہتان میں جناحہ  
 لیا اُسی مقدار سے اسکا گناہ کھا گیا ہے اور اُسی تناسب سے اُس کو عذاب ہوگا۔ جس نے یہ خبر گھڑی  
 اور چلتی کی جسکا ذکر آگے آتا ہے وہ سب سے زیادہ عذاب کا مستحق ہے، جس نے خبر سنکر تائید کی وہ  
 اُس سے کم، جس نے سنکر سکوت کیا وہ اُس سے کم۔

وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ، لفظ کِبْر بکسر الکاف کے معنی بڑے کے  
 ہیں مراد یہ ہے جس نے اس تہمت میں بڑا کام کیا یعنی اسکو گھڑا اور چلتا کیا اسکے لئے عذاب عظیم ہے  
 مراد اس سے عبد اللہ بن ابی منافق ہے (رواہ البغوی وغیرہ)

كُلًّا إِذَا مَعَ مَوْءُوذٍ ظَنُّوا الْمُسْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا  
 إِفْكٌ مُّبِينٌ، یعنی ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے اس تہمت کی خبر سنی تھی تو مسلمان مرد اور مسلمان  
 عورتیں اپنے بارے میں یعنی اپنے مسلمان بھائی بہن کے بارے میں نیک گمان کرتے اور کہہ دیتے  
 کہ یہ کھلا جھوٹ ہے۔ اس آیت میں کئی چیزیں قابل غور ہیں اول یہ کہ بِأَنْفُسِهِمْ کے لفظ سے  
 قرآن کریم نے یہ اشارہ کیا کہ جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو بدنام و رسوا کرتا ہے وہ درحقیقت اپنے  
 آپ ہی کو رسوا کرتا ہے کیونکہ اسلام کے رشتہ نے سب کو ایک بنا دیا ہے۔ قرآن کریم نے ایسے تمام  
 مواقع میں یہ اشارہ استعمال فرمایا ہے جیسا ایک جگہ فرمایا لَا تَكْفُرُوا بِالْأَنْفُسِ الْكَافِرَةِ عِيبٌ لِّكَافِرٍ  
 اپنے آپ کو۔ مراد اس سے یہ ہے کہ کسی بھائی مسلمان مرد یا عورت کو۔ دوسری جگہ فرمایا لَا تَقْتُلُوا  
 أَنْفُسَكُمْ، اپنے آپ کو قتل نہ کرو مراد وہی ہے کہ کسی بھائی مسلمان کو قتل نہ کرو۔ تیسری جگہ فرمایا  
 وَلَا تَخْرُجُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ، یعنی نہ نکالو اپنے آپ کو اپنے گھروں سے۔ یہاں بھی کسی مسلمان  
 بھائی کو اسکے گھر سے نکالنا مراد ہے۔ چوتھی جگہ فرمایا فَسَلِّمُوا عَلَیْ أَنْفُسِكُمْ، یعنی اپنے آپکو سلام  
 کرو۔ مراد وہی بھائی مسلمان کو سلام کرنا ہے۔ یہ سب آیات قرآن یہ ضمنی ہدایت دیتی ہیں کہ  
 ایک مسلمان جو دوسرے کسی بھی مسلمان پر عیب لگاتا یا اسکو ایذا و نقصان پہنچاتا ہے حقیقت  
 کے اعتبار سے خود اپنے کو عیب دار کرتا ہے اور خود نقصان و تکلیف اٹھاتا ہے کیونکہ اس کا  
 انجام پوری قوم کی رسوائی اور بدنامی ہوتی ہے بقول سعدیؒ

چو از تو مے یکے بے دانشی کرد ۛ نہ کہ را منزلت ماند نہ مے را

قرآن کی اسی تعلیم کا اثر تھا کہ جب مسلمان اُبھرے تو پوری قوم کے ساتھ اُبھرے، اُن کا ہر فرد  
 اُبھرا۔ اور اسی کے چھوڑنے کا نتیجہ آج آنکھوں سے دیکھا جا رہا ہے کہ سب گرے اور ہر فرد گرا۔  
 دوسری بات اس آیت میں یہ قابل نظر ہے کہ مقام کا تقاضا یہ تھا کہ کُلًّا إِذَا مَعَ مَوْءُوذٍ ظَنُّوا  
 بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا بصیغہ خطاب کہا جاتا جیسا کہ شروع میں سمعتموه بصیغہ خطاب آیا ہے مگر



قرآن کریم نے اس مختصر جملے کو چھوڑ کر اس جگہ طرز بہ لاکھ صیغہ خطاب یعنی **كُنْتُمْ** کے بجائے **يُنْظَرُ الْمُؤْمِنُونَ** فرمایا۔ اس میں ہلکا سا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ یہ فعل جن لوگوں سے سرزد ہوا وہ اس فعل کی حد تک مؤمنون کہلانے کے مستحق نہیں کیونکہ ایمان کا تقاضا یہ تھا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے **حَسَنَ ظَنٍّ** قائم رکھتا۔

تیسری بات یہ قابلِ نظر ہے کہ اس آیت کے آخری جملے **وَقَالُوا هَذَا أَفْكٌ مُّبِينٌ** میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ تقاضا ایمان کا یہ تھا کہ مسلمان اس خبر کو سننے ہی کہہ دیتے کہ یہ کھلا جھوٹ ہے اس سے ثابت ہوا کہ کسی مسلمان کے بارے میں جب تک کسی گناہ یا عیب کا علم کسی دلیل شرعی سے نہ ہو جائے اس وقت تک اُس کے ساتھ نیک گمان رکھنا اور بلا کسی دلیل کے عیب و گناہ کی بات اُس کی طرف منسوب کرنے کو جھوٹ قرار دینا عین تقاضائے ایمان ہے۔

مسئلہ - اس سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان مرد و عورت کے ساتھ اچھا گمان رکھنا واجب ہے جب تک کسی دلیل شرعی سے اسکے خلاف ثابت نہ ہو جائے۔ اور جو شخص بلا دلیل شرعی کے اُس پر الزام لگاتا ہے اُس کی بات کو رد کرنا اور جھوٹا قرار دینا بھی واجب ہے کیونکہ وہ محض ایک غیبت اور مسلمان کو بلا وجہ رسوا کرنا ہے۔ (مظہری)

**لَوْلَا جَاءَهُ عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَإِذْ لَوْ كَفَرُوا بِالشَّهَادَةِ فَأُولَٰئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الزَّكٰى بُؤْنَ**، اس آیت کے پہلے جملہ میں تو اسکی تہقین ہے کہ ایسی خبر مشہور کر میوالوں کے بارہ میں مسلمانوں کو چاہئے تھا کہ اُن کی بات کو چلتا کرنے کے بجائے اُن سے مطالبہ دلیل کا کرتے اور چونکہ تہمت زنا کے معاملے میں دلیل شرعی چار گواہوں کے بغیر قائم نہیں ہوتی اسلئے اُن سے مطالبہ یہ کرنا چاہئے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو اُس پر چار گواہ پیش کر دیا زبان بند کر دو۔ دوسرے جملے میں فرمایا کہ جب وہ چار گواہ نہیں لاسکے تو اللہ کے نزدیک یہی لوگ جھوٹے ہیں۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ ایسا ہونا کچھ بعید نہیں کہ ایک شخص نے اپنی آنکھ سے ایک واقعہ دیکھا مگر اسکو اس پر دوسرے گواہ نہیں ملے تو اگر یہ شخص اپنے چشم دید واقعہ کو بیان کرتا ہو تو اس کو جھوٹا کیسے کہا جاسکتا ہے خصوصاً اللہ کے نزدیک جھوٹا کہنا تو کسی طرح سمجھ ہی میں نہیں آتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو سب واقعات کے حقائق معلوم ہیں اور یہ واقعہ وجود میں آنا بھی معلوم ہے تو وہ عند اللہ جھوٹ بولنے والا کیسے قرار پایا۔ اس کے دو جواب ہیں اول یہ کہ یہاں عند اللہ سے مراد حکم اللہ اور قانون الہی ہے یعنی یہ شخص قانون الہی اور حکم خداوندی کی رد سے جھوٹا قرار دیا جائیگا اور اس پر حدِ قذف جاری کی جائے گی کیونکہ حکم ربانی یہ تھا کہ جب چار گواہ نہ ہوں تو واقعہ دیکھنے کے باوجود اس کو بیان نہ کرو اور جو بغیر چار گواہوں کے بیان کرے گا وہ



قانوناً اور حکماً جھوٹا قرار پا کر سزا پائے گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ کوئی کام فضول نہ کرے جس کا کوئی فائدہ نتیجہ نہ ہو خصوصاً ایسا کام جس میں دوسرے مسلمان پر کوئی الزام عائد ہوتا ہو تو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کے خلاف کسی عیب و گناہ کی شہادت صرف اس نیت سے دے سکتا ہے کہ جرم و گناہ کا انسداد مقصود ہو کسی کو رسوا کرنا یا ایذا دینا مقصود نہ ہو تو جس شخص نے چار گواہوں کے بغیر اس قسم کی شہادت زبان سے نکالی گویا اُس کا دعویٰ یہ ہے کہ میں یہ کلام اصلاح خلق اور معاشرہ کو بُرائی سے بچانے اور انسداد جرائم کی نیت سے کر رہا ہوں۔ مگر جب شریعت کا قانون اس کو معلوم ہے کہ بغیر چار گواہوں کے ایسی شہادت دینے سے نہ اُس شخص پر کوئی حد و سزا جاری ہوگی اور نہ ثبوت بہم پہنچے گا بلکہ الٹی جھوٹ بولنے کی سزا کا مستحق ہو جائے گا تو اس وقت وہ عند اللہ اپنی اس نیت کے دعویٰ میں جھوٹا ہے کہ میں اصلاح خلق اور انسداد جرائم کی نیت سے یہ شہادت دے رہا ہوں کیونکہ شرعی ضابطہ کے مطابق شہادت نہونے کی صورت میں یہ نیت ہو ہی نہیں سکتی۔ (مظہری)

ایک اہم اور ضروری تنبیہ | مذکورہ دونوں آیتوں میں ہر مسلمان کو دوسرے مسلمانوں سے حُسن ظن رکھنے کی ہدایت اور اسکے خلاف بے دلیل باتوں کی تردید کو واجب قرار دیا ہے اس پر کسی کو یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے اس خبر کے غلط ہونے پر یقین کیوں نہ فرمایا اور اس خبر کی تردید کیوں نہ کر دی اور ایک مہینہ تک تردد کی حالت میں کیوں رہے یہاں تک کہ حضرت صدیقہ عائشہؓ سے فرمایا کہ اگر تم سے کوئی لغزش ہو گئی ہو تو توبہ کر لینا چاہیے (کما رواہ البخاری)

وجہ یہ ہے کہ یہاں ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر حُسن ظن رکھنے کا جو حکم ہے وہ اس تردد کے منافی نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا۔ کیونکہ آپ نے اس خبر کی نہ تصدیق فرمائی اور نہ اسکے مقتضی پر کوئی عمل فرمایا نہ اس کا چرچا کرنا پسند فرمایا بلکہ صحابہ کرام کے مجمع میں یہی فرمایا کہ ما علمت علی اہلی الاختیار۔ رواہ البخاری۔ یعنی میں اپنی اہلیہ کے بارہ میں بھلائی اور نیکی کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ یہ سب انہیں آیات مذکورہ کے مقتضی پر عمل اور حُسن ظن رکھنے کے شواہد ہیں۔ البتہ قطعی اور یقینی علم جس سے طبعی تردد بھی رفع ہو جائے وہ اس وقت ہوا جب آیات برات نازل ہو گئیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ دل میں کوئی شک تردد پیدا ہو جانا اور احتیاطی تدابیر استعمال کرنا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حُسن ظن بالمؤمنین کے منافی نہیں تھا جبکہ اُس کے مقتضی پر کوئی عمل نہ کیا گیا ہو۔ جن مسلمانوں پر اس معاملے میں حد قذف کی سزا جاری کی گئی اور ان دو آیتوں میں ان پر عتاب کیا گیا انہوں نے اس خبر کے مقتضی پر عمل کیا تھا کہ اس کا چرچا کیا اور پھیلایا وہ نزول آیات سے پہلے بھی ناجائز و موجب سزا تھا۔



وَكَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَقَضْتُمْ فِيهِ  
عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ یہ آیت ان مومنین کے بارے میں نازل ہوئی جو غلطی سے اس تہمت میں کسی قسم کی شرکت  
کر بیٹھے تھے پھر توبہ کر لی اور بعض پر سزا بھی جاری ہوئی۔ ان سب کو اس آیت نے یہ بھی بتلادیا کہ جو  
جرم تم سے سرزد ہوا وہ بہت بڑا جرم تھا اُس پر دنیا میں بھی عذاب آ سکتا تھا جیسے پچھلی قوموں کے  
مجرموں پر آیا ہے اور آخرت میں بھی اُس پر عذاب شدید ہوتا مگر اللہ تعالیٰ کا معاملہ تم مومنین کیساتھ  
فضل و رحمت کا ہے، دنیا میں بھی، آخرت میں بھی۔ اسلئے یہ عذاب تم سے مل گیا۔ دنیا میں اللہ  
کے فضل و رحمت کے مظاہرہ ہوئے کہ اول اسلام دایمان کی توفیق بخشی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کی صحبت کا شرف عطا فرمایا جو کہ نازل عذاب سے مانع ہے اور پھر جو گناہ ہو گیا تھا اُس سے سچی توبہ  
کی توفیق بخشی پھر اُس توبہ کو قبول فرمایا۔ اور آخرت میں اللہ کے فضل و رحمت کا اثر یہ ہے کہ  
تم سے عفو و درگزر اور مغفرت کا وعدہ فرمایا۔

إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ، تَلَقَّی کا مفہوم یہ ہے کہ ایک دوسرے سے بات پوچھنے اور نقل  
کرے، یہاں بات کو سنکر بے دلیل اور بلا تحقیق آگے چلتی کر دینا مراد ہے۔

وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ، یعنی تم تو اس کو معمولی بات خیال کرتے تھے  
کہ ہم نے جیسا سنا دیا دوسرے سے نقل کر دیا مگر وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ تھا کہ بے دلیل  
اور بے تحقیق ایسی بات کو چلتا کر دیا جس سے دوسرے مسلمان کو سخت ایذا ہو، اُس کی رسوائی ہو  
اور اُسکے لئے زندگی دُوبھر ہو جائے۔

وَكَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا وَخَوَّضَكُمْ هَذَا أَلْهَثَانٌ  
عَظِيمٌ، یعنی ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ افواہ سنی تھی تو یوں کہہ دیتے کہ ہمارے لئے ایسی بات  
زبان سے نکالنا جائز نہیں۔ پاک ہے اللہ یہ تو بڑا بہتان ہے۔ اس آیت میں مکرر وہی ہدایت ہے  
جو اس سے پہلی ایک آیت میں آچکی ہے اس میں یہ مزید وضاحت ہے کہ مسلمانوں کو ایسی خبر سننے  
کے وقت کیا عمل کرنا چاہیئے وہ یہ کہ صاف کہہ دیں کہ ایسی بات بلا کسی دلیل کے زبان سے نکالنا  
بھی ہمارے لئے جائز نہیں یہ تو بہتان عظیم ہے۔

ایک شبہ اور جواب | اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جیسے کسی واقعہ کا صدق بغیر دلیل کے معلوم نہیں ہوتا اس لئے  
اُسکا زبان سے نکالنا اور چرچا کرنا ناجائز قرار پایا اسی طرح کسی کلام کا کاذب ہونا بھی تو بغیر  
دلیل کے ثابت نہیں ہوتا کہ اسکو بہتان عظیم کہہ دیا جائے۔ جواب یہ ہے کہ ہر مسلمان کو گناہوں سے  
پاک صاف سمجھنا اصل شرعی ہے جو دلیل سے ثابت ہے اسکے خلاف جو بات بغیر دلیل کے کہی جائے  
اسکو جھوٹا سمجھنے کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا کافی ہے کہ ایک مومن مسلمان



پر بغیر کسی دلیل شرعی کے الزام لگایا گیا ہے لہذا یہ بہتان ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ اس آیت میں پھر ان لوگوں کی مذمت اور ان پر دنیا و آخرت کے عذاب کی وعید جنہوں نے اس تہمت میں کسی طرح کا حصہ لیا۔ اس آیت میں یہ بات زیادہ ہے کہ جو لوگ ایسی خبریں مشہور کرتے ہیں گویا وہ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بدکاری اور فواحش پھیل جائیں۔

انسداد فواحش کا قرآنی نظام اور ایک قرآن حکیم نے فواحش کے انسداد کا یہ خاص نظام بنایا ہے کہ اول تو اس قسم کی خبر کہیں مشہور نہ ہونے پادے اور شہرت ہو تو ثبوت شرعی کے ساتھ ہو تاکہ اس شہرت کیساتھ ہی مجمع

عام میں حد زنا اس پر جاری کر کے اس شہرت ہی کو سبب انسداد بنا دیا جائے۔ اور جہاں ثبوت شرعی نہ ہو وہاں اس طرح کی بے حیائی کی خبروں کو چلتا کر دینا اور شہرت دینا جبکہ اسکے ساتھ کوئی سزا نہیں طبعی طور پر لوگوں کے دلوں سے بے حیائی اور فواحش کی نفرت کم کر دینے اور جسراٹم پر اقدام کرنے اور شائع کرنے کا موجب ہوتی ہے جسکا مشاہدہ آجکل کے اخبارات میں روزانہ ہوتا ہے کہ اس طرح کی خبریں ہر روز ہر اخبار میں نشر ہوتی رہتی ہیں۔ نوجوان مرد اور عورتیں ان کو دیکھتے رہتے ہیں روزانہ ایسی خبروں کے سامنے آنے اور اس پر کسی خاص سزا کے مرتب نہ ہونے کا لازمی اور طبعی اثر یہ ہوتا ہے کہ دیکھتے دیکھتے وہ فعل خبیث نظروں میں ہلکا نظر آنے لگتا ہے اور پھر نفس میں ہیجان پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے ایسی خبروں کی تشہیر کی اجازت صرف اس صورت میں دی ہے جبکہ وہ ثبوت شرعی کے ساتھ ہو اسکے نتیجہ میں خبر کے ساتھ ہی اس بے حیائی کی ہولناک پاداش بھی دیکھنے سننے والوں کے سامنے آجائے۔ اور جہاں ثبوت اور سزا نہ ہو تو ایسی خبروں کی اشاعت کو قرآن نے مسلمانوں میں فواحش پھیلانے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ کاش مسلمان اس پر غور کریں۔ اس آیت میں ایسی خبریں بلا ثبوت مشہور کرنے والوں پر دنیا و آخرت دونوں میں عذاب الیم ہونیکا ذکر ہے۔ آخرت کا عذاب تو ظاہر ہے کہ قیامت کے بعد ہوگا جسکا یہاں مشاہدہ نہیں ہو سکتا مگر دنیا کا عذاب تو مشاہدہ میں آنا چاہیے سو جن لوگوں پر حد قذف (تہمت کی سزا) جاری کر دی گئی ان پر تو دنیا کا عذاب آ ہی گیا۔ اور اگر کوئی شخص شرائط اجراء حد موجود نہ ہونے کی وجہ سے حد قذف سے بچ نکلا تو وہ دنیا میں بھی فی الجملہ مستحق عذاب ہے آیت کے مصداق کہیلے یہ بھی کافی ہے۔

وَلَا يَأْتِلِ أُولَ الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۚ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ



صحابہ کرام کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم | وَلَا يَأْتِكَ، اُمّتِلائے کے معنی قسم کھانے کے ہیں۔ حضرت صدیق  
پر ہمت کے واقعہ میں مسلمانوں میں سے مُطہرؓ اور حُسنؓ مبتلا ہو گئے تھے جن پر رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے نزولِ آیات برات کے بعد حدِ قذف جاری فرمائی۔ مُطہرؓ اور حُسنؓ دونوں ہی جلیل القدر  
صحابی غزوہ بدر کے شرکار میں سے ہیں مگر ایک لغزش ہو گئی جس سے توبہ صادقہ نصیب  
ہوئی اور حق تعالیٰ نے جس طرح حضرت صدیقؓ کی برات نازل فرمادی اسی طرح ان مومنین کی  
توبہ قبول کرنے اور معاف کرنے کا بھی اعلان فرمادیا۔

مُطہرؓ حضرت صدیق اکبرؓ کے عزیز بھی تھے اور مفلس بھی۔ حضرت صدیق اکبرؓ ان کی مالی  
مدد فرمایا کرتے تھے۔ جب واقعہ انکس میں اُن کی گونہ شرکت ثابت ہوئی تو صدیقؓ نے ان کی شفقت  
پداری اور بیٹی کو ایسا سخت صدمہ پہنچانے کی وجہ سے طبعی طور پر مُطہرؓ سے رنج پیدا ہو گیا اُد  
قسم کھا بیٹھے کہ آئندہ ان کی کوئی مالی مدد نہیں کریں گے۔ یہ ظاہر ہے کہ کسی خاص فقیر  
کی مالی مدد کرنا کسی خاص مسلمان پر علی التبعین واجب نہیں، اور جس کی مالی مدد کوئی کرتا ہے  
اگر وہ اُس کو روک لے تو گناہ کی کوئی وجہ نہیں مگر صحابہ کرام کی جماعت کو حق تعالیٰ دُنیا  
کے لئے ایک مثالی معاشرہ بنانے والے تھے اس لئے ایک طرف جن لوگوں سے لغزش  
ہوئی ان کو سچی توبہ اور آئندہ اصلاح حال کی نعمت سے نوازا۔ دوسری طرف جن بزرگوں  
نے طبعی رنج و ملال کے سبب ایسے غریب فقیر کی مدد ترک کرنے کی قسم کھالی اُن کو اعلیٰ اخلاق  
کی تعلیم اس آیت میں دی گئی کہ اُن کو یہ قسم توڑ دینا اور اس کا کفارہ ادا کر دینا چاہیے۔ انکی  
مالی امداد سے دستکش ہو جانا اُن کے مقام بلند کے مناسب نہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن  
کو معاف کر دیا اُن کو بھی عفو و درگزر سے کام لینا چاہیے۔

چونکہ حضرت مُطہرؓ کی مالی امداد کرنا کوئی شرعی واجب حضرت صدیقؓ کے ذمہ نہیں تھا اسی لئے  
قرآن کریم نے عنوان یہ اختیار فرمایا کہ اہل علم و فضل جن کو اللہ نے دینی کمالات عطا فرمائے ہیں اور جن کو  
اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی وسعت و گنجائش ملی ہے انکو ایسی قسم نہیں کھانی چاہیے۔ آیت میں  
وَلَقَدْ آتَيْنَا الْفَضْلَ اور وَالسَّعَةَ اسی معنی کے لئے آئے ہیں۔

اس آیت کے آخری جملے میں جو ارشاد ہوا کہ اَلَا تَجِبُونَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ، یعنی  
کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمائے تو صدیق اکبرؓ نے فوراً کہا۔  
وَاللّٰهُ اَتَىٰ اَحَبُّ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لِي (رواہ ابی حنن) یعنی بخدا میں ضرور چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ  
میری مغفرت فرمائے اور فوراً حضرت مُطہرؓ کی مالی امداد جاری فرمادی اور یہ بھی فرمایا اب کبھی یہ امداد بند  
نہ ہوگی (بخاری و مسلم)



یہ وہ مکارم اخلاق ہیں جن سے صحابہ کرام کی تربیت کی گئی ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمہ وصلہا۔  
(از مظہری)

یعنی صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو رشتہ داروں کے صرف احسا کا بدلہ کرے بلکہ اصل صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ رشتہ داروں کے قطع تعلق کرنے کے باوجود تعلق قائم رکھے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لَعُنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ  
وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ، اس آیت میں بظاہر مکرر وہ مضمون بیان ہوا ہے جو اس سے پہلے آیات  
قذف میں آچکا ہے وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ  
تَمْنِينَ جَلْدًا وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ  
تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ، لیکن درحقیقت ان دونوں میں  
ایک بڑا فرق ہے۔ کیونکہ آیات حد قذف کے آخر میں توبہ کرنے والوں کا استثناء اور ان کے لئے مغفرت  
کا وعدہ ہے۔ اس آیت میں ایسا نہیں بلکہ دنیا و آخرت کی لعنت اور عذاب عظیم بلا استثناء مذکور ہے  
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا تعلق ان لوگوں سے ہے جنہوں نے حضرت صدیقہ عائشہؓ پر  
تہمت لگائی اور پھر اُس سے توبہ نہیں کی، یہاں تک کہ قرآن میں ان کی برات نازل ہوئی بعد بھی وہ  
اپنے اس افتراء پر قائم اور تہمت کا چرچا کرنے میں مشغول رہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام کسی مسلمان سے  
ممکن نہیں۔ اور جو مسلمان بھی نصوص قرآن کا ایسا خلاف کرے وہ مسلمان نہیں رہ سکتا اس لئے یہ  
مضمون ان منافقین کے بارے میں آیا ہے جنہوں نے آیات برات صدیقہ نازل ہونے کے بعد بھی  
اس مشغلہ تہمت کو نہیں چھوڑا ان کے کافر منافق ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں تاہم کیلئے اللہ تعالیٰ  
نے فضل شد ورحمۃ فرما کر مرحوم دارین قرار دیا اور جنہوں نے توبہ نہیں کی ان کو اس آیت میں ملعون  
دنیا و آخرت فرمایا۔ تاہم کو عذاب سے نجات کی بشارت دی اور غیر تائبین کے لئے عذاب عظیم کی  
وعید فرمائی۔ تائبین کو إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ فرما کر مغفرت کی بشارت دی اور غیر تائبین کو اگلی  
آیت یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ فَمَنْ سَعَىٰ لَهُمْ فَمَنْ سَعَىٰ لَهُمْ (کن اذکرہ میثدی فی بیان القرآن)  
ایک ہم تنبیہ حضرت صدیقہ عائشہؓ پر تہمت کے قضیہ میں جو بعض مسلمان بھی شریک ہو گئے  
تھے یہ قضیہ اس وقت کا تھا جب تک آیات برات قرآن میں نازل نہیں ہوئی تھیں۔ آیات  
برات نازل ہونے کے بعد جو شخص حضرت صدیقہ عائشہؓ پر تہمت لگائے وہ بلاشبہ کافر منکر  
قرآن ہے جیسا کہ شیعوں کے بعض فرقے اور بعض افراد اسیں مبتلا پائے جاتے ہیں ان کے کافر ہونے میں  
کوئی شک و شبہ کرنے کی بھی گنجائش نہیں وہ باجماع امت کافر ہیں۔



یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ، یعنی اُس روز جبکہ اُن کے خلاف خود اُن کی زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں بولیں گے اور اُن کے جرائم کی شہادت دینگے جیسا کہ روایات حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز جو گنہگار اپنے گناہ کا اعتراف کر لے گا تو اللہ تعالیٰ اسکو معاف فرمادیں گے اور محشر کے مجمع عام کی نظروں سے اُسکے گناہ کو چھپادیں گے اور جو وہاں بھی انکار کر چکا کہ میں نے تو یہ کام نہیں کیا، مگر اُن فرشتوں نے غلط میرے نامہ اعمال میں لکھ دیا ہے تو اسوقت اُن کے منہ بند کر دیئے جا دیں گے اور ہاتھ پاؤں سے گواہی لی جا دے گی وہ بولیں گے اور شہادت دیں گے اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ میں اسی کا بیان ہے۔ اس آیت میں یہ فرمایا کہ اُن کے مونہوں پر مہر لگا دی جا دیگی مگر آیت مذکورہ میں یہ ہے کہ خود اُن کی زبانیں شہادت دیں گی۔ ان دونوں میں کوئی تعارض اسلئے نہیں کہ وہ اپنی زبان کو اپنے اختیار سے استعمال نہ کر سکیں گے کہ اُسوقت جو چاہیں جھوٹی یا سچی بات کہیں جیسے دنیا میں اسکا اختیار ہے بلکہ اُن کی زبان اُن کے ارادہ اور قصد کے خلاف حق بات کا اعتراف کرے گی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک وقت میں منہ اور زبان بالکل بند کر دی جا دیں پھر خود زبان کو بھی حکم ہو کہ سچی بات بولے۔ واللہ اعلم

الْخَيِّثَاتُ لِلْخَيْرِيَّاتِ وَالْخَيْرِيَّاتُ لِلْخَيِّثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ ۖ وَزُجَّاجٌ ۚ، یعنی گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ہوتے ہیں اور پاک صاف عورتیں پاک صاف مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور پاک صاف مرد پاک صاف عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔

اس آخری آیت میں اول تو عام ضابطہ یہ بتلادیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے طبائع میں طبعی طور پر جوڑ رکھا ہے۔ گندی اور بدکار عورتیں بدکار مردوں کی طرف اور گندے بدکار مرد گندی بدکار عورتوں کی طرف رغبت کیا کرتے ہیں۔ اسی طرح پاک صاف عورتوں کی رغبت پاک صاف مردوں کی طرف ہوتی ہے اور پاک صاف مردوں کی رغبت پاک صاف عورتوں کی طرف ہوا کرتی ہے۔ اور ہر ایک اپنی اپنی رغبت کی مطابق اپنا جوڑ تلاش کرتا ہے اور قدرۃ اُسکو وہی مل جاتا ہے۔

اس عام عادت کلیہ اور ضابطہ سے واضح ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام جو دنیا میں پاکی اور صفائی ظاہری و باطنی میں مثالی شخصیت ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ اُن کو ازواج بھی اُنکے مناسب عطا فرماتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام انبیاء کے سربراہ ہیں اُن کو ازواج مطہرات بھی اللہ تعالیٰ نے پاکی اور صفائی ظاہری اور اخلاقی برتری میں آپ ہی



کی مناسب شان عطا فرمائی ہیں۔ اور صدیقہ عائشہؓ ان سب میں ممتاز ہیں۔ ان کے بارے میں شک و شبہ وہی کر سکتا ہے جس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ ہو۔ اور حضرت نوحؑ حضرت نوح علیہا السلام کی بیبیوں کے بارے میں جو قرآن کریم میں ان کا کافر ہونا مذکور ہے تو ان کے متعلق بھی یہ ثابت ہے کہ کافر ہونے کے باوجود فسق و فجور میں مبتلا نہیں تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ما بغت امرأة نبی قط، یعنی کسی نبی کی عورت نے کبھی زنا نہیں کیا (ذکر فی الدر المنثور) اس سے معلوم ہوا کہ کسی نبی کی بیوی کافر ہو جائے اس کا تو امکان ہے مگر بدکار فاحشہ ہو جائے یہ ممکن نہیں۔ کیونکہ بدکاری طبعی طور پر موجب نفرت عوام ہے کفر طبعی نفرت کا موجب نہیں (بیان القرآن)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا

اے ایمان والو مت جایا کرو کسی گھر میں اپنے گھر کے سوائے جب تک بول چال نہ کر لو

وَتُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾

اور سلام کر لو ان گھر والوں پر یہ بہتر ہے تمہارے حق میں تاکہ تم یاد رکھو،

فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ

پھر اگر نہ پاؤ اس میں کسی کو تو اس میں نہ جاؤ جب تک کہ اجازت نہ ملے تم کو اور

إِنْ قِيلَ لَكُمْ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكى لَكُمْ وَاللَّهُ يَمَّا تَعْمَلُونَ

اگر تم کو جواب ملے کہ پھر جاؤ تو پھر جاؤ اس میں خوب سہرائی ہے تمہارے لئے اور اللہ جو تم کرتے ہو اس کو

عَلِيمٌ ﴿٢٥﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ

جانتا ہے نہیں گناہ تم پر اس میں کہ جاؤ ان گھروں میں جہاں کوئی نہیں بستا،

فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ﴿٢٦﴾

اس میں کچھ چیز ہو تمہاری اور اللہ کو معلوم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو

## خلاصہ تفسیر

حکم پنجم استیذان اور ادبائیات باہمی کسی کے | سورہ نور کے شروع ہی سے فواحش اور بچیائی کی روک تھام گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت حاصل کرنا کے لئے ان سے متعلقہ جرائم کی سزاؤں کا ذکر اور بے دلیل کسی پر تہمت لگانے کی مذمت کا بیان تھا آگے انہی فواحش کے انسداد اور عفت و عصمت کے تحفظ کے لئے ایسے احکام دیئے گئے ہیں جن سے ایسے حالات ہی پیدا نہ ہوں جہاں سے بچیائی کو راستہ ملے انہی احکام میں سے استیذان کے مسائل و احکام ہیں کہ کسی شخص کے مکان میں بغیر اس کی اجازت



کے داخل ہونا یا اندر جھانکنا ممنوع کر دیا گیا جس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ غیر محرم عورتوں پر نظر نہ پڑے۔ آیات مذکورہ میں مختلف قسم کے مکانات کے مختلف احکام بیان کئے گئے ہیں۔

مکانات کی چار قسمیں ہیں۔ ایک خاص اپنے رہنے کا مکان جس میں کسی دوسرے کے آنے کا احتمال نہیں۔ دوسرے وہ مکان جس میں کوئی اور بھی رہتا ہو خواہ وہ اپنے محارم ہی کیوں نہ ہو یا کسی اور کے اسمیں آجانے کا احتمال ہو۔ تیسری قسم وہ مکان جس میں کسی کا بالفعل رہنا یا نہ رہنا دونوں کا احتمال ہو۔ چوتھی قسم وہ مکان جو کسی خاص شخص کی رہائش کے لئے مخصوص نہ ہو جیسے مسجد، مدرسہ، خانقاہ وغیرہ عام لوگوں کے استقاع اور آمد و رفت کی جگہیں۔ انہیں قسم اول کا حکم تو ظاہر تھا کہ اسمیں جانے کے لئے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں اس لئے اسکا ذکر ان آیات میں صراحتہ نہیں کیا گیا باقی تین قسموں کے مکانات کے احکام اگلی آیتوں میں بیان فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو تم اپنے (خاص رہنے کے) گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں (جنہیں دوسرے لوگ رہتے ہوں خواہ وہ ان کی ملک ہوں یا کسی سے عاریتہ رہنے کو لئے ہوں یا کرایہ پر لئے ہوں) داخل مت ہو جب تک اجازت حاصل نہ کر لو (اور اجازت لینے سے پہلے) ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو (یعنی اول باہر سے سلام کر کے پھر ان سے پوچھو کہ کیا ہمیں اندر آنے کی اجازت ہے اور بغیر اجازت لئے ویسے ہی مت گھس جاؤ۔ اور اگرچہ بعض لوگ اجازت لینے کو اپنی شان کے خلاف سمجھیں لیکن واقع میں) یہی تمہارے لئے بہتر ہے (کہ اجازت لیکر جاؤ اور یہ بات تم کو اس لئے بتائی) تاکہ تم خیال رکھو (اور اس پر عمل کرو کہ اس میں بڑی حکمتیں ہیں۔ یہ حکم ہوا مکانات کی قسم دوم کا) پھر اگر ان گھروں میں تم کو کوئی آدمی معلوم نہ ہو (خواہ واقع میں وہاں کوئی ہو یا نہ ہو) تو (بھی) ان گھروں میں نہ جاؤ جب تک تم کو اجازت نہ دی جائے (کیونکہ اول تو یہ احتمال ہے کہ اُس میں کوئی آدمی موجود ہو اگرچہ تمہیں معلوم نہیں۔ اور واقع میں کوئی موجود نہ ہو تو دوسرے کے خالی مکان میں بھی بلا اجازت گھس جانا، دوسرے کی ملک میں اُس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا ہے جو ناجائز ہے۔ یہ حکم ہوا قسم سوم کا) اور اگر (اجازت طلب کرنے کے وقت) تم سے یہ کہہ دیا جائے کہ (اس وقت) لوٹ جاؤ تو تم لوٹ آیا کر دیہی بات تمہارے لئے بہتر ہے (اس بات سے کہ وہیں جم جاد کہ کبھی تو باہر نکلیں گے کیونکہ اسمیں اپنی ذلت اور دوسرے پر بلا وجہ دباؤ ڈال کر تکلیف پہنچانا ہے اور کسی مسلمان کو ایذا دینا حرام ہے) اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے (اگر خلاف حکم کرو گے سزا پاؤ گے اور یہی حکم اُس صورت کا ہے کہ گھر والوں نے اگرچہ لوٹ جانے کو کہا نہیں مگر کوئی بولا بھی نہیں۔ ایسی حالت میں تین مرتبہ استیذان اس احتیاط



پر کر لیا جاوے کہ شاید سنا نہ ہو۔ تین مرتبہ تک جب کوئی جواب نہ آوے تو لوٹ آنا چاہیے جیسا کہ حدیث میں اسکی تصریح موجود ہے اور تم کو ایسے مکانات میں (بغیر خاص اجازت کے) چلے جانے میں گناہ نہ ہوگا جن میں (گھر کے طور پر) کوئی نہ رہتا ہو (اور) اُن میں تمہاری برت ہو (یعنی ان مکانات کے برتنے اور استعمال کرنے کا تمہیں حق ہو، یہ حکم ہے قسم چہارم کا جو رفاہ عام کے مکانات ہیں اور جن سے عام لوگوں کے منافع متعلق ہیں۔ تو وہاں جانے کی عادت عام اجازت ہوتی ہے) اور تم جو کچھ علانیہ کرتے ہو یا پوشیدہ کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔ (اس لئے ہر حال میں تقویٰ اور خوفِ خدا لازم ہے)۔

## معارف و مسائل

قرآنی آداب معاشرت کا ایک ہم باب | افسوس ہے کہ شریعت اسلام نے جس قدر اس معاملے کا کسی کی ملاقات کو چاہا تو پہلے اجازت لو | اہتمام فرمایا کہ قرآن حکیم میں اس کے مفصل احکام نازل بغیر اجازت کسی کے گھر میں داخل نہ ہو | ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے اُس کی بڑی تاکید فرمائی، اتنا ہی آجکل مسلمان اس سے غافل ہو گئے۔ لکھے پڑھے نیک لوگ بھی نہ اس کو کوئی گناہ سمجھتے ہیں نہ اس پر عمل کرنے کی فکر کرتے ہیں۔ دنیا کی دوسری مہذب قوموں نے اس کو اختیار کر کے اپنے معاشرہ کو درست کر لیا مگر مسلمان ہی اسیں سب سے پیچھے نظر آتے ہیں۔ اسلامی احکام میں سب سے پہلے سستی اسی حکم میں شروع ہوئی بہر حال استیذان قرآن کریم کا وہ واجب التعمیل حکم ہے کہ اسیں ذرا سی سستی اور تبدیلی کو بھی حضرت ابن عباسؓ انکار آیت قرآن کے شدید الفاظ سے تعبیر فرما رہے ہیں اور اب تو لوگوں نے واقعی ان احکام کو ایسا نظر انداز کر دیا ہے کہ گویا اُن کے نزدیک یہ قرآن کے احکام ہی نہیں۔ انا بشر وانا لیه راجعون استیذان کی حکمتیں اور مصالح ہمہ | حق تعالیٰ جل شانہ نے ہر انسان کو جو اسکے رہنے کی جگہ عطا فرمائی خواہ مالکانہ ہو یا کرایہ وغیرہ پر بہر حال اُسکا گھر اُسکا مسکن ہے اور مسکن کی اصل غرض سکون و راحت ہے قرآن عزیز نے جہاں اپنی اس نعمت گراںمایہ کا ذکر فرمایا ہے اسیں بھی اس طرف اشارہ ہے فرمایا جَعَلَ لَكُم مِّنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا، یعنی اللہ نے تمہارے گھروں سے تمہارے لئے سکون و راحت کا سامان دیا۔ اور یہ سکون و راحت جیسی باقی رہ سکتا ہے کہ انسان دوسرے کسی شخص کی مداخلت کے بغیر اپنے گھر میں اپنی ضرورت کی مطابق آزادی سے کام اور آرام کر سکے۔ اسکی آزادی میں خلل ڈالنا گھر کی اصل مسکنیت کو فوت کرنا ہے جو بڑی ایذا و تکلیف ہے۔ اسلام نے کسی کو بھی ناحق تکلیف پہنچانا حرام قرار دیا ہے۔ استیذان کے احکام



میں ایک بڑی مصلحت لوگوں کی آزادی میں خلل ڈالنے اور اُن کی ایذا رسانی سے بچنا ہے جو ہر شریف انسان کا عقلی فریضہ بھی ہے۔ دوسری مصلحت خود اس شخص کی ہے جو کسی کی ملاقات کے لئے اُسکے پاس گیا ہے کہ جب وہ اجازت لیکر شائستہ انسان کی طرح ملیگا تو مخاطب بھی اسکی بات قدر و منزلت سے سمٹے گا اور اگر اسکی کوئی حاجت ہے تو اُسکے پورا کر نیگا داعیہ اُسکے دل میں پیدا ہوگا۔ بخلاف اُسکے کہ وحشیانہ طرز کے کسی شخص پر بغیر اسکی اجازت کے مسلط ہو گیا تو مخاطب اسکو ایک بلائے ناگہانی سمجھ کر دفع الوقتی سے کام لیگا خیر خواہی کا داعیہ اگر ہو بھی تو متعمل ہو جائیگا اور اسکو ایذا رسانی کا گناہ الگ ہوگا۔

تیسری مصلحت فواحش اور بے حیائی کا انسداد ہے کہ بلا اجازت کسی کے مکان میں داخل ہو جانے سے یہ بھی احتمال ہے کہ غیر محرم عورتوں پر نظر پڑے اور شیطان دل میں کوئی مرض پیدا کر دے اور اسی مصلحت سے احکام استیذان کو قرآن کریم میں حد زنا۔ حد قذف وغیرہ احکام کے متفصل لایا گیا ہے۔

چوتھی مصلحت یہ ہے کہ انسان بعض اوقات اپنے گھر کی تنہائی میں کوئی ایسا کام کر رہا ہوتا ہے جس پر دوسروں کو اطلاع کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اگر کوئی شخص بغیر اجازت کے گھر میں آجائے تو وہ جس چیز کو دوسروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا اُس پر مطلع ہو جائیگا۔ کسی کے پوشیدہ راز کو زبردستی معلوم کر نیکی فکر بھی گناہ اور دوسروں کے لئے موجب ایذا ہے۔ استیذان کے کچھ مسائل تو خود آیات مذکورہ میں مل گئے ہیں پہلے اُن کی تفصیل و تشریح دیکھئے باقی متفرق مسائل بعد میں لکھے جاویں گے۔

مسئلہ: ان آیات میں **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** سے خطاب کیا گیا جو مردوں کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہیں جیسا کہ عام احکام قرآنیہ اسی طرح مردوں کو مخاطب کر کے آتے ہیں عورتیں بھی اسی میں شامل ہوتی ہیں بجز مخصوص مسائل کے جنکی خصوصیت مردوں کیساتھ بیان کر دی جاتی ہے۔

چنانچہ نسائے صحابہ کا بھی یہی معمول تھا کہ کسی کے گھر جاویں تو پہلے اُن سے استیذان کریں۔ حضرت ام ایمنؓ فرماتی ہیں کہ ہم چار عورتیں اکثر حضرت سدیقہ عائشہؓ کے پاس جایا کرتی تھیں اور گھر میں جانے سے پہلے اُن سے استیذان کرتی تھیں جب اجازت دیتی تو اندر جاتی تھیں (ابن کثیر بحوالہ ابن ابی حاتم)۔

مسئلہ: اسی آیت کے عموم سے معلوم ہوا کہ کسی دوسرے شخص کے گھر میں جانے سے پہلے استیذان کا حکم عام ہے مرد عورت محرم غیر محرم سب کو شامل ہے۔ عورت کسی عورت کے پاس جائے یا مرد مرد کے پاس سب کو استیذان کرنا واجب ہے اسی طرح ایک شخص اگر اپنی ماں اور بہن یا دوسری محرم عورتوں کے پاس جائے تو بھی استیذان کرنا چاہیے۔ امام مالکؒ نے مؤطار میں مرسلًا عطاء بن یسارؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں اپنی والدہ کے پاس جانے وقت بھی استیذان کروں آپ نے فرمایا ہاں استیذان کرو۔ اُس شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں تو اپنی والدہ ہی کے ساتھ گھر میں رہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا پھر بھی اجازت لئے بغیر گھر میں



نہ جاؤ۔ اُسے پھر عرض کیا یا رسول اللہ میں تو ہر وقت اُن کی خدمت میں رہتا ہوں آپ نے فرمایا پھر بھی اجازت لئے بغیر گھر میں نہ جاؤ کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اپنی والدہ کو شنگی دیکھو اُسے کہا کہ نہیں۔ فرمایا اسی لئے استیذان کرنا چاہئے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ گھر میں کسی ضرورت سے ستر کھولے ہوئے ہوں۔ (مظہری)

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آیت قرآن میں جو غُیْبٌ یُؤْتِکُمُ الْوَحْیَ اَیُّہَا رُسُلُہُم سے مراد وہ بچہ اور گھر میں جن میں انسان تنہا خود ہی رہتا ہو۔ والدین، بہن بھائی وغیرہ اُس میں نہ ہوں۔ مسئلہ جس گھر میں صرف اپنی بیوی رہتی ہو اُس میں داخل ہونے کے لئے اگرچہ استیذان واجب نہیں مگر مستحب اور طریق سنت یہ ہے کہ وہاں بھی اچانک بغیر کسی اطلاع کے اندر نہ جائے بلکہ داخل ہونے سے پہلے اپنے پاؤں کی آہٹ سے یا کھنکار سے کسی طرح پہلے باخبر کر دے پھر داخل ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ فرماتی ہیں کہ عبداللہ جب کبھی باہر سے گھر میں آتے تھے تو دروازہ میں کھنکار کر پہلے اپنے آنے سے باخبر کر دیتے تھے تاکہ وہ ہمیں کسی ایسی حالت میں نہ دیکھیں جو انکو پسند نہ ہو (ابن کثیر بحوالہ ابن جریر وقال اسنادہ صحیح) اور اس صورت میں استیذان کا واجب نہ ہونا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن جریج نے حضرت عطاءؓ سے دریافت کیا کہ کیا ایک شخص کو اپنی بیوی کے پاس جانیکے وقت بھی استیذان ضروری ہے انھوں نے فرمایا کہ نہیں۔ ابن کثیر نے اس آیت کو نقل کر کے فرمایا ہے کہ اس سے مراد یہی ہے کہ واجب نہیں مگر مستحب اور ادنیٰ وہاں بھی ہے۔

استیذان کا مسنون طریقہ | آیت میں جو طریقہ بتلایا گیا ہے وہ ہے حَتّٰی تَسْمَعُوْا سَوَآءَ تَسْلُوْا عَلٰی اَهْلِهَا یعنی کسی کے گھر میں اس وقت تک نہ داخل نہ ہو جب تک دو کام نہ کرو، اول استیناس، اسکے نفی معنی طلب اُنس کے ہیں۔ مراد اس سے جمہور مفسرین کے نزدیک استیذان یعنی اجازت حاصل کرنا ہی۔ استیذان کو بلفظ استیناس ذکر کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ داخل ہونے سے پہلے اجازت حاصل کرنے میں مخاطب مانوس ہوتا ہے اسکو وحشت نہیں ہوتی۔ دوسرا کام یہ ہے کہ گھر والوں کو سلام کرو۔ اسکا مفہوم بعض حضرات مفسرین نے تو یہ لیا کہ پہلے اجازت حاصل کرو اور جب گھر میں جاؤ تو سلام کرو۔ قرطبی نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ اس مفہوم کے اعتبار سے آیت میں کوئی تقدیم تاخیر نہیں پہلے استیذان کیا جائے جب اجازت مل جائے اور گھر میں جائیں تو سلام کریں۔ اور اسی کو حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی حدیث کا مقتنی قرار دیا ہے۔ اور ماوردی نے اس میں تفصیل کی ہے کہ اگر اجازت لینے سے پہلے گھر کے کسی آدمی پر نظر پڑ جائے تو پہلے سلام کرے پھر اجازت طلب کرے ورنہ پہلے اجازت لے اور جب گھر میں جائے تو سلام کرے مگر عام روایات حدیث سے جو طریقہ مسنون معلوم ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ پہلے باہر سے سلام کرے السلام علیکم اسکے بعد اپنا نام لیکر کہے کہ فلاں شخص ملنا چاہتا ہے۔



امام بخاری نے الادب المفرد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ جو شخص سلام سے پہلے استیذان کرے اسکو اجازت نہ دو (کیونکہ اُسے مسنون طریقہ کو چھوڑ دیا) (روح المعانی) اور ابو داؤد کی حایت میں ہے کہ بنی عامر کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح استیذان کیا کہ باہر سے کہا اَلْجَمِیْہُ کیا میں گھس جاؤں۔ آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ یہ شخص استیذان کا طریقہ نہیں جانتا باہر جا کر اسکو طریقہ سکھلاؤ کہ یوں کہے السَّلَامُ عَلَیْکَ اَدْخُلْ یعنی کیا میں داخل ہو سکتا ہوں۔ ابھی یہ خادم باہر نہیں گیا تھا کہ اُسے خود حضورؐ کے کلمات سُن لئے اور اس طرح کہا السلام علیکم اَدْخُلْ۔ تو آپ نے اندر آنے کی اجازت دیدی (ابن کثیر) اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَدْخُلُوا الْمَنْزِلَ یَبْدَأُ بِالسَّلَامِ یعنی جو شخص پہلے سلام نہ کرے اسکو اندر آنے کی اجازت نہ دو (مظہری) اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو اصلاحیں فرمائیں۔ ایک یہ کہ پہلے سلام کرنا چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ اُس نے اَدْخُلْ کے بجائے اَلْجَمِیْہُ کا لفظ استعمال کیا تھادیہ نامناسب تھا کیونکہ اَلْجَمِیْہُ دلوج سے مشتق ہے جسکے معنی کسی تنگ جگہ میں گھسنے کے ہیں یہ تہذیب الفاظ کے خلاف تھا۔ بہر حال ان روایات سے یہ معلوم ہوا کہ آیت قرآن میں جو سلام کرنے کا ارشاد ہے یہ سلام استیذان ہے جو اجازت حاصل کرنے کے لئے باہر سے کیا جاتا ہے تاکہ اندر جو شخص ہے وہ متوجہ ہو جائے اور جو الفاظ اجازت طلب کرنے کے لئے کہے گا وہ سُن لے۔ گھر میں داخل ہونے کے وقت حسبِ معمول دوبارہ سلام کرے۔

مسئلہ: پہلے سلام اور پھر داخل ہونے کی اجازت لینے کا جو بیان اوپر احادیث سے ثابت ہوا اس میں بہتر یہ ہے کہ اجازت لینے والا خود اپنا نام لیکر اجازت طلب کرے جیسا کہ حضرت فاروق اعظم کا عمل تھا کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر آکر یہ الفاظ کہے۔ السَّلَامُ عَلَیْ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَدْخُلْ یعنی سلام کے بعد کہا کہ کیا عمر داخل ہو سکتا ہے (رواہ قاسم بن اصبغ و ابن عبد البر فی التہذیب عن ابن عباس عن عمرؓ۔ ابن کثیر) اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کے پاس گئے تو استیذان کے لئے یہ الفاظ فرمائے۔ السَّلَامُ عَلَیْکَ هَذَا ابُو مُوسٰی السَّلَامُ عَلَیْکَ هَذَا (الاشعری) (قطبی) اس میں بھی پہلے اپنا نام ابو موسیٰ بنلایا پھر مزید وضاحت کے لئے اشعری کا ذکر کیا۔ اور یہ اسلئے کہ جب تک آدمی اجازت لینے والے کو پہچانے نہیں تو جواب دینے میں تشویش ہوگی۔ اس تشویش سے بھی مخاطب کو بچانا چاہئے۔

مسئلہ: اور اس معاملہ میں سب سے بڑا وہ طریقہ ہے جو بعض لوگ کرتے ہیں کہ باہر سے اندر داخل ہونے کی اجازت مانگی اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔ اندر سے مخاطب نے پوچھا کون صاحب



تو جواب میں یہ کہہ دیا کہ میں ہوں، کیونکہ یہ مخاطب کی بات کا جواب نہیں، جس نے اڈل آواز سے نہیں پہچانا وہ میں کے لفظ سے کیا پہچانے گا۔

خطیب بغدادی نے اپنے جامع میں علی بن عامر واسطی سے نقل کیا ہے کہ وہ بصرہ گئے تو حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ کی ملاقات کو حاضر ہوئے۔ دروازہ پر دستک دی۔ حضرت مغیرہؓ نے اندر سے پوچھا کون ہے تو جواب دیا انا (یعنی میں ہوں) تو حضرت مغیرہؓ نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں تو کوئی بھی ایسا نہیں جسکا نام انا ہو پھر باہر تشریف لائے اور اُن کو حدیث سنائی کہ ایک روز حضرت جابر بن عبد اللہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت لینے کے لئے دروازہ پر دستک دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر سے پوچھا کون صاحب ہیں؟ تو جابرؓ نے یہی لفظ کہہ دیا انا یعنی میں ہوں۔ آپ نے بطور زبردستیہ کے فرمایا انا انا یعنی انا انا کہنے سے کیا حاصل ہے اس سے کوئی پہچانا نہیں جاتا۔

مسئلہ: اس سے بھی زیادہ بُرا یہ طریقہ ہے جو آجکل بہت سے لکھے پڑھے لوگ بھی استعمال کرتے ہیں کہ دروازہ پر دستک دی جب اندر سے پوچھا گیا کہ کون صاحب ہیں تو خاموش کھڑے ہیں کوئی جواب ہی نہیں دیتے۔ یہ مخاطب کو تشویش میں ڈالنے اور ایذا پہنچانے کا بدترین طریقہ ہے جس سے استیذان کی مصلحت ہی فوت ہو جاتی ہے۔

مسئلہ: روایات مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ استیذان کا یہ طریقہ بھی جائز ہے کہ دروازہ پر دستک دیدی جائے بشرطیکہ ساتھ ہی اپنا نام بھی ظاہر کر کے بتلادیا جائے کہ فلاں شخص ملنا چاہتا ہے۔ مسئلہ: لیکن اگر دستک ہو تو اتنی زور سے نہ دے کہ جس سے سُنے والا گھبرا اٹھے بلکہ متوسط انداز سے دے جس سے اندر تک آواز تو چلی جائے لیکن کوئی سختی ظاہر نہ ہو۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر دستک دیتے تھے تو اُن کی عادت یہ تھی کہ ناخنوں سے دروازہ پر دستک دیتے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ ہو (رواہ الخطیب فی جامعہ۔ قرطبی) جو شخص استیذان کے مقصد کو سمجھ لے کہ اصل اُس سے استیناس ہے یعنی مخاطب کو مانوس کر کے اجازت حاصل کرنا وہ خود بخود ان سب چیزوں کی رعایت کو ضروری سمجھے گا جن چیزوں سے مخاطب کو تکلیف ہو اُس سے بچے گا۔ اپنا نام ظاہر کرے اور دستک دے تو متوسط انداز سے دے یہ سب چیزیں اُس میں شامل ہیں۔

تنبیہ ضروری | آجکل اکثر لوگوں کو تو استیذان کی طرف کوئی توجہ ہی باقی نہیں رہی جو صریح ترک واجب کا گناہ ہے اور جو لوگ استیذان کرنا چاہیں اور سنون طریقہ کے مطابق باہر سے پہلے سلام کریں پھر اپنا نام بتلا کر اجازت لیں۔ اُن کے لئے اس زمانے میں بعض دشواریاں ہوں بھی پیش آتی ہیں کہ عموماً مخاطب جس سے اجازت لیتا ہے وہ دروازہ سے دُور ہے۔ وہاں



تک سلام کی آواز اور اجازت لینے کے الفاظ پہنچنا مشکل ہیں اسلئے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اصل واجب یہ بات ہے کہ بغیر اجازت کے گھر میں داخل نہ ہو۔ اجازت لینے کے طریقے ہر زمانے اور ہر ملک میں مختلف ہو سکتے ہیں۔ اُن میں سے ایک طریقہ دروازہ پر دستک دینے کا تو خود روایات حدیث سے ثابت ہے اسی طرح جو لوگ اپنے دروازوں پر گھنٹی لگا لیتے ہیں اُس گھنٹی کا بجا دینا بھی واجب استیذان کی ادائیگی کے لئے کافی ہے بشرطیکہ گھنٹی کے بعد اپنا نام بھی ایسی آواز سے ظاہر کر دے جس کو مخاطب سُن لے۔ اسکے علاوہ اور کوئی طریقہ جو کسی جگہ رائج ہو اسکا استعمال کر لینا بھی جائز ہے آجکل جو شناختی کارڈ کا رواج یورپ سے چلا ہے یہ رسم اگرچہ اہل یورپ نے جاری کی مگر مقصد استیذان اس میں بہت اچھی طرح پورا ہو جاتا ہے کہ اجازت دینے والے کو اجازت چاہنے والے کا پورا نام و پتہ اپنی جگہ بیٹھے ہوئے بغیر کسی تکلیف کے معلوم ہو جاتا ہے اس لئے اسکو اختیار کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے کسی شخص سے استیذان کیا اور اُس نے جواب میں کہہ دیا کہ اس وقت ملاقات نہیں ہو سکتی ٹوٹ جائیے تو اس سے بُرا نہ ماننا چاہیے کیونکہ ہر شخص کے حالات اور اُس کے مقتضیات مختلف ہوتے ہیں بعض وقت وہ مجبور ہوتا ہے باہر نہیں آ سکتا نہ آپکو اندر بلا سکتا ہے تو ایسی حالت میں اُسکے عذر کو قبول کرنا چاہیے۔ آیت مذکورہ میں یہی ہدایت ہے **وَلَا تَقِيلُ** اَرْجِعُوا قَارِعُوا اَوْ اُزْكُوا یعنی جب آپ سے کہا جائے کہ اس وقت ٹوٹ جائیں تو آپ کو خوشدلی سے ٹوٹ آنا چاہیے اس سے بُرا نہ ماننا یا وہیں جم کر بیٹھ جانا دونوں چیزیں درست نہیں بعض حضرات سلف سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں عمر بھر اس تمنّا میں رہا کہ کسی کے پاس جا کر استیذان کروں اور وہ مجھے یہ جواب دے کہ ٹوٹ جاؤ تو میں اس حکم قرآن کی تعمیل کا ثواب حاصل کروں مگر عجیب اتفاق ہے کہ مجھے کبھی یہ نعمت نصیب نہ ہوئی۔

مسئلہ: شریعت اسلام نے حُسن معاشرت کے آداب سکھانے اور سب کو ایذا و تکلیف سے بچانے کا دوطرفہ معتدل نظام قائم فرمایا ہے اس آیت میں جس طرح آئیوالے کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر استیذان کرنے پر آپ کو اجازت نہ ملے اور کہا جائے کہ اس وقت ٹوٹ جاؤ تو کہنے والے کو معذور سمجھو اور خوشدلی کیساتھ واپس ٹوٹ جاؤ بُرا نہ مانو اسی طرح ایک حدیث میں اسکا دوسرا رُخ اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لذررک علیک حقاً یعنی جو شخص آپ سے ملاقات کے لئے آئے اُسکا بھی آپ پر حق ہے یعنی اسکا یہ حق ہے کہ اسکو اپنے پاس بلا دیا باہر آکر اُس سے ملو اسکا اکرام کر دیا بات سنو بلا کسی شدید مجبوری اور عذر کے ملاقات سے انکار نہ کرو۔

مسئلہ: اگر کسی کے دروازے پر جا کر استیذان کیا اور اندر سے کوئی جواب نہ آیا تو سُنّت



یہ ہے کہ دوبارہ پھر استیذان کرے اور پھر بھی جواب نہ آوے تو تیسری مرتبہ کرے۔ اگر تیسری مرتبہ بھی جواب نہ آوے تو اسکا حکم وہی ہے جو ارجعوا کا ہے۔ یعنی ٹوٹ جانا چاہیے کیونکہ تین مرتبہ کہنے سے تقریباً یہ تو متعین ہو جاتا ہے کہ آواز سن لی مگر یا تو وہ شخص ایسی حالت میں ہے کہ جواب نہیں دے سکتا مثلاً نماز پڑھ رہا ہے یا بیت الخلاء میں ہے یا غسل کر رہا ہے اور یا پھر اسکو اسوقت بلنا منظور نہیں دونوں حالتوں میں وہیں جے رہنا اور مسلسل دستک غیرہ دیتے رہنا بھی موجب ایذا ہے جس سے بچنا واجب ہے اور استیذان کا اصل مقصد ہی ایذا سے بچنا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا استاذن احدکم ثلاثاً فلو يؤذن له فليرجع۔ یعنی جب کوئی آدمی تین مرتبہ استیذان کرے اور کوئی جواب نہ آوے تو اسکو ٹوٹ جانا چاہیے (ابن کثیر بحوالہ صحیح بخاری) اور مسند احمد میں حضرت انس رضی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ کے مکان پر تشریف لے گئے اور سنت کیمطابق باہر سے استیذان کیلئے سلام کیا السلام علیکم حضرت سعد بن عبادہ نے سلام کا جواب تو دیا مگر آہستہ کہ حضور نہ سنیں، آپ نے دوبارہ اور پھر سہ بارہ سلام کیا۔ حضرت سعد رضی سنتے اور آہستہ جواب دیتے رہے تین مرتبہ ایسا کرنے کے بعد آپ ٹوٹ گئے جب سعد رضی نے دیکھا کہ اب آواز نہیں آرہی تو گھر سے نکل کر پیچھے دوڑے اور یہ غدر پیش کیا کہ یا رسول اللہ میں نے ہر مرتبہ آپ کی آواز سنی اور جواب بھی دیا مگر آہستہ دیا تاکہ زبان مبارک سے زیادہ سے زیادہ سلام کے الفاظ میرے بارے میں نکلیں وہ میرے لئے موجب برکت ہوگا (آپ نے ان کو طریقہ سنت بتلادیا کہ تین مرتبہ جواب نہ آنے پر ٹوٹ جانا چاہیے) اس کے بعد حضرت سعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر ساتھ لے گئے انھوں نے کچھ مہمانی کی آپ نے اسکو قبول فرمایا۔

حضرت سعد رضی کا یہ عمل غلبہ عشق و محبت کا اثر تھا کہ اسوقت ذہن اسطرف نہ گیا کہ سردارِ دو عالم دروازے پر تشریف فرما ہیں مجھے فوراً جا کر انکے قدم چوم لینے چاہئیں بلکہ ذہن اسطرف متوجہ ہو گیا کہ آپ کی زبان مبارک سے السلام علیکم جتنی مرتبہ زیادہ نکلے گا میرے لئے زیادہ مفید ہوگا۔ بہر حال اس سے یہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ تین مرتبہ استیذان کے بعد جواب نہ آوے تو سنت یہ ہے کہ ٹوٹ جائے وہیں جم کر بیٹھ جانا خلاف سنت اور مخاطب کے لئے موجب ایذا ہے کہ اسکو دباؤ دیکر نکلنے پر مجبور کرنا ہے۔

مسئلہ: یہ حکم اسوقت ہے جبکہ سلام یا دستک غیرہ کے ذریعہ اجازت حاصل کرنے کی کوشش تین مرتبہ کر لی ہو کہ اب وہاں جم کر بیٹھ جانا موجب ایذا ہے لیکن اگر کوئی کسی عالم یا بزرگ کے دروازہ پر بغیر استیذان کئے ہوئے اور بغیر ان کو اطلاع دیئے ہوئے انتظار میں بیٹھ رہے کہ جب اپنی فرصت



کے مطابق باہر تشریف لادینگے تو ملاقات ہو جائیگی یہ ہمیں داخل نہیں بلکہ عین ادب کے خود قرآن کریم نے لوگوں کو یہ ہدایت دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں ہوں تو ان کو آواز دیکر بلانا ادب کی خلاف ورزی ہے بلکہ لوگوں کو چاہیے کہ انتظار کریں جس وقت آپ اپنی ضرورت کی مطابق باہر تشریف لادیں اس وقت ملاقات کریں۔ آیت یہ ہے وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ۔ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں میں بعض اوقات کسی انصاری صحابی کے دروازہ پر پورے دوپہر انتظار کرتا رہتا ہوں کہ جب وہ باہر تشریف لادیں تو ان کے کسی حدیث کی تحقیق کروں اور اگر میں ان سے ملنے کے لئے اجازت مانگتا تو وہ ضرور مجھے اجازت دیدیتے مگر میں اس کو خلاف ادب سمجھتا تھا اس لئے انتظار کی مشقت گوارا کرتا تھا۔ (صحیح بخاری)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَكُمْ لَفْظِ مَتَاعٍ کے لغوی معنی کسی چیز کے برتنے استعمال کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے ہیں اور جس چیز سے فائدہ اٹھایا جائے اس کو بھی متاع کہا جاتا ہے اس آیت میں متاع کے لغوی معنی ہی مراد ہیں جبکہ ترجمہ برت سے کیا گیا ہے یعنی برتنے کا استحقاق۔ حضرت صدیق اکبرؓ سے روایت ہے کہ جب استیذان کی آیات مذکورہ نازل ہوئیں جنہیں بغیر اجازت کے کسی مکان میں داخل ہونے کی ممانعت ہے تو صدیق اکبرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ اس ممانعت کے بعد قریش کے تجارت پیشہ لوگ کیا کریں گے کیونکہ مکہ اور مدینہ سے مکہ شام تک ان کے تجارتی سفر ہوتے ہیں اور اس راستہ میں جابجا ان کے مسافر خانے بنے ہوتے ہیں جنہیں دوران سفر وہ لوگ قیام کرتے ہیں۔ انہیں کوئی مستقل رہنے والا نہیں ہوتا تو وہاں استیذان کی کیا صورت ہوگی اجازت کس سے حاصل کی جائیگی۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی (رواہ ابن ابی حاتم۔ منظری) اس شان نزول کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ آیت میں بیوت غیر مسکونہ سے مراد وہ مکانات اور مقامات ہیں جو کسی خاص فرد یا قوم کے لئے خصوصی طور پر رہائش گاہ نہیں بلکہ افراد و قوم کو عام اجازت وہاں جانے پھرنے اور استعمال کرنے کی ہے جیسے وہ مسافر خانے جو شہروں اور جنگلوں میں اسی غرض کے لئے بنائے گئے ہوں اور باشتراک عوام مسجدیں، خانقاہیں، دینی مدارس، ہسپتال، ڈاکخانہ، ریلوے اسٹیشن، ہوائی جہازوں کے مستقر اور قومی تفریحات کیلئے جو مکانات بنائے گئے ہوں غرض رفاہ عام کے سب ادارے اسی حکم میں ہیں کہ وہاں ہر شخص بلا اجازت جاسکتا ہے۔ مسئلہ: رفاہ عام کے اداروں میں جس مقام پر اسکے مالکان یا متولیان کی طرف سے داخلہ کے لئے کچھ شرائط اور پابندیاں ہوں اس کی پابندی شرعاً واجب ہے مثلاً ریلوے اسٹیشن پر اگر بغیر ٹیٹ فارم کے جانے کی اجازت نہیں ہے تو ٹیٹ فارم ٹکٹ حاصل کرنا ضروری ہے اس کی خلاف ورزی ناجائز ہے۔ ایرڈرم (ہوائی اڈے) کے جس حصہ میں جانے کی محکمہ کی طرف سے اجازت نہ ہو وہاں بغیر اجازت



کے جانا شرعاً جائز نہیں۔

مسئلہ: اسی طرح مساجد، مدارس، خانقاہوں، ہسپتالوں وغیرہ میں جو کمرے وہاں کے منتظمین یا دوسرے لوگوں کی رہائش کے لئے مخصوص ہوں جیسے مساجد، مدارس اور خانقاہوں کے خاص حجرے یا ریلوے، ایرڈروم اور ہسپتالوں کے دفاتر اور مخصوص کمرے جو مریضوں یا دوسروں لوگوں کی رہائش گاہ ہیں وہ بیوت غیر مسکونہ کے حکم میں نہیں، بلکہ مسکونہ کے حکم میں ہیں انہیں بغیر اجازت جانا شرعاً ممنوع اور گناہ ہے۔

## استیذان سے متعلق چند دوسرے مسائل

جبکہ یہ معلوم ہو چکا کہ استیذان کے احکام شرعیہ کا اصل مقصد لوگوں کی ایذا رسانی سے بچنا اور حسن معاشرت کے آداب سکھانا ہے تو اشتراک ملت سے مسائل ذیل کا حکم بھی معلوم ہو گیا۔  
ٹیلیفون سے متعلق بعض مسائل | مسئلہ: کسی شخص کو ایسے وقت ٹیلیفون پر مخاطب کرنا جو عادتاً اُس کے سونے یا دوسری ضروریات میں یا نماز میں مشغول ہو نہ کیا وقت ہو بلا ضرورت شدیدہ جائز نہیں کیونکہ اس میں بھی وہی ایذا رسانی ہے جو کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے اور اُس کی آزادی میں خلل ڈالنے سے ہوتی ہے۔

مسئلہ: جس شخص سے ٹیلیفون پر بات چیت اکثر کرنا ہو تو مناسب یہ ہے کہ اُس سے دریافت کر لیا جائے کہ آپ کو ٹیلیفون پر بات کرنے میں کس وقت سہولت ہوتی ہے پھر اُس کی پابندی کرے۔ مسئلہ: ٹیلیفون پر اگر کوئی طویل بات کرنا ہو تو پہلے مخاطب سے دریافت کر لیا جائے کہ آپ کو ذرا سی فرصت ہو تو میں اپنی بات عرض کروں کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی آنے پر آدمی طبعاً مجبور ہوتا ہے کہ فوراً معلوم کرے کہ کون کیا کہنا چاہتا ہے اور اس ضرورت سے وہ کسی بھی حال میں اپنے ضروری کام میں ہوا اسکو چھوڑ کر ٹیلیفون اٹھاتا ہے۔ کوئی بے رحم آدمی اُس وقت لمبی بات کرنے لگے تو سخت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔  
مسئلہ: بعض لوگ ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی رہتی ہرادر کوئی پروا نہیں کرتے نہ پوچھتے ہیں کہ کون ہے کیا کہنا چاہتا ہے یہ اسلامی اخلاق کے خلاف اور بات کرنے والے کی حق تلفی ہے جیسے حدیث میں آیا ہے ان لن تردک علیک حقاً یعنی جو شخص آپ کی ملاقات کو آئے اُس کا تم پر حق ہے کہ اس سے بات کرو اور بلا ضرورت ملاقات سے انکار نہ کرو اسی طرح جو آدمی ٹیلیفون پر آپ سے بات کرنا چاہتا ہے اسکا حق ہے کہ آپ اسکو جواب دیں۔

مسئلہ: کسی کے مکان پر ملاقات کے لئے جاؤ اور اجازت حاصل کرنے کے لئے کھڑے



ہو تو گھر کے اندر نہ جھانکو کیونکہ استیذان کی مصلحت تو یہی ہے کہ دوسرا آدمی جو چیز آپ پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا آپ کو اسکی اطلاع نہونی چاہیے اگر پہلے ہی گھر میں جھانک کر دیکھ لیا تو یہ مصلحت فوت ہو جاوے گی حدیث میں اسکی سخت ممانعت آئی ہے (رواہ البخاری و مسلم عن سہل بن سعد الساعدی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہ تھی کہ کسی کے پاس جاتے اور اجازت حاصل کرنے کے لئے کھڑے ہوتے تو دروازے کے بالائیں کمرے ہونے کے بجائے دائیں یا بائیں کھڑے ہو کر استیذان فرماتے تھے دروازہ کے بالمقابل کھڑے ہوئیے اسلئے اجتناب فرماتے کہ اول تو اس زمانے میں دروازوں پر پردے بہت کم تھے اور پردہ بھی ہو تو ہوا سے کھل جائیگا احتمال بہر حال ہے (مظہری)

مسئلہ: جن مکانوں میں داخل ہونا آیات مذکورہ میں بغیر اجازت کے ممنوع قرار دیا ہے یہ عام حالات میں ہے اگر اتفاقاً کوئی حادثہ آگ لگنے یا مکان منہدم ہونیکا پیش آجائے تو اجازت لئے بغیر اس میں جاسکتے ہیں اور امداد کے لئے جانا چاہیے (مظہری)

مسئلہ: جس شخص کو کسی نے بلا کر بھیجا ہے اگر وہ اس کے قاصد کیساتھ ہی آگیا تو اب اسکو اجازت لینے کی ضرورت نہیں قاصد کا آنا ہی اجازت ہے۔ ہاں اگر اسوقت نہ آیا کچھ دیر کے بعد پہنچا تو اجازت لینا ضروری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا دعی احدکم فجاہ مع التسول فان ذلك لئلا ذن، یعنی جو آدمی بلایا جائے اور وہ قاصد کیساتھ ہی آجائے تو یہی اس کے لئے اندر آنیکی اجازت ہے۔ (رواہ ابو داؤد مظہری)

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّونَ أَبْصَارَهُمْ وَيَحْفَظُونَ أَفْئِدَتَهُمْ ذَلِكَ

کہہ دے ایمان والوں کو نیچی رکھیں ذری اپنی آنکھیں اور تھامتے رہیں اپنے ستر کو اس میں

أَزْكٰى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝۳۱ قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ

خوب شہرتی ہے ان کے لئے، بیشک اللہ کو خبر ہے جو کچھ کرتے ہیں اور کہہ دے ایمان والیوں کو

يَغُضُّونَ مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُونَ فُرُوجَهُمْ وَلَا يُبْدِينَ

نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں اور تھامتے رہیں اپنے ستر کو اور نہ دکھلائیں اپنا سنگار

زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ خِجْرَهُنَّ عَلَىٰ جُجُوجِهِنَّ

سگر جو کھلی چیز ہے اس میں سے اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی اپنے گریبان پر

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِهِنَّ

اور نہ کھولیں اپنا سنگار سگر اپنے خاوند کے آگے یا اپنے باپ کے یا اپنے خاوند کے باپ کے

أَوْ أَبْنَاءَهُنَّ أَوْ أَبْنَاءَ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانَهُنَّ أَوْ بُنَاتِ

یا اپنے بیٹے کے یا اپنے خاوند کے بیٹے کے یا اپنے بھائی کے یا اپنے بھتیجوں کے



أَوْ بَنَىٰ أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَاءَهُنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ الشَّعْبِیْنَ

یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی عورتوں کے یا اپنے ہاتھ کے مال کے یا کاروبار کرنے والوں کے

غَيْرَ أُولَىٰ إِحْرَابَةٍ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَی

جو مرد کہ کچھ غرض نہیں رکھتے یا لڑکوں کے جنہوں نے ابھی نہیں پہچانا عورتوں

عَوْرَتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ

کے بھید کو اور نہ ماریں زمین پر اپنے پاؤں کو کہ جانا جائے جو چھپاتی ہیں

زِينَتِهِنَّ وَتَوْبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا إِلَيْهِ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ

سنگار اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب ملکر اسے ایمان دالو تاکہ تم بھلائی پاؤ

## خلاصہ تفسیر

حکم ششم عورتوں کے پردہ کے احکام | آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں (یعنی جس عضو کی طرف مطلقاً دیکھنا ناجائز ہے اس کو بالکل نہ دیکھیں اور جس کو فی نفسہ دیکھنا جائز ہے مگر شہوت سے جائز نہیں اس کو شہوت سے نہ دیکھیں) اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں (یعنی ناجائز محل میں شہوت رانی نہ کریں جس میں زنا اور لواطت سب داخل ہے) یہ اُن کے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے اور اسکے خلاف میں آلودگی ہے زنا یا مقدمہ زنا میں) بیشک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں (پس خلاف کرنے والے سزا پائی کے مستحق ہونگے) اور (اسی طرح) مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ (وہ بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں (یعنی جس عضو کی طرف مطلقاً دیکھنا ناجائز ہے اس کو بالکل نہ دیکھیں اور جس کو فی نفسہ دیکھنا جائز ہے مگر شہوت سے جائز نہیں اس کو شہوت سے نہ دیکھیں) اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں (یعنی ناجائز محل میں شہوت رانی نہ کریں جس میں زنا و سحاق سب داخل ہے) اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں (زینت سے مراد زیور جیسے کنگن، چوڑی، خلیخال، بازو بند، طوق، جھومر، پٹی، بالیاں وغیرہ اور ان کے مواقع سے مراد ہاتھ، پنڈلی، بازو، گردن، سر، سینہ، کان، یعنی ان سب مواقع کو سب سے چھپائے رکھیں بلحاظ ان دو استثناءؤں کے جو آگے آتے ہیں اور جب ان مواقع کو اجانب سے پوشیدہ رکھنا واجب ہے جن کا ظاہر کرنا محارم کے ردِ وجہ جائز ہے جیسا آگے آتا ہے تو اور مواقع و اعضاء جو بدن کے رہ گئے جیسے پشت و تنک و غیرہ جب تک کھولنا محارم کے ردِ وجہ بھی جائز نہیں ان کا پوشیدہ رکھنا بدلالة النص واجب ہو گیا۔ حاصل یہ ہوا کہ سر سے پاؤں تک تمام بدن اپنا پوشیدہ رکھیں۔ دو استثناء جن کا ذکر اوپر آیا ہے اُن میں سے پہلا استثناء مواقع ضرورت کے لحاظ سے ہے کہ روزِ مرہ کے کام کاج میں جن اعضاء کے کھولنے کی ضرورت



ہوتی ہے اُن کو مستثنیٰ قرار دیا گیا اُس کی تفصیل یہ ہے (مگر جو اس (موقع زینت) میں سے (غالباً) کھلا رہتا ہے) جس کے چھپانے میں ہر وقت حرج ہے مراد اس موقع زینت سے چہرہ اور ہاتھ کی ہتھیلیاں اور صحنِ قول کے مطابق دونوں قدم بھی کیونکہ چہرہ تو قدرتی طور پر مجمع زینت ہے اور بعض زینتیں قصداً بھی اسی کی جاتی ہیں مثل سرمہ وغیرہ اور ہتھیلیاں اور انگلیاں انگوٹھی چھلے مہندی کا موقع ہے اور قد میں بھی پھٹوں اور مہندی کا موقع ہے پس ان مواقع کو اس ضرورت سے مستثنیٰ فرمایا ہے کہ ان کو کھولے بغیر کام کاج نہیں ہو سکتا اور ملاحظہ کی تفسیر وجہ اور کفین کیساتھ حدیث میں آئی ہے اور قد میں کو فقہاء نے اس پر قیاس کر کے اس حکم میں شامل قرار دیا ہے) اور (خصوصاً سر اور سینہ ڈھکنے کا بہت اہتمام کریں اور) اپنے دوپٹے (جو سر ڈھانکنے کے لئے ہیں) اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں (گو سینہ قمیص سے ڈھک جاتا ہے لیکن اکثر قمیص میں سامنے سے گریبان کھلا رہتا ہے اور سینہ کی ہیئت قمیص کے باوجود ظاہر ہوتی ہے اسلئے اہتمام کی ضرورت ہوئی آگے دوسرا استثناء بیان کیا جاتا ہے جن میں محرم مردوں وغیرہ کو پردہ کے حکم مذکور سے مستثنیٰ کیا گیا ہے) اور اپنی زینت (کے مواقع مذکورہ) کو (کسی پر) ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا (اپنے محارم پر یعنی) اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے (حقیقی و علاقائی و اخوانی) بھائیوں پر (نہ کہ چچا زاد یا ماموں زاد وغیرہ بھائیوں پر) یا اپنے (مذکورہ) بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی (حقیقی و علاقائی و اخوانی) بہنوں کے بیٹوں پر (نہ کہ چچا زاد خالہ زاد بہنوں کی اولاد پر) یا اپنی (یعنی دین کی شریک) عورتوں پر (مطلب یہ کہ مسلمان عورتوں پر کیونکہ کافر عورتوں کا حکم مثل اجنبی مرد کے ہے) رواہ الدر عن طاؤس و مجاہد و عطاء و سعید بن المسیب و ابراہیم) یا اپنی لونڈیوں پر (مطلقاً گودہ کافر ہی ہوں کیونکہ مرد غلام کا حکم ابو حنیفہ کے نزدیک مثل اجنبی مرد کے ہے اُس سے بھی پردہ واجب ہے) رواہ فی الدر عن طاؤس و مجاہد و عطاء و سعید بن المسیب و ابراہیم) یا ان مردوں پر جو (محض کھانے پینے کے واسطے) طفیلی (کے طور پر رہتے) ہوں اور ان کو (بوجہ حواس درست نہ ہونے کے عورتوں کی طرف) ذرا توجہ نہ ہو (تا بعین کی تخصیص اس لئے ہے کہ اس وقت ایسے ہی لوگ موجود تھے کذا فی الدر عن ابن عباس اور اسی حکم میں ہے ہر سلوب العقل پس مدار حکم کا سلب جو اس پر ہے نہ کہ تابع اور طفیلی ہونے پر مگر اس وقت وہ تابع ایسے ہی تھے اس لئے تابع کا ذکر کر دیا گیا لقول ابن عباس رضی اللہ عنہما فی الدر مغفل فی عقلہ احمق لا یبکثر للنساء اور جو سمجھ رکھتا ہو تو وہ بہر حال اجنبی مرد ہے گو بوڑھا یا خصی یا مجبوب ہی کیوں نہ ہو اُس سے پردہ واجب ہے) یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کے پردہ کی باتوں سے ابھی واقف نہیں ہوئے (مراد وہ بچے ہیں جو ابھی بلوغ کے قریب نہیں پہنچے اور انھیں شہوت



کی کچھ خبر نہیں پس ان سب کے سامنے وجہ و گفین و قدمین کے علاوہ زینت کے مواقع مذکورہ کا ظاہر کرنا بھی جائز ہے یعنی سر اور سینہ اور شوہر کے روبرو کسی جگہ کا بھی اخفاء واجب نہیں گو خاص بدن کو دیکھنا خلاف اولیٰ ہے۔ قالت سیدتنا ام المؤمنین عائشة رفا ما عھدہ لہ ارمنہ ولہ یرمئ ذلک الموضع اور ردہ فی مشکوٰۃ وروی بقی بن مخلد وابن عدی عن ابن عباس مرفوعاً اذا جامع احدکم زوجته او جاریتہ فلا ینظر الی فرجھا فان ذلک یورث العی قال ابن صلاح جید الاسناد کذا فی الجامع الصغیر اور (پردے کا یہاں تک اہتمام رکھیں کہ چلنے میں) اپنے پاؤں زور نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جاوے (یعنی زیور کی آواز غیر محرموں کے کان تک پہنچے) اور مسلمانوں (تم سے جو ان احکام میں کوتاہی ہو گئی ہو تو) تم سب اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ (ورنہ معصیت مانع فلاح کامل ہو جاتی ہے)۔

## معارف و مسائل

انسدادِ فواحش اور حفاظتِ عصمت کا ایک اہم باب۔ پردہ نسواں ہیں جو سورہ احزاب میں ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقدِ نکاح میں آنے کے وقت نازل ہوئی جس کی تاریخ بعض حضرات نے سلسلہ ہجری اور بعض نے سلسلہ ہجری بتلائی ہے تفسیر ابن کثیر اور نیل الاوطار میں سلسلہ ہجری کو ترجیح دی ہے اور روح المعانی میں حضرت انسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ ذی قعدہ سلسلہ ہجری میں یہ عقد ہوا ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پہلی آیتِ حجاب اسی موقع پر نازل ہوئی۔ اور سورہ نور کی یہ آیات قحطہ افک کیساتھ نازل ہوئی ہیں جو غزوہ بنی المصطلق یا مریض سے واپسی میں پیش آیا یہ غزوہ سلسلہ ہجری میں ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ سورہ نور کی آیات پردہ و حجاب نزول کے اعتبار سے بعد میں آئی ہیں سورہ احزاب کی چار آیتیں متعلقہ حجاب نزول کے اعتبار سے مقدم ہیں اور شرعی پردہ کے احکام اُسی وقت سے شروع ہوئے جبکہ سورہ احزاب کی آیات نازل ہوئیں، اسلئے حجاب اور پردہ کی پوری بحث تو انشاء اللہ تعالیٰ سورہ احزاب میں آوے گی۔ یہاں صرف ان آیات کی تفسیر لکھی جاتی ہے جو سورہ نور میں آئی ہیں۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغْضُؤْا مِنْ اَبْصَارِہُمْ وَ یَحْفَظُوْا اَنْفُسَہُمْ ذٰلِکَ اَرْکٰ لَہُمْ اِنْ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ، یَغْضُؤْا، غَضٌّ سے مشتق ہے جس کے معنی کم کرنے اور پست کرنے کے ہیں (راغب) نگاہ پست اور نیچی رکھنے سے مراد نگاہ کو ان چیزوں سے پھیر لینا ہے



جن کی طرف دیکھنا شرعاً ممنوع و ناجائز ہے۔ ابن کثیر۔ ابن حبان نے یہی تفسیر فرمائی ہے اس میں غیر محرم عورت کی طرف بُری نیت سے دیکھنا تحرماً اور بغیر کسی نیت کے دیکھنا کراہتِ داخل ہے اور کسی عورت یا مرد کے ستر شرعی پر نظر ڈالنا بھی اسیں داخل ہے (مواضع ضرورت جیسے علاج معالجہ وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں) کسی کاراز معلوم کرنے کے لئے اُس کے گھر میں جھانکنا اور تمام وہ کام جن میں نگاہ کے استعمال کرنے کو شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے اسیں داخل ہیں۔

وَيَحْفَظُوا أَعْرَاجَهُمْ، شرمگاہوں کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ نفس کی خواہش پورا کرنے کی جتنی ناجائز صورتیں ہیں اُن سب سے اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں۔ اس میں زنا، لواطت اور دو عورتوں کا باہمی بےحیاق جس سے شہوت پوری ہو جائے، ہاتھ سے شہوت پوری کرنا یہ سب ناجائز و حرام چیزیں داخل ہیں۔ مراد اس آیت کی ناجائز و حرام شہوت رانی اور اُس کے تمام مقدمات کو ممنوع کرنا ہے جن میں سے ابتدا اور انتہا کو تصریحاً بیان فرما دیا باقی درمیانی مقدمات سب اس میں داخل ہو گئے۔ فتنہ شہوت کا سب سے پہلا سبب اور مقدمہ نگاہ ڈالنا اور دیکھنا ہے اور آخری نتیجہ زنا ہے ان دونوں کو صراحتاً ذکر کر کے حرام کر دیا گیا اُن کے درمیانی حرام مقدمات مثلاً باتیں سُنانا۔ ہاتھ لگانا وغیرہ یہ سب ضمنتاً آگئے۔

ابن کثیر نے حضرت عبیدہؓ سے نقل کیا ہے کہ کلّ ما عصى الله به فهو كبيرة وقد ذكر  
الطرافين یعنی جس چیز سے بھی اللہ کے حکم کی مخالفت ہوتی ہو سب کبیرہ ہی ہیں لیکن آیت میں  
اُن کے دو طرف ابتدا و انتہا کو ذکر کر دیا گیا۔ ابتدا نظر اٹھا کر دیکھنا اور انتہا زنا ہے۔ طبرانی نے  
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

النظر تھم من سھام ابلیس مسموم  
من ترکھا عافتی ابد لته ایمانا بجل  
حلاوتہ فی قلبہ (از ابن کثیر)

---

نظر ایک نہریا تیر شیطان کے تیروں میں سے ہے جو شخص  
باوجود دل کے تقاضے کے اپنی نظر پھیر لے تو میں اس کے بدلے  
اسکو ایسا بختہ ایمان دوں گا جسکی لذت وہ اپنے قلب میں  
محسوس کرے گا۔

اور صحیح مسلم میں حضرت جویریہ بن عبد اللہ بخاریؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا اگر بلا ارادہ اچانک کسی غیر محرم عورت پر نظر پڑ جائے تو کیا کرنا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اپنی نظر اس طرف سے پھیر لو (ابن کثیر) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ پہلی نظر تو معاف ہے دوسری گناہ ہے اسکا مطلب بھی یہی ہے کہ پہلی نظر جو بلا ارادہ اچانک پڑ جائے وہ غیر اختیاری ہونے کے سبب معاف ہے ورنہ بالقصد پہلی نظر بھی معاف نہیں۔



بے ریش لڑکوں کی طرف قصداً | ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ بہت سے اسلاف اُمت کسی امرد (بے ریش) نظر کرنا بھی اسی حکم میں ہے

اور بہت سے علماء نے اس کو حرام قرار دیا ہے (غالباً یہ اُس صورت میں ہے جبکہ بُری نیت اور نفس کی خواہش کے ساتھ نظر کی جائے واللہ اعلم۔ ش)

غیر محرم کی طرف نظر کرنا | وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ الْآیۃ، اِس طویل حرام ہے اس کی تفصیل

آیت کے ابتدائی حصہ میں تو وہی حکم ہے جو اس سے پہلی آیت میں مردوں کو دیا گیا ہے کہ اپنی نظریں پست رکھیں یعنی نگاہ پھیر لیں۔ مردوں کے حکم میں عورتیں بھی داخل تھیں مگر اُن کا ذکر علیحدہ تاکید کے لئے کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو اپنے محارم کے سوا کسی مرد

کو دیکھنا حرام ہے بہت سے علماء کا قول یہ ہے کہ غیر محرم مرد کو دیکھنا عورت کے لئے مطلقاً حرام ہے خواہ شہوت اور بُری نیت سے دیکھے یا بغیر کسی نیت و شہوت کے دونوں صورتیں حرام ہیں اور اس پر حضرت

اُم سلمہؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک روز اُم سلمہؓ اور میمونہؓ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں اچانک عبداللہ بن اُم مکتومؓ نابینا صحابی آگئے اور یہ واقعہ حکام

حجاب نازل ہونے کے بعد پیش آیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں کو حکم دیا کہ ان سے پردہ کرو۔ اُم سلمہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ تو نابینا ہیں نہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں نہ ہمیں پہچانتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تو نابینا نہیں ہو، تم تو اُن کو دیکھ رہی ہو

(رواہ ابو داؤد و الترمذی و قال الترمذی حدیث حسن صحیح) اور دوسرے بعض فقہاء نے کہا کہ بغیر شہوت کے غیر مرد کو دیکھنے میں عورت کے لئے مضائقہ نہیں۔ ان کا استدلال صدیقہ عائشہؓ کی

اُس حدیث سے ہے جس میں مذکور ہے کہ مسجد نبوی کے احاطہ میں کچھ حبشی نو جوان عید کے روز اپنا سیاہی نہ کھیل دکھا رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکو دیکھنے لگے اور صدیقہ عائشہؓ نے

آپ کی آڑ میں کھڑے ہو کر اُن کا کھیل دیکھا اور اس وقت تک دیکھتی رہیں جب تک کہ خود ہی اُس سے اکتانیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہیں روکا۔ اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نظر شہوت

تو حرام ہے اور بلا شہوت نظر کرنا بھی خلافِ اولیٰ ہے اور ایک عورت کو دوسری عورت کے مواضعِ ستر کو دیکھنا بغیر خاص ضرورتوں کے یہ بھی اسی آیت کے الفاظ سے حرام ہے کیونکہ جیسا اوپر بیان ہو چکا ہے کہ مواضعِ ستر یعنی

مردوں کا ناف سے گھٹنوں تک اور عورتوں کا کل بدن بجز چہرہ اور ہتھیلیوں کے، یہ مواضعِ ستر ہیں اُن کا چھپانا سب سے فرض ہے نہ کوئی مرد دوسرے مرد کا ستر دیکھ سکتا ہے نہ کوئی عورت دوسری عورت کا ستر دیکھ سکتی ہے

اور مرد کی عورت کا یا عورت کسی مرد کا ستر دیکھے یہ بدتر جہِ اولیٰ حرام ہے اور آیت مذکورہ کے حکم غضبِ بصر کے لئے یعنی تمام نامحرموں سے محرم کا حکم آگے آرہا ہے۔ (مستدق عثمانی ص ۱۹۹)



خلاف ہے کیونکہ آیت کا مطلب جو اوپر بیان ہو چکا ہے اس میں ہر ایسی چیز نظر پست رکھنا اور ہٹالینا مراد ہے جس کی طرف دیکھنے کو شرع میں ممنوع کیا گیا ہے اس میں عورت کے لئے عورت کا ستر دیکھنا بھی داخل ہے۔

وَلَا يَبْدِيْنَ زِينَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ عَلَيْهِنَّ جُحُوْرُهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِينَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ الْاَيَةُ ، زینت لغوی معنی کے اعتبار سے اُس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے انسان اپنے آپ کو مزین اور خوش منظر بنائے۔ وہ عمدہ کپڑے بھی ہو سکتے ہیں ، زیور بھی۔ یہ چیزیں جبکہ کسی عورت کے بدن پر نہ ہوں علیحدہ ہوں تو بالاتفاق اُمت اُن کا دیکھنا مردوں کے لئے حلال ہے جیسے بازار میں بکنے والے زنانہ کپڑے اور زیور کہ اُن کے دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں اس لئے جمہور مفسرین نے اس آیت میں زینت سے مراد محل زینت یعنی وہ اعضاء جن میں زینت کی چیزیں زیور وغیرہ پہنی جاتی ہیں وہ مراد لئے ہیں اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ عورتوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی زینت یعنی مواقع زینت کو ظاہر نہ کرے (کذا فی الروح) اس آیت میں جو عورت کے لئے اظہار زینت کو حرام قرار دیا ہے آگے اس حکم سے دو استثناء بیان فرمائے گئے ایک منظور کے اعتبار سے ہے یعنی جس کی طرف دیکھا جائے دوسرا ناظر یعنی دیکھنے والوں کے اعتبار سے احکام پر وہ سے استثناء پہلا استثناء مَّا ظَهَرَ مِنْهَا کا ہے یعنی عورت کے لئے اپنی زینت کی کسی چیز کو مردوں کے سامنے ظاہر کرنا جائز نہیں بجز اُن چیزوں کے جو خود بخود ظاہر ہو رہی جاتی ہیں یعنی کام کاج اور نقل و حرکت کے وقت جو چیزیں عادتہ کھل ہی جاتی ہیں اور عادتہ اُن کا چھپانا مشکل ہے وہ مستثنیٰ ہیں اُن کے اظہار میں کوئی گناہ نہیں (ابن کثیر) مراد اس سے کیا ہے اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس کی تفاسیر مختلف ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ مَّا ظَهَرَ مِنْهَا میں جس چیز کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ اوپر کے کپڑے ہیں جیسے برقع یا لمبی چادر جو برقع کے قائم مقام ہوتی ہو۔ یہ کپڑے زینت کے کپڑوں کو چھپانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں تو مراد آیت کی یہ ہو گئی کہ زینت کی کسی چیز کو ظاہر کرنا جائز نہیں بجز اُن اوپر کے کپڑوں کے جن کا چھپانا بضرورت باہر نکلنے کے وقت ممکن نہیں جیسے برقع وغیرہ۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں کیونکہ جب عورت کسی ضرورت سے باہر نکلنے پر مجبور ہو تو نقل و حرکت اور لین دین کے وقت چہرے اور ہتھیلیوں کو چھپانا مشکل ہے۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعود کی تفسیر مطابق تو غیر محرم مردوں کے سامنے عورت کو چہرہ اور ہاتھ کھولنا بھی جائز نہیں صرف اوپر کے کپڑے برقع وغیرہ کا اظہار بضرورت مستثنیٰ ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق چہرہ اور ہاتھوں کی ہتھیلیاں بھی غیر محرموں کے سامنے کھولنا جائز ہے اس لئے فقہاء اُمت



میں بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ چہرہ اور ہتھیلیاں پردے سے مستثنیٰ اور ان کا غیر محرموں کے سامنے کھولنا جائز ہے یا نہیں؟ مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر چہرہ اور ہتھیلیوں پر نظر ڈالنے سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو ان کا دیکھنا بھی جائز نہیں اور عورت کو ان کا کھولنا بھی جائز نہیں ایسی طرح اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ ستر عورت جو نماز میں اجماعاً اور خارج نماز علی الاصح فرض ہے اس کے چہرہ اور ہتھیلیاں مستثنیٰ ہیں اگر انکو کھول کر نماز پڑھی تو نماز با اتفاق صحیح و درست ہو جائے گی۔

قاضی بیضاوی اور فاذن نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ مقتضای آیت کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے لئے اصل حکم یہ ہے کہ وہ اپنی زینت کی کسی چیز کو بھی ظاہر نہ ہونے دے بجز اس کے جو نقل و حرکت اور کام کاج کرنے میں عادت کھل ہی جاتی ہیں انہیں برقع اور چادر بھی داخل ہیں اور چہرہ اور ہتھیلیاں بھی کہ جب عورت کسی مجبوری اور ضرورت سے باہر نکلتی ہے تو برقع چادر وغیرہ کا ظاہر ہونا تو مستعین ہی ہے لیکن دین کی ضرورت میں بعض اوقات چہرہ اور ہاتھ کی ہتھیلیاں بھی کھل جاتی ہیں تو وہ بھی معاف ہیں گناہ نہیں۔ لیکن اس آیت سے یہ کہیں ثابت نہیں کہ مردوں کو چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھنا بھی بلا ضرورت جائز ہے بلکہ مردوں کا تو وہی حکم ہے کہ نگاہ پست رکھیں اگر عورت کہیں چہرہ اور ہاتھ کھولنے پر مجبور ہو جائے تو مردوں کو لازم ہے کہ بلا غدر شرعی اور بلا ضرورت کے اسکی طرف نہ دیکھیں۔ اس توجیہ میں دونوں روایتیں اور تفسیریں جمع ہو جاتی ہیں۔ امام مالک کا مشہور مذہب بھی یہی ہے کہ غیر محرم عورت کے چہرہ اور ہتھیلیوں پر نظر کرنا بھی بغیر ضرورت مبیحہ کے جائز نہیں۔ اور زواج میں ابن حجر مکی شافعیؒ نے امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب نقل کیا ہے کہ اگرچہ عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں ستر عورت کے فرض میں داخل نہیں ان کو کھول کر بھی نماز ہو جاتی ہے مگر غیر محرم مردوں کو ان کا دیکھنا بلا ضرورت شرعیہ جائز نہیں۔ اور یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ جن فقہاء نے چہرہ اور ہتھیلیوں کو دیکھنا جائز قرار دیا ہے وہ بھی اس پر متفق ہیں کہ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو چہرہ وغیرہ دیکھنا بھی ناجائز ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حسن اور زینت کا اصل مرکز انسان کا چہرہ ہے اور زمانہ فتنہ و فساد اور غلبہ ہوی اور غفلت کا ہے اس لئے بجز مخصوص ضرورتوں کے مثلاً علاج معالجہ یا کوئی خطرہ شدیدہ وغیرہ عورت کو غیر محرم کے سامنے قصداً چہرہ کھولنا بھی ممنوع ہے اور مردوں کو اس کی طرف قصداً نظر کرنا بھی بغیر ضرورت شرعیہ کے جائز نہیں۔

آیت مذکورہ میں زینت ظاہرہ کے استثناء کے بعد ارشاد ہے وَ لَبَاسُهُنَّ يَحْمُرُهُنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ یعنی آنچل ماریا کریں اپنے دوپٹوں کا اپنے سینوں پر خمر، خمار کی جمع ہے اس کپڑے کو کہتے ہیں جو عورت سر پر استعمال کرے اور اس سے گلا اور سینہ بھی چھپ جائے۔ جیوب جیب کی جمع ہے جس کے معنی ہیں گریبان۔ چونکہ زمانہ قدیم سے گریبان سینہ ہی پر ہونے کا معمول ہے



اس لئے محبوب کے چھپانے سے مراد سینہ کا چھپانا ہے شروع آیت میں اظہارِ زینت کی ممانعت تھی اس جملہ میں اختفاءِ زینت کی تاکید اور اس کی ایک صورت کا بیان ہے جسکی اصل وجہ ایک سیم جاہلیت کا مٹانا ہے زمانہ جاہلیت میں عورتیں دوپٹہ سر پر ڈال کر اسکے دونوں کنارے پشت پر چھپوڑ دیتی تھیں جس سے گریبان اور گلا اور سینہ اور کان کھلے رہتے تھے اس لئے مسلمان عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ایسا نہ کریں بلکہ دوپٹے کے دونوں پتے ایک دوسرے پر لٹ لیں تاکہ یہ سب اعضاء چھپ جائیں (رواہ ابن ابی حاتم عن ابی جبر۔ روح) آگے دوسرا استثناء اُن مردوں کا بیان کیا گیا ہے جن سے شرعاً پردہ نہیں جس کے دو سبب ہیں اول تو جن مردوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اُن کے کسی فتنہ کا خطرہ نہیں وہ محارم ہیں جن کی طبائع کو حق تعالیٰ نے خلقت ایسا بنایا ہے کہ وہ ان عورتوں کی عصمت کے محافظ ہوتے ہیں اُن سے خود کوئی فتنہ کا احتمال نہیں۔ دوسرے ہرقت ایک جگہ ہونے کی ضرورت بھی سہولت پیدا کرنے کی مقتضی ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ شوہر کے سوا دوسرے محارم کو جو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ احکامِ حجاب پر پردہ سے استثناء ہے۔ ستر عورت سے استثناء نہیں عورت کا جو بدن ستر میں داخل ہے جسکا کھولنا نماز میں جائز نہیں اُس کا دیکھنا محارم کے لئے بھی جائز نہیں۔

اس آیت میں آٹھ قسم کے محرم مردوں کا اور چار دوسری اقسام کا پردہ سے استثناء کیا گیا ہے اور سورۃ احزاب کی آیت جو نزول میں اس سے مقدم ہے اس میں صرف سات اقسام کا ذکر ہے پانچ کا اضافہ سورۃ نور کی آیت میں کیا گیا ہے جو اس کے بعد نازل ہوئی ہے۔

**تنبیہ** یاد رہے کہ اس جگہ لفظ محرم عام معنی میں استعمال ہوا ہے جو شوہر پر بھی مشتمل ہے فقہاء کی اصطلاح میں محرم کی جو خاص تفسیر ہے کہ جس سے کبھی نکاح جائز نہ ہو وہ یہاں مراد نہیں تفصیل ان بارہ منشیات کی جو سورۃ نور کی مذکورہ آیت میں ہے یہ ہے۔ سب سے پہلے شوہر ہے جس بیوی کے کسی عضو کا پردہ نہیں اگرچہ اعضاء مخصوصہ کو بلا ضرورت دیکھنا خلافِ اولیٰ ہے حضرت صدیقہ عائشہؓ نے فرمایا ماری منی ولا رایت منہ یعنی نہ اپنے میرے خاص عضو کو دیکھا میں نے آپ کے دوسرے اپنے باپ ہیں، جس میں دادا، پرداد اسب داخل ہیں۔ تیسرے شوہر کا باپ ہے اس میں بھی دادا، پرداد اسب داخل ہیں۔ چوتھے اپنے لڑکے جو اپنی اولاد میں ہیں۔ پانچویں شوہر کے لڑکے جو کسی دوسری بیوی سے ہوں۔ چھٹے اپنے بھائی، اس میں حقیقی بھی داخل ہیں اور باپ شریک یعنی علاق اور ماں شریک یعنی اخیانی بھی لیکن باموں، خال یا چچا، تایا اور پھوپھی کے لڑکے جن کو عام عرف میں بھائی کہا جاتا ہے وہ اس میں داخل نہیں وہ غیر محرم ہیں۔ ساتویں بھائیوں کے لڑکے یہاں بھی صرف حقیقی یا علاق یا اخیانی بھائی کے لڑکے مراد ہیں دوسرے عرفی بھائیوں کے لڑکے شامل نہیں۔ آٹھویں بہنوں کے لڑکے۔ اس میں بھی بہنوں کی حقیقی اور علاق یا اخیانی بہنیں

یہاں مسئلے میں تھوڑی سی تفصیل ہے جو بیان ہونے سے رہ گئی ہے۔ وہ تفصیل یہ ہے کہ عورت کے ستر کا وہ حصہ جو ناف اور گھٹنوں کے درمیان ہے نیز پیٹ اور کمر محرم کے لئے بھی دیکھنا جائز نہیں۔ البتہ اس کے علاوہ بدن کے دوسرے حصے، مثلاً سر، ہاتھ، پاؤں، پنڈلی وغیرہ محرم کے سامنے کھولی جاسکتی ہے، البتہ زمانہ چونکہ فقہ کا ہے۔ اس لئے بلا ضرورت کھولنے کی عادت ڈالنا مناسب نہیں۔ شاید اسی وجہ سے حضرت مصطفیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کے ستری کو محرم کا ستر قرار دیا ہے (واللہ اعلم) محمد تقی عثمانی ۱۹۲۱ء



مراد ہیں۔ ماموں زاد چچا زاد نہیں داخل نہیں یہ آٹھ قسمیں تو محارم کی ہیں۔

نَوْنِ قِسْمِ اَوْ نِسَاءً یَهْنُ یعنی اپنی عورتیں جس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں کہ اُن کے سامنے بھی وہ تمام اعضاء کھولنا جائز ہے جو اپنے باپ بیٹوں کے سامنے کھولے جاسکتے ہیں اور یہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ یہ استثناء احکام حجاب و پردہ سے ہے، احکام ستر سے نہیں۔ اس لئے جو اعضاء ایک عورت اپنے محرم مردوں کے سامنے نہیں کھول سکتی اُن کا کھولنا کسی مسلمان عورت کے سامنے بھی جائز نہیں۔ علاج معالجہ وغیرہ کی ضرورتیں مستثنیٰ ہیں۔

نِسَاءً یَهْنُ، مسلمان عورتوں کی قید سے یہ معلوم ہوا کہ کافر مشرک عورتوں سے بھی پردہ واجب ہے وہ غیر محرم مردوں کے حکم میں ہیں۔ ابن کثیر نے حضرت مجاہدؒ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان عورت کے لئے جائز نہیں کہ کسی کافر عورت کے سامنے اپنے اعضاء کھولے لیکن احادیث صحیحہ میں ایسی روایات موجود ہیں جن میں کافر عورتوں کا ازدواج مطہرات کے پاس جانا ثابت ہے اس لئے اس مسئلہ میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔ بعض نے کافر عورتوں کو مثل غیر محرم مردوں کے قرار دیا ہے بعض نے اس معاملہ میں مسلمان اور کافر دونوں قسم کی عورتوں کا ایک ہی حکم رکھا ہے کہ اُن سے پردہ نہیں۔ امام رازیؒ نے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ لفظ نِسَاءً یَهْنُ میں تو سبھی عورتیں مسلم اور کافر داخل ہیں اور سلف صالحین سے جو کافر عورتوں سے پردہ کرنے کی روایات منقول ہیں وہ استحباب پر مبنی ہیں۔ روح المعانی میں مفتی بغداد علامہ آلوسیؒ نے اسی قول کو اختیار فرما کر کہا ہے۔

هَذِهِ الْقَوْلُ اَوْفَقُ بِالنَّاسِ الْيَوْمَ فَاتَّهَ لَا يَكُنْ اَدِيمُكَ احْتِجَابُ الْمُسْلِمَاتِ عَنْ الذَّمِّاتِ (روح المعانی)

یہی قول آج کل لوگوں کے مناسب حال ہے کیونکہ اس زمانے میں مسلمان عورتوں کا کافر عورتوں سے پردہ تقریباً ناممکن ہو گیا ہے۔

دَسْوِیْنِ قِسْمِ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ ہے یعنی وہ جو ان عورتوں کے مملوک ہوں۔ ان الفاظ کے عموم میں تو غلام اور لونڈیاں دونوں داخل ہیں لیکن اکثر ائمہ فقہاء کے نزدیک اس سے مراد صرف لونڈیاں ہیں، غلام مرد اس میں داخل نہیں۔ اُن سے عام محارم کی طرح پردہ واجب ہے حضرت سعید بن مسیبؒ نے اپنے آخری قول میں فرمایا لَا یُخْسَنُکُمْ اَیْمَانُ التَّوْرَةِ فَاتَّهَ لَا نَافِعُ لَکُمُ الذَّکُورَ یعنی تم لوگ کہیں سورہ نور کی اس آیت سے مغالطہ میں نہ پڑ جاؤ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ کے الفاظ عام ہیں۔ مرد غلاموں کو بھی شامل ہیں لیکن واقعہ ایسا نہیں یہ آیت صرف عورتوں یعنی کنیزوں کے حق میں ہے مرد غلام اس میں داخل نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؒ، حسن بصریؒ، ابن سیرینؒ نے فرمایا کہ غلام مرد کے لئے اپنی آقا عورت کے بال دیکھنا جائز نہیں (روح المعانی) باقی رہا یہ سوال کہ جب لفظ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ سے صرف عورتیں لونڈیاں ہی مراد ہیں تو وہ اس سے



پہلے لفظ نساء بہن میں داخل ہیں ان کو علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت کیا تھی اسکا جواب جسٹس نے یہ دیا ہے کہ لفظ نساء بہن اپنے ظاہر کے اعتبار سے صرف مسلمان عورتوں کے لئے ہے۔ اور مملوکہ باندیوں میں اگر کافر بھی ہوں تو ان کو مستثنیٰ کرنے کے لئے یہ لفظ علیحدہ لایا گیا ہے۔

گیارہویں قسم آیات الشَّامِیَّاتِ غَيْرِ اُولِی الْاِرْبَابَةِ مِنَ الرِّجَالِ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ مغفل اور بدحواس قسم کے لوگ ہیں جن کو عورتوں کی طرف کوئی رغبت و دلچسپی ہی نہ ہو (ابن کثیر) اور یہی مضمون ابن جریر نے ابو عبد اللہؓ، ابن جبر، ابن عطیہ وغیرہ سے نقل کیا ہے اسلئے اس سے مراد وہ مرد ہیں جو عورتوں کی طرف نہ کوئی رغبت و شہوت رکھتے ہوں، نہ ان کے اوصافِ حسن اور حالات سے کوئی دلچسپی رکھتے ہوں کہ دوسرے لوگوں سے بیان کر دیں بخلاف محنت قسم کے لوگوں کے جو عورتوں کے اوصافِ خاص سے تعلق رکھتے ہوں ان سے بھی پردہ واجب ہے جیسا کہ صدیقہ عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ ایک محنت از واج مطہرات کے پاس آیا کرتا تھا اور اُنہات المؤمنین اسکو غَيْرِ اُولِی الْاِرْبَابَةِ مِنَ الرِّجَالِ جو اس آیت میں مذکور ہے داخل سمجھ کر اُس کے سامنے آجاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُس کو دیکھا اور اُس کی باتیں سنیں تو گھروں میں داخل ہونے سے اسکو روک دیا (صحیح المعانی)

اسی لئے ابن حجر مکیؒ نے شرح منہاج میں فرمایا ہے کہ مرد اگرچہ عنین (نامرد) یا مجبوب (مقطوع العضو) یا بہت بوڑھا ہو وہ اس غَيْرِ اُولِی الْاِرْبَابَةِ کے لفظ کیساتھ جو التابِعین کا لفظ مذکور ہے۔ اس سے مراد وہ واجب ہے۔ اس میں غَيْرِ اُولِی الْاِرْبَابَةِ کے لفظ کیساتھ جو التابِعین کا لفظ مذکور ہے۔ اُس سے مراد یہ ہے کہ ایسے مغفل بدحواس لوگ جو طفیلی بن کر کھانے پینے کے لئے گھروں میں چلے جائیں وہ مستثنیٰ ہیں۔ اسکا ذکر صرف اسلئے کیا گیا کہ اسوقت ایسے مغفل قسم کے کچھ مرد ایسے ہی تھے جو طفیلی بن کر کھانے پینے کے لئے گھروں میں جاتے تھے اصل مدار حکم کا ان کے مغفل بدحواس ہونے پر ہے تابع اور طفیلی ہونے پر نہیں۔ وَاللّٰہُ اعْلَمُ

بارہویں قسم اُولِی الْاِرْبَابَةِ مِنَ الرِّجَالِ ہے۔ اس سے مراد وہ نابالغ بچے ہیں جو ابھی بلوغ کے قریب بھی نہیں پہنچے اور عورتوں کے مخصوص حالات و صفات اور حرکات و سکنات سے بالکل بے خبر ہوں۔ اور جو بڑا کا ان اُسور سے دلچسپی لیتا ہو وہ مراہق یعنی قریب بلوغ ہے اُس سے پردہ واجب ہے (ابن کثیر) امام جصاصؒ نے فرمایا کہ یہاں طفل سے مراد وہ بچے ہیں جو مخصوص معاملات کے لحاظ سے عورتوں اور مردوں میں کوئی امتیاز نہ کرتے ہوں (ذکرہ عن المجاہد) پردہ سے مستثنیات کا بیان ختم ہوا۔

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنَ زِينَتِهِنَّ، یعنی عورتوں پر لازم ہے



کہ اپنے پاؤں اتنی زور سے نہ رکھیں جس سے زیور کی آواز نکلے اور انکی مخفی زینت مردوں پر ظاہر ہو۔  
**زیور کی آواز غیر محرموں کو سننا جائز نہیں** | شروع آیت میں عورتوں کو اپنی زینت غیر مردوں پر ظاہر کرنے سے منع فرمایا  
 تھا، آخر میں اسکی مزید تاکید ہے کہ مواضع زینت سر اور سینہ وغیرہ کا چھپانا  
 تو واجب تھا ہی۔ اپنی مخفی زینت کا اظہار خواہ کسی ذریعہ سے ہو وہ بھی جائز نہیں۔ زیور کے اندر  
 خود کوئی چیز ایسی ڈالی جائے جس سے وہ بچنے لگے یا ایک زیور دوسرے زیور سے ٹکرا کر بجے یا پاؤں  
 زمین پر اس طرح مارے جس سے زیور کی آواز نکلے اور غیر محرم مردئیں یہ سب چیزیں اس  
 آیت کی رد سے ناجائز ہیں۔ اور اسی وجہ سے بہت سے فقہار نے فرمایا کہ جب زیور کی آواز غیر  
 محرموں کو سننا اس آیت سے ناجائز ثابت ہوا تو خود عورت کی آواز کا سننا اسکی بھی زیارہ  
 سخت اور بدرجہ اولیٰ ناجائز ہو گا۔ اس لئے عورت کی آواز کو بھی ان حضرات نے ستر میں داخل قرار  
 دیا ہے اور اسی بنا پر نوازل میں فرمایا کہ عورتوں کو جہاں تک ممکن ہو قرآن کی تعلیم بھی عورتوں ہی  
 سے لینا چاہئے۔ مردوں سے تعلیم لینا بدرجہ مجبوری جائز ہے۔

صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ نماز میں اگر کوئی سامنے سے گزرنے لگے تو مرد کو چاہئے کہ  
 بلند آواز سے سبحان اللہ کہہ کر گزرنے والے کو متنبہ کر دے مگر عورت آواز نہ نکالے بلکہ اپنی ایک  
 ہتھیلی کی پشت پر دوسرا ہاتھ مار کر اس کو متنبہ کرے۔

**عورت کی آواز کا مسئلہ** | کیا عورت کی آواز فی نفسہ ستر میں داخل ہے اور غیر محرم کو آواز سننا  
 جائز ہے؟ اس معاملے میں حضرات ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ کی کتب میں عورت کی  
 آواز کو ستر میں داخل نہیں کیا گیا۔ حنفیہ کے نزدیک بھی مختلف اقوال ہیں۔ ابن ہمام نے  
 نوازل کی روایت کی بنا پر ستر میں داخل قرار دیا ہے۔ اسی لئے حنفیہ کے نزدیک عورت  
 کی اذان مکروہ ہے لیکن حدیث سے ثابت ہے کہ ازواج مطہرات نازل حجاب کے بعد بھی  
 پس پردہ غیر محرم سے بات کرتی تھیں اس مجموعہ سے راجح اور صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس  
 موقع اور جس محل میں عورت کی آواز سے فتنہ پیدا ہونیکا خطرہ ہو وہاں ممنوع ہی جہاں یہ نہ ہو جائز ہے  
 (جصاص) اور احتیاطاً اسی میں کہ بلا ضرورت عورتیں پس پردہ بھی غیر محرموں سے گفتگو نہ کریں واللہ اعلم  
**خوشبو لگا کر باہر نکلنا** | اسی حکم میں یہ بھی داخل ہے کہ عورت جب بضرورت گھر سے باہر نکلے تو  
 خوشبو لگا کر نہ نکلے کیونکہ وہ بھی اس کی مخفی زینت ہے غیر محرم تک یہ خوشبو پہنچے تو ناجائز ہے  
 ترمذی میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رحمہ کی حدیث ہے جس میں خوشبو لگا کر باہر جانے والی  
 عورت کو برا کہا گیا ہے۔

مزین برقع پہن کر نکلنا بھی ناجائز ہے | امام جصاص نے فرمایا کہ جب زیور کی آواز تک کو



قرآن نے اظہارِ زینت میں داخل قرار دے کر منوع کیا ہے تو مزین رنگوں کے کا مدار برقعے پہن کر نکلتا بدرجہ اولیٰ منوع ہوگا اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کا چہرہ اگرچہ ستر میں داخل نہیں مگر وہ زینت کا سب سے بڑا مرکز ہے اسلئے اسکا بھی غیر محرموں کے چھپانا واجب ہے  
الابضدورت (جصاص)

وَحُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا آيَةُ الْمُؤْمِنِينَ، یعنی توبہ کرو اللہ سے تم سب کے سب اے مومن بندو۔ اس آیت میں اول مردوں کو نظریں پست رکھنے کا حکم پھر عورتوں کو ایسا ہی حکم پھر عورتوں کو غیر محرموں سے پردہ کرنے کا حکم الگ الگ دینے کے بعد اس جملے میں سب مرد و عورت کو شامل کر کے ہدایت کی گئی ہے کہ شہوتِ نفسانی کا معاملہ دقیق ہے دوسروں کو اس پر اطلاع ہونا مشکل ہے مگر اللہ تعالیٰ پر ہر چھپا ہوا اور کھلا ہوا یکساں ظاہر ہے اسلئے اگر کسی سے احکام مذکورہ میں کسی وقت کوئی کوتاہی ہوگئی ہو تو اس پر لازم ہے کہ اس سے توبہ کرے مگر شہتہ پر ندامت کے ساتھ اللہ سے مغفرت مانگے اور آئندہ اُسکے پاس نہ جائے کا غم مصمم کرے۔

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ

اور نکاح کرو راندوں کا اپنے اندر اور جو نیک ہوں تمہارے غلام اور نوٹدیاں

إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ

اگر وہ ہوں گے مفلس اللہ اُن کو غنی کر دے گا اپنے فضل سے اور اللہ کشائش والا ہے

عَلِيمٌ ۝۳۲ وَلَيْسَتَعَفِيفَ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ

سب کچھ جانتا ہے، اور اپنے آپ کو تھمتے رہیں جن کو نہیں ملتا سامانِ نکاح کا جب تک کہ

يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ

مقدور دے اُن کو اللہ اپنے فضل سے

## خلاصہ تفسیر

(احرار میں سے) جو بے نکاح ہوں (خواہ مرد ہوں یا عورتیں اور بے نکاح ہونا بھی عام ہو خواہ ابھی تک نکاح ہوا ہی نہ ہو یا ہونے کے بعد بیوی کی موت یا طلاق کے سبب بے نکاح رہ گئے) تم اُن کا نکاح کر دیا کرو اور (اسی طرح) تمہارے غلام اور نوٹدیوں میں جو اس (نکاح) کے لائق ہوں (یعنی حقوقِ نکاح ادا کر سکتے ہوں) ان کا بھی (نکاح کر دیا کرو محض اپنی مصلحت سے اُن کی خواہشِ نکاح کی مصلحت کو فوت نہ کیا کرو۔ اور احرار کے نکاح پیغام



دینے والے کے فقر و افلاس پر نظر کر کے انکار نہ کر دیا کرو جبکہ اُس میں کسبِ معاش کی صلاحیت موجود ہو کیونکہ اگر وہ لوگ مفلس ہوں گے تو اللہ تعالیٰ (اگر چاہے گا) اُن کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا (خلاصہ یہ ہے کہ نہ تو مالدار نہ ہونے کی وجہ سے نکاح سے انکار کرو اور نہ یہ خیال کرو کہ نکاح ہو گیا تو خرچ بڑھ جائے گا جو موجودہ حالت میں غنی و مالدار ہے وہ بھی نکاح کرنے سے محتاج و مفلس ہو جائے گا کیونکہ رزق کا مدار اصل میں اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے وہ کسی مالدار کو بغیر نکاح کے بھی فقیر و محتاج کر سکتا ہے، اور کسی غریب نکاح والے کو نکاح کے باوجود فقر و افلاس سے نکال سکتا ہے) اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے (جس کو چاہے مالدار کر دے اور سب کا حال) خوب جاننے والا ہے (جس کو غنی کرنا مقتضائے حکمت و مصلحت ہو گا اس کو غنی کر دیا جاوے گا اور جس کے محتاج و فقیر رہنے ہی میں اس کی مصلحت ہے اُس کو فقیر رکھا جائے گا) اور (اگر کسی کو اپنے فقر و افلاس کی وجہ سے نکاح کا سامان میسر نہ ہو تو) ایسے لوگوں کو کہ جن کو نکاح کا مقدور نہیں اُن کو چاہیے کہ (اپنے نفس کو) قابو میں رکھیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (اگر چاہے تو) ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے (اُس وقت نکاح کر لیں)۔

## معارف و مسائل

بعض احکامِ نکاح | پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سورۃ نور میں زیادہ تر وہ احکام ہیں جن کا تعلق عفت و عصمت کی حفاظت اور فواحش و بے حیائی کی روک تھام سے ہے۔ اس سلسلہ میں زنا اور اُس کے متعلقات کی شدید سزاؤں کا ذکر کیا گیا پھر استیذان کا، پھر عورتوں کے پردے کا۔ شریعتِ اسلام چونکہ ایک معتدل شریعت ہے اس کے احکام سب ہی اعتدال پر اور انسان کے فطری جذبات و خواہشات کی رعایت کیساتھ تعدی اور حد سے نکلنے کی ممانعت کے اصول پر دائر ہیں اسلئے جب ایک طرف انسان کو ناجائز شہوت رانی سے سختی کیساتھ روکا گیا تو ضروری تھا کہ فطری جذبات و خواہشات کی رعایت سے اس کا کوئی جائز اور صحیح طریقہ بھی بتلایا جائے۔ اس کے علاوہ بقائِ نسل کا عقلی اور شرعی تقاضا بھی یہی ہے کہ کچھ حدود کے اندر رہ کر مرد و عورت کے اختلاط کی کوئی صورت تجویز کی جائے۔ اسی کا نام قرآن و سنت کی اصطلاح میں نکاح ہے۔ آیت مذکورہ میں اس کے متعلق حرۃ عورتوں کے ادلیار اور کنیزوں غلاموں کے آقاؤں کو حکم دیا ہے کہ وہ اُن کا نکاح کر دیا کریں۔ **وَالَّذِينَ حَوَّلَ الْمُؤْمِنُونَ الْأَيَّامَ** آیاتِ، آیہ کی جمع ہے جو ہر اُس مرد و عورت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جس کا نکاح موجود نہ ہو۔ خواہ اول ہی سے نکاح نہ کیا ہو یا زوجین میں سے کسی ایک کی موت سے یا طلاق



سے نکاح ختم ہو چکا ہو۔ ایسے مردوں و عورتوں کے نکاح کے لئے اُن کے اولیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اُن کے نکاح کا انتظام کریں۔

آیت مذکورہ کے طرز خطاب سے اتنی بات تو باتفاق ائمہ فقہاء ثابت ہے کہ نکاح کا مسنون اور بہتر طریقہ یہی ہے کہ خود اپنا نکاح کرنے کے لئے کوئی مرد یا عورت بلا واسطہ اقدام کے بجائے اپنے اولیاء کے واسطے سے یہ کام انجام دے۔ ایسے دین و دنیا کے بہت سے مصالح اور فوائد ہیں۔ خصوصاً لڑکیوں کے معاملہ میں کہ لڑکیاں اپنے نکاح کا معاملہ خود طے کریں، یہ ایک قسم کی بے حیائی بھی ہے اور ایسے فواحش کے راستے کھل جانے کا خطرہ بھی۔ اسی لئے بعض روایات حدیث میں عورتوں کو خود اپنا نکاح بلا واسطہ دلی کرنے سے روکا بھی گیا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ حکم ایک خاص سنت اور شرعی ہدایت کی حیثیت میں ہے اگر کوئی بالغ لڑکی اپنا نکاح بغیر اجازت دلی کے اپنے کفو میں کرے تو نکاح صحیح ہو جائے گا اگرچہ خلاف سنت کرنے کی وجہ سے وہ موجب ملامت ہوگی جبکہ اُسے کسی مجبوری سے اس پر اقدام نہ کیا ہو۔

امام شافعیؒ اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک سکاز نکاح ہی باطل کا عدم ہوگا جب تک دلی کے واسطہ سے نہ ہو۔ یہ جگہ اختلافی مسائل کی مکمل تحقیق اور دونوں فقہاء کے لائق بیان کرنے کی نہیں لیکن اتنی بات ظاہر ہے کہ مذکورہ آیت سے زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ نکاح میں اولیاء کا واسطہ ہونا چاہیے باقی یہ صورت کہ کوئی بلا واسطہ اولیاء نکاح کرے تو اُس کا کیا حکم ہوگا یہ آیت قرآن اُس سے ساکت ہے۔ خصوصاً اسوجہ بھی کہ لفظ ایماحی میں یا لغان مرد و عورت دونوں داخل ہیں اور بالغ لڑکوں کا نکاح بلا واسطہ دلی سب کے نزدیک صحیح ہو جاتا ہے اسکو کوئی باطل نہیں کہتا۔ اسی طرح ظاہر یہ ہے کہ لڑکی بالغ اگر اپنا نکاح خود کرے تو وہ بھی صحیح اور معتقد ہو جائے۔ ہاں خلاف سنت کام کرنے پر ملامت دونوں کو کی جائے گی۔

نکاح واجب ہے یا سنت یا اس پر ائمہ مجتہدین تقریباً سبھی متفق ہیں کہ جس شخص کو نکاح نہ کرنے مختلف حالات میں حکم مختلف ہے کی صورت میں غالب گمان یہ ہو کہ وہ حدود شریعت پر قائم نہیں رہ سکے گا گناہ میں مبتلا ہو جائے گا اور نکاح کرنے پر اُس کو قدرت بھی ہو کہ اُس کے وسائل موجود ہوں تو ایسے شخص پر نکاح کرنا فرض یا واجب ہے جب تک نکاح نہ کرے گا گناہگار ہے گا۔ ہاں اگر نکاح کے وسائل موجود نہیں کہ کوئی مناسب عورت میسر نہیں یا اس کے لئے مہر مجمل وغیرہ کی حد تک ضروری خرچ اُس کے پاس نہیں تو اس کا حکم اگلی آیت میں آیا ہے کہ اسکو چاہیے کہ وسائل کی فراہمی کی کوشش کرتا رہے اور جب تک وہ میسر نہ ہوں اپنے نفس کو قابو میں رکھنے اور صبر



کرنے کی کوشش کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے لئے ارشاد فرمایا کہ وہ مسلسل روزے رکھے۔ اس سے غلبہ شہوت کو سکون ہو جاتا ہے۔

مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت عکافؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تمہاری زوجہ ہے انہوں نے عرض کیا نہیں۔ پھر پوچھا کوئی شرعی نوٹدی ہے کہا کہ نہیں پھر آپ نے دریافت کیا کہ تم صاحبِ سعت ہو یا نہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ صاحبِ سعت ہوں۔ مراد یہ تھی کہ کیا تم نکاح کے لئے ضروری نفقات کا انتظام کر سکتے ہو جس کے جواب میں انہوں نے اقرار کیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تو تم شیطان کے بجائی ہو اور فرمایا کہ ہماری سنت نکاح کرنا ہے۔ تم میں بدترین آدمی وہ ہیں جو بے نکاح ہوں اور تمہارے مردوں میں سب سے رذیل وہ ہیں جو بے نکاح مر گئے (منظہری)

اس روایت کو بھی جمہور فقہاء نے اسی حالت پر محمول فرمایا ہے جبکہ نکاح نہ کرنیکی صورتیں گناہ کا خطرہ غالب ہو۔ عکافؓ کا حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گا کہ وہ صبر نہیں کر سکتے اسی طرح مسند احمد میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کرنے کا حکم دیا اور بتلایا یعنی بے نکاح رہنے سے سختی کیسا تھمنا منع فرمایا (منظہری) اسی طرح کی اور بھی روایات حدیث ہیں۔ ان سب کا نخل جمہور فقہاء کے نزدیک وہی صورت ہے کہ نکاح نہ کرنا یا مبتلا بہ عیست کا خطرہ غالب ہو۔ اسی طرح اس پر بھی تقریباً سبھی فقہاء کا اتفاق ہے کہ جس شخص کو بظن غالب یہ معلوم ہو کہ وہ نکاح کرنے کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہو جائے گا مثلاً بیوی کے حقوق زوجیت ادا کرنے پر قدرت نہیں اُس پر ظلم کا مرتکب ہو گا یا اسکے لئے نکاح کرنے کی صورت میں کوئی دوسرا گناہ یقینی طور پر لازم آجائے گا ایسے شخص کو نکاح کرنا حرام یا مکروہ ہے۔

اب اُس شخص کا حکم باقی رہا جو حالت اعتدال میں ہے کہ نہ تو ترکِ نکاح سے گناہ کا خطرہ قوی ہے اور نہ نکاح کی صورت میں کسی گناہ کا اندیشہ غالب ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں کہ اسکو نکاح کرنا افضل ہے یا ترکِ نکاح کر کے نفلی عبادات میں مشغول ہونا افضل ہے۔ امام غزالیؒ کے نزدیک نفلی عبادات میں لگنے سے افضل نکاح کرنا ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک اشتغالِ عبادت افضل ہے۔ وجہ اس اختلاف کی اصل میں یہ ہے کہ نکاح اپنی ذات کے اعتبار سے تو ایک مباح ہے جیسے کھانا، پینا، سونا وغیرہ ضروریاتِ زندگی سب مباح ہیں! ہمیں عبادت کا پہلو اس نیت سے آ جاتا ہے کہ اسکے ذریعہ آدمی اپنے آپ کو گناہ سے بچا سکے گا اور اولاد صالح پیدا ہوگی تو اسکا بھی ثواب ملے گا۔ اور ایسی نیک نیت سے جو مباح کام بھی انسان کرتا ہے وہ اُس کے لئے بالواسطہ عبادت بن جاتی ہے کھانا پینا اور سونا بھی اسی



نیت سے عبادت ہو جاتا ہے اور اشتغال بالعبادت اپنی ذات میں عبادت ہے! سلمے امام شافعی عبادت کے لئے خلوت گزینی کو نکاح سے افضل قرار دیتے ہیں۔ اور امام عظیم ابو حنیفہؒ کے نزدیک نکاح میں عبادت کا پہلو بہ نسبت دوسرے مباحات کے غالب ہے احادیث صحیحہ میں اُس کو سنت المرسلین اور اپنی سنت قرار دے کر تاکیدات بکثرت آئی ہیں۔ اُن روایات حدیث کے مجموعہ سے اتنا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ نکاح عام مباحات کی طرح مُباح نہیں بلکہ سنت انبیاء ہے جس کی تاکیدات بھی حدیث میں آئی ہیں صرف نیت کی وجہ سے عبادت کی حیثیت اس میں نہیں بلکہ سنت انبیاء ہونے کی حیثیت سے بھی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اس طرح تو کھانا پینا سونا بھی سنت انبیاء ہے کہ سب نے ایسا کیا ہے مگر جواب واضح ہے کہ ان چیزوں پر سب انبیاء کا عمل ہونے کے باوجود یہ کسی نے نہیں کہا نہ کسی حدیث میں آیا کہ کھانا پینا اور سونا سنت انبیاء ہے بلکہ اس کو عام انسانی عادت کے تابع انبیاء کا عمل قرار دیا ہے بخلاف نکاح کے کہ اس کو صراحتہ سنت المرسلین اور اپنی سنت فرمایا ہے۔

تفسیر منظر ہی میں اس موقع پر ایک معتدل بات یہ کہی ہے کہ جو شخص حالت اعتدال میں ہو کہ نہ غلبہ شہوت سے مجبور و مغلوب ہو اور نہ نکاح کرنے سے کسی گناہ میں پڑنے کا اندیشہ رکھتا ہو۔ یہ شخص اگر یہ غموس کرے کہ نکاح کرنے کے باوجود نکاح اور اہل و عیال کی مشغولیت میرے لئے کثرت ذکر اللہ اور توجہ الی اللہ سے مانع نہیں ہوگی تو اُس کے لئے نکاح افضل ہو اور انبیاء علیہم السلام اور صلحاء امت کا عام حال یہی تھا۔ اور اگر اس کا اندازہ یہ ہے کہ نکاح اور اہل و عیال کے مشاغل اس کو دینی ترقی، کثرت ذکر وغیرہ سے روک دیں گے تو بحالت اعتدال اُس کے لئے عبادت کے لئے خلوت گزینی اور ترک نکاح افضل ہے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات اس کی تطبیق پر شاہد ہیں اُن میں ایک یہ ہے یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ اِذْ يَوْمَ يَأْتِيكُمُ الْمَوْتُ تَذَكَّرُونَ ۚ اِذْ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ جَمِيعُ النَّاسِ ۚ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔

وَاللَّهُ لَاحِظٌ مِّنْ عِبَادِكُمْ ذَوَا أَمْوَالٍ كَثِيرَةٍ ۖ يَعْنِي اپنے غلاموں اور کنیزوں میں جو صالح ہوں اُن کے نکاح کرا دیا کرو۔ یہ خطاب اُن کے آقاؤں اور مالکوں کو ہے اس جگہ صالحین کا لفظ اپنے نفویٰ معنی میں آیا ہے یعنی انہیں جو شخص نکاح کی صلاحیت و استطاعت رکھتا ہو اس کا نکاح کرا دینے کا حکم اُن کے آقاؤں کو دیا گیا ہے مراد اس صلاحیت سے وہی ہے کہ بوی کے حقوق زوجیت اور نفقہ و ہر محل ادا کرنے کے قابل ہوں۔ اور اگر صالحین کو معروف یعنی نیک لوگوں کے معنی میں لیا جائے تو پھر ان کی تخصیص بالذکر اس وجہ سے ہوگی کہ نکاح کا اصل مقصد حرام سے بچنے کا وہ صالحین ہی میں ہو سکتا ہے بہر حال اپنے غلاموں اور کنیزوں میں جو صلاحیت نکاح کی رکھنے والے ہوں اُن کے نکاح



کا حکم اُن کے آقاؤں کو دیا گیا ہے اور مراد اس سے یہ ہے کہ اگر وہ اپنی نکاح کی ضرورت ظاہر کریں اور خواہش کریں کہ اُن کا نکاح کر دیا جائے تو آقاؤں پر بعض فقہاء کے نزدیک واجب ہوگا کہ انکے نکاح کر دیں اور جمہور فقہاء کے نزدیک اُن پر لازم ہے کہ انکے نکاح میں رکاوٹ نہ ڈالیں بلکہ اجازت دیدیں کیونکہ مملوک غلاموں اور کنیزوں کا نکاح بغیر مالکوں کی اجازت کے نہیں ہو سکتا۔ تو یہ حکم ایسا ہی ہوگا جیسا کہ قرآن کریم کی ایک آیت میں ہے **فَلَا تَقْضُوا هُنَّ اَنْ يَتَّخِجْنَ اَنْزِلًا وَاجْهًا** یعنی عورتوں کے اولیاء پر لازم ہے کہ اپنی زیرِ ولایت عورتوں کو نکاح سے نہ روکیں اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمھارے پاس کوئی ایسا شخص منگنی لیکر آوے اور اخلاق آپکو پسند ہوں تو ضرور نکاح کر دو اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور وسیع پیمانے کا فساد پیدا ہو جائے گا۔ (رواہ الترمذی)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حکم آقاؤں کو اس لئے دیا گیا کہ وہ اجازت نکاح دینے میں کوتاہی نہ کریں۔ خود نکاح کرنا انکے ذمہ واجب ہو یہ ضروری نہیں۔ واللہ اعلم

**اِنْ يَكُوْنُوْا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ** اس میں اُن غریب فقیر مسلمانوں کیلئے بشارت ہے جو اپنے دین کی حفاظت کے لئے نکاح کرنا چاہتے ہیں مگر وسائل مالیہ انکے پاس نہیں کہ جب وہ اپنے دین کی حفاظت اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کی نیت صالحہ سے نکاح کریں گے تو اللہ تعالیٰ اُن کو مالی غنا بھی عطا فرمادیں گے اور اسی میں اُن لوگوں کو بھی ہدایت ہے جن کے پاس ایسے غریب لوگ منگنی لے کر جائیں کہ وہ محض انکے فی الحال غریب فقیر ہونے کی وجہ سے رشتہ سے انکار نہ کر دیں۔ مال آنے جانے والی چیز ہے اصل چیز صلاحیت عمل ہے اگر وہ انہیں موجود ہے تو اُن کے نکاح سے انکار نہ کریں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو نکاح کرنیکی ترغیب دی ہے۔ اسیں آزاد اور غلام سب کو داخل فرمایا ہے اور نکاح کرنے پر اُن سے غنا کا وعدہ فرمایا ہے۔ (ابن کثیر) اور ابن ابی حاتم نے حضرت صدیق اکبرؓ سے نقل کیا ہے کہ اُنھوں نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم نکاح کرنے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرو تو اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ غنا عطا فرمانے کا کیا ہے وہ پورا فرمادیں گے پھر یہ آیت پڑھی۔ **اِنْ يَكُوْنُوْا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ** اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ تم غنی ہونا چاہتے ہو تو نکاح کر لو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **اِنْ يَكُوْنُوْا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ** (رواہ ابن جریر و ذکر البغوی عن عمر بن الخطابؓ - ابن کثیر) **تنبیہ** تفسیر منظری میں ہے کہ مگر یہ یاد رہے کہ نکاح کر نیوالے کو غنی اور مال عطا فرمانیکا وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی حال میں ہے جبکہ نکاح کرنے والے کی نیت اپنی عفت کی حفاظت اور سنت پر عمل ہو اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل و اعتماد ہو اسکی دلیل اگلی آیت کے یہ الفاظ ہیں۔



وَلَيْسُ تَعْظِيفُ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ، یعنی جو لوگ مال و اسباب کے لحاظ سے نکاح پر قدرت نہیں رکھتے اور نکاح کرنے میں یہ خطرہ ہے کہ بیوی کے حقوق ادا نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہو جائیں گے اُن کو چاہیے کہ عفت اور صبر کیساتھ اسکا انتظام کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اُن کو غنی کر دے۔ اور اس صبر کے لئے ایک تدبیر بھی حدیث میں یہ بتلا دی گئی ہے کہ کثرت سے روزے رکھا کریں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اُن کو اتنے مالی وسائل عطا فرمائیں گے جن سے نکاح پر قدرت ہو جائے۔

وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ

اور جو لوگ چاہیں کتبعت آزادی کی مال دے کر اُن میں سے کہ جو تمہارے ہاتھ کے مال میں تو انکو نکاح کر دیدو

عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۖ وَآتُوهُمْ مِّنْ مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ وَلَا

اگر سمجھو ان میں کچھ نیکی اور در اُن کو اللہ کے مال سے جو اس نے تم کو دیا ہے اور نہ

تُكْرَهُوا فَتَيْتَكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَحْبِسُوا عَرَصَ الْحَيَاةِ

زبردستی کرو اپنی چھو کر یوں پرید کاری کے واسطے اگر وہ چاہیں قید سے رہنا کہ تم کمانا چاہو اسباب دنیا کی

الدُّنْيَا وَمَنْ يُكْرِهْهُمْ قَانَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِمْ غُورٌ رَّحِيمٌ (۳۳)

زندگانی کا اور جو کوئی اُن پر زبردستی کرے گا تو اللہ اُن کی بے بسی کے پیچھے بخشے والا مہربان ہے

## خلاصہ تفسیر

اور تمہارے مملوکوں میں سے (غلام ہوں یا لونڈیاں) جو تمکاتب ہونے کے خواہاں ہوں تو (بہتر ہے کہ) اُن کو تمکاتب بنا دیا کرو اگر اُن میں بہتری (کے آثار) پاؤ اور اللہ کے (دیئے ہوئے) اس مال میں سے اُن کو بھی دو جو اللہ نے تم کو دے رکھا ہے (تاکہ جلدی آزاد ہو سکیں) اور اپنی مملوک (لونڈیوں کو زنا کرنے پر مجبور نہ کرو) (بالخصوص) جب وہ پاکدامن رہنا چاہیں (اور تمہاری یہ ذلیل حرکت) محض اسلئے کہ دنیوی زندگی کا کچھ فائدہ (یعنی مال) تم کو حاصل ہو جائے اور جو شخص اُن کو مجبور کرے گا (اور وہ بچنا چاہیں گی) تو اللہ تعالیٰ اُن کے مجبور کئے جانے کے بعد (اُن کے لئے) بخشے والا مہربان ہے۔

## معارف و مسائل

پہلی آیت میں مملوک غلاموں اور لونڈیوں کو اگر نکاح کرنے کی ضرورت ہو تو آقاؤں کو ہدایت کی گئی تھی کہ اُن کو نکاح کی اجازت دیدینا چاہیے اپنی مصلحت کے لئے اُن کے طبعی مصلح کو مؤخر



نہ کریں یہ اُن کے لئے افضل اور بہتر ہے۔ خلاصہ اس ہدایت کا اپنے مملوک غلاموں لونڈیوں کیساتھ حسن معاملہ اور اُن کو تکلیف سے بچانا ہے اسکی مناسبت سے آیت مذکورہ میں ایک دوسری ہدایت اُنکے آقاؤں کے لئے یہ دی گئی ہے کہ اگر یہ مملوک غلام یا لونڈی آقاؤں سے معاملہ مکاتبت کا کرنا چاہیں تو ان کی اس خواہش کو پورا کر دینا بھی آقاؤں کے لئے افضل اور مستحب ہو جب ثواب ہے۔ صاحب ہدایہ اور علامہ فقہاء نے اس حکم کو حکم استحباب ہی قرار دیا ہے یعنی آقا کے ذمہ واجب تو نہیں کہ اپنے مملوک کو مکاتبت بنادے لیکن مستحب اور افضل ہے اور معاملہ مکاتبت کی صورت یہ ہے کہ کوئی مملوک اپنے آقا سے کہے کہ آپ مجھ پر کچھ رقم مقرر کر دیں کہ وہ رقم میں اپنی محنت و کسب سے حاصل کر کے آپ کو ادا کر دوں تو میں آزاد ہو جاؤں اور آقا اسکو قبول کرے، یا معاملہ برعکس ہو کہ آقا چاہے کہ اس کا غلام کچھ معینہ رقم اسکو دے تو آزاد ہو جائے اور غلام اسکو قبول کرے۔ اگر آقا اور مملوک کے درمیان ایجاب و قبول کے ذریعہ یہ معاملہ مکاتبت کا طے ہو جاتا ہے تو وہ شرعاً لازم ہو جاتا ہے آقا کو اسکے فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا جسوقت بھی غلام معینہ رقم لے کر اسکو دیدیگا خود بخود آزاد ہو جائے گا۔

یہ رقم جو بدل کتابت کہلاتی ہیں شریعت نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی خواہ غلام کی قیمت کی برابر ہو یا اُس سے کم یا زیادہ جس پر فریقین میں بات طے ہو جائے وہ بدل کتابت ٹھہرے گا۔ اپنے مملوک غلام یا لونڈی کو مکاتبت بنادینے کی ہدایت اور اسکو مستحب اور افضل قرار دینا شریعت اسلام کے اُن ہی احکام میں سے ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلام کا مقصد فی الواقع یہ ہے کہ جو لوگ شرعی حیثیت سے غلام ہیں اُن کی آزادی کے زیادہ سے زیادہ راستے کھولے جائیں۔ تمام کفارات میں اُن کے آزاد کرنے کے احکام دیئے گئے ہیں۔ ویسے بھی غلام آزاد کرنے میں بہت بڑے ثواب کا وعدہ ہے مکاتبت کا معاملہ بھی اسی کا ایک راستہ ہے اس لئے اُس کی ترغیب دی گئی۔ البتہ اُس کے ساتھ شرط یہ لگائی گئی کہ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا، یعنی مکاتبت بنانا جب درست ہوگا جبکہ تم اُن میں بہتری کے آثار دیکھو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور اکثر حضرات ائمہ نے اس بہتری سے مراد قوت کسب بتلائی ہے یعنی جس شخص میں یہ دیکھو کہ اگر اس کو مکاتبت بنادیا تو کما کر معینہ رقم جمع کر لے گا اُس کو مکاتبت بناؤ ورنہ جو اس قابل نہ ہو اُس کو مکاتبت بنادینے سے غلام کی محنت بھی ضائع ہوگی آقا کا نقصان بھی ہوگا۔ اور صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ خیر اور بہتری سے مراد اس جگہ یہ ہے کہ اُسکے آزاد ہونے سے مسلمانوں کو کسی نقصان کے پہنچنے کا خطرہ نہ ہو مثلاً یہ کہ وہ کافر ہو اور اپنے کافر بھائیوں کی مدد کرتا ہو۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ لفظ خیر اس جگہ دونوں چیزوں پر حاوی ہے کہ غلام میں قوت کسب بھی ہو اور اُس کی آزادی سے مسلمانوں کو کوئی خطرہ بھی نہ ہو۔ (منظہری)



وَأَعْوَضَهُمْ مِّنْ مَّالِ اللَّهِ الَّذِي أَتَوْكُمْ، یعنی بخشش کرو ان پر اُس مال میں سے جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔ یہ خطاب مسلمانوں کو عموماً اور آقاؤں کو خصوصاً کیا گیا ہے کہ جب اس غلام کی آزادی ایک معینہ رقم جمع کر کے آقا کو دینے پر موقوف ہے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ انہیں اُس کی مدد کریں مذکوۃ کا مال بھی اُن کو دے سکتے ہیں اور آقاؤں کو اس کی ترغیب ہے کہ خود بھی انکی مالی امداد کریں یا بدل کتابت میں سے کچھ کم کر دیں۔ صحابہ کرام کا معمول اسی لئے یہ رہا ہے کہ بدل کتابت میں جو رقم اُس پر لگائی جاتی تھی اُس میں سے تہائی چوتھائی یا اس کے کم حسب استطاعت کم کر دیا کرتے تھے۔ (منظہری)

فِی مَعَاشِیَاتِ کَاِیْکَ سَلَمٌ | آجکل دُنیا میں مادہ پرستی کا دُور دُورہ ہے۔ ساری دُنیا معاد و آخرت کو اور اُس میں قسرا کی فیصلہ بھلا کر صرف معاش کے جال میں پھنس گئی ہے اُن کی علمی تحقیقات اور غور و فکر کا دائرہ صرف معاشیات ہی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اور اس میں بحث و تحقیق کے زور نے ایک ایک معمولی مسئلہ کو ایک مستقل فن بنا دیا ہے۔ ان فنون میں سب سے بڑا فن معاشیات کا ہے۔

اس معاملہ میں آجکل عقلاء دُنیا کے دو نظریے زیادہ معروف و مشہور ہیں اور دونوں ہی بام مقصود ہیں اُن کے تصادم نے اقوام دُنیا میں تصادم اور جنگ و جدال کے ایسے دروازے کسولہ کئے ہیں کہ ساری دُنیا امن و اطمینان سے محروم ہو گئی۔

ایک نظام سرمایہ دارانہ نظام ہے جس کو اصطلاح میں کیپٹل ازم کہا جاتا ہے۔ دوسرا نظام اشتراکیت کا ہے جس کو کیونزم یا سوشل ازم کہا جاتا ہے۔ اتنی بات تو شاید یہ کی ہے جس کا دونوں نظاموں میں سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ اس دُنیا میں انسان اپنی محنت اور کوشش سے جو کچھ کماتا اور پیدا کرتا ہے اُس سب کی اصل بنیاد قدرتی وسائل پیداوار زمین، پانی اور معادن میں پیدا ہونے والی قدرتی اشیاء پر ہے۔ انسان اپنے غور و فکر اور محنت و مشقت کے ذریعہ انہیں وسائل پیداوار میں جوڑ توڑ اور تحلیل و ترکیب کے ذریعہ اپنی ضرورت کی لاکھوں اشیاء پیدا کرتا اور بناتا ہے۔ عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ دونوں نظام پہلے یہ سوچتے کہ یہ قدرتی وسائل خود تو پیدا نہیں ہو گئے ان کا کوئی پیدا کرنا والا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اُن کا اصل مالک بھی وہی ہو گا جو اُن کا پیدا کرنے والا ہے۔ ہم ان وسائل پر قبضہ کرنے اور اُن کے مالک بننے یا استعمال کرنے میں آزاد نہیں بلکہ اصل مالک و خالق نے اگر کچھ ہدایات دی ہیں تو اُن کے تابع چلنا ہمارا فرض ہے۔ مگر مادہ پرستی کے جنون نے ان سبھی کو اصل خالق و مالک کے تصور ہی سے غافل کر دیا۔ اُن کے نزدیک اب بحث صرف یہ رہ گئی کہ وسائل پیداوار پر قبضہ کر کے اُن سے ضروریات زندگی پیدا کرنے والا اُن سب چیزوں کا خود بخود آزاد مالک و مختار ہو جاتا ہے، یا یہ سب چیزیں وقف عام اور مشترک ہیں ہر ایک کو اُن سے نفع اٹھانیکا کیسا حق حاصل ہے؟ پہلا نظر یہ سرمایہ دارانہ نظام کا ہے جو انسان کو ان چیزوں پر آزاد ملکیت کا حق دیتا ہے۔



کہ جس طرح چاہے اسکو حاصل کرے اور جہاں چاہے اسکو خرچ کرے اس میں اُس پر کوئی روک ٹوک برداشت نہیں۔ یہی نظریہ قدیم زمانے کے مشرکین و کفار کا تھا جنہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام پر یہ اعتراض کیا تھا کہ یہ مال ہمارے ہیں ہم ان کے مالک ہیں آپ کو کیا حق ہے کہ ہم پر پابندی لگائیں کہ فلاں کام میں خرچ کرنا جائز اور فلاں میں حرام ہے۔ آیت قرآن اَذَانٌ لِّفَعْلٍ فِيْ اَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ کا یہی مطلب ہے۔ اور دوسرا نظریہ اشتراکیت کا ہے جو کسی کو کسی چیز پر ملکیت کا حق نہیں دیتا بلکہ ہر چیز کو تمام انسانوں میں مشترک اور سب کو اُس سے فائدہ اٹھانے کا یکساں حقدار قرار دیتا ہے اور اصل نظریہ اشتراکیت کی بنیاد یہی ہے۔ مگر پھر جب دیکھا کہ یہ ناقابلِ عمل تصور ہے اس پر کوئی نظام نہیں چلایا جاسکتا تو پھر کچھ اشیاء کو ملکیت کے لئے مستثنیٰ بھی کر دیا ہے۔

قرآن کریم نے ان دونوں بیہودہ نظریوں پر رد کر کے اصول یہ بنایا کہ کائنات کی ہر چیز دراصل اللہ تعالیٰ کی ملک ہے جو ان کا خالق ہے۔ پھر اُس نے اپنے فضل و کرم سے انسان کو ایک خاص قانون کے تحت ملکیت عطا فرمائی ہے جن چیزوں کا اس قانون کی رُود سے وہ مالک بنا دیا گیا ہے اس میں دوسرے کے تصرف کو بغیر اسکی اجازت کے حرام قرار دیا مگر مالک بننے کے بعد بھی اسکو آزاد ملکیت نہیں دی کہ جس طرح چاہے کمائے اور جس طرح چاہے خرچ کرے بلکہ دونوں طرف ایک عادلانہ اور حکیمانہ قانون رکھا ہے کہ فلاں طریقہ کمانے کا حلال ہے فلاں حرام اور فلاں جگہ خرچ کرنا حلال ہے اور فلاں حرام۔ اور یہ کہ جو چیز اس کی ملکیت میں دی ہے اُس میں کچھ اور لوگوں کے حقوق بھی لگا دیئے ہیں جن کو ادا کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔

آیت مذکورہ اگرچہ ایک اور مضمون کے لئے آئی ہے مگر اسکے ضمن میں اسی اہم معاشی مسئلہ کے چند اصول بھی آگئے ہیں الفاظ آیت پر نظر کیجئے **وَاَمْوَالُهُمْ قَرْنًا لِلّٰهِ الَّذِيْ اَشْكُرُ** یعنی دو ان کا جہتمند لوگوں کو اللہ کے اُس مال میں سے جو اللہ نے تمہیں دیدیا ہے اس میں تین باتیں ثابت ہوئیں۔ اول یہ کہ اصل مالک مال اور ہر چیز کا اللہ تعالیٰ ہے۔ دوسرے یہ کہ اُسی نے اپنے فضل سے اسکے ایک حصہ کا تمہیں مالک بنا دیا ہے تیسرے یہ کہ جس چیز کا تم کو مالک بنایا ہے اُس پر کچھ پابندیاں بھی اُس نے لگائی ہیں۔ بعض چیزوں میں خرچ کرنے کو منوع قرار دیا اور بعض چیزوں میں خرچ کرنے کو لازم و واجب اور بعض میں سبب اور فضل قرار دیا ہے **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ**

دوسرا حکم اس آیت میں ایک جاہلیت کی رسم مٹانے اور زنا و فواحش کے انسداد کے لئے یہ دیا گیا ہے کہ **وَلَا تَكُوْنُوْا قَتٰلٰتِكُمْ عَلٰی الْبِغَاۗءِ**، یعنی اپنی نوڈیوں کو اس پر مجبور نہ کرو کہ وہ زنا کاری کے ذریعہ مال کما کر تمہیں دیا کریں۔ جاہلیت میں بہت سے لوگ نوڈیوں کو اسی کام کے لئے استعمال کرتے تھے۔ اسلام نے جب زنا پر سخت سزائیں جاری کیں، آزاد اور غلام



سب کو اسکا پابند کیا تو ضروری تھا کہ جاہلیت کی اس رسم کو مٹانے کے لئے خاص احکام دے۔  
 اِنْ اَسْرَدْنَا لَكَ خُصْمًا، یعنی جبکہ وہ نوڈیاں زنا سے بچنے اور پاکدامن رہنے کا ارادہ کریں تو  
 تمہارا ان کو مجبور کرنا بڑی بے حیائی اور بے غیرتی کی بات ہے۔ یہ الفاظ اگرچہ بصورت مشروط آئے ہیں  
 مگر باجماع اُمت درحقیقت مراد ان سے شرط نہیں کہ نوڈیاں زنا سے بچنا چاہیں تو ان کو زنا پر مجبور  
 نہ کیا جائے ورنہ مجبور کرنا جائز ہے بلکہ بتلانا یہ ہے کہ عام عرف و عادت کے اعتبار سے نوڈیوں  
 میں جیا اور پاکدامنی زمانہ جاہلیت میں نابود تھی۔ اسلام کے احکام کے بعد انہوں نے توبہ کی۔ انکے  
 آقاؤں نے مجبور کرنا چاہا تو اسپر یہ احکام آئے کہ جب وہ زنا سے بچنا چاہتی ہیں تو تم مجبور نہ  
 کرو۔ اس میں انکے آقاؤں کو زبردستی اور تشنیع کرنا ہے کہ بڑی بے غیرتی اور بے حیائی کی بات ہے  
 کہ نوڈیاں تو پاک رہنے کا ارادہ کریں اور تم انہیں زنا پر مجبور کرو۔

فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ مِنْكُمْ اُولُو رُحُوٍّ، اس جملہ کا حاصل یہ ہے کہ نوڈیوں  
 کو زنا پر مجبور کرنا حرام ہے۔ اگر کسی نے ایسا کیا اور وہ آقا کے جبر و اکراہ سے مغلوب ہو کر زنا میں  
 مبتلا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ اُس کے گناہ کو معاف فرمادیں گے اور اسکا سارا گناہ مجبور کر نیوالے  
 پر ہوگا۔ (منظری) واللہ اعلم

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ اٰیٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَمَثَلًا لِّلَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ

اور ہم نے اُنہیں تمہاری طرف آیتیں کھلی ہوئی اور کچھ مثال اُن کا جو ہو چکے تم سے

قَبْلَكُمْ وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۳﴾ اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مِثْلُ

پہلے اور نصیحت ڈرنے والوں کو اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی مثال اسکی

نُورٍ كَمِثْلُ نُّوْرِ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجٍ اَلزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا

روشنی کی جیسے ایک طاق اس میں ہو ایک چراغ وہ چراغ دھرا ہو ایک شیشہ میں وہ شیشہ ہے جیسے

كُوْكَبٌ دَرِيٍّ يُّوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مَّبْرُكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا

ایک تارہ چمکتا ہوا تیل جلتا ہے اس میں ایک برکت کے درخت کا وہ زیتون ہے نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ

غَرْبِيَّةٌ لَا يَكَادُ رِيْثُهَا يُضِيْءُ وَلَوْ كُمْ تَمْسَسُهُ نَارُ نُوْرٍ عَلٰی نُّوْرٍ

مغرب کی طرف، قریب اسکا تیل کہ روشن ہو جائے، اگرچہ نہ لگی ہو اس میں آگ روشنی پر روشنی

يَهْدِيْ اَللّٰهُ لِنُوْرِهِ مَن يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ اَللّٰهُ اَلْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ

اللہ راہ دکھلا دیتا ہے اپنی روشنی کی جسکو چاہے، اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے واسطے اور اللہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳۵﴾ فِیْ بُيُوْتِ اٰذِنِ اللّٰهُ اَنْ تَرْفَعَ وَيَذْكُرْ فِيْهَا

سب چیز کو جانتا ہے ان گھروں میں کہ اللہ نے حکم دیا ان کو بلند کرنے کا اور وہاں اسکا نام



اسْمُهُ لَا يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۖ (۳۶) رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ

بِزَعْتِهَا يَادْكُرْتُمْ هِيَ اس کی وہاں صبح اور شام وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں

وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَاقَامِ الصَّلَاةَ وَآتَا زَكَاةً وَيَخَافُونَ يَوْمًا

اور نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے اور نماز قائم رکھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے ڈرتے رہتے ہیں اُس دن سے

تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۖ (۳۷) لِيَجْزِيَ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا

جس میں الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں تاکہ بدلہ دے اُن کو اللہ انکے بہتر سے بہتر کاموں کا

وَيَزِيدَ هُم مِّنْ فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (۳۸)

اور زیادتی دے اُن کو اپنے فضل سے اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا

اور جو لوگ منکر ہیں اُن کے کام جیسے ریت جنگل میں پیاسا جانے اسکو پانی یہاں تک کہ جب

جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِنْدَهُ فَوَقَّهٖ حِسَابَهُ ۗ وَاللَّهُ سَرِيعُ

پہنچا اُس پر اس کو کچھ نہ پایا، اور اللہ کو پایا اپنے پاس پھر اُسکو پورا پہنچا دیا اسکا لکھا، اور اللہ جلد لینے

الْحِسَابِ ۖ (۳۹) أَوْ كَظَلَمْتُمْ فِي بَحْرٍ لِّبَنِي يَعْشَىٰ مُوجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مُوجٌ

والا ہے حساب یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں چڑھی آتی ہے اُسپر ایک لہر اس پر ایک اور لہر

مِّنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ۖ ظَلَمْتُمْ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ

اس کے اوپر بادل اندھیرے ہیں ایک پر ایک جب نکالے اپنا ہاتھ لگتا نہیں

يَكْدُرْ يَدَاهُ ۗ وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ ۖ (۴۰)

کہ اُسکو وہ ٹوہے اور جس کو اللہ نے نہ دی روشنی اُس کے واسطے کہیں نہیں روشنی

## خلاصہ تفسیر

اور ہم نے (تم لوگوں کی ہدایت کے واسطے اس سورت میں یا قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے) تمہارے پاس کھلے کھلے احکام (علمیہ علمیہ) بھیجے ہیں اور جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں اُن کی (یا اُن جیسے لوگوں کی) بعض حکایات اور (خدا سے) ڈرنیوالوں کے لئے نصیحت کی باتیں (نبیجی ہیں) اللہ تعالیٰ نور (ہدایت) دینے والا ہے آسمانوں (میں رہنے والوں) کا اور زمین (میں رہنے والوں) کا (یعنی اہل آسمان زمین میں جن کو ہدایت ہوئی ہے ان سب کو اللہ ہی نے ہدایت دی ہے اور مراد آسمان زمین سے کل عالم ہے پس جو مخلوقات آسمان زمین سے باہر ہے وہ بھی خل ہو گئی جیسے حاملان عرش) اُس کے نور (ہدایت) کی حالت عجیبہ ایسی ہے جیسے (فرض کرو) ایک طاق پر



(اور) اُس میں ایک چراغ (رکھا) ہے اور وہ چراغ (خود طاق میں نہیں رکھا بلکہ) ایک قندیل ہے (اور قندیل طاق میں رکھا ہے اور) وہ قندیل ایسا (صاف شفاف ہو جیسا کہ ایک چمکہ اور ستارہ ہو) اور وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہے جو زیتون (کا درخت) ہے جو (کسی آڑکے) نہ پورب رخ ہے اور نہ (کسی آڑکے) پچھم رخ ہے۔ (یعنی نہ اس کی جانب شرقی میں کسی درخت یا پہاڑ کی آڑ ہے کہ شروع دن میں اُس پر دھوپ نہ پڑے اور نہ اس کی جانب غربی میں کوئی آڑ پہاڑ ہے کہ آخر دن میں اُس پر دھوپ نہ پڑے بلکہ کھلے میدان میں ہے جہاں تمام دن دھوپ رہتی ہے ایسے درخت کا روغن بہت لطیف اور صاف اور روشن ہوتا ہے اور) اسکا تیل (اس قدر صاف اور سلگنے والا ہے کہ) اگر اس کو آگ بھی نہ چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اُٹھے گا (اور جب آگ بھی لگ گئی تب تو) نورِ علیٰ نور (یعنی ایک تو اس میں خود قابلیت نور کی اعلیٰ درجہ کی تھی پھر اوپر سے فاعل یعنی آگ کیساتھ اجتماع ہو گیا اور پھر اجتماع بھی ان کیفیات کیساتھ کہ چراغ قندیل میں رکھا ہو جس سے بالمشاہدہ چمک بڑھ جاتی ہے اور پھر وہ ایسے طاق میں رکھا ہو جو ایک طرف سے بند ہو ایسے موقع پر شعاعیں ایک جگہ سمٹ کر بہت تیز روشنی ہوتی ہے اور پھر تیل بھی زیتون کا جو صاف روشنی اور دھواں کم ہونے میں مشہور ہے تو اس قدر تیز روشنی ہوگی جیسے بہت سی روشنیاں جمع ہو گئی ہوں اس کو نورِ علیٰ نور فرمایا۔ یہاں مثال ختم ہو گئی۔ پس اسی طرح مومن کے قلب میں اللہ تعالیٰ جب نور ہدایت ڈالتا ہے تو روز بروز اسی کا انشراح قبول حق کے لئے بڑھتا چلا جاتا ہے اور ہر وقت احکام پر عمل کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ گو بالفعل بعض احکام کا علم بھی نہ ہوا ہو کیونکہ علم تدریجاً حاصل ہوتا ہے جیسے وہ روغن زیتون آگ لگنے سے پہلے ہی روشنی کے لئے مستعد تھا، مومن بھی علم احکام سے پہلے ہی اُن پر عمل کے لئے مستعد ہوتا ہے اور جب اُس کو علم حاصل ہوتا ہے تو نورِ علیٰ نور یعنی عمل کے پختہ ارادہ کیساتھ نورِ علم بھی مل جاتا ہے جس سے وہ فوراً ہی قبول کر لیتا ہے پس عمل و علم جمیع ہو کر نورِ علیٰ نور صادق آجاتا ہے اور یہ نہیں ہوتا کہ علم احکام کے بعد اسکو کچھ تامل و تردد ہو کہ اگر موافق نفس کے پایا تو قبول کر لیا ورنہ رد کر دیا۔ اسی انشراح اور نور کو دوسری آیت میں اس طرح بیان فرمایا ہے اَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَكَ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ مُخْبِرٍ زَوَّيْهٍ، یعنی جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے ایک نور پر ہوتا ہے اور ایک جگہ فرمایا ہے فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَكَ لِلْإِسْلَامِ۔ غرض نور ہدایت الہیہ کی یہ مثال ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے (اس) نور (ہدایت) تک جس کو چاہتا ہے راہ دیتا ہے (اور پہنچا دیتا ہے) اور ہدایت کی جو یہ مثال دی گئی اسی طرح قرآن میں بہت سی مثالیں بیان کی گئی ہیں تو اس



سے بھی لوگوں کی ہدایت ہی مقصود ہے اس لئے، اللہ تعالیٰ لوگوں (کی ہدایت) کے لئے (یہ) مثالیں بیان فرماتا ہے (تاکہ مضامین عقلیہ محسوس چیزوں کی طرح قریب الی الفہم ہو جاویں) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے (اس لئے جو مثال افادہ مقصود کیلئے کافی ہو اور جس میں اغراض مثال کے پورے مرعی ہوں اسی کو اختیار کرتا ہے مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ مثالیں بیان کرتا ہے اور وہ مثال نہایت مناسب ہوتی ہے تاکہ خوب ہدایت ہو۔ آگے اہل ہدایت کا حال بیان فرماتے ہیں کہ) وہ ایسے گھروں میں (جا کر عبادت کرتے) ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اُن کا ادب کیا جاوے اور اُن میں اللہ کا نام لیا جاوے (مُراد اُن گھروں سے مسجدیں ہیں اور انکا ادب یہ کہ اُن میں جُنُب و عائض داخل نہ ہوں اور انہیں کوئی نجس چیز داخل نہ کی جائے، وہاں غل نہ بچایا جاوے۔ دُنیا کے کام اور باتیں کرنے کے لئے وہاں نہ بیٹھیں۔ بدبو کی چیز کھا کر انہیں نہ جاویں وغیر ذلک، غرض) اُن (مسجدوں) میں ایسے لوگ صبح و شام اللہ کی پاکی (نمازوں میں) بیان کرتے ہیں جن کو اللہ کی یاد (یعنی بجا آوری احکام) سے (جو وقت کے متعلق جو حکم ہو) اور (بالخصوص) نماز پڑھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے (کہ یہ احکام فرعیہ میں سب سے اہم ہیں) نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت (اور باوجود اطاعت و عبادت کے اُن کی خشیت کا یہ حال ہے کہ) وہ ایسے دن (کی داردگیر) سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں بہت سے دل اور آنکھیں اُلٹ جاویں گی (جیسا دوسری آیت میں ہے یُؤْتُونَ مَا آمَنُوا وَقُلُوبُكُمْ وَجِلَةٌ اَتَمُّوا اِلٰی رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ، یعنی یہ لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور اسکے باوجود اُن کے دل قیامت کی باز پرس سے ڈرتے رہتے ہیں اور مقصود اس اہل نور ہدایت کے اوصاف و اعمال کا بیان فرمانا ہے اور آگے ان کے انجام کا ذکر ہے کہ) انجہام (ان لوگوں کا) یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اُن کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دیگا (یعنی جنت) اور (علاوہ جزا کے) ان کو اپنے فضل سے اور بھی زیادہ دیگا (جزا وہ جس کا وعدہ مفصل مذکور ہے اور زیادہ وہ جس کا مفصل وعدہ نہیں گو مجمل عنوانوں سے ہوا ہو) اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بیشمار (یعنی بہت کثرت سے) دے دیتا ہے (پس ان لوگوں کو جنت میں سیطرہ بیشمار دیگا۔ یہاں تک تو ہدایت اور اہل ہدایت کا بیان تھا آگے ضلالت اور اہل ضلالت کا ذکر ہے یعنی) اور جو لوگ کافر (اور اہل ضلال اور نور ہدایت سے دور) ہیں اُن کے اعمال (بوجہ کافروں کی دو قسمیں ہونے کے دو مثالوں کے مشابہ ہیں کیونکہ ایک قسم تو وہ کفار ہیں جو آخرت اور قیامت کے قائل ہیں اور اپنے بعض اعمال پر یعنی جو اُن کے گمان کے مطابق کارِ ثواب اور حسنات ہیں توقع جزائے آخرت کی رکھتے ہیں۔ اور دوسری قسم وہ کفار ہیں جو آخرت اور قیامت کے منکر ہیں قسم اول کفار کے اعمال تو) ایسے ہیں جیسے ایک چیل میدان میں چمکتا ہوا ریت کہ پیاسا (آدمی) اس کو (دور سے)



پانی خیال کرتا ہے (اور اُس کی طرف دوڑتا ہے) یہاں تک کہ جب اسکے پاس آیا تو اُسکو (جو سمجھ رکھا تھا) کچھ بھی نہ پایا اور (غایت پیاس، پھر نہایت پیاس سے جو جسمانی اور روحانی صدمہ پہنچا اور اُس سے تڑپ تڑپ کر مر گیا تو یوں کہنا چاہیے کہ بجائے پانی کے) قضا الہی یعنی موت کو پایا سو اللہ تعالیٰ نے اُس (کی عمر) کا حساب اس کو برابر سرا بر چکا دیا (اور بمیاق کر دیا یعنی عمر کا خاتمہ کر دیا) اور اللہ تعالیٰ (جس چیز کی ميعاد آجاتی ہے اسکا) دم بھر میں حساب (فیصل) کر دیتا (اُس کو کچھ بکھیرا نہیں کرنا پڑتا کہ دیر لگے اور ميعاد سے کچھ بھی توقف ہو جاوے بس یہ مضمون ایسا ہے جیسا دوسری جگہ ارشاد ہے إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ وَقَوْلُهُ لَنْ يُوَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا۔ حاصل اس مثال کا یہ ہوا کہ جیسے پیاسا ریت کو ظاہری چمک سے پانی سمجھا اسی طرح یہ کافر اپنے اعمال کو ظاہری صورت سے مقبول اور شمر نافع آخرت سمجھا اور جیسا وہ پانی نہیں اسی طرح یہ اعمال شرط قبول یعنی ایمان نہ ہونے کے سبب مقبول اور نافع نہیں ہیں اور جب وہاں جا کر اُس پیاسے کو حقیقت معلوم ہوئی اسی طرح اُس کو آخرت میں پہنچ کر حقیقت معلوم ہوگی اور جس طرح یہ پیاسا اپنی توقع کے غلط ہونے سے حسرت و افسوس میں خائب ہو کر مر گیا اسی طرح یہ کافر بھی اپنی توقع کے غلط ہونے پر اس وقت حسرت میں اور ہلاکت ابدی یعنی عقاب جہنم میں مبتلا ہو گا۔ ایک قسم کی مثال تو یہ ہوئی۔ آگے دوسری قسم کے کافروں کے اعمال کی مثال ہے یعنی) یادہ (اعمال باعتبار خصوصیت منکرین قیامت کے) ایسے ہیں جیسے بڑے گہرے سمندر کے اندرونی اندھیرے (جنکا ایک سبب دریا کی گہرائی ہے اور پھر یہ) کہ اُس (سمندر کے اصلی سطح) کو ایک بڑی موج نے ڈھانک لیا ہو (پھر وہ موج بھی اکیلی نہیں بلکہ) اُس (موج) کے اوپر دوسری موج (ہو پھر) اُس کے اوپر بادل (ہو جس سے ستارہ وغیرہ کی روشنی بھی نہ پہنچتی ہو غرض) اوپر تلے بہت سے اندھیرے (ہی اندھیرے) ہیں کہ اگر (ایسی حالت میں کوئی آدمی دریا کی تہ میں) اپنا ہاتھ لکائے (اور اس کو دیکھنا چاہے) تو (دیکھنا تو درکنار) دیکھنے کا احتمال بھی نہیں (اس مثال کا حاصل یہ ہے کہ ایسے کافر جو آخرت اور قیامت کے اہدائیں جزاء و سزا ہی کے منکر ہیں اُن کے پاس وہی نور بھی نہیں جیسے قسم اول کے کافروں کے پاس ایک ہی اور خیالی نور تھا۔ کیونکہ انہوں نے بعض نیک اعمال کو اپنی آخرت کا سامان سمجھا تھا مگر وہ شرط ایمان نہ ہونے کے سبب حقیقی نور نہ تھا ایک ہی نور تھا۔ یہ لوگ جو منکر آخرت ہیں انہوں نے اپنے اعتقاد و خیال کے مطابق بھی کوئی کام آخرت کے لئے کیا ہی نہیں جس کے نور کا ان کو وہم و خیال ہو۔ غرض انکے پاس ظلمت ہی ظلمت ہے نور کا وہم و خیال بھی نہیں ہو سکتا جیسا کہ تہ دریا کی مثال میں ہے۔ اور نظر نہ آنے میں ہاتھ کی تنقیص شاید اسلئے کہ انسانی اعصار و جوارح میں ہاتھ نزدیک ہے پھر اس کو جتنا نزدیک کرنا چاہا ہو نزدیک آجاتا ہے اور جب ہاتھ ہی نظر نہ آیا تو دوسرے اعصار



کا معاملہ ظاہری اور آگے ان کفار کے اندھیرے میں ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ جس کو اللہ ہی نور (ہدایت) نہ دے اُس کو (کہیں سے بھی) نور نہیں (میترا آسکتا)

## معارف و مسائل

آیت مذکورہ کو اہل علم آیت نور لکھتے ہیں کیونکہ اس میں نور ایمان اور ظلمت کفر کو بڑی تفصیلی مثال سے سمجھایا گیا ہے۔

**نور کی تعریف** | امام غزالیؒ نے یہ فرمائی الظاهر بنفسہ والمظہر لغيرہ، یعنی خود اپنی ذات سے ظاہر اور روشن ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر و روشن کرنے والا ہو۔ اور تفسیر منظر میں ہے کہ نور دراصل اُس کیفیت کا نام ہے جس کو انسان کی قوتِ باصرہ پہلے ادراک کرتی ہے اور پھر اُس کے ذریعہ اُن تمام چیزوں کا ادراک کرتی ہے جو آنکھ سے دیکھی جاتی ہیں جیسے آفتاب اور چاند کی شعاعیں اُن کے مقابل اجسام کثیفہ پر پڑ کر اول اُس چیز کو روشن کر دیتی ہیں پھر اُس سے شعاعیں منعکس ہو کر دوسری چیزوں کو روشن کرتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ لفظ نور کا اپنے لغوی اور عرفی معنی کے اعتبار سے حق تعالیٰ جل شانہ کی ذات پر اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ جسم اور جسمانیات سب سے بری اور درار الوریٰ ہے۔ اس لئے آیت مذکورہ میں جو حق تعالیٰ کے لئے لفظ نور کا اطلاق ہوا ہے اس کے معنی یا اتفاقِ ائمہ تفسیر منور یعنی روشن کرنے والے کے ہیں یا پھر صیغہ مبالغہ کی طرح صاحب نور کو نور سے تعبیر کر دیا گیا جیسے صاحبِ کرم کو کرم اور صاحبِ عدل کو عدل کہہ دیا جلتا ہے۔ اور معنی آیت کے وہ ہیں جو خلاصہ تفسیر میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نور بنخشے والے ہیں آسمانِ دزمین کو اور اس میں بسنے والی سب مخلوق کو۔ اور مراد اس نور سے نورِ ہدایت ہے۔ ابن کثیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے اسکی تفسیر میں نقل کیا ہے اللہ ہادی اهل السموات والارض نور مؤمن | مَثَلُ نُورٍ كَمِثْلِ شُعَاعٍ الْآيَةِ، اللہ تعالیٰ کا نورِ ہدایت جو مؤمن کے قلب میں آتا ہے۔ یہ اُس کی ایک عجیب مثال ہے جیسا کہ ابن جریر نے حضرت ابی بن کعبؓ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے هو المؤمن الذي جعل الله الايمان والقرآن في صدره فضرب الله مثله فقال الله نور السموات والارض فبدأ بنور نفسه ثم ذكر نور المؤمن فقال مثل نور من آمن به فكان ابی بن کعب یقرأها مثل نور من آمن به (ابن کثیر)

یعنی یہ مثال اُس مؤمن کی ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور قرآن کا نورِ ہدایت ڈال دیا ہے اس آیت میں پہلے تو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نور کا ذکر فرمایا اللہ نور السموات والارض۔ پھر قاری مؤمن کے نور کا ذکر فرمایا مثل نور۔ اور اس آیت کی قراءت بھی حضرت ابی بن کعبؓ



کی مثل نور کے بجائے مثل نور من امن بہ کی ہے اور سعید بن جبیرؓ نے یہی قرأت اور آیت کا یہی مفہوم حضرت ابن عباسؓ سے بھی روایت کیا ہے۔ ابن کثیر نے یہ روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مثل نور کی ضمیر کے متعلق ائمہ تفسیر کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور دوسری آیت کے یہ ہیں کہ اللہ کا نور ہدایت جو مؤمن کے قلب میں فطرۃ رکھا گیا ہے اُس کی مثال یہ ہے گیشہ کھنڈیؓ یہ قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ضمیر ہی مؤمن کی طرف راجع ہو جس پر سیاق کلام دلالت کر رہا ہے۔ اس لئے حاصل اس مثال کا یہ ہے کہ مؤمن کا سینہ ایک طاق کی مثال ہے اس میں اسکا دل ایک قندیل کی مثال ہے اس میں نہایت شفاف روغن زیتون فطری نور ہدایت کی مثال ہے جو مؤمن کی فطرت میں ودیعت رکھا گیا ہے۔ جسکا خاصہ خود بخود بھی قبول حق کا ہے پھر جس طرح روغن زیتون آگ کے شعلہ سے روشن ہو کر دُور کو روشن کرنے لگتا ہے اسی طرح فطری نور ہدایت جو قلب مؤمن میں رکھا گیا ہے جب جی الہی اور علم الہی کے ساتھ اسکا اتصال ہو جاتا ہے تو روشن ہو کر عالم کو روشن کرنے لگتا ہے اور حضرات صحابہ و تابعین نے جو اس مثال کو قلب مؤمن کیساتھ مخصوص فرمایا وہ بھی غالباً اسلئے ہے کہ فائدہ اس نور کا صرف مؤمن ہی اٹھاتا ہے۔ ورنہ وہ فطری نور ہدایت جو ابتداء تخلیق کے وقت انسان کے قلب میں رکھا جاتا ہے وہ مؤمن کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ہر انسان کی فطرت اور جبلت میں وہ نور ہدایت رکھا جاتا ہے اسی کا یہ اثر دنیا کی ہر قوم ہر خطہ ہر مذہب مشرب کے لوگوں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ وہ خدا کے وجود کو اور اُس کی عظیم قدرت کو فطرۃ مانتا ہے اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کے تصور اور تعبیر میں خواہ کیسی ہی غلطیاں کرتا ہو مگر اللہ تعالیٰ کے نفس وجود کا ہر انسان فطرۃ قائل ہوتا ہے بجز چند مادہ پرست افراد کے جن کی فطرت مسخ ہو گئی ہے کہ وہ خدا ہی کے وجود کے منکر ہیں۔ ایک صحیح حدیث سے اس غموم کی تائید ہوتی ہے جس میں یہ ارشاد ہے کُلُّ مُؤْمِنٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اسکے ماں باپ اسکو فطرت کے تقاضوں سے ہٹا کر غلط راستوں پر ڈال دیتے ہیں۔ اس فطرت سے مراد ہدایت ایمان ہے۔ یہ ہدایت ایمان اور اسکا نور ہر انسان کی پیدائش کے وقت اُس میں رکھا جاتا ہے اور اسی نور ہدایت کی وجہ سے اُس میں قبول حق کی صلاحیت ہوتی ہے۔ جب انبیاء اور انکے نائبوں کے ذریعہ وحی الہی کا علم اُن کو پہنچتا ہے تو وہ اسکو بہولت قبول کر لیتے ہیں بجز اُن مسوخ الفطرۃ لوگوں کے جنہوں نے اُس فطری نور کو اپنی حرکتوں سے مٹا ہی ڈالا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے شروع میں تو عطاء نور کو عام بیان فرمایا ہے جو تمام آسمان والوں اور زمین والوں کو شامل ہے مؤمن کافر کی بھی کوئی تخصیص نہیں۔ اور آخر آیت میں یہ فرمایا یُھْدِی لِلنُّورِ مَنْ یَشَاءُ



یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے ہدایت کر دیتا ہے یہاں مشیت الہی کی قید اُس نورِ فطرت کے لئے نہیں جو ہر انسان میں رکھا ہے بلکہ نورِ قرآن کے لئے ہے جو ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا بجز اُس خوش نصیب کے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق نصیب ہو۔ ورنہ انسان کی کوشش بھی بلا توفیق الہی بیکار بلکہ بعض اوقات مضر بھی پڑ جاتی ہے۔

اِذَا لَمْ يَكُنْ سَعْيٌ مِنَ اللَّهِ لِلْفَتْحِ ۖ فَاُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ اِجْتِهَادٌ  
یعنی اگر اللہ کی طرف سے بندہ کی مدد نہ ہو تو اُس کی کوشش ہی اُس کو الٹا نقصان پہنچا دیتی ہے۔ نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور امام بغویؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے کعب احبار سے پوچھا کہ اس آیت کی تفسیر میں آپ کیا کہتے ہیں مَثَلُ نُورٍ كَشَفَا لَوْنِ الْاَيَةِ کعب احبار جو تورات و انجیل کے بڑے عالم مسلمان تھے انھوں نے فرمایا کہ یہ مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی بیان کی گئی ہے۔ مَثَلُ نُورٍ كَشَفَا لَوْنِ الْاَيَةِ (قندیل) آپ کا قلب مبارک، اور مصباح (چراغ) نبوت ہے۔ اور اس نورِ نبوت کا خاصہ یہ ہے کہ نبوت کے اظہار و اعلان سے پہلے ہی اس میں لوگوں کے لئے روشنی کا سامان ہے پھر وحی الہی اور اسکے اعلان کا اس کے ساتھ اتصال ہو جاتا ہے تو یہ ایسا نور ہوتا ہے کہ سارے عالم کو روشن کرنے لگتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہارِ نبوت و بعثت بلکہ آپ کی پیدائش سے بھی پہلے جو بہت سے عجیب و غریب واقعات عالم میں ایسے پیش آئے جو آپ کی نبوت کی بشارت دینے والے تھے جنکو اصطلاحاً محدثین میں ارباہات کہا جاتا ہے۔ کیونکہ معجزات کا لفظ تو اس قسم کے اُن واقعات کے لئے مخصوص ہے جو دعوائی نبوت کی تصدیق کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پیغمبر کے ہاتھ پر جاری کئے جاتے ہیں۔ اور دعوائی نبوت سے پہلے جو اس قسم کے واقعات دنیا میں ظاہر ہوں ان کو ارباہات کا نام دیا جاتا ہے اس طرح کے بہت سے واقعات عجیبہ صحیح روایات سے ثابت ہیں جن کو شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے خصائص کبریٰ میں اور ابو نعیم نے دلائل النبوة میں اور دوسرے علماء نے بھی اپنی مستقل کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔ اسکا ایک کافی حصہ اس جگہ تفسیر مظہری میں بھی نقل کر دیا ہے۔  
رَوْحِ زَيْتُونٍ كِيَرَكَاتٍ شَجَرَةٍ مَّذْكُورَةٍ زَيْتُونَةٍ، اس سے زیتون اور اسکے درخت کا مبارک اور نافع و مفید ہونا ثابت ہوتا ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بیشمار منافع اور فوائد رکھے ہیں۔ اس کو چراغوں میں روشنی کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اس کی روشنی ہر تیل کی روشنی سے زیادہ صاف شفاف ہوتی ہے اس کو روٹی کے ساتھ سامن کی جگہ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے پھل کو بطور تفکّہ کے کھایا بھی جاتا ہے اور یہ ایسا تیل ہے جس کے نکالنے کیلئے کسی مشین یا چرخہ کی ضرورت نہیں خود بخود اسکے پھل سے نکل آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم



نے فرمایا کہ روغن زیتون کو کھاؤ بھی اور بدن پر مالش بھی کرو کیونکہ یہ شجر مبارک ہے (رواہ ابنی) والترندی عن عمر بن مرفوعاً - منہری

فِي بُيُوتِ آيَاتِ اللَّهِ أَنْ تَوْفَّقَ وَيُنْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ لَا يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ الآتية، سابقہ آیت میں حق تعالیٰ نے قلبِ مؤمن میں اپنا نور ہدایت ڈال دینے کی ایک خاص مثال بیان فرمائی تھی اور آخر میں یہ فرمایا تھا کہ اس نور سے فائدہ وہ ہی لوگ اٹھاتے ہیں جنکو اللہ چاہتا اور توفیق دیتا ہے۔ اس آیت میں ایسے مومنین کا مستقر اور محل بیان فرمایا گیا کہ ایسے مومنین کا اصل مقام و مستقر جہاں وہ اکثر اوقات خصوصاً پانچ نمازوں کے اوقات میں دیکھے جاتے ہیں وہ بیوت یعنی مکانات ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ اُن کو بندوبست رکھا جائے اور اُن میں اللہ کا نام ذکر کیا جائے اور ان بیوت و مکانات کی شان یہ ہے کہ اُن میں اللہ کے نام کی تسبیح و تقدیس صبح شام یعنی تمام اوقات میں ایسے لوگ کرتے رہتے ہیں جن کی خاص صفات کا بیان آگے آتا ہے۔

اس تقریر کی بناء اس پر ہے کہ نحوی ترکیب میں فِي بُيُوتِ کا تعلق آیت کے جملہ بھیدی اللہ لیجوز کے ساتھ ہو (کما استفاد من ابن کثیر وغیرہ من المفسرین) بعض حضرات نے اسکا تعلق لفظ یُسَبِّحُ مخدوہ کے ساتھ کیا ہے جس پر آگے آنیوالا لفظ یُسَبِّحُ دلالت کرتا ہے مگر پہلا احتمال نسق کلام کے اعتبار سے بہتر معلوم ہوتا ہے اور مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ مثالِ سابق میں اللہ تعالیٰ کے جس نور ہدایت کا ذکر ہوا ہے اُس کے ملنے کی جگہ وہ بیوت و مکانات ہیں جہاں صبح شام اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک ان بیوت سے مراد مساجد ہیں۔

مساجد اللہ کے گھر ہیں انکی تعظیم واجب ہے | قرطبی نے اسی کو ترجیح دی اور استدلال میں حضرت انس کی یہ حدیث پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من احب الله عز وجل فليحبني ومن احبني فليحب اصحابي ومن احب اصحابي فليحب القرآن ومن احب القرآن فليحب المساجد فانها افنية الله اذن الله في رفعها وبارك فيها ميمونة ميمون اهلها محفوفة محفوظا اهلها هم في صلاتهم والله عز وجل في حوائجهم

جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا چاہتا ہے اسکو چاہیے کہ مجھ سے محبت کرے۔ اور جو مجھ سے محبت رکھنا چاہے اسکو چاہیے کہ میرے صحابہ سے محبت کرے۔ اور جو صحابہ سے محبت رکھنا چاہے اسکو چاہیے کہ قرآن سے محبت کرے۔ اور جو قرآن سے محبت رکھنا چاہے اسکو چاہیے کہ مسجدوں سے محبت کرے کیونکہ وہ اللہ کے گھر ہیں، اللہ نے اُن کی تعظیم کا حکم دیا ہے اور اُن میں برکت رکھی ہے وہ بھی بابرکت ہیں اور اُن کے رہنے والے بھی بابرکت۔ وہ بھی اللہ کی حفاظت میں ہیں



هم في المساجد والله من

وسا الله

(قرطبی)

اور اُن کے رہنے والے بھی حفاظت میں۔ وہ لوگ اپنی نمازوں میں مشغول ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے کام بناتے اور حاجتیں پوری کرتے ہیں وہ مسجدوں میں جتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُنکے پیچھے اُن کی چیزوں کی حفاظت کرتے ہیں (قرطبی)

رفع مساجد کے معنی | اِذَنْ لِّلّٰهِ اَنْ تَرْفَعَ، اِذَنْ، اِذَنْ سے مشتق ہے جس کے معنی اجازت دینے کے ہیں اور تَرْفَعَ، رفع سے مشتق ہے جس کے معنی بلند کرنے اور تعظیم کرنے کے ہیں۔ معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے مسجدوں کو بلند کرنے کی۔ اجازت دینے سے مراد اُس کا حکم کرنا ہے اور بلند کرنے سے مراد اُن کی تعظیم کرنا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بلند کرنے کے حکم میں اللہ تعالیٰ نے مسجدوں میں لغو کام کرنے اور لغو کلام کرنے سے منع فرمایا ہے (ابن کثیر) عکرمہ مجاہد امام تفسیر نے فرمایا کہ رفع سے مراد مسجد کا بنانا ہے جیسے بنار کعبہ کے متعلق قرآن میں آیا ہے وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمَ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ کہ اسی میں رفع قواعد سے مراد بنار قواعد ہے اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ رفع مساجد سے مراد مساجد کی تعظیم و احترام اور اُن کو نجاستوں اور گندی چیزوں سے پاک رکھنا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ مسجد میں جب کوئی نجاست لائی جائے تو مسجد اُس سے اس طرح سٹھتی ہے جیسے انسان کی کھال آگ سے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے مسجد میں سے ناپاکی اور گندگی اور ایذا کی چیز کو نکال دیا اللہ تعالیٰ اُس کے لئے جنت میں گھر بنا دیں گے۔ رفاہ ابن ماجہ۔ اور حضرت صدیقہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اپنے گھروں میں (بھی) مسجدیں (یعنی نماز پڑھنے کی مخصوص جگہیں) بنائیں اور اُن کو پاک صاف رکھنے کا اہتمام کریں۔ (قطبی)

اور اصل بات یہ ہے کہ لفظ تَرْفَعُ میں مسجدوں کا بنانا بھی داخل ہے اور اُن کی تعظیم و تکریم اور پاک صاف رکھنا بھی۔ پاک صاف رکھنے میں یہ بھی داخل ہے کہ ہر نجاست اور گندگی سے پاک رکھیں۔ اور یہ بھی داخل ہے کہ اُن کو ہر بدبو کی چیز سے پاک رکھیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لہسن یا پیاز کھا کر بغیر منہ صاف کئے ہوئے مسجد میں آئیے منع فرمایا ہے جو عام کتب حدیث میں معروف ہے۔ سگرٹ، حقہ، پان کا تمباکو کھا کر مسجد میں جانا بھی اسی حکم میں ہے۔ مسجد میں مٹی کا تیل جلانا جیسے بدبو ہوتی ہے وہ بھی اسی حکم میں ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت فاروق اعظمؓ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص کے منہ سے لہسن یا پیاز کی بدبو محسوس فرماتے تھے اسکو مسجد سے نکال کر بیعت میں بھیجتے تھے اور فرماتے تھے کہ جبکو لہسن پیاز کھانا ہی ہو تو اسکو خوب اچھی طرح پکا کر کھائے کہ اُن کی بدبو ماری جائے حضرت فقہاء نے اس حدیث سے استدلال کر کے فرمایا کہ جس شخص کو کوئی ایسی بیماری ہو کہ اُس کے پاس کھڑے



ہونے والوں کو اُس سے تکلیف پہنچے اُس کو بھی مسجد سے ہٹایا جاسکتا ہے اُس کو خود چاہیے کہ جب تک ایسی بیماری میں ہے نماز گھر میں پڑھے۔

**رفع مساجد** کا مفہوم جمہور صحابہ تابعین کے نزدیک یہی ہے کہ مسجدیں بنائی جائیں اور ان کو ہر بڑی چیز سے پاک صاف رکھا جائے۔ بعض حضرات نے ہمیں مسجدوں کی ظاہری شان و شوکت اور تعمیری بلندی کو بھی دخل قرار دیا ہے اور استدلال کیا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے مسجد نبویؐ کی تعمیر سال کی لکڑی سے شاندار بنائی تھی اور حضرت عمرؓ بن عبد العزیز نے مسجد نبویؐ میں نقش و نگار اور تعمیری خوبصورتی کا کافی اہتمام فرمایا تھا اور یہ زمانہ اجلہ صحابہ کا تھا کسی نے اُنکے اس فعل پر انکار نہیں کیا اور بعد کے بادشاہوں نے تو مسجدوں کی تعمیرات میں بڑے اموال خرچ کئے ہیں۔ ولید بن عبد الملک نے اپنے زمانہ خلافت میں دمشق کی جامع مسجد کی تعمیر و تزین پر پورے ملک شام کی سالانہ آمدنی سے تین گنا زیادہ مال خرچ کیا تھا اُن کی بنائی ہوئی یہ مسجد آج تک قائم ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر نام و نمود اور شہرت کیلئے نہ ہو اللہ کے نام اور اللہ کے گھر کی عظیم کی نیت سے کوئی شخص مسجد کی تعمیر شاندار بلند و محکم خوبصورت بنائے تو کوئی ممانعت نہیں بلکہ اُمید ثواب کی ہے۔

**بعض ضنائل مساجد** ابو داؤد نے حضرت ابوامامہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر سے وضو کر کے فرض نماز کے لئے مسجد کی طرف نکلا اُس کا ثواب اُس شخص جیسا ہے جو احرام باندھ کر گھر سے حج کے لئے نکلا ہو اور جو شخص نماز اشراق کے لئے اپنے گھر سے وضو کر کے مسجد کی طرف چلا تو اس کا ثواب عمرہ کرنے والے جیسا ہے۔ اور ایک نماز کے بعد دوسری بشرطیکہ ان دونوں کے درمیان کوئی کام یا کلام نہ کرے، علیین میں لکھی جاتی ہے۔ اور حضرت بریدہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ اندھیرے میں مساجد کو جاتے ہیں اُن کو قیامت کے روز مکمل نور کی بشارت سنا دیجئے (رواہ مسلم)

اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا، گھر میں یا دکان میں نماز پڑھنے کی نسبت بیس سے زائد درجہ افضل ہے اور یہ اسلئے کہ جب کوئی شخص وضو کرے اور اچھی طرح (سنت کے مطابق) وضو کرے پھر مسجد کو صرف نماز کی نیت سے چلے اور کوئی غرض نہ ہو تو ہر قدم پر اس کا مرتبہ ایک درجہ بلند ہو جاتا ہے اور ایک گناہ معاف ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ مسجد میں پہنچ جائے۔ پھر جب تک جماعت کے انتظار میں بیٹھا رہے گا اس کو نماز ہی کا ثواب ملتا رہے گا اور فرشتے اس کے لئے یہ دعا کرتے رہیں گے کہ یا اللہ، اس پر رحمت نازل فرما اور اس کی مغفرت فرما، جب تک کہ وہ کسی کو ایذا نہ پہنچائے اور اس کا وضو نہ ٹوٹے۔ اور حضرت حکم بن عُمیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں مہانوں کی طرح رہو اور مسجدوں کو اپنا



گھر بناؤ اور اپنے دل کو رقت کی عادت ڈالو (یعنی رقیق القلب نرم دل بنو) اور (اللہ کی نعمتوں میں) کثرت سے تفکر و غور کیا کرو اور بکثرت (اللہ کے خوف سے) رویا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ خواہشاتِ دنیا تمہیں اس حال سے مختلف کر دیں کہ تم گھروں کی فضول تعمیرات میں لگ جاؤ جنہیں رہنا بھی نہ ہو اور ضرورت کے زیادہ مال جمع کرنے کی فکر میں لگ جاؤ اور مستقبل کے لئے ایسی فضول تمناؤں میں مبتلا ہو جاؤ جو پانہ سکو اور حضرت ابوالدرداءؓ نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی کہ تمہارا گھر مسجد ہونا چاہیے کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مساجد متقی لوگوں کے گھر ہیں جس شخص نے مساجد کو کثرتِ ذکر کے ذریعہ اپنا گھر بنالیا، اللہ تعالیٰ اُسکے لئے راحت و سکون اور پل صراط پر آسانی سے گزرنے کا ضامن ہو گیا۔ اور ابو صادق ازدی نے شعیب بن الجحاب کو خط لکھا کہ مسجدوں کو لازم پکڑو کیونکہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ مساجد ہی انبیاء کی مجالس تھیں۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آخر زمانے میں ایسے لوگ ہونگے جو مسجدوں میں آکر جگہ جگہ حلقے بنا کر بیٹھ جا دیں گے اور وہاں دنیا ہی کی اور اُسکی محبت کی باتیں کریں گے تم ایسے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسے مسجد میں آنے والوں کی ضرورت نہیں۔ اور حضرت سعید بن مسیبؓ نے فرمایا کہ جو شخص مسجد میں بیٹھا گو یا وہ اپنے رب کی مجلس میں بیٹھا ہے اس لئے اُسکے ذمہ ہے کہ زبان سے سوائے کلمہ خیر کے اور کوئی کلمہ نہ نکالے۔ (قرطبی)

مساجد کے پندرہ آداب | علماء نے آدابِ مساجد میں پندرہ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اول یہ کہ مسجد میں پہنچنے پر اگر کچھ لوگوں کو بیٹھا دیکھے تو اُن کو سلام کرے اور کوئی نہ ہو تو التلاہ علیہ السلام اللہ الصالحین کہے (لیکن یہ اُس صورت میں ہے جبکہ مسجد کے حاضرین نفلی نماز یا تلاوت و بیع وغیرہ میں مشغول نہ ہوں ورنہ اسکو سلام کرنا درست نہیں۔ ش) دوسرے یہ کہ مسجد میں داخل ہو کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد کی پڑھے (یہ بھی جب ہے کہ اسوقت نماز پڑھنا مکروہ نہ ہو، مثلاً عینِ آفتاب کے طلوع یا غروب یا استواء نصف النہار کا وقت نہ ہو۔ ۱۲ ش) تیسرے یہ کہ مسجد میں خرید و فروخت نہ کرے۔ چوتھے یہ کہ وہاں تیر تلوار نہ بکالے۔ پانچویں یہ کہ مسجد میں اپنی گم شدہ چیز تلاش کرنے کا اعلان نہ کرے۔ چھٹے یہ کہ مسجد میں آواز بلند نہ کرے۔ ساتویں یہ کہ وہاں دنیا کی باتیں نہ کرے آٹھویں یہ کہ مسجد میں بیٹھنے کی جگہ میں کسی سے جھگڑا نہ کرے۔ نویں یہ کہ جہاں صفت میں پوری جگہ نہ ہو وہاں گھس کر لوگوں پر تنگی پیدا نہ کرے۔ دسویں یہ کہ کسی نماز پڑھنے والے کے آگے سے نہ گزرے گیا رہوین کہ مسجد میں تمہو کئے ناک صاف کرنے سے پرہیز کرے۔ بارہویں اپنی انگلیاں نہ چٹخائے۔ تیرہویں یہ کہ اپنے بدن کے کسی حصہ سے کھیل نہ کرے۔ چودھویں نجاسات سے پاک صاف رہے اور کسی چھوٹے بچے یا مجنون کو ساتھ نہ لے جائے۔ پندرہویں یہ کہ وہاں کثرت سے ذکر اللہ میں مشغول رہے۔



قرطبی نے یہ پندرہ آداب لکھنے کے بعد فرمایا ہے کہ جس نے یہ کام کر لئے اُس نے مسجد کا حق ادا کر دیا اور مسجد اُس کے لئے حرز و امان کی جگہ بن گئی۔

احقر نے مساجد کے آداب و احکام ایک مستقل رسالہ بنام آداب المساجد میں جمع کر دیے ہیں جن کو ضرورت ہو اُسکا مطالعہ فرمائیں۔

جو مکانات، ذکر اللہ، تعلیم قرآن، تفسیر بحر محیط میں ابو حیان نے فرمایا کہ **فِي بُيُوتٍ** کا لفظ قرآن میں عام ہے تعلیم دین کے لئے مخصوص ہوں وہ جس طرح مساجد میں داخل ہیں اسی طرح وہ مکانات جو خاص تعلیم قرآن بھی مساجد کے حکم میں ہیں۔ تعلیم دین یا وعظ و نصیحت یا ذکر و شغل کے لئے بنائے گئے ہوں جیسے

مدارس اور خانقاہیں، وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں اُن کا بھی ادب احترام لازم ہے۔

**أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُكَلِّمَ فِيهِمْ نَفْسٌ** | علماء تفسیر کا اتفاق ہے کہ اس جگہ **أَذِنَ** بمعنی امر و حکم ہے مگر سوال یہ **أَذِنَ** کی خاص حکمت پیدا ہوتا ہے کہ پھر لفظ **أَذِنَ** کے اس جگہ لانے میں کیا مصلحت ہے روح المعانی

میں ایک لطیف مصلحت یہ بیان کی ہے کہ اسمیں مومنین صالحین کو اس ادب کی تعلیم و ترغیب دینا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی حاصل کرنے کے ہر کام کے لئے ایسے مستعد و تیار ہونے چاہئیں کہ حکم کی ضرورت نہ پڑے صرف اُسکے منتظر ہوں کہ کب ہمیں اس کام کی اجازت ملے تو ہم یہ عبادت حاصل کریں۔

**يَذْكُرُ فِيهَا اسْمُهُ**، یہاں اللہ کا نام ذکر کرنے میں ہر قسم کا ذکر شامل ہے۔ تسبیح و تحمید وغیرہ بھی ہفتی نماز بھی تلاوت قرآن و وعظ و نصیحت، تعلیم علم دین، اور علوم دینیہ کے سبب غل ایں داخل ہیں۔

**رِجَالٌ لَا تُلَهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ ذِكْرَ اللَّهِ**، اسمیں اُن مومنین کی خاص صفات بیان کی گئی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نور ہدایت کے خاص مورد اور مسجودوں کو آباد رکھنے والے ہیں اسمیں لفظ **رِجَالٌ** کی تعبیر میں اس طرف اشارہ ہے کہ مساجد کی حاضری دراصل مردوں کے لئے ہے عورتوں کی نماز اُن کے گھروں میں افضل ہے۔

مسند احمد اور بیہقی میں حضرت اُم سلمہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خیر مساجد النساء قصر بیوہن، یعنی عورتوں کی بہترین مساجد ان کے گھروں کے تنگ تاریک گوشے ہیں۔ اس آیت میں مومنین صالحین کی یہ صفت بیان کی ہے کہ ان کو تجارت اور بیع کا مشغلہ اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتا۔ لفظ تجارت میں چونکہ بیع بھی داخل ہے اسلئے بعض مفسرین نے مقابلہ کی وجہ سے اس جگہ تجارت سے مراد خریداری اور بیع سے مراد فروخت کرنا لیا ہے اور بعض نے تجارت کو اپنے مفہوم عام میں رکھا ہے یعنی لین دین خرید و فروخت کے معاملات، پھر بیع کو الگ کر کے بیان کرنے کی حکمت یہ بتلائی ہے کہ معاملات تجارت تو ایک بیع مفہوم ہے جس کے فوائد و منافع کبھی مدتوں میں وصول ہوتے ہیں اور کسی چیز کو فروخت کر دینے اور قیمت بیع نفع کے نقد وصول کر لینے کا فائدہ فوری اور



نقد ہے اسکو خصوصیت سے اس لئے ذکر فرمایا کہ اللہ کے ذکر اور نماز کے مقابلہ میں وہ کسی بڑے سے بڑے دنیوی فائدہ کا بھی خیال نہیں کرتے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ آیت بازار والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور انکے صاحبزادے حضرت سالم بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت عبداللہ بن عمرؓ بازار سے گزرے تو نماز کا وقت ہو گیا تھا لوگوں کو دیکھا کہ دکانیں بند کر کے مسجد کی طرف جا رہے ہیں تو فرمایا کہ انہی لوگوں کے بارے میں قرآن کا یہ ارشاد ہے رَجَالٌ لَا تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ ذِكْرَ اللَّهِ -

اور عہد رسالت میں دو صحابی تھے ایک تجارت کرتے تھے دوسرے صنعت و حرفت یعنی لوہار کا کام کرتے اور تلواریں بنا کر بیچتے تھے۔ پہلے صحابی کی تجارت کا حال یہ تھا کہ اگر سودا تو لینے کے وقت اذان کی آواز کان میں پڑ جاتی تو وہیں نماز کو پٹک کر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ دوسرے بزرگ کا یہ عالم تھا کہ اگر گرم ہو ہے پر ہتھوڑے کی ضرب لگا رہے ہیں اور کان میں آواز اذان کی آگئی تو اگر ہتھوڑا موڑ دے پر اٹھائے ہوئے ہیں تو وہیں موڑ دے کے پیچھے ہتھوڑا ڈال کر نماز کو چل دیتے تھے اٹھائے ہوئے ہتھوڑے کی ضرب سے کام لینا بھی گوارا نہ تھا۔ اُن کی مدح میں یہ آیت نازل ہوئی (قرطبی)

صحابہ کرام اکثر تجارت پیشہ تھے | اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام زیادہ تر تجارت پیشہ یا صنعت پیشہ تھے جو کام کہ بازاروں سے متعلق ہیں کیونکہ تجارت و بیع کا مانع از یادِ خدا نہ ہوتا انہی لوگوں کا وصف ہو سکتا ہے جن کا مشغلہ تجارت و بیع کا ہو ورنہ یہ کہنا فضول ہوگا (رواہ الطبرانی عن ابن عباسؓ - روح)

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ، یہ مؤمنین جسکا ذکر اوپر آیت میں آیا ہے اُنکا آخری وصف ہے جس میں بتلایا ہے کہ یہ حضرات ہر وقت ذکر اللہ اور طاعات و عبادات میں مشغول ہونے کے باوجود بے فکر اور بے ڈر بھی نہیں ہو جاتے بلکہ قیامت کے حساب کا خوف اُن پر مستطاب رہتا ہے۔ اور یہ اُس نور ہدایت کا کمال ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو عطا ہوا ہے جسکا ذکر اوپر آیت میں بھیجی اللہ لِنُورٍ مِّنْ يَّشَاقِقُ فِيهِ فَرَايَا قَرِيبٌ هُوَ مِّنْ فَضْلِهِ، یعنی صرف جزا پر عمل دینے پر اکتفا نہیں ہوگا بلکہ اپنی طرف سے مزید اعمال بھی اُن کو ملیں گے وَاللَّهُ يَزِيدُ مَنْ يَّشَاءُ مِنْ غَيْرِ حِسَابٍ، یعنی اللہ تعالیٰ نہ کسی قانون کا پابند ہے نہ اُسکے خزانے میں کبھی کمی آتی ہے وہ جس کو چاہے بے حساب رزق دیدیتا ہے۔ یہاں تک مؤمنین صالحین جن کے سینے نور ہدایت کے مشکوٰۃ ہوتے ہیں اور جو نور ہدایت کو خاص طور سے قبول کرتے ہیں اُن کا ذکر تھا۔ آگے اُن کفار کا ذکر ہے جن کی فطرت میں تو اللہ تعالیٰ نے نور ہدایت کا مادہ رکھا تھا مگر جب اس مادہ کو روشن کرنے والی وحی الہی اُن کو پہنچی تو اُس روگردانی اور انکار کر کے نور سے محروم ہو گئے اور اندھیرے ہی اندھیرے میں رہ گئے اور ان میں چونکہ



کافر و منکر دو قسم کے تھے اس لئے ان کی دو مثالیں بیان کی گئیں جن کی تفصیل خلاصہ تفسیر میں آچکی ہے۔ دونوں مثالیں بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا وَمَنْ كَفَرَ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فِئْهَالَهُ مِنْ سُوءٍ، یہ جملہ کفار کے بارے میں ایسا ہی ہے جیسا مومنین کے بارے میں یہ ارشاد ہوا تھا يَهْدِي اللَّهُ لِلنُّورِ مَنْ يَشَاءُ۔ کفار کے لئے اس جملہ میں نور ہدایت سے محرومی کا ذکر ہے کہ انھوں نے احکام الہیہ سے انحراف کر کے اپنا فطری نور بھی فنا کر لیا اب جبکہ اللہ کے نور ہدایت سے محروم ہو گئے تو نور کہاں سے آئے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی شخص محض اسباب علم و بصیرت جمع ہونے سے عالم مبصر نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے آدمی جو دنیا کے کاموں میں بالکل ناواقف بے خبر سمجھے جاتے ہیں آخرت کے معاملہ میں وہ بڑے مبصر عقلمند ثابت ہوتے ہیں۔ اسی طرح اسکے برعکس بہت سے آدمی جو دنیا کے کاموں میں بڑے ماہر اور مبصر محقق مانے جاتے ہیں مگر آخرت کے معاملہ میں بڑے بے وقوف جاہل ثابت ہوتے ہیں۔ (منظہری)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرِ صَفِيتٌ ط

کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ کی یاد کرتے ہیں جو کوئی ہیں آسمان و زمین میں اور اڑتے جانور پر کھولے ہوئے

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۳۱﴾ وَلِلَّهِ

ہر ایک نے جان رکھی ہے اپنی طرح کی بندگی اور یاد، اور اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کرتے ہیں اور اللہ کی

مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿۳۲﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ

حکومت ہے آسمان اور زمین میں اور اللہ ہی تک پھر جانا ہے تو نے نہ دیکھا کہ اللہ ہانک

يُرْزِقُ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ

لاتا ہے بادل کو پھر ان کو ملا دیتا ہے پھر ان کو رکھتا ہے تہ بہ تہ پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے اس

مِنْ خَلِيلٍ وَيُنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ

کے زچے سے اور اُتارتا ہے آسمان سے اسیں جو پہاڑ ہیں ادلوں کے پھر وہ ڈالتا ہے جس

مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ يَكَادُ سَنَآبُ رُفْقٍ يَنْ هَبُّ بِالْأَبْصَارِ ﴿۳۳﴾

پر چاہے اور بچا دیتا ہے جس سے چاہے ابھی اس کی بجلی کی کوند لے جائے آنکھوں کو

يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِ الْأَبْصَارِ ﴿۳۴﴾

اللہ بدلتا ہے رات اور دن کو اسیں دھیان کرنے کی جگہ ہے آنکھ دالوں کو

وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَّاءٍ فَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى بَطْنِهِ وَ

اور اللہ نے بنایا ہر پھر نے دلے کو ایک پانی سے پھر کوئی ہے کہ چلتا ہے اپنے پیٹ پر اور



مِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى أَرْبَعٍ يَخْلُقُ

کوئی ہے کہ چلتا ہے دو پاؤں پر اور کوئی ہے کہ چلتا ہے چار پر بتاتا ہے

اللَّهُ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۵﴾

اللہ جو چاہتا ہے بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے۔

## خلاصہ تفسیر

(اے مخاطب) کیا تجھ کو (دلائل اور مشاہدہ سے) معلوم نہیں ہوا کہ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ آسمانوں اور زمین میں (مخلوقات) ہیں (خواہ قالا جو بعض مخلوقات میں مشاہد بھی ہو خواہ حالا جو کل مخلوقات میں بدالالت عقل معلوم ہے) اور (بالخصوص) پرند (بھی) جو پر پھیلائے ہوئے (اُڑتے پھرتے) ہیں کہ ان کی دلالت علی وجود الصالح اور زیادہ عجیب ہے کہ باوجود ان کے ثقل اجسام کے پھر فضا میں رُکے ہوئے ہیں اور) سب (پرندوں) کو اپنی اپنی دُعا (اور التجار اللہ سے) اور اپنی تسبیح (و تقدیس کا طریقہ الہام سے) معلوم ہے اور (باوجود ان دلائل کے پھر بھی بعضے تو حید کو نہیں مانتے تو) اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کے سب افعال کا پورا علم ہے (اس انکار و اعراض پر ان کو سزا دیگا) اور اللہ ہی کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں (اب بھی) اور (انتہا میں) اللہ ہی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے (اسوقت بھی حاکمانہ تصرف اُسی کا ہوگا چنانچہ حکومت کا ایک اثر بیان کیا جاتا ہے وہ یہ کہ اے مخاطب) کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ (ایک) بادل کو (دوسرے بادل کی طرف) چلتا کرتا ہے (اور) پھر اُس بادل (کے مجموعہ) کو باہم ملا دیتا ہے پھر اسکو تہ بہ تہ کرتا ہے پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اُس (بادل) کے بیچ میں سے نکل (نکل کر) آتی ہے اور اس بادل کے یعنی اُسکے بڑے بڑے حصوں میں سے اولے برساتا ہے پھر اُن کو جس (کی جان پر یا مال) پر چاہتا ہے مگر اتنا ہے (کہ اسکا نقصان ہو جاتا ہے) اور جس سے چاہتا ہے اُس کو ہٹا دیتا ہے (اور اُس کے جان مال کو ہٹا لیتا ہے اور) اُس بادل (میں سے بجلی بھی پیدا ہوتی ہے اور ایسی چمکدار کہ اس بادل) کی بجلی کی چمک کی یہ حالت ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اُس نے اب مینائی کو اچک لیا (یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے تصرفات میں سے ہے اور) اللہ تعالیٰ رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے (یہ بھی منجملہ تصرفات الہیہ کے ہے) اس (سب مجموعہ) میں اہل دانش کے لئے استدلال (کا موقع) ہے (جس میں مضمون توحید اور مضمون لہٰذا ملک السموات والارض پر استدلال کرتے ہیں) اور اللہ (ہی کا یہ تصرف بھی ہے کہ اُس نے ہر چلنے والے جاندار کو (بری ہو یا بحری) پانی سے پیدا کیا ہے پھر اُن (جانوروں) میں بعضے تو وہ (جانور) ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں (جیسے سانپ پھلی) اور بعضے اُن میں وہ ہیں جو دو



پیروں پر چلتے ہیں (جیسے انسان اور پرندے جبکہ ہوا میں نہ ہوں) اور بعضے اُن میں وہ ہیں جو چار (پیروں) پر چلتے ہیں (جیسے مویشی، اسی طرح بعضے زیادہ پر بھی اصل یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے بناتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پورا قادر ہے (اُس کو کچھ بھی مشکل نہیں)۔

## معارف و مسائل

کُلُّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ، شروع آیت میں یہ فرمایا ہے کہ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر مخلوق اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرنے میں مشغول ہے۔ اس تسبیح کا مفہوم حضرت سفیان رحمہ نے یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر چیز آسمان، زمین، آفتاب، ماہتاب اور گل، سیارے اور ستارے اور زمین کے عناصر آگ، پانی، مٹی، ہوا سب کو خاص خاص کاموں کے لئے پیدا فرمایا ہے اور جس کو جس کام کے لئے پیدا فرمایا ہے وہ برابر اُس پر لگا ہوا ہے اُس سے سرِ موخلاف نہیں کرتا۔ اسی اطاعت و انقیاد کو ان چیزوں کی تسبیح فرمایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اُن کی تسبیح حالی ہے مقالی نہیں۔ اُن کی زبان حال بول رہی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کو پاکے برتر سمجھ کر اُسکی اطاعت میں لگے ہوئے ہیں۔

زمخشری اور دوسرے مفسرین نے فرمایا کہ اس میں بھی کوئی بعد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کے اندر اتنا فہم و شعور رکھا ہو جس سے وہ اپنے خالق و مالک کو پہچانے اور اس میں بھی کوئی بعد نہیں کہ اُنکو کسی خاص قسم کی گویائی عطا فرمائی ہو اور خاص قسم کی تسبیح و عبادت اُن کو سکھا دی ہو جس میں وہ مشغول ہوتے ہوں آخری جملے کُلُّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ میں اسی مضمون کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور نماز میں ساری مخلوق لگی ہوئی ہے مگر ہر ایک کی نماز اور تسبیح کا طریقہ اور صورت مختلف ہے۔ فرشتوں کا اور طریقہ، انسان کا دوسرا، اور نباتات کسی اور طرح سے عبادت نماز و تسبیح ادا کرتے ہیں جمادات کسی اور طریق سے۔ قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے بھی اسی مضمون کی تائید ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے اَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اسکو ہدایت دی۔ وہ ہدایت یہی ہے کہ وہ ہر وقت حق تعالیٰ کی اطاعت میں لگی ہوئی اپنی مفوضہ ڈیوٹی کو پورا کر رہی ہے اس کے علاوہ اسکی اپنی ضروریات زندگی کے متعلق بھی اسکو ایسی ہدایت دیدی ہے کہ بڑے بڑے عقلاء کی عقل حیران ہو جاتی ہے۔ اپنے رہنے بسنے کے لئے کیسے کیسے گھونسلے اور پل وغیرہ بناتے ہیں اور اپنی غذا وغیرہ حاصل کرنے کے لئے کیسی کیسی تدبیریں کرتے ہیں۔

مِنَ السَّمَاءِ مَنَ جِبَالٍ فِیْهَا، یہاں سماء سے مراد بادل ہے اور جبال سے مراد بڑے بڑے بادل ہیں اور بَرْدٌ اُدْ لے کو کہا جاتا ہے۔



لَقَدْ آتَيْنَا آيَاتٍ مُّبِينَاتٍ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٣٦﴾

ہم نے اُن آیتیں کھول کھول کر بتلائی ہیں، اور اللہ چلائے جس کو چاہے سیدھی راہ پر

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ

اور لوگ کہتے ہیں ہم نے مانا اللہ کو اور رسول کو اور حکم میں آگئے پھر پھر جاتا ہے ایک فرقہ انہیں سے

مِّنْ أَعْدَائِكَ وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٧﴾ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ

اس کے پیچھے اور وہ لوگ نہیں ماننے والے اور جب اُن کو بلائیے اللہ اور

وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿٣٨﴾ وَإِنْ يَكُنْ

رسول کی طرف کہ انہیں قضیہ چکائیے تبھی ایک فرقہ کے لوگ اُنہیں منہ موڑتے ہیں اور اگر اُن کو

لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿٣٩﴾ أَفِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ أَمْ

کچھ بہہ رہا ہو تو چلے آئیں اُس کی طرف قبول کر کر کیا اُن کے دلوں میں رोग ہے یا

أُرْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَنْ يَحْيِفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ أَوْلَٰئِكَ

دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، یا ڈرتے ہیں کہ بے انصافی کرے گا اُن پر اللہ اور اُس کا رسول کچھ نہیں دہی لوگ

هُمْ الظَّالِمُونَ ﴿٤٠﴾ إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَ

بے انصاف ہیں ایمان والوں کی بات یہی تھی کہ جب بلائیے اُن کو اللہ اور

رَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٤١﴾

رسول کی طرف فیصلہ کرنے کو ان میں تو کہیں ہم نے سُن لیا اور حکم مان لیا اور وہ لوگ کہ انہی کا بھلا ہے

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَّقِ اللَّهَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٤٢﴾

اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور اس کے رسول کے اور ڈرتا ہے اللہ سے اور بچکر چلے اُس سودہی لوگ ہیں مراد کو پہنچنے والے

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ قُلْ لَا

اور تمہیں کہاتے ہیں اللہ کی اپنی تاکید کی تمہیں کہ اگر تو حکم کرے تو سب کچھ چھوڑ کر نکل جائیں، تو کہہ تمہیں

تَقْسِمُوا طَاعَةٌ مَّعْرُوفَةٌ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾ قُلْ

نہ کھاؤ حکم داری چاہئے جو دستور ہے، البتہ اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو تو کہہ

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكُمْ مَّحْمِلُ

حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منہ پھیر دگے تو اسکا ذمہ ہے جو بوجھ اُس پر رکھا

وَعَلَيْكُمْ مَّا حِمَلْتُمْ وَإِنْ تَطِيعُوا تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ

اور تمہارا ذمہ ہے جو بوجھ تم پر رکھا اور اگر اُس کا کہا مانو تو راہ پاؤ، اور پیغام لانے والے کا ذمہ نہیں

التَّوْبَةُ  
۱۲



## إِلَّا الْبَلَّغُ الْمُبِينُ ۝

مگر - انجام دینا کھول کر

### خلاصہ تفسیر

ہم نے (حق کے) سمجھانے والے دلائل (ہدایت عام کے لئے) نازل فرمائے ہیں اور (ان عام میں سے) جس کو اللہ چاہتا ہے راہ راست کی طرف (خاص) ہدایت فرماتا ہے کہ وہ اُلُوہیت کے حقوقِ علمیہ یعنی عقائدِ صحیحہ اور حقوقِ علمیہ یعنی طاعت کو بجالاتا ہے ورنہ بہت سے محروم ہی رہتے ہیں) اور یہ منافق لوگ (زبان سے) دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لے آئے اور (خدا اور رسول کا) حکم (دل سے) مانا پھر اسکے بعد (جب عمل کر کے اپنا دعویٰ ثابت کر لیا وقت آیا تو) انہیں کا ایک گروہ (جو بہت زیادہ شریر ہے) خدا اور رسول کے حکم سے) سرتابی کرتا ہے (اس وقت سے وہ صورت مراد ہے کہ جب انکے ذمہ کسی کا حق چاہتا ہو اور صاحبِ حق اس منافق سے درخواست کرے کہ چلو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ لے چلیں اس موقع پر یہ سرتابی کرتے ہیں کیونکہ جانتے ہیں کہ آپکے اجلاس میں جب حق ثابت ہو جائیگا تو اسی کے موافق آپ فیصلہ کریں گے جیسا عنقریب آیت وَإِذَا دُعُوا میں اس موقع کا یہی بیان آتا ہے اور تخصیص ایک فریق کی باوجودیکہ تمام منافقین ایسے ہی تھے اسلئے ہے کہ غریب غسر بار کو باوجود کراہت قلبی کے صاف انکار کرنے کی جرات دہمت نہیں ہو ا کرتی یہ کام وہی لوگ کرتے ہیں جنکو کچھ وجاہت اور قوت حاصل ہو) اور یہ لوگ بالکل ایمان نہیں رکھتے (یعنی دل میں تو کسی منافق کے بھی ایمان نہیں مگر ان کا تو وہ ظاہری طمع شدہ ایمان بھی نہ رہا جیسا اس آیت میں ہے وَلَقَدْ كَانُوا قَوْلَهُمُ الْكُفْرُ وَكَفَرُوا بِعَدَاةٍ إِسْلَامٍ ۝ اور اس آیت میں ہے قَدْ كَفَرُوا ثُمَّ بَعَدُوا اٰیْمَانُكُمْ اور بیان اس حکمِ عدولی کا یہ ہے کہ) یہ لوگ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس غرض سے بلائے جاتے ہیں کہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) انکے (اور ان کے خصوم کے) درمیان میں فیصلہ کر دیں تو ان میں کا ایک گروہ (وہاں حاضر ہونے سے) پہلو تہی کرتا ہے (اور مالتا ہے اور یہ بلانا اگرچہ رسول ہی کی طرف ہے مگر چونکہ آپ کا فیصلہ حکمِ خداوندی کی بنیاد پر ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف بھی نسبت کر دی گئی غرض جب ان کے ذمہ کسی کا حق چاہتا ہے تب تو انکی یہ حالت ہوتی ہے) اور اگر (اتفاق سے) ان کا حق (کسی دوسرے کے ذمہ ہو) تو سر تسلیم خم کئے ہوئے (بے تکلف آپکے بلانے پر) آپ کے پاس چلے آتے ہیں (کیونکہ اطمینان ہوتا ہے کہ وہاں حق کا فیصلہ ہوگا اسیں ہمارا فائدہ ہے۔ آگے ان لوگوں کے اعراض اور حاضر نہ ہونے کی وجہ اسباب چند احتمالات کے طور پر بیان کر کے اور سب احتمالات کی نفی اور ایک احتمال کا اثبات ہے) آیا (اس اعراض کا سبب یہ ہے کہ) انکے دلوں میں (کفر



یقینی کا) مرض ہے (یعنی ان کو اسکا یقین ہے کہ آپ اللہ کے رسول نہیں) یا یہ (نبوت کی طرف سے) شک میں پڑے ہیں (کہ رسول نہ ہونے کا یقین تو نہیں مگر رسول ہونیکا بھی یقین نہیں) یا انکو یہ اندیشہ ہے کہ اللہ اور اسکا رسول ان پر ظلم کرنے لگیں (اور ان کے ذمہ جو حق ہے اس سے زائد دلا دیں، سو واقعہ یہ ہے کہ ان اسباب میں سے کوئی بھی سبب) نہیں (ہے) بلکہ (اصلی سبب یہ ہے کہ) یہ لوگ (ان مقدمات میں) برسرِ ظلم (ہوتے) ہیں (اسلئے حضور نبوی میں مقدمہ لانا پسند نہیں کرتے کہ ہم ہار جا رہے اور باقی اسباب سابقہ سبب منفی ہیں) مسلمانوں (کی شان اور ان) کا قول تو جب انکو (کسی مقدمہ میں) اللہ اور اس کے رسول کی طرف یلایا جاتا ہے یہ ہے کہ وہ (خوشی خوشی) کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے (تمہارا کلام) سُن لیا اور (اس کو) مان لیا (اور پھر فوراً چلے جاتے ہیں یہ ہے علامت اس کی ایسوں کا امتنا اور اطمینان کہنا دنیا میں بھی صادق ہے) اور ایسے (ہی) لوگ (آخرت میں بھی) فلاح پائیں گے اور (ہمارے یہاں) کا تو قاعدہ کلیہ ہے کہ (جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانے اور اللہ سے ڈرے اور اسکی مخالفت سے بچے بس ایسے لوگ بامراد ہوں گے اور) نیز ان منافقین کی حالت ہے کہ (وہ لوگ بڑا زور لگا کر قسمیں کھایا کرتے ہیں کہ واللہ) ہم ایسے فرمانبردار ہیں کہ (اگر آپ انکو) (یعنی ہمکو) حکم دیں (کہ گھر باہر سب چھوڑ دو) تو وہ (یعنی ہم) ابھی (سب چھوڑ چھاڑ) نکل کھڑے ہوں آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ بس نہیں نہ کھاؤ (تمہاری) فرمانبرداری کی حقیقت معلوم ہے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے (اور اس نے مجھ کو بتا دیا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے قُلْ لَا تَعْتَذِرُوا لَنْ تُؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ اور) آپ (ان سے) کہئے کہ (باتیں بنانے سے کام نہیں چلتا کام کرو یعنی) اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو (آگے اللہ تعالیٰ اہتمام شانِ مضمون کے واسطے خود ان لوگوں کو خطاب فرماتا ہے کہ رسول کے اس کہنے کے اور تبلیغ کے بعد) پھر اگر تم لوگ (اطاعت سے) روگردانی کرو گے تو سمجھ رکھو کہ (رسول کا کوئی ضرر نہیں کیونکہ) رسول کے ذمہ ہی تبلیغ (کا کام) ہے جسکا ان پر بار رکھا گیا ہے (جس کو وہ کر چکے اور سبکدوش ہو گئے) اور تمہارے ذمہ وہ (اطاعت کا کام) ہے جسکا تم پر بار رکھا گیا ہے (جس کو تم نہیں بجالائے پس تمہارا ہی ضرر ہوگا) اور اگر (روگردانی نہ کی بلکہ) تم نے ان کی اطاعت کر لی (جو عین اطاعت اللہ ہی کی ہے) تو راہ پر جا لگو گے اور (بہر حال) رسول کے ذمہ صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے (آگے تم سے باز پرس ہوگی کہ قبول کیا یا نہیں)۔

## معارف و مسائل

یہ آیات ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی ہیں۔ طبری وغیرہ نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ منافقین



میں سے ایک شخص بشار نامی تھا اسکے اور ایک یہودی کے درمیان ایک نین کے متعلق جھگڑا اور خصوصیت تھی۔ یہودی نے اسکو کہا کہ چلو تمہارے ہی رسول سے ہم فیصلہ کر لیں مگر بشار منافق ناحق پر تھا یہ جانتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ گیا تو آپ حق کے موافق فیصلہ کریں گے اور میں ہار جاؤں گا۔ اسنے اس سے انکار کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے کعب بن اشرف یہودی کے پاس مقدمہ لیجا لے کو کہا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ اور آیت اِنِّیْ فَاوْکِبُ مِّنْ اٰیٰتِیْہِیْنَ جَوَانَہٗ دِلُوں میں کفر یقینی کا مرض یا نبوت میں شک ہونے کی نفی کی گئی ہے اس کی مراد یہ ہے کہ یہ کفر یقینی یا شک ان کے دربار نبوی میں مقدمہ لانے سے گریز کر سکا سبب نہیں اگرچہ کفر و شک کا ہونا منافقین میں ثابت اور واضح ہے مگر مقدمہ نہ لانا اصل میں اس سبب سے ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ حق کا فیصلہ ہوگا تو ہم ہار جائیں گے۔

**فَوَزَوْا فَلَاحَہٗ لَیْسَ بِاَشْرَاطِیْنَ** اَوْ مِّنْ یُّطِیْعُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَخْشِیَ اللّٰہَ وَیَسْتَغْفِرُ فَاُوْلٰئِکَ فُھُمُ الْفَاٰزِیْنَ  
اس آیت میں چار چیزیں بیان کر کے فرمایا ہے کہ جو ان چار چیزوں کے پابند ہیں وہ ہی بامراد اور دین دنیا میں کامیاب ہیں۔

**ایک واقعہ عجیب** | تفسیر قرطبی میں اس جگہ ایک واقعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا نقل کیا جس سے ان چار چیزوں کے مفہوم کا فرق اور وضاحت ہو جاتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک روز مسجد نبوی میں کھڑے تھے اچانک ایک رومی دہقان اُدی بالکل آپکے برابر آکر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا انا اشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمدًا رسول اللہ، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا بات ہے تو کہا میں اللہ کے لئے مسلمان ہو گیا ہوں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا اسکا کوئی سبب ہے اس نے کہا ہاں۔ بات یہ ہے کہ میں نے تورات، انجیل، زبور اور انبیاء سابقین کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ مگر حال میں ایک مسلمان قیدی قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا وہ سنی تو معلوم ہوا کہ اس چھوٹی سی آیت نے تمام کتب پریمہ کو اپنے اندر سمولیا ہے تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ وہ کونسی آیت ہے تو اس رومی دہقان نے یہی آیت مذکورہ تلاوت کی اور اسکے ساتھ اسکی تفسیر بھی عجیب و غریب اس طرح بیان کی کہ مِّنْ یُّطِیْعُ اللّٰہَ فَرَاغِیْ الْاٰیۃِہِیْہِیْنَ کے متعلق ہے۔ وَرَسُوْلَہٗ سُنَّتِہِیْہِیْنَ کے متعلق ہے وَیَخْشِیَ اللّٰہَ گزشتہ عمر کے متعلق ہے وَیَسْتَغْفِرُ آئندہ باقی عمر کے متعلق ہے۔ جب انسان ان چار چیزوں کا عامل ہو جائے تو اسکو اُوْلٰئِکَ فُھُمُ الْفَاٰزِیْنَ کی بشارت ہے اور فائز وہ شخص ہے جو جہنم سے نجات پائے اور جنت میں اُس کو ٹھکانا ملے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (کے کلام میں اسکی تصدیق موجود ہے آپ) نے فرمایا ہے اَدِیْتُہِیْ جَوَامِعَ الْکَلِمِہِ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسے جامع کلمات عطا فرمائے ہیں جن کے الفاظ مختصر اور معانی نہایت وسیع ہیں (قرطبی)



وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي

وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں انہوں نے نیک کام، البتہ پیچھے حاکم کر دیا انکو

الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ

مُلک میں جیسا حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو اور جمادیکا ان کے لئے دین ان کا

الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي

جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن، میری بندگی کریں گے

وَلَا يَشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۵۵﴾

شریک نہ کریں گے میرا کسی کو اور جو کوئی ناشکری کرے گا اسکے پیچھے سو وہی لوگ ہیں نافرمان

وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا الرِّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۵۶﴾

اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور حکم پر چلو رسول کے تاکہ تم پر رحم ہو

لَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُمْجِنِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمُ النَّارُ

نہ خیال کر کہ یہ جو کافر ہیں تمکادیں گے بھاگ کر ملک میں اور ان کا ٹھکانا آگ ہے

وَلَيَسَّ الْمَصِيرُ ﴿۵۷﴾

اور وہ بُری جگہ ہے پھر جانے کی

## خلاصہ تفسیر

(اے مجموعہ اُمت) تم میں جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں (یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے نوری ہدایت کا کامل اتباع کریں) ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو (اس اتباع کی برکت سے) زمین میں حکومت عطا فرمادے گا جیسا ان سے پہلے (اہل ہدایت) لوگوں کو حکومت دی تھی (مثلاً بنی اسرائیل کو فرعون اور اُس کی قوم قبطیوں پر غالب کیا پھر ملک شام میں عمالقہ جیسی بہادر قوم پر ان کو غلبہ عطا فرمایا اور مصر و شام کی حکومت کا ان کو وارث بنایا) اور (مقصود اس حکومت دینے سے یہ ہو گا کہ) جس دین کو (اللہ تعالیٰ نے) ان کے لئے پسند کیا ہے (یعنی اسلام جیسا کہ دوسری آیت میں ہے رَضِيتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا) اُس کو ان کے (نفع آخرت کے) لئے قوت دیگا اور (ان کو جو دشمنوں سے طبعی خوف تھا) ان کے اس خوف کے بعد اُس کو امن سے بدل دیگا بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں (اور) میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں (نہ جلی نہ خفی جس کو ریا کہتے ہیں) یعنی یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کا مشروط ہے دین پر پوری طرح ثابت قدم رہنے کیساتھ۔ اور یہ وعدہ تو دنیا میں ہے اور آخرت میں ایمان اور عمل صالح پر جو جزائے عظیم اور دائمی راحت کا وعدہ ہے وہ اسکے علاوہ ہے (اور جو شخص بعد (ظہور) اس (وعدہ)



کے ناشکری کر چکا (یعنی دین کے خلاف راستہ اختیار کر چکا) تو (ایسے شخص کے لئے یہ وعدہ نہیں کیونکہ) یہ لوگ نافرمان ہیں (اور وعدہ تھا فرمانبرداروں کے لئے اسلئے اُن سے دُنیا میں بھی وعدہ حکومت دینے کا نہیں ہے اور آخرت کا عذاب اسکے علاوہ ہے) اور (اے مسلمانوں جب ایمان اور عمل صالح کے دُنوی اور دینی فوائد سن لئے تو تم کو چاہئے کہ خوب نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (باقی احکام میں بھی) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کیا کرو تاکہ تم پر (کامل) رحم کیا جائے (آگے کفر و مصیبت کا انجام ذکر کیا گیا ہے کہ اے مخاطب) کافروں کی نسبت یہ خیال مت کرنا کہ زمین (کے کسی حصہ) میں (بھاگ جاؤ گے اور تم کو) ہرا دیں گے (اور ہمارے قہر سے بچ جاؤ گے) نہیں بلکہ وہ خود ہا ریں گے اور مقہور و مغلوب ہوں گے۔ یہ تو نتیجہ دُنیا میں ہے) اور (آخرت میں) اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

## معارف و مسائل

**شانِ نزول** | قرطبی نے ابوالعالیہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی اور اعلانِ نبوت کے بعد دس سال مکہ مکرمہ میں رہے تو ہر وقت کفار و مشرکین کے خوف میں رہے پھر ہجرت مدینہ کا حکم ہوا تو یہاں بھی مشرکین کے حملوں سے ہر وقت کے خطرہ میں رہے کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ کبھی ہم پر ایسا وقت بھی آئے گا کہ ہم ہتھیار کھول کر امن و اطمینان کے ساتھ رہ سکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت جلد ایسا وقت آنے والا ہے۔ اُس پر یہ آیات نازل ہوئیں (قرطبی و بحر) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو اُسے اُمتِ محمدیہ سے اُنکے وجود میں آنے سے پہلے ہی تورات و انجیل میں فرمایا تھا۔ (بحر محیط)

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین چیزوں کا وعدہ فرمایا کہ آپ کی اُمت کو زمین کے خلفاء اور حکمران بنایا جائیگا اور اللہ کے پسندیدہ دینِ اسلام کو غالب کیا جائیگا اور مسلمانوں کو اتنی قوت و شوکت دی جائے گی کہ اُن کو دشمنوں کا کوئی خوف نہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ اس طرح پورا فرمادیا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں مکہ، خیبر، بحرین اور پورا جزیرۃ العرب اور پورا ملکِ یمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ فتح ہوا اور ہجر کے مجوسیوں سے اور ملکِ شام کے بعض اطراف سے آپ نے جزیہ وصول فرمایا۔ اور شاہِ روم ہرقل نے اور شاہِ مصر و اسکندریہ مقوقس اور شاہانِ عمان اور بادشاہ حبشہ نجاشی وغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایا بھیجے اور آپ کی تعظیم و تکریم کی۔ پھر آپ کی وفات کے بعد حضرت صدیق اکبر ابو بکرؓ خلیفہ ہوئے تو وفات کے بعد جو کچھ فتنے پیدا ہو گئے تھے اُن کو ختم کیا اور بلادِ فارس اور بلادِ شام



و مصر کی طرف اسلامی لشکر بھیجے اور بصری اور دمشق آپ ہی کے زمانے میں فتح ہوئے اور دوسرے ملکوں کے بھی بعض حصے فتح ہوئے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل میں اپنے بعد عمرؓ بن خطاب کو خلیفہ بنانیکا الہام فرمایا۔ عمر بن خطابؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے نظام خلافت ایسا سنبھالا کہ آسمان نے انبیاء علیہم السلام کے بعد ایسا نظام کہیں نہ دیکھا تھا۔ اُن کے زمانے میں ملک شام پورا فتح ہو گیا اسی طرح پورا ملک مصر اور ملک فارس کا اکثر حصہ۔ انھیں کے زمانے میں قیصر و کسری کی قیصری اور کسری کا خاتمہ ہوا۔ اسکے بعد خلافت عثمانی کا وقت آیا تو اسلامی فتوحات کا دائرہ مشارق و مغارب تک وسیع ہو گیا۔ بلاد مغرب، اندلس اور قبرص تک اور مشرق اقصیٰ میں بلاد چین تک اور عراق، خراسان، اہواز سب آپ کے زمانے میں فتح ہوئے۔ اور صحیح حدیث میں جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے پوری زمین کے مشارق و مغارب سمیٹ کر دکھائے گئے ہیں اور میری اُمت کی حکومت اُن تمام علاقوں تک پہنچے گی جو مجھے دکھائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ خلافت عثمانیہ کے دور ہی میں پورا فرما دیا (یہ سب مضمون تفسیر ابن کثیر سے لیا گیا ہے)۔

اور ایک حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی اس کی مراد خلافت راشدہ ہے جو بالکل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر قائم رہی اور حضرت علیؓ نے ترقی تک چلی کیونکہ تیس سال کی مدت حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے زمانے تک پوری ہوئی۔

ابن کثیرؒ نے اس جگہ صحیح مسلم کی یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری اُمت کا کام چلتا رہیگا جب تک بارہ خلیفہ رہیں گے۔ ابن کثیرؒ نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ حدیث بارہ خلیفہ عادل اس اُمت میں ہونے کی خبر دے رہی ہے جس کا وقوع ضروری ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب مسلسل اور متصل ہی ہوں بلکہ ہو سکتا ہے کہ کچھ وقفوں کے بعد ہوں۔ انیس سے چار تو یکے بعد دیگرے ہو چکے جو خلفاء راشدین تھے پھر کچھ وقفہ کے بعد حضرت عمرؓ بن عبد العزیز ہوئے اُن کے بعد بھی مختلف زبانوں میں ایسے خلیفہ ہوتے رہے اور تاقیامت رہیں گے آخری خلیفہ حضرت مہدیؑ ہوں گے۔ روافض نے جن بارہ خلفاء کو متعین کیا ہے اس کی کوئی دلیل حدیث میں نہیں بلکہ انہیں سے بعض تو وہ ہیں جن کا خلافت سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ان سب کے درجات برابر ہوں اور سب کے زمانے میں امن و سکون دُنیا کا یکساں ہو۔ بلکہ اس وعدہ کا مدار ایمان و عمل صالح پر استقامت اور مکمل اتباع پر ہے اسکے درجات کے اختلاف سے حکومت کی نوعیت و قوت میں بھی فرق و اختلاف لازمی ہے۔ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں



جب اور جہاں کوئی مسلمان عادل اور صالح بادشاہ ہوا ہے اس کو اپنے عمل و صلاح کے پیمانے پر اس وعدہ الہیہ کا حصہ ملا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا ہے **إِنَّا جَزَاءُ الَّذِينَ هُمْ أَعْمِلُوا** یعنی اللہ کی جماعت ہی غالب رہے گی۔

آیت مذکورہ سے خلفاء راشدین کی یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی دلیل خلافت اور مقبولیت عند اللہ کا ثبوت بھی ہے کیونکہ جو پیش گوئی اس آیت میں فرمائی گئی تھی وہ بالکل اسی طرح پوری ہوئی۔ اسی طرح یہ آیت حضرات خلفاء راشدین کی خلافت کے حق و صحیح اور مقبول عند اللہ ہونے کی بھی دلیل ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ اپنے رسول اور اس کی امت سے فرمایا تھا اس کا پورا پورا ظہور انہیں حضرات کے زمانے میں ہوا۔ اگر ان حضرات کی خلافت کو حق و صحیح نہ مانا جائے جیسے روافض کا خیال ہے تو پھر قرآن کا یہ وعدہ ہی کہیں پورا نہیں ہوا۔ اور روافض کا یہ کہنا کہ یہ وعدہ حضرت مہدی کے زمانے میں پورا ہوگا ایک مضحکہ خیز چیز ہے اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ چودہ سو برس تو پوری امت ذلت و خواری میں رہے گی اور قرب قیامت میں جو چند روز کے لئے اُن کو حکومت ملے گی وہی حکومت اس وعدہ سے مراد ہے معاذ اللہ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے جن شرائط ایمان و عمل صالح کی بنیاد پر کیا تھا وہ شرائط بھی انہیں حضرات میں سب سے زیادہ کامل و مکمل تھیں اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی پورا پورا انہیں کے عہد میں پورا ہوا ان کے بعد نہ ایمان و عمل کا وہ درجہ قائم رہا نہ خلافت و حکومت کا وہ وقار کبھی قائم ہوا۔

**وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ** لفظ کفر کے لغوی معنی ناشکری کے اور اصطلاحی معنی ایمان کی ضد ہیں۔ یہاں لفظی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں اور اصطلاحی بھی۔ یعنی آیت کے یہ ہیں کہ جو وقت اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ اپنا یہ وعدہ پورا کرے، مسلمانوں کو حکومت و قوت اور امن و اطمینان اور دین کو استحکام حاصل ہو جائے اسکے بعد بھی اگر کوئی شخص کفر کرے یعنی اسلام سے پھر جائے یا ناشکری کرے کہ اس اسلامی حکومت کی اطاعت سے گریز کرے تو ایسے لوگ خدا سے نیکل جانے والے ہیں۔ پہلی صورت میں ایمان ہی سے نیکل گئے اور دوسری صورت میں اطاعت سے نیکل گئے کفر اور ناشکری ہر وقت ہر حال میں گناہ عظیم ہے مگر اسلام اور مسلمانوں کی قوت و شوکت اور حکومت قائم ہونیکے بعد یہ چیزیں دوہرے مجرم ہو جاتی ہیں اس لئے **بَعْدَ ذَلِكَ** سے منوکہ فرمایا گیا۔ امام بغوی نے فرمایا کہ علماء تفسیر نے کہا ہے کہ قرآن کے اس جملے کے سب سے پہلے مصداق وہ لوگ ہوئے جنہوں نے خلیفہ وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور جب وہ اس مجرم عظیم کے مرتکب ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے مذکورہ انعامات میں بھی کمی آگئی آپس کے قتل و قتال ہے خوف و ہراس میں مبتلا ہو گئے اور بعد اسکے کہ سب



اپس میں بھائی بھائی تھے ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔ بخوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن سلام کا یہ خطبہ نقل کیا ہے جو انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف ہنگامہ کی وقت دیا تھا۔ خطبہ کے الفاظ یہ ہیں

”اللہ کے فرشتے تمہارے شہر کے گرد احاطہ کئے ہوئے حفاظت میں اس وقت سے مشغول تھے جب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اور آج تک یہ سلسلہ جاری تھا۔ خدا کی قسم اگر تم نے عثمان کو قتل کر دیا تو یہ فرشتے واپس چلے جاویں گے اور پھر کبھی نہ لوٹیں گے۔ خدا کی قسم تم میں سے جو شخص ان کو قتل کر دیگا وہ اللہ کے سامنے دست بڑیدہ حاضر ہوگا اس کے ہاتھ نہ ہوں گے۔ اور سمجھ لو کہ اللہ کی تلوار اب تک میان میں تھی، خدا کی قسم اگر وہ تلوار میان سے نکل آئی تو پھر کبھی میان میں نہ جاوے گی۔ کیونکہ جب کوئی نبی قتل کیا جاتا ہے تو اس کے بدلے میں ستر ہزار آدمی مارے جاتے ہیں اور جب کسی خلیفہ کو قتل کیا جاتا ہے تو پینتیس ہزار آدمی مارے جاتے ہیں“ (منظہری)

چنانچہ قتل عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے جو باہمی خونریزی کا سلسلہ شروع ہوا تھا اُمت میں چلتا ہی رہا ہے۔ اور جیسے اللہ تعالیٰ کی نعمت استخلاف اور استحکام دین کی مخالفت اور ناشکری قاتلان عثمان نے کی تھی اُن کے بعد روافض اور خوارج کی جماعتوں نے خلفاء راشدین کی مخالفت میں گروہ بنائے۔ اسی سلسلے میں حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا عظیم حادثہ پیش آیا **لَسَّالَہُ اللہُ الْہَلَالِیۃُ وَشَکْرُ نَعْمَۃِ**

**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ وَالَّذِينَ كَفَرُوا**

اے ایمان والو! اجازت لے کر آئیں تم سے جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں اور جو کہ نہیں

**يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۚ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ**

پہنچے تم میں عقل کی حد کو تین بار فجر کی نماز سے پہلے اور جب

**تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ**

اتار رکھتے ہو اپنے کپڑے دوپہر میں اور عشاء کی نماز سے پیچھے یہ تین وقت

**عَوْرَاتٍ لَكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَ هُنَّ طَوُّونَ**

یہ نکلنے کے ہیں تمہارے، کچھ تنگی نہیں تم پر اور نہ ان پر ان وقتوں کے پیچھے پھر اسی کرتے ہو

**عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ وَاللَّهُ**

ایک دوسرے کے پاس یوں کھولتا ہے اللہ تمہارے آگے باتیں اور اللہ

**عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا**

سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے اور جب پہنچیں لڑکے تم میں سے عقل کی حد کو تو ان کو ویسی ہی



كَمَا اسْتَاذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ

اجازت یعنی چاہیے جیسے لیتے رہے ہیں ان سے اگلے، یوں کہوں کہ سناتا ہے اللہ تم کو اپنی باتیں

وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۵۹ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ

اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور جو بیٹھ رہی ہیں گھروں میں مختاری عورتوں سے جنکو توقع نہیں رہی

نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ

نیکاح کی ان پر گناہ نہیں کہ اُتار رکھیں اپنے کپڑے یہ نہیں کہ دکھاتی پھریں

بِزِينَةٍ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَهُنَّ ۖ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۶۰

اپنا سنسکار اور اس سے بھی بچیں تو بہتر ہے ان کے لئے اور اللہ سب باتیں سناتا جانتا ہے۔

## خلاصہ تفسیر

اے ایمان والو! تمہارے پاس آنے کے لئے تمہارے مملوکوں کو اور جو تم میں حد بلوغ کو نہیں

پہنچے ان کو تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیے (ایک تو نماز صبح سے پہلے اور دوسرے) جب

دوپہر کو (سوئے بیٹھے کیلئے) اپنے (زائد) کپڑے اُتار دیا کرتے ہو اور (تیسرے) نماز عشاء کے بعد یہ

تین وقت تمہارے پردے کے ہیں (یعنی یہ اوقات چونکہ عام عادت کے مطابق تخلیہ اور آرام کے ہیں)

جس میں آدمی بے تکلفی سے رہنا چاہتا ہے اور تنہائی میں کسی وقت اعضائے مستورہ بھی کھل جاتے ہیں، یا

کسی ضرورت سے کھولے جاتے ہیں اسلئے اپنے مملوک غلاموں نوٹدیوں کو اور اپنے نابالغ بچوں کو سمجھا دو

کہ بے اطلاع اور بغیر اجازت لئے ہوئے ان اوقات میں تمہارے پاس نہ آیا کریں اور ان اوقات کے

علاوہ نہ (تو بلا اجازت آنے دینے اور منع نہ کرنے میں) تم پر کوئی الزام ہے اور نہ (بلا اجازت چلے

آنے میں) ان پر کچھ الزام ہے (کیونکہ) وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے ہوتے ہیں کوئی کسی کے

پاس اور کوئی کسی کے پاس (پس ہر وقت اجازت لینے میں تکلیف ہے اور چونکہ یہ وقت پردے کے

نہیں ہیں اسلئے ان میں اپنے اعضا مستورہ کو چھپائے رکھنا کچھ مشکل نہیں) اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے

(اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے اور جو وقت تم میں

کے (یعنی احرام میں کے) وہ لڑکے (جن کا اوپر حکم آیا ہے) حد بلوغ کو پہنچیں (یعنی بالغ یا قریب

بلوغ ہو جاویں) تو ان کو بھی اسی طرح اجازت لینا چاہیے جیسا ان سے اگلے (یعنی ان سے بڑی عمر کے)

لوگ اجازت لیتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا

حکمت والا ہے اور (ایک بات یہ جاننا چاہیے کہ پردہ کے احکام میں شدت فتنہ کے خوف پر مبنی ہے جہاں فتنہ کا

عادیہ احتمال نہ ہو مثلاً جو بڑی بڑی عورتیں جنکو (کسی کے) نیکاح (میں آنے) کی امید نہ رہی ہو (یعنی وہ محل غیبت



نہیں رہیں یہ تفسیر بے بڑی بوڑھی ہونے کی) اُن کو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے (رائد) کپڑے (جس سے چہرہ وغیرہ چھپا رہا ہے غیر محرم کے روبرو بھی) اُتار رکھیں بشرطیکہ زینت (کے مواقع) کا اظہار نہ کریں (جن کا ظاہر کرنا غیر محرم کے سامنے بالکل ناجائز ہے پس مراد اس سے چہرہ ہتھیلیاں اور بقول بعض دونوں قدم بھی، بخلاف جوان عورت کے کہ بوجہ احتمال فتنہ اسکے چہرہ وغیرہ کا بھی پردہ ضروری ہے) اور (اگرچہ بڑی بوڑھی عورتوں کے لئے غیر محرموں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت ہے لیکن) اس سے بھی احتیاط رکھیں تو انکے لئے اور زیادہ بہتر ہی (کیونکہ) اَدُل تو ہر گندہ پے راگندہ خوئے مثل مشہور ہے دوسرے بالکل ہی بے پردگی کا سد باب مقصود ہے) اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سُنتا سب کچھ جانتا ہے۔

## معارف و مسائل

شروع سورت میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ سورۃ نور کے بیشتر احکام بے حیائی اور فواحش کے انسداد کے لئے آئے ہیں اور انہیں کی مناسبت سے کچھ احکام آداب معاشرت اور ملاقات باہمی کے بھی بیان ہوئے ہیں۔ پھر عورتوں کے پردے کے احکام بیان کئے گئے۔

اقارب و محارم کے لئے خاص آداب معاشرت اور ملاقات باہمی کے آداب اس سے پہلے اسی سورت اوقات میں استیذان کا حکم کی آیت ۲۷-۲۸-۲۹ میں احکام استیذان کے عنوان سے بیان

ہوئے ہیں کہ کسی سے ملاقات کو جاؤ تو بغیر اجازت لئے اُسکے گھر میں داخل نہ ہو۔ گھر زنا نہ ہو یا مرد آنے والا مرد ہو یا عورت سب کے لئے کسی کے گھر میں جانے سے پہلے اجازت کو واجب قرار دیا گیا ہے مگر یہ احکام استیذان اجانب کے لئے تھے جو باہر سے ملاقات کے لئے آئے ہوں۔

آیات مذکورہ میں ایک دوسرے استیذان کے احکام کا بیان ہے جنکا تعلق اُن اقارب و محارم سے ہے جو عموماً ایک گھر میں رہتے اور ہر وقت آتے جاتے رہتے ہیں۔ اور اُن سے عورتوں کا پردہ بھی نہیں ایسے لوگوں کے لئے بھی اگرچہ گھر میں داخل ہونے کے وقت اسکا حکم ہے کہ اطلاع کر کے یا کم از کم قدموں کی آہٹ کو ذرا تیز کر کے یا کھانس کھنکار کر گھر میں داخل ہوں اور یہ استیذان ایسے اقارب کے لئے واجب نہیں متحب ہے جس کو ترک کرنا مکروہ تنزیہی ہے تفسیر مظہری میں ہے فمن اراد الدخول فی بیت نفسه وفيه عروۃ یکرہ لہ الدخول فیہ من غیر استیذان تنزیہاً لا حقاً و وجہ واحد منہن عریانۃ و هو احتمال ضعیف و مقتضاه التنزیہ (مظہری) یہ حکم تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے کا تھا لیکن گھر میں داخل ہو کر پھر یہ سب ایک جگہ ایک دوسرے کے سامنے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں اُن کے لئے تین خاص اوقات میں جو انسان کے خلوت



میں رہنے کے اوقات ہیں ایک اور استیذان کا حکم ان آیات میں دیا گیا ہے وہ تین اوقات صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر کو آرام کرنے کے وقت اور عشاء کی نماز کے بعد کے اوقات ہیں۔ ان میں محارم اور اقارب کو یہاں تک کہ سمجھدار نابالغ بچوں اور ملوکہ لونڈیوں کو بھی اس استیذان کا پابند کیا گیا ہے کہ ان تین اوقات خلوت میں انہیں سے بھی کوئی کسی کی خلوت گاہ میں بغیر اجازت کے نہ جائے کیونکہ ایسے اوقات میں ہر انسان آزاد بے تکلف رہنا چاہتا ہے زائد کپڑے بھی اتار دیتا ہے اور کبھی اپنی بیوی کے ساتھ بے تکلف اختلاط میں مشغول ہوتا ہے ان اوقات میں کوئی ہوشیار بچہ یا گھر کی کوئی عورت یا اپنی اولاد میں سے کوئی بغیر اجازت کے اندر آجائے تو بسا اوقات وہ ایسی حالت میں پائیگا جس کے ظاہر ہونے سے انسان شرماتا ہے اسکو سخت تکلیف پہنچے گی اور کم از کم اسکی بے تکلفی اور آرام میں خلل پڑنا تو ظاہر ہی ہے اس لئے آیات مذکورہ میں اُن کے لئے خصوصی استیذان کے احکام آئے ہیں کہ ان تین وقتوں میں کوئی کسی کے پاس بغیر اجازت کے نہ جائے۔ ان احکام کے بعد پھر یہ بھی فرمایا کہ

لَئِنْ عَلَيْنَا لَوْلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَ هُنَّ ، یعنی ان وقتوں کے علاوہ کوئی مضائقہ نہیں کہ ایک دوسرے کے پاس بلا اجازت جایا کریں کیونکہ وہ اوقات عموماً ہر شخص کے کام کاج میں مشغول ہونے اور اعضائی مستورہ کو چھپائے رہنے کے ہیں جنہیں عادتاً آدمی بیوی کیساتھ اختلاط بھی نہیں کرتا۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں بالغ مرد و عورت کو استیذان کا حکم دینا تو ظاہر ہے مگر نابالغ بچے جو شرعاً کسی حکم کے مکلف نہیں انکو بھی اس حکم کا پابند کرنا بظاہر اصول کیخلاف ہے۔ جواب یہ ہے کہ اسکے مخاطب دراصل بالغ مرد و عورت ہیں کہ وہ چھوٹے بچوں کو بھی سمجھا دیں کہ ایسے وقت میں بغیر پوچھے اندر نہ آیا کر دے۔ جیسے حدیث میں ہے کہ بچوں کو جب وہ سات سال کے ہو جائیں تو نماز سکھاؤ اور پڑھنے کا حکم دو اور دس سال کی عمر کے بعد ان کو سختی سے نماز کا پابند کرو نہ مانیں تو نماز نماز پڑھاؤ۔ اسی طرح اس استیذان کا اصل حکم بالغ مرد و عورت کو ہے۔ اور مذکورہ جملے میں جو یہ الفاظ ہیں کہ ان وقتوں کے علاوہ دوسرے اوقات میں نہ تم پر جُنَاح ہے کہ اُن کو بلا اجازت آنے دو اور نہ ان پر کوئی جُنَاح ہے کہ وہ بلا اجازت آجائیں میں اگرچہ لفظ جُنَاح آیا ہے جو عموماً گناہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے مگر کبھی مطلقاً حرج اور مضائقہ کے معنی میں بھی آتا ہے یہاں لاجُنَاح کے معنی یہی ہیں کہ کوئی مضائقہ اور تنگی نہیں ہے اس سے بچوں کے مکلف اور گناہگار ہونے کا شبہ ختم ہو گیا۔ (بیان القرآن)

مسئلہ: آیت مذکورہ میں جو الَّذِينَ مَلَكَتْ اَعْمَالُكُمْ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ملوک



غلام اور نوٹڈی دونوں پر حاوی ہیں۔ انہیں مملوک غلام جو بالغ ہو وہ تو شرعاً اجنبی غیر محرم کے حکم میں ہے۔ اس کی آقا اور مالک عورت کو بھی اس سے پردہ کرنا واجب ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اس لئے یہاں اس لفظ سے مراد نوٹڈیاں یا مملوک غلام جو بالغ نہ ہو وہ ہے جو ہر وقت گھر میں آنے جانے کے عادی ہیں۔

مسئلہ: اس میں علماء و فقہاء کا اختلاف ہے کہ یہ خاص استیذان اقارب کے لئے واجب ہے یا استحبابی حکم ہے اور یہ کہ یہ حکم اب بھی جاری ہے یا منسوخ ہو گیا۔ جمہور فقہاء کے نزدیک یہ آیت محکم غیر منسوخ ہے اور حکم وجوب کے لئے ہے مردوں کے واسطے بھی عورتوں کے واسطے بھی (قطعی) لیکن یہ ظاہر ہے کہ اسکے وجوب کی علت اور وجہ وہ ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے کہ ان تین اوقات میں عام آدمی خلوت چاہتا ہے اور اس میں بسا اوقات اپنی بیوی کیساتھ بھی مشغول ہوتا ہے بعض اوقات اعضائی مستورہ بھی کھلے ہوتے ہیں۔ اگر کچھ لوگ سکی احتیاط کر لیں کہ ان اوقات میں بھی اعضائی مستورہ کو چھپانے کی عادت ڈالیں اور بیوی سے اختلاط بھی بجز اس صورت کے نہ کریں کہ کسی کے آنیکا احتمال نہ رہے جیسے عموماً یہی عادت بن گئی ہے تو اس صورت میں ان پر یہ بھی واجب نہیں رہتا کہ اپنے اقارب اور بچوں کو استیذان کا پابند کریں، اور نہ اقارب پر واجب ہوتا ہے۔ البتہ اسکا مستحسن اور مستحب ہونا ہر حال میں ہے۔ مگر عام طور پر عمل اس پر زمانہ دراز سے متروک رہا ہو گیا ہے۔ اسی لئے حضرت ابن عباسؓ نے ایک روایت میں تو اس پر بڑی شدت کے الفاظ استعمال فرمائے اور ایک روایت میں عمل نہ کرنے والے لوگوں کا کچھ عذر بیان کر دیا۔

پہلی روایت ابن کثیر نے بسند ابن ابی حاتم یہ نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ تین آیتیں ایسی ہیں جن پر لوگوں نے عمل کو چھوڑ ہی دیا ہے۔ ایک یہی آیت استیذان یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ، جس میں اقارب اور نابالغ بچوں کو بھی استیذان کی تعلیم ہے دوسری آیت وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ هُمْ تَقْسِمُ مِيرَاثَ کے وقت وارثوں کو اسکی ہدایت کی گئی ہے کہ اگر مال وراثت تقسیم کرنے کے وقت کچھ ایسے رشتہ دار بھی موجود ہو جاویں جنکا ضابطہ میراث سے کوئی حصہ نہیں ہے تو ان کو بھی کچھ دیدیا کرو کہ ان کی دشمنی نہ ہو۔ تیسری آیت إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُ ہے جس میں بتلایا ہے کہ سب سے زیادہ معزز و مکرم وہ آدمی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ اور آجکل لوگ معزز مکرم اسکو سمجھتے ہیں جس کے پاس پیسہ بہت ہو جسکا مکان کوٹھی بنگلہ شاندار ہو۔ بعض روایات کے الفاظ اس میں یہ بھی ہیں کہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تین آیتوں کے معاملہ میں لوگوں پر شیطان غالب آ گیا ہے اور پھر فرمایا کہ میں تو اپنی نوٹڈی کو بھی اسکا پابند کر رکھا ہے کہ ان تین وقتوں میں بغیر اجازت میرے پاس نہ آیا کرے۔



دوسری روایت ابن ابی حاتم ہی کے حوالہ سے حضرت عکرمہ سے منقول ہے کہ دو شخصوں نے حضرت ابن عباسؓ سے اس استیذان اقارب کے متعلق سوال کیا کہ اس پر لوگ غل نہیں کرتے تو ابن عباسؓ نے فرمایا ان الله يحب المتقین یعنی اللہ بہت ستر رکھنے والا ہے اور ستر کی حفاظت کو پسند فرماتا ہے بات یہ ہے کہ ان آیات کے نزول کے وقت معاشرت بہت سادہ تھی نہ لوگوں کے دروازوں پر پردے تھے نہ گھر کے اندر پردہ دار مسہریاں تھیں اس وقت کبھی ایسا ہوتا تھا کہ آدمی کا نوکریا بیٹا بیٹی اچانک آجاتے اور یہ آدمی اپنی بیوی کے ساتھ مشغول ہوتا، اس لئے اللہ جل شانہ نے ان آیات میں تین دقتوں میں استیذان کی پابندی لگا دی تھی۔ اور اب چونکہ دروازوں پر پردے اور گھر میں پردہ دار مسہریاں ہونے لگیں اس لئے لوگوں نے یوں سمجھ لیا کہ بس یہ پردہ کافی ہے اب استیذان کی ضرورت نہیں (ابن کثیر نے یہ روایت نقل کر کے فرمایا ہے لہذا السناد صحیح الی ابن عباسؓ)۔ بہر حال حضرت ابن عباسؓ کی اس دوسری روایت سے اتنی بات نکلتی ہے کہ جب اس طرح کے واقعات کا اندیشہ نہ ہو کہ آدمی بیوی کیساتھ مشغول یا اعضائی مستورہ کھولے ہوئے ہو اور کسی کے آنیکا احتمال ہو ایسے حالات میں کچھ مسابہت ہے۔ لیکن

قرآن نے پاکیزہ معاشرت کی تعلیم دی ہے کہ کوئی کسی کی آزادی میں خلل انداز نہ ہو سب آرام و راحت سے رہیں جو لوگ اس طرح کے استیذان کا گھر والوں کو پابند نہیں بنائے وہ خود تکلیف میں مبتلا رہتے ہیں، اپنی ضرورت و خواہش کا کام کرنے میں تنگی برتتے ہیں۔

عورتوں کے احکام پردہ کی تاکید اس سے پہلے عورتوں کے حجاب اور پردہ کے احکام دو آیتوں میں اور اُس میں سے ایک اور استنثار مفصل آپ کے ہیں اور ان میں دو استنثار بھی ذکر کئے گئے۔ ایک استنثار ناظر یعنی دیکھنے والے کے اعتبار سے، دوسرا استنثار منظور یعنی جس کو دیکھا جائے اُس کے اعتبار سے۔ ناظر کے اعتبار سے تو محارم کو اور اپنی مملوکہ کنیزوں نابالغ بچوں کو مستثنیٰ کیا گیا تھا اور منظور یعنی جس چیز کو نظروں سے چھپانا مقصود ہے اُس کے اعتبار سے زینت ظاہرہ کو مستثنیٰ کیا گیا جس میں اوپر کے کپڑے برقع یا بڑی چادر یا تفاق مراد ہیں اور بعض کے نزدیک عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں بھی اس استنثار میں داخل ہیں۔

یہاں اگلی آیت میں ایک تیسرا استنثار عورت کے شخصی حال کے اعتبار سے یہ کیا گیا کہ جو عورت بڑی بوڑھی ایسی ہو جو بوجے کہ نہ اُس کی طرف کسی کو رغبت ہو اور نہ وہ نکاح کے قابل ہو تو اُس کے لئے پردہ کے احکام میں یہ سہولت دیدی گئی ہے کہ اجانب بھی اسکے حق میں مثل محارم کے ہو جاتے ہیں جن اعضا کا چھپانا اپنے محرموں سے ضروری نہیں ہے اس بوڑھی عورت کے لئے غیر مردوں غیر محرموں سے بھی اُن کا چھپانا ضروری نہیں۔ اس لئے فرمایا وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُو نِكَاحَ لَهَا وَالْغَيْرُ الْمَحْرُومَاتُ۔ اس لئے فرمایا وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُو نِكَاحَ لَهَا وَالْغَيْرُ الْمَحْرُومَاتُ۔



مختصر تفسیر اور پر گزر چکی ہے مگر ایسی بڑی بڑی عورت کے لئے بھی ایک قید تو یہ ہے کہ جو اعضاء محرم کے سامنے کھولے جائیں یہ عورت غیر محرم کے سامنے بھی کھول سکتی ہے بشرطیکہ بن مندور کرزیت کر کے نہ بیٹھے۔ دوسری بات آخر میں یہ فرمائی دَانَ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهِنَّ، یعنی اگر وہ غیر محرموں کے سامنے آنے سے بالکل ہی بچیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى

نہیں ہے اندھے پر کچھ تکلیف اور نہ لنگڑے پر تکلیف اور نہ بیمار

الرَّيْضِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْ بُيُوْتِكُمْ اَوْ

پر تکلیف اور نہیں تکلیف تم لوگوں پر کہ کھاؤ اپنے گھروں سے یا

بُيُوْتِ اَبَائِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهَاتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

اپنے باپ کے گھر سے یا اپنی ماں کے گھر سے یا اپنے بھائی کے گھر سے یا اپنی

اَخَوَاتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمَّاتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ

بہن کے گھر سے یا اپنے چچا کے گھر سے یا اپنی پھوپھی کے گھر سے یا اپنے ماموں کے گھر سے

اَوْ بُيُوْتِ خَلَتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكَتْهُ مَفَاتِحُهَا اَوْ صَدِيقِكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ

یا اپنی خالہ کے گھر سے یا جس گھر کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوست کے گھر سے، نہیں گناہ تم پر

جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا اَجْمِيعًا اَوْ اَشْتَاتًا فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰی

کہ کھاؤ آپس میں بل کر یا جدا جدا پھر جب کبھی جانے لگو گھروں میں تو سلام کہو اپنے

اَنْفُسِكُمْ طَيِّبَةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبَرَكَةٌ طَيِّبَةٌ كَذٰلِكَ يَبَيِّنُ

لوگوں پر نیک دعا ہے اللہ کے یہاں سے برکت والی ستھری یوں کہوتی ہے

اللّٰهُ لَكُمْ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۶۱

اللہ تمہارے آگے اپنی باتیں تاکہ تم سمجھ لو

## خلاصہ تفسیر

(اگر تم کسی اندھے لنگڑے بیمار غریب کو اپنے کسی عزیز یا ملاقاتی کے گھر لیجا کر کچھ کھلا پلا دو، یا خود کھاپی تو توجب یہ یقینی طور پر معلوم ہو کہ وہ عزیز ملاقاتی ہمارے کھانے اور کھلانے پر راضی ہوگا اسکو کوئی تکلیف نہ ہوگی تو ان صورتوں میں) نہ تو اندھے آدمی کے لئے کوئی مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے آدمی کے لئے اور نہ بیمار آدمی کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ خود تمہارے لئے اس بات میں (کچھ مضائقہ ہے)



کہ تم (خواہ خود یا تم سے اُن معذورین کے سب) اپنے گھروں سے (جن میں بنی بنی - اولاد کے گھر بھی آگئے) کھانا کھا لو یا (اُن گھروں میں جبکا ذکر آگے آتا ہے کھا لو، یعنی نہ تم کو خود کھانے میں گناہ ہے اور نہ اُن معذورین کو کھلانے میں۔ اسی طرح تمہارے کھلا دینے سے اُن معذورین کو بھی کھانے میں کوئی گناہ نہیں اور وہ گھر یہ ہیں۔ مثلاً) اپنے باپ کے گھر سے (کھا لو کھلا دو) یا اپنی ماؤں کے گھر سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا اُن گھروں سے جہاں کنبیاں تمہارے اختیار میں ہیں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے (پھر اُس میں بھی) کہ سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔ پھر (یہ بھی معلوم کر رکھو کہ) جب تم گھروں میں جانے لگو تو اپنے لوگوں کو (یعنی وہاں جو مسلمان ہوں اُنکو) سلام کر لیا کرو (جو کہ) دعا کے طور پر ہے اور جو خدا کی طرف سے مقرر ہے اور (بوجہ اس پر ثواب ملنے کے) برکت والی (اور بوجہ مخاطب کا دل خوش کرنے کے) عمدہ چیز ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے (اپنے) احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو (اور عمل کرو)۔

## معارف و مسائل

گھروں میں داخل ہونے کے بعد کے بعض احکام اور آداب معاشرت

بچھلی آیتوں میں کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے استیذان کرنے کا حکم آیا ہے۔ اس آیت میں وہ احکام و آداب گھر میں جو اجازت ملنے پر گھر میں جانے کے بعد مستحب یا واجب ہیں۔ اس آیت کا مفہوم اور اس میں مذکورہ احکام کو سمجھنے کے لئے پہلے اُن حالات کو معلوم کر لینا مناسب ہے جن میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام تعلیمات میں حقوق العباد کی حفاظت و رعایت کے لئے جتنی تاکیدات آئی ہیں اُن سے کوئی مسلمان بے خبر نہیں۔ کسی دوسرے کے مال میں بغیر اس کی اجازت کے کوئی تصرف کرنے پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لئے ایسے خوش نصیب لوگوں کو چن لیا تھا کہ وہ اللہ و رسول کے فرمان پر ہر وقت گوش بہ آواز رہتے اور ہر حکم کی تعمیل میں اپنی پوری توانائی صرف کرتے تھے قرآنی تعلیمات پر عمل اور اُس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی کیا اثر سے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی جماعت تیار کر دی تھی کہ فرشتے بھی اُن پر فخر کرتے ہیں۔ دوسروں کے مال میں اُن کی مرضی و اجازت کے بغیر ادنیٰ قسم کا تصرف گوارا نہ ہونا کسی کو ادنیٰ سی تکلیف پہنچانے سے پرہیز کرنا اور اس میں تقویٰ کے اعلیٰ معیار پر قائم ہونا سبھی صحابہ کا وصف تھا۔ اسی سلسلے کے چند واقعات عہد رسالت میں پیش آئے جن کی وجہ سے آیت مذکورہ کے احکام نازل ہوئے۔ حضرات مفسرین نے یہ سب واقعات



لکھے ہیں کسی نے انہیں سے کسی کو شانِ نزول قرار دیا کسی نے کسی دوسرے واقعہ کو مگر صحیح بات یہ ہے کہ ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں، یہ مجموعہ واقعات ہی اس آیت کا شانِ نزول ہے۔ واقعات یہ ہیں۔

(۱) امام بغویؒ نے حضرت سعید بن جبیر اور ضحاکؒ تفسیر سے نقل کیا ہے کہ دنیا کی عرف عام اور اکثر لوگوں کی طبائع کا حال یہ ہے کہ لنگڑے ٹوٹے اندھے اور بیمار آدمی کیساتھ بیٹھ کر کھانیے گھن کرتے ہیں اور ناپسند کرتے ہیں حضرات صحابہ میں سے جو ایسے معذور تھے اُن کو یہ خیال ہوا کہ تم کسی کیساتھ کھالے میں شریک بن گئے تو شاید اسکو تکلیف ہو اسلئے یہ لوگ تندرست آدمیوں کیساتھ کھانیے میں شریک سے گریز کرنے لگے۔ نیز نابینا آدمی کو یہ بھی فکر ہوئی کہ جب چند آدمی کھانیے میں شریک ہوں تو تقاضائے عدل و مروت یہ ہے کہ کوئی شریک دوسرے سے زیادہ نہ کھائے سب کو برابر حصہ ملے اور میں نابینا ہونے کی وجہ سے اسکا اندازہ نہیں کر سکتا ممکن ہے کہ میں دوسروں سے زیادہ کھاؤں اس میں دوسروں کی حق تلفی ہوگی۔ لنگڑے آدمی نے خیال کیا کہ عام تندرست لوگوں کی طرح بیٹھ نہیں سکتا دو آدمی کی جگہ لیتا ہوں، کھانے پر دوسروں کیساتھ بیٹھوں گا تو ممکن ہے اُنکو تنگی اور تکلیف پیش آئے، انکی اس غایت احتیاط میں ظاہر ہے کہ خود اُنکو تنگی اور تکلیف پیش آتی تھی اسلئے یہ آیت نازل ہوئی جس میں اُن کو دوسروں کیساتھ ملکر کھانے کی اجازت اور ایسی دقیق احتیاط کو چھوڑنے کی تلقین فرمائی جس سے تنگی میں پڑ جائیں۔ اور بغویؒ نے بروایت ابن جریر حضرت ابن عباسؓ سے ایک دوسرا واقعہ نقل کیا ہے جو واقعہ مذکورہ کا دوسرا رخ ہے وہ یہ کہ قرآن کریم کی جب یہ آیت نازل ہوئی لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ، یعنی نہ کھاؤ ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر۔ تو لوگوں کو اندھے، لنگڑے بیمار لوگوں کے ساتھ ملکر کھانے میں یہ تردد پیش آنے لگا کہ بیمار تو عادیہ کم کھاتا ہے، نابینا کو کھانے کی چیزوں میں یہ امتیاز نہیں ہوتا کہ کونسی چیز عمدہ ہے لنگڑے کو اپنی نشست ہوار نہ ہونے کے سبب کھانے میں تکلف ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ یہ لوگ کم کھائیں ہمارے پاس زیادہ آجائے تو ان کی حق تلفی ہوئی کیونکہ مشترک کھانیے میں سب کا حصہ مساوی ہونا چاہیے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اس تعق اور تکلف میں بڑھنے سے اُن کو آزاد کر دیا گیا کہ سب ملکر کھاؤ معمولی کمی بیشی کی فکر نہ کرو۔ اور سعید بن مسیبؒ نے فرمایا کہ مسلمان جب کسی جہاد وغزوہ کے لئے جاتے تو اپنے گھروں کی کنجیاں ان معذوروں کے سپرد کر دیتے تھے اور یہ کہہ دیتے تھے کہ گھر میں جو کچھ ہے وہ تم لوگ کھا پی سکتے ہو۔ مگر یہ لوگ اس احتیاط کی بنا پر اُن کے گھروں میں سے کچھ نہ کھاتے کہ شاید اُن کی منشا کینخلاصہ خرچ ہو جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مسند بزار میں بسند صحیح حضرت عائشہؓ سے بھی یہی معذورون نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو عام صحابہؓ کی دلی خواہش یہ ہوتی تھی کہ سب آپ کی رفاقت میں شریک جہاد ہوں اور اپنے مکانات کی کنجیاں ان غریب معذورین کے سپرد کر دیتے تھے اور اُن کو اجازت دیتے تھے کہ ہمارے پیچھے آپ ہمارے گھر نہیں جو کچھ ہے



کھاپی سکتے ہو مگر یہ لوگ غایت تقویٰ سے اس اندیشہ پر کہ شاید ان کی یہ اجازت بطیب خاطر نہ ہو اس سے پرہیز کرتے تھے۔ بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ میں جو لفظ صد یفکھو کا آیا ہے یعنی اپنے دوست کے گھر سے بھی کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ حارث بن عمرؓ کے واقعہ میں نازل ہوا کہ وہ کسی جہاد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلے گئے اور اپنے دوست مالک بن زیدؓ کو اپنے گھر اور گھر والوں کی نگرانی سپرد کر دی، جب حارث واپس آئے تو دیکھا کہ مالک بن زیدؓ بہت ضعیف کمزور ہوئے ہیں وجہ دریافت کرنے پر انہوں نے کہا کہ میں نے آپکے گھر سے کچھ کھانا آپکے پیچھے مناسب نہیں سمجھا (یہ سب روایات تفسیر مظہری میں ہیں) اور صاف بات یہی ہے کہ اس قسم کے تمام واقعات اس آیت کے نزول کا سبب ہوئے ہیں۔

مسئلہ: جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جن گھروں میں سے بغیر اجازت خاص کے کھانے پینے کی اجازت اس آیت میں دی گئی ہے اسکی بنیاد اس پر ہے کہ عرب کی عام عادت کی مطابق ایسے قریبی رشتہ داروں میں کوئی تکلف بالکل نہ تھا ایک دوسرے کے گھر سے کچھ کھاتے پیتے تو گھر والے کو کسی قسم کی تکلیف یا ناگواری نہ ہوتی تھی بلکہ وہ اس سے خوش ہوتا تھا۔ اسی طرح اس سے بھی کہ وہ اپنے ساتھ کسی مخدور بیمار سکین کو بھی کھلائے۔ ان سب چیزوں کی گوصراحتہ اجازت نہ دی ہو مگر عادتہ اجازت تھی اس علت جواز سے ثابت ہوا کہ جس زمانے یا جس مقام میں ایسا رواج نہ ہوا اور مالک کی اجازت مشکوک ہو وہاں بغیر صریح اجازت مالک کے کھانا پینا حرام ہے۔ جیسا کہ آجکل عام طور پر نہ یہ عادت رہی نہ کوئی اسکو گوارہ کرتا ہے کہ کوئی عزیز قریب انکے گھر میں جو چاہے کھائے پئے یا دوسروں کو کھلائے پلائے اسلئے آجکل عام طور پر اس اجازت پر عمل کرنا جائز نہیں بجز اسکے کہ کسی دوست عزیز کے متعلق کسی کو یقینی طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اسکے کھانے پینے یا دوسروں کو کھلانے پلانے سے کوئی تکلیف یا ناگواری محسوس کرے گا بلکہ خوش ہوگا تو خاص اسکے گھر سے کھانے پینے میں اس آیت کے مقتضیٰ پر عمل جائز ہے۔

مسئلہ: مذکورہ بیان سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ کہنا صحیح نہیں کہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا بلکہ حکم اول سے آج تک جاری ہے البتہ شرطا اسکی مالک کی اجازت کا یقین ہے جب یہ نہ ہو تو وہ مقتضائے آیت میں داخل ہی نہیں۔ (مظہری)

مسئلہ: اسی طرح اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ حکم صرف ان مخصوص رشتہ داروں ہی میں منحصر نہیں بلکہ دوسرے شخص کے بارے میں اگر یہ یقین ہو کہ اسکی طرف سے ہمارے کھانے پینے اور کھلانے پلانے کی اجازت ہے وہ اس سے خوش ہوگا اسکو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی تو اسکا بھی یہی حکم ہے (مظہری) احکام مذکورہ کا تعلق ان کاموں سے ہے جو کسی کے گھر میں با اجازت داخل ہونے کے بعد جائز یا مستحب یا ان کاموں میں بڑا مسئلہ کھانے پینے کا تھا اس کو پہلے ذکر فرما دیا۔



دوسرا مسئلہ گھر میں داخل ہونے کے آداب کا یہ ہے کہ جب گھر میں باجارت داخل ہو تو گھر میں جو مسلمان ہوں ان کو سلام کرو۔ آیت عَلَیْ أَنْفُسِكُمْ سے یہی مراد ہے کیونکہ مسلمان سب ایک جماعت متحدہ ہیں۔ احادیث کثیرہ صحیحہ میں مسلمان کے باہم ایک دوسرے کو سلام کرنیکی بڑی تاکید اور فضیلت آئی ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَى أَمْرٍ

ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے ہیں اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جب ہوتے ہیں اس کے ساتھ کسی

جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّى يَسْتَأْذِنُوهُ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ

جمع ہونے کے کام میں تو چلے نہیں جاتے جب تک اس سے اجازت نہ لے لیں، جو لوگ تجھ سے اجازت لیتے ہیں وہی ہیں

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأَذِنَ

جو مانتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو پھر جب اجازت مانگیں تجھ سے اپنے کسی کام کے لئے تو اجازت

لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۖ لَا

دے جس کو ان میں سے تو چاہے اور معافی مانگ ان کے واسطے اللہ سے، اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ

کرو بلانا رسول کا اپنے اندر برابر اُس کے جو بلانا ہے تم میں ایک دوسرے کو اللہ جانتا ہے

الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذٍ ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ

ان لوگوں کو تم میں سے جو رستہ لگ جاتے ہیں آنکھ بچا کر سو ڈرتے رہیں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں

عَنْ أَمْرٍ ۚ أَنْ تَضِلَّ بِهِمْ فَتُنْفِئُ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۖ ۚ إِلَّا

اُس کے حکم کا اس سے کہ آہٹے ان پر کچھ خرابی یا پہنچے ان کو عذاب دردناک

إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ ۚ

اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں اُس کو معلوم ہے جس حال پر تم ہو

وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ

اور جس دن پھیرے جائیں گے اُس کی طرف تو بتائے گا ان کو جو کچھ انہوں نے کیا، اور اللہ ہر ایک

شَيْءٍ عَلِيمٌ ۖ ۚ

چیز کو جانتا ہے

خلاصہ تفسیر

بس مسلمان تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب رسول کے پاس



کسی ایسے کام پر جمع ہوتے ہیں جس کے لئے مجمع کیا گیا ہے (اور اتفاقاً وہاں سے کہیں جانکی ضرورت پڑتی ہے) تو جب تک آپ سے اجازت نہ لیں (اور آپ اس پر اجازت نہ دیدیں مجلس سے اٹھ کر) نہیں جاتے (اے پیغمبر) جو لوگ آپ سے (ایسے مواقع پر) اجازت لیتے ہیں بس وہی اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں (آگے ایسے لوگوں کو اجازت دینے کا بیان ہے) تو جب یہ (اہل ایمان) لوگ (ایسے مواقع پر) اپنے کسی کام کے لئے آپ سے (جاتے کی) اجازت طلب کریں تو انہیں آپ جس کے لئے (مناسب سمجھیں اور اجازت دینا) چاہیں اجازت دیدیا کریں (اور جس کو مناسب نہ سمجھیں اجازت نہ دیں کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ اجازت طلب کرنے والے اُس کام کو ضروری سمجھتے ہوں جس کے لئے اجازت طلب کر رہے ہیں اور وہ واقع میں ضروری نہ ہو یا ضروری بھی ہو مگر اسکے جانے سے اُس سے بڑا کوئی ضرر پیدا ہونی کا خطرہ ہو اسلئے اجازت و عدم اجازت کا فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا) اور (اجازت دیکر بھی) آپ اُن کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کیا کیجئے (کیونکہ اُن کا یہ رخصت چاہنا اگرچہ قوی عذر ہی کی وجہ سے ہو مگر اُس میں دُنیا کو دین پر مقدم رکھنے کی صورت تو لازم آتی ہے جس میں ایک کوتاہی کا شائبہ ہے اسکے لئے آپ کی دعا پر مغفرت درکار ہے۔ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ اجازت چاہنے والے نے جس عذر و ضرورت کو قوی سمجھ کر اجازت لی ہے اُس میں اُس سے خطا، اجتہاد ہی ہو گئی ہو کہ غیر ضروری کو ضروری سمجھ لیا اور یہ خطا اجتہاد ایسی ہو کہ ذرا غور و تأمل سے رفع ہو سکتی ہو تو ایسی صورتیں غور و فکر کی کمی بھی ایک کوتاہی ہے اس سے استغفار کی ضرورت ہوئی) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے (چونکہ اُن کی نیت اچھی تھی اسلئے ایسے دقائق پر مواخذہ نہیں فرماتا) تم لوگ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بلانے کو (جب کسی اسلامی ضرورت کے لئے تلو جمع کریں) ایسا (معمولی بلانا) مت سمجھو جیسا تم میں ایک دو کے کو بلالینا (کہ چاہے آیا یا نہ آیا پھر اگر بھی جب تک چاہا بیٹھا جب چاہا اٹھ کر بے اجازت چل دیا۔ رسول کا بلانا ایسا نہیں بلکہ اُنکے اس حکم کی تعمیل واجب ہے اور بے اجازت واپس جانا حرام اور اگر کوئی بلا اجازت چلا گیا تو یہ تو ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس کا جانا مخفی رہ جائے لیکن یہ یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو (خوب جانتا ہے جو) (دوسرے کی) آرٹیں ہو کر تم میں سے (مجلس نبوی سے) کھسک جاتے ہیں تو جو لوگ اللہ کے حکم کی (جو بواسطہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہنچا ہے) نفی کرتے ہیں اُن کو اس سے ڈرنا چاہیئے کہ ان پر (دُنیا میں) کوئی آفت آن پڑے یا اُن پر (آخرت میں) کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے (اور یہ بھی ممکن ہو کہ دُنیا و آخرت دونوں میں عذاب ہو اور یہ بھی) یاد رکھو کہ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب خدا ہی کا ہے اللہ تعالیٰ اُس حالت کو بھی جانتا ہے جس پر تم (اب) ہو اور اُس دن کو بھی جس میں سب اُسکے پاس (دوبارہ زندہ کر کے)



لائے جا دیں گے تو وہ اُن کو سب جتلا دیگا جو کچھ اُنہوں نے کیا تھا (اور تمہاری موجودہ حالت اور روز قیامت ہی کی کچھ تخصیص نہیں) اللہ تعالیٰ (تو) سب کچھ جانتا ہے۔

## معارف و مسائل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے خصوصاً آیات مذکور میں رد حکم دیئے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ جب رسول اللہ اور عام معاشرت کے بعض آداب احکام صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کسی دینی جہاد وغیرہ کے لئے جمع کریں تو مقتضائے ایمان یہ ہے کہ سب جمع ہو جاویں اور پھر آپ کی مجلس سے بغیر آپ کی اجازت کے نہ جائیں۔ کوئی ضرورت پیش آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت حاصل کر لیں اور اسمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت ہے کہ کوئی خاص حرج اور ضرورت نہ ہو تو اجازت دیدیا کریں! اسی ضمن میں اُن منافقین کی مذمت ہے جو اس تقاضائے ایمان کے خلاف بدنامی سے بچنے کے لئے حاضر تو ہو جاتے ہیں مگر پھر کسی کی آڑ لیکر چپکے سے کھسک جاتے ہیں۔

یہ آیت غزوہ احزاب کے موقع پر نازل ہوئی ہے جبکہ مشرکین عرب اور دوسری جماعتوں کے متحدہ محاذ نے یکبارگی مدینہ پر حملہ کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بمشورہ صحابہ اُن کے حملے سے بچاؤ کیلئے خندق کھودی تھی اسی لئے اس جہاد کو غزوہ خندق بھی کہا جاتا ہے یہ غزوہ شوال سنہ ہجری میں ہوا (قرطبی) سیہقی اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود اور تمام صحابہ خندق کھودنے میں مصروف کار تھے مگر منافقین اول تو آنے میں سستی کرتے اور پھر آکر بھی معمولی سا کام دکھانے کو کر لیتے اور پھر چپکے سے غائب ہو جاتے تھے اسکے خلاف مؤمنین سب کے سب محنت کیساتھ لگے رہتے اور کوئی مجبوری اور ضرورت پیش آتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیکر جاتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی (منظری) ایک سوال و جواب | اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے بغیر آپ کی اجازت کے چلا جانا حرام ہے حالانکہ صحابہ کرام کے بشمار واقعات ہیں جن میں وہ آپ کی مجلس میں ہوتے اور پھر جب چاہتے چلے جاتے تھے اجازت لینا ضروری نہ سمجھتے تھے۔ جواب یہ ہے کہ یہ عام مجلسوں کا حکم نہیں بلکہ اس وقت کا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو کسی ضرورت سے جمع کیا ہو جیسا کہ واقعہ خندق میں ہوا تھا۔ اس تخصیص کی طرف خود آیت کے لفظ علیٰ امر جامع میں اشارہ موجود ہے۔ امر جامع سے کیا مراد ہے | اس میں اقوال مختلف ہیں مگر واضح بات یہ ہے کہ امر جامع سے مراد وہ کام جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو جمع کرنا ضروری سمجھیں اور کسی خاص کام کے لئے جمع فرمادیں جیسے غزوہ احزاب میں خندق کھودنے کا کام تھا (قرطبی۔ منظری)

یہ حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتفاق فقہاء چونکہ یہ حکم ایک دینی اور اسلامی ضرورت کے لئے جاری کیا مجلس کے ساتھ مخصوص ہے یا عام | گیا ہے اور ایسی ضرورتیں ہر زمانے میں ہو سکتی ہیں اس لئے آنحضرت



صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ مسلمانوں کے ہر امام و امیر جس کے قبضہ میں زمانہ حکومت ہو اسکا اور اسکی ایسی مجلس کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ سب کو جمع ہو نیکیا حکم دیں تو اسکی تعمیل واجب اور واپس جانا بغیر اجازت ناجائز ہے (قرطبی - منظری - بیان القرآن) اور یہ ظاہر ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے لئے یہ حکم زیادہ ہو کہ اور اسکی مخالفت کھلی شقاوت ہے جیسے منافقین کے صادر ہوئی۔ اور اسلامی آداب معاشرت کے لحاظ سے یہ حکم باہمی اجتماعات اور عام مجلسوں کے لئے بھی کم از کم مستحب اور مستحسن ضرور ہے کہ جب مسلمان کسی مجلس میں کسی اجتماعی معاملہ میں غور کرنے یا عمل کرنے کے لئے جمع ہوئے ہوں تو جب جانا ہو میر مجلس سے اجازت لیکر جائیں۔

دوسرا حکم آخری آیت میں یہ دیا گیا ہے لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ وَالْآيَةِ اسکی ایک تفسیر تو وہ ہے جو اوپر خلاصہ تفسیر میں بیان کی گئی ہے کہ دُعَاءُ الرَّسُولِ سے مراد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کو بلانا ہے (جو نحوی قاعدہ سے اضافت الی الفاعل ہے) اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کو بلائیں تو اسکو عام لوگوں کے بلانے کی طرح نہ سمجھو کہ اُسیں آنے نہ آنے کا اختیار رہتا ہے بلکہ اسوقت آنا فرض ہو جاتا ہے اور بغیر اجازت جانا حرام ہو جاتا ہے۔ آیت کے سیاق و سباق سے یہ تفسیر زیادہ مناسب رہکتی ہے اسی لئے منظری اور بیان القرآن میں اسکو اختیار کیا ہے۔ اور اس کی ایک دوسری تفسیر حضرت عبداللہ ابن عباس سے ابن کثیر اور قرطبی وغیرہ نے یہ نقل کی ہے کہ دُعَاءُ الرَّسُولِ سے مراد لوگوں کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کام کے لئے پکارنا اور بلانا ہے (جو نحوی ترکیب میں اضافت الی المفعول ہوگی)۔

اس تفسیر کی بنا پر معنی آیت کے یہ ہونگے کہ جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ضرورت سے بلاؤ یا مخاطب کرو تو عام لوگوں کی طرح آپکی نام لیکر یا چلنے نہ کہو کہ بے ادبی ہے بلکہ تعظیماً لقا کے ساتھ یا رسول اللہ یا نبی اللہ وغیرہ کہا کرو۔ اسکا حاصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا مسلمانوں پر واجب ہونا اور ہر ایسی چیز سے بچنا ہے جو ادب کے خلاف ہو یا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچے۔ یہ حکم ایسا ہوگا جیسے سورہ حجرات میں اسی طرح کے کئی حکم دیئے گئے ہیں مثلاً لَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ کَیْفَ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرو تو ادب کی رعایت رکھو، ضرورت سے زیادہ اونچی آواز سے باتیں نہ کرو جیسے لوگ آپس میں کیا کرتے ہیں اور مثلاً یہ کہ جب آپ گھر میں تشریف رکھتے ہوں تو باہر سے آواز نہ دیکر نہ بلاؤ بلکہ آپکے باہر تشریف لائیکان انتظار کرواؤ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ دَاوِلِ الْحُجُرَاتِ میں اسی کا بیان ہے۔

تنبیہ | اس دوسری تفسیر میں ایک عام ادب بزرگوں اور بڑوں کا بھی معلوم ہوا کہ اپنے بزرگوں بڑوں کو ان کا نام لے کر پکارنا اور بلانا بے ادبی ہے تعظیماً لقب سے مخاطب کرنا چاہیئے۔



## سُورَةُ الْفُرْقَانِ

سُورَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعٌ وَسَبْعُونَ آيَةً وَسِتُّ رُكُوعَاتٌ  
سورہ فرقان مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ستر آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ۝۱

بڑی برکت ہے اُسکی جس نے اُتاری فیصلہ کی کتاب اپنے بندہ پر تاکہ ہے جہاں والوں کے لئے ڈرانے والا

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا ۝۲

وہ کہ جس کی ہے سلطنت آسمان اور زمین میں اور نہیں پکڑا اُس نے بیٹا اور نہیں

يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدْ رُكَهُ تَقْدِيرًا ۝۳

کوئی اس کا ساتھی سلطنت میں اور بنائی ہر چیز پھر ٹھیک کیا اُس کو باپ کر

وَاتَّخَذَ مِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝۴

اور لوگوں نے پکڑ رکھے ہیں اس سے ورے کتنے حاکم جو نہیں بناتے کچھ چیز اور وہ خود بنائے گئے ہیں

وَلَا يَمْلِكُونَ لِنَفْسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا ۝۵

اور نہیں مالک اپنے حق میں بُرے کے اور نہ بھلے کے اور نہیں مالک مرنے کے

وَلَا حَيَاةٌ وَلَا نَشْرٌ ۝۶

اور نہ جینے کے اور نہ جی اٹھنے کے

### خلاصہ تفسیر

بڑی عالی شان ذات ہے جس نے یہ فیصلہ کی کتاب (یعنی قرآن) اپنے خاص بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

پر نازل فرمائی تاکہ وہ تمام دنیا جہاں والوں کے لئے (ایمان نہ لانے کی صورت میں عذاب الہی سے) ڈرانے

والا ہو، ایسی ذات جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی حکومت حاصل ہے اور اس نے کسی کو (اپنی) اولاد



قرار نہیں دیا اور نہ کوئی اس کا شریک ہے حکومت میں اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر سب کا الگ الگ انداز رکھا (کہ کسی چیز کے آثار و خواص کچھ ہیں کسی کے کچھ ہیں) اور ان مشرکین نے خدا کو چھوڑ کر ادریسے معبود قرار دے لئے ہیں جو (کسی طرح معبود ہونے کے قابل نہیں کیونکہ وہ) کسی چیز کے خالق نہیں اور بلکہ وہ خود مخلوق ہیں اور خود اپنے لئے نہ کسی نقصان (کے رفع کرنے) کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی نفع (کے حاصل کرنے) کا اور نہ کسی کے مرنے کا اختیار رکھتے ہیں (کہ کسی جاندار کی جان نکال سکیں) اور نہ کسی کے جینے کا (اختیار رکھتے ہیں کہ کسی بے جان میں جان ڈال دیں) اور نہ کسی کو (قیامت میں) دوبارہ زندہ کرے (اختیار رکھتے ہیں) اور جو شخص ان چیزوں پر قدرت نہیں رکھتا وہ معبود نہیں ہو سکتا۔

## معارف و مسائل

خصوصیات سورت | یہ پوری سورت جمہور مفسرین کے نزدیک مکی ہے۔ حضرت ابن عباس و قتادہ نے تین آیتوں کے متعلق بیان فرمایا کہ یہ مکی نہیں، مدنی ہیں۔ باقی سورت مکی ہے اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور اس میں کچھ آیات مکی ہیں (قرطبی) اور خلاصہ اس سورت کے مضامین کا قرآن کریم کی عظمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی حقانیت کا بیان اور دشمنوں کی طرف سے اس پر جو اعتراضات تھے اُن کا جواب ہے۔

تَبَارَكَ، برکت سے مشتق ہے۔ برکت کے معنی خیر کی کثرت کے ہیں۔ ابن عباس نے فرمایا کہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ ہر خیر و برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ فرقان، قرآن کریم کا لقب ہے لغوی معنی اسکے تمیز اور فرق کرنے کے ہیں۔ قرآن چونکہ اپنے واضح ارشادات کے ذریعہ حق و باطل میں تمیز اور فرق بتلاتا ہے اور مجرہ کے ذریعہ اہل حق و اہل باطل میں امتیاز کر دیتا ہے اسلئے اس کو فرقان کہا جاتا ہے۔ لِلْعَالَمِينَ، اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت سارے عالم کیلئے ہے بخلاف پچھلے انبیاء کے کہ اُن کی نبوت و رسالت کسی مخصوص جماعت یا مخصوص مقام کے لئے ہوتی تھی۔ صحیح مسلم کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے چھ خصوصی فضائل کا ذکر فرمایا ہے انہیں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی بعثت سارے جہان کے لئے عام ہے۔

فَقَدْ دَرَكْنَا تَقْدِيرًا، تخلیق کے بعد تقدیر کا ذکر فرمایا گیا۔ تخلیق کے معنی تو اتنے ہیں کہ بغیر کسی سابق مادہ وغیرہ کے ایک چیز کو عدم سے وجود میں لایا جائے وہ کیسی بھی ہو۔

مخلوقات میں سے ہر ایک چیز | اور تقدیر کا مفہوم یہ ہے کہ جس چیز کو بھی پیدا فرمایا اسکے اجزاء کی ساخت میں خاص خاص حکمتیں | اور شکل و صورت اور آثار و خواص بڑی حکمت کیساتھ اُس کام کے مناسب پیدا کئے جس کام کے لئے اس چیز کو پیدا کیا گیا ہے آسمان کی ساخت اُس کے اجزاء ترکیبی اُنکی



ہیئت اُس کام کے مناسب جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے آسمان بنایا ہے۔ ستاروں اور ستاروں کی تخلیق میں وہ چیزیں رکھیں جو ان کے منشاء وجود کے مناسب ہیں۔ زمین اور اس کے پیٹ میں پیدا ہونے والی ہر چیز جس پر نظر ڈالو ہر ایک کی ساخت، شکل و صورت، نرمی، سختی اُس کام کے مناسب بنائی گئی ہے جس کام کے لئے قدرت نے اسکو پیدا کیا ہے۔ زمین کو نہ اتنا رقیق مادہ پانی کی طرح بنایا کہ جو کچھ اُس پر رکھا جائے وہ اس کے اندر ڈوب جائے، نہ اتنا سخت پتھر اور لوہے کی طرح بنایا کہ اسکو کھود نہ سکیں کیونکہ اُس سے یہ ضرورتیں متعلق تھیں کہ اسکو کھود کر پانی بھی نکالا جاسکے۔ اس میں بنیادیں کھود کر بڑی اُدنی عمارتیں اس پر کھڑی کی جاسکیں۔ پانی کو سیال بنایا جس میں ہزاروں حکمتیں ہیں ہوا بھی سیال ہی ہے مگر پانی سے مختلف، پانی ہر جگہ خود بخود نہیں پہنچتا اُس میں انسان کو کچھ محنت بھی کرنا پڑتی ہے ہوا کو قدرت نے اپنا جبری انعام بنایا کہ وہ بغیر کسی محنت و عمل کے ہر جگہ پہنچ جاتی ہے بلکہ کوئی شخص ہوا سے بچنا چاہے تو اُس کو اس کے لئے بڑی محنت کرنا پڑتی ہے۔ یہ جگہ مخلوقات الہیہ کی حکمتوں کی تفصیل بیان کرنے کی نہیں۔ ایک ایک مخلوق کو دیکھو انہیں سے ہر ایک قدرتِ حکمت کا شاہکار ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی ایک مستقل کتاب اس موضوع پر لکھی ہے بنام الحکمة فی مخلوقات اللہ تعالیٰ۔

ان آیات میں شروع ہی سے قرآن کی عظمت اور جس ذاتِ گرامی پر وہ نازل ہوا ہے اُس کو عبد کا خطاب دیکر اُس کی عزت و عظمت کا عجیب و غریب بیان ہے۔ کیونکہ کسی مخلوق کے لئے اس سے بڑا کوئی شرف نہیں ہو سکتا کہ خالق اُسکو یہ کہہ دے کہ یہ میرا ہے ۵

بندہ حسن بصرہ زباں گفت کہ بندہ توام پو تو بزبان خود بگو بندہ نواز کیستی

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا إِفْكٌ مُّفْتَرٍ بِهِ وَأَعَانَهُ

اور کہنے لگے جو منکر ہیں اور کچھ نہیں ہے یہ مگر طوفانِ باندہ لایا ہے اور ساتھ دیا ہے

عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ ۚ فَقَدْ جَاءَ ظُلْمًا وَزُورًا ۖ وَ قَالُوا

اُسکا اس میں اور لوگوں نے سو آگئے بے انصافی اور جھوٹ پر اور کہنے لگے

أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۖ لَنْ يَنْفَعَكَ إِلَهُكَ فِي تَعَالَى ۚ تَمْلِكُ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝

یہ نقلیں ہیں پہلوں کی جن کو اُس نے لکھ رکھا ہے سودہ ہی لکھوائی جاتی ہیں اس کے پاس صبح اور شام

قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ

تو کہہ اسکو اتارا ہے اُس نے جو جانتا ہے چھپے ہوئے بھید آسمانوں میں اور زمین میں بیشک وہ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۖ وَقَالُوا مَا هَذَا الرَّسُولُ يَأْكُلُ الطَّعَامَ

بخشنے والا مہربان ہے اور کہنے لگے یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا



وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ لَوْ لَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا ۝

اور بھرتا ہے بازاروں میں کیوں نہ اُترائیں کی طرف کوئی فرشتہ کہ رہتا اس کے ساتھ ڈرانے کو  
اَوْ يُلْقَى إِلَيْهِ كَنزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا وَقَالَ الظَّالِمُونَ

یا آپڑتا اس کے پاس خزانہ یا ہو جاتا اسکے لئے ایک باغ کہ کھایا کرتا اس میں سے، اور کہنے لگے بے انصاف  
إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ۝ أَنْظِرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ

تم پیروی کرتے ہو اس ایک مرد جادو مارے کی دیکھ کیسی بٹھلاتے ہیں تجھ پر

الْأَمْثَالِ فُضِّلُوا أَفَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۝

مثلیں سو بہک گئے اب پاہیں سکتے راستہ

### خلاصہ تفسیر

اور کافر لوگ (قرآن کے بارے میں) یوں کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) تو کچھ بھی نہیں نرا جھوٹ  
(ہی جھوٹ) ہے جس کو اس شخص (یعنی پیغمبر) نے گھڑ لیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس (گھڑت)  
میں اس کی مدد کی ہے (مُراد وہ اہل کتاب ہیں جو مسلمان ہو گئے تھے یا آپ کی خدمت میں دیے ہی  
حاضر ہوا کرتے تھے) سو (ایسی بات کہنے سے) یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کے مرکب ہوئے (اسکا ظلم  
اور جھوٹ ہونا آگے بیان میں آئے گا) اور یہ (کافر) لوگ (اپنے اسی اعتراض کی تائید میں) یوں  
کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) بے سند باتیں ہیں جو اگلے لوگوں سے منقول ہوتی چلی آئی ہیں جن کو اس شخص (پیغمبر)  
نے (عمدہ عبارت میں سوچ سوچ کر اپنے صحابہ کے ہاتھ سے) لکھوا لیا ہے (تاکہ محفوظ رہے) پھر ہی  
(مضامین) اس کو صبح شام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں (تاکہ یاد رہیں، پھر وہی یاد کئے ہوئے مضامین  
جمع میں بیان کر کے خدا کی طرف منسوب کر دیئے جاتے ہیں) آپ (اسکے جواب میں) کہہ دیجئے کہ اس  
(قرآن) کو تو اس ذات (پاک) نے اُتارا ہے جس کو سب چھپی باتوں کی خواہ وہ آسمانوں میں ہوں یا  
زمین میں ہوں خبر ہے (خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ اس کلام کا اعجاز اس کی کھلی دلیل ہے کہ کفار کا یہ اعتراض  
غلط اور جھوٹ اور ظلم ہے کیونکہ اگر قرآن اساطیر الاولین، یعنی پرانے لوگوں کی کہانیاں ہوتا یا کسی دوسرے  
کی مدد سے تصنیف کیا گیا ہوتا تو ساری دنیا اس کی مثال لانے سے عاجز کیوں ہوتی، واقعی اللہ تعالیٰ  
غفور و رحیم ہے (اس لئے ایسے ایسے جھوٹ اور ظلم پر فوری سزا نہیں دیتا)۔

اور یہ کافر لوگ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت) یوں کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ  
(ہماری طرح) کھانا (بھی) کھاتا ہے اور (انتظام معاش کے لئے ہماری ہی طرح) بازاروں میں  
چلتا پھرتا ہے (مطلب یہ ہے کہ رسول نہ پیغمبر انسان کے بجائے فرشتہ ہونا چاہیے جو کھانے



پینے وغیرہ کی ضروریات سے مستغنی ہو اور کم از کم اتنا تو ضرور ہی ہونا چاہیے کہ رسول اگر خود فرشتہ نہیں ہے تو اسکا مصاحب مشیر کوئی فرشتہ ہونا چاہیے اسلئے کہا کہ اس (رسول) کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ اسکے ساتھ رہ کر (لوگوں کو عذاب الہی سے) ڈراتا (اور اگر یہ بھی نہ ہوتا تو کم از کم رسول کو اپنے کھانے پینے کی ضروریات سے توبہ فکری ہوتی اس طرح) کہ اسکے پاس (غیب سے) کوئی خزانہ آپڑتا یا اسکے پاس کوئی باغ ہوتا جس سے یہ کھایا دیا کرتا۔ اور (مسلمانوں کے) یہ ظالم یوں (بھی) کہتے ہیں کہ (جب اسکے پاس نہ کوئی فرشتہ ہے نہ خزانہ نہ باغ، اور پھر بھی یہ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عقل میں فتور ہے اسلئے) تم لوگ ایک مسلوب العقل آدمی کی راہ پر چل رہے ہو۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھئے تو یہ لوگ آپ کے لئے کیسی عجیب عجیب باتیں بیان کر رہے ہیں سو (ان خرافات سے) وہ (بالکل) گمراہ ہو گئے پھر وہ راہ نہیں پاسکتے۔

## معارف و مسائل

کفار و مشرکین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن پر اعتراضات کیا کرتے تھے یہاں سے ان کے اعتراضات اور پھر جوابات کا سلسلہ شروع ہو کر کچھ دور تک چلا ہے۔

پہلا اعتراض یہ تھا کہ قرآن کوئی اللہ کی طرف سے نازل کیا ہوا کلام نہیں بلکہ آپ نے اس کو خود ہی جھوٹ گھڑ لیا ہے یا پچھلے لوگوں کے قصے یہود و نصاریٰ وغیرہ سے سن کر اپنے صحابہ سے لکھوا لیتے ہیں اور چونکہ خود اُتتی ہیں، نہ لکھنا جانتے ہیں نہ پڑھنا اسلئے ان لکھے ہوئے قصوں کو صبح شام سُنتے رہتے ہیں تاکہ وہ یاد ہو جا دیں پھر لوگوں کے سامنے جا کر یہ کہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے اس اعتراض کا جواب قرآن کریم نے یہ دیا **قُلْ نَزَّلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ** اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ کلام خود اسکا شاہد ہے کہ اس کی نازل کر موالی وہ ذات پاک حق تعالیٰ کی ہے جو آسمانوں اور زمین کے سب خفیہ رازوں سے واقف و باخبر ہے۔ اسی لئے قرآن کو ایک کلام معجز بنایا اور ساری دنیا کو چیلنج کیا کہ اگر اسکو تم خدا کا کلام نہیں مانتے کسی انسان کا کلام سمجھتے ہو تو تم بھی انسان ہو اس جیسا کلام زیادہ نہیں تو ایک سورۃ بلکہ ایک آیت ہی بنا کر دکھلا دو اور یہ چیلنج جسکا جواب دینا عرب کے فصیح دلیخ لوگوں کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں مگر انھوں نے اس سے افرار اختیار کی۔ کسی کو اتنی جرأت نہیں ہوئی کہ قرآن کی ایک آیت کے مقابلہ میں اُس جیسی دوسری آیت لکھ لائے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں اپنا مال و متاع بلکہ اپنی اولاد اور اپنی جان تک خرچ کرنے کو تیار ہو گئے۔ یہ مختصر سی بات نہ کر کے کہ قرآن کی مثل ایک سورت لکھ لاتے



یہ دلیل واضح اس امر کی ہے کہ یہ کلام کسی انسان کا نہیں، ورنہ دوسرے انسان بھی ایسا کلام رکھ سکتے، صرف اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہی کا ہے۔ علاوہ فصاحت و بلاغت کے اس کے تمام معانی و مضامین بھی ایسے علوم پر مشتمل ہیں جو اس ذات کی طرف سے ہو سکتے ہیں جو ہر ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے (اس مضمون کی پوری تفصیل سورہ بقرہ میں اعجاز قرآن پر مکمل بحث کی صورت میں بیان ہو چکی ہے اس کو معارف القرآن جلد اول میں دیکھ سکتے ہیں)۔

دوسرا اعتراض یہ تھا کہ اگر یہ رسول ہوتے تو عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے نہیں بلکہ فرشتوں کی طرح کھانے پینے کی ضروریات سے مستغنی اور الگ ہوتے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہوتا تو کم از کم ان کے پاس اللہ کی طرف سے آنا خرانہ یا باغات ہوتے کہ ان کو اپنے معاش کی فکر نہ کرنا پڑتی، بازاروں میں چلنا پھرنا نہ پڑتا۔ اس کے علاوہ ان کا اللہ کی طرف سے رسول ہونا ہم کیسے مان لیں کہ اول تو یہ فرشتہ نہیں، دوسرے کوئی فرشتہ بھی ان کے ساتھ نہیں رہتا جو ان کے ساتھ ان کے کلام کی تصدیق کیا کرتا، اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر کسی نے جادو کر دیا ہے جس سے ان کا دماغ چل گیا اور یہ ایسی بے سرو پا باتیں کہتے ہیں۔ اس کا اجمالی جواب تو اس آیت میں دیا گیا، اَنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا، یعنی دیکھو تو یہ لوگ آپ کی شان میں کیسی عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ سب گمراہ ہو گئے اور اب ان کو راہ ملنے کی کوئی صورت نہ رہی تفصیلی جواب اگلی آیات میں آیا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ اِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنَّتْ تَجْرِيْ

بڑی برکت ہے اُس کی جو چاہے تو کر دے تیرے واسطے اس سے بہتر باغ کہ نیچے

مِنْ تَحْتِهَا اِلَّا نَهْرًا وَيَجْعَلُ لَكَ فُصُوْرًا ۝۱۰ بَلْ كَذَّبُوْا

جہتی ہیں اُن کے نہریں اور کر دے تیرے واسطے محل کچھ نہیں وہ جھٹلاتے ہیں

بِالسَّاعَةِ ۚ وَاعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝۱۱ اِذَا رَأٰتْهُمْ

قیامت کو اور ہم نے تیار کی ہے اسکے واسطے کہ جھٹلاتا ہے قیامت کو آگ، جب وہ دیکھے گی ان کو

مِّنْ مَّكَانٍ اٰبَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغِيْظًا وَزَفِيْرًا ۝۱۲ وَاِذَا اُلْقُوْا

دُور کی جگہ سے سنیں گے اس کا جھنجھلانا اور چلانا اور جب ڈالے جائیں گے

مِنْهَا مَّكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ ۚ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝۱۳ لَا تَدْعُوْا

اس کے اندر ایک جگہ تنگ میں ایک زنجیر میں کئی کئی بندھے ہوئے پکاریں گے اُس جگہ موت کو مرنے کا رو

اَلْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَاَدْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۝۱۴ قُلْ اٰذِلْكَ

آج ایک مرنے کو اور پکارو بہت سے مرنے کو تو کہہ بھلا یہ چیز



خَيْرًا مِّمَّ جَنَّةِ الْخُلْدِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ ۖ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءٌ وَ

بہتر ہے یا باغ ہمیشہ رہنے کا جسکا وعدہ ہو چکا ہے نیکو گاروں سے وہ ہوگا ان کا بدلہ اور پھر جانے

مَصِيرًا ۝۱۵ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خُلْدٌ ۖ يَنْظُرُونَ عَلَى رَبِّكَ وَعْدًا

کی جگہ اُن کے واسطے وہاں ہے جو وہ چاہیں رہا کریں ہمیشہ ہو چکا تیرے رب کے ذمہ وعدہ

مَسْئُورًا ۝۱۶ وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ

ما لکھا تھا اور جس جمع کر بلائے گا اُن کو اور جن کو وہ پڑھتے ہیں اللہ کے سوائے پھر اُن سے کہے گا

ءَاَنْتُمْ اَضَلُّتُمْ عِبَادِي هُوَ اَرَاۤءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ۝۱۷ قَالُوا

کیا تم نے ہرکایا میرے ان بندوں کو یا وہ آپ بیکے راہ سے بولیں گے

سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يُبْغِي لَنَا اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ

تو پاک ہے ہم سے بن نہ آتا تھا کہ پکڑیں کسی کو تیرے بغیر

اَوْلِيَاءٍ وَلٰكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَاَبَاءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الَّذِیْ كُرُّوْا وَكَانُوا

رفیق لیکن تو اُن کو فائدہ پہنچاتا رہا اور ان کے باپ نادوں کو یہاں تک کہ بھلا بیٹھے تیری یاد اور

قَوْمًا بُورًا ۝۱۸ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ فَمَا تَسْتَطِيعُوْنَ

یہ تھے لوگ تباہ ہونے والے، سو وہ تو جھٹلا چکے تم کو تمہاری بات میں اب نہ تم ٹوٹا سکتے ہو

صَرَافًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِنْكُمْ نُنْزِلْهُ عَذَابًا كَبِیْرًا ۝۱۹

اور نہ مدد کر سکتے ہو اور جو کوئی تم میں گنہگار ہے اُس کو ہم چکھائیں گے بڑا عذاب

وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ

اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے رسول سب کھاتے تھے کھانا

الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ ۖ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ

اور پھرتے تھے بازاروں میں اور ہم نے رکھا ہے تم میں ایک دوسرے کے

فِتْنَةً ۖ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِیْرًا ۝۲۰

جانیچنے کو، دیکھیں ثابت بھی رہتے ہو اور تیرا رب سب کچھ دیکھتا ہے

## خلاصہ تفسیر

وہ ذات بڑی عالی شان ہے کہ اگر وہ چاہے تو آپ کو (کفار کی) اس (فرمائش) سے (بھی) اچھی چیز دیدے یعنی بہت سے (غیبی) باغات جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں (بہتر اس لئے کہا کہ وہ تو مطلق باغ کی فرمائش کرتے تھے گو ایک ہی ہو اور متعدد باغ کا ایک سے بہتر ہونا ظاہر ہے) اور



(بلکہ ان باغوں کیساتھ اور بھی مناسب چیزیں دیدے جن کی آنھوں نے فرمائش بھی نہیں کی یعنی) آپ کو بہت سے محل دیدے (جو ان باغوں میں بنے ہوں یا باہر ہی ہوں جس سے ان کی فرمائش اور بھی زیادہ نعمتوں کیساتھ پوری ہو جاوے۔ مطلب یہ کہ جو جنت میں ملے گا اگر اللہ چاہے تو آپ کو دنیا ہی میں دیدے لیکن بعض حکمتوں سے نہیں چاہا اور فی نفسہ ضروری تھا نہیں پس شبہ محض یہودہ سے ان کفار کے ان شبہات مذکورہ کا سبب یہ نہیں ہے کہ ان کو حق کی طلب فکر ہوئی ہے اور اس دوران میں قبل تحقیق ایسے شبہات واقع ہو گئے ہوں بلکہ وجہ اعتراضات کی محض شرارت اور طلب حق سے بیفکری ہے اور اس بیفکری اور شرارت کا سبب یہ ہے کہ) یہ لوگ قیامت کو جھوٹ سمجھ رہے ہیں (اس لئے فکر انجام نہیں ہے اور جو جی میں آتا ہے کر لیتے ہیں بک دیتے ہیں) اور (انجام اسکا یہ ہو گا کہ) ہم نے ایسے شخص (کی سزا) کے لئے جو کہ قیامت کو جھوٹا سمجھے دوزخ تیار کر رکھی ہے (کیونکہ قیامت کی تکذیب سے اللہ و رسول کی تکذیب لازم آتی ہے جو اصل سبب ہے دوزخ میں جانیکا اور اس دوزخ کی کیفیت ہوگی کہ) وہ (دوزخ) ان کو دُور سے دیکھے گی تو (دیکھتے ہی غضبناک ہو کر اسقدر جوش مارے گی کہ) وہ لوگ (دُور ہی سے) اسکا جوش و خروش سنیں گے اور (پھر) جب وہ اس (دوزخ) کی کسی تنگ جگہ میں ہاتھ پاؤں جکڑ کر ڈال دیے جاویں گے تو وہاں موت ہی موت پکڑیں گے (جیسا مصیبت میں عادت ہے کہ موت کو بلاتے اور اسکی تمنا کرتے ہیں اسوقت ان سے کہا جا دیگا کہ) ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو (کیونکہ موت کے پکارنے کی علت مصیبت ہے اور تمہاری مصیبت غیر متناہی ہے اور ہر مصیبت کا مقتضا موت کا پکارنا ہے تو پکارنا بھی کثیر ہوا اور اسی کی کثرت کو موت کی کثرت کہا گیا) آپ (ان کو یہ مصیبت سنا کر) کہیے کہ (یہ بتلاؤ کہ) کیا یہ (مصیبت کی) حالت اچھی ہے (جو کہ مقتضی ہے تمہارے کفر و انکار کا) یا وہ ہمیشہ کے رہنے کی جنت (اچھی ہے) جسکا خدا سے ڈرنے والوں سے (یعنی اہل ایمان سے) وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ ان کے لئے (ان کی اطاعت کا) صلہ ہے اور ان کا (آخری) ٹھکانا (اور) ان کو وہاں وہ سب چیزیں ملیں گی جو کچھ وہ چاہیں گے (اور) وہ (اسیں) ہمیشہ رہیں گے (اے پیغمبر) یہ ایک عہد ہے جو (بطور فضل و عنایت کے) آپ کے رب کے ذمہ ہے اور قابل درخواست ہے (اور ظاہر ہے کہ جنت الخلد ہی بہتر ہے سو اسیں ترہیب کے بعد ترغیب ایمان کی ہو گئی) اور (وہ دن ان کو یاد دلائیے کہ) جس روز اللہ تعالیٰ ان (کافر) لوگوں کو اور جن کو وہ لوگ خدا کے سوا پوجتے تھے (جنہوں نے اپنے اختیار سے کسی کو گمراہ نہیں کیا خواہ صرف بت مراد ہوں یا ملائکہ وغیرہم بھی) ان (سب) کو جمع کرے گا پھر (ان معبودین سے ان عابدین کی رسوائی کے لئے) فرما دیگا کیا تم نے میرے ان بندوں کو (راہ حق سے) گمراہ کیا تھا یا یہ (خود ہی) راہ (حق) سے گمراہ ہو گئے تھے (مطلب یہ کہ



انھوں نے تمھاری عبادت جو واقع میں گمراہی ہے تمھارے امر و رضا سے کی تھی جیسا ان لوگوں کا  
 زعم تھا کہ یہ معبودین ہماری اس عبادت سے خوش ہوتے ہیں اور خوش ہو کر اللہ تعالیٰ سے شفاعت  
 کریں گے یا اپنی رائے فاسد سے اختراع کر لی تھی (وہ) (معبودین) عرض کریں گے کہ معاذ اللہ  
 ہماری کیا مجال تھی کہ ہم آپکے سوا اور کار سازوں کو (اپنے اعتقاد میں) تجویز کریں (عام اس سے کہ  
 وہ کار ساز ہم ہوں یا ہمارے سوا اور کوئی ہو۔ مطلب یہ کہ جب خدائی کو آپ میں منحصر سمجھتے ہیں تو ہم شرک  
 کرنے کا ان کو امر یا اس پر رضا مندی کیوں ظاہر کرتے) (لیکن) (یہ خود ہی گمراہ ہوئے اور گمراہ بھی ایسے  
 نامسقول طور پر ہوئے کہ اسباب شکر کو انھوں نے اسباب کفر بنایا چنانچہ) آپ نے (تو) ان کو اور  
 ان کے بڑوں کو (خوب) آسودگی دی (جسکا مقتضی یہ تھا کہ نعمت دینے والے کو پہچانتے اور اس کا  
 شکر و اطاعت کرتے مگر یہ لوگ) یہاں تک (شہوات و تلذذات میں منہمک ہوئے) کہ (آپ کی)  
 یاد (ہی) کو بھلا بیٹھے اور یہ لوگ خود ہی برباد ہوئے (مطلب جواب کا ظاہر ہے کہ دونوں شقوں میں سے  
 اس شق کو اختیار کیا کہ یہ خود ہی گمراہ ہوئے ہم نے نہیں کیا۔ اور ان کی گمراہی کو اللہ کی بڑی نعمتیں ان  
 پر مبذول ہونیکا ذکر کر کے۔ اور زیادہ واضح کر دیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان عابدین کو لا جواب کرنے کے  
 لئے جو اصل مقصود تھا سوال مذکور سے یہ فرما دیکھا) تو تمھارے ان معبودوں نے تو تم کو تمھاری (سب)  
 باتوں میں جھوٹا (ہی) ٹھہرا دیا (اور انھوں نے بھی تمھارا ساتھ نہ دیا اور جرم پورے طور پر قائم ہو گیا)  
 سو (اب) تم نہ تو خود (عذاب کو اپنے اوپر سے) ٹال سکتے ہو اور نہ (کسی دوسرے کی طرف سے) مدد  
 دیے جاسکتے ہو (حتیٰ کہ جن پر پورا بھروسہ تھا وہ بھی صاف جواب دے رہے ہیں اور تمھاری  
 صریح مخالفت کر رہے ہیں) اور جو (جو) تم میں ظالم (یعنی مشرک) ہو گا ہم اس کو بڑا عذاب چکھائیں گے  
 (اور گو اس وقت مخاطبین سب مشرک ہی ہونگے مگر اس طرح فرمانے کی یہ وجہ ہے کہ ظلم کا مقتضی  
 عذاب ہونا بیان فرمانا مقصود ہے) اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے سب کھانا بھی کھاتے  
 تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے (مطلب یہ کہ نبوت و اکل طعام وغیرہ میں تنافی  
 نہیں چنانچہ جن کی نبوت دلائل سے ثابت ہے گو معترضین اعتراف نہ کریں، ان سب سے اسکا  
 صدور ہوا ہے پس آپ پر بھی یہ اعتراض غلط ہے) اور (اے پیغمبر اور اے تابعین پیغمبر ان کھانا  
 کے ایسے بیہودہ اقوال سے غلگین مت ہو کیونکہ) ہم نے تم (مجموعہ مکلفین) میں ایک کو دوسرے  
 کے لئے آزمائش بنایا ہے (پس اسی عادت مستمرہ کے موافق انبیاء کو ایسی حالت پر بنایا کہ امت  
 کی آزمائش ہو کہ کون انکے حالات بشریہ پر نظر کر کے تکذیب کرتا ہے اور کون ان کے کمالات نبوت پر  
 نظر کر کے تصدیق کرتا ہے سو جب یہ بات معلوم ہو گئی تو) کیا تم (اب بھی) صبر کرو گے (یعنی صبر  
 کرنا چاہیے) اور (یہ بات یقینی ہے کہ) آپ کا رب خوب دیکھ رہا ہے (تو وقت موعود پر ان کو



سزا دے گا، پھر آپ کیوں ہم دُغم میں واقع ہوں۔

## معارف و مسائل

سابقہ آیات میں کفار و مشرکین کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر جو شبہات پیش کئے گئے تھے اور وہاں اُن کا اجمالی جواب دیا گیا تھا ان آیات میں اس کی کچھ تفصیل مذکور ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ تم نے اپنی جہالت اور حقیقت شناسی سے دُوری کی وجہ سے ایک بات یہ کہی ہے کہ اگر یہ اللہ کے رسول ہوتے تو اُن کے پاس بہت دولت کے خزانے ہوتے بہت بڑی جائیداد اور باغات ہوتے تاکہ یہ کسب معاش سے مستغنی رہتے اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ایسا کر دینا ہمارے لئے کچھ مشکل نہیں کہ اپنے رسول کو دولت کے خزانے دیدیں، بلکہ بڑی سے بڑی حکومت و سلطنت کا مالک بنادیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو ایسی دولت اور پوری دنیا پر بے مثال حکومت عطا فرما کر اپنی اس قدرت کاملہ کا اظہار بھی کیا جا چکا ہے۔ مگر عامۃ خلق کی مصلحت اور بیشمار حکمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ گروہ انبیاء کو مادی اور دنیوی مال و دولت سے الگ ہی رکھا جائے۔ خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حق تعالیٰ کو یہی پسند ہوا کہ وہ عام غریب مسلمانوں کی صفوف میں اور اُنہی جیسے حالات میں رہیں اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے اسی حالت کو پسند فرمایا۔ جیسا کہ مسند احمد اور ترمذی میں حضرت ابو امامہ رضی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھ سے فرمایا کہ میں آپ کے لئے پورے بٹکار مکہ اور اسکے پہاڑوں کو سونا بنا دیتا ہوں، تو میں نے عرض کیا نہیں، اے میرے پروردگار مجھے تو یہ پسند ہے کہ مجھے ایک روز پیٹ بھرائی کھانا ملے (جس پر اللہ کا شکر ادا کروں) اور ایک روز بھوکا رہوں (اُس پر صبر کروں) اور حضرت عائشہ رضی عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ پھرا کرتے (منظہری)

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا عام طور پر فقر و فاقہ میں رہنا اللہ تعالیٰ کی ہزاروں حکمتوں اور عام انسانوں کی مصالح کی بنا پر ہے اور اس میں بھی وہ اس حالت پر مجبور نہیں ہوتے اگر وہ چاہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کو بڑا مالدار صاحب جائیداد بنا سکتے ہیں مگر اُن کی ذات کو حق تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ وہ مال و دولت سے کوئی دلچسپی ہی نہیں رکھتے، فقر و فاقہ ہی کو پسند کرتے ہیں۔

دوسری بات کفار نے یہ کہی تھی کہ یہ پیغمبر جوتے تو عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے نہیں، اور کسب معاش کے لئے بازاروں میں نہ پھرتے اس اعتراض کی بنیاد بہت سے کفار کا یہ خیال ہے کہ اللہ کا رسول انسان نہیں ہو سکتا، فرشتہ ہی رسول ہو سکتا ہے۔ جس کا جواب قرآن کریم میں جا بجا آیا ہے



اور یہاں اسکا یہ جواب دیا گیا کہ جن انبیاء کو تم بھی نبی و رسول مانتے ہو وہ بھی تو انسان ہی تھے انسانوں کی طرح کھاتے پیتے بازاروں میں پھرتے تھے جس سے تمہیں نتیجہ نکال لینا چاہیے تھا کہ کھانا پینا اور بازار میں پھرنا منصب نبوت و رسالت کے خلاف نہیں۔ آیات مذکورہ میں وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا أَنْهُمْ لِنَا كُؤُنَ الطَّعَامِ الْآیۃ میں اسی مضمون کا بیان ہے۔

مخلوق میں معاشی مساوات کا | وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ نہ ہونا بڑی حکمت پر مبنی ہے | حق تعالیٰ کو قدرت تو سب کچھ تھی وہ سارے انسانوں کو یکساں مالدار بنا دیتے، سب کو تندرست رکھتے، کوئی بیمار نہ ہوتا۔ سب کو عزت و جاہ کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز کر دیتے کوئی ادنیٰ یا کم رتبہ نہ رہ جاتا مگر نظام عالم میں اسکی وجہ سے بڑے رخنے پیدا ہوتے اسلئے حق تعالیٰ نے کسی کو مالدار بنایا، کسی کو غریب مفلس۔ کسی کو قوی، کسی کو ضعیف۔ کسی کو تندرست، کسی کو بیمار کسی کو صاحب عزت و جاہ، کسی کو گنہگار۔ اس اختلاف انواع و اقسام اور اختلاف احوال میں ہر طبقے کا امتحان اور آزمائش ہے۔ غنی کے شکر کا غریب کے صبر کا امتحان ہے اسی طرح بیمار و تندرست کا حال ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ جب تمہاری نظر کسی ایسے شخص پر پڑے جو مال و دولت میں تم سے زیادہ ہے یا صحت و قوت اور عزت و جاہ میں تم سے بڑا ہے تو تم فوراً ایسے لوگوں پر نظر کر دو جو ان چیزوں میں تم سے کم حیثیت رکھتے ہیں (تاکہ تم حسد کے گناہ سے بھی بچ جاؤ اور اپنی موجودہ حالت میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کی توفیق ہو۔ (رداء البخاری و سلم) منظری

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلِيكَةُ أَوْ

اور بولے وہ لوگ جو امید نہیں رکھتے کہ ہم سے ملیں گے کیوں نہ اترے ہم پر فرشتے یا ہم

نَرَى رَبَّنَا لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا ۝۳۱ يَوْمَ

دیکھ لیتے اپنے رب کو، بہت بڑائی رکھتے ہیں اپنے جی میں اور سر چڑھ رہے ہیں بڑی شرارت میں جس دن

يَوْمَ الْمَلَكَةُ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ لِلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حَجْرًا مَّحْجُورًا ۝۳۲

دیکھیں گے فرشتوں کو کچھ خوشخبری نہیں اس دن گنہگاروں کو اور کہیں گے کہیں روک دی جائے کوئی آڑ

## خلاصہ تفسیر

اور جو لوگ ہمارے سامنے پیش ہونے سے اندیشہ نہیں کرتے (کیونکہ وہ قیامت اور اس کی پیشی اور حساب کے منکر ہیں) وہ (انکار رسالت کے لئے) یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں



آتے (کہ اگر فرشتے اکرم سے کہیں کہ یہ رسول ہیں) یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں (اور وہ خود ہم سے کہے کہ یہ رسول ہیں جب ہم تصدیق کریں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ) یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں (کہ اپنے آپ کو اس قابل سمجھتے ہیں کہ فرشتے اگر ان سے خطاب کریں یا خود حق تعالیٰ سے ہمکلام ہوں) اور (بالخصوص اللہ تعالیٰ کے دنیا میں دیکھنے اور اُس سے ہمکلام ہونے کی فرمائش میں تو) یہ لوگ حد (افسانیت) سے بہت دُور نکل گئے ہیں (کیونکہ ملائکہ اور انسان کی تو بعض چیزوں میں شرکت بھی ہے کہ دونوں اللہ کی مخلوق ہیں مگر اللہ تعالیٰ اور انسان میں تو کوئی مشارکت اور مشابہت نہیں۔ اور یہ لوگ خدا کو دیکھنے کے لائق تو کیا ہوتے مگر فرشتے ان کو ایک روز دکھلائی دیں گے مگر جس طرح یہ چاہتے ہیں طرح نہیں بلکہ اُن کے عذاب و مصیبت اور پریشانی لیکر) چنانچہ جس روز یہ لوگ فرشتوں کو دیکھیں گے (اور وہ دن قیامت کا ہے) اُس روز مجرموں (یعنی کافروں) کے لئے کوئی خوشی کی بات (نصیب) نہ ہوگی اور (فرشتوں کو جب سامان عذاب کیساتھ آتا دیکھیں گے تو گھبرا کر کہیں گے پناہ ہے پناہ ہے۔

## معارف و مسائل

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يُحِجُّونَ لِقَاءَنَا، لفظ رجا کے عام معنی کسی محبوب مرغوب چیز کی اُمید کے آتے ہیں اور کبھی یہ لفظ بمعنی خوف بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ابن الانباری نے کتاب الاضداد میں لکھا ہے اس جگہ بھی یہی معنی خوف کے زیادہ واضح ہیں یعنی وہ لوگ جو ہمارے سامنے پیشی سے نہیں ڈرتے۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ دور از کار اور جاہلانہ سوالات اور فرمائشوں کی جرأت اُسی شخص کو ہو سکتی ہے جو آخرت کا بالکل منکر ہو۔ آخرت کے قائل پر آخرت کی فکر ایسی غالب ہوتی ہے کہ اُس کو ایسے سوال و جواب کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ آج کل جو تعلیم جدید کے اثر سے اسلام اور اس کے احکام کے بارے میں بہت سے لوگ شبہات اور بحث و مباحثہ میں مشغول نظر آتے ہیں یہ بھی علامت اس کی ہوتی ہے کہ معاذ اللہ دل میں آخرت کا سچا یقین نہیں ہے۔ اور یہ ہوتا تو اس قسم کے فضول سوالات دل میں پیدا ہی نہ ہوتے۔

حِجْرًا مَّحْجُورًا، حِجْر کے لفظی معنی محفوظ جگہ کے ہیں اور محجور اُس کی تاکید ہے۔ یہ لفظ محاورہ عرب میں اُس وقت بولا جاتا تھا جب کوئی مصیبت سامنے ہو، اُس سے بچنے کے لئے لوگوں سے کہتے تھے کہ پناہ ہے پناہ، یعنی میں اس مصیبت سے پناہ دو تو قیامت کے روز بھی جب کفار فرشتوں کو سامان عذاب لاتا ہوا دیکھیں گے دنیا کی عادت کے مطابق یہ لفظ کہیں گے۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے اس لفظ کے یہ معنی منقول ہیں حَرَامًا مُحَرَّمًا، اور مراد یہ ہے کہ قیامت کے روز جب یہ لوگ فرشتوں کو



عذاب کے ساتھ دیکھیں گے اور ان سے معاف کرنے اور جنت میں جایگی درخواست کریں گے یا تمنا ظاہر کریں گے تو فرشتے ان کے جواب میں کہیں گے جَحْرًا مَحْجُورًا، یعنی جنت کافروں پر حرام اور ممنوع ہے (منظہری)

وَقَدْ مَنَّآ إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا ۲۳ أَصْحَابُ

اور ہم پہنچے ان کے کاموں پر جو انہوں نے کئے تھے پھر ہم نے کر ڈالا اسکو خاک اُڑتی ہوئی بہشت کے

الْجَنَّةِ يَوْمَ مِثْقَلِ ذَرَّةٍ مَسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا ۲۴ وَيَوْمَ تَشَقُّقُ

لوگوں کا اس دن خوب ہے ٹھکانا، اور خوب ہے جگہ دو بہر کے آرام کی اور جس دن پھٹ جائے

السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا ۲۵ الْمَلِكُ يَوْمَ مِثْقَلِ

آسمان بادل سے اور اُتارے جائیں فرشتے تارنگا کر بادشاہی اس دن

ذِ الْحَقِّ لِلرَّحْمَنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ۲۶ وَ يَوْمَ

سچی ہے رحمن کی اور ہے وہ دن مسکروں پر مشکل اور جس دن

يَعِضُ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَلِيَّتَنِي أَخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ

کاٹ کاٹ کھائیگا گنہگار اپنے ہاتھوں کو کہے گا اے کاش کہ میں نے پکڑا ہوتا رسول کے ساتھ

سَبِيلًا ۲۷ يَوْمَئِذٍ لِّيُتَنِّى لَمْ أَخِذْ فَلَا نَا خَلِيلًا ۲۸ لَقَدْ أَضَلَّنِي

رستہ اے خرابی میری کاش کہ نہ پکڑا ہوتا میں نے فلا نے کو دوست آئے تو بہکا دیا

عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا ۲۹

مجھ کو نصیحت سے مجھ تک پہنچ چکنے کے پیچھے، اور ہے شیطان آدمی کو وقت پر دغا دینے والا

وَقَالَ الرَّسُولُ يُرَبِّ إِنِّي قَدْ خِذْتُ هَذَا الْقُرْآنَ

اور کہا رسول نے اے میرے رب میری قوم نے ٹھہرایا ہے اس قرآن کو

مَهْجُورًا ۳۰ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِنَ الْجَائِمِينَ

جھک جھک اور اسی طرح رکھے ہیں ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن گنہگاروں میں سے

وَكُفِيَ بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا ۳۱

اور کافی ہے تیرا رہ راہ دکھلانے کو اور مدد کرنے کو

### خلاصہ تفسیر

اور ہم (اس روز) ان کے (یعنی کفار کے) ان (نیک) کاموں کی طرف جو کہ وہ (دنیا میں) کر چکے تھے متوجہ ہوں گے سو ان کو (علانیہ طور پر) ایسا (بیکار) کر دیں گے جیسے پریشان غبار



کہ کسی کام نہیں آتا، اسی طرح ان کفار کے اعمال پر کچھ ثواب نہ ہوگا البتہ) اہل جنت اس روز قیامتگاہ میں بھی اچھے رہیں گے اور آراستہ گاہ میں بھی خوب اچھے ہونگے (مراد مستقر اور مقبل سے جنت ہے یعنی جنت اُن کے لئے جائے قیام اور جائے آرام ہوگی اور اچھا ہونا اسکا ظاہر ہے) اور جس روز آسمان ایک بدلی پر سے پھٹ جائے گا اور (اُس بدلی کے ساتھ آسمان سے) فرشتے (زمین پر) بکثرت اُتارے جائیں گے (اور اسی وقت حق تعالیٰ حساب و کتاب کے لئے تجلّی فرمادیں گے اور) اس روز حقیقی حکومت (حضرت رحمان (ہی) کی ہوگی) یعنی حساب و کتاب جزا و سزا میں کسی کو دخل نہ ہوگا جیسا دنیا میں ظاہری تصرف تھوڑا بہت دوسروں کے لئے بھی حاصل ہے) اور وہ (دن) کافروں پر بڑا سخت دن ہوگا (کیونکہ ان کے حساب کا انجام جہنم ہی ہے) اور جس روز ظالم (یعنی کافراؤں کی غایت حسرت سے) اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھا دے گا (اور) کہے گا کیا اچھا ہوتا میں رسول کے ساتھ (دین کی) راہ پر لگ لیتا ہاؤں میری شامت (کہ ایسا نہ کیا اور) کیا اچھا ہوتا کہ میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا اُس (کم نجت) نے مجھ کو نصیحت آئے پیچھے اس سے بہکادیا (اور ہٹا دیا) اور شیطان تو انسان کو (عین وقت پر) امداد کرنے سے جواب دیدیتا ہے (چنانچہ اُس کافر کی اس حسرت کے وقت اُس نے کوئی ہمدردی نہ کی، گو کرنے سے بھی کچھ نہ ہوتا صرف دنیا ہی میں بہکانے کو تھا) اور (اس دن) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ سے کافروں کی شکایت کے طور پر) کہیں گے کہ اے میرے پروردگار میری (اس قوم) نے اس قرآن کو (جو کہ واجب العمل تھا) بالکل نظر انداز کر رکھا تھا (اور التفات ہی نہ کرتے تھے عمل تو درکنار مطلب یہ کہ خود کفار بھی اپنی ضلالت کا اقرار کریں گے اور رسول بھی شہادت دیں گے۔ کقولہ تعالیٰ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا اور ثبوت جرم کی یہی دو صورتیں محتاد ہیں، اقرار اور شہادت اور دونوں کے اجتماع سے یہ ثبوت اور بھی مؤکد ہو جاوے گا اور سزا یاب ہونگے) اور ہم اسی طرح مجرم لوگوں میں سے ہر نبی کے دشمن بناتے رہتے ہیں (یعنی یہ لوگ جو انکار قرآن کر کے آپ کی مخالفت کر رہے ہیں کوئی نئی بات نہیں جس کا غم کیا جاوے) اور (جس کو ہدایت دینا منظور ہو اُس کی) ہدایت کرنے کو اور (جو ہدایت سے محروم ہے اُس کے مقابلہ میں آپ کی) مدد کرنے کو آپ کا رب کافی ہے۔

## معارف و مسائل

خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا اَوْ اَحْسَنُ مَقِيْلًا، مُّسْتَقَرٌّ، مستقل جائے قیام کو کہا جاتا ہے اور مَقِيْلٌ قیلولہ کے مشتق ہے دو پہر کو آرام کرنے کی جگہ کو مقبل کہتے ہیں اس جگہ مقبل کا ذکر خصوصیت سے شاید اسلئے بھی ہوا ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے روز حق تعالیٰ نصف النہار کے



وقت ساری مخلوقات کے حساب کتاب سے فارغ ہو جاویں گے اور دو پہر کے سونے کے وقت اہل جنت جنت میں پہنچ جائیں گے اور اہل جہنم جہنم میں (قطبی)

تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ، اِی عن الغمام۔ قرطبی۔ معنی یہ ہیں کہ آسمان شق ہو کر اُس میں سے ایک تین بادل اترے گا جس میں فرشتے ہوں گے۔ یہ اُبُر بَشَکْلِ سَائِبَانَ آسمان سے آویگا اور اُس میں حق تعالیٰ کی تجلی ہوگی اور اُس کے گرد گرد ملائکہ ہوں گے۔ یہ حساب شروع ہونے کا وقت ہوگا اور اُس وقت آسمان کا پھٹنا صرف کھلنے کے طور پر ہوگا یہ وہ پھٹنا نہیں ہوگا جو پہلی مرتبہ نفخہ صُکُوف کے وقت آسمان زمین کو فنا کرنے کے لئے ہوگا کیونکہ یہ نزول غمام جس کا ذکر آیت میں ہے نفخہ ثانیہ کے بعد ہے جبکہ سب زمین و آسمان دوبارہ دست ہو چکے ہوں گے (بیان القرآن)

یَقُولُ یٰلَیْتَنِیْ کَلَّا اَتَّخِذُ فُلًا نَّآخِلَیْنٰہٗ، یہ آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی ہے مگر حکم عام ہے واقعہ یہ تھا کہ عقبہ ابن ابی معیط مکہ کے مشرک سرداروں میں سے تھا اس کی عادت تھی کہ جب کسی سفر سے واپس آتا تو شہر کے معزز لوگوں کی دعوت کرتا تھا اور اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ملا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ حسب عادت اُس نے معززین شہر کی دعوت کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بلایا۔ جب اُس نے آپ کے سامنے کھانا رکھا تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہارا کھانا اُس وقت تک نہیں کھا سکتا جب تک تم اس کی گواہی نہ دو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اُس کا کوئی شریک عبادت میں نہیں ہے اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ عقبہ نے یہ کلمہ پڑھ لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرط کے مطابق کھانا تناول فرمایا۔

عقبہ کا ایک گہرا دوست اُبی بن خلف تھا جب اُس کو خبر لگی کہ عقبہ مسلمان ہو گیا تو یہ بہت برہم ہوا۔ عقبہ نے عذر کیا کہ قریش کے معزز مہمان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے گھر پر آئے ہوئے تھے اگر وہ بغیر کھانا کھائے میرے گھر سے چلے جاتے تو میرے لئے بڑی رسوائی تھی اس لئے میں نے انکی خاطر سے یہ کلمہ کہہ لیا۔ اُبی بن خلف نے کہا کہ میں تیری ایسی باتوں کو قبول نہیں کروں گا جب تک تو جا کر اُن کے منہ پر نہ تھو کے۔ یہ سخت بد نصیب دوست کے کہنے سے اس گستاخی پر آمادہ ہو گیا اور کرگڑا اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی ان دونوں کو ذلیل کیا کہ غزوہ بدر میں دونوں مارے گئے (بغوی) اور آخرت میں اُن کے عذاب کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے کہ جب آخرت کا عذاب سامنے دیکھے گا تو اس وقت ندامت و افسوس سے اپنے ہاتھ کاٹنے لگے گا اور کہے گا کاش میں فلاں یعنی اُبی بن خلف کا دوست نہ بناتا (مظہری و قطبی)

غلط کار اور بے دین دوستوں کی دوستی | تفسیر مظہری میں ہے کہ یہ آیات اگرچہ خاص عقبہ کے واقعہ میں نازل قیامت کے روز حسرت و ندامت کا باعث ہوگی | ہوئی تھیں لیکن جیسا کہ الفاظ آیت کے عام ہیں حکم بھی عام ہے اور شاید اس جگہ اُس دوست کے نام کے بجائے قرآن میں فُلَانًا کا لفظ اسی عموم کی طرف اشارہ کرنے کے



لئے اختیار کیا گیا ہے۔ ان آیات نے یہ بتلایا ہے کہ جو دو دوست کسی مصیبت اور گناہ پر جمع ہوں اور غلاماً شرعاً امور میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے ہوں ان سب کا یہی حکم ہے کہ قیامت کے روز اس گہرے دوست کی دوستی پر روئیں گے۔ مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لا تصاحب الا مؤمناً ولا یاہل مالک الا تقی (منظری) کسی غیر مسلم کو اپنا ساتھی نہ بناؤ، اور تمہارا مال (بطور دوستی کے) صرف متقی آدمی کھائے۔ یعنی غیر متقی سے دوستی نہ کرو، اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المع علی دین خلیلہ فلینظر من یخالل | ہر انسان (عاۃً) اپنے دوست کے دین اور طریقہ پر چلا کر تاہے  
(رواہ البخاری)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ہمارے مجلسی دوستوں میں کون لوگ بہتر ہیں تو آپؐ نے فرمایا۔

من ذکرہ باللہ، رویتہ وزاد فی علمکم منطقہ | وہ شخص جس کو دیکھ کر خدا یاد آئے اور میں کی گفتگو سے تمہارا علم  
و ذکرہ بالاخوة علیہ رواہ الاذاری (قرطبی) | بڑھے اور جس کے عمل کو دیکھ کر آخرت کی یاد تازہ ہو۔

قَالَ الرَّسُولُ يُرَبِّ اِنْ قَوَّيْ اَتَّخَذَ الْفُرْقَانُ هُجُورًا، یعنی کہیں گے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو مجبور و متروک کر دیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شکایت بارگاہ حق تعالیٰ میں قیامت کے روز ہوگی یا اسی دنیا میں آپؐ نے یہ شکایت فرمائی؟ ائمہ تفسیر اس میں مختلف ہیں، احتمال دونوں ہیں۔ اگلی آیت بظاہر قرینہ اسکا ہے کہ یہ شکایت آپؐ نے دنیا ہی میں پیش فرمائی تھی جس کے جواب میں آپؐ کو تسلی دینے کیلئے اگلی آیت میں فرمایا وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ، یعنی اگر آپؐ کے دشمن قرآن کو نہیں مانتے تو آپؐ کو اس پر صبر کرنا چاہیے کیونکہ سنت اللہ ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ ہر نبی کے کچھ مجرم لوگ دشمن ہوا کرتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام اس پر صبر کرتے رہے ہیں۔

قرآن کو عملاً ترک کر دینا | اس سے ظاہر یہ ہے کہ قرآن کو مجبور و متروک کر دینے سے مراد قرآن کا بھی گناہ عظیم ہے۔ انکار ہے جو کفار ہی کا کام ہے۔ مگر بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جو مسلمان قرآن پر ایمان تو رکھتے ہیں مگر نہ اسکی تلاوت کی پابندی کرتے ہیں نہ اس پر عمل کرتے ہیں وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

من تعلم القرآن وعلم معنیہ لم یستأجر | جس شخص نے قرآن پڑھا مگر پھر کو بند کر کے گھر میں سون کر دیا اسکی تلاوت  
فیہ جلم یوم القیمة متعلقاً بہ یقول یا رب العالمین | کی پابندی کی نہ اسکے احکام میں خود کیا، قیامت کے روز قرآن آگے گلے میں  
ان عبدك هذا اتخذني هجوذاً فاقضی سیفی و | پڑا ہوا آگے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کر چکا کہ آپؐ اس بندہ نے  
بینہ۔ ذکرہ الشعلبی (قرطبی) | مجھے چھوڑ دیا تھا اب آپؐ میرے اور اسے معاملہ کا فیصلہ فرمادیں۔



وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالْوَلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۝

اور کہنے لگے وہ لوگ جو منکر ہیں کیوں نہ آتا اس پر قرآن سارا ایک جگہ ہو کر

کَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۝

اسی طرح آسمان تاکہ ثابت رکھیں ہم اس سے تیز دل اور پڑھ سنایا ہم نے اسکو ٹھہر ٹھہر کر

## خلاصہ تفسیر

اور کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) پر قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نازل نہیں کیا گیا (مقصود اس اعتراض سے یہ ہے کہ اگر خدا کا کلام ہوتا تو بتدریج نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس بتدریج نازل کرنے سے تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی سوچ سوچ کر تھوڑا تھوڑا بنا لیتے ہیں آگے اس اعتراض کا جواب ہے کہ اس طرح (تدریجاً) اس لئے (ہم نے نازل کیا) ہے تاکہ ہم اسکے ذریعہ آپکے دل کو قوی رکھیں اور (اسی لئے) ہم نے اس کو بہت ٹھہرا ٹھہرا کر اتارا ہے (چنانچہ تیس سال کے عرصہ میں آہستہ آہستہ پورا ہوا)۔

## معارف و مسائل

یہ وہی سلسلہ کفار و مشرکین کے اعتراضات و جوابات کا ہے جو شروع سورت سے چلا آرہا ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں قرآن کو بتدریج نازل کرنے کی ایک حکمت یہاں یہ بیان فرمائی ہے کہ اسکے ذریعہ آپکے دل کو قوی رکھنا مقصود ہے۔ نزول تدریجی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تقویت قلب کی چند وجوہ ہیں۔ اول یہ کہ یاد رکھنا آسان ہو گیا، ایک ضخیم کتاب بیک وقت نازل ہو جاتی تو یہ آسانی نہ رہتی اور آسانی کے ساتھ یاد ہوتے رہنے سے دل میں کوئی پریشانی نہیں رہتی۔ دوسرے جب کفار آپ پر کوئی اعتراض یا آپکے ساتھ کوئی ناگوار معاملہ کرتے تو اسی وقت آپ کی تسلی کے لئے قرآن میں آیت نازل ہو جاتی، اور اگر پورا قرآن ایک دفعہ آگیا ہوتا اور اس خاص واقعہ پر تسلی کا ذکر بھی نازل ہو گیا ہوتا تو بہر حال اس کو قرآن میں تلاش کرنے کی ضرورت پڑتی اور ذہن کا اس طرف متوجہ ہو جانا بھی عادت ضروری نہیں تھا قیس کے پیغام خداوندی آتا تازہ شہادت ہے معیت خداوندی کی جو مدارِ عظم ہے قوت قلب کا۔ اور اس جگہ جو حکمت تقویت قلب کی بتلای گئی ہے نزول تدریجی کی حکمت اس میں منحصر نہیں دوسری حکمتیں بھی ہیں جنہیں سے بعض سورہ بنی اسرائیل کی آیت وَقُلْ نَافِثَاتُ الْفِتَنِ هُنَّ أَلْفٌ مِّنْ دُونَ مِائَةِ مِائَةٍ مِّنْ ثَمَرِ الْعِلْمِ (بین القرآن) میں پہلے آچکی ہے۔

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ۝

اور نہیں لاتے تیرے پاس کوئی مثل کہ ہم نہیں پہنچا دیتے تم کو ٹھیک بات اور اس سے بہتر کھول کر جو لوگ کہ



يُحْشَرُونَ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ شَرُّ مَكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۝۳۵

گھیر کر لائیں جائیں گے اونہ سے پڑے ہوئے اپنے منہ پر دونوں کی طرف، انہی کا بُرا درجہ ہے اور بہت بچکے ہوئے ہیں راہ سے اور

لَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيرًا ۝۳۶ فَقُلْنَا

ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور کر دیا ہم نے اس کے ساتھ اس کا بھائی ہارون کام ٹیلنے والا پھر کہا ہم نے

اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا ۝۳۷

تم دونوں جاؤ اُن لوگوں کے پاس جنہوں نے جھٹلایا ہماری باتوں کو پھرے مارا ہم نے ان کو اکھاڑ کر

## خلاصہ تفسیر

اور یہ لوگ کیسا ہی عجیب سوال آپ کے سامنے پیش کریں مگر ہم (اُس کا) ٹھیک جواب اور وضاحت میں بڑھا ہوا آپ کو عنایت کر دیتے ہیں (تاکہ آپ مخالفین کو جواب دے سکیں۔ یہ بظاہر بیان اُس تقویت قلب کا ہے جس کا ذکر اس سے پہلی آیت میں ہوا ہے کہ بتدیج نازل کرنے میں ایک حکمت آپ کی درجہ کی اور تقویت قلب ہے کہ جب کفار کی طرف سے کوئی اعتراض آئے تو اُسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب نازل کر دیا جائے) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے چہروں کے بل جہنم کی طرف لیجائے جادیں گے (یعنی گھسیٹ کر) یہ لوگ جگہ میں بھی بدتر ہیں اور طریقہ میں بھی بہت گمراہ ہیں۔ (یہاں تک انکار رسالت پر وعید اور قرآن پر اعتراضات کے جواب تھے آگے اسکی تائید میں زمانہ ماضی کے بعض واقعات نقل کئے گئے ہیں جن میں منکرین رسالت کا انجام اور عبرت انگیز حالات مذکور ہیں اور اس میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی اور تقویت قلب سلمان ہے کہ پچھلے انبیاء کی اللہ تعالیٰ نے جس طرح مدد فرمائی اور دشمنوں پر غالب فرمایا وہ آپ کے لئے بھی ہونے والا ہے ایسے میں پہلا قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا گیا کہ) اور تحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب (یعنی تورات) دی تھی اور (اس کتاب ملنے سے پہلے) ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو (اُن کا) معین (و مددگار) بنایا تھا پھر ہم نے (دونوں کو) حکم دیا کہ دونوں آدمی اُن لوگوں کے پاس (ہدایت کرنے کے لئے) جاؤ جنہوں نے ہماری (توحید کی) دیلوں کو جھٹلایا ہے (مراد اس سے فرعون اور اسکی قوم ہے چنانچہ یہ دونوں حضرات وہاں پہنچے اور سمجھایا مگر انہوں نے نہ مانا) سو ہم نے اُن کو (اپنے قہر سے) بالکل ہی غارت کر دیا (یعنی دریا میں غرق کئے گئے)۔

## معارف و مسائل

اَلَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا، اس میں قوم فرعون کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے۔ حالانکہ اس وقت تک تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل بھی نہیں ہوئی تھی اس لئے اس تکذیب سے آیات تورات کی تکذیب تو مراد نہیں ہو سکتی، بلکہ مراد آیات سے یا تو توحید کے دلائل عقلیہ ہیں



جو ہر انسان کو اپنی عقل کے مطابق سمجھ میں آ سکتے ہیں اُن میں غور نہ کرنے کو تکذیبِ آیات فرمایا اور یہ کہ انبیاء سابقین کی روایات جو کچھ نہ کچھ ہر قوم میں نقل ہوتی آئی ہیں اُن کا انکار مراد ہے جیسے قرآن کریم میں فرمایا وَلَقَدْ جَاءُوكُم بَيِّنَاتٌ مِّن قَبْلِ الْبَيِّنَاتِ، اس میں انبیاء سابقین کی تعلیم کا ان لوگوں تک منقول چلا آتا بتلایا گیا ہے۔ (بَيِّنَاتُ الْقُرْآنِ)

وَقَوْمٌ نُّوحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ سِلَاسًا

اور نوح کی قوم کو جب انھوں نے جھٹلایا پیغام لانے والوں کو ہم نے انکو ڈبا دیا اور کیا اُن کو لوگوں کے حق میں نشانی

وَأَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۝۳۷ وَعَادًا وَثَمُودًا وَأَصْحَابَ

اور تیار کر رکھا ہے ہم نے گنہگاروں کے واسطے عذاب دردناک اور عاد کو اور ثمود کو اور کنوئیں

الرِّسِّ وَقُرُونًا بَيْنَ ذَلِكَ كَثِيرًا ۝۳۸ وَكُلًّا ضَرَبْنَاهُ لِمِثَالٍ وَ

دالوں کو اور اسکے نیچے میں بہت سی جماعتوں کو اور سب کو کہہ سنائیں ہم نے مثالیں اور

كُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا ۝۳۹ وَلَقَدْ أَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أَمْطَرْنَا

سب کو کھو دیا ہم نے غارت کر کر اور یہ لوگ ہو آئے ہیں اُس بستی کے پاس جن پر برسا بڑا

السَّوْدُ أَفْلَمَ يَكُونُوا يَرَوْنَهَا بَلْ كَانُوا لَا يَتَّبِعُونَ نُصُورًا ۝۴۰ وَإِذَا

برساؤ کیا دیکھتے نہ تھے اس کو، نہیں پر اُمید نہیں رکھتے جی اُٹھنے کی اور جہاں

رَأَوْا إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا هَذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ۝۴۱

جنگہ کو دیکھیں کچھ کام نہیں اُن کو تجھ سے مگر ہنسنے کرنے کیا بھی ہے جس کو بھیجا اللہ نے پیغام دے کر

إِنْ كَادَ لَيُضِلَّنَا عَنْ آلِهَتِنَا لَوْلَا أَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ

یہ تو ہم کو بھلا ہی دیتا ہمارے معبودوں سے اگر ہم نہ جتے رہتے اُن پر اور آگے جان لیں گے

حِينَ يَرُونَ الْعَذَابَ ابْنِ أَصْلًا سَبِيلًا ۝۴۲ أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ

جس وقت دیکھیں گے عذاب کو کہ کون بہت بھلا ہوا ہے ناہ سے بھلا دیکھ تو اس شخص کو جس نے پوجنا اختیار کیا

هُوَ إِلَّا أَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ۝۴۳ أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ

اپنی خواہش کا، کہیں تو نے سنا ہے اسکا ذمہ یا تو خیال رکھتا ہے کہ بہت سے ان میں سنتے

أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْإِغْطَامِ بَلْ هُمْ أَصْلًا سَبِيلًا ۝۴۴

یا سمجھتے ہیں اور کچھ نہیں وہ برابر ہیں جو پاؤں کے بلکہ وہ زیادہ بکے ہوئے ہیں راہ سے

### خلاصہ تفسیر

اور قوم نوح کو بھی (ان کے زمانہ میں) ہم ہلاک کر چکے ہیں (جن کی ہلاکت اور سبب ہلاکت کا بیان



یہ ہے کہ جب انھوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو (طوفان سے) غرق کر دیا اور ہم نے ان کے واقعہ کو لوگوں (کی عبرت) کے لئے نشان بنادیا (یہ تو دنیا میں سزا ہوئی) اور (آخرت میں) ہم نے (ان) ظالموں کے لئے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔ اور ہم نے عاد اور ثمود اور اصحاب الرس اور ان کے بیچ بیچ میں بہت سی امتوں کو ہلاک کیا اور ہم نے (اُنم مذکورہ میں سے) ہر ایک (کی ہدایت) کے واسطے عجیب عجیب (یعنی موثر اور بلیغ) مضامین بیان کئے اور (جب نہ مانا تو) ہم نے سب کو بالکل ہی برباد کر دیا۔ اور یہ (کفار ملک شام کے سفر میں) اس بستی پر ہو کر گزرتے ہیں جس پر بڑی طرح پتھر برسائے گئے تھے (مراد قریہ قوم لوط کا ہے) سو کیا یہ لوگ اسکو دیکھتے نہیں رہتے (پھر بھی عبرت نہیں پکڑتے کہ کفر و تکذیب کو چھوڑ دیں جس کی بدولت قوم لوط کو سزا ہوئی سو بتا یہ ہے کہ عبرت نہ پکڑنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اُس قریہ کو دیکھتے نہ ہوں) بلکہ (اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ) یہ لوگ مکرر جی اُٹھتے کا احتمال ہی نہیں رکھتے (یعنی آخرت کے مسکر ہیں اس لئے کفر کو موجب سزا ہی قرار نہیں دیتے اور اسلئے اُن کی ہلاکت کو کفر کا وبال نہیں سمجھتے بلکہ امور اتفاقیہ میں سے سمجھتے ہیں یہ وجہ عبرت نہ پکڑنے کی ہے) اور جب یہ لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ سے تمسخر کرنے لگتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ کیا یہی (بزرگ) ہیں جو خدا تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے (یعنی ایسا غریب آدمی رسول نہ ہونا چاہیے۔ اگر رسالت کوئی چیز ہے تو کوئی رئیس مالدار ہونا چاہیے تھا پس رسول نہیں البتہ) اس شخص (کی جادو بیانی اس غضب کی ہے کہ اس) نے تو ہم کو ہمارے معبودوں سے ہٹا ہی دیا ہوتا اگر ہم اُن پر (مضبوطی سے) قائم نہ رہتے (یعنی ہم تو ہدایت پر ہیں اور یہ ہم کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا تھا اللہ تعالیٰ اُن کی تردید کے لئے فرماتے ہیں کہ یہ ظالم اب تو اپنے آپ کو ہدایت یافتہ اور ہمارے پیغمبر کو گمراہ بتلا رہے ہیں) اور (مرنے کے بعد) جلدی ہی ان کو معلوم ہو جاوے گا جب عذاب کا معائنہ کریں گے کہ کون شخص گمراہ تھا (آیا وہ خود یا نعوذ باللہ پیغمبر! اس میں اُن کے بیہودہ اعتراض کے جواب کی طرف بھی اشارہ ہے کہ نبوت اور مالداری میں کوئی جوڑ نہیں مالدار نہ ہونیکے سبب نبوت سے انکار جہالت و گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔ مگر دنیا میں جو چاہیں خیال پکالیں مگر قیامت میں سب حقیقت کھل جاوے گی) اے پیغمبر آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے سو کیا آپ اُس کی نگرانی کر سکتے ہیں یا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں کثر سُنتے یا سمجھتے ہیں (مطلب یہ کہ آپ ان کی ہدایت نہ ہونے سے منہم نہ ہو جائے کیونکہ آپ ان پر مسلط نہیں خواہی نخواہی ان کو راہ پر لا دیں اور نہ ہدایت کی ان سے توقع کیجئے کیونکہ نہ یہ حق بات کو سُنتے ہیں نہ عقل ہو کہ غور کریں) یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں (کہ وہ بات کو نہ سُنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں) بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں (کیونکہ وہ احکام دین کے مکلف نہیں تو ان کا نہ سمجھنا مذموم نہیں اور یہ مکلف ہیں پھر بھی نہیں سمجھتے پھر یہ کہ وہ اگر معتقدان ضروریات دین کے نہیں ہیں تو مسکر بھی تو نہیں اور یہ تو مسکر ہیں اور اذیت میں ان کی گمراہی کا منشا بھی بیان کر دیا کہ کسی شبہ و دلیل سے ان کو اشتباہ نہیں ہوا بلکہ اتباع ہوئی اسکا سبب ہے



## معارف و مسائل

تو نوح علیہ السلام کے متعلق یہ ارشاد کہ انھوں نے رسولوں کو جھٹلایا حالانکہ پہلے رسول نہ ان کے زمانے میں تھے نہ انھوں نے جھٹلایا، تو منشاء اسکا یہ ہے کہ انھوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلایا اور چونکہ اصول دین سب انبیاء کے مشترک ہیں اسلئے ایک کو جھٹلانا سبھی کے جھٹلانے کے حکم میں ہے۔

أَصْحَابُ الذِّمِّ، رَسٌّ، نَفْتٌ میں کچھ کنویں کو کہتے ہیں۔ قرآن کریم اور کسی صحیح حدیث میں ان لوگوں کے تفصیلی حالات مذکور نہیں۔ اسرائیلی روایات مختلف ہیں۔ راجح یہ ہے کہ قوم ثمود کے کچھ یا قیمانہ لوگ تھے جو کسی کنویں پر آباد تھے (کناف القاموس والدارسن ابن عتاسی) ان کے عذاب کی کیفیت بھی قرآن میں منصوص اور کسی صحیح حدیث میں بھی مذکور نہیں۔ (بیّن القرآن)

خلاف شرع خواہشات کی پیروی | آدَمَ يَتَّ مِّنْ أَثَرِ خَذَلِ الْهَاءِ هُوَ، اس آیت میں اُس شخص کو جو اسلام ایک قسم کی بُت پرستی ہے۔ شریعت کی خلاف اپنی خواہشات کا پیرو ہو یہ کہا گیا ہے کہ اُس نے اپنی خواہشات کو معبود بنا لیا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ خلا شرع خواہشات نفسانی بھی ایک بُت ہے جس کی پرستش کی جاتی ہے پھر استدلال میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ (قطبی)

أَلَمْ تَرَ إِلَى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَكُوشًا لِّجَعْلِهِ سَاكِنًا ۖ ثُمَّ جَعَلْنَا

تیرے نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف کیسے دراز کیا سایہ کو اور اگر چاہتا تو اس کو ٹھہرا رکھتا پھر تیرے مقرر کیا الشمس علیہ دلیلاً ۳۵ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ۳۶ وَهُوَ الَّذِي سُدَّ لَكَ سَكْرًا رَاه تَلَانِي وَالَا پھر کھینچ لیا اپنے اسکو اپنی طرف آسمان سمیٹ کر اور وہی ہے جس نے

جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا ۳۷ وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۚ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ۳۸ لِّنُنْجِيَ بِهِ بَلْدَةً مَّيْمَنًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا

بنادیا تمھارے واسطے رات کو اوڑھنا اور نیند کو آرام اور دن کو بنا دیا اُنھے نکلنے کے لئے اور وہی ہے جس نے چلائیں ہوائیں خوشخبری لانے والیاں اسکی رحمت سے آگے اور اُتارا ہم نے

السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ۳۸ لِّنُنْجِيَ بِهِ بَلْدَةً مَّيْمَنًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَاسِيَّ كَثِيرًا ۳۹ وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا ۳۹

آسمان سے پانی پاکی حاصل کرنے کا کہ زندہ کر دیں اُس سے مرے ہوئے دیں کو اور پلائیں اسکو اپنے پیدا کئے ہوئے بہت سے چوپایوں اور آدمیوں کو اور طرح طرح سے تقسیم کیا ہم نے اسکو انکے بیچ میں تا دھیان رکھیں

فَأَبَى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ۴۰ وَكُوشُنَا لِبَعَثْنَاهُ فِي كُلِّ قَرْيَةٍ ۴۰ پھر بھی نہیں رہتے بہت لوگ بدوین ناشکری کئے اور اگر ہم چاہتے تو اُٹھاتے ہر بستی میں



تَذِيرًا ۵۱) فَلَا تُطِيعُ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جَهَادًا كَبِيرًا ۵۲) وَهُوَ الَّذِي

کوئی ڈرانے والا، سو تو کہنا مت مان منکروں کا اور مقابلہ کر ان کا اسکے ساتھ بڑے زور سے اور وہی ہے جس نے

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَذَا امْلَحٌ أجاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا

لے ہوئے چلائے دو دریا یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا اور یہ کھاری ہے کڑوا اور رکھا ان دونوں کے بیچ پر ۵۵

وَجَعَلَ الْفُجُورَ ۵۳) وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا

اور آڑ روکی ہوئی اور وہی ہے جس نے بنایا پانی سے آدمی پھر ٹھہرائے لئے جد اور سسرال

وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ۵۴) وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ

اور تیرا رب سب کچھ کر سکتا ہے اور پوچھتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر وہ چیز جو نہ بھلا کرے ان کا نہ بُرا

وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ۵۵) وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۵۶) قُلْ

اور ہے کافر اپنے رب کی طرف سے پیٹھ پھیرا اور تجھ کو ہم نے بھیجا یہی خوشی اور ڈر سنانے کے لئے تو کہہ

مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۵۷) وَ

میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ مزدوری مگر جو کوئی چاہے کہ پکڑے اپنے رب کی طرف راہ اور

تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ وَكَفَىٰ بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ

بھروسہ کر اور اس زندہ کے جو نہیں مرتا اور یاد کر اس کی خوبیاں اور وہ کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں سے

خَبِيرًا ۵۸) الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ

خبردار جس نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے چھ دن میں پھر

اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۖ الرَّحْمَنُ فَسَلِّ بِهٖ خَبِيرًا ۵۹) وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا

قائم ہوا عرش پر وہ بڑی رحمت والا سو پوچھ اس جو اس کی خبر رکھتا ہو اور جب کہئے ان سے سجدہ کرو

لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ۶۰)

رحمن کو کہیں رحمن کیا ہے کیا سجدہ کرنے لگیں ہم جس کو تو فرمائے اور بڑھ جاتا ہے ان کا بدگنا

تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا ۶۱)

بڑی برکت ہے اکی نے بنائے آسمان میں برج اور رکھا اس میں چراغ اور چاند اُجالا کرنے والا

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَیْلٌ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ۶۲)

اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن بدلنے سے بدلنے اس شخص کے واسطے کہ چاہے دھیان رکھنا یا چاہے شکر کرنا

## خلاصہ تفسیر

اے مخاطب کیا تو نے اپنے پروردگار (کی اس قدرت) پر نظر نہیں کی کہ اُس نے (جب آفتاب اُفق



سے طلوع کرتا ہے اس وقت کھڑی ہوئی چیزوں کے (سایہ کو کیونکر (دور تک) پھیلا یا ہے (کیونکہ طلوع کے وقت ہر چیز کا سایہ لمبا ہوتا ہے) اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ایک حالت پر ٹھہرایا ہوا رکھتا (یعنی آفتاب کے بلند ہونے سے بھی نہ گھٹتا اس طرح پر کہ اتنی دور تک آفتاب کی شعاعوں کو نہ آنے دیتا کیونکہ آفتاب کی شعاعوں کا زمین کے حصوں پر پہنچنا بارادہ حق ہے نہ کہ بالاضطرار مگر ہم نے اپنی حکمت سے اس کو ایک حالت پر نہیں رکھا بلکہ اس کو پھیلا ہوا بنا کر) پھر ہم نے آفتاب کو (یعنی اُس کے اُفق کے قریب ہونے اور پھر اُفق سے بلند ہونے کو) اس (سایہ کی درازی کو) تباہی (پر (ایک ظاہری) علامت مقرر کیا (مطلب یہ کہ اگرچہ روشنی اور سایہ اور اُن کے گھٹنے بڑھنے کی اصل علت حق تعالیٰ کا ارادہ اور مشیت ہے، آفتاب یا کوئی دوسری چیز مؤثر حقیقی نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پیدا ہونے والی چیزوں کے لئے کچھ ظاہری اسباب بنادیئے ہیں اور اسباب کیساتھ اُن کے مسببات کا ایسا رابطہ قائم کر دیا کہ سبب کے تغیر سے مسبب میں تغیر ہوتا ہے) پھر (اس تعلق ظاہری کی وجہ سے) ہم نے اس (سایہ) کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا (یعنی جوں جوں آفتاب اونچا ہوا وہ سایہ زائل اور معدوم ہوتا گیا اور چونکہ اس کا غائب ہونا محض قدرت الہیہ سے بلا شرکت غیر ہے اور عام لوگوں کی رویت سے غائب ہونے کے باوجود علم الہی سے غائب نہیں ہے اس لئے یہ فرمایا گیا کہ اپنی طرف سمیٹ لیا) اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پردہ کی چیز اور نیند کو راحت کی چیز بنایا اور دن کو (اس اعتبار سے کہ سونا مشابہ موت کے ہے اور دن کا وقت جاگنے کا ہے گویا) زندہ ہونیکا وقت بنایا اور وہ ایسا ہے کہ اپنی باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ (بارش کی اُمید دلا کر دل کو) خوش کر دیتی ہیں اور ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں جو پاک صاف کرنے کی چیز ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے مردہ زمین میں جان ڈالیں اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چار پائیوں اور بہت سے آدمیوں کو سیراب کریں اور ہم اُس (پانی) کو (بقدر مصلحت) ان لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیتے ہیں تاکہ لوگ غور کریں کہ یہ تصرفات کسی بڑے قادر کے ہیں کہ وہی مستحق عبادت ہے) سو چاہیے تھا کہ غور کر کے اس کا حق ادا کرتے لیکن اکثر لوگ بغیر ناشکری کئے نہ رہے (جس میں سب سے بڑھ کر کفر و شرک ہو لیکن آپ ان کی اور بالخصوص اکثر کی ناشکری سن کر یا دیکھ کر سعی فی التبلیغ سے ہمت نہ ہاریے کہ میں تنہا ان سب سے کیسے عہدہ برآ ہوں گا بلکہ آپ تنہا ہی اپنا کام کئے جائیے کیونکہ آپ کو تنہا ہی نبی بنانے سے خود ہمارا مقصود یہ ہے کہ آپ کا اجر اور قرب بڑھے) اور اگر ہم چاہتے تو (آپ کے علاوہ اسی زمانہ میں) ہر بتی میں ایک ایک پیغمبر بھیج دیتے (اور تنہا آپ پر تمام کام نہ ڈالتے لیکن چونکہ آپ کا اجر بڑھانا مقصود ہے اس لئے ہم نے ایسا نہیں کیا تو اس طور پر اتنا کام آپ کے پر کرنا خدا تعالیٰ کی نعمت ہے) سو (اس نعمت کے شکر یہ میں) آپ کافروں کی خوشی کا کام نہ کیجئے (یعنی کافروں



اس سے خوش ہونگے کہ تبلیغ نہ ہو یا کمی ہو جائے اور ان کی آزادی سے تعرض نہ کیا جاوے) اور قرآن (میں جو دلائل حق کے مذکور ہیں جیسا اسی مقام پر دلائل توحید کے ارشاد ہوئے ہیں اُن) سے اُن کا زور شور سے مقابلہ کیجئے (یعنی عام اور مکمل دعوت و تبلیغ کیجئے، یعنی سب سے کہئے اور بار بار کہئے اور ہمت قوی رکھئے جیسا اب تک آپ کرتے رہے ہیں اس پر قائم رہئے۔ آگے پھر بیان ہے دلائل توحید کا) اور وہ ایسا ہے جس نے دو دریاؤں کو (صورۃ) ملایا جن میں ایک (کاپانی) تو شیریں تسکین بخش ہے اور ایک (کاپانی) شور تلخ ہے اور (باد جو باختلاط صوری کے حقیقتہً) اُن کے درمیان میں (اپنی قدرت سے) ایک حجاب اور (اختلاط حقیقی سے) ایک مانع قوی رکھ دیا (جو خود حنفی غیر محسوس ہے مگر اُس کا اثر یعنی امتیاز دونوں پانی کے مزہ میں محسوس اور مشاہد ہے۔ مراد ان دو دریاؤں سے وہ مواقع ہیں جہاں شیریں ندیاں اور نہریں بہتے بہتے سمندریں اگر گری ہیں وہاں باد جو اسکے کہ اوپر سے دونوں کا سطح ایک معلوم ہوتا ہے لیکن قدرت الہیہ سے ان میں ایک ایسی حد فاصل ہے کہ طغی کے ایک جانب سے پانی لیا جاوے تو شیریں اور دوسری جانب سے جو کہ جانب اول سے بالکل قریب پانی لیا جائے تو تلخ۔ دُنیا میں جہاں جس جگہ شیریں پانی کی نہریں چشمے سمندر کے پانی میں گرتے ہیں وہاں سکا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ میلوں دور تک میٹھا اور کھاری پانی الگ الگ چلتے ہیں، دائیں طرف میٹھا بائیں طرف تلخ کھاری یا اوپر نیچے شیریں اور تلخ پانی الگ الگ پائے جاتے ہیں (حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کے تحت لکھا کہ بیان القرآن میں دو مستبر بنگالی علماء کی شہادت نقل کی ہے کہ ارکان سے چار گام تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کی دو جانبیں بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں ایک کاپانی سفید ہے اور ایک کاسیاد، سیاہ میں سمندر کی طرح طوفانی تلاطم اور تہوج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن ہوتا ہے کشتی سفید میں چلتی ہے اور دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں کا طغی ہے لوگ کہتے ہیں کہ سفید پانی میٹھا ہے اور سیاہ کڑوا۔ اھ۔ اور مجھ سے باریسال کے بعض طلباء نے بیان کیا کہ ضلع باریسال میں دو ندیاں ہیں جو ایک ہی دریا سے نکلی ہیں، ایک کاپانی کھاری بالکل کڑوا اور ایک کانہایت شیریں اور لذیذ ہے۔ یہاں گجرات میں راقم الحروف جس جگہ آج کل مقیم ہے (ڈابھیل سٹاک ضلع سورت) سمندر وہاں سے تقریباً دس بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ ادھر کی ندیوں میں برابر مد و جز (جوار بھٹا) ہوتا رہتا ہے بکثرت ثقات نے بیان کیا کہ مد کے وقت جب سمندر کاپانی ندی میں آجاتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھاری پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مختلط نہیں ہوتے۔ اوپر کھاری رہتا ہے نیچے میٹھا، جز کے وقت اوپر سے کھاری اُتر جاتا ہے اور میٹھا جوں کا توں میٹھا باقی رہ جاتا ہے واللہ اعلم، ان شواہد کو دیکھتے ہوئے آیت کا مطلب بالکل واضح ہے یعنی خدا کی قدرت دیکھو کہ کھاری اور میٹھے دونوں دریاؤں کے پانی کہیں نہ کہیں مل جانے کے باوجود بھی کس طرح ایک دوسرے



سے متاثر رہتے ہیں اور وہ ایسا ہے جس نے پانی سے (یعنی نطفہ سے) آدمی کو پیدا کیا پھر اُس کو خاندان والا اور سُسرال والا بنایا (چنانچہ باپ دادا وغیرہ شرعی خاندان اور ماں، نانی وغیرہ عرفی خاندان میں جن سے پیدائش کے ساتھ ہی تعلقات پیدا ہو جاتے ہیں پھر شادی کے بعد سُسرالی رشتے پیدا ہو جاتے ہیں یہ دلیل قدرت بھی ہے کہ نطفہ کیا چیز تھا پھر اس کو کیسا بنادیا کہ وہ اتنی جلد خون والا ہو گیا اور نعمت بھی ہے کہ ان تعلقات پر تمدن اور امداد باہمی کی تعمیر قائم ہے) اور (اُسے مخاطب) تیرا پروردگار بڑی قدرت والا اور (باوجود اسکے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں ایسا کامل ہے جیسا بیان ہوا اور یہ کمالات مقتضی ہیں کہ اسی کی عبادت کی جاوے مگر) یہ (مشرک) لوگ (ایسے) خدا کو چھوڑ کر اُن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں (جو عبادت کرنے پر) نہ اُن کو کچھ نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ (در صورت عبادت نہ کرنے کے) اُن کو کچھ ضرر پہنچا سکتی ہیں اور کافر تو اپنے رب کا مخالف ہے (کہ اُس کو چھوڑ کر دوسرے کی عبادت کرتا ہے اور کفار کی مخالفت معلوم کر کے آپ نہ تو اُن کے ایمان نہ لانے سے غمگین ہوں کیونکہ) ہم نے آپ کو صرف اسلئے بھیجا ہے کہ (ایمان والوں کو جنت کی) خوشخبری سنائیں اور (کافروں کو دوزخ سے) ڈرائیں۔ (ان کے ایمان نہ لانیسے آپ کا کیا نقصان ہے، پھر آپ کیوں غم کریں اور نہ آپ اُس مخالفت کو معلوم کر کے فکر میں پڑیں کہ جب یہ حق تعالیٰ کے مخالف ہیں تو میں جو حق تعالیٰ کی طرف دعوت کرتا ہوں اس دعوت کو یہ لوگ خیر خواہی کب سمجھیں گے بلکہ میری خود غرضی پر محمول کر کے التفات بھی نہ کریں گے تو اُن کے گمان کی کیونکر اصلاح کیجاوے تاکہ مانع مرتفع ہو سو اگر آپ کو اُن کا یہ خیال قرینہ سے یا زبانی گفتگو سے معلوم ہو تو) آپ (جواب میں اتنا) کہہ دیجئے (اور بفکر ہو جائے) کہ میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی معاوضہ (مالی یا جاہی) نہیں مانگتا ہاں جو شخص یوں چاہے کہ اپنے رب تک (پہنچنے کا) رستہ اختیار کر لے (تو البتہ میں یہ ضرور چاہتا ہوں چاہے اس کو معاوضہ کہو یا نہ کہو) اور (نہ اُس مخالفت کفار کو دریافت کر کے اُن کی ضرور رسانی سے اندیشہ کیجئے بلکہ تبلیغ میں) اُس حتی الاموت پر توکل رکھئے اور (اطمینان کے ساتھ) اُس کی تبلیغ و تحمید میں لگے رہئے اور (نہ مخالفت میں کر تعجیل عقوبت کی اس خیال سے تمنا کیجئے کہ ان کا ضرر دوسروں کو نہ پہنچ جاوے کیونکہ) وہ (خدا) اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی (طور پر) خبردار ہے (وہ جب مناسب سمجھے گا سزا دیدیگا۔ پس ان جملوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حزن و فکر اور خوف کو زائل فرمایا ہے آگے پھر توحید کا بیان ہے) وہ ایسا ہے جس نے آسمان و زمین اور جو کچھ اُن کے درمیان میں ہے سب چھ روز (کی مقدار) میں پیدا کیا پھر عرش پر (جو مشابہ ہے تخت سلطنت کے اس طرح) قائم (اور جلوہ فرما) ہوا (جو کہ اُس کی شان کے لائق ہے جسکا بیان سورہ اعراف کے رکوع ہفتم کے شروع آیت میں گزر چکا) وہ بڑا مہربان ہے سو اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھنا چاہیئے (کہ وہ کیسا ہے کافر مشرک کیا



جانیں اور اس معرفتِ صحیحہ کے نہ ہونے سے شرک کرتے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ وما قدرنا للشر حق قدرہ (اور جب ان (کافروں) سے کہا جاتا ہے کہ رحمن کو سجدہ کرو تو (بوجہ جہل و عناد کے) کہتے ہیں کہ رحمن کیا چیسز ہے (جس کے سامنے ہم کو سجدہ کرنے کو کہتے ہو) کیا ہم اُس کو سجدہ کرنے لگیں گے جس کو تم سجدہ کرنے کے لئے ہم کو کہو گے اور اس سے اُن کو اور زیادہ نفرت ہوتی ہے (لفظ رحمن ان میں کم مشہور تھا مگر یہ نہیں کہ جانتے نہ ہوں مگر اسلامی تعلیم سے جو مخالفت بڑھی ہوئی تھی تو محاورات اور بول چال میں بھی مخالفت کو نباہتے تھے۔ قرآن میں جو یہ لفظ بکثرت آیا وہ اس کی بھی مخالفت کر بیٹھے) وہ ذات بہت عالیشان ہے جس نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے اور اُن ستاروں میں سے دو بڑے نورانی اور فائدہ بخش ستارے بنائے یعنی اُس (آسمان) میں ایک چراغ (یعنی آفتاب) اور نورانی چاند بنایا (مشاید آفتاب کو سراج بوجہ تیزی کے کہا) اور وہ ایسا ہے جس نے رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والے بنائے (اور یہ سب کچھ جو دلائل توحید اور اللہ کی نعمتوں کا ذکر ہوا ہے) اُس شخص کے (سمجھنے کے) لئے (ہیں) جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے (کہ اس میں سمجھنے والے کی نظریں استدلال ہیں اور شکر گزاری کرنے والے کی نظر میں علامات ہیں) ورنہ ۵

اگر صد بابِ حکمت پیشِ ناداں ✽ بخوانی آیدش باز یچہ درگوش

## معارف و مسائل

مخلوقاتِ الہیہ میں اسبابِ مسببات کا رشتہ | مذکور القدر آیات میں حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور بندوں اور ان سب کا قدرتِ حق کا تابع ہونا | پر اسکے انعامات و احسانات کا ذکر ہے جس سے حق تعالیٰ کی توحید اور استحقاقِ عبادت میں اُس کے ساتھ کسی کا شریک نہ ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

اَللّٰهُ تَوَكَّلْ كَيْفَ مَكَانَ الظُّلُمِ ، دھوپ اور چھاؤں دونوں ایسی نعمتیں ہیں کہ اُن کے بغیر انسانی زندگی اور اسکے کاروبار نہیں چل سکتے۔ ہر وقت ہر جگہ دھوپ ہی دھوپ ہو جائے تو انسان اور ہر جاندار کے لئے کیسی مصیبت ہو جائے یہ تو ظاہر ہے اور سایہ کا بھی یہی حال ہے کہ اگر ہر جگہ ہر وقت سایہ ہی رہے کبھی دھوپ نہ آوے تو انسان کی صحت و تندرستی نہیں رہ سکتی، اور بھی ہزاروں کاموں میں خلل آئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں نعمتیں اپنی قدرتِ کاملہ سے پیدا فرمائیں اور انسانوں کے لئے ان کو موجبِ راحت و سکون بنایا۔ لیکن حق تعالیٰ نے اپنی حکمتِ کاملہ سے اس دنیا میں پیدا ہونے والی تمام اشیاء کو خاص خاص اسباب کے ساتھ مربوط کر دیا ہے کہ جب وہ اسباب موجود ہوتے ہیں تو یہ چیزیں موجود ہو جاتی ہیں جب نہیں ہوتے تو یہ چیزیں بھی نہیں رہتیں۔ اسباب قوی یا زیادہ ہوتے ہیں تو اُن کے مسببات کا وجود قوی اور زیادہ ہو جاتا ہے، وہ کمزور یا کم ہوتے ہیں تو



مُسْتَبَات بھی کمزور یا کم ہو جاتے ہیں۔ غلہ اور گھاس اگانے کا سبب زمین اور پانی اور ہوا کو بنا رکھا ہے روشنی کا سبب آفتاب ماہتاب کو بنا رکھا ہے۔ بارش کا سبب بادل اور ہواؤں کو بنا رکھا ہے۔ اور ان اسباب اور اُن پر مرتب ہونے والے اثرات میں ایسا مستحکم اور مضبوط ربط قائم فرما دیا ہے کہ ہزاروں سال سے بغیر کسی ادنیٰ فرق کے چل رہے ہیں۔ آفتاب اور اس کی حرکت اور اس سے پیدا ہونے والے دن رات اور دھوپ چھاؤں پر نظر ڈالو تو ایسا مستحکم نظام ہے کہ صدیوں بلکہ ہزاروں سال میں ایک منٹ بلکہ ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آتا۔ نہ کبھی آفتاب و ماہتاب غیرہ کی مشینری میں کوئی کمزوری آتی ہے، نہ کبھی ان کو اصلاح و مرمت کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ دنیا وجود میں آئی ایک انداز ایک فٹار سے چل رہے ہیں حساب لگا کر ہزار سال بعد تک کی چیزوں کا وقت بتلایا جاسکتا ہے۔ سبب اور سبب کا یہ حکم نظام جو حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا عجیب غریب شاہکار اور اُس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی برہانِ قطعی ہے اس کے استحکام ہی نے لوگوں کو غفلت میں ڈال دیا کہ اُن کی نظروں میں صرف یہ اسبابِ ظاہر ہی رہ گئے اور انہی اسباب کو تمام چیزوں اور تاثیرات کا خالق و مالک سمجھنے لگے۔ سبب الاسباب کی اصلی قوت جو ان اسباب کی پیدا کرنے والی ہے وہ اسباب کے پردوں میں مستور ہو گئی۔ اسلئے انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابیں انسان کو بار بار اس پر تنبیہ کرتی ہیں کہ ذرا نظر کو بلند اور تیز کرو، اسباب کے پردوں کے پیچھے دیکھو کون اس نظام کو چلا رہا ہے تاکہ حقیقت تک راہ پاؤ۔ اسی سلسلے کے یہ ارشادات ہیں جو آیات مذکورہ میں آئے۔ آیت **اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الْفَلَاحَ** میں غافل انسان کو اس پر تنبیہ کیا گیا ہے کہ تو روزانہ دیکھتا ہے کہ صبح کو ہر چیز کا سایہ جانبِ غرب دراز ہوتا ہے، پھر وہ گھٹنا شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ نصف النہار کے وقت معدوم یا کالعدم ہو جاتا ہے پھر زوال کے بعد یہی سایہ اسی تدریجی فٹار کے ساتھ مشرق کی جانب میں پھیلنا شروع ہوتا ہے۔ ہر انسان اس دھوپ اور چھاؤں کے فوائد ہر روز حاصل کرتا ہے اور اُس کی آنکھیں دیکھتی ہیں کہ یہ سب کچھ آفتاب کے طلوع ہونے پھر بلند ہونے پھر غروب کی طرف مائل ہونے کے لازمی نتائج و ثمرات ہیں، لیکن آفتاب کے کرہ کی تخلیق پھر اس کے ایک خاص نظام کے تحت باقی رکھنے کا کام کس نے کیا، یہ آنکھوں سے نظر نہیں آتا اس کیلئے دل کی آنکھیں اور بصیرت درکار ہے۔

آیت مذکورہ میں یہی بصیرت انسان کو دینا مقصود ہے کہ یہ سایوں کا بڑھنا گھٹنا اگرچہ تمہاری نظروں میں آفتاب سے متعلق ہے مگر اس پر بھی تو غور کرو کہ آفتاب کو اس شان کیساتھ کس نے پیدا کیا اور اس کی حرکت کو ایک خاص نظام کے اندر کس نے باقی رکھا، جس کی قدرتِ کاملہ نے یہ سب کچھ کیا ہے وہ ہی درحقیقت اس دھوپ چھاؤں کی نعمتوں کا عطا کرنے والا ہے اگر وہ



چاہتا تو اس دھوپ چھاؤں کو ایک حالت پر قائم کر دیتا جہاں دھوپ ہے وہاں ہمیشہ دھوپ رہتی، جہاں چھاؤں ہے ہمیشہ چھاؤں رہتی مگر اس کی حکمت نے انسانی ضروریات و فوائد پر نظر کر کے ایسا نہیں کیا وَكُنْشَاۤءَ لَجَّعَلْنَا كَمَا يَهَيَّيْكَ مَطْلَبُ هِيَ۔

انسان کو اسی حقیقت سے آگاہ کرنے کے لئے سایہ کے واپس لوٹنے اور گھٹنے کو آیت مذکورہ میں اس عنوان سے تعبیر فرمایا ہے کہ قَبْضَنَا كَالْيَنَّا قَبْضًا تَسِيْلًا، یعنی پھر سایہ کو ہم نے اپنی طرف سمیٹ لیا، یہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ جسم اور حیوانیت اور جہت اور سمت سے بالاتر ہے، اسکی طرف سایہ کا سمٹنا، اسکا مفہوم یہی ہے کہ اُس کی قدرتِ کاملہ سے یہ سب کام ہوا۔

رات میں نیند اور دن میں کام کی | وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ تَخْصِيصًا مِّمَّا يَبْرِي حِكْمَتٍ يَرْسَبِي هِيَ | النَّهَارَ نَشْوًا، اس آیت میں رات کو لباس کے لفظ سے تعبیر فرمایا کہ جس طرح لباس انسان کے پورے بدن کا ساتر ہے اسی طرح رات ایک قدرتی پردہ کی چادر ہے جو پوری کائنات پر ڈالی جاتی ہے۔ سُبَاتًا، سبت سے مشتق ہے جس کے اصل معنی قطع کرنے کے ہیں۔ سُبَات وہ چیز ہے جس سے کسی دوسری چیز کو قطع کیا جائے۔

نیند کو اللہ تعالیٰ نے ایسی چیز بنایا ہے کہ دن بھر کی محنتوں کا ترکان اور کمزوری اس سے قطع ہو جاتی ہے۔ اوکار و خیالات منقطع ہو کر دماغ کو آرام ملتا ہے اسلئے سُبَات کا ترجمہ راحت کیا جاتا ہے۔ معنی آیت کے یہ ہو گئے کہ ہم نے رات کو ایک چھپانے والی چیز بنایا پھر اس میں انسان اور سارے جانداروں پر نیند مسلط کر دی جو اُن کے آرام و راحت کا سامان ہے۔

یہاں کئی چیزیں قابلِ غور ہیں۔ اول یہ کہ نیند کا راحت ہونا بلکہ راحت کی جان ہونا تو ہر شخص جانتا ہے مگر انسانی فطرت یہ ہے کہ روشنی میں نیند آنا مشکل ہوتا ہے اور آ بھی جائے تو جلد آنکھ کھل جاتی ہے۔ حق تعالیٰ نے نیند کے مناسب رات کو تیار کیا بھی بنایا اور ٹھنڈا بھی، سی طرح رات خود ایک نعمت ہے اور نیند دوسری نعمت، اور تیسری نعمت یہ ہے کہ سارے جہان کے انسانوں جانوروں کی نیند ایک ناکا وقت رات میں جبری کر دی۔ ورنہ اگر ہر انسان کی نیند کے اوقات دوسرے انسان سے مختلف ہوتے تو جو وقت کچھ لوگ سونا چاہتے دوسرے لوگ کاموں میں مصروف اور مشغول کا سبب بنے رہتے۔ اسی طرح جب دوسروں کے سونے کی باری آتی تو اس وقت کام کرنے والے چلنے پھرنے والے ان کی نیند میں خلل انداز ہوتے۔ اس کے علاوہ ہر انسان کی ہزاروں حاجتیں دوسرے انسانوں سے وابستہ ہوتی ہیں باہمی تعاون و تناسل اور کاموں میں بھی شدید حرج ہوتا کہ جس شخص سے آپ کو کام ہے اُس کے سونے کا وقت سمجھ اور جب اُس کے جاگنے کا وقت آئیگا تو آپ کا سونے کا وقت ہوگا۔

اگر ان مقاصد کی تکمیل کے لئے کسی بین الاقوامی معاہدہ سے کام لیا جاتا کہ لوگ اپنے سونے کا



وقت ایک ہی مقرر کر لیں، اڈل تو ایسا معاہدہ اربوں کروڑوں انسانوں میں ہونا آسان نہ تھا پھر اسپرکار بند رکھنے کے لئے ہزاروں محکمے کھولنے پڑتے اس کے باوجود عام قانونی اور معاہداتی طریقوں سے طے ہونیوالی چیزوں میں جو غفل ہر جگہ رشوت، رعایت وغیرہ کے سبب پایا جاتا ہے وہ پھر بھی باقی رہتا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنی قدرت کاملہ سے نیند کا ایک وقت جبری طور پر مقرر کر دیا ہے کہ ہر انسان اور ہر جانور کو اسی وقت نیند آتی ہے کبھی کسی ضرورت سے جاگنا بھی چاہے تو اُس کے لئے مشکل سے انتظام کر پاتا ہے۔ فَتَبَدَّلَ اللَّهُ مَا حَسَنَ الْخَالِقِينَ۔

اسی طرح وَجَعَلَ لِنَهَارٍ نَّشُوْرًا، میں دن کو نشور یعنی زندگی فرمایا کیونکہ اس کا مقابل یعنی نیند ایک قسم کی موت ہے اور اس زندگی کے وقت کو بھی سارے انسانوں میں جبری طور پر ایک کر دیا ہے ورنہ کچھ کارخانے اور دکانیں دن کو بند رہتیں، رات کو کھلتیں، اور جب وہ کھلتیں تو دوسری بند ہو جاتیں۔ اس لحاظ سے دونوں میں کاروباری مشکلات پیش آتیں۔

جس طرح رات کو نیند کے لئے مخصوص فرما کر ایک بڑا انعام حق تعالیٰ نے فرمایا اسی طرح دوسری ضروریات زندگی جو باہم اشتراک چاہتی ہیں اُن کے لئے بھی تقریبی طور پر ایسے ہی متحد اور مشترک وقت مقرر کر دیئے۔ مثلاً بھوک اور کھانے کی ضرورت صبح شام ایک امر مشترک ہے سب کو ان اوقات میں اسکی فکر ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں سب ضروریات کی فراہمی ہر ایک کے لئے آسان ہو جاتی ہیں کھانے کے ہوٹل اور دکانیں ان وقتوں میں تیار کھانے سے بھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہر گھر میں یہ وقت کھانے کی مصروفیت کے لئے متعین ہیں۔ یہ تعین کی بڑی نعمت ہے جو حق تعالیٰ ہی کی حکمت بالغہ نے فطری طور پر انسان کی طبیعت میں رکھ دی ہے۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْرًا، طہور کا لفظ عربی زبان میں مبالغہ کا صیغہ ہے۔ طہور اُس کو کہا جاتا ہے جو خود بھی پاک ہو اور دوسری چیزوں کو بھی اُس سے پاک کیا جاسکے۔ حق تعالیٰ نے پانی کو یہ خاص صفت عطا فرمائی ہے کہ جیسے وہ خود پاک ہے اُس سے دوسری ہر قسم کی نجاست حقیقی و معنوی کو بھی دُور کیا جاسکتا ہے۔ اور جس پانی کو آدمی استعمال کرتے ہیں وہ عموماً دہی ہے جو آسمان سے نازل ہوتا ہے کبھی بارش کی صورت میں کبھی برف اور اودے کی صورت میں پھر وہ ہی پانی پہاڑوں کی رگوں کے ذریعہ قدرتی پائپ لائن کی صورت میں ساری زمین پر پھیلتا ہے جو کہیں خود بخود چشموں کی صورت میں نکل کر زمین پر بہنے لگتا ہے۔ کہیں زمین کھود کر کنوئیں کی صورت میں نکالا جاتا ہے یہ سب پانی اپنی ذات سے پاک اور دوسری چیزوں کو پاک کر نیا لا ہے اس پر قرآن و سنت کی نصوص بھی ملتی ہیں اور اُمت کا اجماع بھی۔

یہ پانی جب تک کثیر مقدار میں ہو، جیسے تالاب، حوض، نہر کا پانی اس میں کوئی نجاست بھی گر جائے



تو ناپاک نہیں ہوتا اس پر بھی سب کا اتفاق ہے بشرطیکہ پانی میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو اور اسکا رنگ ذائقہ، بو متغیر نہ ہو، لیکن تھوڑا پانی ہوا یا اس میں نجاست گر جائے تو اسکا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے اسی طرح پانی کی کثیر و قلیل کی مقدار معین کرنے میں اقوال مختلف ہیں تفسیر مظہری اور قرطبی میں ابجگہ پانی سے متعلق تمام مسائل تفصیل کیساتھ لکھے ہیں اور یہ مسائل عام کتب فقہ میں بھی مذکور ہیں اس لئے یہاں نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

وَلُسِقِيَّةٌ وَمِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَا سَيِّدٌ لِّكُلِّ شَيْءٍ، اناسی، انسی کی جمع ہے اور بعض نے فرمایا کہ انسان کی جمع ہے۔ آیت میں یہ بتلایا ہے کہ آسمان سے نازل کردہ پانی سے اللہ تعالیٰ زمین کو بھی سیراب کرتا ہے اور جانوروں کو بھی اور بہت سے انسانوں کو بھی۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ جس طرح جانور سب کے سب اس پانی سے سیراب ہوتے ہیں اسی طرح انسان بھی بھی اس پانی سے فائدہ اٹھاتے اور سیراب ہوتے ہیں پھر انہیں یہ تخصیص کہ بہت سے انسانوں کو سیراب کیا اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ بہت سے انسان اس سیرابی سے محروم اور الگ ہیں۔ جواب یہ ہے کہ یہاں بہت سے انسانوں سے وہ جنگل کے رہنے والے لوگ مراد ہیں جنکا عموماً گزارہ بارش کے پانی پر ہوتا ہے۔ شہری آبادی والے تو نہروں کے کناروں پر کنوؤں کے قریب آباد ہوتے ہیں بارش کے منتظر نہیں رہتے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمَا ۖ مَطْلَبُ آيَةٍ كَايَهِ ۚ ہے کہ بارش کو ہم بدلتے اور پھیرتے رہتے ہیں کبھی ایک شہر میں کبھی دوسرے میں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ جو لوگوں میں شہرت ہوتی ہے کہ اس سال بارش زیادہ ہے اس سال کم ہے یہ حقیقت کے اعتبار سے صحیح نہیں بلکہ بارش کا پانی تو ہر سال اللہ تعالیٰ کی طرف سے یکساں نازل ہوتا ہے البتہ بحکم الہی یہ ہوتا رہتا ہے کہ اس کی مقدار کسی شہر بستی میں زیادہ کر دی کسی میں کم کر دی۔ بعض اوقات کمی کر کے کسی بستی کے لوگوں کو سزا دینا اور مقننہ کرنا ہوتا ہے اور بعض اوقات زیادتی بھی عذاب بن جاتی ہے۔ تو یہی پانی جو خالص رحمت ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور نافرمانی کرتے ہیں اُن کے لئے اسی کو عذاب اور سزا بنادیا جاتا ہے۔

جہاد بالقرآن یعنی قرآن کی دعوت کو پھیلانا جہاد کبیر ہے

وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا، یہ آیت مکی ہے جبکہ احکام کفار سے قتال و جنگ کے نازل نہیں ہوئے تھے اسی لئے یہاں جہاد کو بہ کے ساتھ مقید کیا گیا۔ بہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے معنی آیت کے یہ ہیں کہ قرآن کے ذریعہ مخالفین اسلام سے جہاد کرو بڑا جہاد قرآن کے ذریعہ اس جہاد کا حاصل اسکے احکام کی تبلیغ اور خلق خدا کو اس کی طرف توجہ دینے کی ہر کوشش ہے خواہ زبان سے ہو یا قلم سے یا دوسرے طریقوں سے اس سب کو یہاں جہاد کبیر فرمایا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُسَاتٌ وَهَذَا امِلْحٌ اِجْتَاخٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّجْجُورًا، لفظ مَرَج آزاد چسور دینے کے معنے میں آتا ہے اسی وجہ سے مَرَج پر آگاہ



کو کہتے ہیں جہاں جانور آزادی سے چلیں پھریں اور چریں۔ عَذْبٌ مِثْطٌ پانی کو کہا جاتا ہے۔ فُراتٌ خوش ذائقہ اور خوشگوار و مِلْحٌ نمکین اَلْجَحَاجِ تیز و تلخ۔

حق تعالیٰ نے اپنے فضل اور حکمت بالغہ سے دنیا میں دو طرح کے دریا پیدا فرمائے ہیں۔ ایک سب سے بڑا بحر محیط جس کو سمندر کہتے ہیں اور زمین کے سب اطراف اس میں گھرے ہوئے ہیں ایک چوتھائی کے قریب حصہ ہے جو اس سے کھلا ہوا ہے اس میں ساری دنیا آباد ہے۔ یہ سب سے بڑا دریا بتقاضائے حکمت سخت نمکین تلخ اور بد مزہ ہے۔ زمین کے آباد حصے پر آسمان سے اتارے ہوئے پانی کے چشمے، ندیاں نہریں اور بڑے بڑے دریا ہیں یہ سب میٹھے خوشگوار اور خوش ذائقہ ہیں۔ انسان کو اپنے پینے اور پیاس بجھانے اور روزمرہ کے استعمال میں ایسے ہی شیریں پانی کی ضرورت ہے جو حق تعالیٰ نے زمین کے آباد حصہ میں مختلف صورتوں میں مہیا فرما دیا ہے۔ لیکن بحر محیط سمندر اگر میٹھا ہوتا تو میٹھے پانی کا خاصہ ہے کہ بہت جلد سٹرجاتا ہے۔ خصوصاً سمندر جس میں خشکی کی آبادی سے زیادہ دریائی انسانوں جانوروں کی آبادی بھی ہے جو اس میں مرتے ہیں وہیں سڑتے اور مٹی ہو جاتے ہیں اور پوری زمین کے پانی اور اُس میں بہنے والی ساری گندگیاں بھی بالآخر سمندر میں جا کر پڑتی ہیں۔ اگر یہ پانی میٹھا ہوتا تو دو چار دن میں ہی سڑ جاتا اور یہ سڑتا تو اس کی بدبو سے زمین والوں کو زمین پر رہنا مصیبت ہو جاتا۔ اس لئے حکمت خداوندی نے اس کو اتنا سخت نمکین اور کڑوا اور تیز بنا دیا کہ دنیا بھر کی گندگیاں اس میں جا کر بھسم ہو جاتی ہیں اور خود اس میں رہنے والی مخلوق بھی جو اسی میں مرقی ہے وہ بھی سڑنے نہیں پاتی۔

آیت مذکورہ میں ایک تو اس انعام و احسان کا ذکر ہے کہ انسان کی ضرورت کا لحاظ فرما کر دو قسم کے دریا پیدا فرمائے۔ دوسرے اس قدرت کاملہ کا کہ جس جگہ میٹھے پانی کا دریا یا نہر سمندر میں جا کر گرتے ہیں اور میٹھا اور کڑوا دونوں پانی یکجا ہو جاتے ہیں وہاں یہ مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ دونوں پانی سیلوں ڈور تک اس طرح ساتھ لگے ہوئے چلتے ہیں کہ ایک طرف میٹھا، دوسری طرف کڑوا اور ایک دوسرے سے نہیں ملتے، حالانکہ ان دونوں کے درمیان کوئی آڑ حائل نہیں ہوتی۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا، نسب اس رشتہ اور قرابت کو کہا جاتا ہے جو باپ یا ماں کی طرف سے ہو، اور صہرہ رشتہ و تعلق ہے جو بیوی کی طرف سے ہو جس کو عرف میں سُسرال بولتے ہیں۔ یہ سب تعلقات اور قرابتیں اللہ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں جو انسان کی خوشگوار زندگی کے لئے لازمی ہیں، اکیلا آدمی کوئی کام بھی نہیں کر سکتا۔

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا، یعنی تمہیں ایمان کی دعوت اور اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے اور دنیا و آخرت میں تمہارے لئے فلاح کی کوشش کرنے میں میرا کوئی دنیوی فائدہ نہیں۔ میں اپنی اس محنت کا تم سے کوئی اجر و معاوضہ



نہیں مانگتا، میرا فائدہ اسکے سوا نہیں کہ جسکا جی چاہے اللہ کا راستہ اختیار کر لے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی شخص راہ پر آجائے تو فائدہ اُسی کا ہے اس کو اپنا فائدہ قرار دینا پیغمبرانہ شفقت کی طرف اشارہ کہ میں تمہارے فائدہ ہی کو اپنا فائدہ سمجھتا ہوں۔ یہ ایسا ہے جیسے کوئی بوڑھا ضعیف باپ اولاد کو کہے کہ تم کھاؤ پیو اور خوش رہو، یہی میرا کھانا پینا اور خوش رہنا ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کو اپنا فائدہ اس لحاظ سے فرمایا ہو کہ اس کا ثواب آپ کو ملے گا جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ جو شخص کسی کو نیک کاموں کی ہدایت کرتا ہے اور وہ اسکے کہنے کے مطابق نیک عمل کرے تو اسکے عمل کا ثواب خود کرنے والے کو بھی پورا پورے ملے گا اور اتنا ہی ثواب ہدایت کرنے والے شخص کو بھی ملے گا۔ (مظہری)

فَسَلِّ بِمِ حَیْثُ شِئْتَ، یعنی آسمانوں زمینوں کو پیدا کرنا پھر اپنی شان کے مطابق اُن پر جلوہ افروز ہونا سب اللہ رحمن کا کام ہے اس کی تصدیق و تحقیق مطلوب ہو تو کسی باخبر سے پوچھئے۔ باخبر سے مراد حق تعالیٰ یا جبریل امین ہیں اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد کتب سابقہ کے علماء ہوں جن کو اپنے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ اس معاملہ کی اطلاع ملی ہے۔ (مظہری)

قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ لَفْظٌ عَرَبِيٌّ زَبَانُ كَالْفَرْسِ اس کے معنی سب عرب جانتے تھے مگر یہ لفظ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے نہ بولنے تھے اسی لئے یہاں یہ سوال کیا کہ رحمن کون اور کیا ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا ۝ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنۢ ارَادَ اَنْ يَّكْفُرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ۝

مقصود ان آیات سے انسان کو یہ بتلانا ہے کہ ہم نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے اور شمس و قمر اور ان کے ذریعہ رات دن کا انقلاب اور انکی تاریکی اور روشنی اور زمین و آسمان کی تمام کائنات اسلئے پیدا کئے ہیں کہ غور و فکر کریں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور توحید کے دلائل فراہم ہوں۔ اور شکر گزار کے لئے شکر کے مواقع ملیں تو جس شخص کا وقت دنیا میں ان دونوں چیزوں سے خالی گزر گیا اس کا وقت ضائع ہو گیا اور اس کا اس المال بھی فنا ہو گیا اللہم اجعلنا من الذاکرین الشاکرین۔

ابن عربی فرماتے ہیں کہ میں نے شہید اکبر سے سنا ہے کہ بڑے غبن اور خسارہ میں ہے وہ آدمی جسکی عمر ساٹھ سال ہوئی۔ اس میں سے آدھا وقت تیس سال رات کو سونے میں گزر گئے اور چھٹا حصہ یعنی دس سال دن کو آرام کرنے میں گزر گیا تو ساٹھ میں سے صرف بیس سال کام میں گئے۔ قرآن حکیم نے اس جگہ بڑے بڑے ستاروں اور سیاروں اور فلکیات کا ذکر کرنے کے بعد یہ بھی بتلادیا کہ قرآن ان چیزوں کا ذکر بار بار اسلئے کرتا ہے کہ تم ان کی تخلیق اور ان کی حرکات اُن سے پیدا ہونے والے آثار میں غور کر کے اُن کے پیدا کرنے والے اور چلانے والے کو پہچانو اور شکر گزاری کیساتھ اُسے یاد کرتے رہو۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ اجرام سماویہ اور فلکیات کی حقیقت اور ہیئت کیا ہے یہ آسمانوں کے جرم کے اندر سمائے ہوئے ہیں یا اُن سے باہر کی فضائی آسمانی ہیں۔ انسان کے معاش یا معاد کا کوئی مسئلہ اس سے وابستہ نہیں اور ان کی حقیقت کا معلوم کرنا انسان کے



لئے آسان بھی نہیں۔ جن لوگوں نے اپنی عمریں اس کام میں صرف کی ہیں انکے اقرار سے ثابت ہے کہ وہ بھی کوئی قطعی اور آخری فیصلہ نہیں کر سکے اور جو فیصلے کئے وہ بھی خود دوسرے حکماء کی مخالف تحقیقات نے مخدوش و مجروح کر دیئے، اس لئے تفسیر قرآن میں اس سے زیادہ کسی بحث میں پڑنا بھی کوئی قرآن کی ضروری خدمت نہیں۔ لیکن اس زمانے کے ماہرین سائنس نے مصنوعی سیارات اڑانے اور چاند تک پہنچ جانے اور وہاں کی مٹی پتھر، غاروں، پہاڑوں کے نوٹو فراہم کرنے میں بلاشبہ حیرت انگیز کارنامے انجام دیئے مگر افسوس ہے کہ قرآن حکیم ان چیزوں سے انسان کو جس حقیقت شناسی کا سبق دینا چاہتا ہے یہ لوگ اپنی تحقیقی کاوشوں کے غرور میں مست ہو کر اس سے اور زیادہ دور ہو گئے اور عام لوگوں کے ذہنوں کو بھی بڑی طرح الجھا دیا، کوئی ان چیزوں کو قرآن کے خلاف سمجھ کر مشاہدات کا ہی انکار کر دیتا ہے کوئی قرآن کریم میں تاویلات کرنے لگتا ہے اسلئے ضروری معلوم ہوا کہ بقدر ضرورت تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کو واضح کر دیا جائے۔ سورہ حجر کی آیت وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا کے تحت اسکا وعدہ بھی کیا گیا تھا کہ سُورَةُ الْفُرْقَانِ میں اسکی تفصیل لکھی جاوے گی وہ حسب ذیل ہے وَاللَّهُ الْمَوْفِقُ

ستارے اور سیارے آسمانوں کے اندر ہیں یا باہر | جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا کے الفاظ سے بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے قدیم و جدید علم ہیئت کے نظریات اور قرآن کریم کے ارشادات فی ظرفیت کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ اسی طرح سُورَةُ نُوحٍ میں ہے الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ طِبَاقًا وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا اس میں فیکھن کی ضمیر سبع سموات کی طرف راجع ہے جس سے ظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ چاند آسمانوں کے اندر ہے۔ لیکن یہاں دو باتیں قابل غور ہیں۔ اول تو یہ کہ قرآن کریم میں لفظ سماء جس طرح اس عظیم الشان اور دہم و گمان سے زائد وسعت رکھنے والی مخلوق کے لئے استعمال ہوتا ہے جس میں قرآن کی تصریحات کے مطابق دروازے ہیں اور دروازوں پر فرشتوں کے پہرے ہیں جو خاص خاص اوقات میں کھولے جاتے ہیں اور جن کی تعداد قرآن کریم نے سات بتلائی ہے اسی طرح یہ لفظ سماء ہر بلند چیز جو آسمان کی طرف ہو اس پر بھی بولا جاتا ہے۔ آسمان زمین کے درمیان کی فضا اور اس سے آگے جس کو آجکل کی اصطلاح میں خلا بولتے ہیں یہ سب دوسرے معنی کے اعتبار سے لفظ سماء کے مفہوم میں داخل ہیں۔ وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا اور اسی طرح کی دوسری آیتیں جن میں آسمان سے پانی برسانے کا ذکر ہے ان کو اکثر مفسرین نے اسی دوسرے معنی پر محمول فرمایا ہے کیونکہ عام مشاہدات سے بھی یہ ثابت ہے کہ بارش ان بادلوں سے برسی ہے جو آسمان کی بلندی سے کوئی نسبت نہیں رکھتے اور خود قرآن کریم نے بھی دوسری آیات میں بادلوں کو پانی برسانے کی تصریح فرمائی ہے ارشاد ہے أَنزَلْنَا مَوْدِيَّاتٍ مِّنَ الْمُنِزِلِ أَمْ تَحْسِبُ الْمُنِزِلَ نَارًا اس میں مزن، مزنہ کی جمع ہے جس کے معنی سفید بادل کے آتے ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ کیا بارش کو سفید بادلوں



سے تم نے اُتارا ہے یا ہم نے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا، اس میں معصرات کے معنی پانی سے بھرے ہوئے بادل ہیں اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ ہم نے ہی پانی بھرے بادلوں سے کثرت سے پانی برسایا۔ قرآن مجید کی ان واضح تصریحات اور عام مشاہدات کی بناء پر جن آیات قرآن میں بارش کا آسمان سے برسانا مذکور ہے اُن میں بھی اکثر مفسرین نے لفظ سماء کے یہی دوسرے معنی لئے ہیں یعنی فضا را آسمانی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب قرآن کریم اور لغت کی تصریحات یکمطابق لفظ سماء فضائے آسمانی کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور خود جرم آسمان کیلئے بھی۔ تو ایسی صورتیں جن آیات میں کواکب اور سیارات کیلئے فی السما کے لفظ استعمال ہوا ہے اُنکے مفہوم میں دونوں احتمال موجود ہیں کہ یہ کواکب اور ستارے جرم آسمان کے اندر ہوں یا فضائے آسمانی میں آسمانوں کے نیچے ہوں۔ اور دو احتمالوں کے ہوتے ہوئے کوئی قطعی فیصلہ قرآن کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن نے ستاروں اور سیاروں کو آسمان کے اندر قرار دیا ہے یا اُن سے باہر فضائے آسمانی میں۔ بلکہ الفاظ قرآن کے اعتبار سے دونوں صورتیں ممکن ہیں۔ کائنات کی تحقیقات اور تجربے اور مشاہدے سے جو صورت بھی ثابت ہو جائے قرآن کی کوئی تصریح اسکے منافی نہیں ہے۔

**حقائق کونیہ اور قرآن** | یہاں ایک بات اصولی طور پر سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن کریم کوئی فلسفہ یا ہیئت کی کتاب نہیں جسکا موضوع بحث حقائق کائنات یا آسمانوں اور ستاروں کی ہیئت و حرکات وغیرہ کا بیان ہو مگر اسکے ساتھ ہی وہ آسمان و زمین اور اُنکے درمیان کی کائنات کا ذکر بار بار کرتا ہے اُنہیں غور و فکر کی طرف دعوت بھی دیتا ہے۔ قرآن کریم کی ان تمام آیات میں غور کرنے سے واضح طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآن عزیز ان حقائق کونیہ کے متعلق انسان کو صرف وہ چیزیں بتلانا چاہتا ہے جن کا تعلق اسکے عقیدے اور نظریے کی درستی سے ہو یا اسکے دینی اور دنیوی منافع اُن سے متعلق ہوں۔ مثلاً قرآن کریم نے آسمان زمین اور ستاروں، سیاروں کا اور اُن کی حرکات اور حرکات سے پیدا ہونے والے آثار کا ذکر بار بار ایک لمحے اس مقصد سے کیا ہے کہ انسان ان کی عجیب و غریب صنعت اور مافوق العادت آثار کو دیکھ کر یہ یقین کرے کہ یہ چیزیں خود بخود پیدا نہیں ہو گئیں ان کو پیدا کرنے والا کوئی سب سے بڑا حکیم سب سے بڑا علیم اور سب سے بڑا صاحب قدرت و قوت ہے۔ اور اس یقین کے لئے ہرگز اس کی ضرورت نہیں کہ آسمانوں کی اور فضائی مخلوقات اور ستاروں، سیاروں کے مادے کی حقیقت اور اُن کی اصلی ہیئت و صورت اور اُن کے پورے نظام کی پوری کیفیت اس کو معلوم ہو بلکہ اسکے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے جسکو ہر شخص مشاہدہ سے دیکھتا اور سمجھتا ہے کہ شمس و قمر اور دوسرے ستاروں کے کبھی سامنے آنے اور کبھی غائب ہو جانے سے نیز چاند کے گھٹنے بڑھنے سے اور رات دن کے انقلاب کے پھر مختلف موسموں اور مختلف خطوں میں دن رات کے گھٹنے بڑھنے کے عجیب و غریب نظام سے جس میں ہزاروں سال کے کبھی ایک منٹ ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آتا، ان سب امور سے



ایک ادنیٰ عقل و بصیرت رکھنے والا انسان یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ سب کچھ حکیمانہ نظام یوں ہی خود بخود نہیں چل رہا کوئی اسکو بنانے چلانے والا اور باقی رکھنے والا ہے اور اتنا سمجھنے کے لئے انسان کو نہ کسی فلسفی تحقیق اور آلات رصدیہ وغیرہ کی حاجت پڑتی ہے نہ قرآن نے اسکی طرف دعوت دی۔ قرآن کی دعو صرف اُسی حد تک ان چیزوں میں غور و فکر کی ہے جو عام مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے آلات رصدیہ بنانے یا مہتیا کرنے اور اجرام سماویہ کی ہستیں دریافت کرنیکا مطلقاً کوئی اہتمام نہیں فرمایا۔ اگر ان آیات کونیہ میں تدبر اور غور و فکر کا یہ مطلب ہوتا کہ انکے حقائق اور ہیئات اور ان کی حرکات کا فلسفہ معلوم کیا جائے تو یہ ناممکن تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکا اہتمام نہ فرماتے، خصوصاً جبکہ ان فنون کا رواج اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ دنیا میں اُس وقت موجود بھی تھا۔ مصر، شام، ہند، چین وغیرہ میں ان فنون کے جاننے والے اور ان پر کام کرنے والے موجود تھے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے پانچ سو سال پہلے فیثا غورس کا اور اُسکے کچھ بعد بطلمیوس کا نظریہ دنیا میں شائع اور رائج ہو چکا تھا اور اُس زمانے کے حالات کے مناسب آلات رصدیہ وغیرہ ایجاد بھی ہو چکے تھے مگر جس ذاتِ قدسی پر یہ آیات نازل ہوئیں اور جن صحابہ کرام نے بلا واسطہ آپ سے ان کو بڑھا اُنھوں نے کبھی اس طرف التفات تک نہیں فرمایا۔ اس سے قطعی طور پر معلوم ہوا کہ ان آیات کونیہ میں تدبر اور غور و فکر کا وہ منشاء ہرگز نہ تھا جو آجکل کے بعض تجدید پسند علمائے یورپ اور اُس کی تحقیقات سے متاثر ہو کر اختیار کیا ہے کہ خلائی سفر، چاند اور مریخ وزہرہ پر کمندیں بھیکنے کی مساعی قرآن کریم کے تقاضے کو پورا کرنا ہے۔

بس صحیح بات یہ ہے کہ قرآن کریم نہ ان فلسفی اور سائنسی تحقیقات قدیمیہ یا جدیدہ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے نہ اُن سے بحث کرتا ہے اور نہ اُن کی مخالفت کرتا ہے۔ قرآن کریم کا حکیمانہ اصول اسلوب کائنات و مخلوقات سے متعلقہ تمام فنون کے بارے میں یہی ہے کہ وہ ہر فن کی چیزوں سے صرف اُسی قدر لیتا اور بیان کرتا ہے جس قدر انسان کی دینی یا دنیوی ضرورت سے متعلق ہے اور جس کو انسان آسانی سے حاصل بھی کر سکتا ہے اور جس کے حصول پر تخمیناً اس کو اطمینان بھی ہو سکتا ہے۔ فلسفیانہ دوراز کا بحثوں سے اور ایسی تحقیقات سے جو عام انسانوں کے قابو سے باہر ہیں اور جن کو کچھ حاصل کر لینے کے بعد بھی قطعی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ہی صحیح ہیں بلکہ حیرانی اور شکوک بڑھتے ہیں، ایسی بحثوں میں انسان کو نہیں الجھاتا۔ کیونکہ قرآن کی نظر میں انسان کی منزل مقصود ان تمام زمینی اور آسمانی کائنات و مخلوقات سے آگے اپنے خالق کی مرضیات پر چل کر جنت کی دائمی نعمتوں اور راحتوں کو حاصل کرنا ہے۔ حقائق کائنات کی بحث نہ اس کے لئے ضروری ہے اور نہ اس پر پورا عبور انسان کے بس میں ہے۔ ہر زمانے کے فلاسفوں اور ماہرینِ فلکیات کے نظریات میں شدید اختلافات اور رد و زمرہ کے نئے



اکتشافات اس کی واضح دلیل ہیں کہ کسی نظریہ اور تحقیق کو یقینی اور آخری نہیں کہا جاسکتا۔ انسانی ضرورت سے متعلقہ تمام فنون، فلکیات، کائنات فضاء، ابر و باران، خلا، طبقات الارض، پھر زمین پر پیدا ہونے والی مخلوقات، جمادات، نباتات، حیوانات سے اور عام انسان اور انسانی علوم و فنون، تجارت، زراعت صنعت وغیرہ ان سب میں قرآن حکیم صرف اُن کی رُوح اور مشاہداتی حصہ کو اس قدر لیتا ہے جس سے انسان کی دینی یا دنیوی ضرورت متعلق ہے، دور از کار تحقیقات کی دلدل میں انسان کو نہیں پھنساتا البتہ کہیں کہیں کسی خاص مسئلے کی طرف اشارہ یا صراحت بھی پائی جاتی ہے۔

تفسیر قرآن میں فلسفی نظریات کی موافقت یا مخالفت کا صحیح معیار قرآن کریم سے یقینی طور پر ثابت ہے۔ اگر کوئی قدیم یا جدید نظریہ اُس سے مختلف ہو تو اس کی وجہ سے قرآنی آیات میں کھینچ تان اور تاویل جائز نہیں، اس نظریہ ہی کو مغالطہ قرار دیا جائے گا، البتہ جن مسائل میں قرآن کریم کی کوئی تصریح موجود نہیں الفاظ قرآنی میں دونوں معنی کی گنجائش ہے وہاں اگر مشاہدات اور تجربے سے کسی ایک نظریہ کو قوت حاصل ہو جائے تو آیت قرآن کو بھی اُسی معنی پر محمول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جیسے اسی آیت جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا میں ہے کہ قرآن کریم نے اس بارہ میں کوئی واضح فیصلہ نہیں دیا کہ ستارے آسمان کے اندر ہیں یا باہر فضاء آسمانی میں ہیں۔ سبکل جبکہ خلائی تجربات نے یہ ثابت کر دیا کہ ان سیارات تک پہنچا جاسکتا ہے تو اس سے فیثاغوری نظریہ کی تائید ہو گئی کہ ستارے آسمانوں میں پیوست نہیں کیونکہ قرآن کریم اور احادیث صریحہ کی تصریحات کی رُوسے آسمان ایک ایسا حصار ہے جس میں دروازے ہیں اور دروازوں پر فرشتوں کا پہرہ ہے اُن میں ہر شخص داخل نہیں ہو سکتا۔ اس مشاہدے اور تجربے کی بناء پر آیت مذکورہ کا یہ مفہوم قرار دیا جائیگا کہ کعب کو فضاء آسمانی میں پیدا کیا گیا ہے اور یہ کوئی تاویل نہیں بلکہ دو مفہوم میں سے ایک کی تفسیر ہے۔ لیکن اگر کوئی سرے سے آسمانوں کے وجود کا انکار کرے جیسے بعض ہیئت جدید دالے کہتے ہیں یا کوئی یہ دعویٰ کرے کہ راکٹوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ آسمانوں کے اندر داخل ہو سکتا ہے تو از روئے قرآن اُس دعوے کو غلط قرار دیا جائے گا کیونکہ قرآن کریم نے متعدد آیات میں یہ بات واضح طور پر بتلائی ہے کہ آسمانوں میں دروازے ہیں اور وہ دروازے خاص خاص حالات میں کھولے جاتے ہیں ان دروازوں پر فرشتوں کا پہرہ مسلط ہے۔ آسمانوں میں داخل ہر شخص کا جب چاہے نہیں ہو سکتا، اس دعوے کی وجہ سے اُن آیات میں کوئی تاویل نہیں کی جائیگی اور اس دعوے کو غلط قرار دیا جائے گا۔

اسی طرح جبکہ قرآن کریم کی آیت كُلُّ شَيْءٍ فَلَئِنْ يَسْتَعْجِلُوْنَ سے ستاروں کا حرکت کرنا ثابت ہے تو اس معاملہ میں بطلمیوسی نظریہ کو غلط قرار دیا جائیگا جس کی رُوسے ستارے آسمان کے جرم میں پیوست ہیں وہ خود حرکت نہیں کرتے بلکہ آسمان کی حرکت کے تابع اُن کی حرکت ہوتی ہے۔



اس سے معلوم ہوا کہ قدیم مفسرین میں سے بعض لوگ جو فلکیات کے متعلق بطلیوسی نظریے کے معتقد تھے انہوں نے اُن آیات قرآنی میں تاویلات سے کام لیا جن سے بطلیوسی نظریہ کیخلاف کوئی چیز سمجھی جاتی تھی۔ اسی طرح آج کے بعض مصنفین جن آیات کو جدید ہیئت کے نظریات سے مختلف سمجھتے ہیں انہیں تاویلات کر کے اُسکے مطابق بنانے کی فکر کرتے ہیں یہ دونوں صورتیں درست نہیں سلف صالحین کے طریقہ کیخلاف اور قابل تردید ہے۔ البتہ واقعہ یہی ہے کہ اس وقت تک ہیئت جدید نے جو نئی تحقیقات پیش کی ہیں اُن میں آسمانوں کے انکار کے سوا کوئی بھی قرآن و سنت کیخلاف نہیں، بعض لوگ اپنے قصور علم سے اُن کو قرآن یا سنت کیخلاف سمجھ کر تاویلات کے درپے ہو جاتے ہیں۔

زمانہ حال کے سب سے بڑے مفسر قرآن سید محمود آلوسی بغدادی جن کی تفسیر روح المعانی علماء سلف کی تفاسیر کا بہترین خلاصہ اور عربی عجم مشرق و مغرب میں مقبول و مستند تفسیر ہے۔ موصوف حسب طرح قرآن و سنت کے متبحر عالم ہیں اسی طرح فلسفہ و ہیئت قدیم و جدید کے بھی بڑے عالم ہیں۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں تحقیقات فلسفہ کے متعلق یہی اصول قرار دیا ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے اور اُن کے پوتے علامہ سید محمود شکری آلوسی نے ان مسائل پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے فادل علیہ القلائم ص ۱۵۵ الہیئة الجدیدة القویمة البرہان، جس میں ہیئت جدیدہ کے نظریات کی تائید قرآن کریم کی روشنی میں کی گئی ہے مگر دوسرے تجدید پسند علماء کی طرح قرآنی آیات میں کسی قسم کی تاویل کو روا نہیں رکھا۔ اُن کے چند جملے اس جگہ نقل کر دینا کافی ہیں جو ہیئت جدیدہ کی تائید میں لکھے ہیں وہ فرماتے ہیں:

رایت کثیراً من قواعدھا لا یعارض	میں نے ہیئت جدیدہ کے بہت سے قواعد کو
النصوص الواردة فی الكتاب والسنة	دیکھا ہے وہ قرآن و سنت کی نصوص کیخلاف
علی اھا لو خالفت شیئاً من ذلک لو	نہیں۔ اور اس کے باوجود اگر وہ قرآن و سنت کی
یلتفت الیہا ولو نزل النصوص کلھا	کسی نص کیخلاف ہو تو ہم اسکی طرف رخ نہ کریں گے
والتاویل فیہا لیس من مذاہب السلف	اور قرآن و سنت کی نصوص میں اس کی وجہ سے
الحریة بالقبول بل لا بد ان نقول	تاویل نہ کریں گے کیونکہ ایسی تاویل سلف صالحین
ان المخالف لہا مشتمل علی خلل فیہ	کے مذہب مقبول میں نہیں ہے بلکہ ہم اس وقت یہ
فان العقل القریح لا یخالف النقل	کہیں گے کہ جو نظریہ قرآن و سنت کیخلاف ہے اس میں
التحجیح بل کل منہما یصدق الآخر	ہی کوئی خلل ہے کیونکہ عقل سلیم اور نقل صحیح میں کبھی
و یؤیدہ (مادل علیہ القرآن)	اختلاف نہیں ہوتا بلکہ ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فلکیات اور ستاروں، سیاروں کی حرکات اور ہیئیات کے متعلق بحث و تحقیق کوئی نیا فن نہیں، ہزاروں سال پہلے سے ان مسائل پر تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے۔ مصر، شام، ہند



چین وغیرہ میں ان فنون کا چرچا قدیم زمانہ سے چلا آ رہا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام پانچ سو سال پہلے اس فن کا بڑا معلم فیثاغورس گزرا ہے جو اطلالیہ کے مدرسہ کرد تو نامیں باقاعدہ اس کی تعلیم دیتا تھا، اس کے بعد سیلا دیسح علیہ السلام سے تقریباً ایک سو چالیس سال پہلے اس فن کا دوسرا محقق بطلیموس رومی آیا اور اسی زمانے میں ایک دیکھے فلاسفہ ہیروکس کی شہرت ہوئی جسے زاویے ناپنے کے آلات ایجاد کئے۔

فیثاغورس اور بطلیموس کے نظریات ہیئت افلاک کے متعلق بالکل ایک دوسرے سے متضاد تھے۔ بطلیموس کو اپنے زمانے کی حکومت اور عوام کا تعاون حاصل ہوا۔ اس کا نظریہ اتنا پھیلا کہ فیثاغورس کا نظریہ گوشہ گمنامی میں جا پڑا۔ اور جب یونانی فلسفہ کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا تو یہی بطلیموس کا نظریہ ان کتابوں میں منتقل ہوا اور اہل علم میں عام طور سے یہی نظریہ جانا پہچانا گیا۔ بہت سے مفسرین نے آیات قرآنیہ کی تفسیر میں بھی یہی نظریہ سامنے رکھ کر کلام کیا۔ گیارہویں صدی ہجری اور پندرہویں صدی عیسوی جبیں اقوام یورپ کی ترقی کا آغاز ہوا اور یورپین محققین نے ان مسائل پر کام کرنا شروع کیا جن میں سب سے پہلے کوپرنک پھر جرمینی مین کیلر اور اطلالیہ میں گلیلیو وغیرہ کے نام آتے ہیں انھوں نے ازسرنو ان مباحث کا جائزہ لیا، یہ سب اس پر متفق ہو گئے کہ ہیئت افلاک کے متعلق بطلیموسی نظریہ غلط اور فیثاغورس کا نظریہ صحیح ہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی اور تیرہویں صدی ہجری میں اسحق نیوٹن کی شہرت ہوئی۔ اس کی تحقیقات و ایجادات نے اس کو مزید تقویت پہنچائی۔ اس نے یہ تحقیق کی کہ وزنی چیزیں اگر ہوا میں چھوڑی جائیں تو ان کے زمین پر آگرنے کا سبب وہ نہیں جو بطلیموسی نظریہ میں بتلایا گیا ہے کہ زمین کے وسط میں مرکز عالم ہے اور تمام وزنی چیزیں مرکز کی طرف فطرۃً رجوع کرتی ہیں بلکہ اُسے بتلایا کہ جتنے ستارے اور سیارات ہیں سب میں ایک جذب کشش کا مادہ ہے زمین بھی اسی طرح کا ایک ستارہ ہے اس میں بھی کشش ہے جس حد تک زمین کی کشش کا اثر رہتا ہے وہاں سے ہر وزنی چیز زمین پر آدگی لیکن اگر کوئی چیز اس کی کشش کے دائرہ سے باہر نکل جائے تو وہ پھر نیچے نہیں آئے گی۔

حال میں روسی اور امریکی ماہرین نے قدیم اسلامی فلاسفر ابوریحان بیرونی کی تحقیقات کی امداد سے راکٹ وغیرہ ایجاد کر کے اس کا عملی تجربہ اور مشاہدہ کر لیا کہ راکٹ جب اپنی شدید قوت اور تیز رفتاری کے سبب زمین کی کشش کو توڑ کر اسکے دائرہ سے باہر نکل گیا تو پھر یہ نیچے نہیں آتا بلکہ ایک مصنوعی سیارے کی صورت اختیار کر لیتا اور اپنے مدار پر چکر لگاتا ہے۔ پھر ان مصنوعی سیاروں کا تجربہ کرتے کرتے اسکے ماہرین سیارات تک پہنچنے کی تدبیریں شروع کیں اور بالآخر چاند پر پہنچ گئے جس کی تصدیق اس زمانے کے تمام ماہرین فن موافق و مخالف نے کی اور اب تک چاند پر بار بار جانے، وہاں کے پتھر، خاک وغیرہ لانے اور اسکے فوٹو مہیا کرنا سلسلہ جاری ہے۔ دوسرے سیارات تک



پہنچنے کی بھی کوششیں ہو رہی ہیں اور خلا فوری خلا پیمائی کی مشقیں جاری ہیں۔  
ان میں سے امریکن خلا فورد جان گلین جو کامیابی کے ساتھ خلا کا سفر کر کے واپس آیا اور اس کی کامیابی پر اس کے موافق و مخالف سبھی نے اعتماد کیا، اس کا ایک بیان امریکہ کے مشہور ماہنامہ سٹیٹ رزٹابلیشمنٹ میں اور اس کا اردو ترجمہ امریکہ کے اردو ماہنامہ سٹیٹسین میں مفصل شائع ہوا ہے یہاں اس کے اہم اقتباسات ماہنامہ سیرین سے نقل کئے جاتے ہیں جن سے ہمارے زیر بحث مسئلہ پر کافی روشنی پڑتی ہے جان گلین نے اپنے طویل مقالہ میں خلا کے عجائب کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

”یہی وہ ایک واحد شئی ہے جو خلا میں خدا کے وجود پر دلالت کرتی ہے، اور یہ کہ کوئی طاقت ہے جو ان سب کو مرکز و محور سے وابستہ رکھتی ہے۔“

آگے لکھا ہے کہ:

”اس کے باوجود خلا میں پہلے ہی سے جو عمل جاری ہے اس کو دیکھتے ہوئے ہماری کوششیں انتہائی حقیر ہیں۔ سائنسی اصطلاحات و پیمائشوں میں خلائی پیمائش ناممکن ہے۔“

آگے ہوائی جہاز کی مشینی قوت کا تذکرہ کر کے لکھا ہے کہ:

”لیکن ایک یقینی اور غیر محسوس قوت کے بغیر اس کا استعمال بھی محدود اور بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے! سوائے کہ جہاز کو اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے تعین رُخ کی حاجت ہوتی ہے اور یہ کام قطب نما سے لیا جاتا ہے۔ وہ قوت جو قطب نما کو متحرک رکھتی ہے ہمارے تمام حواس خمسہ کے لئے ایک کھلا چیلنج ہے اسے نہ ہم دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں نہ چکھ سکتے ہیں نہ سونگھ سکتے ہیں حالانکہ نتائج کا ظہور اس پر واضح دلالت کر رہا ہوتا ہے کہ یہاں کوئی پوشیدہ قوت ضرور موجود ہے۔“

آگے سب سیر و سفر کے نتیجے کے طور پر لکھتا ہے:

”عیسائیت کے اصول و نظریات کی حقیقت بھی ٹھیک یہی کچھ ہے۔ اگر ہم ان کو اپنا رہنما بنائیں تو باوجودیکہ ہمارے حواس ان کے ادراک سے عاجز ہوتے ہیں لیکن اس رہنما قوت کے نتائج و تاثرات اپنے اور اپنے دوسرے بھائیوں کی زندگیوں میں کھلی آنکھوں دیکھیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جانتے ہیں اور اس بنا پر کہتے ہیں کہ اس کائنات میں ایک رہنما قوت موجود ہے۔“

یہ ہیں خلا کے مسافروں اور سیارات پر کمند پھینکنے والوں کی کمائی کے حاصلات جو اپنے امریکی خلا فورد کے بیان میں پڑھ لیں کہ اس تمام تنگ و دو کے نتیجے میں راز کائنات اور اس کی حقیقت تک رسائی تو کیا ہوتی ہے بے حدود بے حساب سیارات و نجوم کی گردشوں کا ادراک ہو کر اور حیرانی بڑھ گئی۔



سائنسی آلات سے انکی پیمائش کے ناممکن ہونے اور اپنی سب کو ششوں کی اس کے مقابلہ میں حقارت کا اقرار و اعتراف کرنا پڑا۔ بس حاصل اتنی بات ہوئی کہ یہ سب نظام کائنات اور نجوم و سیارات خود بخود نہیں، بلکہ کسی عظیم اور غیر محسوس طاقت کے زیر فرمان چل رہے ہیں۔ یہی وہ بات ہے جسکو انبیاء علیہم السلام نے پہلے قدم پر عام انسانوں کو بتلادیا تھا اور قرآن کریم کی بیشمار آیات میں اسی چیز کا یقین لانے کے لئے آسمان و زمین، نجوم و سیارات وغیرہ کے حالات پر غور و فکر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

آپ نے دیکھ لیا کہ جس طرح زمین میں بیٹھ کر آسمانی فضاؤں اور نجوم و سیارات کی تحقیقات و مسائل پر فلسفیانہ بحثیں کرنے والے ان چیزوں کی حقیقت تک نہ پہنچ سکے اور بالآخر اپنے عجز و بے بسی کا اعتراف کیا۔ اسی طرح یہ زمین سے لاکھوں میل اُپر کا سفر کر نیوالے اور چاند کے پتھر اور مٹی اور وہاں کے فوٹولائٹ والے بھی حقیقت شناسی کے میدان میں کچھ اس سے آگے نہ بڑھ سکے۔

ان تحقیقات نے انسان اور انسانیت کو کیا بخشا | جہاں تک انسانی جدوجہد اور فکری ارتقاء اور انکی عجز و بے کاری اور حیرت انگیز انکشافات کا معاملہ ہے وہ اپنی جگہ درست اور عام نظروں کے اعتبار سے قابل تحسین بھی ہے۔ لیکن اگر اس پر غور کیا جائے کہ بے مصرف شعبہ گری اور تماشینی جس سے انسان اور انسانیت کا کوئی معتد بہ فائدہ نہ ہو وہ حکماء و عقلاء کا کام نہیں۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ اس پچاس سال کی جدوجہد اور ایوں کھربوں روپیہ جو بہت سے انسانوں کے مصائب و دور کرنے کے لئے کافی ہوتا اس کو آگ کی نذر کر دینے اور چاند تک پہنچ کر وہاں کی خاک اور پتھر سمیٹ لانے سے انسان اور انسانیت کو کیا فائدہ پہنچا۔ انسان کی بڑی بھاری تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو بھوک سے مرتے ہیں اُن کو لباس اور سر چھپانے کی جگہ میسر نہیں، کیا اس جدوجہد نے انکے افلاس و مصیبت کا کوئی حل نکالا، یا انکے امراض و آفات سے صحت و عافیت کا کوئی انتظام کیا یا انکے لئے قلبی سکون و راحت کا کوئی سامان فراہم کیا تو یقین ہے کہ کسی کے پاس اسکا جواب بجز نفی کے نہیں ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت انسان کو ایسے لایعنی مشغلے میں مبتلا کرنے سے گریز کرتے ہیں اور کائناتِ عالم میں غور و فکر اور تدبیر کی دعوت صرف دو حیثیتوں سے دیتے ہیں۔ پہلی حیثیت جو اصل مقصود ہے یہ ہے کہ ان آثارِ عجیبہ کو دیکھ کر مؤثر حقیقی اور اس غیر محسوس قوت کا یقین کر لیں جو اس سارے نظام کو چلا رہی ہے، اُسی کا نام خدا ہے۔ دوسرے ان زمینی اور آسمانی مخلوقات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدے کے لئے ہر ضرورت کی چیز و دیجت فرمادی ہے انسان کا کام یہ ہے کہ اپنی عقل و شعور اور جدوجہد سے کام لیکر اُن چیزوں کو زمین کے خزانے سے نکالنے اور استعمال کرنے کے طریقے سیکھ لے۔ پہلی حیثیت اصل مقصود ہے اور دوسری حیثیت ثانوی



رفع ضرورت کے لئے ہے اس لئے ضرورت سے زائد اسمیں انہماک پسندیدہ نہیں اور کائنات عالم میں غور و فکر اور تدبیر کی دونوں حیثیتیں انسان کے لئے آسان بھی ہیں نتیجہ خیز بھی۔ اور ان دونوں حیثیتوں کے نتائج میں قدیم و جدید فلاسفہ کا کوئی اختلاف بھی نہیں۔ ان کے سب اختلافات افلاک اور سیارات کی ہیئت و حقیقت سے متعلق ہیں جن کو قرآن نے بے ضرورت اور ناقابل حصول قرار دیکر نظر انداز کر دیا ہے۔ علامہ نخت مفتی مصر نے اپنی کتاب توفیق الرحمن میں علم ہیئت کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک حصہ وصفی ہے جو اجرام سماویہ کی حرکات اور حسابات سے متعلق ہے۔ دوسرا علمی جو ان حسابات کو معلوم کرنے کے لئے آلات قدیمہ و جدیدہ سے متعلق ہے۔ تیسرا طبعی، جو افلاک سیارات کی ہیئت و حقیقت سے متعلق ہے اور لکھا ہے کہ پہلی دونوں قسموں میں ماہرین قدیم و جدید میں اختلاف کالعدم ہے۔ آلات ادراک میں بہت بڑا اختلاف ہونے کے باوجود نتائج پر اکثر امور میں سب کا اتفاق ہے ان کا شدید اختلاف صرف تیسری قسم میں ہے۔

غور کیجئے تو انسانی ضرورت کے متعلق بھی یہی پہلی دو قسمیں ہیں۔ تیسری قسم دورادکار بھی ہے اور مشکل بھی۔ اسی لئے قرآن و سنت اور عام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات نے انسان کو اس تیسری بحث میں نہیں الجھایا، اور بزرگان سلف نے یہ نصیحت فرمائی ۵

زباں تازہ کردن با قرار تو ۵ نینگنجق علت از کار تو

مهندس بسے جوید از راز شاں ۵ نداند کہ چوں کردی آغاز شاں

صوفیائے کرام جو نظر کشفی سے ان چیزوں کو دیکھتے ہیں ان کا فیصلہ بھی انجام کار وہی ہے جو شیخ

سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا ۵

چہ شبہا شستم دریں سیر گم ۵ کہ حیرت گرفت آستینم کہ قم

حافظ شیرازی نے اپنی لئے میں فرمایا ۵

سخن از مطرب و می گوی راز دہر کمتر جو ۵ کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معمارا

اس تمام تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ کائنات افلاک و فضاء اور کائنات ارضی میں غور و فکر اس حیثیت سے کہ اُن سے پیدا کرنے والے کے وجود اور توحید اور اس کی بے مثال علم و قدرت پر استدلال کیا جاسکے عین مقصود قرآنی ہے اور قرآن جا بجا اسکی دعوت دے رہا ہے اور اس حیثیت سے کہ ان چیزوں سے انسان کے معاشی مسائل کا تعلق ہے وہ بھی ضرورت کی حد تک انشاء قرآنی ہے اور قرآن اکی طرف بھی دعوت دیتا ہے مگر اس فرق کیساتھ کہ معاش اور معاشی ضروریات کو اصل مقصد قرار دیکر اسمیں انہماک کرے بلکہ اس موجودہ زندگی کو اصلی زندگی کی طرف ایک سفر کا درجہ قرار دے کر اسکے مطابق اسمیں مشغول ہو۔ اور تیسری حیثیت چونکہ انسانی ضرورت سے زائد بھی ہے اور اسکا حصول بھی



مشکل ہے اُس میں عمر عزیز صرف کرنے سے گریز کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہاں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ موجودہ سائنس کی جدید ترقیات و تحقیقات کو عین منشاء قرآنی سمجھنا بھی غلط ہے جیسا کہ بعض تجدید پسند علمائے لکھا ہے اور قرآن کو اُن کا مخالف کہنا بھی غلط ہے جیسا کہ بعض قدامت پسند علمائے لکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن نہ ان چیزوں کے بیان کے لئے آیا ہے نہ یہ اسکا موضوع بحث ہے نہ انسان کے لئے اُن کا حاصل کرنا انسان ہے نہ انسانی ضروریات سے اسکا کوئی تعلق ہے۔ قرآن ان معاملات میں کتے تجربات و مشاہدات سے کوئی چیز ثابت ہو جائے تو اس کو قرآن کے منافی کہنا بھی صحیح نہیں۔ چاند کے اوپر پہنچنا، رہنا بسنا اور وہاں کی معدنیات وغیرہ سے نفع اٹھانا وغیرہ سب اس میں داخل ہیں ان میں سے کوئی چیز مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہو جائے تو اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں اور جب تک ثابت نہ ہو خواہ مخواہ اس کے تصورات باندھنا اور اس میں عمر عزیز کے اوقات صرف کرنا بھی کوئی دشمنی نہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

## عِبَادُ الرَّحْمَنِ

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ

اور بندے رحمن کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں اور جب بات کرنے لگیں

الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۝۶۳ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ۝۶۴

اُن سے بے بوجھ لوگ تو کہیں صاحب سلامت اور وہ لوگ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدے میں اور کھڑے

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا

اور وہ لوگ کہتے ہیں اے رب ہمارا ہم سے دوزخ کا عذاب بیشک اسکا عذاب

كَانَ غَرَامًا ۝۶۵ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝۶۶ وَالَّذِينَ إِذَا

پہنچنے والا ہے وہ بڑی جگہ ہے ٹھہرنے کی اور بڑی جگہ رہنے کی اور وہ لوگ کہ جب

انْفَقَوْا أَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا ۝۶۷ وَ

فراق کرنے لگیں نہ بے جا اڑائیں اور تنگی کریں اور ہے اس کے بیچ ایک سیدھی گزران اور

الَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ

وہ لوگ کہ نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ دوسرے حاکم کو اور نہیں خون کرتے جان کا جو منع کر دی

اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۝۶۸ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۝۶۹ يُضْعَفُ

اللہ نے مگر جہاں چاہیے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو کوئی کرے یہ کام وہ جا بڑا گناہ میں ڈونا ہوگا

۱۔ یہاں یہ عنوان اس لئے قائم کر دیا گیا ہے کہ اس کو مستقل رسالہ کی صورت میں اس نام سے شائع کیا جاسکتا ہے اور جب ایسا

کیا جائے تو اس کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی جادے ۴۰ محسنو شفع



لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَانًا ۖ إِلَّا مَنْ تَابَ وَ

اس کو عذاب قیامت کے دن اور پڑا ہے گناہیں خوار ہو کر مگر جس نے توبہ کی اور

أَمِنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ

یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک سو ان کو بدل دیگا اللہ بُرائیوں کی جگہ بھلائیوں

وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ

اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان اور جو کوئی توبہ کرے اور کرے کام نیک سو وہ

يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ۝ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا هُم بِ

پھر آتا ہے اللہ کی طرف پھر آنے کی جگہ اور جو لوگ شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں اور جب گزرتے ہیں

بِالْغُورِ مَرُّوا كِرَامًا ۝ وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخْرُوْا

کھیل کی باتوں پر نہ مل جائیں بزرگانہ اور وہ لوگ کہ جب ان کو سمجھائیے ان کے رب کی باتیں نہ پڑیں

عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ۝ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا

ان پر بہرے اندھے ہو کر اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے رب دے ہماری عورتوں کی طرف سے

وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْ لَنَا مَقَامًا ۝ أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ

اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک اور کریم کو پرہیزگاروں کا پیشوا ان کو بدلے گا

الْغُرُفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ۝ خُلِّيَ

کوٹھور کے جہر کے اسلئے کہ وہ ثابت قدم رہے اور لینے آئیں گے ان کو وہاں دعا اور سلام کہتے ہوئے سدا رہا کریں

فِيهَا حَسَنَتٌ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝ قُلْ مَا يَعْبُؤُا بِكُمْ رَبِّي

ان میں خوب جگہ ہے ٹھہرنے کی اور خوب جگہ رہنے کی تو کہہ بدواہ نہیں رکھتا میرا رب تمہاری

لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كُنْتُمْ فُتُورًا ۝ لَزَامًا ۝

اگر تم اس کو نہ پکارا کرو سو تم تو بھٹلا چکے اب آگے کو ہوتی ہے مٹھ بھیڑ

## خلاصہ تفسیر

اور (حضرت) رحمن کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں (مطلب یہ کہ ان کے مزاج میں تواضع ہے تمام امور میں، اور اسی کا اثر چلنے میں بھی ظاہر ہوتا ہے اور خاص چال کی ہیئت بیان کرنا مقصود نہیں کیونکہ دماغ داری کے ساتھ نرم رفتاری موجب مدح نہیں اور یہ تواضع تو ان کا طرز خاص اپنے اعمال میں ہے) اور (دوسروں کے ساتھ ان کا طرز یہ ہے کہ جب ان سے جہالت والے لوگ (جہالت کی) بات (چیت) کرتے ہیں تو وہ دفع شر کی بات کہتے ہیں



(مطلب یہ کہ اپنے نفس کے لئے انتقام قوی یا فعلی نہیں لیتے اور جو خشونت تادیب و اصلاحِ سیاستِ شرعیہ یا اعلا کلمۃ اللہ کے لئے ہو اس کی نفی مقصود نہیں) اور جو (اللہ کے ساتھ اپنا یہ طرز رکھتے ہیں کہ) راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام (یعنی نماز) میں لگے رہتے ہیں اور جو (باوجود ادائے حقوق اللہ و حقوق العباد کے اللہ تعالیٰ سے اس قدر ڈرتے ہیں کہ) دُعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کے عذاب کو دور رکھئے کیونکہ اسکا عذاب پوری تباہی ہے، بیشک وہ جہنم بڑا ٹھکانا اور بُرا مقام ہے (یہ تو ان کی حالت طاعتِ بدنیہ میں ہے) اور (طاعاتِ مالیہ میں نکاح یہ طریقہ ہے کہ) وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں (کہ معصیت میں صرف کرنے لگیں) اور نہ تنگی کرتے ہیں (کہ طاعتِ ضروریہ میں بھی خرچ کی کوتاہی کریں، اور اسراف میں وہ خرچ بھی آگیا کہ بلا ضرورت استطاعت سے زیادہ مباحات میں یا طاعاتِ غیر ضروریہ میں خرچ کریں جسکا انجام اخیر میں بے صبری اور حرص و بدنیتی ہو کیونکہ یہ امور معصیت ہیں اور جو چیز معصیت کا سبب بنے وہ بھی معصیت ہے اس لئے وہ بھی معصیت ہی میں خرچ کرنا انجام کار ہو گیا۔ اسی طرح طاعاتِ ضروریہ میں بالکل خرچ نہ کرنے کی مذمت لَوْ یَقْتَرُوا سے مفہوم ہو گئی کیونکہ جب خرچ میں کمی کرنا جائز نہیں تو عدم اتفاق تو بدرجہ اولیٰ ناجائز ہو گا پس یہ شبہ نہ رہا کہ خرچ میں کمی کرنے کی تو نفی اور نہ ہی ہو گئی لیکن عدم الاتفاق بالکلیہ کی نفی اور نہ ہی نہ ہوئی۔ غرض وہ اتفاق میں اقراط و تفریط دونوں سے میرا ہیں) اور ان کا خرچ کرنا اس (اقراط و تفریط) کے درمیان اعتدال ہوتا ہے (اور یہ حالت مذکورہ تو طاعات کی ادائیگی سے متعلق تھی) اور جو (گناہ سے بچنے میں یہ شان رکھتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ کیساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے (جو معصیت متعلق عقائد کے ہے) اور جس شخص (کے قتل کرنے) کو اللہ تعالیٰ نے (قواعد شرعیہ کی رو سے) حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق پر (یعنی جب قتل کے وجوب یا اباحت کا کوئی سبب شرعی پایا جاوے اس وقت اور بات ہے) اور وہ زنا نہیں کرتے (کہ یہ قتل و زنا اعمال کے متعلقہ گناہوں میں سے ہیں) اور جو شخص ایسے کام کر بیگا (کہ شرک کرے یا شرک کیساتھ قتل ناحق بھی کرے یا زنا بھی کرے جیسے مشرکین مکہ تھے) تو سزا سے اس کو سابقہ پڑ بیگا کہ قیامت کے روز اسکا عذاب بڑھتا چلا جائیگا (جیسا کفار کے حق میں دوسری آیات میں آیا ہے) **يَذُنُّهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ** اور وہ اس (عذاب) میں ہمیشہ ہمیشہ ذلیل (و خوار) ہو کر رہے گا (تاکہ عذاب جسمانی کے ساتھ ذلت کا عذاب روحانی بھی ہو اور شدتِ عذاب یعنی تضاعف کیساتھ مقدار کی زیادتی یعنی خلود بھی ہو اور مراد اس **وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ** سے کفار و مشرکین ہیں بقریۃ تضاعف و یخلد و مہانا و آمن کیونکہ مؤمن گناہگار کے لئے عذاب میں زیادتی اور خلود نہ ہو گا بلکہ اسکا عذاب اس کو پاک صاف کرنے کے لئے ہو گا نہ کہ اہانت کے لئے، اور اس کے لئے تجدیدِ ایمان کی ضرورت نہیں صرف توبہ



کافی ہے جسکا آگے بیان ہے وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ الْإِحْسَانَ نَبْذِرْ غَمًّا مُّذْكَرًا مِّمَّا كَانَتْ تَأْتِيكُم مِّنْهُ مُّجْتَمِعًا ثُمَّ نَبْذِرْ الْغَمَّ مَتَّاعًا كَثِيرًا وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ (یعنی یہ آیت نازل ہوئی) مگر جو (شرک معاصی سے) توبہ کر لے اور (اس توبہ کے قبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ) ایمان (بھی) لے آوے اور نیک کام کرتا رہے (یعنی ضروری طاعات کو بجالاتا ہے) تو (اس کو جہنم میں خلود تو کیا ہوتا جہنم سے ذرا بھی مَس نہ ہوگا بلکہ) اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے (گزشتہ) گناہوں (کو محو کر کے ان) کی جگہ (آئندہ) نیکیاں عنایت فرمایگا (یعنی چونکہ گزشتہ کفر و گناہ زمانہ کفر کے بعد اسلام کی برکت سے معاف ہو جا دیں گے اور آئندہ بوجہ اعمال صالحہ کے حسنات لکھی جاتی رہیں گی اور ان پر ثواب ملیگا اس لئے جہنم سے ان کا کچھ تعلق نہ ہوگا، پس اِلَّا سْتَنَارَ مُّطْمَئِنِّينَ وَمَنْ تَابَ وَخَرَجَ مَخْرُجًا مُّجْتَمِعًا ثُمَّ نَبْذِرْ الْغَمَّ مَتَّاعًا كَثِيرًا وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ (یعنی یہ آیت میں مذکور ہوا اور صرف ایمان پر عدم خلود کا مرتب ہونا دوسرے دلائل سے ثابت ہو) اور (یہ محوسینات و ثبوت حسنات اس لئے ہوا کہ) اللہ تعالیٰ الغفور ہے (اس لئے سینات کو محو کر دیا اور) رحیم ہے (اس لئے حسنات کو قایم فرمایا۔ یہ تو تائب عن الکفر کا بیانیہ تھا) اور (آگے اُس مؤمن کا ذکر ہے جو گناہ سے توبہ کرے تاکہ مضمون توبہ کا پورا ہو جائے و نیز مقبول بندوں کے بقیۃ اوصاف کا بیان ہے کہ وہ لوگ ہمیشہ طاعات کے پابند اور سینات سے پرہیز کے عادی رہتے ہیں لیکن اگر احياناً صدورِ معصیت ہو جائے تو توبہ کر لیتے ہیں اس لئے تائبین کا حال ارشاد فرمایا یعنی) جو شخص (جس معصیت سے) توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے (یعنی آئندہ معصیت سے بچتا ہے) تو وہ (بھی عذاب سے بچا رہیگا کیونکہ وہ) اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر رجوع کر رہا ہے (یعنی خوفِ اخلاص کیساتھ کہ شرط توبہ ہی آگے پھر عبادِ رحمن کے اوصاف بیان فرماتے ہیں یعنی) اور (ان میں یہ بات ہے کہ) وہ یہود و باقوں میں (جیسے لہو و لعب خلاف شرع) شامل نہیں ہوتے اور اگر (اتفاقاً بلا قصد) یہود مشغولوں کے پاس کو ہو کر گزریں تو سنجیدگی (و شرافت) کے ساتھ گزر جاتے ہیں (یعنی نہ اس کی طرف مشغول ہوتے ہیں اور نہ ان کے آثار سے گناہگاروں کی تحقیر اور اپنا ترفع اور تکبر ظاہر ہوتا ہے) اور وہ ایسے ہیں کہ جو وقت ان کو اللہ کے احکام کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو ان (احکام) پر ہرگز اندھے ہو کر نہیں گرتے (جس طرح کافر قرآن پر ایک نئی بات سمجھ کر تماشے کے طور پر اور نیز اسمیل عراضات پیدا کرنے کے لئے اسکے حقائق و معارف سے اندھے بہرے ہو کر اندھا دھند بے ترتیب ہجوم کر لیتے تھے) جیسا کہ دوسری جگہ قرآن کا ارشاد ہے كَاذِبًا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا (علی بعض التفاسیر) سو عباد مذکورین ایسا نہیں کرتے، بلکہ عقل و فہم کے ساتھ قرآن پر متوجہ اور اُس کی طرف دوڑتے ہیں جسکا ثمرہ زیادہ ایمان



و عمل بالا احکام ہے پس مقصود آیت میں اندھے بہرے ہونے کی نفی کرنا ہے نہ کہ قرآن کی طرف شوق کے ساتھ متوجہ ہونے اُس پر گرنے کی، کیونکہ وہ عین مطلوب ہے۔ اور اس سے کفار کے لئے بھی قرآن پر گرتا تو ثابت ہوتا ہے مگر وہ مخالفت اور مزاحمت کے طور پر اور اندھے بہروں کی طرح تھا اس لئے وہ مذموم ہے) اور وہ ایسے ہیں کہ (خود جیسے دین کے عاشق ہیں اسی طرح اپنے اہل و عیال کے لئے بھی اسکے ساعی اور داعی ہیں، چنانچہ عملی کوشش کے ساتھ حق تعالیٰ سے بھی) دُعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک (یعنی راحت) عطا فرما (یعنی ان کو دیندار بنادے اور ہم کو ہماری اس سچی دینداری میں کامیاب فرما کہ ان کو دینداری کی حالت میں دیکھ کر رستہ اور سرور ہو) اور (تو نے ہم کو ہمارے خاندان کا افسر تو بنایا ہی ہے مگر ہماری دُعا یہ ہے کہ ان سب کو متقی کر کے) ہم کو متقیوں کا افسر بنادے (تو اصل مقصود افسری مانگنا نہیں ہے گواہیں بھی قباحت نہیں مگر مقام دلالت نہیں کرتا بلکہ اصل مقصود اپنے خاندان کے متقی ہونے کی درخواست ہے یعنی بجائے اس کے کہ ہم صرف خاندان کے افسر ہیں ہم کو متقی خاندان کا افسر بنا دیجئے، یہاں تک عبادِ رحمان کے اوصاف کا بیان تھا آگے ان کی جزا ہے یعنی) ایسے لوگوں کو (بہشت میں رہنے کو) بالا خانے میں گے بوجہ انکے (دین طاعت پر) ثابت قدم رہنے کے اور ان کو اس (بہشت) میں (فرشتوں کی جانب سے) بقا کی دُعا اور سلام ملے گا) اور اس (بہشت) میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، وہ کیسا اچھا ٹھکانا اور مقام ہے (جیسا جہنم کی بجائے میں مساوت مستقر و مقانا فرمایا ہے، اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (عام طور پر لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ میرا رب تمہاری ذرا بھی پردانہ کر گیا اگر تم عبادت نہ کرو گے سو (اس سے سمجھ لینا چاہیے کہ اے کفار) تم تو (احکامِ الہیہ کو) جھوٹا سمجھتے ہو تو عنقریب یہ (جھوٹا سمجھنا تمہارے لئے) وبال (جان) ہو (کر رہے) گا، (خواہ دنیا میں جیسے واقعہ بدر میں کفار پر مصیبت آئی یا آخرت میں اور وہ ظاہر ہے)۔

## معارف و مسائل

سُورَةُ الْفُرْقَانِ کے بیشتر مضامین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کے ثبوت اور کفار و مشرکین جو اس پر اعتراض کرتے تھے اُنکے جوابات پر مشتمل تھے اُوں میں کفار و مشرکین اور احکام کی نافرمانی کرنے والوں پر عذاب و سزا کا بھی ذکر تھا۔ آخر سورت میں اپنے اُن مخصوص اور مقبول بندوں کا ذکر فرماتے ہیں جنکا رسالت پر ایمان بھی مکمل ہے اور اُن کے عقائد اعمال، اخلاق، عادات سب اللہ در رسول کی مرضی کے تابع اور احکام شرعیہ کے مطابق ہیں۔

قرآن کریم نے ایسے مخصوص بندوں کو عبادُ الرحمن کا لقب عطا فرمایا جو اُن کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔ یوں تو ساری ہی مخلوق تکوینی اور جبری طور پر اللہ کی بندگی اور اسکی مشیت دارادہ



کے تابع ہے اُسکے ارادے کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ مگر یہاں بندگی سے مراد تشریعی اور اختیاری بندگی یعنی اپنے اختیار سے اپنے وجود اور اپنی تمام خواہشات اور تمام کاموں کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع بنادینا ایسے مخصوص بندے جن کو حق تعالیٰ نے خود اپنا بندہ کہہ کر عزت بخشی ہے اُنکے اوصاف آخر سورت تک بیان کئے گئے ہیں درمیان میں کفر و معصیت سے توبہ اور اس کے اثرات کا ذکر آیا ہے۔

یہاں ان مخصوص بندوں کو اپنا بندہ فرما کر انکو اعزازی لقب دینا تھا مگر اپنی طرف نسبت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے سب اسماء حسنیٰ اور صفات کمال میں سے اس جگہ نفا رکھنے کا انتخاب شاید اس لئے کیا گیا کہ مقبولین کی عادات و صفات اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کی ترجمان اور منظر ہونا چاہئیں اس کی طرف اشارہ کرنا منظور ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی آیات مذکورہ میں اللہ کے مخصوص اور مقبول بندوں کی تیرہ صفات و مخصوص صفات و علامات علامات کا ذکر آیا ہے جن میں عقائد کی درستی اور اپنے ذاتی اعمال میں خواہ وہ بدن سے متعلق ہوں یا مال سے، سب میں اللہ و رسول کے احکام اور مرضی کی پابندی۔ دوسرے انسان کے ساتھ معاشرت اور تعلقات کی نوعیت، رات دن کی عبادت گزاری کے ساتھ خوفِ خدا۔ تمام گناہوں سے بچنے کا اہتمام اور اپنے ساتھ اپنی اولاد و ازواج کی اصلاح کی فکر وغیرہ شامل ہیں۔

ان کا سب سے پہلا وصف عباد ہونا ہے۔ عباد عبد کی جمع ہے عبد کا ترجمہ ہے بندہ جو اپنے آقا کا مملوک ہو، اسکا وجود اور اس کے تمام اختیارات و اعمال آقا کے حکم و مرضی پر دائر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بندہ کہلانی کا مستحق وہی شخص ہو سکتا ہے جو اپنے عقائد و خیالات کو اور اپنے ہر ارادے اور خواہش کو اور اپنی ہر حرکت و سکون کو اپنے رب کے حکم اور مرضی کے تابع رکھے ہر وقت گوشِ برافرا رہے کہ جس کام کا حکم ہو وہ بجالاؤں۔

دوسری صفت: **يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا**، یعنی چلتے ہیں وہ زمین پر تواضع کیساتھ۔ لفظ **هَوْنًا** کا مفہوم اس جگہ سکینت و وقار اور تواضع ہے کہ اگر گرنے چلے، قدم متکبرانہ انداز سے نہ رکھے بہت آہستہ چلنا مراد نہیں کیونکہ وہ بلا ضرورت ہو تو خلافِ سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کی جو صفت شاملِ نبویہ میں منقول ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا چلنا بہت آہستہ نہیں بلکہ کسی قدر تیزی کے ساتھ تھا۔ حدیث میں ہے **كَانُوا أَهْلًا تَطْوِي لَهٗ**، یعنی آپ ایسا چلتے تھے کہ گویا زمین آپ کے لئے سمٹتی ہے (ابن کثیر) اسی لئے سلف صالحین نے تکلفِ مریضوں کی طرح آہستہ چلنے کو علامتِ تکبر و تصنع ہونے کے سبب مکروہ قرار دیا ہے۔ فاروق اعظمؓ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ بہت آہستہ چل رہا ہے، پوچھا: کیا تم بیمار ہو۔ اُس نے کہا نہیں، تو آپ نے اُس پر درہ اٹھایا اور حکم دیا کہ قوت کیساتھ چلا کر دو۔ (ابن کثیر)



حضرت حسن بصریؒ نے اس آیت يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا کی تفسیر میں فرمایا کہ مومنین مخلصین کے تمام اعضاء و جوارح آنکھ، کان، ہاتھ پاؤں سب اللہ کے سامنے ذلیل و عاجز ہوتے ہیں۔ ناواقف اُن کو دیکھ کر معذور و عاجز سمجھتا ہے حالانکہ نہ وہ بیمار ہیں نہ معذور بلکہ تندرست قوی ہیں مگر اُن پر حق تعالیٰ کا خوف ایسا طاری ہے جو دوسروں پر نہیں ہے۔ اُن کو دنیا کے دھندلوں سے آخرت کی فکر نے روکا ہوا ہے۔ اور جو شخص اللہ پر بھروسہ نہیں کرتا اور اسکی ساری فکر دنیا ہی کے کاموں میں لگی رہتی ہے تو وہ ہمیشہ حسرت ہی حسرت میں رہتا ہے کہ دنیا تو ساری طبعی نہیں اور آخرت میں اُسے حصہ نہیں لیا اور جس شخص نے اللہ کی نعمت صرف کھانے پینے کی ہی چیزوں کو سمجھا کر اور اعلیٰ اخلاق کی طرف دھیان نہیں دیا، اُس کا علم بہت تھوڑا ہے اور عذاب اُس کیلئے تیار ہے۔  
(ازلن کشیدہ ملخصاً)

تیسری صفت: وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا، یعنی جب جہالت والے اُن سے خطاب کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں، سلام۔ یہاں جاہلون کا ترجمہ جہالت والوں سے کر کے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ مراد اس سے بے علم آدمی نہیں بلکہ وہ جو جہالت کے کام اور جاہلانہ باتیں کرے خواہ واقع میں وہ ذی علم بھی ہو۔ اور لفظ سلام سے مراد یہاں عرفی سلام نہیں بلکہ سلامتی کی بات ہے۔ قرطبی نے نحاس سے نقل کیا ہے کہ اس جگہ سلام تسلیم سے مشتق نہیں بلکہ تسلم سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں سلامت رہنا۔ مراد یہ ہے کہ جاہلوں کے جواب میں وہ سلامتی کی بات کہتے ہیں جس سے دوسروں کو ایذا نہ پہنچے اور یہ گناہگار نہ ہو۔ یہی تفسیر حضرت مجاہد، مقاتل وغیرہ سے منقول ہے۔ (مظہری) حاصل یہ ہے کہ بے وقوف جاہلانہ باتیں کرنے والوں سے یہ حضرات انتقامی معاملہ نہیں کرتے بلکہ اُن سے درگزر کرتے ہیں۔

چوتھی صفت: وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا، یعنی وہ رات گزارتے ہیں اپنے رب کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے۔ عبادت میں شب بیداری کا ذکر خصوصیت سے اسلئے کیا گیا کہ یہ وقت سونے آرام کرنے کا ہے اس میں نماز و عبادت کے لئے کھڑا ہونا خاص مشقت بھی ہے اور اس میں ریاد نمود کے خطرات بھی نہیں ہیں۔ منشاء یہ ہے کہ ان کا لیل و نہار اللہ کی عبادت میں مشغول ہے دن کو تعلیم و تبلیغ اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ کے کام ہیں رات کو اللہ کے سامنے عبادت گزار کرنا ہے۔ تہجد کی نماز کی حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ ترمذی نے حضرت ابو امامہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیام اللیل، تہجد کی پابندی کر دو کیونکہ وہ تم سے پہلے بھی سب نیک بندوں کی عادت تھی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے تم کو قریب کرنے والی اور سیئات کا کفارہ ہے اور گناہوں سے روکنے والی چیز ہے۔ (مظہری)



حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جس شخص نے عشاء کے بعد دو یا زیادہ رکعتیں پڑھ لیں وہ بھی اس حکم میں داخل ہے کہ بات اللہ ساجد و قائم (مظہری از بغوی) اور حضرت عثمان غنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کی قیام ادا کر لی تو آدھی رات عبادت میں گزارنے کے حکم میں ہو گیا اور جس نے صبح کی نماز جماعت سے ادا کر لی وہ باقی آدھی رات بھی عبادت میں گزارنے والا سمجھا جائیگا (رواہ احمد و مسلم فی صحیحہما و مظہری) پانچویں صفت: وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اَلَا يَبْقَىٰ لَهُمْ بَارِغًاہ شب و روز عبادت و طاعت میں مصروف رہنے کے باوجود بے خوف ہو کر نہیں بیٹھ رہتے بلکہ ہر وقت خدا کا خوف اور آخرت کی فکر رکھتے ہیں جس کے لئے عملی کوشش بھی جاری رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی۔

چھٹی صفت: وَالَّذِينَ اِذَا اَنْفَقُوا اَلَا يَنْفَقُوْا اِلَّا مِنْ حَرْجٍ مَّا مَلَکَتْ يَدُہُمْ مِنْ عِلْمٍ اَنْہُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ اِلَیْہِ وقت نہ اسراف اور فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل و کوتاہی، بلکہ دونوں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتے ہیں۔ آیت میں اسراف اور اس کے بالمقابل اقتار کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اسراف کے لغوی معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، قتادہؒ، ابن جریجؒ کے نزدیک اللہ کی معصیت میں خرچ کرنا اسراف ہے اگرچہ ایک پیسہ ہی ہو، اور بعض حضرات نے فرمایا، جائز اور مباح کاموں میں ضرورت سے زائد خرچ کرنا جو تذبذب یعنی فضول خرچی کی حد میں داخل ہو جائے وہ بھی اسراف کے حکم میں ہے کیونکہ تذبذب یعنی فضول خرچی بعض قرآن حرام و معصیت ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیْطٰنِ اس لحاظ سے اس تفسیر کا جمل بھی حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کی مذکورہ تفسیر ہو گیا، یعنی معصیت گناہ میں جو کچھ خرچ کیا جائے وہ اسراف ہے۔ (مظہری)

اور اقتار کے معنی خرچ میں تنگی اور بخل کرنے کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جن کاموں میں اللہ و رسول نے خرچ کرنا حکم دیا ہے اُن میں خرچ کرنے میں تنگی برتنا (اور بالکل خرچ نہ کرنا بدرجہ اولیٰ اس میں داخل ہے)۔ یہ تفسیر بھی حضرت ابن عباسؓ، قتادہ وغیرہ سے منقول ہے (مظہری) آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ کے مقبول بندوں کی صفت مال خرچ کرنے میں یہ ہوتی ہے کہ اسراف اور اقتار کے درمیان اعتدال اور میانہ روی پر عمل کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مِنْ فِقْہِ الرَّجُلِ قَصْدُہٗ فِی مَعِیْشَتِہٖ، یعنی انسان کی دانشمندی کی علامت یہ ہے کہ خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرنے (نہ اسراف میں مبتلا ہونہ بخل میں)۔ (رواہ الامام احمد عن ابی الدرداء۔ ابن کثیر)



ایک دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَا عَمَلٌ مِنْ اِقْتَصَادٍ، یعنی جو شخص فرح میں میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہتا ہے وہ کبھی فقیر نہ محتاج نہیں ہوتا (رواہ الامام احمد - ابن کثیر)

سَاتَوِيں صفت: وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ، پہلی چھ صفات میں طاعت و فرمانبرداری کے اصول آگئے ہیں اب معصیت و نافرمانی کے اصول مہمہ کا بیان ہے جنہیں پہلی چیز عقیدہ سے متعلق ہے کہ یہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور کو عبادت میں شریک نہیں کرتے جس سے شرک کا سب سے بڑا گناہ ہونا معلوم ہوا۔

آکھویں اور نویں صفت: لَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَبَسَ اللَّهُ، یہ علی گناہوں میں سے بڑے بڑے اور سخت گناہوں کا بیان ہے کہ اللہ کے مقبول بندے ان کے پاس نہیں جاتے، کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا کے پاس نہیں جاتے۔ یہ تین عقیدہ اور عمل کے بڑے گناہ بیان فرمانے کے بعد آیت میں ارشاد ہوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا، یعنی جو شخص ان مذکورہ گناہوں کا مرتکب ہوگا وہ اسکی سزا پائے گا۔ ابو عبیدہ نے اس جگہ لفظ اِثَام کی تفسیر سزائے گناہ سے کی ہے۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اِثَام جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جو سخت و شدید عذابوں سے پُر ہے۔ بعض روایات حدیث بھی اسکی شہادت میں لکھی ہیں (تفسیر مظہری)

آگے اُس عذاب کا بیان ہے جو میراث مذکورہ کے کرنے والوں پر ہوگا اور آیات کے سابق و سیاق سے یہ بات متعین ہے کہ یہ عذاب کفار کے لئے مخصوص ہے جنہوں نے شرک کفر بھی کیا اور اسکے ساتھ قتل و زنا میں بھی مبتلا ہوئے۔ کیونکہ اَوَّلُ تَوِيصُوعٍ لَهُ الْعَذَابُ کے الفاظ مسلمان گناہگاروں کے لئے نہیں ہو سکتے کیونکہ انکے ایک گناہ پر ایک ہی سزا کا وعدہ قرآن و سنت میں مخصوص ہے۔ سزا میں تضاعف یعنی کیفیت یا کمیت میں زیادتی مومنین کے لئے نہیں ہوگی۔ یہ کفار کی خصوصیت ہے کہ کفر پر جو عذاب ہونا تھا اگر کفر کے ساتھ اور گناہ بھی کئے تو عذاب دوہرا ہو جاوے گا۔ دوسرے اس عذاب میں یہ بھی مذکور ہے وَيَجْلِدُ فِيهِ مَثَانًا، یعنی ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اس عذاب میں ذلیل و خوار ہو کر۔ کوئی مومن ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں نہیں رہے گا، کتنا ہی بڑا گناہگار ہو اپنے گناہوں کی سزا اٹھانے کے بعد جہنم سے نکال لیا جاوے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ شرک کفر میں بھی مبتلا ہوئے اور قتل و زنا میں بھی ان کا عذاب مضاعف یعنی دوہرا، شدید بھی ہوگا اور پھر یہ عذاب دائمی بھی رہے گا۔ آگے یہ بیان ہے کہ ایسے سخت مجرم جن کا عذاب یہاں مذکور ہوا اگر وہ توبہ کر لیں ایمان لا کر نیک عمل کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ انکے سینات کو حسنات سے یعنی برائیوں کو بھلائیوں سے تبدیل کر دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اس توبہ کے بعد انکے اعمال نامہ میں حسنات ہی حسنات رہ جائیں گی کیونکہ شرک کفر سے توبہ کرنے پر



اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ ہے کہ بحالتِ شرک و کفر جتنے گناہ کئے ہوں اسلام و ایمان قبول کر لینے سے وہ پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں اسلئے پچھلے زمانے میں جو ان کا نامہ اعمال سیئات اور معاصی ہی سے لبریز تھا اب ایمان لانے سے وہ تو سب معاف ہو گئے آگے ان معاصی اور سیئات کی جگہ ایمان اور اُسکے بعد کے اعمالِ صالحہ نے لے لی۔ سیئات کو حسنات میں تبدیل کرنے کی یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ حسن بصریؒ، سعید بن جبیرؒ، مجاہد وغیرہ ائمہ تفسیر سے منقول ہے (مظہری)

ابن کثیرؒ نے اسکی ایک دوسری تفسیر یہ بھی نقل کی ہے کہ اُنہوں نے جتنے گناہ زمانہ کفر و جاہلیت میں کئے تھے، ایمان لانے کے بعد ان سب گناہوں کے بجائے نیکیاں لکھ دی جاویں گی۔ اور وجہ اسکی یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد جب کبھی ان لوگوں کو اپنے پچھلے گناہ یاد آویں گے تو ان پر نادم ہوں گے اور توبہ کی تجدید کریں گے ان کے اس عمل سے وہ گناہ نیکیوں میں تبدیل ہو جاویں گے، اس کی دلیل میں بعض روایات حدیث بھی پیش فرمائی ہیں۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا، بظاہر یہ اسی مضمون کا تکرار ہے جو اس سے پہلے آیت میں آیا ہے اِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا۔ اور قرطبی نے قتال سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ توبہ پہلی توبہ سے مختلف اور الگ ہے کیونکہ پہلا معاملہ کفار و مشرکین کا تھا جو قتل و زنا میں بھی مبتلا ہوئے تھے، پھر ایمان لے آئے تو ان کی سیئات حسنات سے بدل دی گئیں اور یہاں مسلمان گناہگاروں کی توبہ کا ذکر ہے اسی لئے پہلی توبہ کے ساتھ وامن یعنی اس کے ایمان لانے کا ذکر تھا، اس دوسری توبہ میں وہ مذکور نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ توبہ ان لوگوں کی ذکر کی گئی ہے جو پہلے سے مومن ہی تھے مگر غفلت سے قتل و زنا میں مبتلا ہو گئے تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ ایسے لوگ اگر توبہ کر لینے کے بعد صرف زبانی توبہ پر اکتفا نہ کریں بلکہ آئندہ کے لئے اپنے عمل کو بھی صالح اور درست بنالیں تو ان کا توبہ کرنا صحیح اور درست سمجھا جائیگا۔ اسی لئے بطور شرط کے توبہ کر لینے کے ابتدائی حال ذکر کرنے کے بعد اسکی جزا میں پھر یتوب کا ذکر کرنا صحیح ہو گیا کیونکہ شرط میں جس توبہ کا ذکر ہے وہ صرف زبانی توبہ ہے اور جزا میں جس توبہ کا ذکر ہے وہ عمل صالح پر مرتب ہے۔ مطلب یہ ہو گیا کہ جس نے توبہ کر لی پھر اپنے عمل سے بھی اُس توبہ کا ثبوت دیا تو وہ صحیح طور پر اللہ کی طرف رجوع کرنے والا سمجھا جائیگا بخلاف اُس کے جس نے پچھلے گناہ سے توبہ تو کی مگر آئندہ عمل میں اسکا کوئی ثبوت نہ فراہم کیا تو اُس کی توبہ گویا توبہ ہی نہیں۔ خلاصہ مضمون اس آیت کا یہ ہو گیا کہ جو مسلمان غفلت سے گناہ میں مبتلا ہو گیا پھر توبہ کر لی اور اس توبہ کے بعد اپنے عمل کی بھی ایسی اصلاح کر لی کہ اس کے عمل سے توبہ کا ثبوت ملے لگا تو یہ توبہ بھی عند اللہ مقبول ہوگی اور بظاہر اسکا فائدہ بھی وہی ہوگا جو پہلی آیت میں بتلایا گیا ہے کہ اس کے سیئات کو حسنات سے بدل دیا جائے گا۔



اللہ کے مخصوص اور مقبول بندوں کی خاص صفات کا بیان اوپر سے ہو رہا تھا، درمیان میں گناہ کے بعد توبہ کر لینے کے احکام کا بیان آیا اسکے بعد باقی صفات کا بیان ہے۔

**دسویں صفت:** وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ، یعنی یہ لوگ جھوٹ اور باطل کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے۔ سب سے بڑا جھوٹ اور باطل تو شرک کفر ہے اُس کے بعد عام جھوٹ اور گناہ کے کام ہیں۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ایسی مجلسوں میں شرکت سے بھی گریز کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے مراد مشرکین کی عیدیں اور میلے ٹھیلے ہیں۔ حضرت مجاہد اور محمد بن حنفیہ نے فرمایا کہ اس سے مراد گانے بجانے کی محفلیں ہیں۔ عمرو بن قیس نے فرمایا کہ بے حیائی اور ناچ رنگ کی محفلیں مراد ہیں۔ زہری، امام مالک نے فرمایا کہ شراب پینے پلانے کی مجلسیں مراد ہیں (ابن کثیر) اور حقیقت یہ ہے کہ ان اقوال میں کوئی اختلاف نہیں، یہ ساری ہی مجلسیں مجلس زور کی مصداق ہیں۔ اللہ کے نیک بندوں کو ایسی محفلوں ہی سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ لغو و باطل کا یا بقصد دیکھنا بھی اس کی شرکت کے حکم میں ہے (مظہری) اور بعض حضرات مفسرین نے وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ میں بیشہ دون کو شہادت بمعنی گواہی سے لیا ہے اور معنی آیت کے یہ قرار دیے کہ یہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ جھوٹی گواہی کا گناہ کبیرہ اور وبالِ عظیم ہونا قرآنِ سنّت میں معروف و مشہور ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی گواہی کو اکبر کہا ہے فرمایا ہے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس شخص کے متعلق ثابت ہو جائے کہ اُس نے جھوٹی شہادت دی ہے تو اس کو چالیس کوڑوں کی سزا دی جائے اور اس کا منہ کالا کر کے بازار میں پھرایا جائے اور رسوا کیا جائے پھر طویل زمانے تک قید میں رکھا جائے۔ (رواہ ابن ابی شیبہ عبد الرزاق۔ مظہری)

**گیارہویں صفت:** وَالَّذِينَ لَا يَأْتُوا بِاللَّغْوِ مَرَّةً وَاحِدَةً، یعنی اگر لغو اور بیہودہ مجلسوں پر کبھی ان کا گزرا اتفاقاً ہو جائے تو وہ سنجیدگی اور شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایسی مجلسوں میں یہ لوگ جس طرح بقصد و ارادہ شریک نہیں ہوتے اسی طرح اگر کہیں اتفاقی طور پر ان کا کسی ایسی مجلس پر گزر ہو جاوے تو اس فسق و فجور اور گناہ کی مجلس پر سے شرافت کیساتھ گزرے چلے جاتے ہیں۔ یعنی اُن کے اس فعل کو بُرا اور قابلِ نفرت جانتے ہوئے، نہ گناہوں میں مبتلا لوگوں کی تحقیر کرتے ہیں اور نہ خود اپنے آپ کو اُن سے افضل و بہتر سمجھ کر تکبر میں مبتلا ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اتفاق سے ایک روز کسی بیہودہ لغو مجلس پر گزر ہو گیا تو وہاں ٹھہرے نہیں گزرے چلے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا تو فرمایا کہ ابن مسعود کریم ہو گئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی جس میں بیہودہ مجلس سے کرمیوں شریفوں کی طرح گزر جانے کا حکم ہے (ابن کثیر)



بارہویں صفت: وَالَّذِينَ إِذَا دُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخَوَّذُوا عَلَيْهَا حَسْمًا وَغَمًّا  
یعنی ان مقبول بندوں کی یہ شان ہے کہ جب ان کو اللہ کی آیات اور آخرت کی یاد دلائی جاتی ہے تو وہ ان آیات کی طرف اندھے بہروں کی طرح متوجہ نہیں ہوتے بلکہ سمیع و بصیر انسان کی طرح ان میں غور کرتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ غافل اور مغفل لوگوں کی طرح ایسا معاملہ نہیں کرتے کہ انھوں نے سنا ہی نہیں یا دیکھا ہی نہیں۔ اس آیت میں دو چیزیں مذکور ہیں ایک آیات الہیہ پر گہر پڑنا یعنی اہتمام کے ساتھ متوجہ ہونا یہ تو امر محمود و مقصود اور بہت بڑی نیکی ہے۔ دوسرے اندھے بہروں کی طرح گرنا کہ قرآن کی آیات پر توجہ تو دیں مگر یا تو اس پر عمل کرنے میں معاملہ ایسا کریں کہ گویا انھوں نے سنا اور دیکھا ہی نہیں اور یا آیات قرآن پر عمل بھی کریں مگر ان کو اصول صحیحہ اور تفسیر صحابہ و تابعین کے خلاف اپنی رائے یا سنی سنائی باتوں کے تابع کر کے غلط عمل کریں یہ بھی ایک طرح سے اندھے بہرے ہو کر ہی گرنے کے حکم میں ہے۔

احکام دین کا صرف مطالعہ کافی نہیں بلکہ اسلاف آیات مذکورہ میں جس طرح اس امر کی سخت مذمت ہے کہ کی تفسیر کے مطابق سمجھ کر عمل کرنا ضروری ہے آیات الہیہ کی طرف توجہ ہی نہ دیں، اندھے بہروں کا سا معاملہ کریں، اسی طرح اسکی بھی مذمت ہے کہ توجہ تو دیں اور عمل بھی کریں مگر بے سمجھے بے بصیرتی کیساتھ اپنی رائے سے جس طرح چاہیں عمل کرنے لگیں۔ ابن کثیرؒ نے ابن عون سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے حضرت شعبیؒ سے پوچھا کہ اگر میں کسی مجلس میں پہنچوں جہاں لوگ سجدہ میں پڑے ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ کیا سجدہ ہے تو کیا میں بھی انکے ساتھ سجدہ میں شریک ہو جاؤں حضرت شعبیؒ نے فرمایا نہیں۔ مومن کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ بے سمجھے کسی کام میں لگ جائے بلکہ اس پر لازم ہے کہ بصیرت کیساتھ عمل کرے۔ جب تم نے وہ آیت سجدہ نہیں سنی جس کی بناء پر یہ لوگ سجدہ کر رہے ہیں اور تمہیں انکے سجدہ کی حقیقت بھی معلوم نہیں تو اس طرح انکے ساتھ سجدہ میں شریک ہونا جائز نہیں۔

اس زمانے میں یہ بات تو قابلِ شکر ہے کہ نوجوان اور نو تعلیم یافتہ طبقہ میں قرآن پڑھنے اور اسے سمجھنے کی طرف کچھ توجہ پیدا ہوئی ہے اور اسکے تحت وہ بطور خود قرآن کا ترجمہ یا کسی کی تفسیر دیکھ کر قرآن کو خود سمجھنے کی کوشش بھی کرتے ہیں مگر یہ کوشش بالکل بے اصول ہے۔ اسلئے قرآن کو صحیح سمجھنے کے بجائے بہت سے مغالطوں کے شکار ہو جاتے ہیں۔ اصول کی بات یہ ہے کہ دنیا کا کوئی معمولی سے معمولی فن بھی نری کتاب کے مطالعہ سے کسی کو معتد بہ نہیں حاصل ہو سکتا جب تک اسکو کسی استاد سے نہ پڑھے۔ معلوم نہیں قرآن اور علوم قرآن ہی کو کیوں ایسا سمجھ لیا گیا ہے کہ جسکا جی چاہے خود ترجمہ دیکھ کر جو چاہے اسکی مراد متعین کر لے۔ یہ بے اصول مطالعہ جسبسی ماہر استاد کی رہنمائی شامل نہ ہو یہ بھی آیات الہیہ پر اندھے بہرے ہو کر گرنے کے مفہوم میں شامل ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم



کی توفیق بخشیں۔

تَايَرُ هُوَ بِصِفَتٍ : وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قِسْ

أَعْيُنٍ وَاجْعَلْ لَنَا لِمُتَّقِينَ إِمَامًا، اس میں اپنی اولاد اور ازواج کے لئے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ اُن کو میرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنادے۔ آنکھوں کی ٹھنڈک بنانے سے مراد حضرت حسن بصریؒ کی تفسیر کے مطابق یہ ہے کہ اُن کو اللہ کی طاعت میں مشغول دیکھے یہی ایک انسان کیلئے آنکھوں کی صلی ٹھنڈک ہے اور اگر اولاد و ازواج کی ظاہری صحت و عافیت اور خوشحالی بھی آپس میں شامل کی جائے تو وہ بھی درست ہے۔

یہاں اس دعا سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کے مقبول بندے صرف اپنے نفس کی اصلاح اور اعمال صالحہ پر قناعت نہیں کر لیتے بلکہ اپنی اولاد اور بیویوں کی بھی اصلاح اعمال و اخلاق کی فکر کرتے ہیں اور اسکے لئے کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اسی کوشش میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُن کی صلاحیت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا رہے۔ اس آیت کے اگلے جملے میں دعا کا یہ جز بھی ہر دُعا کرنے والے کو ملنا چاہیے۔

إِمَامًا، یعنی ہمیں متقی لوگوں کا امام اور پیشوا بنائے، اس میں بظاہر اپنے لئے جاہ و منصب اور بڑائی حاصل کرنے کی دعا ہے جو دوسری نصوص قرآن کی رد سے ممنوع ہے جیسے قرآن کا ارشاد ہے تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا، یعنی ہم نے دارِ آخرت کو مخصوص کر رکھا ہے اُن لوگوں کے لئے جو زمین میں اپنا علو اور بڑائی نہیں چاہتے اور نہ زمین میں فساد برپا کرنا چاہتے ہیں۔ اسلئے بعض علماء نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ہر شخص اپنے اہل و عیال کا قدرتی

طور پر امام و پیشوا ہوتا ہی ہے اسلئے اس دعا کا حاصل یہ ہو گیا کہ ہمارے اولاد اور اہل و عیال کو متقی بنادیکھے اور جب وہ متقی ہو جاویں گے تو طبعی طور پر یہ شخص متقین کا امام و پیشوا کہلائیگا۔ جسکا حاصل یہ ہے کہ یہاں اپنی بڑائی کی دعا نہیں بلکہ اولاد و ازواج کے متقی بنانے کی دعا ہے۔ اور حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ اس دعا میں اپنے لئے کوئی ریاست و امامت اور پیشوائی طلب کرنا مقصود

نہیں بلکہ مقصود اس دعا کا یہ ہے کہ ہمیں ایسا بنادیکھے کہ لوگ دین و عمل میں ہماری اقتدار کیا کریں اور ہمارے علم و عمل سے اُن کو نفع پہنچے تاکہ اسکا ثواب ہمیں حاصل ہو۔ اور حضرت مکیل شامیؒ نے فرمایا کہ دعا کا مقصود اپنے لئے تقویٰ کا ایسا اعلیٰ مقام حاصل کرنا ہے کہ دنیا کے متقی لوگوں کو بھی ہمارے عمل سے فائدہ پہنچے۔ قرطبی نے یہ دونوں قول نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ان دونوں کا اصل ایک ہی ہے کہ ریاست

و امامت کی طلب جو دین کے لئے اور آخرت کے فائدہ کے لئے ہو وہ مذموم نہیں بلکہ جائز ہے۔ اور آیت لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا میں اس ریاست و اقتدار کی خواہش کی مذمت ہے جو دنیوی عزت و جاہ کے لئے ہو۔ واللہ اعلم۔ یہاں تک عِبَادُ الرَّحْمَنِ، یعنی مومنین کا ملین کی اہم صفات کا بیان پورا ہو گیا، آگے اُن کی جزا اور آخرت کے درجات کا ذکر ہے۔



اُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ ، غُرْفہ کے لغوی معنی بالاخانہ کے ہیں۔ جنت میں مقربین خاص کے لئے ایسے غرفات ہونگے جو عام اہل جنت کو ایسے نظر آئیں گے جیسے زمین والے بتاروں کو دیکھتے ہیں۔ (رواہ البخاری ومسلم وغیرہما۔ مظہری) مسند احمد، بیہقی، ترمذی، حاکم میں حضرت ابوماکب اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایسے غرفے ہونگے جنکا اندرونی حصہ باہر سے اور بیرونی حصہ اندر سے نظر آتا ہوگا۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ، یہ غرفے کن لوگوں کے لئے ہیں، آپؐ نے فرمایا، جو شخص اپنے کلام کو نرم اور پاک رکھے اور ہر مسلمان کو سلام کرے اور لوگوں کو کھانا کھلائے، اور رات کو اس وقت تہجد کی نماز پڑھے جب لوگ سو رہے ہوں (مظہری)

وَيَلْقَوْنَ فِيهَا زَوْجًا سَلَامًا ، یعنی جنت کی دوسری نعمتوں کے ساتھ ان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوگا کہ فرشتے ان کو مبارکباد دیں گے اور سلام کریں گے۔ یہاں تک مومنین مخلصین کی خصوصی عادات و اعمال اور ان کی جزاء و ثواب کا ذکر تھا، آخری آیت میں پھر کفار و مشرکین کو عذاب سے ڈرا کر سورت کو ختم کیا گیا ہے۔

قُلْ مَا يَعْبُدُوا إِلَّا كُودُ رِزْقِي ۚ كُودُ رِزْقِي ۚ اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں زیادہ واضح اور سہل وہ ہے جسکو خلاصہ تفسیر میں اوپر لکھا گیا ہے کہ اللہ کے نزدیک تمہاری کوئی وقعت و حیثیت نہ ہوتی اگر تمہاری طرف سے اللہ کو پکارنا اور اسکی عبادت کرنا نہ ہوتا۔ کیونکہ انسان کی تخلیق کا منشاء ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے جیسے دوسری آیت میں ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ، یعنی میں نے انسان اور جن کو اور کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا بجز اسکے کہ وہ میری عبادت کریں۔ یہ تو ایک عام ضابطہ بیان ہوا کہ بغیر عبادت کے انسان کی کوئی قدر و قیمت اور وقعت و حیثیت نہیں ہے اسکے بعد کفار و مشرکین جو رسالت اور عبادت ہی کے منکر ہیں ان کو خطاب ہے فَقَدْ كَذَّبْتُمْ ، یعنی تم نے تو سب چیزوں کو جھٹلا ہی دیا ہے اب تمہاری کوئی وقعت اللہ کے نزدیک نہیں فَتَوَفَّيْكُمْ لَنَا أَمَا ، یعنی اب یہ تکذیب کفر تمہارے گلے کا ہار بن چکے ہیں اور تمہارے ساتھ لگے رہیں گے یہاں تک کہ جہنم کے دائمی عذاب میں مبتلا کر کے چھوڑیں گے۔ وَلَنَعَذِّبَنَّ الَّذِينَ هُمْ فِي النَّارِ۔

تقریباً بحمد اللہ سبحانہ تفسیر سورۃ الفرقان یوم الاحد لثالث عشر من صفی المظفر  
سال ۱۳۹۷ھ و بانتمامہ تعریعون اللہ و کرمہ الحزب الرابع من الاحزاب السبعۃ  
القل نية واللہ سبحانہ و تعالیٰ ارجو واسأل اتمام الباقي وما ذلک علی اللہ بعزیز





## سُورَةُ الشُّعَرَاءِ

سُورَةُ الشُّعَرَاءِ مَكِّيَّةٌ قَدْ فِيهَا مِائَتَانِ سَبْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً وَاحِدٌ عَشْرٌ رُكُوعًا  
سورہ شعراء مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی دو سو ستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

طسّم ۱ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۲ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ

یہ آیتیں ہیں کھلی کتاب کی شاید تو گھونٹ مارے اپنی جان اس

أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۳ إِنْ نَشَأْ نُذِلْ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ

بات پر کہ وہ یقین نہیں کرتے اگر ہم چاہیں اتار دیں اُن پر آسمان سے ایک

آيَةً فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ ۴ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ

نشانی بھر رہے جاتیں اُن کی گردنیں اُسکے آگے نیچی اور نہیں پہنچتی انکے پاس کوئی نصیحت

مِّنَ الرَّحْمَنِ مُحْدِثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ۵ فَقَدْ كَذَّبُوا

رحمن سے نئی جس سے منہ نہیں موڑتے سو یہ تو جھٹلا چکے

فَسَيَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۶ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى

اب پہنچے گی اُن پر حقیقت اس بات کی جس پر ٹھٹھے کرتے تھے کیا نہیں دیکھتے وہ

الْأَرْضِ كَمَا أَنْبَأْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۷ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً

زمین کو کہتی اُگائیں ہم نے اس میں ہر ایک قسم کی خاصی چیزیں اس میں البتہ نشانی ہے

وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ۸ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۹

اور ان میں بہت لوگ نہیں ماننے والے اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

## خلاصہ تفسیر

طسّم (اس کے معنی تو اللہ ہی کو معلوم ہیں) یہ (مضامین جو آپ پر نازل ہوتے ہیں) کتاب



دفع (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں (اور یہ لوگ جو اس پر ایمان نہیں لاتے تو آپ اتنا غم کیوں کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ) شاید آپ اُن کے ایمان نہ لانے پر (تاسف کرتے کرتے) اپنی جان دے دیدینگے (اصل یہ ہے کہ یہ عالم ابتلا ہے اس میں حق کے اثبات پر وہی دلائل قائم کئے جاتے ہیں جن کے بعد بھی ایمان لانا بندہ کے اختیار میں رہتا ہے ورنہ) اگر ہم (جبراً و اضطراً ان کو مومن کرنا) چاہیں تو اُن پر آسمان سے ایک (ایسی) بڑی نشانی نازل کر دیں (کہ ان کا اختیار ہی بالکل سلب ہو جائے) پھر اُن کی گردنیں اس نشانی (کے آنے) سے پست ہو جاویں (اور بالاضطرار مومن بن جاویں لیکن ایسا کرنے سے آزمائش باقی نہ رہے گی اسلئے ایسا نہیں کیا جاتا اور معاملہ جبر و اختیار کے درمیان رہتا ہی) اور (اُن کی یہ حالت ہے کہ) اُن کے پاس کوئی تازہ فہمائش (حضرت) رحمان (جل شانہ) کی طرف سے ایسی نہیں آتی جس سے یہ بے رُخی نہ کرتے ہوں سو (اس بے رُخی کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ) انھوں نے (دین حق کو) جھوٹا بتا دیا (جو اعراض کا انتہائی درجہ ہے اور صرف اسکے ابتدائی درجہ یعنی بے التفاتی پر اکتفاء نہیں کیا اور پھر تکذیب بھی خالی نہیں بلکہ استہزار کے ساتھ) سواب عنقریب اُن کو اس بات کی حقیقت معلوم ہو جاوے گی جس کے ساتھ یہ استہزار کیا کرتے تھے (یعنی جب عذاب الہی کا موت کے وقت یا قیامت میں معائنہ ہوگا، اس وقت قرآن کے اور مافی القرآن یعنی عذابِ غیرہ کے حق ہونیکا انکشاف ہو جاوے گا) کیا انھوں نے زمین کو نہیں دیکھا (جو اُن سے بہت قریب ہر وقت پیش نظر ہے) کہ ہم نے اس میں کس قدر عمدہ عمدہ قسم قسم کی بوٹیاں اُگائی ہیں (جو مثل جمیع مصنوعات کے اپنے بنانے والے کے وجود اور اُس کی یکتائی اور کمال قدرت پر دلالت کرتی ہیں کہ) اس میں (توحید ذاتی و صفاتی و افعالی کی) ایک بڑی نشانی (عقلی) ہے (اور یہ مسئلہ بھی عقلی ہے کہ خدائی کے لئے کمال ذاتی و صفاتی شرط ہے اور کمال مذکور کے لوازم میں سے ہے کہ وہ خدائی میں اکیلا ہو) اور (باوجود اسکے) ان میں کے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے (اور شرک کرتے ہیں، غرض شرک کرنا انکارِ نبوت سے بھی بڑھ کر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان کے عناد نے ان کی فطرت کو بالکل مختل کر دیا پھر ایسوں کے پیچھے کیوں جان کھوی جاوے) اور (اگر ان کو شرک کے مذموم عند اللہ ہونے میں یہ شبہ ہو کہ ہم پر عذاب فوراً کیوں نہیں آجاتا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ) بلاشبہ آپ کا رب (باوجود اس کے کہ) غالب (اور کامل قدرت) ہے (مگر اسکے ساتھ ہی) رحیم (بھی) ہے (اور اسکی رحمت عائدہ نیا میں کفار سے بھی متعلق ہے اسکا اثر یہ ہے کہ ان کو مہلت دے رکھی ہے ورنہ کفر یقیناً مذموم اور عذاب مقتضی ہی)

## معارف و مسائل

كَذَّبَ بِآيَاتِنَا ۚ فَاصْطَفِ الْآيَةَ، بِاصْطَفِ بَعْضُ مِمَّا شَتَّىٰ هِيَ جَسَدٌ يَدْعُو كَذَّبَ



دخاع تک پہنچ جائے جو گردن کی ایک رگ ہے۔ اور اس جگہ بائخ سے مراد اپنے آپ کو تکلیف اور مشقت میں ڈالنا ہے۔ علامہ عسکری نے فرمایا کہ اس جیسے مقامات میں اگرچہ صورت جملہ خبریہ کی ہے مگر حقیقتہً اس سے مراد نہی اور ممانعت کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبر، اپنی قوم کے کفر اور اسلام سے انحراف کے سبب اتنا رنج نہ کیجئے کہ جان گھٹنے لگے۔ اس آیت سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ کسی کافر کے بارے میں اگر یہ معلوم بھی ہو جائے کہ اس کی تقدیر میں ایمان لانا نہیں ہے تب بھی اس کو تبلیغ کرنے سے رکنا نہیں چاہیے، دوسرے یہ معلوم ہوا کہ مشقت میں اعتدال چاہیے اور جو شخص ہدایت نہ پائے اُس پر زیادہ حزن و غم نہ کیا جائے۔

لَا تَشَأْ نُزِّلَ عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ آيَةٌ فَظَلَّ أَعْنَاءُ هَٰؤُلَاءِ خَاضِعِينَ، علامہ زخشری نے فرمایا کہ اصل کلام فظلو الہا خاضعین ہے۔ یعنی کفار اس بڑی نشانی کو دیکھ کر تابع ہو جاویں اور ٹھیک جائیں لیکن یہاں اعناق کا لفظ یہ ظاہر کرنے کے لئے لایا گیا ہے کہ موضع خضوع ظاہر ہو جائے کیونکہ جھکنا وغیرہ اور عاجزی کرنا سب سے پہلے گردن پر ظاہر ہوتا ہے۔ مضمون اس آیت کا یہ ہے کہ ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ اپنی توحید اور قدرت کاملہ کی کوئی نشانی ظاہر کر دیں جس سے احکام شرعیہ اور حقائق الہیہ سی ہو کر سامنے آجائیں اور کسی کو مجال انکار نہ رہے مگر حکمت کا مقتضار یہ ہے کہ یہ احکام و معارف بدیہی نہیں بلکہ نظری رہیں کہ غور و فکر پر موقوف رہیں اور یہی غور و فکر انسان کی آزمائش ہے اسی پر ثواب و عذاب مرتب ہے۔ بدیہی چیزوں کا اقرار تو ایک طبعی اور ضروری امر ہے اس میں تعبد اور اطاعت کی شان نہیں (قطبی) ذُوْجِ کَرِیْمٍ، ذُوْجِ کے لفظی معنی جوڑے کے ہیں اسی لئے مرد و عورت، نر و مادہ کو زوج کہا جاتا ہے بہت سے درختوں میں بھی نر و مادہ ہوتے ہیں ان کو اس مناسبت سے بھی زوج کہا جاسکتا ہے اور کبھی لفظ ذُوْجِ ایک خاص نوع اور صنف کے معنی میں بھی آتا ہے اس معنی کے لحاظ سے درختوں کی ہر فرع کو زوج کہا جاسکتا ہے اور کریم کے معنی ہیں عمدہ اور پسندیدہ چیز۔

وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ إِنَّ إِلَٰهَ الْغَالِمِينَ ۖ قَوْمٌ فَرْعَوْنَ ۖ

اور جب بنگار اتیرے رب نے موسیٰ کو کہ جا اس قوم گنہگار کے پاس قَوْمِ فِرْعَوْنَ کے پاس

أَلَا يَتَّقُونَ ۚ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ۚ ۝۱۳ وَيَضْحِكُوا

کیا وہ ڈرتے نہیں بولا اے رب میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھٹلائیں اور دیک جاتا ہے

صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَرُونَ ۚ ۝۱۴ وَكَلِّمْنَا

میرا جی اور نہیں چلتی ہے میری زبان سو پیغام دے ہارون کو اور اُن کو مجھ پر ہے

ذَنْبٍ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ۚ ۝۱۵ قَالَ كَلَّا هَٰذَا بَيِّنَاتٌ لِّنَا

ایک گناہ کا دعویٰ، سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں فرمایا کبھی نہیں تم دونوں جاؤ گے کہ ہماری نشانیاں ہم



مَعَكُمْ مُسْتَمْعُونَ ۝۱۵ فَاتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝۱۶

ساتھ تمہارے سنتے ہیں سو جاؤ فرعون کے پاس اللہ کو ہم پیغام لے کر آئے ہیں پروردگار عالم کا

أَنْ أَرْسِلَ مَعَنَا بَنِي إِسْرَءِيلَ ۝۱۷ قَالَ أَلَمْ تُرَبِّكْ فِينَا وَلِيدًا

یہ کہ بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بولا کیا نہیں پالا ہم نے تجھ کو اپنے اندر لڑکا سا

وَكَيْتَتْ فِينَا مِنْ عُمَرَاؤَ سِينِينَ ۝۱۸ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الْكُبَىٰ

اور رہا تو ہم میں اپنی عمر میں سے کئی برس اور کر گیا تو اپنی وہ کرتوت جو

فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝۱۹ قَالَ فَعَلْتُمَهَا إِذْ أَوَّأْنَا مِنَ الضَّالِّينَ ۝۲۰

کر گیا اور تو ہے ناشکر کہا کیا تو تھا میں نے وہ کام اور میں تھا چوکنے والا

فَقَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنْ

پھر بھاگ میں تم سے جب تمہارا ڈر دیکھا پھر بخشا مجھ کو میرے رب نے حکم اور ٹھہرایا مجھ کو پیغام

الْمُرْسَلِينَ ۝۲۱ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَىٰ أَنْ عَبَّدتَ بَنِي

پہنچانے والا اور کیا وہ احسان ہے جو تو مجھ پر رکھتا ہے کہ غلام بنایا تو نے بنی

إِسْرَءِيلَ ۝۲۲ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝۲۳ قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ

اسرائیل کو بولا فرعون کیا معنی پروردگار عالم کا کہا پروردگار آسمان اور

وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ ۝۲۴ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ

زمین کا اور جو کچھ ان کے پیچ میں ہے اگر تم یقین کرو بولا اپنے گرد والوں سے

أَلَا تَسْتَمْعُونَ ۝۲۵ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ۝۲۶ قَالَ

کیا تم نہیں سنتے ہو کہا پروردگار تمہارا اور پروردگار تمہارے اگلے باپ دادوں کا بولا

إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ۝۲۷ قَالَ رَبُّ

تمہارا پیغام لانے والا جو تمہاری طرف بھیجا گیا ضرور باؤلا ہے کہا پروردگار

الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ۝۲۸ قَالَ

مشرق کا اور مغرب کا اور جو کچھ ان کے پیچ میں ہے، اگر تم سمجھ رکھتے ہو بولا

لَئِنْ اتَّخَذْتُ الْهَآغِيرَىٰ لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُورِينَ ۝۲۹ قَالَ

اگر تو نے ٹھہرایا کوئی اور حاکم میرے سوائے تو مقرر ڈالوں گا تجھ کو قید میں کہا

أَوْ لَوْجِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِينٍ ۝۳۰ قَالَ فَأْتِ بِهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ

اور اگر لیکر آیا ہوں تیرے پاس ایک چیز کھول دینے والی بولا تو وہ چیلنے والا اگر تو

الصَّادِقِينَ ۝۳۱ فَآتَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ۝۳۲ وَنَزَعَ

سجھتا ہے پھر ڈال دیا اپنا عصا، سو اسی وقت وہ اڑ رہا ہو گیا صریح اور اندر سے



يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بِإِصْبَاءٍ لِلَّذِينَ

نیکالایا ہاتھ، سو اسی وقت وہ سفید تھا دیکھنے والوں کے سامنے

## خلاصہ تفسیر

اور (ان لوگوں سے اس وقت کا قصہ ذکر کیجئے) جب آپ کے رب نے موسیٰ (علیہ السلام) کو بھارا (اور حکم دیا) کہ تم ان ظالم لوگوں کے یعنی قوم فرعون کے پاس جاؤ (اور اے موسیٰ دیکھو) کیا یہ لوگ (ہمارے غضب) نہیں ڈرتے (یعنی ان کی حالت عجیب اور شیع ہے اسلئے ان کی طرف تم کو بھیجا جاتا ہے) انھوں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار، (میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں لیکن اس خدمت کی تکمیل کے لئے ایک مددگار چاہتا ہوں کیونکہ) مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ مجھ کو (اپنی پوری بات کہنے سے پہلے ہی) جھٹلانے لگیں اور (طبعی طور پر ایسے وقت میں) میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان (اچھی طرح) نہیں چلتی اس لئے ہارون کے پاس (بھی وحی) بھیج دیجئے (اور ان کو نبوت عطا فرما دیجئے کہ اگر میری تکذیب کی جادے تو وہ تصدیق کرنے لگیں تاکہ دل شگفتہ اور زبان رواں رہے اور اگر میری زبان کسی وقت بند ہو جادے تو وہ تقریر کرنے لگیں اور ہر چند کہ یہ غرض دیسے بھی ہارون علیہ السلام کو بلا نبوت عطا ہوئے ساتھ رکھنے سے حاصل ہو سکتی تھی مگر عطا ئے نبوت میں اور زیادہ باکمل وجوہ پوری ہوئی) اور (ایک امر یہ قابلِ عرض ہے کہ) میرے ذمہ ان لوگوں کا ایک جرم بھی ہے (کہ میرے ہاتھ سے ایک قبلی قتل ہو گیا تھا جسکا قصہ سورہ قصص میں آدینکا) سو (اسلئے) مجھ کو (ایک) یہ اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھ کو (قبل تبلیغ رسالت) قتل کر ڈالیں (تب بھی تبلیغ نہ کر سکوں گا تو اس کی بھی کوئی تدبیر فرما دیجئے) ارشاد ہوا کہ کیا مجال ہے (جو ایسا کر سکیں اور ہم نے ہارون کو بھی پیغمبری دی، اب تبلیغ کے دونوں مانع مرتفع ہو گئے) سو (اب) تم دونوں میرے احکام کے کرجاؤ (کہ ہارون بھی نبی ہو گئے اور) ہم (نصرت و امداد سے) تمھارے ساتھ ہیں (اور جو گفتگو تمھاری اور ان لوگوں کی ہوگی اُس کو) سنتے ہیں سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور (اس) سے کہو کہ ہم رب العالمین کے فرستادہ ہیں (اور دعوت الی التوحید کے ساتھ یہ حکم بھی لائے ہیں) کہ تو بنی اسرائیل کو (اپنے بیگار اور ظلم سے رہائی دے کر ان کے اصلی وطن ملک شام کی طرف) ہمارے ساتھ جانے دے (خلاصہ اس دعوت کا حقوق اللہ اور حقوق العباد میں ظلم و تعدی کا ترک کرنا ہے، چنانچہ یہ دونوں حضرات گئے اور فرعون سے سب مضامین کہہ دیئے) فرعون (یہ سب باتیں سن کر اول موسیٰ علیہ السلام کی طرف ان کو پہچان کر متوجہ ہوا اور) کہنے لگا کہ (ا ہا تم ہو) کیا ہم نے تم کو بچپن میں پرورش نہیں کیا اور تم اپنی (اس) عمر میں برسوں ہم میں رہا سہا کئے اور تم نے اپنی وہ حرکت بھی کی تھی جو کی تھی (یعنی قبلی کو قتل کیا تھا) اور تم بڑے ناسپاس ہو (کہ میرا ہی کھایا، میرا ہی آدمی قتل کیا اور



پھر مجھ کو اپنا تابع بنانے آئے ہو، چاہیے تو یہ تھا کہ تم میرے سامنے دب کر رہتے (موسیٰ علیہ السلام) نے جواب دیا کہ (واقعی) اس وقت وہ حرکت میں کر بیٹھا تھا اور مجھ سے غلطی ہو گئی تھی (یعنی عدا میں نے قتل نہیں کیا، اُس کی ظالمانہ روش سے اس کو روکنا مقصود تھا اتفاق سے وہ مر گیا) پھر جب مجھ کو ڈر لگا تو میں تمہارے ہاں سے مفروز ہو گیا، پھر مجھ کو میرے رب نے دانشمندی عطا فرمائی اور مجھ کو پیغمبروں میں شامل کر دیا (اور وہ دانشمندی اسی نبوت کے لوازم سے ہے۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ میں پیغمبری کی حیثیت سے آیا ہوں جس میں دبے کی کوئی وجہ نہیں اور پیغمبری اس واقعہ قتلِ خطار کے منافی نہیں کیونکہ یہ قتل خطارِ صادر ہوا تھا جو نبوت کی اہلیت و صلاحیت کے منافی نہیں۔ یہ تو جواب ہے اعتراضِ قتل کا) اور (رہا احسان جتلانا پرورش کا سو) وہ یہ نعمت ہے جس کا تو مجھ پر احسان رکھتا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت (اور ظلم) میں ڈال رکھا تھا (کہ اُنکے لڑکوں کو قتل کرتا تھا جس کے خوف سے میں صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈالا گیا اور تیرے ہاتھ لگ گیا اور تیری پرورش میں رہا تو اس پرورش کی اصلی وجہ تو تیرا ظلم ہی ہے تو ایسی پرورش کا کیا احسان جتلانا ہو بلکہ اس سے تو تجھے اپنی ناشائستہ حرکات کو یاد کر کے شرمانا چاہیے) فرعون (اس بات پر لا جواب ہوا اور گفتگو کا پہلو بدل کر اُس نے کہا کہ) جس کو تم (رَبُّ الْعَالَمِينَ) کہتے ہو لقولہ تعالیٰ (اِنَّ رَسُوْلًا رَّسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ) (اور حقیقت) کیا ہے موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اہل جو کچھ (مخلوق) اُن کے درمیان میں ہے اس (سب) کا اگر تم کو یقین (حاصل) کرنا ہو (تو یہ پتہ بہت ہے، مطلب یہ کہ اس کی حقیقت کا ادراک انسان نہیں کر سکتا اس لئے جب ان کا سوال ہو گا صفات سے ہی جواب ملے گا) فرعون نے اپنے ارد گرد (بیٹھنے) والوں سے کہا کہ تم لوگ (کچھ) سنتے ہو (کہ سوال کچھ جواب کچھ) موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ وہ پروردگار ہے تمہارا اور تمہارے پہلے بزرگوں کا (اس جواب میں مکر و تنبیہ ہے اس مطلب کو پر مگر) فرعون (نہ سمجھا اور) کہنے لگا کہ یہ تمہارا رسول جو (بزرگم خود) تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہے مجنون (معلوم ہوتا) ہے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ وہ پروردگار ہے مشرق اور مغرب کا اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اس کا بھی اگر تم کو عقل ہو (تو اسی سے مان لو) فرعون (آخر مجبور ہو کر) کہنے لگا کہ اگر تم میرے سوا کوئی اور معبود تجویز کرو گے تو تم کو جیل خانہ بھیج دوں گا۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کیا اگر کوئی میں صریح دلیل پیش کروں تب بھی (نہ مانے گا) فرعون نے کہا اچھا تو وہ دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو، تو موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی لامٹی ڈال دی تو دفعۃً ایک نمایاں اثر دہا بن گیا (اور دوسرا معجزہ دکھلانے کے لئے) اپنا ہاتھ (گرمیابان میں دے کر) باہر نکالا تو وہ دفعۃً سب دیکھنے والوں کے روبرو بہت ہی چمکتا ہوا ہو گیا (کہ اس کو بھی سب نے نظر حستی سے دیکھا)۔



## معارف و مسائل

اطاعت کے لئے معاون اسباب | قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یَّکُوْنُوْنَ ۝ وَ یُضِیْقُوْا صَدْرِیْ  
کی طلب بہانہ جوئی نہیں | وَلَا یَنْطَلِقُ لِسٰتِیْۤ اَوْ اُرْسِلْ رٰلِیْ هٰرُوْنَ ۝ وَ کَہْمٌ عَلٰی ذَنْبِیْ

فَاَخَافُ اَنْ یَّفْتُلُوْنِ ۝ ان آیات مبارکہ سے ثابت ہوا کہ کسی حکم کے بجالانے میں کچھ ایسی چیزوں کی درخواست کرنا جو تعمیل حکم میں مددگار ثابت ہوں کوئی بہانہ جوئی نہیں ہے بلکہ جائز ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم خداوندی پاکر اس کی بجا آوری کو سہل اور مضیق کرنے کے لئے خدائے ذوالجلال سے درخواست کی۔ لہذا اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم خداوندی کو بلا توقف بسر و چشم قبول کیوں نہ کیا؟ اور توقف کیوں فرمایا؟ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ کیا، تعمیل حکم ہی کے سلسلہ میں کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے | قَالَ فَعَلْتُهَا اِذَاۤ اَنَا مِنَ الصّٰغِرٰتِیْنَ - فرعون کے اس سوال پر کہ تم نے اے  
حق میں لفظ ضلال کا مفہوم | موسیٰ ایک قبلی کو قتل کیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواباً فرمایا کہ ہاں  
میں نے قتل ضرور کیا تھا لیکن وہ قتل ارادۃ اور قصد سے نہ تھا بلکہ اُس قبلی کو اُس کی خطا پر مستحب کرنے  
کے لئے گھونسا مارا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ نبوت کے منافی قتل عمد ہے اور یہ قتل بلا ارادہ  
ہوا تھا جو منافی نبوت نہیں۔ حاصل یہ ہوا کہ یہاں ضلال کا مطلب ”بے خبری“ ہے اور اس سے مراد قبلی  
کا بلا ارادہ قتل ہو جانا ہے۔ اس معنی کی تائید حضرت قتادہ رحمہ اور ابن زید کی روایات سے بھی ہوتی ہے  
کہ دراصل عربی میں ضلال کے کئی معنی آتے ہیں، اور ہر جگہ اسکا مطلب گمراہی نہیں ہوتا۔ یہاں بھی اسکا  
ترجمہ گمراہ کرنا درست نہیں۔

خدائے ذوالجلال کی ذات و حقیقت کا | قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِیْنَ، اس آیت مبارکہ سے ثابت  
علم انسان کے لئے ناممکن ہے | ہوا کہ خدائے ذوالجلال کی کتنی حقیقت کا جاننا ممکن نہیں کیونکہ  
فرعون کا سوال خدا تعالیٰ کی حقیقت، ماہیت کے متعلق تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بجائے ماہیت  
باری تعالیٰ بتلانے کے خدا تعالیٰ کے اوصاف بیان فرمائے جس سے اشارہ فرمادیا کہ خدا تعالیٰ کی کتنی اور  
حقیقت کا ادراک ناممکن ہے اور ایسا سوال ہی کرنا بیجا ہے۔ (کنافی ص ۳۷)

اَنْ اُرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْۤ اِسْرٰءِیْلَ، بنی اسرائیل ملک شام کے باشندے تھے، وہاں جانا  
چاہتے تو فرعون ان کو جانے نہ دیتا تھا اس طرح چار سو سال سے وہ اسکی قید میں غلامی کی زندگی بسر  
کر رہے تھے ان کی تعداد اسوقت چھ لاکھ تیس ہزار تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو پیغام حق پہنچانے  
کے ساتھ ہی بنی اسرائیل پر جو ظلم اُس نے کر رکھا تھا اُس سے باز آنے اور اُن کو آزاد چھوڑ دینے کی ہدایت  
فرمائی۔ (قطبی)



پیغمبرانہ مناظرہ کا ایک نمونہ | دو مختلف خیال شخصوں اور جماعتوں میں نظریاتی بحث و مباحثہ جسکو مناظرے کے مؤثر آداب اصطلاح میں مناظرہ کہا جاتا ہے، زمانہ قدیم سے رائج ہے مگر عام طور پر مناظرہ ایک ہار جیت کا کھیل ہو کر رہ گیا ہے۔ لوگوں کی نظر میں مناظرہ کا حاصل اتنا ہی ہو کہ اپنی بات اونچی ہو، چاہے اس کی غلطی خود بھی معلوم ہو چکی ہو، اُس کو صحیح اور قوی ثابت کرنے کیلئے دلائل اور ذہانت کا سارا زور خرچ کیا جائے۔ اسی طرح مخالف کی کوئی بات سچی اور صحیح بھی ہو تو بہر حال رد ہی کرنا اور اسکی تردید میں پوری توانائی صرف کرنا ہے۔ اسلام ہی نے اس کام میں خاص اعتدال پیدا کیا ہے اُسکے اصول و قواعد اور حدود متعین کر کے اسکو ایک مفید و مؤثر آلہ تبلیغ و اصلاح بنایا ہے۔ آیات مذکورہ میں اسکا ایک مختصر سا نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے جب فرعون جیسے جبار خدائی کے مدعی کو اُس کے دربار میں دعوت حق پہنچائی تو اُس نے مخالفانہ بحث کا آغاز اول دو ایسی باتوں سے کیا جنکا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذات سے تھا۔ جیسا ہوشیار مخالف عموماً جب اصل بات کے جواب پر قادر نہیں ہوتا تو مخاطب کی ذاتی کمزوریاں ڈھونڈا اور بیان کیا کرتا ہے تاکہ وہ کچھ شرمندہ ہو جائے اور لوگوں میں اُس کی ہوا اکھڑ جائے، یہاں بھی فرعون نے دو باتیں کہیں۔ اول تو یہ کہ تم ہمارے پروردہ ہمارے گھر میں پلکے جوان ہوئے ہو۔ ہم نے تم پر احسانات کئے ہیں۔ تمہاری کیا مجال ہے کہ ہمارے سامنے بولو۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم نے ایک قبیلے کو بلاوجہ قتل کر ڈالا ہے جو علاوہ ظلم کے حق نا شناسی اور ناشکری بھی ہے کہ جس قوم میں پلے اور جوان ہوئے اُسی کے آدمی کو مار ڈالا۔ اس کے بالمقابل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیغمبرانہ جواب دیکھئے کہ اول تو جواب میں سوال کی ترتیب کو بدلا یعنی قبیلے کے قتل کا قصہ جو فرعون نے بعد میں بیان کیا تھا اُسکا جواب پہلے آیا۔ اور خانہ پروردہ ہونے کے احسان کا ذکر جو پہلے کیا تھا اُسکا جواب بعد میں۔ اس ترتیب بدلنے میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ واقعہ قبیلے میں ایک اپنی کمزوری ضرور واقع ہوئی تھی آجکل کے مناظروں کے طرز پر تو ایسی چیز کے ذکر ہی کو زلا لایا دیا جاتا ہے اور دوسری باتوں کی طرف توجہ پھیرنے کی کوشش کی جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے رسول نے اُسی کے جواب کو اولیت دی۔ اور جواب بھی فی الجملہ اعتراف کمزوری کے ساتھ دیا۔ اسکی قطعاً پروا نہ کی کہ مخالف لوگ کہیں گے کہ انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے ہار مان لی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں اسکا تو اعتراف کر لیا کہ اس قتل میں مجھ سے غلطی اور خطا ہو گئی مگر ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا کہ یہ غلطی قصداً نہیں تھی ایک صحیح اقدام تھا جو اتفاقاً غلط انجام پر پہنچ گیا کہ مقصد تو قبیلے کو اسرائیلی شخص پر ظلم سے روکنا تھا اسی قصد سے اس کو ایک ضرب لگائی تھی اتفاقاً وہ اسی سے مر گیا اسلئے یہ فعل خطا ہونے کے باوجود ہمارے اصل معاملہ یعنی نبوت کے دعوے اور اُس کی حقانیت پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔ مجھے اس غلطی پر تنبیہ ہو اور قانونی گرفت



کے خوف سے شہر سے نکل گیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر کرم فرمایا اور نبوت و رسالت سے سرفراز فرمادیا۔  
 غور کیجئے کہ اس وقت دشمن کے مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام کا سیدھا صاف جواب یہ تھا کہ مقتول قبطی  
 کو واجب القتل ثابت کرتے، اس پر ایسے الزامات لگاتے جس سے اس کا واجب القتل ہونا ثابت ہوتا۔ کوئی دوسرا  
 آدمی تکذیب کرنے والا بھی وہاں موجود نہ تھا جس سے تردید کا اندیشہ ہوتا، اور اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام  
 کے سوا کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو اس کا جواب اسکے سوا کچھ نہ ہوتا مگر وہاں تو خدا تعالیٰ کا ایک دلو العزم رسول  
 صدق مجسم تھا جو حق و صدق اور حقیقت کے اظہار ہی کو اپنی فتح سمجھتا تھا۔ دشمن کے بھرے دربار میں اپنی  
 خطا کا اعتراف بھی کر لیا اور اس سے جو نبوت و رسالت پر شبہ ہو سکتا تھا اس کا جواب بھی دیدیا۔ اسکے  
 بعد پہلی بات یعنی خانہ پروردہ ہونیکے احسان جملانے کے جواب کی طرف توجہ فرمائی تو اسکے اس ظاہری احسان  
 کی اصل حقیقت کی طرف توجہ دلا دی کہ ذرا سوچو، میں کہاں اور دربار فرعون کہاں؟ میری پرورش تمہارے  
 گھر میں ہونیکے سبب پر غور کرو تو یہ حقیقت کھل جائے گی کہ تم جو پوری قوم بنی اسرائیل پر یہ خلافِ انصاف  
 ظلم توڑ رہے تھے کہ انکے بے گناہ معصوم لڑکوں کو قتل کر دیتے تھے، بظاہر تو تمہارے اس ظلم و تم سے بچنے  
 کے لئے میری والدہ نے مجھے دریا میں ڈالا اور تمہنے اتفاقی طور پر میرا تابوت دریا سے نکال کر گھر میں رکھ لیا  
 اور حقیقت یہ اللہ تعالیٰ کا حکیمانہ انتظام اور تمہارے ظلم کی فیسی سزا تھی کہ جس بچے کے خطرہ سے بچنے کے لئے تم  
 نے ہزاروں بچے قتل کر ڈالے تھے قدرت نے اُس بچے کو تمہارے ہی ہاتھوں پلویا۔ اب سوچو کہ یہ میری  
 پرورش تمہارا کیا احسان تھا۔ اسی پیغمبرانہ طرز جواب کا یہ اثر تو طبعی اور عقلی طور پر حاضرین پر ہوتا ہی  
 تھا کہ یہ بزرگ کوئی بات بنانے والے نہیں، سچ کے سوا کچھ نہیں کہتے، اسکے بعد جب ہجرات دیکھے  
 تو اور زیادہ اکی تصدیق ہو گئی۔ اور گوا قرار نہیں کیا مگر مرعوب اتنا ہو گیا کہ یہ صرف دو آدمی جن کے  
 آگے چھپے کوئی تیسرا مددگار نہیں، دربار سارا اسکا، شہر اور ملک اسکا، مگر یہ خوف اس پر طاری ہے  
 کہ یہ دو آدمی ہمیں اپنے اس ملک و مملکت سے نکال دیں گے۔

یہ ہوتا ہے خدا داد رعب اور صدق و حق اور سچائی کی ہیبت۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے  
 مجادلات و مناظرات بھی صدق و سچائی اور مخاطب کی دینی خیر خواہی کے جذبات سے پُر ہوتے ہیں۔  
 وہی دلوں میں گھر کرتے ہیں اور بڑے بڑے سرکشوں کو رام کر لیتے ہیں۔

قَالَ لِلْمَلَاحِقَةِ إِنَّ هَذَا السِّحْرُ عَلِيمٌ ﴿۳۴﴾ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ

بولا اپنے گرد کے سرداروں سے یہ تو کوئی جادوگر ہے بڑھا ہوا چاہتا ہے کہ نکال دے تم کو تمہارے

مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ ﴿۳۵﴾ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿۳۶﴾ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ

دیس سے اپنے جادو کے زور سے، سو اب کیا حکم دیتے ہو بولے ڈھیل دے اس کو اور اسکے بھائی کو



وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ خَشِرِينَ ۝۳۶ يَأْتُواكَ بِكُلِّ سِحَرٍ عَلِيمٍ ۝۳۷

اور بھیجے شہروں میں نقیب لے آئیں تیرے پاس جو بڑا جادوگر ہو پڑھا ہوا

فَجَمِيعَ السَّحَرَةِ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۝۳۸ وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ

پھر اکٹھے کئے جادوگر وعدہ پر ایک مقرر دن کے اور کہدیا لوگوں کو کیا تم ہی

مُجْتَمِعُونَ ۝۳۹ لَعَلَّنَا نُلْبِغُ السَّحَرَةَ إِنْ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ۝۴۰ فَلَمَّا

اکٹھے ہو گئے شاید ہم راہ قبول کر لیں جادوگروں کی اگر ہو ان کو غلبہ پھر جب

جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَإِنَّا لَنَأْجُزُ إِيَّاهُ كُنَّا حُنَّ الْغَالِبِينَ ۝۴۱

آئے جادوگر کہنے لگے فرعون سے بھلا کچھ ہمارا حق بھی ہے اگر ہو ہم کو غلبہ

قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذَا لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝۴۲ قَالَ لَهُمُ مُوسَى أَتَقُولُوا

بولا البتہ اور تم اس وقت مقربوں میں ہو گئے کہا ان کو موسیٰ نے ڈالو جو

مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ۝۴۳ فَاتَّقُوا حِبَالَ اللَّهِ وَعَصِيَّهِمْ وَقَالُوا بَعْدَ فُرْقَانٍ

تم ڈالتے ہو پھر ڈالیں انہوں نے اپنی رسیاں اور لاشیاں اور بولے فرعون کے اقبال سے

إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ۝۴۴ فَأُلْقِيَ مُوسَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا

ہماری ہی فتح ہے پھر ڈالا موسیٰ نے اپنا عصا پھر تبھی وہ نکلنے لگا جو سانگلہ ٹھون

يَأْفِكُونَ ۝۴۵ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سِجْدِينَ ۝۴۶ قَالُوا أَمَّا رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝۴۷

نے بنایا تھا پھر اونڈھے گرے جادوگر سجدہ میں بولے ہم نے مان لیا جہان کے رب کو

رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ ۝۴۸ قَالَ أَمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ أَدْنِ لَكُمْ

جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا بولا تم نے اس کو مان لیا ابھی میں نے حکم نہیں دیا تم کو،

إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمْ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝۴۹ لَا قِطْعَانَ

مقرر وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو سکھلایا جادو سواب معلوم ہو کر لو گے البتہ کاٹوں گا

أَيِّدِيكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ وَلَا وَصْلَ بَيْنَكُمْ أَجْمَعِينَ ۝۵۰

تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں اور ٹوٹی پر چڑھاؤں گا تم سب کو

قَالُوا أَضَلُّرَاءًا نَا إِلَى رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ۝۵۱ إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا

بولے کچھ ڈر نہیں ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے ہم غرض رکھتے ہیں کہ بخش دے ہم کو رب

رَبَّنَا خَطِينًا أَنْ كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ۝۵۲

ہمارا تقصیر ہماری اس واسطے کہ ہم ہوئے پہلے قبول کرنے والے



## خلاصہ تفسیر

(حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جو یہ معجزات ظاہر ہوئے تو) فرعون نے اہل دربار سے جو اسکے پاس (بیٹھے) تھے کہا کہ اس میں کوئی رشک نہیں کہ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے اسکا (اصل) مطلب یہ ہے کہ اپنے جادو (کے زور) سے (خود رئیس ہو جاوے اور) تم کو تمھاری زمین سے باہر کر دے (تاکہ بلامرأمت غیرے اپنی قوم کو لے کر ریاست کرے) سو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو؟ درباریوں نے کہا کہ آپ انکو اور ان کے بھائی کو (چندے) مہلت دیجئے اور (اپنے ملک کے حدود کے) شہروں میں (گرداوروں کو یعنی) چیراسیوں کو (حکمنائے دیکر) بھیج دیجئے کہ وہ (سب شہروں سے) سب ماہر جادوگروں کو (جمع کر کے) آپ کے پاس لا کر حاضر کر دیں، غرض وہ جادوگر ایک معین دن کے خاص وقت پر جمع کر لئے گئے (معین دن سے مراد یوم الزینت ہے اور خاص وقت سے مراد وقت چاشت ہے جیسے سورہ ظہر کے شروع رکوع سوم میں مذکور ہے، یعنی اس وقت کے قریب تک سب لوگ جمع کر لئے گئے اور فرعون کو جمع ہونے کی اطلاع دیدی گئی) اور (فرعون کی جانب سے بطور اعلان عام کے) لوگوں کو یہ اشتہار دیا گیا کہ کیا تم لوگ (فلاں موقع پر واقعہ دیکھنے کے لئے) جمع ہو گے (یعنی جمع ہو جاؤ) تاکہ اگر جادوگر غالب آجاویں (جیسا کہ غالب توقع ہے) تو ہم انھیں کی راہ پر رہیں (یعنی وہی راہ جس پر فرعون تھا اور دوسروں کو بھی اس پر رکھنا چاہتا تھا۔ مطلب یہ کہ جمع ہو کر دیکھو، امید ہے کہ جادوگر غالب رہیں گے تو ہم لوگوں کے طریق کا حق ہونا حجت سے ثابت ہو جائے گا) پھر جب وہ جادوگر (فرعون کی پیشی میں) آئے تو فرعون سے کہنے لگے کہ اگر (موسیٰ علیہ السلام) پر ہم غالب آگئے تو کیا ہمکو کوئی بڑا صلہ (اور انعام) ملے گا، فرعون نے کہا ہاں (انعام مالی بھی بڑا ملے گا) اور (مزید برآں یہ مرتبہ ملے گا کہ) تم ہر صورت میں (ہمارے) مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے (غرض اس گفتگو کے بعد عین موقعہ مقابلہ پر آئے اور دوسری طرف موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے اور مقابلہ شروع ہوا اور ساحروں نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ اپنا عصا پہلے ڈالئے گا یا ہم ڈالیں) موسیٰ (علیہ السلام) نے اُن سے فرمایا کہ تم کو جو کچھ ڈالنا (منظور) ہو (میدان میں) ڈالو، سوائے انھوں نے اپنی رتیاں اور لٹھیاں ڈالیں (جو جادو کے اثر سے سانپ معلوم ہوتے تھے) اور کہنے لگے کہ فرعون کے نصیب کی قسم بے شک ہم ہی غالب آدیں گے، پھر موسیٰ (علیہ السلام) نے (بحکم خداوندی) اپنا عصا ڈالا، ڈالنے کیساتھ ہی (اڑدیا بن کر) اُنکے تمام تر بنے بنائے دھندے کو ننگنا شروع کر دیا سو (یہ دیکھ کر) جادوگر (ایسے متاثر ہوئے کہ) سب سجدہ میں گر پڑے (اور یچار پچار کر) کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کا بھی رب ہے، (فرعون بڑا گھبرایا کہ ہمیں ایسا نہ ہو کہ ساری



رعایا ہی مسلمان ہو جاوے تو ایک مضمون گھڑ کر بصورت عتاب ساحروں سے (کہنے لگا کہ ہاں تم موسیٰ پر ایمان لے آئے بغیر اسکے کہ میں تم کو اجازت دوں ضرور) معلوم ہوتا ہے کہ (جادو میں) تم سب کا استاد ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے (اور تم اسکے شاگرد ہو اسلئے باہم خفیہ سازش کر لی ہے کہ تم یوں کر ناہم یوں کریں گے پھر اس طرح ہار جیت ظاہر کریں گے تاکہ قطبیوں سے سلطنت لیکر بفرارِ خاطر خود ریاست کرو کہ قولہ تعالیٰ (إِنَّ هَٰذَا لَمَكْرُومٌ مِّمَّا كَرَّمُوا فِي الْمَدْيَنَةِ لِتُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا) سوابق تم کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے (اور وہ یہ ہے کہ) میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تم سب کو سولی پر مانگ ڈوونگا (تاکہ اور عبرت ہو) انھوں نے جواب دیا کہ کچھ عرج نہیں ہم اپنے مالک کے پاس جا پہنچیں گے (جہاں ہر طرح امن و راحت ہے پھر ایسے مرنے سے نقصان ہی کیا اور) ہم امید رکھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف کر دے اسوجہ سے کہ ہم (اس موقع پر حاضرین میں سے) سب سے پہلے ایمان لائے (پس اس پر یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ ان سے پہلے بعضے ایمان لاچکے تھے جیسے آسیہ اور مومن آل فرعون اور بنی اسرائیل)

## معارف و مسائل

أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادو گروں سے کہا کہ آپ جو کچھ جادو دکھانا چاہتے ہو وہ دکھاؤ۔ اس پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو جادو کا حکم دے رہے ہیں، لیکن ذرا سے غور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے جادو دکھانے کا حکم نہیں تھا بلکہ جو کچھ وہ کرنے والے تھے اسکا ابطال مقصود تھا لیکن اسکا باطل ہونا بغیر اسکے ظاہر کرنے کے ناممکن تھا اسلئے آپ نے ان کو اظہار جادو کا حکم دیا جیسے کہ ایک زندیق کو کہا جائے کہ تم اپنے زندقہ اور بے دینی کے دلائل پیش کر دنا کہ میں ان کو باطل ثابت کر سکو ظاہر ہے کہ اسے کفر پر رضا مندی نہیں کہا جاسکتا۔

يَعْرِضُ قَالُوا فَتَرْكُونَ، یہ کلمہ ان جادو گروں کے لئے بمنزلہ قسم ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھی۔ افسوس کہ مسلمانوں میں بھی اب ایسی قسمیں رائج ہو گئی ہیں جو اس سے زیادہ شنیع اور قبیح ہیں مثلاً بادشاہ کی قسم، تیرے سر کی قسم، تیری ڈاڑھی کی قسم یا تیرے باپ کی قبر کی قسم، اس قسم کی قسمیں کھانا شرعاً جائز نہیں، بلکہ ان کے متعلق یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ خدا کے نام کی جھوٹی قسم کھانے میں جو گناہ عظیم ہے ان ناموں کی سچی قسم بھی گناہ میں اُس سے کم نہیں (کنافی الصفا ۴)

قَالُوا لَا تَنْفِرُوا إِنَّا إِلَى رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ، یعنی جب فرعون نے جادو گروں کو قبولِ ایمان پر قتل کی اور ہاتھ پاؤں کاٹنے اور سولی چڑھانے کی دھمکی دی تو جادو گروں نے بڑی بے پروائی سے یہ جواب



دیا کہ تم جو کچھ کر سکتے ہو کرو۔ ہمارا کوئی نقصان نہیں، ہم قتل بھی ہونگے تو اپنے رب کے پاس چلے جائیگے جہاں آرام ہی آرام ہے۔

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ جادوگر جو عمر بھر جادوگری کے کفر میں مبتلا، اُس پر مزید فرعون کے دعوائے خدائی کو ماننے والے اور اس کی پرستش کرنے والے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر اپنی پوری قوم کے خلاف فرعون جیسے ظالم جابر بادشاہ کے خلاف ایمان کا اعلان کر دیں یہی ایک حیرت انگیز چیز تھی مگر یہاں تو صرف ایمان کا اعلان ہی نہیں بلکہ ایمان کا وہ گہرا رنگ چڑھ جانے کا مظاہرہ ہے کہ قیامت و آخرت گویا انکے سامنے نظر آنے لگی۔ آخرت کی نعمتوں کا مشاہدہ ہونے لگا، جس کے مقابلے میں دنیا کی ہر سزا اور مصیبت سے بے نیاز ہو کر (فَاقْضِ مَا آتَتْ قَاضٍ) کہہ دیا یعنی جو تیرا جی چاہے کر لے ہم تو ایمان سے پھرنے والے نہیں۔ یہ بھی درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کا معجزہ ہے جو معجزہ عصا اور ید بضا سے کم نہیں، اسی طرح کے بہت سے واقعات ہمارے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ظاہر ہوئے ہیں کہ ایک منٹ میں ستر برس کے کافر میں ایسا انقلاب آگیا کہ صرف مومن ہی نہیں ہو گیا بلکہ غازی بن کر شہید ہونے کی تمنا کرنے لگا۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اسْرِ بِعِبَادِيٰ إِنَّكَ مُتَّبِعُونَ ﴿۵۲﴾

اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ رات کو بے ہنگام میرے بندوں کو ابستہ ہتھارا پیچھا کریں گے

فَارْسَلْنَا فِرْعَوْنَ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿۵۳﴾ إِنَّ هَؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ

پھر بھیجے فرعون نے شہروں میں نقیب : لوگ جو ہیں سو ایک جماعت کے

قَلِيلُونَ ﴿۵۴﴾ وَإِنَّهُمْ لَكَاغِبٌ لِّظُنُونٍ ﴿۵۵﴾ وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَاشِرُونَ ﴿۵۶﴾

تھوڑی سی اور وہ مقرر ہم سے دل چلے ہوئے ہیں اور ہم سارے اُن سے خطرہ رکھتے ہیں

فَاخْرَجْنَاهُمْ مِّنْ جَنَّتِ وَعُيُونٍ ﴿۵۷﴾ وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿۵۸﴾

پھر نکال باہر کیا ہم نے اُن کو باغوں اور چشموں سے اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے

كَذٰلِكَ وَأَوْثَنَاهُم بِبَنِي إِسْرَءِيلَ ﴿۵۹﴾ فَاتَّبَعُوهُمْ مِّشْرِيقِينَ ﴿۶۰﴾

اسی طرح اور ہاتھ لگا دیں ہم نے یہ چیزیں بنی اسرائیل کے پھر پیچھے پڑے اُنکے سورتج نکلنے کے وقت

فَلَمَّا تَرَأَّى الْجَمْعُ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُدْرِكُونَ ﴿۶۱﴾ قَالَ

پھر جب مقابل ہوئیں دونوں فوجیں کہنے لگے موسیٰ کے لوگ ہم تو پھر دے دیتے

كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِيُنِ ﴿۶۲﴾ فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اضْرِبْ

ہرگز نہیں، میرے ساتھ ہے میرا رب وہ مجھ کو راہ بتلایگا پھر حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ مار اپنے



يَعَصَاكَ الْبَحْرُ فَأَنْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ۖ وَ

عصا سے دریا کو پھر دریا پھٹ گیا تو ہر گئی ہر پھانک جیسے بڑا پہاڑ اور

أَرْفَعْنَا ثَمَرِ الْآخِرِينَ ۖ وَأَنْجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَنْ مَّعَهُ أَجْمَعِينَ ۖ

پاس پہنچا دیا ہم نے اسی جگہ دوسروں کو اور بچا دیا ہم نے موسیٰ کو اور جو لوگ تھے اسکے ساتھ سب کو

ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخِرِينَ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ كَانَ أَكْثَرُهُمْ

پھر ڈبا دیا ہم نے اُن دوسروں کو اس چیز میں ایک نشانی ہے اور نہیں تھے بہت لوگ اُن میں

مُؤْمِنِينَ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۖ

ماننے والے اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

### خلاصہ تفسیر

اور جب فرعون کو اس واقعہ سے بھی ہدایت نہ ہوئی اور اُس نے بنی اسرائیل کی آزار دہی نہ چھوڑی تو ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو حکم بھیجا کہ میرے (ان) بندوں کو (یعنی بنی اسرائیل کو) شباشب (مصر سے باہر) نکال لے جاؤ (اور فرعون کی جانب سے) تم لوگوں کا تعاقب (بھی) کیا جاویگا (چنانچہ وہ موافق حکم کے بنی اسرائیل کو لے کر رات کو چل دیے صبح یہ خبر مشہور ہوئی تو) فرعون نے (تعاقب کی تدبیر کرنے کیلئے) جا بجا آس پاس کے (شہروں میں) چپراسی دوڑا دیے (اور یہ کہلا بھیجا) کہ یہ لوگ (یعنی بنی اسرائیل ہماری نسبت) تھوڑی سی جماعت ہے (ان کے مقابلہ سے کوئی اندیشہ نہ کرے) اور اُنھوں نے (اپنی کارروائی سے) ہم کو بہت غصہ دلایا ہے (وہ کارروائی یہ ہے کہ خفیہ چالاکی سے نکل گئے یا یہ کہ زور بھی ہمارا بہت ساعاریت کے بہانے سے لے گئے غرض ہم کو احمق بنا کر گئے ضرور ان کا تدارک کرنا چاہیے) اور ہم سب ایک مسلح جماعت (اور باقاعدہ فوج) ہیں، غرض (دو چار روز میں جب سامان اور فوج درست ہو گیا تو لاؤ لشکر لے کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں چلا اور یہ خبر نہ تھی کہ اب ٹوٹنا نصیب نہ ہوگا تو اس حساب سے گویا) ہم نے اُن کو باغوں سے اور خزانوں سے اور عمدہ مکانات سے نکال باہر کیا (ہم نے انکے ساتھ تو) یوں کیا اور اُن کے بعد بنی اسرائیل کو اُن کا مالک بنا دیا (یہ جملہ معترضہ تھا آگے قصہ ہے) غرض (ایک روز) سورج نکلنے کے وقت اُن کو پیچھے سے جالیا (یعنی قریب پہنچ گئے اس وقت بنی اسرائیل دریائے قلزم سے اترنے کی فکر میں تھے کہ کیا سامان کریں) پھر جب انہوں نے جماعتیں (باہم ایسی قریب ہوئیں کہ) ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں تو موسیٰ (علیہ السلام) کے ہمراہی (گھبرا کر) کہنے لگے کہ (اے موسیٰ) بس ہم تو اُن کے ہاتھ آگئے، موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ ہرگز نہیں کیونکہ میرے ہمراہ میرا پروردگار ہے وہ مجھ کو ابھی (دریائے قلزم کا) رستہ بتا دے گا (کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو



روائی کے وقت ہی کہہ دیا گیا تھا کہ سمندر میں خشک است پیدا ہو جائیگا، فاضل کہہ کر یقیناً البحر یبسی لا تخاف درگا  
و لا تخشانی، گو خشک ہونی کی کیفیت اس وقت نہ بتلائی تھی، پس موسیٰ علیہ السلام اس عذر پر مطمئن تھے اور بنی اسرائیل کی کیفیت معلوم  
ہوئیے مضطرب تھے، پھر بنی موسیٰ (علیہ السلام) کو حکم دیا کہ اپنی عصا کو دریا پر مار دو چنانچہ (انہوں نے اس پر عصا مارا جس سے) وہ (دریا) پھٹ کر کئی  
حصے ہو گیا (یعنی پانی کئی جگہ سے اڑھو اڑھو ٹکڑے بن گیا) میں متحدہ سرکیں کھل گئیں، اور ہر حصہ آنا دہرا (تھا جیسا بڑا پہاڑ) یہ لوگ دریا میں  
امن و اطمینان سے پار ہو گئے اور ہم نے دوسری فریق کو بھی اس موقع کے قریب پہنچا دیا (یعنی فرعون اور فرعون بن بھی دریا کے نزدیک پہنچے اور  
موافق پیشینگوئی سابق و اثر لہ البحر یجری ہوا، دریا اس وقت تک اسی حال پر ٹھہرا ہوا تھا، اسلئے کھلے رستے کو غنیمت سمجھا اور آگے بڑھا  
کچھ سوچا نہیں سارا لشکر اندر گھس گیا، اور چاروں طرف پانی سمٹنا شروع ہوا اور سارے لشکر کا کام تمام ہوا) اور انجام قصہ کا یہ ہوا کہ  
بنی موسیٰ (علیہ السلام) کو اور ان کے ساتھ والوں کو (غرق ہوئیے) بچا لیا، پھر دوسروں کو (یعنی ان کے مخالفوں کو) غرق کر دیا اور (اس شخص  
میں بھی بڑی عبرت ہو) یعنی اس قابل ہو کہ کفار اس کے استدلال کریں کہ مخالفیت احکام و رسل موجب عذاب خداوندی ہو اور اس کو سمجھ کر مخالفیت سے  
بچیں، اور (بوجود اس کے) ان کفار مکہ میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور آپ کا رب بڑا زبردست ہو اگر چاہتا دنیائیں ہی انکو عذاب دیتا  
لیکن بڑا مہربان (بھی) ہو اور اسلئے اپنی رحمت عامہ سے عذاب کی ہمت مقرر کر دی ہے، پس تعجیل عذاب سے بیفکر نہ ہونا چاہئے۔

## معارف مسائل

وَأَذْرْنَا بَيْنَهُمَا بَنِي إِسْرَءِيلَ، اس آیت میں بظاہر یہ تصریح ہو کہ قوم فرعون کی چھوڑی ہوئی املاک اور جائداد، باغات و خزان  
املاک غرق فرعون کے بعد بنی اسرائیل کو بنا دیا گیا، لیکن اسمیں ایک تاریخی اشکال یہ ہے کہ خود قرآن کی متعدد آیات اس پر شاہد ہیں کہ قوم فرعون  
کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل مصر کی طرف نہیں لوٹے بلکہ اپنے اصلی وطن ارض مقدس شام کی طرف روانہ ہوئے، وہیں انکو ایک کافر قوم کے جہاد  
کر کے انکے شہر کو فتح کر نیکاح حکم ملا، جسکی تعمیل سے بنی اسرائیل نے انکار کر دیا، اس پر بطور عذاب کے اس کھلے میدان میں جہیں بنی اسرائیل موجود  
تھے ایک قدرتی جیل خانہ بنا دیا گیا، کہ وہ اس میں ان بچل نہیں سکتے تھے، اسی حال میں تین سال گزرے اور اسی ادی تہ میں انکے دونوں پیرو  
حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی وفات ہو گئی۔ اسکے بعد بھی کتب تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کس وقت بنی اسرائیل اجتماع اور قومی صورت  
سے مصر میں داخل ہوئے ہوں کہ قوم فرعون کی جائداد و خزان پر ان کا قبضہ ہوا ہو۔ تفسیر روح المعانی میں سورۃ شعراء کی اسی آیت  
کے تحت اسکے دو جوابات تفسیر حضرت حسن و قتادہ کے حوالہ سے نقل کئے ہیں، حضرت حسن کا ارشاد ہے کہ آیت مذکور میں بنی اسرائیل کو  
فرعون نے مٹا دیا تھا اور کادارث بنانے کا ذکر ہے مگر یہ کہیں مذکور نہیں کہ یہ اعدا ہلاک فرعون کے فوراً بعد ہو جائیگا، وادی تہ کے واقعہ اور  
چالیس پچاس سال کے بعد بھی اگر وہ مصر میں داخل ہوئے ہوں تو آیت کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں آتا۔ رہا یہ امر کہ تاریخ سے انکا اجتماعی دخل  
مصر ثابت نہیں تو یہ اعتراض اسلئے قابل التفات نہیں ہے کہ اُس زمانہ کی تاریخ یہودی و نصاریٰ کی لکھی ہوئی اکاڑیج بھر پور ہے جو کسی طرح  
قابل اعتماد نہیں اسکی وجہ آیت قرآن میں کوئی تاویل کرنیکی ضرورت نہیں۔ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس واقعہ کی متعلق جتنی  
آیات قرآن کریم کی متعدد سورتوں میں آئی ہیں مثلاً سورۃ اعراف آیت ۱۳۱ و ۱۳۲ اور سورۃ قصص آیت ۲۵ اور سورۃ دخان کی آیات  
۲۵ تا ۲۸ اور سورۃ شعراء کی آیت مذکورہ ان سب کے ظاہر سے اگرچہ ذہن سطر جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کو خاص امت نہیں باغا اور جائداد  
کا مالک بنایا گیا تھا جو قوم فرعون نے ارض مصر میں چھوڑی تھیں جس کیلئے بنی اسرائیل کا مصر کی طرف توجہ ضروری ہے۔ لیکن ان سب آیتوں کے  
ایضاظ میں سبکی بھی واضح گنجائش موجود ہے کہ مراد اُن سے یہ ہو کہ بنی اسرائیل کو اسی طرح کے خزان اور باغات وغیرہ کا مالک بنا دیا گیا جس طرح کے  
باغات قوم فرعون کے پاس تھے جس کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ارض مصر ہی میں پہنچ کر حاصل ہوں بلکہ ارض شام میں بھی حاصل ہو سکے ہیں،  
۱۰ یہ مضمون پہلی اشاعت میں لکھنے سے رہ گیا تھا طبع جدید کی وقت آج ۱۲ شعبان ۱۳۸۴ھ میں لکھا گیا، جبکہ احقر کی عمر اسی سال پور ہو نہیں سکا تھا اور  
۱۱ بنی اسرائیل ۱۳۸۴ھ



اور سورہ اعراف کی آیت میں اَلْقُبُورُ كُنَّا فِيهَا كَالْعَافِیَةِ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ارض شام مراد ہے کیونکہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں تَبَارَكْنَا وغیرہ کے الفاظ اکثر ارض شام ہی کے بار میں آئے ہیں اس لئے حضرت قتادہ کا قول یہ کہ بلا ضرورت آیات قرآن کو ایسے محل پر محمول کرنا جو تاریخ عام سے متصادم ہو درست نہیں۔ خلاصہ یہ کہ اگر واقعات یہ ثابت ہو جائے کہ ہلاک فرعون کے بعد کیس وقت بھی بنی اسرائیل جماعی صورت میں مصر پر قابض نہیں ہوئے تو حضرت قتادہ کی تفسیر کے مطابق ان تمام آیات میں ارض شام اور اس کے باغات و خزائن کا وارث ہونا مراد لیا جاسکتا ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا نَکْمُ رُکُوعٌ ۝ قَالَ كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّی سَیَهْدِی ۝ اس وقت جبکہ فرعون نے شکر جو ان کے تعاقب میں تھا جب بالکل سامنے آگیا تو پوری قوم بنی اسرائیل چلا اٹھی کہ ہم تو پکڑے گئے اور پکڑے جائیں شب اور دیر یہی کیا تھی کہ بھی یہ شکر جزا اور آگے دریا حائل یہ صورت حال موسیٰ علیہ السلام سے بھی غائب تھی مگر وہ کوہ استقامت اللہ کے وعدہ پر یقین کر ہو کر اس وقت بھی بڑی زور کہتے ہیں کَلَّا ہرگز نہیں پکڑے جاسکتے اور وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ اِنَّ مَعِيَ رَبِّی سَیَهْدِی میں ساتھ میرا پروردگار ہے جو مجھے راستہ دیگا۔ ایمان کا امتحان ایسے ہی مواقع میں ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر ذرا ہراس نہیں تھا، وہ گویا راستہ بچنے کا آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ سب طرح کا بعینہ واقعہ ہجرت کی وقت غارتوں میں چھپنے کی وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا تھا کہ دشمن جو آپ کے تعاقب میں تھے اس غار کے دہانے پر اکھڑے ہوئے ذرا نیچے نظر کریں تو آپ ان کے سامنے آجائیں اس وقت صدیق اکبرؓ کو گھبراہٹ ہوئی تو آپ بعینہ یہی جواب دیا اَلَا تَعْلَمُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کہ غم نہ کر اللہ ہماری ساتھ ہے ان دونوں واقعات میں ایک بتایہ بھی قابل نظر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو تسلی دینے کے لئے کہا اِنَّ مَعِيَ رَبِّی سَیَهْدِی میں ساتھ میرا رب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں مَعَنَا فرمایا کہ ہم دونوں کیساتھ ہمارا رب ہے، یہ امت محمدیہ کی خصوصیت ہے کہ اس کے افراد بھی اپنی رسولؐ کیساتھ معیت الیہ سرفراز ہیں۔

قرآن مجید

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَا اِبْرٰهٖمَ ۖ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ ۝۶۹ قَالُوْۤا

اور سنادے ان کو خبر ابراہیم کی جب کہا اپنے باپ کو اور اس کی قوم کو تم کس کو پوجتے ہو وہ بولے

نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَاَنْظُرْ لَهَا غَیْفٰیۙ ۝۷۰ قَالْ هَلْ یَسْمَعُوْنَکُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۙ ۝۷۱

ہم پوجتے ہیں سورتوں کو پھر سارے دن انہی کے پاس گئے بیٹھے رہتے ہیں، کہا کچھ سنتے ہیں تمہارا کہا جب تم پکارتے ہو،

اَوْ یَنْفَعُوْکُمْ اَوْ یَضُرُّوْنَ ۙ ۝۷۲ قَالُوْۤا بَلْ وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا کَذٰلَکَ یَفْعَلُوْنَ

یا کچھ بھلا کرتے ہیں تمہارا یا بُرا، بولے نہیں، پتہ چلتے پایا، اپنے باپ دادوں کو یہی کام کرتے

قَالَ اَفَرءَیْتُمْ مَا کُنتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۙ ۝۷۳ اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُکُمْ اَلَا قَدْ مَوَّۤنَ ۙ ۝۷۴

کہا بھلا دیکھتے ہو جن کو پوجتے رہے ہو تم اور تمہارے باپ دادے اگلے

فَاِنَّہُمْ عِندَ رَبِّی الْاَرَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ ۝۷۵ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَہُوَ یَهْدِیْۙ ۝۷۶ وَالَّذِیْ

سو وہ میرے غنیم ہیں مگر جہان کا رب جس نے مجھ کو بنایا سو وہی مجھ کو راہ دکھلاتا ہے اور وہ جو مجھ کو

ہُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْۙ ۝۷۷ وَاِذَا مَرِضْتُ فَہُوَ یَشْفِیْۙ ۝۷۸ وَالَّذِیْ یُمِیْتُۙ ۝۷۹

کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوں تو وہی شفا دیتا ہے اور وہ جو مجھ کو مار بیٹھا اور

تَرٰیۙ ۝۸۰ وَالَّذِیْ اَظْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ۙ ۝۸۱ رَبِّ

میرے چلائے گا اور وہ جو مجھ کو توبہ سے کہ بخشنے میری تقصیر انصاف کے دن اسے میرے رب



هَبْ لِي حُكْمًا وَٱلْحَقُّنِي بِٱلصَّٰلِحِينَ ۝۸۳ وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِى

دے مجھ کو حکم اور بلا مجھ کو نیکوں میں اور رکھ میرا بول سچا

ٱلْآخِرِينَ ۝۸۴ وَاجْعَلْنِى مِّنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ۝۸۵ وَٱغْفِرْ لِأَبِىْ إِنَّهُ كَانَ

پچھلوں میں اور کر مجھ کو وارثوں میں نعمت کے باغ کے اور معاف کر میرے باپ کو وہ تھا

مِنَ الصَّٰلِحِينَ ۝۸۶ وَلَا تُخْزِنِى يَوْمَ يُبْعَثُونَ ۝۸۷ يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ۝۸۸

راہ بھولے ہوؤں میں اور نہ سوانہ کر مجھ کو جس دن سب جی کر اٹھیں جس دن نہ کام آئے کوئی مال اور نہ بیٹے

إِلَّا مَنَ آتَى ٱللَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝۸۹ وَأَزْلَفْتُ ٱلْجَنَّةَ ٱلْمُتَّقِينَ ۝۹۰ وَبُرَّرْتُ

مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس فکر دل چنگا اور پاس لائیں بہشت کو واسطے ڈردالوں کے اور نہ نکالیں دوزخ

ٱلْحَجِيمِ ٱلْغَوِيْنَ ۝۹۱ وَقِيلَ لَهُمْ آيِنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ ۝۹۲ مِّنْ دُونِ ٱللَّهِ

کو سامنے بے راہوں کے اور کہیں اُن کو کہاں میں جن کو تم پوجتے تھے اللہ کے سوائے

هَلْ يَنْصُرُونَكُمۡ أَوْ يَنْتَصِرُونَ ۝۹۳ فَكُفُّوا۟ فِىْهَا هُمْ وَٱلْغَاوُونَ ۝۹۴ وَجُنُودُ

کیا کچھ مدد کرتے ہیں تمہاری یا بدلہ لے سکتے ہیں پھر اوندھے ڈالیں اُس میں ان کو اور سب بے راہوں کو، اور ابلیس

إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ۝۹۵ قَالُوا۟ وَهُمْ فِىْهَا يَخْتَصِمُونَ ۝۹۶ تَاللَّهِ إِن كُنَّا لَفِى ضَلٰلٍ

کے لشکر کو سبھوں کو کہیں گے جب وہ وہاں یا ہم جھگڑنے لگیں قسم اللہ کی ہم تھے صریح غلطی

مُبِينٍ ۝۹۷ اِذْ نُسَوِّىْكُمْ بِرَبِّ ٱلْعٰلَمِیْنَ ۝۹۸ وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا ٱلْمُجْرِمُونَ ۝۹۹

میں جب ہم تم کو برابر کرتے تھے پروردگار عالم کے اور ہم کو راہ سے بہکا یا سوان گنہگاروں نے

فَمَا لَنَا۟ مِنْ شَٰفِعِیْنَ ۝۱۰۰ وَلَا صَدِیْقٍ حَمِیْمٍ ۝۱۰۱ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً

پھر کوئی نہیں ہماری سفارش کرنے والے اور نہ کوئی دوست محبت کرنے والا سو کسی طرح ہم کو پھر جلائے

فَنَكُونُ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِیْنَ ۝۱۰۲ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰیةٌۭ لِّمَنۡ كَانَ أَكْثَرُ هَمٍّ

تو ہم ہوں ایمان والوں میں اس بات میں نشانی ہے اور بہت لوگ اُن میں

مُؤْمِنِیْنَ ۝۱۰۳ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ ٱلْعَزِیْزُ ٱلسَّحِیْمُ ۝۱۰۴

نہیں ماننے والے اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

## خلاصہ تفسیر

اور آپ ان لوگوں کی سامنے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کیجئے تاکہ انکو شرک کی مذمت کے دلائل معلوم ہوں، خصوصاً ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہو کر، کیونکہ یہ مشرکین عرب اپنی قوم کو ملت ابراہیمیہ پر بتلاتے ہیں اور وہ قصہ اس وقت ہوا تھا جبکہ انھوں نے اپنی باپ سے اور اپنی قوم سے جو کہ بت پرست تھے فرمایا کہ تم کس (دوست یا چیز کی عبادت کیا کرتے ہو، انھوں نے کہا ہم بتوں کی عبادت کیا کرتے ہیں اور ہم اپنی دکھائی



پر جے بیٹھے رہے ہیں ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ تمھاری سنتے ہیں جب تم انکو (اپنی عرض حاجت کی وقت) بکار کرتے ہو یا (تم جو ان کی عبادت کرتے ہو تو کیا) یہ تم کو کچھ نفع پہنچاتے ہیں یا اگر تم ان کی عبادت ترک کر دو تو کیا یہ تم کو کچھ ضرر پہنچا سکتے ہیں (یعنی استحقاق الوہیت کیلئے علم اور قدرت کاملہ تو ضروری ہے) ان لوگوں نے کہا نہیں (یہ بات تو ہمیں یہ کہ یہ کچھ سنتے ہوں یا نفع و ضرر پہنچا سکتے ہوں اور ان کی عبادت کر نیکی یہ وجہ نہیں بلکہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسے طرح کرتے دیکھا ہے) اس لئے ہم بھی وہی کرتے ہیں (ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ بھلا تم نے ان کی حالت کو (و غور سے) دیکھا بھی جن کی تم عبادت کیا کرتے ہو تم بھی اور تمھارے بڑے بھی کہ یہ (معبودین) میرے (یعنی تمھارے لئے) باعث ضرر ہیں (یعنی اگر ان کی عبادت کی جاوے خواہ نعوذ باللہ میں کروں یا تم کرو تو بجز ضرر کے اور کوئی نتیجہ نہیں) مگر ہاں رب العالمین (ایسا ہے کہ وہ اپنے عابدین کا دوست ہے اور اس کی عبادت سراسر نافع ہے) جسے مجھکو اور اسے طرح سب کو پیدا کیا، پھر وہی مجھکو میری مصلحتوں تک، رہنمائی کرتا ہے (یعنی عقل و فہم دیتا ہے جس نفع و ضرر کو سمجھتا ہو) اور جو مجھکو کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں (جسکے بعد شفا ہو جاتی ہے) تو وہی مجھکو شفا دیتا ہے اور جو مجھکو (وقت پر) موت دیتا پھر قیامت کے روز مجھکو زندہ کرے اور جس مجھ کو امید ہے کہ میری غلط کاری کو قیامت کے روز معاف کر دے گا (یہ تمام تر صفائے سنائیں کہ قوم کو خدا تعالیٰ کی عبادت کی رغبت ہو پھر صفات کمال بیان فرماتے فرماتے غلبہ عطا سے حق تعالیٰ سے مناجا کرنے لگے کہ) اے میری پروردگار مجھکو حکمت (یعنی جامعیت بین العلم و العمل میں زیادہ کمال) عطا فرما کہ میری نفس حکمت تو دقت عامہ کے بھی حاصل ہے اور (مراتب قرب میں) مجھکو (اعلیٰ درجہ کے) نیک لوگوں کے ساتھ شامل فرما (مراد انبیاء عایشان ہیں) اور میرا ذکر آئندہ آنوالوں میں جاری رکھ (تاکہ میری طریقہ پر چلیں جس میں مجھ کو زیادہ ثواب ملے) اور مجھ کو جنت النعیم کے مستحقین میں سے کر اور میرے باپ (کو توفیق ایمان کی دیکر اُس کی مغفرت فرما کہ وہ گمراہ لوگوں میں ہے اور جس روز سب زندہ ہو کر اٹھیں گے اُس روز مجھ کو رسدوانہ کرنا) اگے اس دن کے بعض واقعات ہائے کمال کا بھی ذکر فرما دیا تاکہ قوم نے اور ڈرے یعنی وہ ایسا دن ہوگا جس دن میں کہ (نجات کے لئے) نہ مال کام آدے گا نہ اولاد مگر ہاں (اسکو نجات ہوگی) جو اللہ کے پاس (کفر و شرک سے) پاک دل لے کر آویگا اور (اس روز) خدا ترسوں (یعنی ایمان والوں) کے لئے جنت نزدیک کر دیا دیگی (کہ اس کو دیکھیں اور یہ معلوم کر کے کہ ہم اس میں جاویں گے خوش ہوں) اور ان گمراہوں (یعنی کافروں) کے لئے دوزخ سامنے ظاہر کیا دیگی (کہ اُس کو دیکھ کر غمزدہ ہوں کہ ہم اس میں جا دیں گے) اور (اس روز) ان دگراہوں سے کہا جاوے گا کہ وہ معبود کہاں گئے جن کی تم خدا کے سوا عبادت کیا کرتے تھے کیا (اس وقت) وہ تمھارا ساتھ دے سکتے ہیں یا اپنا ہی بچاؤ کر سکتے ہیں پھر (یہ کہہ کر) وہ (عابدین) اور گمراہ لوگ اور ابلیس کا لشکر سب کے سب دوزخ میں اوندھے منہ ڈال دیئے جا دیں گے (بے دہیت اور شیاطین نہ اپنے کو بچا سکے نہ اپنے عابدین کو) وہ کفار اس دوزخ میں گھسٹو کرتے ہوئے (ان معبودین سے) کہیں گے کہ بخدا بے شک ہم صریح گمراہی میں تھے جبکہ تم کو (عبادت میں)



رب العالمین کے برابر کرتے تھے اور ہم کو تو بس ان بڑے مجرموں نے (جو کہ بانی ضلالت تھے) گمراہ کیا سو (اب) نہ کوئی ہمارا سفارشی ہے (کہ چھڑالے) اور نہ کوئی نخلص و دست (کہ خالی دلسوزی ہی کہے) سو کیا اچھا ہوتا کہ ہم کو (دنیا میں) پھر واپس جانا ملتا کہ ہم مسلمان ہو جاتے (یہاں تک ابراہیم علیہ السلام کی تقریر ہو گئی آگے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) بیشک اس واقعہ (مناظرہ ابراہیمؑ نیز واقعہ نکست) میں (بھی طالبان حق اور انجام اندیشوں کے لئے) ایک عبرت ہے (کہ مضامین مناظرہ میں غور کر کے توحید کا اعتقاد کریں اور واقعات قیامت سے ڈریں اور ایمان لادیں) اور (باوجود اس کے) ان (مشرکین تک) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے بے شک آپ کا رب بڑا زبردست رحمت والا ہے (کہ عذاب دے سکتا ہے مگر مہلت دے رکھی ہے)۔

## معارف و مسائل

قیامت تک انسانوں میں ذکر خیر رکھنے کی دعا | وَجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ، اس آیت مبارکہ میں "لسان" سے مراد ذکر ہے اور "لی" کلام نفع کے لئے ہے آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اے خدا یا مجھے ایسے پسندیدہ طریقہ اور عمدہ نشانیاں عطا فرما جس کی دوسرے لوگ قیامت تک پیروی کریں، اور مجھے ذکر خیر اور عمدہ صفت سے یاد کیا کریں (ابن کثیر و روح المعانی) خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا قبول فرمائی۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ تک ملت ابراہیمی سے محبت و الفت رکھتے ہیں اور اپنے آپ کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں، اگرچہ ان کا طریقہ ملت ابراہیمی کے خلاف کفر و شرک ہے مگر وہ دعویٰ ہی کرتے ہیں کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں اور امت محمدیہ تو بجا طور پر بھی ملت ابراہیمی پر ہونے کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتی ہے۔

حُب جاہ مذموم مگر خیر شرائط کیساتھ جائز ہے | حُب جاہ یعنی لوگوں سے اپنی عزت کرنے اور مدح کرنیکی خواہش شرعاً مذموم ہے قرآن کریم نے دایا فرات کی نعمتوں کو حُب جاہ کے ترک پر موقوف قرار دیا ہے (قَالَ تَعَالَى تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا هِزَاةً) آیت (وَجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا کہ انیوالی نسلوں میں میری تعریف و ثنا ہو اگرے بظاہر حُب جاہ میں داخل معلوم ہوتی ہے لیکن آیت کے الفاظ میں غور کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ اس دعا کا اصل مقصد حُب جاہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے اسکی دعا ہے کہ ایسے نیک اعمال کی توفیق بخشیں جو میری آخرت کا سامان بنیں اور اس کو دیکھ کر دوسرے لوگوں کو بھی اعمال صالحہ کی رغبت ہو اور میرے بعد بھی لوگ اعمال صالحہ میں میری پیروی کرتے رہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ اس سے کوئی وجاہت کا فائدہ حاصل کرنا مقصود ہی نہیں،



جس کو حُبِ جاہ کہا جاسکے۔ قرآن و حدیث میں جہاں طلبِ جاہ کو مذموم قرار دیا ہے اسی مراد وہی دُنوی و جاہت اور اُس سے دُنوی منافع حاصل کرنا ہے۔

امام ترمذی و نسائی نے حضرت کعب بن مالک کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیئے جاویں وہ بکریوں کے ریوڑ کو اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا دو خصلتیں انسان کے دین کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ ایک مال کی محبت

دوسرے اپنی عزت و جاہ کی طلب (در رواۃ الطوائف عن ابی سعید الخدریؓ والبراء بن ابی عقیقؓ) اور حضرت ابن عباسؓ سے بسند ضعیف دیلمی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ جاہ و شنا کی محبت انسان کو اندھا بہرا کر دیتی ہے۔ ان تمام روایات سے مراد وہ حُبِ جاہ اور طلبِ ثناء ہے جو دُنوی مقاصد کے لئے مطلوب

ہو یا جس کی خاطر دین میں مہانت یا کسی گناہ کا ارتکاب کرنا پڑے اور جب یہ صورت ہو تو طلبِ جاہ مذموم نہیں۔ حدیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا منقول ہے (اللہم اجعلنی فی عینی صغیراً و فی اعین الناس کبیراً) یعنی یا اللہ مجھے خود اپنی نگاہ میں تو چھوٹا اور حقیر بنا دیجئے اور لوگوں کی نظر

میں بڑا بنا دیجئے۔ یہاں بھی لوگوں کی نظر میں بڑا بنانا نیک مقصد یہ ہے کہ لوگ نیک اعمال میں میری پیروی کریں۔ اسی لئے امام مالکؒ نے فرمایا کہ جو شخص واقع میں صالح اور نیک ہو، لوگوں کی نظر میں نیک بننے کے لئے ریاکاری نہ کرے اسکے لئے لوگوں کی طرف سے مدح و ثنا کی محبت مذموم نہیں۔

ابن عربیؒ نے فرمایا کہ آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ جس نیک عمل سے لوگوں میں تعریف ہوتی ہو، نیک عمل کی طلبِ خواہش جائز ہے۔ اور امام غزالیؒ نے فرمایا کہ دنیا میں عزت و جاہ کی محبت تین شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔ اول یہ کہ اس سے مقصود اپنے آپ کو بڑا اور اسکے بالمقابل دوسرے کو چھوٹا

یا حقیر قرار دینا نہ ہو بلکہ آخرت کے فائدہ کے لئے ہو کہ لوگ میرے معتقد ہو کر نیک اعمال میں میرا اتباع کریں۔ دوسرے یہ کہ جھوٹی ثنا خوانی مقصود نہ ہو کہ جو صفت اپنے اندر نہیں ہے لوگوں سے اسکی خواہش رکھے کہ وہ اس صفت میں اسکی تعریف کریں۔ تیسرے یہ کہ اسکے حاصل کرنے کے لئے کسی

گناہ یا دین کے معاملے میں مہانت اختیار نہ کرنی پڑے۔

مشرکین کے لئے دُعائے مغفرت جائز نہیں | وَاغْفِرْ لَهُمْ ذُنُوبَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ، قرآن مجید کے اس فرمان کے بعد (مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَئِی قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّنَا لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ) اب کسی ایسے شخص کے لئے جس کا کفر پرنا یقینی ہو استغفار

اور دُعائے مغفرت طلب کرنا ناجائز اور حرام ہے کیونکہ آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے کہ کسی نبی اور ایمانداروں کے لئے یہ قطعاً جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے مغفرت طلب کریں خواہ وہ اسکے رشتہ دار اور قریبی ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان کا جنہی ہونا بالکل واضح ہو چکا ہو۔



ایک سوال و جواب | اب یہاں یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ اس نہی اور ممانعت کے بعد پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک باپ کے لئے کیوں دعائے مغفرت مانگی۔ اسکا جواب خود اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں دیدیا کہ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهٖمَ لِاٰتِيهِۦۤ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَہَا اِيَّاهُۚ فَلَمَّا بَيَّنَّ لَہٗ اٰتَہٗۤ اَعَدَّ لِلظَّالِمِیۡنَ مِنْہٗۤ اِنْ اٰتٰہُمۡ لَا اٰتٰہُمۡۙ (توبہ)

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے انکی زندگی میں استغفار کیا نیت اور خیال سے کی تھی کہ اللہ رب العزت ان کو ایمان لانے کی توفیق دے جس کے بعد مغفرت یقینی ہے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ خیال تھا کہ میرا باپ خفیہ طور پر ایمان لے آیا ہے اگرچہ اسکا اظہار اور اعلان نہیں کیا لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ میرا باپ تو کفر پر مرا ہے تو انھوں نے اپنی پوری بیزاری اور برائے کا اظہار فرمایا۔ (فائدہ) اس بات کی تحقیق کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باپ کا کفر اور مشرک اپنے باپ کی زندگی میں معلوم ہو گیا تھا یا مرنے کے بعد یا قیامت کے روز ہوگا، اس کی پوری تفصیل سورۃ توبہ میں مذکور ہے۔

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اٰتٰی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ۝ یعنی قیامت کے اُس دن میں جس میں نہ کوئی مال کسی کو فائدہ دیگا نہ اُس کی نرینہ اولاد بجز اُس شخص کے جو اللہ کے پاس قلب سلیم لیکر پہنچے۔ اس آیت کی تفسیر بعض حضرات نے استثناء کو استثنائے منقطع قرار دیکر یہ کہی ہے کہ اُس روز کسی کو نہ اسکا مال کام آویگا نہ اولاد، ہاں کام آئیگا تو صرف اپنا قلب سلیم جس میں مشرک و کفر نہ ہو۔ اور اس جملے کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی شخص زید کے متعلق کسی سے پوچھے کہ کیا زید کے پاس مال اور اولاد بھی ہے وہ اس کے جواب میں کہے اسکا مال و اولاد تو اسکا قلب سلیم ہے۔ جسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مال و اولاد تو کچھ نہیں مگر ان سب کے بدلے اسکے پاس اپنا قلب سلیم موجود ہے۔ خلاصہ یہ کہ آیت کا اس تفسیر پر یہ ہوتا ہے کہ مال یا اولاد تو اُس روز کچھ کام نہ آئیں گے، کام صرف اپنا ایمان اور عمل صالح آئیگا جس کو قلب سلیم سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ اور مشہور تفسیر اکثر مفسرین کے نزدیک یہ ہے کہ استثناء متصل ہے اور معنی یہ ہیں کہ مال اور اولاد قیامت کے روز کسی شخص کے کام نہ آئیں گے بجز اُس شخص کے جسکا قلب سلیم ہے یعنی وہ مؤمن ہے اسکا حاصل یہ ہوا کہ یہ سب چیزیں قیامت میں بھی مفید و نافع ہو سکتی ہیں مگر صرف مؤمن کے لئے نفع بخش ہوگی کافر کو کچھ نفع نہ دیں گی یہ ہاں ایک بات یہ قابل نظر ہے کہ اس جگہ قرآن کریم نے وَلَا بَنُوْنَ فرمایا جس کے معنی نرینہ اولاد کے ہیں عام اولاد کا ذکر غالباً اس لئے نہیں کیا کہ آڑے وقت میں کام آنے کی توقع دنیا میں بھی نرینہ اولاد یعنی لڑکوں ہی سے ہو سکتی ہے لڑکیوں کے کسی مصیبت کے وقت امداد ملنے کا تو یہاں بھی احتمال شاذ و نادر ہی ہوتا ہے اسلئے قیامت میں بالتحفیس لڑکوں کے غیر نافع ہونیکا ذکر کیا گیا جن سے دنیا میں توقع نفع کی رکھی جاتی تھی۔



دوسری بات یہ ہے کہ قلبِ سلیم کے لفظی معنی تندرست دل کے ہیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ قلب ہے جو کلمہ توحید کی گواہی دے اور شرک سے پاک ہو، یہی مضمون مجاہد بن جبرؒ، سعید بن مسیبؒ، بعنوان مختلف منقول ہے۔ سعید بن مسیبؒ نے فرمایا کہ تندرست دل صرف مومن کا ہو سکتا، کافر کا دل بیمار ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے: **فِي قُلُوبِهِمْ قُحُورٌ**

مالِ اولاد اور خاندانی تعلقات آخرت میں آیت مذکورہ کی مشہور تفسیر کیمطابق معلوم ہوا کہ انسان کا مال قیامت بھی بشرطِ ایمان نفع پہنچا سکتے ہیں۔ کے روز بھی اُسکے کام آسکتا ہے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جس شخص نے دنیا میں اپنا مال اللہ کی راہ اور نیک کاموں میں خرچ کیا تھا یا کوئی صدقہ جاریہ کر کے چھوڑا تھا، اگر اس کا خاتمہ ایمان پر ہوا عشر میں مومنین کی فہرست میں داخل ہوا تو یہاں کا خرچ کیا ہوا مال اور صدقہ جاریہ کا ثواب اس کو میدانِ حشر اور میزانِ حساب میں بھی کام آدیکھا۔ اور اگر یہ شخص مسلمان نہیں تھا یا خدا نخواستہ مرنے سے پہلے ایمان سے نکل گیا تو اب دنیا میں کیا ہوا کوئی نیک عمل اس کے کام نہ آدیکھا اور اولاد کا بھی یہی معاملہ ہے کہ اگر یہ شخص مسلمان ہے تو آخرت میں بھی اس کو اولاد کا فائدہ پہنچ سکتا ہے اس طرح سے کہ اس کے بعد اس کی اولاد اس کے لئے دعائے مغفرت کرے یا ایصالِ ثواب کرے اور اس طرح بھی کہ اُس نے اولاد کو نیک بنانے کی کوشش کی تھی اس لئے اُن کے نیک عمل کا ثواب اس کو بھی خود بخود ملتا رہا اور اس کے نامہ اعمال میں درج ہوتا رہا۔ اور اس طرح بھی کہ اولاد محشر میں اس کی شفاعت کر کے بخشوالے جیسا کہ بعض روایات حدیث میں ایسی شفاعت کرنا اور اس کا قبول ہونا ثابت ہے خصوصاً نابالغ اولاد کا۔ اسی طرح اولاد کو ماں باپ سے بھی آخرت میں بشرطِ ایمان یہ نفع پہنچے گا کہ اگر یہ مسلمان ہوئے مگر اُن کے اعمالِ صالحہ ماں باپ کے درجے کو نہیں پہنچے تو اللہ تعالیٰ اُن کے باپ دادا کی رعایت کر کے ان کو بھی اُسی مقام بلند میں پہنچا دیں گے جو اُن کے باپ دادا کا مقام ہے قرآن کریم میں اس کی تصریح اس طرح مذکور ہے: **وَالْحَقُّنَاكَ فِي رَجُلٍ مِّنْهُمْ**، یعنی ہم ملا دیں گے اپنے نیک بندوں کے ساتھ اُن کی ذریت کو بھی۔ اس آیت کی مذکور الصدقہ مشہور تفسیر سے معلوم ہوا کہ قرآن حدیث میں جہاں کہیں یہ مذکور ہے کہ قیامت میں خاندانی تعلق کچھ کام نہ آدیکھا اس کی مراد یہ ہے کہ غیر مومن کو کام نہ آدے گا، یہاں تک کہ پیغمبر کی اولاد اور بیوی بھی اگر مومن نہیں تو ان کی پیغمبری سے ان کو قیامت میں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے اور لوط علیہ السلام کی بیوی اور ابراہیم علیہ السلام کے والد کا معاملہ ہے۔ آیات قرآن **فَإِذَا لُفَّتُمْ فِي الْقُبُورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ** اور **يَوْمَ يَفْعَلُ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ** اور **لَا يَجُوزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ** ان سب آیات کا یہی مفہوم ہو سکتا ہے۔ وَاللَّهُ اعْلَمُ



كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ اَلَا

بھٹلایا نوح کی قوم نے پیغام لانے والوں کو جب کہا اُن کو اُنکے بھائی نوح نے کیا تم کو

تَتَّقُونَ ۝ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اٰمِیْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْۤنِیْ ۝

ڈر نہیں میں تمہارے واسطے پیغام لانے والا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

وَمَا اَسْأَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیْ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

اور مانگتا نہیں میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی پروردگار عالم پر

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْۤنِیْ ۝ ۱۱۰ ۝ قَالُوْۤا اَنْتَۤم مِّنْ لَّکَ وَاتَّبَعْکَ الْاَرْذَلُوْنَ ۝

سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو بولے کیا ہم تجھ کو مان لیں اور تیرے ساتھ ہو رہے ہیں کیسے

قَالَ وَمَا عَلَیْیْ مَا کَانُوْۤا یَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۱۱ ۝ اِنْ حِصَابُہُمْ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ

کہا مجھ کو کیا جانا ہے اسکا جو کام وہ کر رہے ہیں ان کا حساب پوچھنا میرے رب کی ہی کام ہے

لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۝ ۱۱۲ ۝ وَمَا اَنَا بِطَارِدٍ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ ۱۱۳ ۝ اِنَّا اِلَّا نَذِیْرٌ

اگر تم سمجھ رکھتے ہو اور میں ہانکنے والا نہیں ایمان لانے والوں کو میں تو بس یہی ڈرنا دینے والا

مُبِیْنٌ ۝ ۱۱۴ ۝ قَالُوْۤا لَیْنَ لَّکَ تَدْعٰہِ یٰۤنُوْحُ کُنْ مِّنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ ۝

ہوں کھول کر بولے اگر تو نہ چھوڑے گا اے نوح تو ضرور سنگسار کر دیا جائے گا

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ کَذٰبُوْنَ ۝ ۱۱۵ ۝ فَاقْتَرِبْۤنِیْ وَبَیِّنْہُمْ فَتَحًا وَّ

کہا اے رب میری قوم نے تو مجھ کو بھٹلایا سو فیصلہ کر دے میرے انکے بیچ میں کسی طرح کا فیصلہ اور

نَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیْ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ ۱۱۶ ۝ فَاجْبِدْہُ وَمَنْ مَّعَہٗ فِی

بچالے مجھ کو اور جو میرے ساتھ ہیں ایمان والے پھر بچا دیا ہم نے اسکو اور جو اسکے ساتھ تھے

الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ ۝ ۱۱۷ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدَ الْبٰقِیْنَ ۝ ۱۱۸ ۝ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ

اس لدی ہوئی کشتی میں پھر ڈبا دیا ہم نے اسکے پیچھے ان باقی رہے ہوؤں کو البتہ اس بات میں

لَاٰیۃٌ ۝ ۱۱۹ ۝ وَمَا کَانَ اَکْثَرُہُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ ۱۲۰ ۝ وَاِنَّ رَبَّکَ لَہُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ

نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں ہیں ماننے والے اور تیرا رب دہی ہے زبردست رحم والا

## خلاصہ تفسیر

قوم نوح نے پیغمبروں کو بھٹلایا (کیونکہ ایک پیغمبر کی تکذیب سے سب کی تکذیب لازم آتی ہے) جبکہ اُن سے انکی برادری کے بھائی نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم (خدا سے) نہیں ڈرتے؟ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں (کہ بعینہ پیغام خداوندی بلا کی مبینی پہنچا دیتا ہوں) سو



(اسکا مقصد یہ ہے کہ) تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور (نیز) میں تم سے کوئی (دُنیوی) صلہ (بھی) نہیں مانگتا میرا صلہ تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے سو (میری اس بے غرضی کا مقصد یہ بھی ہے کہ) تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا ہم تم کو مانیں گے، حالانکہ رذیل لوگ تمہارے ساتھ ہوئے ہیں (جن کی موافقت سے شرفاء کو عار آتی ہے اور نیز اکثر ایسے کم حوصلہ لوگوں کا مقصد کسی کے ساتھ لگنے سے کچھ مال یا جاہ حاصل کرنا ہوتا ہے، ان کا دعوئے ایمان بھی قابل اعتبار نہیں)۔

نوح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ اُنکے (پیشہ ورانہ) کام سے مجھ کو کیا بحث (خواہ شریف ہوں یا رذیل ہو) دین میں اس تفادیت کا کیا اثر رہا؟ یہ احتمال کہ انکا ایمان دل سے نہیں سو اس پر) ان سے حساب کتنا لینا بس خدا کا کام ہے۔ کیا خوب ہو کہ تم اس کو سمجھو اور (رذالت پیشہ لوگوں کو اپنے ایمان کا نفع قرار دینے سے جو اشارہ یہ درخواست نکلتی ہے کہ میں ان کو اپنے پاس سے دُور کروں تو) میں ایمانداروں کو دُور کرنے والا نہیں ہوں (خواہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ میرا کوئی ضرر نہیں کیونکہ) میں تو صاف طور پر ایک ڈرانے والا ہوں (اور تبلیغ سے میرا فرض منصبی پُورا ہو جاتا ہے، آگے اپنا نفع و نقصان تم لوگ دیکھ لو) وہ لوگ کہنے لگے اگر تم (اس کہنے مُسنے سے) اے نوح باز نہ آؤ گے تو ضرور سنگسار کر دیے جاؤ گے (غرض جب سالہا سال اس طرح گزر گئے تب) نوح (علیہ السلام) نے دُعا کی کہ اے میرے پروردگار میری قوم مجھ کو (برابر) جہنم لارہی ہے سو آپ میرے اور ان کے درمیان ایک (علی) فیصلہ کر دیجئے (یعنی ان کو ہلاک کر دیجئے) اور مجھ کو اور جو ایماندار میرے ساتھ ہیں ان کو (اس ہلاکت سے) نجات دیجئے تو ہم نے (ان کی دُعا قبول کی اور) ان کو اور جو اُن کے ساتھ بھری ہوئی کشتی میں (سوار) تھے اُن کو نجات دی پھر اسکے بعد ہم نے باقی لوگوں کو غرق کر دیا اس (واقعہ) میں (بھی) بڑی عبرت ہے اور (باوجود اسکے) ان (کفار مکہ) میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، بیشک آپ کا رب زبردست (اور) مہربان ہے (کہ باوجود عذاب پر قادر ہونے کے اُن کو مہلت دینے ہوئے ہے)۔

## معارف و مسائل

طامات پر اُجرت لینے کا حکم | وَمَا اسْتَلْكُمُ عَلَيْكُمْ مِنْ اَجْرٍ، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم اور تبلیغ پر اُجرت لینا درست نہیں ہے اسلئے سلف صالحین نے اُجرت لینے کو حرام کہا ہے لیکن متاخرین نے اس کو بحالت مجبوری جائز قرار دیا ہے۔ اس کی پوری تفصیل آیت لَا تَشْرُوْا بِاِيْمَانِكُمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا کے تحت میں بیان ہو چکی ہے۔

فائِدہ - اس جگہ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْا کی آیت دو دفعہ تاکید کے لئے اور یہ بتلانے کے لئے



لائی گئی ہے کہ اطاعتِ رسول اور خدا تعالیٰ سے ڈرنے کے لئے صرف رسول کی امانت و دیانت یا صرف تبلیغِ تعلیم پر اُجرت نہ طلب کرنا ہی کافی تھا لیکن جس رسول میں یہ سب صفتیں پائی جائیں اس کی اطاعت اور اس کے خدا سے ڈرنا تو اور لازمی ہو جاتا ہے۔

شرافت و رذالت اعمال و اخلاق **قَالُوا أَنْتُمْ مِنْكُمْ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ** ○ **قَالَ وَمَا عَلِمِي**  
سے ہے نہ کہ خاندان اور جاہ و شہر سے **بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ** ○ اس آیت میں اول مشرکین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اُنھوں نے حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے سے انکار کی وجہ یہ بیان کی کہ آپ کے ماننے والے سارے رذیل لوگ ہیں ہم عزت دار شریف اُن میں کیسے ملجائیں؟ نوح علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ مجھے ان کے اعمال کا حال معلوم نہیں۔ اس میں اشارہ فرمادیا کہ تم لوگ جو خاندانی شرافت یا مال و دولت اور عزت و جاہ کو شرافت کی بنیاد سمجھتے ہو یہ غلط ہے بلکہ مدارِ عزت و ذلت یا شرافت و رذالت کا دراصل اعمال و اخلاق پر ہے۔ تم نے جن پر یہ حکم لگا دیا کہ یہ سب رذیل ہیں، یہ تمہاری جہالت ہے چونکہ ہم ہر شخص کے اعمال و اخلاق کی حقیقت سے واقف نہیں اس لئے ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے کہ حقیقتہً کون رذیل ہے کون شریف۔ (قطبی)

**كَذَبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ** ○ **إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ** ○

جسٹیا عادن نے پیغام لانے والوں کو جب کہا اُن کو اُن کے بھائی ہود نے کیا تم کو ڈر نہیں

**إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ** ○ **فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا** ○ **وَمَا أَسْأَلُكُمْ**

میں تمہارے پاس پیغام لانے والا مستبر ہوں سو ڈر دالہ سے اور میرا کہا مانو اور نہیں مانگتا میں تم

**عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ** ○ **أَتَتَّبِعُونَ بِكُلِّ**

سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی جہان کے مالک پر کیا بناتے ہو ہر ادبچی

**رَيْعٍ آيَةٌ تَعْبَثُونَ** ○ **وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلَدُونَ** ○

زمین پر ایک نشان کھینچنے کو اور بناتے ہو کاریگریاں شاید تم ہمیشہ رہو گے

**وَإِذَا بَطِشْتُمْ بَطِشْتُمْ جَبَّارِينَ** ○ **فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا** ○

اور جب ہاتھ ڈالتے ہو تو پہنچے مارتے ہو ظالم سے سو ڈر دالہ سے اور میرا کہا مانو اور

**اسْقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ مِمَّا تَعْلَمُونَ** ○ **أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ** ○

ڈھاس سے جس نے تم کو پہنچائیں وہ چیزیں جو تم جانتے ہو پہنچائے تم کو چوپائے اور بیٹے

**وَجَنَّتِ وَعْيُونَ** ○ **إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ** ○ **قَالُوا**

اور باغ اور چشے میں ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کی آفت سے بولے



سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَضْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ ۚ (۱۳۶) اِنْ هَذَا

ہم کو برابر ہے تو نصیحت کرے یا نہ بنے تو نصیحت کرنے والا اور کچھ نہیں

اِلَّا خُلِقَ الْاَوَّلِينَ ۚ (۱۳۷) وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ ۚ (۱۳۸) فَكَذَّبُوهُ

یہ باتیں عادت ہے اگلے لوگوں کی اور ہم پر آفت نہیں آنے والی پھر اُس کو جھٹلانے

فَاَهْلَكْنَاهُمْ ۚ اِنْ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةٌ ۙ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ۚ (۱۳۹)

لگے تو ہم نے ان کو عارت کر دیا، اس بات میں البتہ نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں ماننے والے

وَ اِنْ رَبَّكَ لَهٗوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيْمُ ۚ (۱۴۰)

اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

## خلاصہ تفسیر

قومِ ماد نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ اُن سے اُن کی (برادری کے) بھائی ہود (علیہ السلام) نے

کہا کہ کیا تم (خدا سے) ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں، سو تم اللہ سے ڈرو اور میری امانت

کرو، اور میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی صلہ نہیں مانگتا، بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تم

(علاوہ شرک کے تکبر و تفاخر میں بھی اس درجہ مصروف ہو کہ) ہر اُنچے مقام پر ایک یادگار (کے طور

پر عمارت) بناتے ہو (تاکہ خوب اُوچی نظر آدے) جس کو محض فضول (بلا ضرورت) بناتے ہو اور (اسکے

علاوہ جو رہنے کے مکان ہیں جن کی ایک درجہ ضرورت بھی ہے اُن میں بھی یہ غلو ہے) کہ بڑے بڑے محل

بناتے ہو (حالانکہ اس سے کم میں آرام مل سکتا ہے) جیسے دنیا میں تم کو ہمیشہ رہنا ہے (یعنی توسیع مکانا

اور ایسے بلند محل اور ایسی مضبوطی اور ایسی یادگار تعمیرات اس وقت مناسب تھیں جبکہ دنیا میں ہمیشہ رہنا

ہوتا، تو یہ خیال ہو تاکہ فراخ مکان بناؤ تاکہ آئندہ نسل میں گنجی نہ ہو کیونکہ ہم بھی رہیں گے اور وہ بھی رہیں گے

اور بلند بھی بناؤ تاکہ نیچے جگہ نہ رہے تو ادھر رہنے لگیں گے اور مضبوط بناؤ تاکہ ہماری عمر طویل کے لئے کافی ہو

اور یادگاریں بناؤ تاکہ ہمارے زندہ رہنے سے ہمارا ذکر زندہ رہے اور اب تو سب فضول ہے۔ بڑی

بڑی یادگاریں بنی ہیں اور بنائیوالے کا نام تک نہیں موت نے سب کا نام مٹا دیا کسی کا جلدی اور کسی کا

دیر میں) اور (اس تکبر کے سبب طبیعت میں سختی اور بے رحمی اس درجہ رکھتے ہو کہ) جب کسی پر دار و گیر

کرنے لگتے ہو تو بالکل جابر (اور ظالم) بن کر دار و گیر کرتے ہو (ان بڑے اخلاق کا اسلئے بیان کیا گیا کہ یہ

بڑے اخلاق اکثر ایمان اور اطاعت کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں) سو (چونکہ شرک اور گزشتہ بڑے اخلاق

خدا تعالیٰ کی ناخوشی اور عذاب کا سبب ہیں اسلئے) تم (کو چاہیے کہ) اللہ سے ڈرو اور (چونکہ میں رسول

ہوں اسلئے) میری اطاعت کرو اور اس (اللہ) سے ڈرو (یعنی جس سے ڈرنے کو میں کہتا ہوں وہ



ایسا ہے) جس نے تمہاری ان چیزوں سے امداد کی جن کو تم جانتے ہو (یعنی) چوپائے اور بیٹوں اور بانوں اور چشموں سے تمہاری امداد کی (تو منعم ہونے کا مقتضایہ ہے کہ اسکے احکام کی بالکل مخالفت نہ کی جائے) مجھ کو تمہارے حق میں (اگر تم ان حرکات سے باز نہ آئے) ایک بڑے سخت دن کے عذاب کا اندیشہ ہے (یہ ترہیب ہے اور اَمَلْكُمْ بِالْغُلَامِ لَمْ یُنْجِیْہُمْ تَرْغِیْبٌ تَقِیْ) وہ لوگ بولے کہ ہمارے نزدیک تو دونوں باتیں برابر ہیں خواہ تم نصیحت کرو اور خواہ ناصح نہ بنو (یعنی ہم دونوں حالتوں میں اپنے کردار سے باز نہ آدینگے اور تم جو کچھ کہہ رہے ہو) یہ تو بس اگلے لوگوں کی ایک (معمولی) عادت (ہے اور ہم) ہے (کہ ہر زمانہ میں لوگ مدعی نبوت ہو کر لوگوں کو گمراہی میں لے رہے ہوتے رہے) اور (تم جو ہم کو عذاب سے ڈراتے ہو تو) ہم کو مگر عذاب نہ ہو گا غرض ان لوگوں نے ہود (علیہ السلام) کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو (سخت آندھی کے عذاب سے) ہلاک کر دیا، بیشک اس (واقعہ) میں (بھی) بڑی عبرت ہے (کہ احکام کی مخالفت کا کیا انجام ہوا) اور (باوجود اسکے) ان (کفار مکہ) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ کا رب زبردست (اور مہربان ہے) (کہ عذاب دینے پر قادر بھی ہے اور رحمت سے مہلت بھی دے رکھی ہے)

## معارف و مسائل

چند مشکل الفاظ کی تشریح | اَنْبَتُوْنَ بِحُلٍّ رِّیْحٍ اَیَّہُ تَعْبَثُوْنَ ۝ وَتَخْجَدُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلَدُوْنَ ۝ (النجم) ابن جریر نے حضرت مجاہدؒ سے نقل فرمایا ہے کہ رِّیْحٌ دو پہاڑوں کے درمیانی راستہ کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے اور جہور سے منقول ہے کہ رِّیْحٌ بلند جگہ کو کہتے ہیں اور اسی سے رِّیْحُ النَّبَاتِ نکلا ہے یعنی بڑھنے اور چڑھنے والی نباتات، (آیۃ) اسکے اصل معنی علامت کے ہیں اس جگہ بلند محل مراد ہے۔ (تَعْبَثُوْنَ) یہ عبث سے ہے اور عبث اس کو کہتے ہیں جس میں نہ حقیقت کوئی فائدہ ہو اور نہ حکماً۔ اس جگہ معنی یہ ہونگے کہ وہ بیفائدہ بلند بلندیوں پر بناتے تھے جن کی ان کو کوئی ضرورت نہیں تھی صرف فخریہ بناتے تھے۔ (مَصَانِعُ) مصنع کی جمع ہے۔ حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ مصانع سے پانی کے حوض مراد ہیں لیکن حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ اس سے مضبوط محل مراد ہیں۔ (لَعَلَّكُمْ تَخْلَدُوْنَ) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں بیان فرمایا کہ اس آیت میں لَعَلَّ تشبیہ کے لئے ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے ترجمہ یہ فرمایا کہ لَعَلَّكُمْ تَخْلَدُوْنَ، یعنی گویا تم ہمیشہ رہو گے (کما فی الترمذی) بلا ضرورت عمارت بنانا مذموم ہے | اس آیت سے ثابت ہوا کہ بغیر ضرورت کے مکان بنانا اور تعمیرات کرنا شرعاً بُرا ہے۔ اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے جو امام ترمذیؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ النفقۃ کلھا فی سبیل اللہ الا البنا و فلاخیر فیہ، یعنی وہ عمارت جو ضرورت سے زائد بنائی گئی ہو اس میں کوئی بہتری اور بھلائی نہیں۔ اور اس معنی کی تصدیق حضرت انسؓ کی دوسری



روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ان کل بناء و بال علی صاحب الاملا یعنی الاملا بنی (ابوداؤد) یعنی ہر تعمیر صاحب تعمیر کے لئے مصیبت ہے مگر وہ عمارت جو ضروری ہو وہ وبال نہیں ہے بیش المعانی میں فرمایا کہ بغیر غرض صحیح کے بلند عمارت بنانا شریعت محمدیہ میں بھی مذموم اور بُرا ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٣١﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ ﴿١٣٢﴾

بھٹلایا ثمود نے پیغام لانے والوں کو جب کہا ان کو ان کے بھائی صالح نے کیا

تَتَّقُونَ ﴿١٣٣﴾ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُولٌ اَمِیْنٌ ﴿١٣٤﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاطِيعُوْنَ ﴿١٣٥﴾

تم ڈرتے نہیں میں تمہارے پاس پیغام لانے والا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

وَمَا اَسْأَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیْ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ﴿١٣٦﴾

اور انہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی جہان کے پالنے والے پر

اَتُزَکُّوْنَ فِیْ مَا هٰہُنَا اَمِیْنٌ ﴿١٣٧﴾ فِیْ جَنَّتٍ وَغِیُوْنٍ ﴿١٣٨﴾ وَزُرُوعٍ

کیا چھوڑے رکھیں گے تم کو یہاں کی چیزوں میں بے کھلم باغوں میں اور چشموں میں اور کھیتوں میں

وَخَلٍّ طَلَعَهَا هٰضِیْمٌ ﴿١٣٩﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوتًا فَرٰہِیْنَ ﴿١٤٠﴾

اور کھجوروں میں جن کا کاٹھا ملائم ہے اور تراشتے ہو پہاڑوں کے گھر تنکلت کے

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاطِيعُوْنَ ﴿١٤١﴾ وَلَا تُطِيعُوْا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿١٤٢﴾

سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو اور نہ مانو حکم بے باک لوگوں کا

الَّذِیْنَ یَفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ﴿١٤٣﴾ قَالُوْا اِنَّمَا اَنْتَ

جو خسروانی کرتے ہیں ملک میں اور اصلاح نہیں کرتے بولے تجھ پر تو کسی

مِنَ الْمُسْحَرِیْنَ ﴿١٤٤﴾ مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاتَّبِعْنِیْ اِنْ

نے جادو کیا ہے تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم سولے آجکے نشانی

کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿١٤٥﴾ قَالَ هٰذِہٖ نَاقۃٌ لِّہَا شَرِبٌ وَّلَکُمْ شَرِبٌ

اگر تو سچا ہے کہتا اذنی ہے اس کے لئے پانی پینے کی ایک باری اور تمہارے لئے

یَوْمَ مَعْلُوْمٍ ﴿١٤٦﴾ وَلَا تَمْسُوْہَا بِسُوْءٍ فِیَاْخُذْکُمْ عَذَابُ یَوْمٍ

باری ایک دن کی مقرر اور مت چھیڑو اس کو بری طرح سے پھر پکڑے تم کو آنت ایک برے

عَظِیْمٍ ﴿١٤٧﴾ فَعَقَرُوْہَا فَاصْبِرُوْا اِنِّیْ مِیْنٌ ﴿١٤٨﴾ فَاَخَذَہُمُ الْعَذَابُ

دن کی پھر کاٹ ڈالا اس اذنی کو پھر کل کورہ گئے پھٹاتے پھر آئیں ان کو عذاب نے

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیۃً وَّ مَا کَانَ اَکْثَرُہُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿١٤٩﴾ وَاِنَّ

البتہ اس بات میں نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں ماننے والے اور تیرا



رَبِّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ

رب وہی ہے زبردست رحم کرنے والا

## خلاصہ تفسیر

قوم ثمود نے (بھی) پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ اُن سے اُن کے بھائی صالح (علیہ السلام) نے فرمایا کیا تم (اللہ سے) نہیں ڈرتے، میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں، سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کچھ مسئلہ نہیں چاہتا، بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے (اور تم جو خوشحالی کی وجہ سے اس درجہ اللہ سے غافل ہو تو) کیا تم کو ان ہی چیزوں میں بفکری سے رہنے دیا جاوے گا جو یہاں (دنیا میں) موجود ہیں، یعنی باغوں میں اور چشموں میں اور ان کھجوروں میں جن کے گچھے خوب گوند سم ہوئے ہیں (یعنی ان کھجوروں میں خوب کثرت سے پھل آتا ہے) اور کیا (اسی غفلت کی وجہ سے) تم پہاڑوں کو تراش تراش کر اتراتے (اور فخر کرتے) ہوئے مکانات بناتے ہو سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور اُن حدود (بندگی) سے بچل جانے والوں کا کہنا مت مانو جو سر زمین میں فساد کیا کرتے ہیں اور (کبھی) اصلاح (کی بات) نہیں کرتے (مراد رؤساء کفار ہیں جو گمراہی پر لوگوں کو آمادہ کرتے تھے اور فساد اور عدم اصلاح سے یہی مراد ہے) ان لوگوں نے کہا کہ تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے (جس سے عقل میں خرابی آگئی ہے کہ نبوت کا دعویٰ کرتے ہو حالانکہ) تم بس ہماری طرح کے ایک (معمولی) آدمی ہو۔ (اور آدمی نبی ہوتا نہیں) سو کوئی معجزہ پیش کرو اگر تم (دعویٰ نبوت میں) سچے ہو، صالح (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ ایک اڈٹنی ہے (جو بوجہ خلافِ عادت پیدا ہونے کے معجزہ ہے جیسا کہ پارہ ہشتم کے ختم کے قریب گزرا اور علاوہ اسکے کہ یہیری رسالت پر دلیل ہے خود اسکے بھی کچھ حقوق ہیں چنانچہ ان میں سے ایک یہ ہے کہ) پانی پینے کے لئے ایک باری اکی ہے اور ایک مقرر دن میں ایک باری تمہاری (یعنی تمہارے مواشی کی) اور (ایک یہ ہے کہ) اس کو بُرائی (اور تکلیف دہی) کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کبھی تم کو ایک بھاری دن کا عذاب آپکڑے سوانھوں نے (نہ رسالت کی تصدیق کی نہ اڈٹنی کے حقوق ادا کئے بلکہ) اس اڈٹنی کو مار ڈالا، پھر (جب عذاب کے نشان ظاہر ہوئے تو اپنی حرکت پر) پشیمان ہوئے (مگر اول تو عذاب دیکھ لینے کے وقت پشیمانی بیکار، دوسرے خالی طبعی پشیمانی سے کیا ہوتا ہے جب تک اختیاری تدارک یعنی توبہ و ایمان نہ ہو) پھر (آخر) عذاب نے ان کو آیا، بیشک اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے اور (باوجود اسکے) ان (کفار مکہ) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بے شک آپ کا رب بڑا زبردست بہت مہربان ہے (کہ باوجود قدرت کے مہلت دیتا ہے)۔



## معارف و مسائل

وَتَنْجِثُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَرِيقَيْنِ، حضرت ابن عباسؓ سے فارہین کی تفسیر بطریق منقول ہے یعنی اترانے اور بکتر کرنے والے، لیکن ابوصالح نے فرمایا، اور یہی امام راغب نے تفسیر کی ہے کہ فارہین کے معنی حاذقین ہے یعنی ماہرین کے ہیں، مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ نعمت فرمائی کہ تم کو ایسی صنعت کاری سکھلا دی کہ پہاڑوں کو مکانات بنانا تمہارے لئے آسان کر دیا۔ حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے انعامات کو یاد کرو اور زمین پر فساد نہ کرو۔

منفید پیشہ خدائی انعامات ہیں بشرطیکہ اس آیت سے ثابت ہو کہ عمدہ پیشہ خدا تعالیٰ کے انعامات ہیں اور ان کو بُرے کاموں میں استعمال نہ کریں ان سے نفع اٹھانا جائز ہے لیکن اگر ان سے کوئی گناہ یا حرام فعل یا بلا ضرورت ان میں انہماک لازم آتا ہو تو پھر وہ پیشہ اختیار کرنا جائز ہے جیسے کہ ابھی اس سے پہلی آیتوں میں بلا ضرورت عمارت کی بلندی کی مذمت گزری ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمٌ لُّوطَ بْنَ الْمُرْسَلِينَ ۖ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطُ أَلَا تَتَّقُونَ ۚ (۱۶۱) اِنِّیْ لَکُمْ رَسُولٌ اٰمِیْنٌ ۖ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۚ (۱۶۲)

جھٹلایا لوطؑ کی قوم نے پیغام لانے والوں کو جب کہا ان کو ان کے بھائی لوطؑ نے کیا تم

ڈرتے نہیں میں تمہارے لئے پیغام لانے والا ہوں معتبر سوڈرواشر سے اور میرا کہا مانو

وَمَا اَسْأَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیْ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۚ (۱۶۳)

اور مانگتا نہیں میں تم سے اس کا کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی پر دروگاہ عالم پر

اَتَاۡتُوْنَ الذِّکْرَ اِنْ مِنَ الْعٰلَمِیْنَ ۚ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَکُمْ

کیا تم ڈوڑتے ہو جہان کے مردوں پر اور چھوڑتے ہو جو تمہارے واسطے بنادی ہیں

رَبِّکُمْ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۚ (۱۶۴) قَالُوْا لَیْسَ لَکُمْ

تمہارے رب نے تمہاری جوڑائیں بلکہ تم لوگ ہر دوسرے سے بڑھنے والے ہوئے اگر نہ چھوڑے گا

تَدْنٰہِ یٰ لُوطُ اَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرِجِیْنَ ۚ قَالَ اِنِّیْ لَعٰلَکُمْ

تو اے لوطؑ تو تو نکال دیا جائے گا کہا میں تمہارے کام سے

مِّنَ الْقٰلِیْنَ ۚ رَبِّ نَجِّنِیْ وَاَهْلٰی مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ۚ (۱۶۵) فَنَجَّیْنٰہُ

البتہ بے زار ہوں اے رب خلاص کر مجھ کو اور میرے گھر والوں کو ان کاموں سے جو یہ کرتے ہیں پھر نجات دیا

وَاَهْلَہٗ اَجْمَعِیْنَ ۚ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغَدْرِیْنَ ۚ ثُمَّ دَمَرْنَا

اسکو اور اس کے گھر والوں کو سب کو مگر ایک بڑھیا رہ گئی رہنے والوں میں پھر اٹھا مارا ہم نے



الْآخِرِينَ ﴿۱۴۲﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا قَسَاءً مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۱۴۳﴾

اُن دوسروں کو اور برسایا اُن پر ایک برساؤ سو کیا بُرا برساؤ تھا اُن ڈر لئے ہوؤں کا

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۴۴﴾ وَإِنَّ

البتہ اس بات میں نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں تھے ماننے والے اور تیرا

رَبِّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۴۵﴾

رب دہی ہے زبردست رحم والا

### خلاصہ تفسیر

قوٹ ٹوٹنے (بھی) پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ اُن سے ان کے بھائی ٹوٹ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم (اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں، سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا، بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے، کیا تمام دنیا جہان والوں میں سے تم (یہ حرکت کرتے ہو کہ) مردوں سے بد فعلی کرتے ہو اور تمہارے رب نے جو تمہارے لئے بیبیاں پیدا کی ہیں ان کو نظر انداز کئے رہتے ہو (یعنی اور کوئی آدمی تمہارے ہوا یہ حرکت نہیں کرتا اور یہ نہیں ہے کہ اس کے قبیح ہونے میں کچھ شبہ ہے) بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) تم حد (انسانیت) سے گزر جانے والے لوگ ہو، وہ لوگ کہنے لگے کہ اے ٹوٹ، اگر تم (ہمارے کہنے سننے سے) باز نہیں آؤ گے تو ضرور (بستی سے) نکال دیے جاؤ گے، ٹوٹ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ (میں اس دھمکی پر اپنے کہنے سے نہ رکتا کیونکہ) میں تمہارے اس کام سے سخت نفرت رکھتا ہوں (تو کہنا کیسے چھوڑ دوں گا، جب کسی طرح اُن لوگوں نے نہ مانا اور عذاب آتا ہوا معلوم ہوا تو) ٹوٹ (علیہ السلام) نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھ کو اور میرے (خاص) متعلقین کو ان کے اس کام (کے وبال) سے (جو اُن پر آئو والا ہے) نجات دے، سو ہم نے ان کو اور آئسے متعلقین کو سب کو نجات دی سو اُن نے ایک بڑھیا کے (مراد اس سے زوجہ) ٹوٹ (علیہ السلام) کی کہ وہ (عذاب کے اندر) رہ جانے والوں میں رہ گئی، پھر ہم نے اور سب کو (جو ٹوٹ اور ان کے اہل کے سوا تھے) ہلاک کر دیا اور ہم نے ان پر ایک خاص قسم کا (یعنی پتھروں کا) مینہ برسایا، سو کیا بُرا مینہ تھا جو ان لوگوں پر برساجن کو (عذاب الہی سے) ڈرایا گیا تھا بے شک اس (واقعہ) میں (بھی) عبرت ہے اور (باوجود اس کے) ان (کفار مکہ) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، اور بے شک آپ کا رب بڑی قدرت والا بڑی رحمت والا ہے کہ عذاب دے سکتا تھا مگر ابھی نہیں دیا۔



## معارف و مسائل

غیر فطری فعل اپنی بیوی سے بھی حرام ہے | وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَرْوَاحِكُمْ، لفظ  
مِنْ أَرْوَاحِكُمْ میں صرف مِنْ اصطلاحی الفاظ میں بیان یہ بھی ہو سکتا ہے جسکا حاصل یہ ہوگا کہ تمہاری  
خواہش نفسانی کے لئے جو اللہ نے بیویاں پیدا فرمائی ہیں تم اُن کو چھوڑ کر اپنے ہم جنس مردوں کو اپنی شہوت  
نفس کا نشانہ بناتے ہو جو خباثت نفس کی دلیل ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حرفِ مِنْ کو تبعیض کے لئے قرار  
دیں تو اشارہ اس طرف ہوگا کہ تمہاری بیبیوں کا جو مقام تمہارے لئے بنایا گیا اور جو امر فطری ہے اسکو  
چھوڑ کر بیویوں سے خلافِ فطرت عمل کرتے ہو جو کہ قطعاً حرام ہے۔ غرض اس دوسرے معنی کے لحاظ سے  
یہ مسئلہ بھی ثابت ہو گیا کہ اپنی زوجہ سے خلافِ فطرت عمل حرام ہے، حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے نعوذ باللہ منہ (کذا فی الروض)

إِلَّا يَجُوزُ فِي الْغَيْرِ مَنِ، مجوز سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے جو کہ قوم لوط کے اس  
فعل سے راضی تھی اور کافرہ تھی۔ لوط علیہ السلام کی یہ کافر بیوی اگر واقع میں بڑھیا تھی تو اسکے لئے  
لفظ مجوز استعمال کرنا ظاہر ہی ہے اور اگر یہ عمر کے لحاظ سے بڑھیا نہ تھی تو اس کو مجوز کے لفظ سے شاید اسلئے  
تعبیر کیا گیا کہ پیغمبر کی بیوی اُمت کے لئے ماں کی جگہ ہوتی ہے جو عورت کثیر الاولاد ہو اس کو بڑھیا کہہ دینا  
کچھ مستبعد نہیں۔

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ، اس آیت سے ثابت ہوا کہ لوطی پر دیوار  
گرائے یا بلند مقام سے نیچے پھینکنے کی تعزیر جائز ہے جیسے خفیہ کا مسلک کہ کیونکہ قوم لوط اسی طرح ہلاک کی  
گئی تھی کہ ان کی بستیوں کو اوپر اٹھا کر اٹما زمین پر پھینک دیا گیا تھا۔ (شامی کتاب الحدیث)

كَذَّبَ أَصْحَابُ الْمِرْثَلِ ۖ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۖ (۱۴۶)

جھٹلایا بن کے رہنے والوں نے پیغام لانے والوں کو جب کہا اُن کو شعیب نے کیا تم ڈرتے نہیں

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۖ وَمَا أَسْأَلُكُمْ

میں تم کو پیغام پہنچانے والا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو اور نہیں مانگت میں

عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۖ أَوْفُوا الْكَيْلَ

تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی پروردگار عالم پر پورا بھر کر دو ماپ

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ۖ وَزِنُوا بِالْقِسْطِ أَسْلَافَ ۖ (۱۴۷)

اور مت ہو نقصان دینے والے اور تولو سیدھی ترازو سے



وَلَا تَحْسَبُوا النَّاسَ شَيْئًا هُمْ وَلَا تَعْتَوُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۱۸۳﴾

اور مت گھٹا دو لوگوں کو اُن کی چیزیں اور مت دوڑد ملک میں خرابی ڈالتے ہوئے

وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِنْ نَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿۱۸۶﴾

اور ڈرو اُس سے جس نے بنایا تم کو اور اعلیٰ خلقت کو بولے مجھ پر تو کسی نے

جادو کر دیا ہے اور تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم اور ہمارے خیال میں تو تو جھوٹا ہے

فَاسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۱۸۷﴾ قَالَ

سو گرا دے ہم پر کوئی ٹکڑا آسمان کا اگر تو سچا ہے کہا

رَبِّي أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸۸﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُم عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ﴿۱۸۹﴾

میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو پھر اسکو جھٹلایا پھر پکڑ لیا اُن کو اُن نے سائبان والے دن کی

إِنَّهُ كَانَ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۹۰﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ

بیشک وہ تھا عذاب بڑے دن کا البتہ اس بات میں نشانی ہے اور اُن میں بہت

أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۹۱﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۹۲﴾

لوگ نہیں ماننے والے اور تیرا رب وہی ہے نبردست رحم والا

۱۹۱

## خلاصہ تفسیر

اصحابِ لائیکہ نے (بھی جن کا ذکر سورہ حجر کے اخیر میں گزر چکا ہے) پیغمبروں کو جھٹلایا، جبکہ اُن سے شعیب (علیہ السلام) نے فرمایا کہ کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ میں تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو اور میں تم سے اس پر کوئی صلہ نہیں چاہتا، پس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے تم لوگ پورا ناپاکو اور (صاحبِ حق کا) نقصان مت کیا کرو اور (اسی طرح تولنے کی چیزوں میں) سیدھی ترازو سے تولاکرو (یعنی ڈنڈی نہ مارا کرو نہ باٹوں میں فرق کیا کرو) اور لوگوں کا اُن کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو اور سرزمین میں فساد مت مچایا کرو اور اس (خدائے قادر) سے ڈرو جس نے تم کو اور تمام اگلی مخلوق کو پیدا کیا وہ لوگ کہنے لگے کہ بس تم پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے (جس سے عقل مختل ہوگئی اور نبوت کا دعویٰ کرنے لگے) اور تم تو محض ہماری طرح (کے) ایک (معمولی) آدمی ہو اور ہم تو تم کو جھوٹے لوگوں میں سے خیال کرتے ہیں، سو اگر تم بچوں میں سے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو (تاکہ ہم کو معلوم ہو جادو کے کہ واقعی تم نبی تھے تمہاری تکذیب کے ہم کو یہ سزا ہوئی) شعیب (علیہ السلام) بولے کہ (میں عذاب کا لانے والا یا اسکی کیفیت کی تعیین کرنے والا کون ہوں) تمہارے اعمال کو میرا رب (ہی)



خوب جانتا ہے (اور اس عمل کا جو مقتضائے ہے کہ کیا عذاب ہو اور کب ہو اس کو بھی وہی جانتا ہے اس کو اختیار ہے) سو وہ لوگ (برابر) اُن کو جھٹلایا کئے پھر ان کو سائبان کے واقعہ عذاب نے آپکڑا بیشک وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا (اور) اس (واقعہ) میں (بھی) بڑی عبرت ہے اور (باوجود اس کے) ان (کفار مکہ) میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بے شک آپ کا رب بڑی قدرت والا بڑی رحمت والا ہے (کہ عذاب نازل کر سکتا ہے مگر مہلت دے رکھی ہے)۔

## معارف و مسائل

وَنُؤَايَا الْقِصَاصِ الْمُسْتَقِيمِ، قسط اس کو بعض حضرات نے رومی لفظ قرار دیا جس کے معنی عدل و انصاف کے ہیں، بعض نے عربی لفظ قسط سے ماخوذ قرار دیا ہے قسط کے معنی بھی انصاف کے ہیں مراد یہ ہے کہ ترازو اور اسی طرح دوسرے ناپنے تولنے کے وسائل کو مستقیم اور سیدھے طور پر استعمال کر جس میں کمی کا خطرہ نہ رہے۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ، یعنی نہ کمی کرو لوگوں کی اپنی چیزوں میں۔ مراد یہ ہے کہ معاہدہ کے مطابق جتنا کسی کا حق ہے اُس سے کمی کرنا حرام ہے خواہ وہ ناپنے تولنے کی چیز ہو یا کوئی دوسری۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی ملازم مزدور اگر اپنے مقررہ وقت میں چوری کرتا ہے وقت کم لگاتا ہے وہ بھی اس وعید میں داخل ہے۔ امام مالکؒ نے مؤطا میں روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز عصر میں شریک نہیں ہوا، وجہ پوچھی تو اس نے کچھ عذر کیا تو حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا طقفت یعنی تولنے میں کمی کر دی، چونکہ نماز کوئی تولنے کی چیز نہیں اس لئے یہ حدیث نقل فرما کر امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وفاء و تطفیف یعنی حق کے مطابق کرنا یا کم کرنا ہر چیز میں ہے یعنی صرف ناپ تول ہی کے ساتھ یہ حکم مخصوص نہیں بلکہ کسی کے حق میں کمی کرنا خواہ کسی صورت سے ہو وہ تطفیف میں داخل ہے جس کا حرام ہونا وَبِئْسَ لِّلْمُطَافِفِينَ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

فَاَخَذَ هُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ، عذاب یوم الظلہ، جس کا ذکر اس آئے دارنٹ کی ضرورت نہیں آیت میں آیا ہے اس کا واقعہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اُن کی قوم پر سخت گرمی مسلط فرمائی کہ نہ مکان کے اندر چین آتا نہ باہر، پھر اُن کے قریبی جنگل میں ایک گہرا بادل بھیجا جسکے نیچے ٹھنڈی ہوائ تھی، ساری قوم گرمی سے پریشان تھی سب دوڑ دوڑ کر اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے جب ساری قوم بادل کے نیچے آگئی تو اس بادل نے ان پر پانی کے بجائے آگ برسادی جس سے سب سو کر رہ گئے۔ (کذا روی عن ابن عباس - روح)



وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيلُ رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهٖ الرُّوحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰی

اور یہ قرآن ہے اُتارا ہوا پروردگار عالم کا لے کر اُترا ہے اُس کو فرشتہ معبر تیرے

قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَ

دل پر کہ تو ہو ڈر سنا دینے والا کھلی عربی زبان میں اور

اِنَّهٗ لَقِيَ زُجْرًا وَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ اٰیَةٌ اَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَآؤُا

یہ لکھا ہے پہلوں کی کتابوں میں کیا ان کے واسطے نشانی نہیں یہ بات کہ اس کی خبر رکھتے ہیں

بَنِيْ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۹۷﴾ وَكَوْثُرْلَهُ عَلٰی بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَأَهُ

پڑھے لوگ بنی اسرائیل کے اور اگر اُتارتے ہم یہ کتاب کسی اور پری زبان والے پر اور وہ اسکو

عَلَيْهِمْ مَا كَانُوْا بِهٖ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ كَذٰلِكَ سَدَكْنٰهٗ فِیْ قُلُوْبِ

پڑھ کر سناتا تو بھی اس پر یقین نہ لاتے اسی طرح گھسا دیا ہم نے اُس انکار کو گنہگاروں

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰی يَرُوْا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۲۰۱﴾

کے دل میں وہ نہ مانیں گے اسکو جب تک نہ دیکھ لیں گے عذاب دردناک

فِيْآتِيْهِمْ يَغْتَهُ ۚ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ فَيَقُوْلُوْا اٰهْلُ نَحْنِ

پھر آئے اُن پر اچانک اور اُن کو خبر بھی نہ ہو پھر کہنے لگیں کچھ بھی ہم کو

مَنْظُرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ اَفَبِعَدَاۤءِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ اَفَرَاۤءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ

فرست ملے گی کیا ہمارے عذاب کو جلد مانگتے ہیں بھلا دیکھ تو اگر فائدہ پہنچاتے رہیں ہم

سِنِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَا كَانُوْا يُوعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَا اَسْنٰى عَنْهُمْ

اُن کو برسوں پھر پہنچے اُن پر جس چیز کا اُن سے وعدہ تھا تو کیا کام آئے گا اُن کے

مَا كَانُوْا يَمْتَعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾ وَمَا اَهْلَكْنٰ مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾

جو کچھ فائدہ اٹھاتے رہے اور کوئی بستی نہیں غارت کی ہم نے جس کے لئے نہیں تھے ڈر سنا دینے والے

ذِكْرٰی قَدْ وَاكُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾ وَمَا تَنْذَرْتُ بِهٖ الشَّيْطٰنُ ﴿۲۱۰﴾ وَمَا

یاد دلانے کو اور ہمارا کام نہیں ظلم کرنا اور اس قرآن کو نہیں لے کر اُترے شیطان اور نہ

يَنْبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنْ السَّمْعِ لَمَعَزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ فَلَا

ان سے بن آئے اور نہ وہ کر سکیں اُن کو تو سننے کی جگہ سے دور کر دیا ہے سو

تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذِّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَاَنْذِرْ

تو مت پکار اللہ کے ساتھ دوسرا معبود پھر تو پڑے عذاب میں اور ڈر سنا دے

عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاَخْنِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ

اپنے قریب کے رشتہ داروں کو اور اپنے بازو نیچے رکھ اُن کے واسطے جو تیرے ساتھ ہیں



مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۱۵﴾ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۱۶﴾

ایمان والے پھر اگر تیری نافرمانی کریں تو کہہ دے میں بے زار ہوں تمہارے کام سے

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِي يَرْفَعُ حَبْنُ تَقْوَمُ ﴿۲۱۸﴾ وَ

اور بھروسہ کر اس زبردست رحم والے پر جو دیکھتا ہے تجھ کو جب اٹھتا ہے اور

تَقْلُبُكَ فِي السَّجْدِ ﴿۲۱۹﴾ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۲۲۰﴾ هَلْ أَنْبَأَكُمْ عَلَى

تیرا پھر نمازیوں میں بیشک وہی ہے سُننے والا جاننے والا میں بتلاؤں تم کو کس پر

مَنْ تَنْزِلُ الشَّيْطَانُ ﴿۲۲۱﴾ تَنْزِلُ عَلَى كُلِّ آفَالٍ أَشِيمُ ﴿۲۲۲﴾ يُلْقُونَ لِسْمِ

اُترتے ہیں شیطان اُترتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار پر لا ڈالتے ہیں سنی ہوئی بات

وَكَثُرَ هُمُ كَذِبُونَ ﴿۲۲۳﴾ وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿۲۲۴﴾ أَلَمْ تَرَ

اور بہت ان میں جھوٹے ہیں اور شاعروں کی بات پر چلیں وہی جو بے راہ ہیں تو نے نہیں دیکھا

أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ﴿۲۲۵﴾ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿۲۲۶﴾

کہ وہ ہر میدان میں سہماتے پھرتے ہیں اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ

مگر وہ لوگ جو یقین لائے اور کام کئے اچھے اور یاد کی اللہ کی بہت اور بدلہ لیا اُس کے

بَعْدَ مَا ظَلَمُوا وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ﴿۲۲۷﴾

پچھے کہ اُن پر ظلم ہوا اور اب معلوم کریں گے ظلم کرنے والے کہ کس کردٹ اُلتے ہیں

## خلاصہ تفسیر

اور یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے اس کو امانت دار فرشتہ لیکر آیا ہے آپ کے قلب پر صاف عربی زبان میں تاکہ آپ (بھی) منجملہ ڈرائے والوں کے ہو جاویں (یعنی جس طرح اور پیغمبروں نے اپنی اُمت کو احکام الہیہ پہنچائے آپ بھی پہنچائیں) اور اس (قرآن) کا ذکر پہلی اُمتوں کی (آسمانی) کتابوں میں (بھی) ہے کہ ایک ایسی شان کا پیغمبر ہوگا اور اُس پر ایسا کلام نازل ہوگا چنانچہ تفسیر حقانی کے اس مقام کے حواشی میں چند بشارتیں کتب سابقہ تورات و انجیل کی نقل کی ہیں۔ آگے اس مضمون و ارتباطاً لَفِي ذِكْرِ الْأَوَّلِينَ کی توضیح ہے (یعنی) کیا ان لوگوں کے لئے (اس پر) یہ بات دلیل نہیں ہے کہ اس (پیشین گوئی) کو علماء بنی اسرائیل جانتے ہیں (چنانچہ ان میں جو لوگ اسلام لے آئے ہیں وہ تو علی الاعلان اسکا اعتراف کرتے ہیں اور جو اسلام نہیں لائے وہ بھی خاص خاص لوگوں کے سامنے اسکا اقرار کرتے ہیں جیسے کہ پارہ اول کے رُبْع پر آیت أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ کی تفسیر میں اسکا بیان آچکا ہے اور ان



اقرار کرنے والوں کی تعداد اور کثرت اس وقت اگر خبر واحد تک بھی مان لی جائے تاہم قرآن کی وجہ سے معنوی  
تواتر حاصل تھا، اور یہ دلیل قائم کرنا ان پڑھ عزیزوں کے لئے ہے ورنہ لکھے پڑھے لوگ خود اصل کتاب سے  
دیکھ سکتے تھے۔ اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کتب سابقہ میں تحریف نہیں ہوئی، کیونکہ باوجود تحریف کے  
ایسے مضامین کا باقی رہ جانا اور زیادہ حجت ہے اور یہ احتمال کہ یہ مضامین ہی تحریف کا نتیجہ ہوں اسلئے  
غلط ہے کہ اپنے نقصان کے لئے کوئی تحریف نہیں کیا کرتا۔ یہ مضامین تو تحریف کرنے والوں کے لئے  
نقصان دہ ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ یہاں تک تو دعویٰ ذائقۃ التوفیل کی دو نقلی دلیلیں بیان فرمائی ہیں  
یعنی پہلی کتابوں میں ذکر اور بنی اسرائیل کا جاننا کہ ان میں بھی ثانی اول کی دلیل ہے اور آگے انکار کرنے  
والوں کے عناد کے بیان کے ضمن میں اسی دعویٰ کی عقلی دلیل کی طرف اشارہ ہے یعنی اعجاز قرآن مطلب  
یہ ہے کہ یہ لوگ ایسے معاند ہیں کہ اگر (بالفرض) ہم اس (قرآن) کو کسی عجیب (غیر عربی) پر نازل کر دیتے  
پھر وہ (عجیب) ان کے سامنے اُس کو پڑھ بھی دیتا (اسکا معجزہ ہونا اور زیادہ ظاہر ہوتا ہے کیونکہ جس پر  
نازل ہوا اس کو عربی زبان پر بالکل قدرت نہ ہوتی، لیکن) یہ لوگ (بوجہ انتہائی ضد کے) تب بھی  
اس کو نہ مانتے (آگے حضور کی تسلی کے واسطے ان کے ایمان لانے سے ناامیدی دلاتے ہیں یعنی) ہم نے اسی  
طرح (شدت و اصرار کے ساتھ) اس ایمان نہ لانے کو ان نافرمانوں کے دلوں میں ڈال رکھا ہے (یعنی  
کفر میں) اور اس پر مُصر ہیں اور اس شدت و اصرار کی وجہ سے) یہ لوگ اس (قرآن) پر ایمان نہ لا دیں گے  
جب تک کہ سخت عذاب کو (مرنے کے وقت یا برزخ میں یا آخرت میں) نہ دیکھ لیں گے جو اچانک ان  
کے سامنے آکھڑا ہو گا اور ان کو (پہلے سے) خبر بھی نہ ہو گی پھر (اس وقت جان کو بنے گی تو) کہیں گے کہ  
کیا (کسی طور پر) ہم کو (کچھ) مہلت مل سکتی ہے (لیکن وہ وقت نہ مہلت کا ہے نہ قبول ایمان کا اور وہ  
کفار ایسے مضامین و عید و عذاب کے سُکر براہ انکار عذاب کا تقاضا کیا کرتے تھے مثلاً کہتے تھے رَبَّنَا  
مُحِلِّ لَنَا قِطْنًا اَوْ رِانٍ كَانْ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حَجَارًا، یعنی اے اللہ  
اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر پتھروں کی بارش برسلا اور مہلت کو، جو درحقیقت ڈھیل ہے عذاب  
نہ واقع ہونے کی دلیل ٹھہراتے تھے، آگے اسکا جواب ہے کہ) کیا (ہماری دعیدوں کو سُکر) یہ لوگ  
ہمارے عذاب کی تعمیل چاہتے ہیں (جسکا منشاء انکار ہے یعنی باوجود قیام دلیل یعنی ایک سچے بزرگ  
کی خبر کے پھر بھی انکار کرتے ہیں؟ رہا مہلت کو بناء انکار قرار دینا سو یہ سخت غلطی ہے کیونکہ) اے  
مخاطب ذرا تامل تو اگر ہم ان کو (چند سال تک) عیش میں رہنے دیں پھر جس (عذاب) کا ان سے وعدہ  
ہے وہ ان کے سر آپڑے تو ان کا وہ عیش کس کام آسکتا ہے (یعنی یہ عیش کی جو مہلت دی گئی اس  
سے انکے عذاب میں کوئی خفت یا کمی نہیں ہو سکتی) اور (مہلت دینا حکمت کی وجہ سے چند روز تک  
خواہ کم یا زیادہ کچھ ان ہی کیساتھ خاص نہیں بلکہ اُنم سابقہ کو بھی مہلتیں ملی ہیں چنانچہ) جتنی بستیاں



(سکرین کی) ہم نے (عذاب سے) غارت کی ہیں سب نصیحت کے واسطے ڈرانے والے (پیغمبر) آئے (جب نہ مانے تو عذاب نازل ہوا) اور ہم (صورۃ بھی) ظالم نہیں ہیں (مطلب یہ کہ مہلت دینے سے جو مقصود ہے یعنی حجت پورا کرنا اور عذر کو ختم کرنا وہ سب کے لئے رہا، پیغمبروں کا آنا سمجھنا خود یہ بھی ایک مہلت ہی دینا ہے مگر پھر بھی ہلاکت کا عذاب آکر رہا۔ ان واقعات سے مہلت دینے کی حکمت بھی معلوم ہوگئی اور مہلت دینے اور عذاب میں تضاد نہ ہونا بھی ثابت ہو گیا اور صورۃ اس لئے کہا گیا کہ حقیقت تو کسی حالت میں بھی ظلم نہ ہوتا۔ آگے پھر مقصود اول یعنی مضمون وَإِنَّ لَنَا نُزِيلًا کی طرف رجوع ہے۔ اور درمیان میں یہ مضامین سکرین کی حالت کے مناسب ہونے کی وجہ سے مذکور ہوئے تھے اور حاصل مضمون آئندہ آیات کا ان شبہات کا دفع کرنا ہے جو قرآن کی حقانیت کے متعلق تھے پس ایک شبہ تو قرآن کے الشّر کا کلام اور کی طرف سے بھیجا ہوا ماننے پر اس لئے تھا کہ عرب میں پہلے سے کاہن ہوتے آئے تھے وہ بھی کچھ مختلف قسم کے جملے بولا کرتے تھے نعوذ باللہ آپ کی نسبت بھی بعضے کفار یہی کہتے تھے (کہ فالدہن ابن زید) اور بخاری میں ایک عورت کا قول نقل کیا ہے جس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے میں کچھ دیر ہوئی تو اس عورت نے کہا کہ آپ کو آپکے شیطان نے چھوڑ دیا ہے کیونکہ کاہنوں کو شیطان ہی کی تعلیم تلقین سے کچھ حاصل ہو کر تا تھا۔ اسکا جواب ہے کہ یہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے) اور اسکو شیاطین (جو کاہنوں کے پاس آیا کرتے تھے) کے کہنے نہیں آئے (کیونکہ اسکے دو مانع قوی موجود ہیں ایک اسکی صفت شیطنت جس کے سبب یہ (قرآن) ان کی حالت کے مناسب ہی نہیں (کیونکہ قرآن سب کا سب ہدایت اور شیطان سب کا سب گمراہی ہے نہ ان کو ایسے مضامین کی آمد ہو سکتی ہے اور نہ ایسے مضامین شائع کرنے سے ان کی غرض یعنی مخلوق کو گمراہ کرنا پورا ہو سکتا ہے ایک مانع تو یہ ہوا) اور (دوسرا مانع یہ کہ وہ) اس پر قادر بھی نہیں کیونکہ وہ شیاطین (وحی آسمانی) سننے سے روک دیے گئے ہیں (چنانچہ کاہنوں اور شرکوں سے انکے جنات نے اپنی ناکامی کا خود اعتراف کیا جس کی انھوں نے اوروں کو بھی خبر دی چنانچہ بخاری میں ایسے قعے باب اسلام عمرہ میں مذکور ہیں پس شیطانوں کی تلقین کا کسی طرح احتمال نہ رہا اور اس جواب کا پورا ہونا اور ایک دوسرے شبہ کا جواب ختم سورت کے قریب آدھیکار درمیان میں تنزیل من اللہ ہونے پر بطور تفریع کے ایک مضمین ہے یعنی جب اسکا منزل من اللہ ہونا ثابت ہے تو اس کی تعلیم واجب العمل ہوئی اور منجملہ اُس کے اہم امر اور عظم توحید ہے) سو (اے پیغمبر ہم اسکے وجوب کی ایک خاص طریق سے تاکید کرتے ہیں کہ ہم آپ کو مخاطب بنا کر کہتے ہیں کہ) تم خدا کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت مت کرنا کبھی تم کو سزا ہونے لگے (حالانکہ آپ میں نعوذ باللہ نہ احتمال شرک کا ہی نہ تعذیب کا مگر لوگوں کو یہ بات بتلانا مقصود ہے کہ جب غیر اللہ کی عبادت پر آپ کے لئے بھی سزا کا حکم ہے تو اور بیچارے تو کس شمار میں ہیں؟ شرک سے ان کو کیسے منع نہ کیا جاوے اور شرک کر کے عذاب سے کیونکر بچیں گے) اور



(اسی مضمون سے) آپ (سب سے پہلے) اپنے نزدیک کے کنبہ کو ڈرائیے (چنانچہ آپ نے سب کو بکار کر جمع کیا اور شرک پر عذاب الہی سے ڈرایا جیسا حدیثوں میں ہے) اور (آگے انذار یعنی دعوت نبوت کو قبول کرنے والے اور ذکر کرنے والوں کے ساتھ معاملہ کا طرز بتلاتے ہیں یعنی) ان لوگوں کے ساتھ (تو شفقتانہ) فرد تنی سے پیش آئیے جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلیں (خواہ کنبہ کے ہوں یا غیر کنبہ کے) اور اگر یہ لوگ (جن کو آپ نے ڈرایا ہے) آپ کا کہنا نہ مانیں (اور کفر پر اڑے رہیں) تو آپ (صاف) کہہ دیجئے کہ میں تمہارے افعال سے بیزار ہوں (ان دونوں امر یعنی إخفض و قل الخ میں حب فی الشر اور بغض فی الشر کی پوری تعلیم ہے اور کبھی ان مخالفین کی طرف سے ایذا اور نقصان دینے کا خطرہ نہ لائیے) اور خدائے رحیم پر توکل رکھئے جو آپ کو جس وقت کہ آپ (نماز کے لئے) کھڑے ہوتے ہیں اور (نیز نماز شروع کرنے کے بعد) نمازیوں کے ساتھ آپ کی نشست و برخاست کو دیکھتا ہے (اور نماز کے علاوہ بھی وہ دیکھتا بھالتا ہے کیونکہ) وہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے (پس جب اس کو علم بھی کامل ہے جیسے یواک اور سمیع، علیم اس پر دال ہیں اور وہ آپ پر مہربان بھی ہے، جیسا الرحیم اس پر دال ہے اور اس کو سب قدرت ہے جیسا العزیز سے مفہوم ہوتا ہے تو ضرور وہ لائق توکل ہے وہ آپ کو ضرور حقیقی سے بچا دیگا اور جو متوکل کو ضرر پہنچتا ہے وہ صرف ظاہر کے اعتبار سے ضرر ہوتا ہے جس کے تحت میں ہزاروں منافع ہوتے ہیں جن کا کبھی دنیا میں کبھی آخرت میں ظہور ہوتا ہے آگے کہانت کے شبہ کے جواب کا متمہ ہے کہ اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دیجئے کہ (کیا میں تم کو بتلاؤں کس پر شیطان اُترتا کرتے ہیں (سنو) ایسے شخصوں پر اُتر کرتے ہیں جو) (پہلے سے) دروغ گفتار بڑے بدکردار ہوں اور جو) انبیاء شیطین کے وقت اُن شیطانون کی طرف) کان لگا دیتے ہیں اور (لوگوں سے اُن چیزوں کے بیان کرنے کے وقت) وہ بکثرت جھوٹ بولتے ہیں (چنانچہ سفلی عالموں کو اب بھی اسی حالت میں دیکھا جاتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ فائدہ لینے والے اور فائدہ دینے والے کے درمیان مناسبت ضروری ہے تو شیطان کا شاگرد بھی وہ ہوگا جو جھوٹا اور گنہگار ہوگا، نیز شیطان کی طرف قلب سے متوجہ بھی ہو کہ بغیر توجہ سے استفادہ نہیں ہوتا اور چونکہ اکثر یہ علوم شیطانی نامتام ہوتے ہیں اس لئے ان کو رنگین و با وقعت کرنے کیلئے کچھ حاشیہ بھی ظن و تخمین سے چرٹھانا پڑتا ہے جو کہ کہانت کے لئے عادت ضروری ہیں اور ساری باتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ہونیکا کوئی دور کا بھی احتمال نہیں کیونکہ آپ کا سہا ہونا سب کو معلوم ہے۔ آپ کا پرہیزگار ہونا اور شیطین سے بغض رکھنے والا ہونا دشمن کو بھی مسلم تھا اور شہو و معروف تھا تو پھر کہانت کا احتمال کہاں رہا) اور (آگے شبہ شاعریت کا جواب ہے کہ آپ شاعر بھی نہیں ہیں جیسا کفار کہتے تھے بَلْ هُوَ شَاعِرٌ یعنی ان کے مضامین خیالی غیر واقعی ہیں گو منظوم نہ ہوں سو یہ احتمال اس لئے غلط ہے کہ) شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں (مراد راہ سے شر گوئی ہے



یعنی مضامین خیالی شاعرانہ نثر میں یا نظم میں کہنا ان لوگوں کا طریقہ ہے جو مسلک تحقیق سے دور ہوں  
آگے اس دعویٰ کی وضاحت ہے کہ) اے مخاطب کیا تم کو معلوم نہیں کہ وہ (شاعر، لوگ) (خیالی  
مضامین کے) ہر میدان میں حیران (کریں مارتے تلاش مضامین میں) پھر کرتے ہیں اور (جب مضمون  
بل جاتا ہے تو چونکہ اکثر خلاف واقعہ ہوتا ہے اسلئے) زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں (چنانچہ  
شاعروں کی گپوں کا ایک نمونہ لکھا جاتا ہے ۵

اے شکِ سبھا تری رفتار کے قرباں ۵ ٹھوکر سے مری لاش کئی بار چلا دی

اے بادِ صبا ہم تجھے کیا یاد کریں گے ۵ اُس گل کی خبر تو نے کبھی ہم کو نہ لادی

۵ صبا نے اس کے کوچہ سے اڑا کر ۵ خدا جانے ہماری خاک کیا کی، وغیرہ وغیرہ، حتیٰ کہ کبھی کفریات  
بکھنے لگتے ہیں۔ حاصل جواب کا یہ ہوا کہ مضامین شعریہ کے لئے خیالی اور غیر متحقق ہونا لازمی ہے اور مضامین  
قرآنیہ جس باب سے بھی متعلق ہیں سب کے سب تحقیقی، غیر خیالی ہیں اسلئے آپ کو شاعر کہنا سوائے جنوں شاعرانہ  
کے اور کیا ہے، حتیٰ کہ اکثر چونکہ نظم میں ایسے ہی مضامین ہوا کرتے ہیں اسلئے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
کو نظم پر قدرت بھی نہیں دی اور اوپر چونکہ شعراء کی مذمت ارشاد ہوئی ہے جس کے عموم میں بظاہر سب نظم  
کہنے والے آگئے، گو ان کے مضامین عین حکمت اور تحقیق ہوں اسلئے آگے ان کا استنار فرماتے ہیں کہ) ہاں  
مگر جو لوگ (ان شاعروں میں سے) ایمان لائے اور اچھے اچھے کام کئے (یعنی شرع کی خلاف نہ ان کا  
قول ہے نہ فعل، یعنی ان کے اشعار میں یہودہ مضامین نہیں ہیں) اور انھوں نے (اپنے اشعار میں)  
کثرت سے اللہ کا ذکر کیا (یعنی تائیدِ دین اور اشاعتِ علم میں ان کے اشعار ہیں کہ یہ سب ذکر اللہ میں  
داخل ہیں) اور (اگر کسی شعر میں بظاہر کوئی نامناسب مضمون بھی ہے جیسے کسی کی ہجو اور مذمت جو بظاہر  
اخلاقِ حسنہ کے خلاف ہے تو اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ) انھوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے  
(اسکا) بدلہ لیا (ہے یعنی کفار یا فستاق نے اول ان کو زبانی تکلیف پہنچائی، مثلاً ان کی ہجو کی یا دین  
کی توہین کی جو اپنی ہجو سے بھی بڑھ کر تکلیف کا سبب ہے، یا ان کے مال کو یا جان کو ضرر پہنچایا، یعنی  
یہ لوگ مستثنیٰ ہیں کیونکہ انتقامی طور پر جو شعر کہے گئے ہیں ان میں بعض تو مباح ہیں اور بعض اطاعت  
و کارِ ثواب ہیں) اور (یہاں تک رسالت کے متعلق شبہات کے جوابات پورے ہوئے اور اس کے پہلے  
رسالت دلائل سے ثابت ہو چکی تھی اب آگے ان لوگوں کی وعید ہے جو اس کے باوجود منکرِ نبوت ہے  
اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے ہیں یعنی) عنقریب ان لوگوں کو معلوم ہو جاوے گا جنھوں نے  
(حقوق اللہ، حقوق الرسول یا حقوق العباد میں) ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی (بری اور مصیبت کی) جگہ انکو  
لوٹ کر جانا ہے (مراد اس سے جہنم ہے)۔



## معارف و مسائل

تَزِيلُ بِرِ الشُّرُوحِ الْأَمِينِ ۝ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ۝  
وَلَا تَعْ كَيْفُ زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ۝

قرآن اُسکے الفاظ و معانی کے مجموعہ کا نام ہے  
آیات مذکورہ میں بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن  
دوسری ہے جو عربی زبان میں ہو، کسی مضمون قرآن کا ترجمہ خواہ کسی زبان  
میں ہو وہ قرآن نہیں کہلائے گا، اور إِنَّ كَيْفُ زُبُرِ الْأَوَّلِينَ کے الفاظ سے بظاہر اس کے فحلات یہ معلوم ہوتا ہے کہ  
معانی قرآن جو کسی دوسری زبان میں بھی ہوں وہ بھی قرآن ہیں، کیونکہ آیت کی ضمیر ظاہر یہ ہے کہ قرآن کی طرف رجوع ہے  
اور زُبُرِ ذُبُر کی جمع ہے جس کے معنی ہیں کتاب۔ معنی آیت کے یہ ہوئے کہ قرآن کریم سابقہ کتابوں میں بھی ہے  
اور یہ ظاہر ہے پچھلی کتابیں تورات انجیل زبور وغیرہ عربی زبان میں نہیں تھیں تو صرف معانی قرآن کے انہیں  
مذکور ہونے کو اس آیت میں کہا گیا ہے کہ قرآن پچھلی کتابوں میں بھی ہے۔ اور حقیقت جس پر جمہور اُمت کا  
عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ صرف مضامین قرآن کو بھی بعض اوقات توسعاً قرآن کہہ دیا جاتا ہے کیونکہ اصل مقصود  
کسی کتاب کا اس کے مضامین ہی ہوتے ہیں۔ کتب اولین میں قرآن کا مذکور ہونا بھی اسی حیثیت سے ہے کہ  
بعض مضامین قرآنیہ ان میں بھی مذکور ہیں، اسکی تائید بہت سی روایات حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

مستدرک حاکم میں حضرت معقل بن یسار رحمہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ  
مجھے سورہ بقرہ ذکر اول سے دی گئی ہے اور سورہ طہ اور طوا سین یعنی جتنی سورتیں طس سے شروع ہوتی ہیں  
اور حواہیم یعنی جو سورتیں حم سے شروع ہیں یہ سب سورتیں الواح موسیٰ میں سے دی گئی ہیں اور سورہ فاتحہ  
مجھے تخت عرش سے دی گئی ہے۔ اور طبرانی، حاکم، بیہقی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رحمہ سے  
روایت کیا ہے کہ سورہ ملک تورات میں موجود ہے۔ الحدیث، اور سورہ سُبْحِ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلٰی میں تو  
خود قرآن کی تصریح یہ ہے اِنَّ هٰذَا الْكِتَابُ الْقُرْآنُ الَّذِي صُحِّفَ الْاَوَّلٰی صُحُفٍ اٰبْرَہِیْمَ وَمُوسٰی، یعنی یہ مضامین سورت  
حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں بھی ہیں، لیکن تمام آیات و روایات کا حاصل یہی ہے کہ بہت سے  
مضامین قرآن کتب سابقہ میں بھی موجود تھے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان مضامین کی وجہ سے کتب  
سابقہ کے ان حصوں کو جن میں یہ مضامین قرآن آئے ہیں قرآن کا نام دیدیا جائے۔ نہ اُمت میں کوئی  
اسکا قائل ہے کہ ان صحیفوں اور کتابوں کو جن میں مضامین قرآن مذکور ہیں قرآن کہا جائے۔ بلکہ عقیدہ جمہور  
اُمت کا یہی ہے کہ قرآن نہ صرف الفاظ قرآن کا نام ہے نہ صرف معانی قرآن کا۔ اگر کوئی شخص قرآن  
ہی کے الفاظ مختلف جگہوں سے چُن کر ایک عبارت بنا دے مثلاً کوئی یہ عبارت بنا لے الحمد للہ  
الغنی الرحیم۔ الَّذِیْ لَہٗ مَلٰئِکَ السَّمٰوٰتِ وَہُوَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَہُوَ الْمُسْتَعٰنُ



یہ سارے الفاظ قرآن ہی کے ہیں مگر اس عبارت کو کوئی قرآن نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح صرف معانی قرآن جو کسی دوسری زبان میں بیان کئے جائیں وہ بھی قرآن نہیں۔

نماز میں ترجمہ قرآن پڑھنا | اسی وجہ سے اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ نمازیں فرض تلاوت کی جگہ  
 باجماع اُمت ناجائز ہے | قرآن کے الفاظ کا ترجمہ کسی زبان فارسی، اُردو، انگریزی میں پڑھ لینا  
 بدون اضطار کے کافی نہیں۔ بعض ائمہ سے جو اسمیں توسع کا قول منقول ہے اُن سے بھی اپنے اس قول  
 سے رجوع ثابت ہے۔

قرآن کے اردو ترجمہ کو اردو قرآن کہنا جائز نہیں | اسی طرح قرآن کا صرف ترجمہ کسی زبان میں بغیر عربی متن سے رجوع ثابت ہے۔

کے لکھا جائے تو اسکو اس زبان کا قرآن کہنا جائز نہیں۔ جیسے آجکل بہت سے لوگ صرف اردو ترجمہ قرآن کو اردو کا قرآن اور انگریزی کو انگریزی کا قرآن کہہ دیتے ہیں یہ ناجائز اور بے ادبی ہے۔ قرآن کو بغیر متن عربی کے کسی دوسری زبان میں بنام قرآن شائع کرنا اور اسکی خرید و فروخت سبنا جائز ہے۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل احقر کے رسالہ ”تخذوا الاخوان عن تعذیر سہم القرآن“ میں مذکور ہے۔

اَفَرَأَيْتَ اِنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِيْنَ ، اس آیت میں اشارہ ہے کہ دنیا میں کسی کو عمر دراز ملنا بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے لیکن جو لوگ اس نعمت کی ناشکری کریں ایمان نہ لائیں اُن کو عمر دراز کی عاقبت و مہلت کچھ کام نہ آئے گی۔ امام زہریؒ نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ روز صبح کو اپنی داڑھی پکڑ کر اپنے نفس کو خطاب کر کے یہ آیت پڑھا کرتے تھے اَفَرَأَيْتَ اِنْ مَتَّعْنَاهُمْ اَلْاَيَةَ اِسْکَ بَعْدَ اِنْ پَرِگَرِیہ طاری ہو جاتا اور یہ اشعار پڑھتے تھے ، هَذَاكَ يَامُخْرَدٍ سَهْوٌ وَ غَفْلَةٌ ، وَلِيْلَكَ نَوْمٌ وَ اَلْوَدَى لَكَ لَا زَمَ . فَلَا اَنْتَ فِي الْاِيْقَاضِ يَقْظَانِ حَازِمٌ ، وَلَا اَنْتَ فِي النُّوْمِ نَاجِمٌ وَ سَالِمٌ . وَ تَسْعَى اِلَى مَا سَوْفَ تَكُوْنُ غَبِيٌّ ، كَذَلِكَ فِي الدُّنْيَا تَعِيشُ الْبَهَائِمُ (ترجمہ) اے فریب خوردہ تیرا سارا دن غفلت میں اور رات نیند میں صرف ہوتی ہے حالانکہ موت تیرے لئے لازمی ہے۔ نہ تو بیدار لوگوں میں ہوشیار و بیدار ہے اور نہ سونے والوں میں اپنی نجات پر مطمئن ہے۔ تیری کوشش ایسے کاموں میں ہوتی ہے جسکا انجام عنقریب ناگوار صورت میں سامنے آئیگا، دنیا میں چوپائے جانور ایسے ہی جیا کرتے ہیں۔

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ، عشیرہ کے معنے کنبہ اور خاندان اقربین کی قید سے انہیں سے بھی قریبی رشتہ دار مراد ہیں۔ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تبلیغ رسالت اور انداز پوری اُمت کے لئے فرض ہے اس جگہ خاندان کے لوگوں کی تخصیص میں کیا حکمت ہے؟ غور کیا جائے تو اس میں تبلیغ و دعوت کے آسان اور موثر بنانے کا ایک خاص طریقہ بتلایا گیا ہے جس کے آثار دور رس ہیں۔ وہ یہ کہ اپنے کنبہ اور خاندان کے لوگ اپنے سے قریب ہونے کی بنا پر اسکے حقدار بھی ہیں



کہ ہر خیر اور اچھے کام میں اُن کو دوسروں سے مقدم کیا جائے اور باہمی تعلقات اور ذاتی واقفیت کی بناء پر ان میں کوئی جھوٹا دعویٰ نہ ہو نہ کھپ سکتا اور جس کی سچائی اور اخلاقی برتری خاندان کے لوگوں میں معروف اسکی سچی دعوت قبول کر لینا انکے لئے آسان بھی ہے۔ اور قریبی رشتہ دار جب کسی اچھی تحریک کے حامی بن گئے تو ان کی اخوت و امداد بھی پختہ بنیاد پر قائم ہوتی ہے وہ خاندان جمعیت کے اعتبار سے بھی انکی تائید و اخوت پر مجبور ہوتے ہیں اور جب قریبی رشتہ داروں، عزیزوں کا ایک حول حق و صداقت کی بنیادوں پر تیار ہو گیا تو روزمرہ کی زندگی میں ہر ایک کو دین کے احکام پر عمل کرنے میں بہت سہولت ہو جاتی ہے اور پھر ایک مختصر سی طاقت تیار ہو کر دوسروں تک دعوت و تبلیغ کے پہنچانے میں مدد ملتی ہے۔ قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں ہے قُواْ اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيكُمْ نَارًا، یعنی اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اہل و عیال کے جہنم سے بچانے کی ذمہ داری خاندان کے ہر فرد پر ڈال دی گئی ہے جو اصلاح اعمال و اخلاق کا آسان اور سیدھا راستہ ہے اور غور کیا جائے تو کسی انسان کا خود اعمال و اخلاق صالحہ کا پابند ہونا اور پھر اس پر قائم رہنا اسوقت تک عادتہ ممکن نہیں ہوتا جب تک اسکا ماحول اس کے لئے سازگار نہ ہو سارے گھر میں اگر ایک آدمی نماز کی پوری پابندی کرنا چاہے تو اس بچے نمازی کو بھی اپنے حق کی ادائیگی میں مشکلات حائل ہونگی آجکل جو حرام چیزوں سے بچنا دشوار ہو گیا اس کی وجہ یہ نہیں کہ فی الواقع اسکا چھوڑنا کوئی بڑا مشکل کام ہے بلکہ سبب یہ ہے کہ سارا ماحول ساری برادری جب ایک گناہ میں مبتلا ہے تو اکیلے ایک آدمی کو بچنا دشوار ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو اپنے تمام خاندان کے لوگوں کو جمع فرما کر پیغام حق سنایا اسوقت اگرچہ لوگوں نے قبول حق سے انکار کیا مگر رفتہ رفتہ خاندان کے لوگوں میں اسلام و ایمان داخل ہونا شروع ہو گیا اور آپ کے چچا حضرت حمزہؓ کے اسلام لانیے اسلام کو ایک بڑی قوت حاصل ہو گئی۔

**شعر کی تعریف** وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ، اصل لغت میں شعر ہر اس کلام کو کہا جاتا ہے جس میں محض خیالی اور غیر تحقیقی مضامین بیان کئے گئے ہوں، جس میں کوئی بحر، وزن، ردیف اور قافیہ کچھ شرط نہیں، فن منطق میں بھی ایسے ہی مضامین کو ادلہ شعریہ اور قضایا شعریہ کہا جاتا ہے اصطلاحی شعرو غزل میں بھی چونکہ عموماً خیالات کا ہی غلبہ ہوتا ہے اسلئے اصطلاح شعراء میں کلام موزوں متقی کو شعر کہنے لگے۔ بعض مفسرین نے آیات قرآن بَلْ هُوَ شَاعِرٌ قَتِيلٌ، شَاعِرٌ قَتِيلٌ، وغیرہ میں شعراء اصطلاحی کے معنی میں مراد لے کر کہا کہ کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وزن دار، قافیہ دار کلام لانے والے کہتے تھے لیکن بعض نے کہا کہ کفار کا مقصد نہ تھا، اسلئے کہ وہ شعر کے طرز و طریق سے واقف تھے، اور ظاہر ہے کہ قرآن اشعار کا مجموعہ نہیں اسکا قائل تو ایک عجمی بھی نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ فصیح بلیغ عرب، بلکہ کفار آپ کو شاعر شعر کے اصلی معنی یعنی خیالی مضامین کے لحاظ سے کہتے تھے مقصد ان کا دراصل آپ کو نفوذ باللہ جھوٹا کہنا تھا کیونکہ شعر بمبئی کذب بھی استعمال ہوتا ہے اور شاعر کاذب کو کہا جاتا ہے اسلئے اولہ کاذبہ



کو اولہ شعر یہ کہا جاتا ہے خلاصہ یہ کہ جیسے موزوں اور مقفی کلام کو شعر کہتے ہیں اسی طرح ظنی اور تخمینی کلام کو بھی شعر کہتے ہیں جو اہل منطق کی اصطلاح ہے۔

وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ، اس آیت میں شعر کے اصطلاحی اور معروف معنی ہی مراد ہیں۔ یعنی موزوں و مقفی کلام کہنے والے اس کی تائید فتح الباری کی روایت سے ہوتی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، حسان بن ثابتؓ اور کعب بن مالکؓ جو شعراء صحابہ میں مشہور ہیں، دتے ہوئے سرکارِ دو عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! خدائے ذوالجلال نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اور ہم بھی شعر کہتے ہیں، حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آیت کے آخری حصہ کو پڑھو۔ مقصد یہ تھا کہ تمہارے اشعار یہود و ادور غلط مقصد کے لئے نہیں ہوتے اسلئے تم اس استنثار میں داخل ہو جو آخر آیت میں مذکور ہے اسلئے مفسرین نے فرمایا کہ ابتدائی آیت میں مشرکین شعراء مراد ہیں کیونکہ گمراہ لوگ سرکش شیطان اور نافرمان جن ان ہی کے اشعار کی اتباع کرتے تھے اور روایت کرتے تھے (کشف البلاء) شریعت اسلام میں شعر و شاعری کا درجہ آیات مذکورہ کے شروع سے شعر و شاعری کی سخت مذمت اور اسکا عند اللہ مبغوض ہونا معلوم ہوتا ہے مگر آخر سورت میں جو استنثار مذکور ہے اس سے ثابت ہوا کہ شعر مطلقاً برا نہیں بلکہ جب جس شعر میں خدا تعالیٰ کی نافرمانی یا اللہ کے ذکر سے روکتا یا جھوٹ ناحق کسی انسان کی مذمت اور توہین ہو یا نحش کلام اور فواحش کے لئے محرک ہو وہ مذموم و مکروہ ہے۔ اور جو اشعار ان معاصی اور مکروہات سے پاک ہوں ان کو اللہ تعالیٰ نے إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ الآیۃ کے ذریعہ مستثنیٰ فرمادیا ہے اور بعض اشعار تو حکیمانہ مضامین اور وعظ و نصیحت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے طاعت و ثواب میں داخل ہیں جیسا کہ حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت ہے کہ ان من الشعر حکمة، یعنی بعض شعر حکمت ہوتے ہیں (رواہ بخاری) حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ حکمت سے مراد سچی بات ہے جو حق کے مطابق ہو۔ ابن بطال نے فرمایا، جس شعر میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت، اسکا ذکر، اسلام سے الفت کا بیان ہو وہ شعر مرغوب و محمود ہے اور حدیث مذکور میں ایسا ہی شعر مراد ہے اور جس شعر میں جھوٹ اور نحش بیان ہو وہ مذموم ہے اس کی مزید تائید مندرجہ ذیل روایات سے ہوتی ہے (۱) عمر بن الشریف اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مجھ سے امیہ بن ابی القلت کے سوا قافیہ تک اشعار سنے۔ (۲) مطرف فرماتے ہیں کہ میں نے کوفہ سے بعثت تک حضرت عمران بن حصینؓ کے ساتھ سفر کیا اور ہر منزل پر وہ شعر سناتے تھے۔ (۳) طبری نے کبار صحابہ و کبار تابعین کے متعلق کہا کہ وہ شعر کہتے تھے سنتے تھے اور سناتے تھے۔ (۴) امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ شعر کہا کرتی تھیں۔ (۵) ابو یعلیٰ نے ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ شعر ایک کلام ہے اگر اسکا مضمون اچھا اور مفید ہے تو شعر اچھا ہے اور مضمون بُرا یا گناہ کا ہے تو شعر بُرا ہے (فتح البلاء)



تفسیر قرطبی میں ہے کہ مدینہ منورہ کے فقہاء عشرہ جو اپنے علم و فضل میں معروف ہیں ان میں سے عبید اللہ بن عتبہ بن مسعودؓ مشہور قادر کلام شاعر تھے اور قاضی زبیر بن بکاکر کے اشعار ایک مستقل کتاب میں جمع تھے۔ پھر قرطبی نے لکھا کہ ابو عمرو نے فرمایا ہے کہ اچھے مضامین پر مشتمل اشعار کہ اہل علم اور اہل عقل میں سے کوئی بڑا نہیں کہہ سکتا، کیونکہ اکابر صحابہ جو دین کے مقتدا ہیں ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جس نے خود شعر نہ کہے ہوں یا دوسروں کے اشعار نہ پڑھے یا سنے ہوں اور پسند کیا ہو۔

جن روایات میں شعر شاعری کی مذمت مذکور ہے ان سے مقصود یہ ہے کہ شعر میں اتنا مصروف اور تہمک ہو جائے کہ ذکر اللہ عبادت اور قرآن سے غافل ہو جائے۔ امام بخاری نے اسکو ایک مستقل باب میں بیان فرمایا ہے اور اس باب میں حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے۔ (لَا تَمْتَلِكُ جَوْفَ رَجُلٍ قِيًّا يَرْبِيهِ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ يَمْتَلِكُ رَشْعًا، یعنی کوئی آدمی پیپ سے اپنا پیٹ بھرے یہ اس سے بہتر ہے کہ اشعار سے پیٹ بھرے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اسکے معنی یہ ہیں کہ شعر جب ذکر اللہ اور قرآن اور علم کے اشتغال پر غالب آجائے۔ اور اگر شعر مغلوب ہے تو پھر بڑا نہیں ہے اسی طرح وہ اشعار جو فحش مضامین یا لوگوں پر طعن و تشنیع یا دوسرے خلاف شرع مضامین پر مشتمل ہوں وہ باجماع امت حرام ناجائز ہیں اور یہ کچھ شعر کیساتھ مخصوص نہیں جو شر کلام ایسا ہو اسکا بھی یہی حکم ہے۔ (قرطبی)

حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے گورنر عدی بن نضالہ کو ان کے عہدہ سے اسلئے برخاست کر دیا کہ وہ فحش اشعار کہتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے عمر بن ربیعہ اور ابوالاحوص کو اسی جرم میں چلا وطن کرنے کا حکم دیا۔ عمر بن ربیعہ نے توبہ کر لی وہ قبول کی گئی۔ (قرطبی)

خدا و آخرت سے غافل کر دینے والا ہر علم اور فن مذموم ہے | ابن ابی جمرہ نے فرمایا کہ بہت قافیہ بازی اور ہر ایسا علم و فن جو دلوں کو سخت کر دے اور خدا تعالیٰ کے ذکر سے انحراف و اعراض کا سبب بنے اور اعتقاد میں شکوک و شبہات اور روحانی بیماریاں پیدا کرے اسکا بھی وہی حکم ہے جو مذموم اشعار کا حکم ہے۔ اکثر اتباع کرنے والوں کی گمراہی | الشَّعْلُ كَرِيْبٌ بَعْدَ الْخَاوِنِ، اس آیت میں شعراء پر یہ عیب لگایا متبوع کی گمراہی کی علامت ہوتی ہے | کیا ہے کہ انکے متبعین گمراہ ہیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گمراہ تو ہوئے متبعین ان کے فعل کا الزام متبوعین یعنی شعراء پر کیسے عائد ہوا؟ وجہ یہ ہے کہ عموماً اتباع کرنے والوں کی گمراہی علامت اور نشانی ہوتی ہے متبوع کی گمراہی کی لیکن سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت ہے جب تابع کی گمراہی میں اس متبوع کے اتباع کا دخل ہو مثلاً متبوع کو جھوٹ اور غیبت سے بچنے بچانے کا اہتمام نہیں ہے اس کی مجلس میں اس طرح کی باتیں ہوتی ہیں وہ روک ٹوک نہیں کرتا اس سے تابع کو بھی جھوٹ اور غیبت کی عادت پڑ گئی تو یہ تابع کا گناہ خود متبوع کے گناہ کی علامت قرار دیا جائیگا لیکن اگر گمراہی متبوع کی ایک وجہ



سے اور اتباع کسی دوسری وجہ سے ہو تو یہ تابع کی گمراہی متبوع کی گمراہی کی علامت نہیں ہوگی۔ مثلاً ایک شخص عقائد و مسائل میں کسی عالم کا اتباع کرتا ہے اور اُن میں کوئی گمراہی نہیں، اعمال و اخلاق میں اس عالم کا اتباع نہیں کرتا انہیں میں یہ گمراہ ہے تو اس کی عملی اور اخلاقی گمراہی اس عالم کی گمراہی پر دلیل نہیں ہوگی۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم ۛ

تمت سورۃ الشعراء بعون اللہ و فضلہ لنصف الرّبيع الثانی ۱۳۹۱ھ

یوم الخميس ویتلوھا انشاء اللہ تعالیٰ سورۃ النمل





# سُورَةُ النَّمْلِ

سُورَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ تَرْدُّ فِي ثَلَاثٍ وَتِسْعِينَ آيَةً وَسَبْعٌ رُكُوعًا  
سورة نمل مکہ میں اُتری اور اس کی ترانے آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

طس قَدْ تِلْكَ آيَاتُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُبِينٍ ① هُدًى وَبُشْرَى

یہ آیتیں ہیں قرآن اور کھلی کتاب کی ہدایت اور خوشخبری

لِلْمُؤْمِنِينَ ② الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ

ایمان والوں کے واسطے جو قائم رکھتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور ان کو

بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ③ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ

آخرت پر یقین ہے جو لوگ نہیں مانتے آخرت کو

زَيْنًا لَهُمْ أَعْمَالُهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ ④ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ

ایسے دکھلائے جانے انکی نظروں میں انکے کام سودہ ہوئے پھرتے ہیں وہی ہیں جن کے واسطے بڑی

سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ⑤ وَلَا تَكُ

طس کا عذاب ہے اور آخرت میں وہی ہیں خراب اور تجھ کو تو

كَتَلَقِيَ الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ⑥

قرآن پہنچتا ہے ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے

## خلاصہ تفسیر

طس (اس کے معنی تو اللہ ہی کو معلوم ہیں) یہ (آیتیں جو آپ پر نازل کی جاتی ہیں) آیتیں ہیں قرآن کی اور ایک واضح کتاب کی (یعنی اس میں دو صفتیں ہیں قرآن ہونا اور کتاب مبین ہونا) یہ (آیتیں) ایمان والوں کے لئے (موجب) ہدایت اور (اس ہدایت پر جزائے نیک کا) مرثدہ سنانے والی ہیں جو (مسلمان) ایسے ہیں کہ (عملاً) بھی ہدایت پر چلتے ہیں چنانچہ (نماز کی پابندی کرتے ہیں) جو کہ عباداتِ بدنیہ میں سب سے بڑی ہے



اور زکوٰۃ دیتے ہیں (جو کہ عباداتِ مالیہ میں سب سے بڑی ہے) اور (عقیدہ کے لحاظ سے بھی ہدایت یافتہ ہیں چنانچہ) وہ آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں (یہ تو ایمان والوں کی صفت ہے اور) جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں ہم نے اُن کے اعمال (بد) انکی نظر میں مرغوب کر رکھے ہیں سو وہ (اپنے جہلِ مرکب میں حق سے دُور) بھٹکتے پھرتے ہیں (چنانچہ نہ اُنکے عقائد درست ہیں نہ اعمال اسیلئے وہ قرآن کو بھی نہیں مانتے تو جیسے قرآن اہل ایمان کو بشارت سناتا تھا منکروں کو وعید بھی سناتا ہے کہ) یہ وہ لوگ ہیں جن کیلئے (دُنیا میں مرنے کے وقت بھی) سخت عذاب (ہو نیوالا) ہے اور وہ لوگ آخرت میں (بھی) سخت خسارہ میں ہیں (کہ کبھی نجات ہی نہ ہوگی) اور (گو یہ منکر قرآن کو نہ مانیں مگر) آپ کو بالیقین ایک بڑی حکمت والے علم والے کی طرف سے قرآن دیا جا رہا ہے (آپ اس نعمت کے سرور میں ان کے انکار سے غلگین نہ ہو جائے)۔

## معارف و مسائل

ذَرِّتْهُمْ اَعْمَالَهُمْ، یعنی جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے اُنکے اعمالِ بد انکی نظروں میں مزیں کر دیئے ہیں۔ اسلئے وہ انہی کو بہتر سمجھ کر گمراہی میں مبتلا رہتے ہیں اور بعض مفسرین نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ اعمالِ اہم سے مراد نیک اعمال ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے تو نیک اعمال کو مزیں کر کے اُنکے سامنے رکھ دیا تھا مگر ان ظالموں نے انکی طرف التفات نہ کیا بلکہ کفر و شرک میں مبتلا رہے اس لئے گمراہی میں بھٹکنے لگے۔ لیکن پہلی تفسیر زیادہ واضح ہے، اول تو اسلئے کہ مزیں کرنے کے الفاظ عموماً اعمالِ بد کے لئے استعمال ہوئے ہیں جیسے خُرَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ، سُرَيْنَ لِلدِّينِ كَقَرُّ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا، زَيْنَ لِكَيْفِيَّةٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ الخ اور اچھے اعمال کے لئے اس لفظ کا استعمال بہت کم ہے جیسے حَبَبَ اَلَيْكُمْ اَلْاِيْمَانُ ذَرَيْنَا فِي قُلُوبِكُمُ الْاِيَةِ دوسرے آیت میں اعمالِ اہم (ان کے اعمال) کا لفظ بھی اس پر دلالت کر رہا ہے کہ مراد اعمالِ بد ہیں نہ کہ اعمالِ صالحہ۔

اِذْ قَالَ مُوسٰى لِاهْلِهٖ اِنِّىْ اَنْتُنَّ نَارٌ سَاَتِيْكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ

جب کہا موسیٰ نے اپنے گھر والوں کو میں نے دیکھی ہے ایک آگ اب لاتا ہوں تمہارے پاس وہاں

اَتِيْكُم بِشَہَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝۵ فَلَمَّا جَاءَهَا نُورٌ

کے کچھ خیر یا لاتا ہوں انکا راہنما کر شاید تم سینگے پھر جب پہنچا اسکے پاس آواز ہوئی

اَنْ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَہَا وَسُبْحٰنَ اللّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۸

کہ برکت ہے اس پر جو کوئی کہ آگ میں ہے اور جو اسکے آس پاس ہے اور پاک ہے ذاتِ الہی کی جو ربِ سامیہ جہان کا

یٰمُوسٰى اِنَّہٗ اَنَا اللّٰہُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝۹ وَاَلْقِ عَصَاکَ فَلَمَّا

اے موسیٰ وہ میں الہ ہوں زبردست حکمتوں والا اور ڈال دے لاشیٰ اپنی پھر جب



رَاهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدَبِّرًا لَّا يَعْقِبُ <sup>۱۰</sup> مُوسَى لَا يَخَفُ

دیکھا اس کو پھنپھناتے جیسے سانپ کی شک ٹوٹا بیٹھ پھیر کر اور سر نہ دیکھا اے موسیٰ مت ڈر

إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ <sup>۱۱</sup> إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حَسَنًا

میں جو ہوں میرے پاس نہیں ڈرتے رسول مگر جس نے زیادتی کی پھر بدلے میں نیکی کی

بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي عَفُورٌ رَّحِيمٌ <sup>۱۲</sup> وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ

برائی کے پیچھے تو میں بخشنے والا مہربان ہوں اور ڈال دے ہاتھ اپنا اپنے گریبان میں کہ نکلے

بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ <sup>۱۳</sup> فِي تِسْعِ آيَاتٍ إِلَى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ إِنَّهُمْ كَانُوا

سفید ہو کر نہ کسی بُرائی سے یہ دونوں مل کر نو نشانیاں سیکر جا فرعون اور اسکی قوم کی طرف بیشک وہ تھے

قَوْمًا فَاسِقِينَ <sup>۱۴</sup> فَلَمَّا جَاءَهُمْ آيَاتُنَا مَبْصُرَةً <sup>۱۵</sup> قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ <sup>۱۶</sup>

لوگ نافرمان پھر جب پہنچیں انکے پاس ہماری نشانیاں بھولنے کو بولے یہ جادو ہے صریح

وَيَحْدُوا فِيهَا <sup>۱۷</sup> وَأَسْتَيْقِنُهَا <sup>۱۸</sup> أَنْفُسُهُمْ ظُلُمًا وَعُلُوًّا <sup>۱۹</sup> فَانْظُرْ كَيْفَ

اور اُن کا انکار کیا اور ان کا یقین کر چکے تھے اپنے جی میں بے انصافی اور غرور سے سو دیکھ لے کیسا ہوا

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ <sup>۲۰</sup>

انجام خرابی کرنے والوں کا

## خلاصہ تفسیر

(اس وقت کا قصہ ذکر کیجئے) جبکہ (مدین سے آتے ہوئے کوہ طور کے قریب رات کو سردی کے وقت پہنچے اور مصر کی راہ بھی بھول گئے تھے تو) موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے (طور کی طرف) آگ دیکھی ہے میں ابھی (جا کر) وہاں سے (یا تو راستہ کی) کوئی خبر لاتا ہوں یا تمہارے پاس (وہاں سے) آگ کا شعلہ کسی لکڑی وغیرہ میں لگا ہوا لاتا ہوں تاکہ تم سینک لو سو جب اُس (آگ) کے پاس پہنچے تو ان کو (منجانب اللہ) آواز دی گئی کہ جو اس آگ کے اندر ہیں (یعنی فرشتے) اُن پر بھی برکت ہو اور جو اس (آگ) کے پاس ہے (یعنی موسیٰ) اس پر بھی (برکت ہو) یہ غالب طور تحیہ و سلام کے ہے جیسے ملاقاتی آپس میں سلام کرتے ہیں۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام جانتے نہ تھے کہ یہ نور انوار الہیہ سے ہے اسلئے خود سلام نہیں کر سکے تو منجانب اللہ ان کے اُنس کے لئے سلام ارشاد ہوا اور فرشتوں کو ملا لینا شاید اس لئے ہو کہ جس طرح فرشتوں کو سلام حق تعالیٰ کے قرب خاص کی علامت ہوتی ہے یہ سلام بھی موسیٰ علیہ السلام کو قرب خاص کی بشارت ہو گیا) اور (اس امر کے بتلانے کے لئے کہ یہ نور جو بیشکل نار ہے خود حق تعالیٰ کی ذات نہیں ارشاد فرما دیا کہ) اللہ رب العالمین (رنگ)



جہات، مقدار اور حد بندی وغیرہ سے) پاک ہے (اور اس فوہ میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں، پس یہ نور ذاتِ خداوندی نہیں اور موسیٰ علیہ السلام اگر اس مسئلہ سے خالی الذہن ہوں تو اسکی تعلیم ہے اور اگر دلائل عقلیہ اور فطرتِ صحیحہ کی بنا پر ان کو پہلے سے معلوم ہو تو زیادہ سمجھانا ہے اسکے بعد ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ بات یہ ہے کہ میں (جو کہ بے کیف کلام کر رہا ہوں) اللہ ہوں زبردست حکمت والا اور (اے موسیٰ) تم اپنا عصا (زمین پر) ڈالو (چنانچہ انھوں نے ڈال دیا تو وہ اثر دہا بن کر لہرانے لگا) سو جب انھوں نے اس کو اس طرح حرکت کرتے دیکھا جیسے سانپ ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ بھی تو نہ دیکھا (ارشاد ہوا کہ) اے موسیٰ ڈرو نہیں (کیونکہ ہم نے تم کو پیغمبری دی ہے) اور ہمارے حضور میں (یعنی پیغمبری کا اعزاز عطا ہونے کے وقت) پیغمبر (ایسی چیزوں سے جو کہ خود اسکی پیغمبری کی دلیل یعنی معجزات ہوں) نہیں ڈر کرتے (یعنی تم کو بھی ڈرنا نہ چاہیے) ہاں مگر جس سے کوئی تصور (غرضش سرزد) ہو جاوے (اور وہ اس لغزش کو یاد کر کے ڈرے تو مضائقہ نہیں لیکن اس کی نسبت بھی یہ قاعدہ کہ اگر تصور ہو جاوے اور) پھر پڑائی (ہو جانے) کے بعد پڑائی کی جگہ نیک کام کرے (تو بہ کرے) تو میں (اسکو بھی معاف کر دیتا ہوں کیونکہ میں) مغفرت والا رحمت والا ہوں (یہ اسلئے فرمادیا کہ عصا کے معجزہ سے مطمئن ہو جانے کے بعد کبھی اپنا قصہ قطعی کو قتل کرنے کا یاد کر کے پریشان ہوں اس لئے اس سے بھی مطمئن فرمادیا تاکہ وحشت جاتی رہے) اور (اے موسیٰ اس معجزہ عصا کے سوا ایک معجزہ اور بھی عطا ہوتا ہے وہ یہ کہ) تم اپنا ہاتھ گریبان کے اندر لے جاؤ (اور پھر نکالو تو) وہ بلا کسی عیب (یعنی بغیر کسی مرض برص وغیرہ) کے (نہایت) روشن ہو کر نکلے گا (اور یہ دونوں معجزے ان) نو معجزوں میں (سے ہیں جن کے ساتھ تم کو) فرعون اور اسکی قوم کی طرف (بھیجا جاتا ہے کیونکہ) وہ بڑے حد سے بھل جانے والے لوگ ہیں غرض جب ان لوگوں کے پاس ہمارے (دیکھو سوئے) معجزے پہنچے (جو) نہایت واضح تھے (یعنی ابتدائے دعوت میں دو معجزے دکھلائے گئے پھر وقتاً فوقتاً باقی دکھلائے جاتے رہے) تو وہ لوگ (ان سب کو دیکھ کر بھی) بولے یہ صریح جادو ہے اور (غضب تو یہ تھا کہ ظلم) اور کبر کی راہ سے ان (معجزات) کے (بالکل) منکر ہو گئے حالانکہ (اندر سے) انکے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا سو دیکھئے کیسا (بڑا) انجام ہوا ان نفسوں کا (دنیا میں غرق ہوئے اور آخرت میں جلنے کی سزا پائی)

## معارف و مسائل

اِذْ قَالَ مُوسٰى لَآھٰیْلَہٗ اِلٰیَّ اَنْتَ نَارًا سَآئِکُمْ فَھٰکِیْخٰیرًا اَوْ اَنْتَ یٰقَبَسٌ لَّکُمْ وَاَقْطُلُوْکُمْ  
انسان کو اپنی ضروریات کے لئے اسبابِ  
طبعیہ کو اختیار کرنا تو کل کے منافی نہیں۔  
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس جگہ دو ضروریات پیش آئیں ایک  
راستہ پوچھنا جو آپ بھول گئے تھے، دوسرا آگ سے گرمی



حاصل کرنا کہ سردی کی رات تھی اس کے لئے آپ نے کوہ طور کی طرف جانے کی سعی و کوشش کی لیکن اس کے ساتھ ہی اس مقصد میں کامیابی پر یقین اور دعویٰ کرنے کے بجائے ایسے الفاظ اختیار فرمائے جس میں اپنی بندگی اور حق تعالیٰ سے اُمید ظاہر ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ ضروریات کے حصول کے لئے جدوجہد تو کل کے منافی نہیں۔ لیکن بھروسہ اپنی کوشش کے بجائے الشربہ ہونا چاہیے اور آگ آپ کو دکھلائے جانے میں بھی شاید یہی حکمت ہو کہ اس سے آپ کے دونوں مقصود پورے ہو سکتے تھے، راستہ کا بل جانا اور آگ سے گرمی حاصل کرنا۔ (کنافہ الرضی)

اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُذْکُتُوا اور تَضْمَلُونَ جمع کے صیغے بولے حالانکہ آپ کے ساتھ صرف آپ کی بیوی یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی تھیں ان کے لئے لفظ جمع استعمال فرمانا بطور اکرام کے ہوا جیسے معزز لوگوں میں کسی ایک فرد سے بھی خطاب ہوتا ہے تو صیغہ جمع کا استعمال کیا جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اپنی ازواج مطہرات کے لئے صیغہ جمع استعمال فرمانا روایات حدیث میں وارد ہوا ہے۔

تخصیص کیساتھ بیوی کا ذکر عام مجاس میں آیت مذکورہ میں قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ فرمایا گیا ہے لفظ اہل نہ کرنا بلکہ کنایہ سے کام لینا بہتر ہے۔ عام ہے جس میں بیوی اور گھر کے دوسرے افراد بھی شامل ہوتے ہیں۔ اس مقام میں اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تنہا اہلیہ محترمہ ہی تھیں، کوئی دوسرا نہ تھا مگر تعبیر میں یہ عام لفظ استعمال کرنے سے اس طرف اشارہ پایا گیا کہ مجاس میں اگر کوئی شخص اپنی بیوی کا ذکر کرے تو عام لفظوں سے کرنا بہتر ہے جیسے ہمارے عرف میں کہا جاتا ہے میرے گھر والوں نے یہ کہا ہے۔

فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنْ بُورَ لَكَ مِنَ النَّارِ وَمَنْ حَوْلُهَا وَسُبحَنَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ○  
يٰمُوسٰى اِنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ ○

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آگ دیکھنے اور قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ واقعہ بہت سی آگ کے اندر سے ایک ندامت کی تحقیق۔ سورتوں میں مختلف عنوانات کے ساتھ آیا ہے سورہ نمل کی مذکورہ آیات میں اس سلسلے کے دو جملے غور طلب ہیں۔ اول (بُورَ لَكَ مِنَ النَّارِ) دوسرا (اِنَّهُ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ) اور سورہ طہ میں جس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے اس واقعہ سے متعلق یہ الفاظ آئے ہیں (اِذْ رَاْنَا اَنْتَ اِلٰی قَوْلِ تَعَالٰی یٰمُوسٰى اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ فَاطْلِعْ عَلٰیکَ اِنَّا بِاَنْتَ الْوَاحِدِ الْمُقَدَّسِ طُوًی وَاَنَا اخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوحٰی اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ) ان آیات میں بھی دو جملے خاص طور سے غور طلب ہیں (اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ) اور (اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ الْحَمْدُ) اور سورہ قصص میں اس واقعہ کے یہ الفاظ ہیں (نُودِیْ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاٰیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبَارَکَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یَّمُوسٰى



إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ) ان تینوں مواقع میں عنوانِ تعبیر اگرچہ مختلف ہے مگر مضمون تقریباً ایک ہی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس رات میں کئی وجہ سے آگ کی ضرورت تھی حق تعالیٰ نے انکو کوہِ طور کے ایک درخت پر آگ دکھائی۔ اُس آگ یا درخت سے یہ آواز سُنی گئی إِنِّي أَنَا رَبُّكَ، إِنَّهُ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ، إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا، إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ، یہ ہو سکتا ہے کہ یہ ہزار بار بار ہوئی ہو کبھی ایک لفظ کے کبھی دوسرے لفظ سے۔ اور آواز سُننے کی جو کیفیت تفسیر بحر محیط میں ابو حیان نے اور روح المعانی میں آلوسی نے نقل کی ہے وہ یہ ہے کہ یہ آواز اس طرح سُنی کہ ہر جانب کے یکساں آرہی تھی جس کی کوئی جہت متعین نہیں ہو سکتی تھی۔ اور سُنا بھی ایک عجیب انداز سے ہوا کہ صرف کان نہیں بلکہ ہاتھ پاؤں وغیرہ تمام اعضا شے بدن اسکو سُن رہے تھے جو ایک معجزہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ ایک غیبی آواز تھی جو بلا کیف و بلا سمت سنی جا رہی تھی لیکن مبادا اسکا وہ آگ یا درخت تھا جس سے آگ کی شکل اُن کو دکھائی گئی۔ ایسے ہی مواقع عام طور پر لوگوں کے لئے مناسطے اور بُت پرستی کا سبب بناتے ہیں اسلئے ہر عنوان میں مضمون توحید کی طرف ہدایت اور تنبیہ ساتھ ساتھ کی گئی ہے زیر بحث آیت میں لفظ سُبْحَانَ اللَّهِ اسی تنبیہ کے لئے بڑھایا گیا۔ سورہ طہ میں لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا اور سورہ قصص میں أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ اسی مضمون کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے۔ اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ یہ آگ کی شکل حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسلئے دکھائی گئی تھی کہ وہ اسوقت آگ اور روشنی کے حاجمند تھے درنہ اس کلام ربّانی اور ذات ربّانی کا آگ سے یا شجرہ طور سے کوئی تعلق نہ تھا۔ آگ اللہ تعالیٰ کی عام مخلوقات کی طرح ایک مخلوق تھی اسی لئے زیر بحث آیات میں جو یہ ارشاد ہے أَنَّ بُورِكَ لَكَ مِنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا، یعنی مبارک ہے وہ جو آگ کے اندر ہے اور وہ جو اسکے آس پاس ہے۔ اسکی تفسیر میں ائمہ تفسیر کے مختلف اقوال ہیں جسکی تفصیل تفسیر روح المعانی میں ہے۔ ایک قول حضرت ابن عباسؓ مجاہد، عکرمہ سے منقول ہے کہ مَنْ فِي النَّارِ سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوں کیونکہ آگ کوئی حقیقی آگ تو تھی نہیں جس بقعہ مبارکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پہنچ گئے تھے وہ دُور سے پورا آگ معلوم ہوتا تھا اسلئے موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے اندر ہوئے اور مَنْ حَوْلَهَا سے مراد فرشتے ہیں جو آس پاس وہاں موجود تھے اور بعض حضرات نے اسکے برعکس یہ فرمایا کہ مَنْ فِي النَّارِ سے فرشتے اور مَنْ حَوْلَهَا سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ تفسیر بیان القرآن کے خلاصہ تفسیر مذکور میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ آیات مذکورہ کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ اور حسن بصریؒ یہاں ابن جریر، ابن ابی حاتم اہل بن مردیہ وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت اور اُس کی تحقیق حضرت حسن بصریؒ اور سعید بن جبیرؒ سے مَنْ فِي النَّارِ کی تفسیر میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ مَنْ فِي النَّارِ سے خود ذات حق سبحانہ و تعالیٰ مراد ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ



آگ ایک مخلوق ہے اور کسی مخلوق میں خالق کا حلول نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس روایت کا یہ مفہوم تو ہر  
 نہیں سکتا کہ ذات حق سبحانہ و تعالیٰ نے آگ کے اندر حلول فرمایا تھا جیسا کہ بہت سے بُت پرست مشرکین  
 بتوں کے وجود میں ذات حق کے حلول کے قائل ہیں اور یہ توحید کے قطعاً خلاف ہے بلکہ مراد ظہور ہے  
 جیسا آئینہ میں جس چیز کو دیکھا جاتا ہے وہ آئینہ میں حلول کئے ہوئے نہیں ہوتی اس سے الگ اور خارج  
 ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ ظہور جس کو تجلی بھی کہا جاتا ہے خود ذات حق سبحانہ و تعالیٰ کی تجلی  
 نہیں تھی ورنہ اگر ذات حق تعالیٰ کا مشاہدہ موسیٰ علیہ السلام نے کر لیا ہوتا تو بعد میں انکے اس سوال کی  
 کوئی وجہ نہیں رہتی رَبِّ ارِنِي أَنْظُرَ إِلَيْكَ (یعنی اے میرے پروردگار مجھے اپنی ذات پاک دکھا کہ میں  
 دیکھ سکوں) اور اسکے جواب میں حق تعالیٰ کی طرف سے کُنْ تَوَكَّلْ کا ارشاد بھی پھر کوئی معنی نہ رکھتا۔ اس  
 سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباسؓ کے اس قول میں حق تعالیٰ جل شانہ کا ظہور مراد ہی یعنی تجلی جو آگ کی صورت  
 میں ہوئی یہ جس طرح حلول نہیں تھا اسی طرح تجلی ذات بھی نہیں تھی بلکہ کُنْ تَوَكَّلْ الْآیۃ سے یہ ثابت ہوتا کہ  
 کہ اس عالم دنیا میں تجلی ذاتی کا کوئی شخص مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ پھر اس ظہور تجلی کا کیا مفہوم ہوگا اسکا  
 جواب یہ ہے کہ یہ تجلی مثالی تھی جو حضرات صوفیہ کرام میں معروف ہے اس کی حقیقت کا سمجھنا تو انسان  
 کے لئے مشکل ہے۔ بقدر ضرورت تقریب الی الفہم کے لئے احقر نے اپنی کتاب احکام القرآن زبان عربی  
 سورہ قصص میں اسکی کچھ تفصیل لکھی ہے اہل علم اس میں دیکھ سکتے ہیں عوام کی ضرورت کی چیز نہیں۔

إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا ۖ بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ، اس سے پہلی آیت  
 میں موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ عصا کا ذکر ہے جس میں یہ بھی مذکور ہے کہ عصا جب سانپ بن گیا تو موسیٰ  
 خود بھی اُس سے ڈر کر بھاگنے لگے۔ آگے بھی موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے معجزہ ید بیضا کا بیان ہے  
 درمیان میں اس استثناء کا ذکر کس لئے کیا گیا اور یہ استثناء منقطع ہے یا متصل؟ اس میں حضرات مفسرین  
 کے اقوال مختلف ہیں بعض حضرات نے استثناء کو منقطع قرار دیا ہے تو مضمون آیت کا یہ ہوگا کہ پہلی  
 آیت میں انبیاء علیہم السلام پر خوف نہ ہو سکا ذکر تھا بسبیل تذکرہ اُن لوگوں کا بھی ذکر کر دیا جن پر  
 خوف طاری ہونا چاہیے، یعنی وہ لوگ جن سے کوئی خطا سرزد ہوئی پھر توبہ کر کے نیک عمل اختیار کر لئے  
 ایسے حضرات کی اگرچہ اللہ تعالیٰ خطا معاف کر دیتے ہیں مگر معافی کے بعد بھی گناہ کے بعض آثار باقی رہنے  
 کا احتمال ہے اس سے یہ حضرات ہمیشہ خائف رہتے ہیں۔ اور اس استثناء کو متصل قرار دیں تو معنی آیت  
 کے یہ ہونگے کہ اللہ کے رسولؐ ڈرا نہیں کرتے بجز اُن کے جن سے کوئی خطا یعنی گناہ صغیرہ سرزد ہو گیا ہو  
 پھر اُس سے بھی توبہ کر لی ہو، تو اس توبہ سے یہ صغیرہ گناہ معاف ہو جاتا ہے اور صحیح تر یہ ہے کہ انبیاء  
 علیہم السلام سے جو لغزشیں ہوئی ہیں وہ درحقیقت گناہ ہی نہ تھے نہ صغیرہ نہ کبیرہ، البتہ صورت گناہ  
 کی تھی اور درحقیقت وہ اجتہادی خطائیں تھیں۔ اس مضمون میں اشارہ اس طرف پایا گیا کہ حضرت موسیٰؑ



سے جو ایک لغزش قبطی کے قتل کی ہو گئی وہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دی مگر اسکا یہ اثر اب بھی رہا کہ موسیٰ علیہ السلام پر خوف طاری ہو گیا، اگر یہ لغزش نہ ہوتی تو یہ وقتی خوف بھی نہ ہوتا۔ (قطبی)

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي

اور ہم نے دیا داؤد اور سلیمان کو ایک علم اور بولے شکر اللہ کا جس نے ہم کو

فَضَّلَنَا عَلَى كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ۝۱۵ وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ

بزرگی دی اپنے بہت سے بندوں ایمان والوں پر اور تمام مقام ہوا سلیمان

دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عِلْمُنَا مِنطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِنْ

داؤد کا اور بولا اے لوگو ہم کو سکھائی ہے بولی اڑتے جانوروں کی اور دیا ہم کو ہر چیز

كُلِّ شَيْءٍ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ۝۱۶ وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ

میں سے بیشک یہی ہے فضیلت صریح اور جمع کئے گئے سلیمان کے پاس

جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝۱۷ حَتَّىٰ إِذَا

اس کے لشکر جن اور انسان اور اڑتے جانور پھر ان کی جماعتیں بنائی جاتیں یہاں تک کہ جب

أَتَوْا عَلَىٰ وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا

پہنچے چیونٹیوں کے میدان پر کہا ایک چیونٹی نے اے چیونٹو گھر جاؤ اپنے

مَسْكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝۱۸

گھروں میں نہ ہیں ڈالے تم کو سلیمان اور اسکی فوجیں اور ان کو خبر بھی نہ ہو

فَتَبَسَّ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ

پھر مسکرا کر ہنس پڑا اس کی بات سے اور بولا اے میرے رب میری قسمت میں دے کہ شکر

نِعْمَتِكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا

کردوں تیرے احسان کا جو تو نے کیا مجھ پر اور میرے ماں باپ پر اور یہ کہ کروں کام نیک

تَرَضُّعًا وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ۝۱۹

جو تو پسند کرے اور بلا لے مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں

## خلاصہ تفسیر

اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) اور سلیمان (علیہ السلام) کو (شرعیات اور حکمرانی کا) علم عطا فرمایا اور ان دونوں نے (ادائے شکر کے لئے) کہا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے سزاوار ہیں جس نے ہم کو



اپنے بہت سے ایمان والے بندوں پر فضیلت دی اور داؤد (علیہ السلام کی وفات کے بعد ان) کے قائم مقام سلیمان (علیہ السلام) ہوئے (یعنی ان کو سلطنت وغیرہ ملی) اور انھوں نے (انہما کر کیلئے) کہا کہ اے لوگو! ہم کو پرندوں کی بولی (سمجھنے) کی تعلیم کی گئی ہے (جو دوسرے بادشاہوں کو حاصل نہیں) اور ہم کو (سلمان سلطنت کے متعلق) ہر قسم کی (ضروری) چیزیں دی گئی ہیں (جیسے فوج، لشکر، مال، اور آلات جنگ وغیرہ) واقعی یہ (اللہ تعالیٰ کا) کھلا ہوا فضل ہے اور سلیمان (علیہ السلام کے پاس سلمان سلطنت بھی عجیب و غریب تھا چنانچہ ان) کے لئے (جو) ان کا شکر جمع کیا گیا (تھا ان میں) جن بھی (تھے) اور انسان بھی اور پرندے بھی (جو کسی بادشاہ کے تابع نہیں ہوتے) اور (پھر تھے بھی اس کثرت سے کہ) ان کو (چلنے کے وقت) روکا جا (یا کر) تا تھا (تاکہ متفرق نہ ہو جاویں پیچھے والے بھی پہنچ جاویں یہ بات عادت نہایت کثرت میں ہوتی ہے کیونکہ تھوڑے مجمع میں تو اگلا آدمی خود ہی ایسے وقت رک جاتا ہے اور بڑے مجمع میں اگلوں کو پچھلوں کی خبر بھی نہیں ہوتی اسلئے اسکا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ ایکبا اپنے لاؤشکر کے ساتھ تشریف لئے جاتے تھے) یہاں تک کہ جب وہ چیونٹیوں کے ایک میدان میں آئے تو ایک چیونٹی نے (دوسری چیونٹیوں سے) کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے اپنے سوراخوں میں جا گھسو، کہیں تم کو سلیمان اور ان کا لشکر بے خبری میں کچل نہ ڈالے سو سلیمان (علیہ السلام نے اس کی بات سنی اور) اس کی بات سے (متعجب ہو کر کہ اس چھوٹے وجود پر یہ ہوشیاری اور احتیاط) مسکراتے ہوئے ہنس پڑے اور (یہ دیکھ کر کہ میں اس کی بولی سمجھ گیا جو کہ سورج ہونے کی وجہ سے ایک نعمت عظیمہ ہے اور نعمتیں بھی یاد آگئیں اور) کہنے لگے کہ اے میرے رب مجھ کو اس پر ہمیشگی دیجئے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں (یعنی ایمان اور علم سب کو اور نبوت خود کو اور اپنے والد داؤد علیہ السلام کو) اور (اُس پر بھی ہمیشگی دیجئے کہ) میں نیک کام کیا کروں جس سے آپ خوش ہوں (یعنی عمل مقبول ہو کیونکہ اگر حقیقت میں عمل نیک ہو اور آداب شرائط کی کمی کی وجہ سے مقبول نہ ہو وہ مقصود نہیں ہے) اور مجھ کو اپنی رحمت (خاصہ) سے اپنے (اعلیٰ درجہ کے) نیک بندوں (انبیاء) میں داخل رکھئے (یعنی قرب کو بعد میں تبدیل نہ کیجئے)۔

## معارف و مسائل

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا، ظاہر ہے کہ اس سے مراد علوم انبیاء ہیں جو نبوت و رسالت سے متعلق ہوتے ہیں۔ اسکے عموم میں دوسرے علوم و فنون بھی شامل ہوں تو بعید نہیں جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کو ترہ سازی کی صنعت سکھا دی گئی تھی۔ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام زمرہ انبیاء میں ایک خاص امتیاز یہ رکھتے ہیں کہ ان کو نبوت و رسالت کے ساتھ سلطنت بھی دی گئی تھی اور سلطنت



بھی ایسی بے نظیر کہ صرف انسانوں پر نہیں بلکہ جنات اور جانوروں پر بھی ان کی حکمرانی تھی ان سب عظیم الشان نعمتوں سے پہلے حق تعالیٰ کے نعمتِ علم کا ذکر فرمانے سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ نعمتِ علم تمام دوسری نعمتوں سے فائق اور بالاتر ہے۔ (قطبی)

انبیاء میں مال کی وراثت نہیں ہوتی | وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ ، وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ ، وراثتِ علم اور نبوت مراد ہے وراثتِ مال نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مَنْ مَعَا شَرَّ الْاَنْبِيَاءِ لَا وَرِثَةَ وَلَا نُوْرَثَ) یعنی انبیاء نہ وارث ہوتے ہیں اور نہ مورث، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ترمذی اور ابوداؤد میں روایت ہے۔ العلماء وراثۃ الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دیناً ولا دھاراً ولكن ورثوا العلم فمن اخذها اخذ بحظ وافق یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں، لیکن انبیاء میں وراثتِ علم اور نبوت کی ہوتی ہے مال کی نہیں ہوتی۔ حضرت ابو عبد اللہ (جعفر صادق) کی روایت اس مسئلہ کو اور زیادہ واضح کر دیتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے۔ (روح عن اکلیخی) عقلی طور پر بھی یہاں وراثتِ مال مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کی اولاد میں انیس بیٹوں کا ذکر آتا ہے اگر وراثتِ مال مراد ہو تو یہ بیٹے سب کے سب وارث ٹھہریں گے پھر وراثت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخصیص کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ وراثت وہ مراد ہے جس میں بھائی شریک نہ تھے بلکہ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام وارث بنے اور وہ صرف علم اور نبوت کی وراثت ہی ہو سکتی ہے اسکے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا ملک و سلطنت بھی حضرت سلیمان کو عطا فرمادیا اور اس میں مزید اضافہ اسکا کر دیا کہ آپ کی حکومت جنات اور وحوش و طیور تک عام کر دی، ہوا کو آپکے لئے مسخر کر دیا۔ ان دلائل کے بعد طبری کی وہ روایت غلط ہو جائیگی جس میں انھوں نے بعض ائمہ اہل بیت کے حوالے سے مال کی وراثت مراد لی ہے۔ (رحمہم اللہ)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے درمیان ایک ہزار سات سو سال کا فاصلہ ہے اور یہودیہ فاصلہ ایک ہزار چار سو سال کا بتلاتے ہیں۔ سلیمان علیہ السلام کی عمر پچاس سال سے کچھ اوپر ہوئی ہے۔ (قطبی)

اپنے لئے جمع کا صیغہ بولنا جائز ہے بشرطیکہ تکبر نہ ہو | عَلَيْنَا مَنَظِقُ الظُّلُمِ وَأَوْتَيْنَا آلَهُ حضرت سلیمان علیہ السلام نے باوجود خود اکیلے ہونے کے اپنے لئے جمع کا صیغہ شاہانہ محاورہ کے طور پر استعمال کیا ہے تاکہ رعایا پر رعب پڑے اور رعایا اطاعتِ خداوندی اور اطاعتِ سلیمان علیہ السلام میں شغیہ نہ کریں۔ اسی طرح امراء، حکام اور افسران کو اپنی رعایا کی موجودگی میں اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال کریں مصلحتاً نہیں جبکہ وہ سیاست اور انظارِ نعمت کی غرض سے ہو تکبر و تعالیٰ کے لئے نہ ہو۔

پرندوں اور چوپاؤں میں بھی عقل و شعور ہے | اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ پرندے، چرندے اور تمام حیوانات



میں بھی عقل و شعور کسی درجہ میں موجود ہے۔ البتہ ان کی عقل اس درجہ کی نہیں کہ ان کو احکام شرع کا مکلف بنایا جاتا اور انسان اور جنات کو عقل و شعور کا وہ کامل درجہ عطا ہوا ہے جس کی بنا پر وہ اللہ تعالیٰ کے مخاطب ہو سکیں اور ان پر عمل کر سکیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کبوتر سب پرندوں میں زیادہ عقلمند ہے ابن عربیؒ نے فرمایا کہ چوٹی ذہین عقلمند جانور ہے اس کی قوتِ شامہ بڑی تیز ہے جو کوئی دانہ اس کے قبضہ میں آتا ہی اس کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے تاکہ آگے نہیں اور سردی کے زمانے کے لئے اپنی غذا کا ذخیرہ جمع کرتی ہے۔ (قطبی)

قائدہ:- آیت میں منطق الطیر یعنی پرندوں کی بولی کی تخصیص ہند کے واقعہ کی وجہ سے ہے جو پرندہ ہے ورنہ حضرت سلیمان کو پرندے، چرندے اور تمام حشرات الارض کی بولیاں سکھائی گئی تھیں جیسا کہ اگلی آیت میں چوٹی کی بولی سمجھنے کا ذکر موجود ہے۔ امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں اس مقام پر مختلف پرندوں کی بولیاں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا اُس پر یہ فرمانا کہ یہ پرندہ یہ بات کہہ رہا ہے تفصیل سے نقل کیا ہے اور تقریباً ہر پرندہ کی بولی کوئی نصیحت کا جملہ ہے۔

وَأَوْتَيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ذِكْرًا، لفظ کل اصل لغت کے اعتبار سے تمام افراد جنس کو عام ہوتا ہے مگر لیا وقتاً عموم کلی مراد نہیں ہوتا بلکہ کسی خاص مقصد کی حد تک عموم مراد ہوتا ہے جیسا یہاں مراد ان اشیاء کا عموم ہے جن کی سلطنت و حکومت میں ضرورت ہوتی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ہوائی جہاز، موٹر، ریل وغیرہ ان کے پاس نہ تھے ذٰبِ اَوْدَعْنِي، وزع سے مشتق ہے جس کے لفظی معنی روکنے کے ہیں۔ مطلب اس جگہ یہ ہے کہ مجھے اس کی توفیق دید مجھے کہ میں شکر نعمت کو ہر وقت ساتھ رکھوں اُس کے کسی وقت جدا نہوں، جبکا حال مداومت اور پابندی ہے۔ اس سے پہلی آیت میں قَدْ فَهِمُوا يُؤْذَنُونَ اسی معنی میں آیا ہے کہ شکر کو کثرت کی وجہ سے انتشار سے بچانے کے لئے روکا جاتا تھا۔

وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ، یہاں رضا بمعنی قبول ہے۔ معنی یہ ہیں کہ یا اللہ مجھے ایسے عمل صالح کی توفیق دیجئے جو آپ کے نزدیک مقبول ہو۔ روح المعانی میں اس سے اس پر استدلال کیا ہے کہ عمل صالح کے لئے قبولیت لازم نہیں ہے بلکہ قبولیت کچھ شرائط پر موقوف ہوتی ہے، اور فرمایا کہ صالح اور تقویٰ دل ہونے میں نہ عقلاً کوئی لزوم ہے نہ شرعاً۔ اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کہ اپنے اعمال صالحہ کے مقبول ہونے کی بھی دعا کرتے تھے جیسے حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت دعا فرمائی، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو عمل نیک ہے صرف اُس کو کر کے بے فکر ہونا نہیں چاہئے، اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کرے کہ اس کو قبول فرما دے۔

وَأَذْخَلْنِي رَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ، عمل صالح اور مقبول ہونے کے باوجود جنت میں داخل ہونا بغیر فضل خداوندی کے نہیں ہوگا اور اسکے قبول ہونے کے باوجود جنت میں داخل ہونا خدا تعالیٰ کے فضل و کرم ہی سے ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے اعمال کے بھروسہ



پر جنت میں داخل نہیں ہو گا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی، تو آپ نے فرمایا کہ ہاں میں بھی، لیکن مجھے میرے خدا کی رحمت اور فضل گھیرے ہوئے ہے۔ (ترجمہ المعانی)

حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ان کلمات میں دخول جنت کے لئے فضل ربی کی دعا فرما رہے ہیں یعنی اے اللہ، مجھے وہ فضل بھی عطا فرما جس سے جنت کا تحقق ہو جاؤں۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهَدْيَ هَذَا يَوْمَ كَانَ مِنْ

اور غمیری اڑتے جانوروں کی تو کہا کیا ہے، جو میں نہیں دیکھتا ہد ہ کو یا ہے وہ

الْغَائِبِينَ ۲۰ لَا عَذِيبَ لَهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَا أَذْبَحُ لَهُ أَوْ لِيَأْتِيَنِي

غائب اس کو سزا دوں گا سخت سزا یا ذبح کر ڈالوں گا یا لائے میرے پاس

بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۲۱ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ حُطِّ بِهِ وَ

کوئی سند صریح پھر بہت دیر نہ کی کہ آکر کہا میں نے آیا خبر ایک چیز کی کہ مجھ کو اسکی

جِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بَنِيَّائِقِينَ ۲۲ إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَ

خبر نہ تھی اور آیا ہوں تیرے پاس سبائے ایک خبریکہ تحقیقی میں نے پایا ایک عورت کو جو ان پر بادشاہی کرتی ہے

أُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ۲۳ وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا

اور اس کو ہر ایک چیز ملی ہے اور اس کا ایک تخت ہے بڑا میں نے پایا کہ وہ اور اسکی قوم

يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَزَيْنًا لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ

سجدہ کرتے ہیں سورج کو اللہ کے سوائے اور بھلے دکھلا رکھے ہیں ان کو شیطان نے انکے کام

فَصَدَّ هُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ۲۴ إِلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ

پھر دکھلا دیں ان کو رستہ سے سودہ راہ نہیں پاتے کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو

الَّذِي يُخْرِجُ الْحَبَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَ

جو نکالتا ہے چھپی ہوئی چیز آسمانوں میں اور زمین میں اور جانتا ہے جو چھپاتے ہو اور

مَا تَعْلَمُونَ ۲۵ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۲۶ قَالَ

ظاہر کرتے ہو اللہ ہے کسی کی بندگی نہیں اسکے سوائے پروردگار تخت بڑے کا سلیمان نے کہا

سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَذِبِينَ ۲۷ إِذْ هَبَّ بِكِشْيَبِي

ہم اب دیکھتے ہیں تو نے سچ کہا یا تو جھوٹا ہے لے جا میرا یہ خط

هَذَا فَأَلْقَاهُ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّى عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ ۲۸

اور ڈال دے ان کی طرف پھر ان کے پاس سے ہٹ آ پھر دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں



## خلاصہ تفسیر

(اور ایک باریہ قصہ ہوا کہ) سلیمان (علیہ السلام) نے پرندوں کی حاضری لی تو (ہڈ ہڈ کو نہ دیکھا) فرمانے لگے کہ کیا بات ہے کہ میں ہڈ ہڈ کو نہیں دیکھتا کیا کہیں غائب ہو گیا ہے (اور جب معلوم ہوا کہ واقع میں غائب ہے تو فرمانے لگے کہ) میں اس کو (غیر حاضری پر) سخت سزا دوں گا یا اس کو ذبح کر ڈالوں گا یا وہ کوئی صاف دلیل (ادھر غیر حاضری کا عذر) میرے سامنے پیش کرے (تو خیر چھوڑ دینگا) تھوڑی دیر بعد وہ آگیا اور سلیمان (علیہ السلام سے) کہنے لگا کہ ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں ہوئی اور (اجمالی بیان اسکا یہ ہے کہ) میں آپ کے پاس قبیلہ سبا کی ایک پختہ خبر لایا ہوں (جسکا تفصیلی بیان یہ ہے کہ) میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ ان لوگوں پر بادشاہی کر رہی ہے اور اس کو (بادشاہی کے لوازم میں سے) ہر قسم کا سامان حاصل ہے اور اسکے پاس ایک بڑا تخت ہے (اور نہ ہی حالت انکی یہ ہے کہ) میں نے اس (عورت) کو اوڈ انکی قوم کو دیکھا کہ وہ خدا (کی عبادت) کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے اُن کے (ان اعمال) (کفر) کو انکی نظر میں مرغوب کر رکھا ہے (اور ان اعمال بد کو مزین کرنے کے سبب) انکو راہ (حق) سے روک رکھا ہے اسلئے وہ راہ (حق) پر نہیں چلتے کہ اس خدا کو سجدہ نہیں کرتے جو (ایسا قدرت والا ہے کہ) آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو (جن میں سے بارش اور زمین کی نباتات بھی ہیں) باہر لاتا ہے اور (ایسا جاننے والا ہے کہ) تم لوگ (یعنی تمام مخلوق) جو کچھ (دل میں) پوشیدہ رکھتے ہو اور جو کچھ (زبان اور جسم کے اعضاء سے) ظاہر کرتے ہو وہ سب کو جانتا ہے (اسلئے) اللہ ہی ایسا ہے کہ اسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے سلیمان (علیہ السلام) نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا تو جھوٹوں میں سے ہے (اچھا) میرا یہ خط لے جا اور اسکو اُن کے پاس ڈال دینا پھر (دراواہاں سے) ہٹ جانا، پھر دیکھنا کہ آپس میں کیا سوال و جواب کرتے ہیں (پھر تو یہاں چلے آنا وہ لوگ جو کچھ کارروائی کریں گے اُس سے تیرا سچ جھوٹ معلوم ہو جاوے گا)۔

## معارف و مسائل

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ، تَفَقَّدَ کے لفظی معنی کسی مجمع کے متعلق حاضر و غیر حاضر کی تحقیق کرنے کے ہیں۔ اسلئے اسکا ترجمہ خبر گیری اور نگہبانی سے کیا جاتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے انسانوں کے علاوہ جنات اور وحوش و طیور پر حکومت عطا فرمائی تھی اور جیسا کہ حکمرانی کا اصول ہے رعایا کے ہر طبقہ کی نگرانی اور خبر گیری حاکم کے فرائض میں سے ہے اسکے مطابق اس آیت میں بیان فرمایا تَفَقَّدَ الطَّيْرَ یعنی سلیمان علیہ السلام نے اپنی رعایا کے طیور کا معائنہ فرمایا اور یہ دیکھا کہ ان میں کون حاضر ہے کون



غیر حاضر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی عادت شریفہ یہ تھی کہ صحابہ کرام کے حالات سے باخبر رہنے کا اہتمام فرماتے تھے جو شخص غیر حاضر ہوتا اگر بیمار ہے تو عیادت کے لئے تشریف لیجاتے تھے تیمارداری کرتے اور کسی تکلیف میں مبتلا ہے تو اسکے لئے تدبیر فرماتے تھے۔

حاکم کو اپنی رعیت کی اور مشائخ کو اپنے | آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی شاگردوں اور مریدوں کی خبر گیری ضروری ہی رعایا کے ہر طبقہ پر نظر رکھتے اور ان کے حالات سے اتنے باخبر رہتے تھے کہ ہر جو طور میں چھوٹا اور کمزور بھی ہے اور اس کی تعداد بھی دنیا میں بہ نسبت دوسرے طور کے کم ہے وہ بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی نظر سے اوجھل نہیں ہوا، بلکہ خاص ہر ہر کے متعلق جو سوال آپ نے فرمایا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ ذمہ طور میں کم تعداد اور کمزور ہے، اسلئے اپنی رعیت کے کمزوروں پر نظر رکھنے کا زیادہ اہتمام فرمایا۔ صحابہ کرام میں حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس سنت انبیاء کو پوری طرح جاری کیا۔ راتوں کو مدینہ منورہ کی گلیوں میں پھرتے تھے کہ سب لوگوں کے حالات سے باخبر رہیں۔ جس شخص کو کسی مصیبت و تکلیف میں گرفتار پاتے اس کی امداد فرماتے تھے جس کے بہت سے واقعات انکی سیرت میں مذکور ہیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر دریاۓ فرات کے کنارہ پر کسی بھیڑیے نے کسی بکری کے بچے کو پھاڑ ڈالا تو اسکا بھی عمر سے سوال ہو گا۔ (قرطبی)

یہ تھے وہ اصول جہان بینی و حکمرانی جو انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو سکھائے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان کو عملاً جاری کر کے دکھلایا اور جس کے نتیجہ میں پوری مسلم و غیر مسلم رعایا امن و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی، اور ان کے بعد زمین و آسمان نے ایسے عدل و انصاف اور عام دنیا کے امن و سکون اور اطمینان کا یہ منظر نہیں دیکھا۔

مَا بَى لَكَ اَرْكَى الْهَدْيِ هَذَا اَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ، سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے کیا ہو گیا کہ میں ہر ہر کو جمع میں نہیں دیکھتا۔

اپنے نفس کا محاسبہ | یہاں موقع تو یہ فرمانے کا تھا کہ ہر ہر کو کیا ہو گیا کہ وہ جمع میں حاضر نہیں۔ عنوان شاید اسلئے بدلا کہ ہر ہر اور تمام طور کا مسخر ہونا حق تعالیٰ کا ایک انعام خاص تھا۔ ہر ہر کی غیر حاضری پر ابتداء میں یہ خوف دل میں پیدا ہوا کہ شاید میرے کسی قصور سے اس نعمت میں کمی آئی کہ ایک صنفِ مخلوق کی یعنی ہر ہر غائب ہو گیا اسلئے اپنے نفس سے سوال کیا کہ ایسا کیوں ہوا؟ جیسا کہ مشائخ صوفیہ کا معمول ہے کہ جب ان کو کسی نعمت میں کمی آئے یا کوئی تکلیف و پریشانی لاحق ہو تو وہ اسکے ازالہ کیلئے مادی اسباب کی طرف توجہ کرنے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرتے تھے کہ ہم سے اللہ تعالیٰ کے حق شکر میں کوئی کوتاہی ہوئی جس کے سبب یہ نعمت ہم سے لے لی گئی۔ قرطبی نے اس جگہ بحوالہ ابن عسری ان بزرگوں کا یہ حال نقل کیا ہے۔



اِذَا قُلْتُمْ وَاٰمَالُكُمْ تُفْقَدُ وَاَعْمَالُكُمْ

یعنی ان حضرات کو جب اپنی مراد میں کامیابی نہیں ہوتی تو وہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے ہیں کہ ہم سے کیا قصور سرزد ہوا۔

اس ابتدائی محاسبہ نفس غور و فکر کے بعد فرمایا اَفَمَنْ كَانَ مِنَ الْغَافِلِيْنَ اس جگہ حرف آم بمعنی بکلی ہے (قطبی) معنی یہ ہیں کہ یہ بات نہیں کہ ہڈ ہڈ کے دیکھنے میں میری نظر نے خطا کی بلکہ وہ حاضری نہیں طیور میں سے ہڈ ہڈ کی تخصیص حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے سوال کیا گیا کہ تمام پرندوں میں ہڈ ہڈ کی آفتیش کی وجہ اور ایک اہم عبرت کی کیا وجہ پیش آئی تو آپؓ نے فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام نے کسی ایسے مقام میں قیام فرمایا جہاں پانی نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ نے ہڈ ہڈ کو یہ خاصیت عطا فرمائی ہے کہ وہ زمین کے اندر کی چیزوں کو اور زمین کے اندر بہنے والے چشموں کو دیکھ لیتا ہے مقصود حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ تھا کہ ہڈ ہڈ سے یہ معلوم کریں کہ اس میدان میں پانی کتنی گہرائی میں ہے اور کس جگہ زمین کھودنے سے پانی کافی مل سکتا ہے۔ ہڈ ہڈ کی اس نشاندہی کے بعد وہ جنات کو حکم دیدیتے کہ اس زمین کو کھود کر پانی نکالو وہ بڑی جلد کھود کر پانی نکال لیتے تھے۔ ہڈ ہڈ اپنی تیز نظر اور بصیرت کے باوجود سکاری کے جال میں پھنس جاتا ہے اس پر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔

قَفَّ يَادِقَاتٍ كَيْفَ يَرَى الْهَدَىٰ  
بِاطْنِ الْأَرْضِ وَهُوَ لَا يَرَى الْفَتْحَ  
حِينَ يَقِفُ فِيهِ (قطبی)

جاننے والوں اس حقیقت کو پہچانے کہ ہڈ ہڈ زمین کی گہرائی کی چیزوں کو دیکھ لیتا مگر زمین کے اوپر پھیلا ہوا جال اُس کی نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے جس میں پھنس جاتا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جو امر تکلیف یا راحت کا کسی کے لئے مقدر کر دیا ہے تو تقدیر الہی نافذ ہو کر رہتی ہے کوئی شخص اپنی فہم و بصیرت یا زور و زور کی طاقت کے ذریعہ اُس سے نہیں بچ سکتا۔  
لَا عَيْنٌ بَيْنَهُ عَنِ ابْنِ مَرْيَمَ إِذْ نَبَاكَ، ابْتَدَأَ غُورُ وَفَكَرَ كَيْفَ يَرَى الْهَدَىٰ عَنِ ابْنِ مَرْيَمَ إِذْ نَبَاكَ  
مظاہرہ ہے کہ غیر حاضر رہنے والے کو سزا دی جائے۔

جو جانور کام میں سستی کرے اسکو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے حق تعالیٰ نے جانوروں کو ایسی سزا معادل سزا دینا جائز ہے دینا حلال کر دیا تھا جیسا عام امتوں کے لئے جانوروں کو ذبح کر کے انکے گوشت پوست وغیرہ سے فائدہ اٹھانا اب بھی حلال ہے۔ اسی طرح پالتو جانور گائے، بیل، گدھا، گھوڑا، اونٹ وغیرہ اپنے کام میں سستی کرے اُس کو تادیب کے لئے بقدر ضرورت ماری کی معادل سزا اب بھی جائز ہے۔ دوسرے جانوروں کو سزا دینا ہماری شریعت میں ممنوع ہے۔ (قطبی)

اَوْ كَيْفَ يَتَذَكَّرُ ابْنُ مَرْيَمَ، یعنی اگر ہڈ ہڈ نے اپنی غیر حاضری کا کوئی عذر وضع پیش کر دیا تو وہ اس سزا سے محفوظ رہے گا۔ اس میں اشارہ ہے کہ حاکم کو چاہیے کہ جن لوگوں سے کوئی قصور عمل میں سرزد ہو جائے اُن کو عذر پیش کرنے کا موقع دے، عذر صحیح ثابت ہو تو سزا کو معاف کر دے۔



أَحْطَتْ بِمَا لَمْ يَحْطُ بِهِ، یعنی ہد ہد نے اپنا غدر بتلاتے ہوئے کہا کہ مجھے وہ چیز معلوم ہے جو آپ کو معلوم نہیں، یعنی میں ایک ایسی خبر لایا ہوں جس کا آپ کو پہلے علم نہیں تھا۔

انبیاء علیہم السلام | امام قرطبی نے فرمایا کہ اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہوتے | عالم الغیب نہیں ہوتے جس سے اُن کو ہر چیز کا علم ہو سکے۔

وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ مَبْكِيًا يُهَيِّئِينَ، سَبَإٌ، یمن کا ایک شہر جو شہر حبکا ایک نام مآرب بھی ہے، اُسکے اور یمن کے درالحکومت صنعاء کے درمیان تین دن کی مسافت تھی۔

کیا چھوٹے آدمی کو یہ حق ہے کہ اپنے بڑوں | ہد ہد کی مذکورہ گفتگو سے بعض لوگوں نے اس پر استدلال کیا ہے سے کہے کہ مجھے آپ سے زیادہ علم ہے کہ کوئی شاگرد اپنے استاد سے یا غیر عالم عالم سے کہہ سکتا ہے کہ اس

مسئلہ کا علم مجھے آپ سے زیادہ ہے بشرطیکہ اس کو اس مسئلہ کا واقعی طور پر مکمل علم دوسروں سے نائد ہو۔ مگر روح المعانی میں فرمایا کہ یہ طرز گفتگو اپنے مشائخ اور بڑوں کے سامنے خلاف ادب ہے اس پر احتراز

کرنا چاہیے۔ اور ہد ہد کے قول سے اس پر استدلال اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اُس نے یہ بات اپنے آپ کو سزا سے بچانے اور غدر کے قوی ہونے کے لئے کہی ہے تاکہ اسکی غیر حاضری کا غدر پوری طرح حضرت سلیمان

کے سامنے آجائے ایسی ضرورت میں ادب کی رعایت رکھتے ہوئے کوئی بات کیجائے تو مضائقہ نہیں۔ رَافِی وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ، یعنی میں نے ایک عورت کو پایا جو قوم سبا کی مالک ہے یعنی

اُن پر حکومت کرتی ہے اس عورت یعنی ملکہ سبا کا نام تماریح میں بلقیس بنت شراحیل بتلایا گیا ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ اس کی والدہ جنات میں سے تھی جس کا نام بلعمہ بنت شیضان بتلایا جاتا ہے (رداء

دہیب بن جریر بن نفیل ابن احمد - قرطبی) اور اُن کا دادا ہد ہد پورے ملک یمن کا ایک عظیم الشان بادشاہ تھا جس کی اولاد میں چالیس لڑکے ہوئے سب کے سب ملوک اور بادشاہ بنے۔ ان کے والد سراج نے

ایک جنتیہ عورت سے نکاح کر لیا تھا اُسی کے بطن سے بلقیس پیدا ہوئی۔ جنتیہ سے نکاح کرنے کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ یہ اپنی حکومت و سلطنت کے غرور میں لوگوں سے کہتا تھا کہ تم میں کوئی

میرا کفو نہیں اسلئے میں نکاح ہی نہ کرؤں گا کیونکہ غیر کفو میں نکاح مجھے پسند نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے اس کا نکاح ایک جنتیہ عورت سے کر دیا (قرطبی) شاید یہ اُسی غرور کا نتیجہ تھا کہ اس نے انسانوں کو جو حقیقت

کفو تھے حقیر و ذلیل سمجھا اور اپنا کفو تسلیم نہ کیا تو قدرت نے اس کا نکاح ایک ایسی عورت سے مقدر کر دیا جو نہ اس کی کفو تھی نہ اس کی جنس و قوم سے تھی۔

کیا انسان کا نکاح جنتی عورت سے ہو سکتا ہے | اس معاملہ میں بعض لوگوں نے تو اس لئے مشبہ کیا ہے کہ جنات کو انسان کی طرح تو والد و تناسل کا اہل نہیں سمجھا۔ ابن عربی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ یہ خیال باطل ہے۔

احادیث صحیحہ سے جنات میں تو والد و تناسل اور مرد و عورت کی تمام وہ خصوصیات جو انسانوں میں



جنات میں بھی موجود ہونا ثابت ہے۔

دوسرا سوال شرعی حیثیت سے ہے کہ کیا عورت جنتیہ کسی انسان مرد کے لئے نکاح کر کے حلال ہوگئی ہو؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے بہت حضرات نے جائز قرار دیا ہے، بعض نے غیر جنس مثل جانوروں کے ہونے کی بنا پر حرام فرمایا ہے اس مسئلہ کی تفصیل احکام المرجان فی احکام الجنان میں مذکور ہے اسی میں بعض ایسے واقعات بھی ذکر کئے ہیں کہ مسلمان مرد سے مسلمان جنتیہ کا نکاح ہوا اور اس سے اولاد بھی ہوئی۔ یہاں یہ مسئلہ اس لئے زیادہ قابل بحث نہیں کہ نکاح کرنے والا بقیس کا والد مسلمان ہی تھا اسکے عمل سے کوئی استدلال جواز یا عدم جواز پر نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ شرع اسلام میں اولاد کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے اور بقیس کے والد انسان تھے اس لئے بقیس انسان ہی قرار پائے گی۔ اس لئے بعض روایات میں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کا بقیس سے نکاح کرنا مذکور ہے، اگر وہ روایت صحیح ہو تو بھی اس سے نکاح جنتیہ کا کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا کیونکہ بقیس خود جنتیہ نہ تھیں اگرچہ ان کی والدہ جنتیہ ہو۔ واللہ اعلم اور نکاح سلیمان علیہ السلام کے متعلق مزید بیان آگے آئے گا۔

کیا کسی عورت کا بادشاہ ہونا یا کسی صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہؐ قوم کا امیر و امام ہونا جائز ہے؟ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے اپنے ملک کا بادشاہ کسریٰ کی بیٹی کو بنادیا ہے تو آپؐ نے فرمایا لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَوْ اَمَرَهُمْ امْرَأَةٌ، یعنی وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے اپنے اقتدار کا مالک عورت کو بنادیا۔ اسی لئے علماء امت اس پر متفق ہیں کہ کسی عورت کو امامت و خلافت یا سلطنت و حکومت سپرد نہیں کی جاسکتی، بلکہ نماز کی امامت کی طرح امامت کبریٰ بھی صرف مردوں کو سزاوار ہے۔ رہا بقیس کا ملکہ سبا ہونا تو اس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے خود نکاح کیا اور پھر اس کو حکومت و سلطنت پر برقرار رکھا، اور یہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں جس پر احکام شرعیہ میں اعتماد کیا جاسکے۔

وَأَقْنِیْتَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ، مراد یہ ہے کہ سب ضروری سامان جو کسی بادشاہ و امیر کو درکار ہوتا ہے اور اپنے زمانے کے مطابق ہو سکتا ہے موجود تھا جو چیزیں اُس زمانے میں ایجاد ہی نہ ہوئی تھیں ان کا نہ ہونا اس آیت کے منافی نہیں۔

وَلَقَدْ اَعْرَضَ عَنِ عِزِّکُمْ، عرش کے نفلی معنی تخت سلطنت کے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت میں ہے کہ عرش بقیس کا طول اتنی ہاتھ اور عرض چالیس ہاتھ اور بلندی تین ہاتھ تھی جس پر موتی اور یاقوت احمد زبرجد، خضر کا کام تھا اور اسکے پائے موتیوں اور جواہرات کے تھے اور پردے ریشم اور حریر کے اندر باہر کیے بعد دیگر سات مقفل عمارتوں میں محفوظ تھا۔



وَجَدُ نَهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ، معلوم ہوا کہ اس کی قوم نجوم پرست تھی آفتاب کی عبادت کرتی تھی، بعض نے فرمایا کہ مجوس میں سے تھی جو آگ اور ہر روشنی کی پرستش کرتے ہیں۔ (قطبی)

أَلَّا يَسْجُدُوا كَمَا تَعْلَقُ ذُرِّيَّتُكَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ يَا صِدِّيقُ هُوَ عَنِ الشَّيْطَانِ سِرٌّ یعنی شیطان نے اُن کے ذہنوں میں یہی بٹھلادیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کریں یا یہ کہ اُن کو حق کے راستہ سے اس طرح روک دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کریں۔

تحریر اور خط بھی عام معاملات میں حجت شرعیہ ہے | اِذْ هَبْ بَكَّتِي لِهَذَا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے نام خط بھیجنے کو اس پر اتمام حجت کے لئے کافی سمجھا اور اسی پر عمل فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ عام معاملات میں تحریر و خط قابل اعتبار ثبوت ہے۔ فقہاء رحمہم اللہ نے صرف اُن مواقع میں خط کو کافی نہیں سمجھا جہاں شہادت شرعیہ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ خط اور ٹیلیفون وغیرہ کے ذریعہ شہادت نہیں لیجا سکتی۔ شہادت کا مدار شاہد کا عدالت کے سامنے آکر بیان دینے پر رکھا گیا جس میں بڑی حکمتیں مضمر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل بھی دنیا کی کسی عدالت میں خط اور ٹیلیفون پر شہادت لینے کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔

مشرکین کو خط لکھنا اور اُن | دوسرا مسئلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس خط سے یہ ثابت ہوا کہ کے پاس بھیجنا جائز ہے | تبلیغ دین اور دعوت اسلام کے لئے مشرکین اور کفار کو خطوط لکھنا جائز ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مختلف کفار کو خطوط بھیجنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

انسانی اخلاق کی رعایت ہر مجلس میں | قَالَ قَهْرُ إِلَيْهِمْ ثُمَّ كَوَّلَ عَنْهُمْ، حضرت سلیمان علیہ السلام چاہئے اگرچہ وہ مجلس کفار ہی کی ہو | نے ہد سے نامہ بری کا کام لیا تو اس کو یہ ادب مجلس بھی سکھایا کہ خط ملکہ سبا کو پہنچا کر وہیں سر پر سوار نہ رہے بلکہ وہاں سے ذرا ہٹ جائے جو عام شاہی مجلسوں کا طریقہ ہے۔ اس میں آداب معاشرت اور انسانی اخلاق کا عام مخلوقات کے ساتھ مطالبہ ہونا معلوم ہوا۔

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَلَيْكَ الْكِبَرُ كَرِيمٌ ۲۹ إِنَّهُ مِنْ

کہنے لگی اے دربار والو میرے پاس ڈالا گیا ایک خط عزت کا وہ خط ہے سلیمان

سَلَامٌ ۚ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۳۰ أَلَا تَعْلَمُونَ عَلَىٰ

کی طرف سے اور وہ یہ ہے شروع اللہ کے نام سے جو بے مہربان نہایت رحم والا ہے کہ زور نہ کرو میرے مقابلہ میں

وَأَتَوْنِي مُسْلِمِينَ ۳۱ قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي ۚ

اور چلے آؤ میرے سامنے حکم دے دو کہ کہنے لگی اے دربار والو مشورہ دو مجھ کو میرے کام میں

مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ ۳۲ قَالُوا نَحْنُ أَوْلَىٰ قُوَّةً

میں نے نہیں کرتی کوئی کام تمہارے حاضر ہونے تک وہ بولے ہم لوگ زور آور ہیں



وَأُولُو أَبَاسٍ شِدِيدٌ وَالْأَمْرُ إِلَيْكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَأْمُرِينَ ﴿۳۳﴾

اور سخت لڑائی والے اور کام تیرے اختیار میں ہے سو تو دیکھ لے جو حکم کرے

قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ

کہنے لگی بادشاہ جب گھسٹتے ہیں کسی بستی میں اس کو غراب کر دیتے ہیں اور گردانتے ہیں وہاں

أَهْلِهَا أَذِلَّةً ۚ وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿۳۴﴾ وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ هَذِهِ

کے سرداروں کو بے عزت اور ایسا ہی کچھ کریں گے اور میں بھیجتی ہوں ان کی طرف کچھ تحفہ

فَقِطْرَةٌ يُهْرِجُهَا الرُّسُلُونَ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَ

پھر دیکھتی ہوں کیا جواب دے کر پھرتے ہیں بھیجے ہوئے پھر جب پہنچا سلیمان کے پاس بولا کیا تم میری اعانت

بِمَا آتَاكُمُ اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بِهَذِهِ تَفْرَحُونَ ﴿۳۶﴾

کرتے ہو مال سے، سو جو اللہ نے مجھ کو دیا ہے سب سے زیادہ، بلکہ تم ہی اپنے تحفہ سے خوش رہو

إِرْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَهُمْ بِجُنُودٍ لَا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِنْهَا

پھر جاؤ ان کے پاس اب ہم پہنچتے ہیں ان پر ساتھ لشکروں کے جن کا مقابلہ نہ ہو سکے ان سے اور نکال دیں گے انکو وہاں سے

أَذِلَّةً ۚ وَهُمْ ضَعُفُونَ ﴿۳۷﴾

بے عزت کر کے اور وہ خوار ہوں گے

## خلاصہ تفسیر

(سلیمان علیہ السلام نے ہد ہد سے یہ گفتگو کر کے بلقیس کے نام ایک خط لکھا جسکا مضمون آگے قرآن میں مذکور ہے اور ہد ہد کے حوالہ کیا وہ اسکو چونچ میں لیکر چلا اور اکیلے یا مجلس میں بلقیس کے پاس ڈال دیا) بلقیس نے (پڑھ کر اپنے سرداروں کو مشورہ کے لئے جمع کیا اور) کہا کہ اے اہل دربار میرے پاس ایک خط (جسکا مضمون نہایت) با وقعت (اور عظیم الشان ہے) ڈالا گیا ہے (با وقعت اسلئے کہا کہ حاکمانہ مضمون ہے جس میں باوجود انتہائی اختصار کے اعلیٰ درجہ کی بلاغت ہے اور) وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور آپیں یہ (مضمون) ہے (اول) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (اور اس کے بعد یہ کہ) تم لوگ (یعنی بلقیس اور سب ارکان بادشاہت جن کے ساتھ عوام بھی وابستہ ہیں) میرے مقابلہ میں کج مرت کرد اور میرے پاس تا بعد از ہو کر چلے آؤ۔ (مقصود تمام کو دعوت دینا ہے اور یہ لوگ سلیمان علیہ السلام کا یا تو پہلے حال سن چکے ہونگے گو سلیمان علیہ السلام ان لوگوں کو نہ جانتے ہوں، اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بڑے چھوٹوں کو نہیں جانتے اور چھوٹے بڑوں کو جانا کرتے ہیں اور یا خط آنے کے بعد تحقیق کر لیا ہوگا اور خط کے مضمون کی اطلاع دینے کے بعد) بلقیس نے (یہ) کہا کہ اے اہل دربار تم مجھ کو میرے



اس معاملہ میں رائے دو (کہ مجھ کو سلیمان کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے) اور میں (کبھی) کسی بات کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک کہ تم میرے پاس موجود نہ ہو (اور اس میں شریک مشیر نہ ہو) وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم (اپنی ذات سے ہر طرح سے حاضر ہیں، اگر مقابلہ اور لڑنا مصلحت سمجھا جاوے تو ہم) بڑے طاقتور اور بڑے لڑنے والے ہیں (اور آگے) اختیار تم کو ہے سو تم ہی (مصلحت) دیکھ لو جو کچھ (جو تیرے کر کے) حکم دینا ہو۔ بقیس کہنے لگی کہ (میرے نزدیک لڑنا تو مصلحت نہیں کیونکہ سلیمان بادشاہ ہیں اور) بادشاہوں (کا قاعدہ ہے کہ وہ) جب کسی بستی میں (مخالفاً طور پر) داخل ہوتے ہیں تو اُس کو تہہ وبالا کر دیتے ہیں اور اُس کے رہنے والوں میں جو عزت دار ہیں ان کو (ان کا زور گھٹانے کیلئے) ذلیل (و خوار) کیا کرتے ہیں اور (اُن سے لڑائی کیجاوے تو ممکن ہے کہ ان ہی کو غلبہ ہو تو پھر) یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے (تو بے ضرورت پریشانی میں پڑنا خلاف مصلحت ہے لہذا جنگ کو تو ابھی ملتوی کیا جاوے) اور (سردست یوں مناسب ہے کہ) میں ان لوگوں کے پاس کچھ ہدیہ (کسی آدمی کے ہاتھ بھیجتی ہوں) پھر دیکھوں گی کہ وہ بھیجے ہوئے (وہاں سے) کیا (جواب) لے کر آتے ہیں (اس وقت دوبارہ غور کیا جاوے گا۔ چنانچہ ہدیوں اور تحفوں کا سامان درست ہوا اور قاصد اس کو لیکر روانہ ہوا) جب وہ قاصد سلیمان (علیہ السلام) کے پاس پہنچا (اور تمام ہدیے پیش کئے) تو سلیمان (علیہ السلام) نے (فرمایا) کیا تم لوگ (یعنی بقیس اور بقیس والے) مال سے میری امداد کر (ناچاہ) تے ہو (اس لئے ہدیے لائے ہو) سو (سمجھ رکھو کہ) اللہ نے جو کچھ مجھے دے رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو تم کو دے رکھا ہے (کیونکہ تمہارے پاس صرف دنیا ہے اور میرے پاس دین بھی اور دنیا بھی تم سے زیادہ، لہذا میں تو ان چیزوں کا مرخص نہیں ہوں) ہاں تم ہی اپنے ہدیے پر فخر کرتے ہو گے (لہذا یہ ہدیے ہم نہ لیں گے) تم (ان کو لے کر) ان لوگوں کے پاس لوٹ جاؤ (اگر وہ اب بھی ایمان لے آویں تو درست ورنہ) ہم ان پر ایسی فوجیں بھیجتے ہیں کہ ان لوگوں سے ان کا ذرا مقابلہ نہ ہو سکے گا اور ہم ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے اور وہ (ذلت کیساتھ ہمیشہ کے لئے) ماتحت (اور رعایا) ہو جا دیں گے (یہ نہیں کہ نکالنے کے بعد آزادی سے چھوڑ دیئے جا دیں کہ جہاں چاہیں چلے جا دیں بلکہ ہمیشہ کی ذلت ان کے لئے لازمی ہو جاوے گی)۔

## معارف و مسائل

قَالَ تِلْكَ آيَاتُ الْمَكْرُوهِ اَلَيْسَ اِنَّ كِتَابَ كَرِيْمٍ، کریم کے لفظی معنی معزز و مکرم کے ہیں اور محاورہ میں کسی خدا کو معزز و مکرم کہا جاتا ہے جبکہ اُس پر ہر لگائی گئی ہو۔ اسی لئے اس آیت میں کتابِ کریم کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ، قتادہؓ، زہیرؓ وغیرہ نے کتابِ مختوم سے کی ہے جس



سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط پر اپنی مہر ثبت فرمائی تھی۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ملوکِ عجم کی یہ عادت معلوم ہوئی کہ جس خط پر مہر نہ ہو اس کو نہیں پڑھتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بادشاہوں کے خطوط کے لئے مہر بنوایں اور قیصر و کسری وغیرہ کو جو خطوط تحریر فرمائے ان پر مہر ثبت فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ خط پر مہر لگانا مکتوب الیہ کا بھی اکرام ہے اور اپنے خط کا بھی۔ آجکل عادت خط کو لفافہ میں بند کر کے بھیجنے کی ہو گئی ہے یہ بھی مہر کے قائم مقام ہے۔ جس جگہ مکتوب الیہ کا اکرام منظور ہو، کھلا خط بھیجنے کے بجائے لفافہ میں بند کر کے بھیجنا اقرب الی السنۃ ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط کس زبان میں تھا؟ حضرت سلیمان علیہ السلام کو عربی نہ تھے لیکن عربی زبان جانتا اور سمجھتا آپ سے کوئی بعید بھی نہیں۔ جبکہ آپ پرندوں تک کی زبان جانتے تھے اور عربی زبان تو تمام زبانوں کے افضل و اشرف ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط عربی زبان میں لکھا ہو کیونکہ مکتوب الیہ (بلقیس) عربی النسل تھی اس نے خط کو پڑھا بھی اور سمجھا بھی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط اپنی ہی زبان میں تحریر فرمایا ہو اور بلقیس کے پاس حضرت سلیمان علیہ السلام کی زبان کا ترجمان ہو جس نے پڑھ کر خط سنایا اور سمجھایا ہو۔ (مرحوم)

خط نویسی کے چند آداب | **اِنَّ مِنْ سُلَيْمٰنٍ وَّ اِنَّ مِنْ رَّسُوْلٍ اَللّٰهُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ**، قرآن کریم نے انبیائی زندگی کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا جس پر ہدایات نہ دی ہوں۔ خط و کتابت اور مراسلت کے ذریعہ باہمی گفت و شنید بھی انسان کی اہم ضروریات میں داخل ہے۔ اس سورت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا مکتوب بنام ملکہ سبا (بلقیس) پورا کا پورا نقل فرمایا گیا۔ یہ ایک پیغمبر و رسول کا خط ہے اور قرآن کریم نے اس کو بطور امتحان کے نقل کیا ہے اس لئے اس خط میں جو ہدایات خط و کتابت کے معاملے میں پائی جاتی ہیں وہ مسلمانوں کے لئے بھی قابل اتباع ہیں۔

کاتب اپنا نام پہلے | سب سے پہلی ایک ہدایت تو اس خط میں یہ ہے کہ خط کو حضرت سلیمان علیہ السلام لکھے پھر مکتوب الیہ کا | نے اپنے نام سے شروع کیا، مکتوب الیہ کا نام کس طرح لکھا قرآن کریم کے الفاظ میں وہ مذکور نہیں۔ مگر اتنی بات اس سے معلوم ہوئی کہ خط لکھنے والے کے لئے سنتِ انبیاء یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنا نام لکھے جس میں بہت سے فوائد ہیں مثلاً خط پڑھنے سے پہلے ہی مکتوب الیہ کے علم میں آجائے کہ میں کس کا خط پڑھ رہا ہوں تاکہ وہ اسی ماحول میں خط کے مضمون کو پڑھے اور غور کرے مخاطب کو یہ تکلیف نہ اٹھانی پڑے کہ کاتب کا نام خط میں تلاش کرے کہ کس کا خط ہے کہاں سے آیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے مکاتیب منقول اور شائع شدہ عالم میں موجود ہیں ان سب میں بھی آپ نے یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے کہ (من محمد عبد اللہ و رسولہ) سے شروع فرمایا گیا ہے۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جب کوئی بڑا آدمی اپنے چھوٹے کو خط لکھے اس میں تو اپنے



نام کی تقدیم پر کوئی اشکال نہیں، لیکن کوئی چھوٹا اپنے باپ، استاد، شیخ یا اور کسی بڑے کو خط لکھے اُنہیں اپنے نام کو مقدم کرنا کیا اسکے ادب کے خلاف نہ ہوگا اور اس کو ایسا کرنا چاہیے یا نہیں؟ اس معاملے میں حضرات صحابہ کرام کا عمل مختلف رہا ہے اکثر حضرات نے تو اتباعِ سنتِ نبوی کو ادب پر مقدم رکھ کر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خطوط لکھے اُن میں بھی اپنے نام کو مقدم لکھا ہے۔ (روح المعانی میں بحر محیط کے حوالہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

ماکان احدا عظم حرمۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان اصحابہ اذا كتبوا الیہ کتابا بدأوا بانفسہم قلت و کتابت لہ الحضری، یشہد لہ علی ما روی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تو کوئی انسان قابلِ تعظیم نہیں، مگر صحابہ کرام جب آپ کو بھی خط لکھتے تو اپنا نام ہی شروع میں لکھا کرتے تھے اور حضرت علای حضرت کا خط جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام معروف ہے وہ اس پر شاہد ہے۔

البتہ روح المعانی میں مذکورہ روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ سب کلام افضلیت میں ہے جواز میں نہیں۔ اگر کوئی شخص اپنا نام شروع کے بجائے اخیر میں لکھ دے تو یہ بھی جائز ہے۔ فقیر ابواللیث کی بستان میں ہے کہ اگر کوئی شخص مکتوب الیہ کے نام سے شروع کرے تو اسکے جواز میں کسی کو کلام نہیں کیونکہ اُمت میں یہ طریقہ بھی چلا آرہا ہے اس پر نکیر نہیں کی گئی (روح المعانی و قرطبی)

خط کا جواب دینا بھی سنتِ انبیاء ہے | تفسیر قرطبی میں ہے کہ جس شخص کے پاس کسی کا خط آئے اُس کے لئے مناسب ہے کہ اُس کا جواب دے کیونکہ غائب کا خط حاضر کے سلام کے قائم مقام ہے! اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں ہے کہ وہ خط کے جواب کو جواب سلام کی طرح واجب قرار دیتے تھے (قرطبی) خطوط میں بسم اللہ لکھنا | حضرت سلیمان علیہ السلام کے مذکورہ خط سے نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مکاتیب سے ایک مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ خط کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا سنتِ انبیاء ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ بسم اللہ کو اپنے نام سے پہلے لکھے یا بعد میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب اس پر شاہد ہیں کہ بسم اللہ کو سب سے مقدم، اسکے بعد کاتب کا نام، پھر مکتوب الیہ کا نام لکھا جائے۔ اور قرآن کریم میں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام پہلے اور بسم اللہ بعد میں مذکور ہے اسکے ظاہر سے جواز اسکا بھی معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ اپنے نام کے بعد لکھی جائے۔ لیکن ابن ابی حاتم نے یزید بن رومان سے نقل کیا کہ کہ دراصل حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے خط میں اس طرح لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من سلیمان بن داؤد الی بلقیس ابنتہ ذی شہر وقومہا۔ ان لا تغلوا الی بلقیس نے جب یہ خط اپنی قوم کو سنایا تو اُنہوں نے قوم کی آگاہی کے لئے سلیمان علیہ السلام کا نام پہلے ذکر کر دیا، قرآن کریم میں جو کچھ آیا ہے وہ بلقیس کا قول ہے قرآن کریم میں اس کی تصریح نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصل خط میں بسم اللہ مقدم تھی یا سلیمان علیہ السلام کا نام۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ



سلیمان علیہ السلام کا نام نفاذ کے اوپر لکھا ہوا اور اندر بسم اللہ سے شروع ہوا، بلقیس نے جب اپنی قوم کو خط سنایا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام پہلے ذکر کر دیا۔

مسئلہ: خط نویسی کی اصل سنت تو یہی ہے کہ ہر خط کے شروع میں بسم اللہ لکھی جائے، لیکن قرآن و سنت کے نصوص و اشارات سے حضرات فقہاء نے یہ کلیہ قاعدہ لکھا ہے کہ جس جگہ بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھا جائے اگر اُس جگہ اُس کا غز کے بے ادبی سے محفوظ رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں بلکہ وہ پڑھ کر ڈال دیا جاتا ہے تو ایسے خطوط اور ایسی چیزیں بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھنا جائز نہیں کہ وہ اس طرح اس بے ادبی کے گناہ کا شریک ہو جائے گا۔ آجکل جو عموماً ایک دوسرے کو خطوط لکھے جاتے ہیں انکا حال سب جانتے ہیں کہ نالیوں اور گندگیوں میں پڑے نظر آتے ہیں، اس لئے مناسب یہ ہے کہ ادائے سنت کے لئے زبان سے بسم اللہ کہہ لئے تحریر میں نہ لکھے۔

ایسی تحریر جس میں کوئی آیت قرآنی لکھی ہو، کیا یہ خط حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو اس وقت بھیجا، کسی کافر مشرک کے ہاتھ میں دینا جائز ہے جبکہ وہ مسلمان نہیں تھیں حالانکہ اس خط میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا ہوا تھا جس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطوط ملوک عجم کو لکھے ہیں اور وہ مشرک تھے، اُن میں بھی بعض آیات قرآن لکھی ہیں۔ وجہ دراصل یہ ہے کہ قرآن کریم کا کسی کافر کے ہاتھ میں دینا تو جائز نہیں لیکن ایسی کوئی کتاب یا کاغذ جس میں کسی مضمون کے ضمن میں کوئی آیت آگئی ہے وہ عرف میں قرآن نہیں کہلاتا اس لئے اسکا حکم بھی قرآن کا حکم نہیں ہوگا وہ کسی کافر کے ہاتھ میں بھی دے سکتے ہیں اور بے وضو کے ہاتھ میں بھی (عالمگیری کتاب الخط والاباحۃ)

خط مختصر، جاس، بلیغ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس والا نامہ کو دیکھئے تو چند سطروں میں مؤثر انداز میں لکھنا چاہئے تمام اہم اور ضروری مضامین بھی جمع کر دیئے اور بلاغت کا اعلیٰ معیار بھی قائم ہے۔ کافر کے مقابلے میں اپنی شاہانہ شوکت کا اظہار بھی ہے۔ اس کے ساتھ حق تعالیٰ کی صفات کمال کا بیان اور اسلام کی طرف دعوت بھی، اور ترقی و تکبر کی مذمت بھی۔ درحقیقت یہ خط بھی اعجاز قرآنی کا ایک نمونہ ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ خط نویسی میں تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت بھی وہی ہے کہ تحریر میں طول نہ ہو، مگر ضروری کوئی مضمون چھوٹے بھی نہیں۔ (روح المعانی)

اہم امور میں مشورہ کرنا سنت ہے اس میں **قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ افْتَوْنِي فِي أَمْرٍ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً** دوسروں کی رائے سے فائدہ بھی حاصل **أَفْرَأَ حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ**، افتونی، فتویٰ سے مشتق ہے جس کے ہوتلہی اور لوگوں کی دلجوئی بھی ہوتی ہے معنی ہیں کسی خاص مسئلہ کا جواب دینا۔ یہاں مشورہ دینا اور اپنی رائے کا اظہار کرنا مراد ہے۔ ملکہ بلقیس کو جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط پہنچا تو اس نے اپنے ارکان حکومت کو جمع کر کے اس واقعہ کا اظہار کیا اور اُن سے مشورہ طلب کیا کہ مجھے کیا کرنا



چاہیے۔ اس نے ان کی رائے دریافت کرنے سے پہلے ان کی دلجوئی اور ہمت افزائی کے لئے یہ بھی کہا کہ میں کسی معاملہ کا فیصلہ تمہارے بغیر نہیں کرتی، اسی کا نتیجہ تھا کہ فوج اور وزراء نے اسے جواب میں اپنی مستعدی کے ساتھ تعمیل حکم کے لئے ہر قسم کی قربانی پیش کر دی (نَحْنُ أَدْنَا قُوَّةً وَأَدْنَا بَأْسَ شَدِيدٍ) حضرت قتادہ نے فرمایا کہ ہم سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ بلقیس کی مجلس شوریٰ کے ارکان تین سو تیرہ تھے اور انہیں سے ہر ایک آدمی دس ہزار آدمیوں کا امیر اور نمائندہ تھا۔ (قطبی)

اس سے معلوم ہوا کہ اہم امور میں مشورہ لینے کا دستور پڑنا ہے۔ اسلام نے مشورہ کو خاص اہمیت دی اور عمال حکومت کو مشورہ کا پابند کیا۔ یہاں تک کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو وحی الہی کے مورد تھے۔ اور آسمانی ہدایات آپ کو ملتی تھیں اس کی وجہ سے آپ کو کسی رائے مشورہ کی درحقیقت ضرورت نہ تھی، مگر اُمت کے لئے سنت قائم کرنے کے واسطے آپ کو بھی حکم دیا گیا (وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ) یعنی آپ اہم امور میں صحابہ کرام سے مشورہ لیا کریں۔ انہیں صحابہ کرام کی دلجوئی اور عزت افزائی بھی ہے اور آئندہ آنے والے عمال حکومت کو اسکی تاکید بھی کہ مشورہ سے کام لیا کریں۔

مکتوب سلیمانی کے جواب میں | ارباب حکومت کو مشورہ میں شریک کر کے ان کا تعاون حاصل کر لینے کے بعد ملکہ بلقیس کا رد عمل | ملکہ بلقیس نے خود ہی ایک رائے قائم کی جسکا حاصل یہ تھا کہ وہ حضرت سلیمان کا امتحان لے اور تحقیق کرے کہ وہ واقعی اللہ کے رسول اور نبی ہیں اور جو کچھ حکم دے رہے ہیں وہ اللہ کے احکام کی تعمیل ہے یا وہ ایک ملک گیری کے خواہشمند بادشاہ ہیں، اس امتحان سے اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر واقعی وہ نبی و رسول ہیں تو ان کے حکم کا اتباع کیا جائے اور مخالفت کی کوئی صورت اختیار نہ کی جائے اور اگر بادشاہ ہیں اور ملک گیری کی ہوس میں ہمیں اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں تو پھر غور کیا جائیگا کہ ان کا مقابلہ کس طرح کیا جائے۔ اس امتحان کا طریقہ اُس نے یہ تجویز کیا کہ سلیمان علیہ السلام کے پاس کچھ پیسے تحفے بھیجے اگر وہ ہدیے تحفے لیکر راضی ہو گئے تو علامت اس کی ہوگی کہ وہ ایک بادشاہ ہی ہیں، اور اگر وہ واقع میں نبی و رسول ہیں تو وہ اسلام و ایمان کے بغیر کسی چیز پر راضی نہ ہوں گے، یہ مضمون ابن جریر نے متعدد اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؓ، ابن جریجؓ، ابن دہبؓ نقل کیا ہے اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔

وَأَتَتْهُمُ الْمَلِكَةُ سُلَيْمَانَ فَظَنَّتْ أَنَّهَا كَرِيمٌ مِّنَ الْمُرْسَلِينَ، یعنی میں حضرت سلیمان اور ان کے ارکان دولت کے پاس ایک ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ جو قاصد یہ ہدیہ لیکر جائیں گے وہ واپس آکر کیا صورت حال بیان کرتے ہیں۔

بلقیس کے قاصدوں کی | تاریخی اسرائیلی روایات میں بلقیس کی طرف سے آنیوالے قاصدوں اور تحفوں دربار سلیمانی میں حاضری | کی بڑی تفصیلات مذکور ہیں۔ اتنی بات پر سب روایات متفق ہیں کہ تحفہ میں



کچھ سونے کی اینٹیں تھیں کچھ جواہرات اور ایک سو غلام اور ایک سو کنیزیں تھیں مگر کنیزوں کو مردانہ لباس میں اور غلاموں کو زنانہ لباس میں بھیجا تھا اور ساتھ ہی بلقیس کا ایک خط بھی تھا جس میں سلیمان کے امتحان کے لئے کچھ سوالات بھی تھے، تحفوں کے انتخاب میں بھی ان کا امتحان مطلوب تھا۔ حضرت سلیمانؑ کو حق تعالیٰ نے اس کے تحفوں کی تفصیلات اُن کے پہنچنے سے پہلے بتلا دی تھیں۔ سلیمان علیہ السلام نے جتنا کو حکم دیا کہ دربار سے نو فرسخ تقریباً تیس میل کی مسافت میں سونے چاندی کی اینٹوں کا فرش کر دیا جائے اور راستہ میں دو طرفہ عجیب الخلق جانوروں کو کھڑا کر دیا جائے جن کا بول و براز بھی سونے چاندی کے فرش پر ہو۔ اسی طرح اپنے دربار کو خاص اہتمام سے مزین فرمایا، دائیں بائیں چار چار ہزار سونے کی کرسیاں ایک طرف علماء کے لئے، دوسری طرف وزراء اور عمال سلطنت کے لئے بچھائی گئیں۔ جواہرات سے پورا ہال مزین کیا گیا۔ بلقیس کے قاصدوں نے جب سونے کی اینٹوں پر جانوروں کو کھڑا دیکھا تو اپنے تحفہ سے شرمائے۔ بعض روایات میں ہے کہ اپنی سونے کی اینٹیں وہیں ڈال دیں، پھر جوں جوں آگے بڑھتے گئے دو طرفہ وحوش طیور کی صفیں دیکھیں، پھر جنات کی صفیں دیکھیں تو حیرت و عجب ہو گئے مگر جب بار تک پہنچے اور حضرت سلیمانؑ کے سامنے حاضر ہوئے تو آپ خندہ پیشانی سے پیش آئے، اُن کی مہمانی کا اکرام کیا مگر اُن کے تحفے واپس کر دیئے اور بلقیس کے سب سوالات کے جوابات دیئے (مختصراً از تفسیر قرطبی)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہدیہ بلقیس کی واپسی

قَالَ اَتُوبُ وَتَنْبِئَانِ فَمَا اَتَيْنَ اللّٰهُ خَيْرًا مِّمَّا اَشْكُرُ ۚ بَلْ اَنْتُمْ زَعٰمٌۭ يَّكْفُرُوْنَ ۙ

یعنی جب بلقیس کے قاصد اس کے ہمایا اور تحفے لیکر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انھوں نے قاصدوں سے فرمایا کہ کیا تم مال میری مدد کرنا چاہتے ہو۔ مجھے اللہ نے جو مال و دولت دیا ہے وہ تمہارے مال و سامان سے کہیں زیادہ بہتر ہے اس لئے میں یہ مال کا ہدیہ قبول نہیں کرتا اس کو واپس لیجاؤ اور اپنے ہدیہ پر تم ہی خوش رہو۔

کسی کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں یا بہتر نہیں۔ اور تحقیق اس مسئلے میں یہ ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنے میں اگر اپنی یا مسلمانوں کی کسی مصلحت میں خلل آتا ہو یا ان کے حق میں رائلے کی کمزوری پیدا ہوتی ہو تو ان کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں۔ (شرح المفاتیح) ہاں اگر کوئی دینی مصلحت اس ہدیہ کے قبول کرنے کی داعی ہو، مثلاً اسکے ذریعہ کافر کے مانوس ہو کر اسلام سے قریب آنے پھر مسلمان ہو کی امید ہو یا اسکے کسی شر و فساد کو اس کے ذریعہ دفع کیا جاسکتا ہو تو قبول کرنے کی گنجائش ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس معاملے میں یہی رہی ہے کہ بعض کفار کا ہدیہ قبول فرمایا، بعض کا رد کر دیا۔ عمدۃ القاری شرح بخاری کتاب الہبتہ میں اور شرح سیر کبیر میں حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ براء کا بھائی عامر بن ملک مدینہ طیبہ میں کسی ضرورت سے پہنچا



جبکہ وہ مشرک کا فر تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو گھوڑے اور دو جوڑے کپڑے کا ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے اسکا ہدیہ یہ فرما کر واپس کر دیا کہ ہم مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتے۔ اور عیاض بن حمار مجاشعی نے آپ کی خدمت میں ایک ہدیہ پیش کیا تو آپ نے اُس سے سوال کیا کہ تم مسلمان ہو اُس نے کہا کہ نہیں آپ نے ان کا ہدیہ بھی یہ کہہ کر رد فرما دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے عطایا لینے سے منع فرمایا ہے اس کے بالمقابل یہ روایات بھی موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مشرکین کے ہدایا قبول فرمائے۔ ایک روایت میں ہے کہ ابو سفیان نے بحالت مشرک آپ کو ایک چمڑا ہدیہ میں بھیجا آپ نے قبول فرمایا اور ایک نصرانی نے ایک شیشی صریح کا بہت چمکتا ہوا کپڑا ہدیہ میں پیش کیا، آپ نے قبول فرمایا۔

شمس الاممہؒ اس کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض کا ہدیہ رد کر دینے میں اُسکے اسلام کی طرف مائل ہونے کی اُمید تھی وہاں رد کر دیا اور بعض کا ہدیہ قبول کرنے میں اسکے مسلمان ہو جانے کی اُمید تھی تو قبول کر لیا۔ (ازعمۃ القاری کتاب البیہ)

اور بلقیس نے جو رد ہدیہ کو نبی ہونے کی علامت قرار دیا اسکا سبب یہ نہ تھا کہ نبی کے لئے ہدیہ قبول کرنا مشرک کا جائز نہیں بلکہ سبب یہ تھا کہ اُس نے اپنا ہدیہ درحقیقت ایک رشوت کی حیثیت سے بھیجا تھا کہ اس کے ذریعہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حملے سے محفوظ رہے۔

قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِيْهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاتُوْنِيْ مُّسْلِمِيْنَ ۝۳۸

بولا اے دربار والو تم میں کوئی ہے کہ لے آئے میرے پاس اسکا تخت پہلے اس سے کہ وہ آئیں میرے پاس حکم دار ہو کر

قَالَ عِفْرِیْتُۢمِّنْ اِلْحٰنٍ اَنَا اَتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْدُمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۝۳۹

بولا ایک دلو جنوں میں سے میں لائے دیتا ہوں وہ تجھ کو پہلے اس سے کہ تو اُسٹے اپنی جگہ سے

وَ اِنِّیْ عَلَیْہٖ لَقَوٰی اٰمِیْنٌ ۝۴۰ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنْ الْکِتٰبِ

اور میں اس پر زور آور ہوں مستبر بولا وہ شخص جس کے پاس تھا ایک علم کتاب کا

اَنَا اَتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّزِدَنَّ اِلَیْكَ حُرُفًاۤ اَوْ یَّخُفُّ رَآہُ مُّسْتَقِرًّا ۝۴۱

میں لائے دیتا ہوں تیرے پاس اسکو پہلے اس سے کہ پھر آئے تیری طرف تیری آنکھ، پھر جب دیکھا اسکو دھرا ہوا

عِنْدَہٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْۤ اَلَّا یَبْلُوْنِیْۤ اَشْکُرُ اَمْ اَکْفُرُ ۝۴۲

اپنے پاس کہا یہ میرے رب کا فضل ہے میرے جانچنے کو کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو

شُکْرًا فَاِنَّمَا یُشْکَرُ لِنَفْسِہٖۤ اَوْ مَنْ کَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْۤ اَعْنٰیۤ ۝۴۳ قَالَ

کوئی شکر کرے سو شکر کرے اپنے واسطے اور جو کوئی ناشکری کرے سو میرا رب بے پرواہی کرے والا کہا

نِکْرًاۤ اَلْہَا عَرْشُہَا نَنْظُرُۤ اَتَهْتَدِیْۤ اَمْ تَکُوْنُ مِنَ الَّذِیْنَ لَا یُکْتَدُوْنَ ۝۴۴

روپ بدل دکھلاؤ اس عورت کے آگے اس کے تخت کا ہم دیکھیں سمجھ پاتی ہے یا ان لوگوں میں ہوتی ہیں جن کو سمجھ نہیں



## خلاصہ تفسیر

(غرض وہ قاصد اپنے ہدایا کے کردار پس گیا اور سارا قہر بلیقیں سے بیان کیا تو حالات سے اسکو حضرت سلیمان علیہ السلام کے علم اور نبوت کے کمالات کا یقین ہو گیا اور حاضر ہونے کے ارادہ سے اپنے ملک چلی) سلیمان (علیہ السلام کو وحی سے یا اور کسی پرندے وغیرہ کے ذریعہ اسکا چلنا معلوم ہوا تو انھوں نے اپنے دربار والوں سے) فرمایا کہ اے دربار والو تم میں کوئی ایسا ہے جو اس (بلیقیں) کا تخت پہلے اس کے کہ وہ لوگ میرے پاس مطلع ہو کر آویں حاضر کر دے (مسلمین کی قیدانظہار واقعہ کے لئے ہے کیونکہ وہ لوگ اسی قصد سے آ رہے تھے تخت کا منگنا غالباً اس غرض سے ہے کہ وہ لوگ میرا معجزہ بھی دیکھ لیں کیونکہ اتنا بڑا تخت اور پھر اسکا ایسے سخت پہروں میں اس طور پر چانک آجانا کہ اطلاع تک نہ ہو عادت بشریہ سے باہر ہے اگر جنوں کی تسخیر یعنی تابع ہونے سے ہو تب بھی جنوں کا خود بخود تابع ہو جانا بھی ایک معجزہ ہی ہے اور اگر کسی دلی اُمت کی کرامت کے ذریعہ ہے تو دلی کی کرامت بھی نبی کا معجزہ ہوتا ہے اور اگر بغیر کسی واسطہ کے ہے تو پھر معجزہ ہونا ظاہر ہے۔ بہر حال ہر طور پر یہ معجزہ اور نبوت کی دلیل ہے لہذا مقصود یہ ہو گا کہ اندرونی کمالات کیساتھ ساتھ یہ معجزہ کے کمالات بھی دیکھ لیں تاکہ ایمان و اطمینان زیادہ ہو) ایک قوی سیکل جن نے جواب (میں) عرض کیا کہ میں اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا پہلے اس کے کہ آپ اپنے اجلاس سے اٹھیں اور (گودہ بہت بھاری ہے مگر) میں اس (کے لانے) پر طاقت رکھتا ہوں (اور گودہ بڑا قیمتی اور موتیوں سے مزین ہے مگر میں) امانت دار (بھی) ہوں (اس میں کوئی خیانت نہ کر دوں گا) جسکے پاس کتاب (الہی یعنی تورات کا یا اور وحی کی ہو) کسی کتاب کا جس میں اللہ کے ناموں کی تاثیرات ہوں اس کا علم تھا (اقرب یہ ہے کہ اس سے خود سلیمان علیہ السلام مراد ہیں غرض) اس (علم والے) نے (اس جن سے) کہا کہ (بس تجھ میں قوت ہی قوت ہے اور) میں اس کو تیرے سامنے تیری آنکھ جھکنے سے پہلے لاکھڑا کر سکتا ہوں (کیونکہ معجزہ کی طاقت سے لادوں گا چنانچہ آپ نے حق تعالیٰ سے دعا کی دیے ہی یا کسی اسم الہی کے ذریعہ سے اور تخت فوراً سامنے آ موجود ہوا) جب سلیمان (علیہ السلام) نے اس کو اپنے روبرو رکھا دیکھا تو (خوش ہو کر شکر کے طور پر) کہنے لگے کہ یہ بھی میرے پروردگار کا ایک فضل ہے (کہ میرے ہاتھ سے یہ معجزہ ظاہر کیا) تاکہ وہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر کرتا ہوں یا (خدا انخواستہ) ناشکری کرتا ہوں اور ظاہر ہے کہ جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کے لئے شکر کرتا ہے (اللہ تعالیٰ کا کوئی نفع نہیں) اور (اسی طرح) جو ناشکری کرتا ہے (وہ بھی اپنا ہی نقصان کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ) میرا رب غنی ہے کریم ہے (اس کے بعد) سلیمان (علیہ السلام) نے (بلیقیں کی عقل آزمانے کے لئے) حکم دیا کہ اس (کی عقل آزمانے) کے



لئے اسکے تحت کی صورت بدل دو (جس کے بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں مثلاً موتیوں کی جگہیں بدل دو یا کسی اور طرح) ہم دیکھیں اس کو اسکا پتہ لگتا ہے یا اسکا انہیں میں شمار ہے جن کو (ایسی باتوں کا) پتہ نہیں لگتا (پہلی صورت میں معلوم ہو گا کہ وہ عقلمند ہے اور عقلمند سے حق بات سمجھنے کی زیادہ امید اور اسکے حق کو پہچاننے کا اثر دور تک بھی پہنچے گا اور دوسری صورتیں اس حق پہچاننے کی امید کم ہے)۔

## معارف و مسائل

بلقیس کی حاضری دربار سلیمانی میں | قرطبی نے تاریخی روایات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بلقیس کے قاصد خود بھی مرعوب و مبہوت ہو کر واپس ہوئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا اعلان جنگ سنا دیا تو بلقیس نے اپنی قوم سے کہا کہ پہلے بھی میرا یہی خیال تھا کہ سلیمان دنیا کے بادشاہوں کی طرح بادشاہ نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے کوئی خاص منصب بھی ان کو ملا ہے اور اللہ کے نبی و رسول سے لڑنا اللہ کا مقابلہ ہے، جس کی ہم میں طاقت نہیں۔ یہ کہہ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کی تیاری شروع کر دی۔ بارہ ہزار سرداروں کو اپنے ساتھ لیا جن کے تحت ایک ایک لاکھ افواج تھیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے ایسا رعب و جلال عطا فرمایا تھا کہ اُن کی مجلس میں کوئی ابتدا و گفتگو کی ہرأت نہ کر سکتا تھا۔ ایک روز حضرت سلیمان علیہ السلام نے دُور سے غبار اٹھتا ہوا دیکھا تو حاضرین سے سوال کیا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: اے نبی اللہ! ملکہ بلقیس اپنے ساتھیوں کے ساتھ آرہی ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اس وقت وہ دربار سلیمانی سے ایک فرسخ یعنی تقریباً تین میل کے فاصلے پر تھیں۔ اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے جنود و عساکر کو مخاطب کر کے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الْمَلَكُ أَيْتُكَ يَا نَبِيُّ بَعَثَ شَهَابٌ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَ نَوْرِي مُسْلِمِينَ، حضرت سلیمان علیہ السلام کو چونکہ یہ اطلاع مل گئی تھی کہ بلقیس ان کی دعوت سے متاثر ہونے کی بنا پر مطیع بن کر آرہی ہے۔ تو ارادہ فرمایا کہ وہ شاہانہ قوت و شوکت کے ساتھ ایک پیغمبرانہ معجزہ بھی دیکھ لے تو اُس کے ایمان لانے کے لئے زیادہ معین ہو گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے تسخیر جنات کا عام معجزہ عطا فرمایا ہوا تھا شاید حق تعالیٰ کی طرف سے اشارہ پا کر انھوں نے یہ ارادہ فرمایا کہ کسی طرح بلقیس کا تخت شاہی اُسکے یہاں پہنچنے سے پہلے حاضر ہو جائے۔ اسلئے حاضرین کو جن میں جنات بھی تھے خطابہ فرما کر یہ تخت لانے کیلئے فرمادیا اور اسکے تمام اموال و دولت میں تخت شاہی کا انتخاب بھی شاید اسلئے کیا گیا کہ وہ اسکی سب سے زیادہ محفوظ چیز تھی جس کو سات محلات شاہی کے وسط میں ایک محفوظ محل کے اندر مقفل کر کے رکھا تھا کہ اسکے اپنے آدمیوں کا بھی وہاں تک گزر نہ تھا۔ اُس کا بغیر دروازہ یا قفل توڑے ہوئے منتقل ہو جانا اور اتنی مسافت بعیدہ پر پہنچ جانا حق تعالیٰ



شانہ کی ہی قدرت کاملہ سے ہو سکتا ہے یہ اس کو حق تعالیٰ شانہ کی قدرت عظیمہ پر یقین کا سب سے بڑا ذریعہ ہو سکتا تھا اس کیساتھ اس پر بھی یقین لازم تھا کہ سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے کوئی خاص منصب حاصل ہو کہ انکے ہاتھ پر ایسی فوق العادت چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں (ذکرہ واختارہ ابن جریر)

قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَنِي مَسِيحِيْنٌ، مَسِيحِيْنٌ، مَسِيْحٌ کی جمع ہے جس کے لغوی معنی مطیع و فرمانبردار کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں مؤمن کو مسلم کہا جاتا ہے یہاں بقول ابن عباسؓ اسکے لغوی معنی مراد ہیں، یعنی مطیع و فرمانبردار کیونکہ بلکہ یقین کا اسلام لانا اس وقت ثابت نہیں بلکہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہونے اور کچھ گفتگو کر سیکے بعد مسلمان ہوئی ہے جیسا کہ خود قرآن کریم کے آیات الہیہ سے ثابت ہوتا ہے۔

قَالَ الَّذِي عِنْدَكَ عِلْمٌ مِّمَّا يَكْتُبُ، یعنی کہا اس شخص نے جس کے پاس علم تھا کتاب میں سے یہ کون شخص تھا؟ اسکے متعلق ایک احتمال تو وہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں لکھا گیا ہے کہ خود حضرت سلیمان علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ کتاب اللہ کا سب سے زیادہ علم انھیں کو حاصل تھا۔ اس صورت میں یہ سارا معاملہ بطور معجزہ کے ہوا اور یہی مقصود تھا کہ یقین کو پیغمبرانہ اعجاز کا مشاہدہ ہو جائے اور کوئی اشکال اس معاملے میں نہ رہے۔ مگر اکثر ائمہ تفسیر قتادہ وغیرہ سے ابن جریر نے نقل کیا ہے اور قرطبی نے اسی کو چہرہ کا قول قرار دیا ہے کہ یہ کوئی شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھا۔ ابن اسحاق نے اسکا نام آصف بن برخیا بتلایا ہے اور یہ کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دوست تھا۔ اور بعض روایات کے اعتبار سے اُن کا خالہ زاد بھائی بھی تھا جس کو اسم اعظم کا علم تھا جسکا خاصہ یہ ہے کہ اسکے ساتھ اللہ تعالیٰ سے جو بھی دعا کی جائے قبول ہوتی ہے اور جو کچھ مانگا جائے اللہ کی طرف سے عطا کر دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اسم اعظم کا علم نہیں تھا کیونکہ یہ کچھ بعید نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مصلحت اسیں دیکھی ہو کہ یہ عظیم کارنامہ ان کی امت کے کسی آدمی کے ذریعہ ظاہر ہو جس سے یقین پر اور زیادہ اثر پڑے اسلئے بجائے خود یہ عمل کرنے کے اپنے اصحاب کو خطاب فرمایا اَيُّكُمْ يَتْلُو رِكَدَانِي (فصول الحکم) اس صورت میں یہ واقعہ آصف بن برخیا کی کرامت ہوگی۔

معجزہ اور کرامت میں فرق | حقیقت یہ ہے کہ جس طرح معجزہ میں اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ براہ راست حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا ہُوَ وَمَا رَفَعْتِ اِذْ رَفَعْتِیْ لَکِنَّ اللّٰہَ رَفَعَنِیْ، اسی طرح کرامت میں بھی اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا براہ راست حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی کام ہو جاتا ہے۔ اور معجزہ اور کرامت دونوں خود صاحب معجزہ و کرامت کے اختیار میں بھی نہیں ہوتے۔ ان دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ ایسا کوئی خارق عادت کام اگر کسی صاحب حی نبی کے ہاتھ پر ہو تو معجزہ کہلاتا ہے غیر نبی کے ذریعہ اسکا ظہور ہو تو کرامت کہلاتی ہے اس واقعہ میں اگر یہ روایت صحیح ہے کہ یہ عمل حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب میں سے آصف



بن برخیا کے ذریعہ ہوا تو یہ اُن کی کرامت کہلائے گی اور ہر دلی کے کمالات چونکہ اُنکے رسول پیغمبر کے کمالات کا عکس اور انہی سے مستفاد ہوتے ہیں اسلئے اُمت کے اولیاء اللہ کے ہاتھوں جتنی کرامتوں کا ظہور ہوتا رہتا ہے یہ سب رسول کے معجزات میں شمار ہوتے ہیں۔

تحت بلفیس کا واقعہ کرامت تھی یا تصرف | شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے اسکو آصف بن برخیا کا تصرف قرار دیا ہے۔ تصرف اصطلاح میں خیال و نظر کی طاقت استعمال کر کے حیرت انگیز کام صادر کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کے لئے نبی یا دلی بلکہ مسلمان ہونا بھی شرط نہیں، وہ سمرزم جیسا ایک عمل ہے۔ صوفیائے کرام نے اصطلاح مریدین کے لئے کبھی کبھی اس کو استعمال کیا ہے۔ ابن عربی نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام چونکہ تصرف کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اسلئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ کام آصف بن برخیا سے لیا۔ مگر قرآن کریم نے اس تصرف کو عَلَمُ الْكِتَاب کا نتیجہ بتلایا ہے اس سے ترجیح اسکو ہی ہوتی ہے کہ یہ کسی دُعا یا اسمِ عظیم کا اثر تھا جسکا تصرف کوئی واسطہ نہیں، وہ کرامت ہی کے مفہوم میں داخل ہے۔

یہاں یہ شبہ کہ ان کا یہ کہنا کہ اَنَا اَرْثِيكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَكُوْنَنَّ اِلَيْكَ طَرْدُكَ، یعنی میں یہ تحت آنکھ جھپکنے سے پہلے لا دوں گا۔ یہ علامت اس کی ہے کہ یہ کام اُن کے قصد و اختیار سے ہوا جو علامت تصرف کی ہے کیونکہ کرامت دلی کے اختیار میں نہیں ہوتی تو اسکا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ اطلاع کر دی ہو کہ تم ارادہ کرو گے تو ہم یہ کام اتنی جلدی کر دیں گے۔ یہ تقریر حضرت سیدی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی ہے جو احکام القرآن میں سورہ نمل کی تفسیر لکھنے کے وقت حضرت نے ارشاد فرمایا تھی۔ اور تصرف کی حقیقت اور اُسکے احکام پر حضرت کا ایک مستقل رسالہ بنام التصرف عربی زبان میں تھا جسکا اردو ترجمہ احقر نے لکھا تھا وہ مجد اکا نہ شائع ہو چکا ہے۔

فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَكَذَا عَرْشُكَ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ وَأُوتِينَا

پھر جب وہ آ پہنچی کسی نے کہا کیا ایسا ہی ہے تیرا تخت بولی گویا یہ وہی ہے اور ہم کو معلوم

الْعِلْمُ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ﴿۳۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ

ہو چکا پہلے سے اور ہم ہو چکے حکم بردار اور روک دیا اس کو ان چیزوں سے جو

مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿۳۳﴾ قِيلَ لَهَا

پہنچتی تھی اللہ کے سوائے البتہ وہ تھی منکر لوگوں میں کسی نے کہا اس

ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقِهَا

عورت کو اندر چل محل میں پھر جب دیکھا اس کو خیال کیا کہ وہ پانی ہے گہرا اور کھولیں اپنی پنڈلیاں

قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيرَ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ

کہا یہ تو ایک محل ہے جڑے ہوئے ہیں اس میں شیشے بولی اے رب میں نے برا کیا ہے



نَفْسِي وَاسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۷﴾

ابنی جان کا اور میں حکم بردار ہوئی ساتھ سلیمان کے اللہ کے آگے جو رب ہے سائے جہان کا

## خلاصہ تفسیر

(سلیمان علیہ السلام نے یہ سب سامان کر رکھا تھا، پھر بلقیس پہنچی) سو جب بلقیس آئی تو اس سے (تخت دکھا کر) کہا گیا (خواہ سلیمان علیہ السلام نے خود کہا ہو یا کسی سے کہلوایا ہو) کہ کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے؟ وہ کہنے لگی کہ ہاں ہے تو ویسا ہی (بلقیس سے اس طور پر اسلئے سوال کیا کہ ہیئت تو بدلدی گئی تھی اپنی اصل کے اعتبار سے تو وہی تخت تھا اور صورت وہ نہ تھی۔ اسلئے یوں نہیں کہا کہ کیا یہی تمہارا تخت ہے بلکہ یہ کہا کہ ایسا ہی تمہارا تخت ہے اور بلقیس اسکو پہچان گئی اور اس کے بدل دینے کو بھی سمجھ گئی اسلئے جواب بھی مطابق سوال کے دیا) اور (یہ بھی کہا کہ) ہم لوگوں کو تو اس واقعہ سے پہلے ہی (آپ کی نبوت کی) تحقیق ہو چکی ہے اور ہم (اُسی وقت سے دل سے) مطیع ہو چکے ہیں (جب قاصد سے آپ کے کمالات معلوم ہوئے تھے اس معجزہ کی چنداں حاجت نہ تھی) اور (چونکہ اس معجزہ سے قبل تصدیق و اعتقاد کر لینا کمال عقل کی دلیل ہے اسلئے اللہ تعالیٰ اس کے عاقل ہونے کی تقریر فرماتے ہیں کہ فی الواقع وہ تھی سمجھدار مگر چند روز تک جو ایمان نہ لائی تو وجہ اسکی یہ ہے کہ) اس کو (ایمان لانے سے) غیر اللہ کی عبادت نے (جسکی اس کو عادت تھی) روک رکھا تھا (اور وہ عادت اسلئے پڑ گئی تھی کہ) وہ کافروں میں کی تھی (پس جو سب کو دیکھا وہی آپ کرنے لگی اور قومی عادات اکثر اوقات انسان کے سوچنے سمجھنے میں رکاوٹ بن جاتی ہیں مگر چونکہ عاقل تھی اسلئے جب تنبیہ کی گئی تو سمجھ گئی۔ اسکے بعد سلیمان علیہ السلام نے یہ چاہا کہ علاوہ اعجاز و شان نبوت دکھلانے کے اس کو ظاہری شان سلطنت بھی دکھلا دی جائے تاکہ اپنے کو دنیا کے اعتبار سے بھی عظیم سمجھے اسلئے ایک شیش محل بنوا کر اسکے صحن میں حوض بنوایا اور اس میں پانی اور پھلیاں بھر کر اسکو شیشہ سے پاٹ دیا۔ اور شیشہ ایسا شفاف تھا کہ ظاہر نظر میں نظر نہ آتا تھا اور وہ حوض ایسے موقع پر تھا کہ اس محل میں جانوروں کو لا محالہ اُس پر سے عبور کرنا پڑے۔ چنانچہ اس تمام سامان کے بعد) بلقیس سے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو (ممکن ہے وہی محل قیام کے لئے تجوز کیا ہو، غرض وہ چلیں راہ میں حوض آیا) تو جب اسکا صحن دیکھا تو اس کو پانی (سے بھرا ہوا) سمجھا اور (چونکہ قرینہ سے پایاب گمان کیا اس لئے اسکے اندر گھسنے کے لئے دامن اٹھائے اور) اپنی دونوں پنڈلیاں کھول دیں (اسوقت) سلیمان (علیہ السلام) نے فرمایا کہ یہ تو محل ہے جو (سب کا سب مع صحن) شیشوں سے بنایا گیا ہے (اور یہ حوض بھی شیشہ سے بنا ہوا ہے۔ دامن اٹھانے کی ضرورت نہیں اسوقت) بلقیس (کو معلوم ہو گیا کہ یہاں پر دنیوی صنعت کاری کے عجائب بھی ایسے ہیں جو آج تک میں نے آنکھ سے نہیں دیکھے تو اُن کے دل میں



ہر طرح سے سلیمان علیہ السلام کی عظمت پیدا ہوئی اور بے ساختہ کہنے لگی کہ اے میرے پروردگار میں نے (ایتک) اپنے نفس پر ظلم کیا تھا (کہ شرک میں مبتلا تھی) اور میں (اب) سلیمان (علیہ السلام) کے ساتھ (یعنی ان کے طریق پر) ہو کر رب العالمین پر ایمان لائی۔

## معارف و مسائل

کیا بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام آیات مذکورہ میں بلقیس کا واقعہ اسی پر ختم ہو گیا کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے نکاح میں آگئی تھیں کے پاس حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئی۔ اسکے بعد کیا حالات پیش آئے؟ قرآن کریم نے اس سے سکوت کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی شخص نے جب عبداللہ ابن عیینہ سے پوچھا کہ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے ساتھ نکاح کر لیا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ اسکا معاملہ اس پر ختم ہو گیا اُسْمُتْ قَمَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ سِرِّ الْعَالَمِينَ۔ مطلب یہ تھا کہ قرآن نے یہیں تک اسکا حال بیان کیا ہے اس کے بعد کا حال بتلانا قرآن نے چھوڑ دیا تو ہمیں بھی اسکی تفتیش میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ مگر ابن عساکر نے حضرت عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ اسکے بعد بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے نکاح میں آگئی اور اسکو اسکے ملک پر برقرار رکھ کر یمن واپس بھیج دیا۔ ہر مہینے حضرت سلیمان علیہ السلام وہاں تشریف لیجاتے اور تین روز قیام فرماتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسکے لئے یمن میں تین عمدہ محلات ایسے تیار کرا دیے تھے جسکی مثال و نظیر نہیں تھی۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ فَآذَاهُمْ

اور ہم نے بھیجا تھا ثمود کی طرف انکے بھائی صالح کو کہ بندگی کرو اللہ کی پھر وہ تو دُود

فَرِيقٍ يَخْتَصِمُونَ ﴿٣٥﴾ قَالَ يَقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ

فرقے ہو کر گئے جھگڑ لے کہا اے میری قوم کیوں جلدی مانگتے ہو بُرائی کو پہلے

الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٣٦﴾ قَالُوا أَظَلَمْنَا

بھلائی سے کیوں نہیں گناہ بخشواتے اللہ سے شاید تم پر رحم ہو جائے بولے ہم نے منحوس

بِكُذِّبْنَا وَرَمْنَا مَعَ الْكَاذِبِينَ قَالَ أَوَلَمْ تَأْتُوا اللَّهَ بَشْتَاتٍ ﴿٣٧﴾ لَقَدْ كُنْتُمْ

قدم دیکھا تجھ کو اور شرے ساتھ والوں کو کہا تمہاری بڑی قسمت اللہ کے پاس ہے، کچھ نہیں تم لوگ جانچے جاتے ہو

وَكُنَّا فِي الْمَدِينَةِ ثَلَاثِينَ سَاعَةً نَبْهَطُ رَهْطًا يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا

اور تھے اُس شہر میں نو شخص کہ خرابی کرتے ملک میں اور

يُصْلِحُونَ ﴿٣٨﴾ قَالُوا اتَّقُوا اللَّهَ يَا آلِهَتِنَا يَا أَهْلَ الْبَنَاتِ ثُمَّ كُنَّا

اصلاح نہ کرتے بولے کہ آپس میں قسم کھاؤ اللہ کی کہ البتہ رات کو جا بڑیں ہم اسیر اور اسکے گھر پر پھر کہیں گے



لَوْلِيَّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَدِيقُونَ ﴿۳۹﴾ وَمَكْرُؤُهُمْ لَمَكْرًا

اسکے دعویٰ کرنے والے کو ہم نے نہیں دیکھا جب تباہ ہوا اسکا گھر اور ہم بیشک یہ کہتے ہیں اور انہوں نے بنایا ایک

وَمَكْرُهُمْ لَمَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۴۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

فریب اور ہم نے بنایا ایک فریب اور ان کو خبر نہ ہوئی پھر دیکھ لے کیسا ہوا انجام ان کے

مَكْرِهِمْ ۚ إِنَّا دَمَرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۴۱﴾ فَبِئْسَ لَكَ بِيَوْمِهِمْ

فریب کا کہ ہلاک کر ڈالا ہم نے ان کو اور ان کی قوم کو سب کو سو یہ پرے ہیں ان کے گھر

خَاوِيَةٌ ۚ بِمَا ظَلَمُوا ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۴۲﴾ وَ

ڈھیر ہوئے بسبب ان کے انکار کے البتہ اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں اور

أَنجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۴۳﴾

بچا دیا ہم نے ان کو جو یقین لائے تھے اور بچتے رہے تھے

## خلاصہ تفسیر

اور ہم نے (قوم) ثمود کے پاس انکے (برادری کے) بھائی صالح کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا (یہ پیغام دیکر) کہ تم (شُرک کو چھوڑ کر) اللہ کی عبادت کرو (چاہیے تو یہ تھا کہ سب ایمان لے آتے مگر خلاف توقع) اچانک ان میں رد فریق ہو گئے جو دین کے بارے میں باہم جھگڑنے لگے (یعنی ایک فرقہ تو ایمان لایا اور ایک نہ لایا اور ان میں جو جھگڑا اور کلام ہوا بعض اس میں کا سورۃ اعراف میں مذکور ہے قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتَضَعُّوْا اور بعض یہیں آگے مذکور ہے قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ الْاٰلِہِ اور جب ان لوگوں نے کفر پر اصرار کیا تو صالح علیہ السلام نے موافق عادت انبیاء علیہم السلام کے ان کو عذاب الہی سے ڈرایا جیسا سورۃ اعراف میں ہے فَاِذَا خَذُكُمُ الْعَذَابُ اَلَيْمٌ ۚ تو انہوں نے کہا کہ لاؤ وہ عذاب کہاں ہے جیسا سورۃ اعراف میں ہے قَالُوا يَا صَالِحُ اِنَّا نَعْبُدُكَ نَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ اس پر (صالح علیہ السلام) نے فرمایا کہ ارے بھائیو تم نیک کام (یعنی توبہ و ایمان) سے پہلے عذاب کیوں جلدی مانتے ہو (یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ عذاب کی وعید سن کر ایمان لے آتے نہ یہ کہ ایمان تو نہ لائے اور بالعکس اس عذاب الہی کی درخواست کرنے لگے بڑی بیباکی کی بات ہے۔ بجائے اس استعجال عذاب کے) تم لوگ اللہ کے سامنے (کفر سے) معافی کیوں نہیں چاہتے جس سے توقع ہو کہ تم پر رحم کیا جاوے (یعنی عذاب سے محفوظ رہو) وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تم کو اور تمہارے ساتھ والوں کو منحوس سمجھتے ہیں (کہ جب سے تم نے مذہب نکالا ہے اور تمہاری یہ جماعت پیدا ہوئی ہے تو تم میں نا اتفاقی ہو گئی اور نا اتفاقی کی جو مضرتیں اور خرابیاں ہوتی ہیں وہ سب مرتب ہونے لگیں۔ بس سبب ان تمام خرابیوں کے تم لوگ ہو) صالح (علیہ السلام)



نے (جواب میں) فرمایا کہ تمہاری (اس) نحوست (کا سبب) اللہ کے علم میں ہے (یعنی تمہارا اعمال کفر یہ اللہ کو معلوم ہیں یہ خرابیاں ان ہی اعمال پر مرتب ہیں چنانچہ ظاہر ہے کہ نا اتفاقی مذموم وہی جو حق کے خلاف کرنے سے ہو تو اسکا الزام ایمان والوں پر نہیں ہو سکتا بلکہ اہل کفر پر ہوگا۔ اور بعض تفاسیر میں ہے کہ ان پر قحط ہوا تھا اور تمہارے کفر کی مصرت کچھ ان شرور ہی تک ختم نہیں ہوئی) بلکہ تم وہ لوگ ہو کہ (اس کفر کی بدولت) عذاب میں مبتلا ہو گئے اور (یوں تو کا فر اس قوم میں بہت تھے لیکن سرغنہ) اس بستی (یعنی حجر) میں تو شخص تھے جو سرزمین (یعنی بستی سے باہر تک بھی) فساد کیا کرتے تھے اور (ذرا) اصلاح نہ کرتے تھے (یعنی بعض مفسد ایسے ہوتے ہیں کہ کچھ فساد کیا کچھ اصلاح کر لی مگر وہ ایسے نہ تھے بلکہ خالص مفسد تھے چنانچہ ایک بار یہ فساد کیا کہ) انھوں نے (ایک دوسرے سے) کہا کہ آپس میں سب (اس پر) اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم شب کے وقت صلح اور ان کے متعلقین (یعنی ایمان والوں) کو جا ماریں گے پھر (اگر تحقیق کی نوبت آئی تو) ہم ان کے وارث سے (جو خون کا دعویٰ کریگا) کہیں گے کہ ان کے متعلقین کے (اور خود ان کے) مارے جانے میں موجود (بھی) نہ تھے (مارنا تو درکنار) اور (تاکید کے لئے یہ بھی کہیں گے کہ) ہم بالکل سچے ہیں۔ (اور گواہ کوئی معائنہ کا ہو گا نہیں۔ بس بات دب دیا جاوے گی) اور (یہ مشورہ کر کے) انھیں نے ایک خفیہ تدبیر کی (کہ شب کے وقت اس کارروائی کے لئے چلے) اور ایک خفیہ تدبیر بھی کی اور ان کو خبر بھی نہ ہوئی (وہ یہ کہ ایک پہاڑ پر سے ایک پتھر ان پر لڑھک آیا اور وہ سب وہاں ہی کھیت رہے یعنی ہلاک ہوئے۔ کذافی الدر المنثور) سو دیکھئے انکی شرارت کا کیا انجام ہوا کہ ہم نے ان کو (بطریق مذکور) اور (پھر ان کی) باقی قوم کو (آسمانی عذاب سے) سب کو غارت کر دیا (جسکا قصہ دوسری آیات میں ہے فَعَقَّبُوا النَّاقَةَ إِلَىٰ فَاحِشَاتِهِمْ الرَّحْضَةَ وَآخِذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ) سو یہ انکے گھر ہیں جو ویران پڑے ہیں انکے کفر کے سبب (جو اہل مکہ کو ملک شام کے سفر میں ملتے ہیں) بلاشبہ اس (واقعہ) میں بڑی عبرت ہے دانشمندیوں کے لئے اور ہم نے ایمان اور تقویٰ والوں کو (اس قتل سے بھی) جسکا مشورہ ہوا تھا اور عذاب قہری سے بھی) نجات دی۔

## معارف و مسائل

تَسْعَةَ رَهْطٍ لَفْظ رَهْط، جماعت کے معنے میں آتا ہے، یہاں نواشتخاص میں سے ہر شخص کو رَهْط کے لفظ سے شاید اسلئے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنے مال و دولت اور جاہ و شہم کے سبب قوم کے بڑے مانے جاتے تھے اور ہر ایک کیساتھ الگ الگ جماعتیں تھیں اس لئے ان نو آدمیوں کو نو جماعتیں فرمایا۔ یہ لوگ قوم صالح علیہ السلام کی بستی یعنی حجر کے بڑے مانے جاتے تھے۔ حجر ملک شام میں معروف مقام ہے۔ لَنْبِيَّتُكَ وَاهْلُكَ لَمْ لَنْقُوْكَ لَوْ لِيْهِ مَا شَهِدْنَا هَلْكَ اَهْلِهِ وَاِنَّا لَصَادِقُوْنَ،



مطلب یہ تھا کہ ہم سب مل کر رات کے اندھیرے میں ان پر اور ان کے متعلقین پر چھاپہ ماریں، سب کو ہلاک کر دیں، پھر انکے خون کا دغویہ وارث تحقیق و تفتیش کے لئے کھڑا ہو گا تو ہم یہ کہہ دیں گے کہ ہم نے تو فلاں آدمی کو نہ مارا، نہ مارتے کسی کو دیکھا۔ اور ہم اپنے اس قول میں اسلئے سچے ہونگے کہ رات کے اندھیرے میں یہ تعین کہ کس نے کس کو مارا ہمیں معلوم نہیں ہوگی۔

اس میں ایک بات یہ قابلِ نظر ہے کہ یہ کفار اور ان میں سے بھی چہیدہ بد معاش جو فساد میں معروف تھے یہ سارے کام شرک کفر اور قتل و غارتگری کے کر رہے ہیں اور کوئی فکر نہیں، مگر ان کو بھی یہ فکر لاحق ہوئی کہ ہم جھوٹ نہ بولیں یا جھوٹے قرار نہ دیئے جاویں۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ جھوٹ کیسا برا گناہ ہے کہ سارے بڑے بڑے جرائم کے مرتکب بھی اپنی شرافت نفس اور عزت کی حفاظت کے لئے جھوٹ بولنے پر اقدام نہ کرتے تھے۔ دوسری بات اس آیت میں یہ قابلِ غور ہے کہ جس شخص کو ان لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام کا ولی قرار دیا ہے وہ تو انہی اہل صالح میں شامل تھا اس کو قتل کے ارادہ سے کیوں چھوڑ دیا۔ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے وہ دلی فائدانی اعتبار سے دلی ہو مگر کافر ہو کافروں کی ساتھ ملا ہوا ہو صالح علیہ السلام اور ان کے متعلقین کے قتل کے بعد وہ ان کے خون کا دغویہ اپنے نسب و تعلق کی بنیاد پر کرے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مسلمان ہی ہو مگر کوئی بڑا آدمی ہو جس کے قتل کرنے سے اپنی قوم میں اختلاف و انتشار کا خطرہ ہو اسلئے اسکو چھوڑ دیا۔ واللہ اعلم

وَلَوْ طَا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ۵۳

اور لو ط کو جب کہا اس نے اپنی قوم کو کیا تم کرتے ہو بے حیائی اور تم دیکھتے ہو

أَيُّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ

کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر لہذا کہ عورتوں کو چھوڑ کر کوئی نہیں تم لوگ

تَجْهَلُونَ ۵۴ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوا

بے سمجھ ہو پھر اہل کفر جواب نہ تھا اس کی قوم کا مگر یہی کہہتے تھے نکال دو

أَلْ لَّوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ ۵۵ فَانْجَبِ مِنْهُ

لوٹ کے گھر کو اپنے شہر سے یہ لوگ ہیں مستحضر رہا چاہتے پھر بچا دیا ہم نے اسکو اور

أَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ زَكَرْنَاهَا مِنَ الْغَيْرِ ۚ إِنَّهُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ۵۶ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ

انکے گھر والوں کو، مگر اس کی عورت مقرر کر دیا تھا ہم نے اسکو رہ جانے والوں میں اور برسا دیا ہم نے ان پر

مَطَرًا ۚ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ۵۷ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ

برساؤ پھر کیا بڑا برساؤ تھا ان ڈرائے ہوؤں کا تو کہہ تعریف ہے اللہ کو اور سلام ہے



عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ ۗ اللَّهُ خَيْرُ مَا يَشْرِكُونَ ﴿۵۹﴾

اس کے بندوں پر جن کو اُس نے پسند کیا بھلا اللہ بہتر ہے یا جن کو وہ شریک کرتے ہیں

### خلاصہ تفسیر

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو (پیغمبر کریم کے اُن کی قوم کے پاس) بھیجا تھا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا تم یہ بے حیائی کا کام کرتے ہو حالانکہ سچا رہو (کیا اس کی بُرائی نہیں سمجھتے، آگے اُس بے حیائی کا بیان ہے یعنی) کیا تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو مردوں کو چھو کر (اسکی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی) بلکہ (اس معاملے میں) تم (محض) جہالت کر رہے ہو (اس تقریر کا) اُن کی قوم کے کوئی (معقول) جواب نہ بن پڑا بجز اسکے کہ آپس میں کہنے لگے کہ لوط (علیہ السلام) کے لوگوں کو (یعنی ان پر ایمان لائیوالوں کو مع ان کے) تم اپنی بستی سے نکال دو (کیونکہ) یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں سو (جب یہاں تک نوبت پہنچ گئی تو) چمنے (اُس قوم پر عذاب نازل کیا اور) لوط (علیہ السلام) کو اور ان کے متعلقین کو (اس عذاب سے) بچالیا بجز اُن کی بیوی کے کہ اس کو (بوجہ ایمان نہ لائیکے) چمنے انہیں لوگوں میں تجویز کر رکھا تھا جو عذاب میں رہ گئے تھے اور (وہ عذاب جو اُن پر نازل ہوا یہ تھا کہ) ہم نے اُن پر ایک نئی طرح کا مینہ برسایا (کہ وہ پتھروں کی بارش تھی) سو اُن لوگوں کا کیسا برا مینہ تھا جو (اُدل عذاب خدا سے اُدائے گئے تھے جس پر انہوں نے التفات نہ کیا) آپ (بیانِ توحید کے لئے بطورِ خطبہ کے) کہنے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے سزاوازیں اور اس کے ان بندوں پر سلام (نازل) ہو جن کو اُس نے منتخب فرمایا ہے (یعنی انبیاء و صلحاء) آگے مضمون ہماری طرف سے بیان کیے وہ یہ کہ لوگو یہ بتلاؤ کہ کیا (کمالات اور احسانات میں) اللہ بہتر ہے یا وہ چیزیں (بہترین جن کو) الوہیت میں (شریک ٹھہراتے ہیں) یعنی ظاہر و مسلم ہے کہ اللہ ہی بہتر ہے پس سستی عبادت بھی وہی ہوگا۔

### معارف و مسائل

اس قصے کے متعلق قرآن میں متعدد جگہ خصوصاً سورۃ اعراف میں ضروری مضامین بنایا ہو چکے ہیں وہاں دیکھ لئے جاویں۔ قُلْ الْحَمْدُ لِلّٰہِ، انبیاء سابقین اور اُن کی اُمتوں کے کچھ حالات اور اُن پر عذاب آنے کے واقعات کا ذکر کرنے کے بعد یہ جملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ آپ کی اُمت کو دنیا کے عذابِ عام سے مامون کر دیا گیا ہے۔ اور انبیاء سابقین اور اللہ کے برگزیدہ بندوں پر سلام بھیجئے، جمہور مفسرین نے اسی کو اختیار کیا ہے اور بعض نے اسکا مخاطب بھی حضرت لوط علیہ السلام کو قرار دیا ہے۔ اس آیت میں الَّذِينَ اصْطَفَىٰ کے الفاظ سے ظاہر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام مراد ہیں جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے وَسَلِّمْ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ اور حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام ہیں۔ سفیان ثوری نے اسی کو اختیار کیا ہے (اخرچہ عبد بن حمید و البزار و ابن جریر وغیرہم)



اگر آیت میں اَلَّذِیْنَ اصْطَفٰی سے مراد صحابہ کرام لئے جائیں جیسا کہ ابن عباس کی روایت میں ہے تو اس آیت سے غیر انبیاء پر سلام بھیجنے کے لئے انھیں علیہ السلام کہنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کی پوری تحقیق سورہ احزاب میں آیت صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا کی تفسیر میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ ۲: اس آیت سے خطبہ کے آداب بھی ثابت ہوئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور انبیاء علیہم السلام پر درود و سلام سے شروع ہونا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے تمام خطبات میں یہی معمول رہا ہے بلکہ ہر اہم کام کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام سنون و مستحب ہے (کنز فی العلم)۔

اَمِّنْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً فَانۡبَتْنَا

بہلا کس نے بنائے آسمان اور زمین اور اُتار دیا تمہارے لئے آسمان سے پانی پھر اُگائے پھن

یہ حدائق ذات بہجۃ ما کان لکم اَنْ تَنْبِتُوْا شَجَرَهَا ط عِندَہٗ

اس سے باغ رونق دالے تمہارا کام نہ تھا کہ اُگاتے اُن کے درخت اب کوئی اور

مَعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ یَّعۡدِلُوْنَ ۝۶۰ اَمِّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا

حاکم ہے اللہ کے ساتھ کوئی نہیں وہ لوگ راہ سے مڑتے ہیں بہلا کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کے لائق

وَجَعَلَ خِلَافَہَا اَنْہٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَجَعَلَ بَیۡنَ

اور بنائیں اسکے نیچے میں ندیاں اور رکھے اس کے ٹھہرانے کو بوجھ اور رکھا دو

الْبَحْرِیۡنِ حَاجِزًا ط عِندَہٗ مَعَ اللّٰهِ بَلْ اَکْثَرُہُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۶۱ ط

دریا میں پردہ اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ کوئی نہیں بہتوں کو ان میں سمجھ نہیں

اَمِّنْ یَّجِیۡبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیُکْشِفُ السُّوۡءَ وَیَجْعَلُ لَکُم

بھلا کون پہنچتا ہے بے کس کی پکار کو جب اسکو پکارتا ہے اور دُور کر دیتا ہے سختی اور کرتا ہے تمکو نائب

خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ط عِندَہٗ مَعَ اللّٰهِ قَلِیۡلًا ط اَمِّنْ ۝۶۲ ط اَمِّنْ

اگلوں کا زمین پر اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ تم بہت کم دھیان کرتے ہو بھلا کون

یَهۡدِیۡکُمْ فِی ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ یُّرۡسِلِ الرِّیۡحَ بُشۡرًا ط بَیۡنَ

راہ بتاتا ہے تم کو اندھیروں میں جنگل کے اور دریا کے اور کون چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والیاں اسی

یَدَیۡ رَحْمَۃِ ط عِندَہٗ مَعَ اللّٰهِ تَعَالٰی اللّٰهُ عَمَّا یُشۡرِکُوْنَ ۝۶۳ ط اَمِّنْ

رحمت سے پہلے اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ اللہ بہت اویز ہے اس سے جسکو شریک بتلاتے ہیں بھلا

یَبۡدَا الْخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ وَمَنْ یُّرۡزِقُکُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ط

کون برے سے بناتا ہے پھر اسکو دہرائے گا اور کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے



عَالِهٌ مَعَ اللَّهِ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۶۳﴾

اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ تو کہہ لاؤ اپنی سند اگر تم سچے ہو

## خلاصہ تفسیر

(پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا تھا اَللّٰهُ تَعَالٰی اَمَّا يَنْشُرُ كُوْنٌ، یعنی کیا اللہ بہتر ہے یا وہ بُت وغیرہ جن کو یہ لوگ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں، یہ مشرکین کی بے وقوفی بلکہ کج فہمی پر نکیر تھی، آگے توحید کے دلائل کا بیان ہے، اسے لوگو یہ بتلاؤ کہ) وہ ذات (بہتر ہے) جس نے آسمان اور زمین کو بنایا، اور اُس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ ہم نے رونق دار باغ اُگائے (ورنہ) تم سے تو ممکن نہ تھا کہ تم اُن (باغوں) کے درختوں کو اُگا سکو (یہ سُکر اب بتلاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ (شریک عبادت ہونے کے لائق) کوئی اور معبود ہے (مگر مشرکین پھر بھی نہیں مانتے) بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ (دوسرے کو) خدا کی برابر ٹھہراتے ہیں (اچھا پھر اور کمالات سُکر بتلاؤ کہ یہ بُت بہتر ہیں) یا وہ ذات جس نے زمین کو (مخلوق کی) قراگاہ بنایا اور اس کے درمیان درمیان نہریں بنائیں اور اس (زمین) کے (ٹھہرانے کے) لئے بہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے درمیان حد فاصل بنائی (جیسا سورۃ فرقان میں مَرَجَ الْيَمَيْنِیْنِ آپ کا ہے یہ سُن کر اب بتلاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ (خدائی کا شریک ہونے کے لائق) کوئی اور معبود ہے (مگر مشرکین نہیں مانتے) بلکہ اُن میں زیادہ تو (اچھی طرح) سمجھتے بھی نہیں (اچھا پھر اور کمالات سُکر بتلاؤ کہ یہ بُت بہتر ہیں) یا وہ ذات جو بقرار آدمی کی دُعا سنتا ہے جب وہ اُس کو پکارتا ہے اور (اُس کی) مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تم کو زمین میں صاحب تصرف بناتا ہے (یہ سُکر اب بتلاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ (شریک عبادت ہونے کے لائق) کوئی اور معبود ہے (مگر) تم لوگ بہت ہی کم یاد رکھتے ہو (اچھا پھر اور کمالات سُکر بتلاؤ کہ یہ بُت بہتر ہیں) یا وہ ذات جو تم کو خشکی اور دریائی تارکیوں میں رستہ سُوجھاتا ہے اور جو ہواؤں کو بارش سے پہلے بھیجتا ہے جو (بارش کی اُمید دلا کر دلوں کو) خوش کر دیتی ہیں (یہ سُکر اب بتلاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ (شریک عبادت ہونے کے لائق) کوئی اور معبود ہے (ہرگز نہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے برتر ہے (اچھا پھر دوسرے کمالات و احسانات سُکر بتلاؤ کہ یہ بُت بہتر ہیں) یا وہ ذات جو مخلوقات کو اول بار پیدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا کر دیتا ہے اور جو آسمان اور زمین سے (پانی برسا کر اور نباتات نکال کر) تم کو رزق دیتا ہے (یہ سُکر اب بتلاؤ کہ) کیا اللہ کے ساتھ (شریک عبادت ہونے کے لائق) کوئی اور معبود ہے (اور اگر وہ یہ سُکر بھی کہیں کہ ہاں اور معبود بھی مستحق عبادت ہیں تو) آپ کہیے کہ (اچھا) تم (اُن کے استحقاق عبادت پر) اپنی دلیل پیش کرو اگر تم (اس دعویٰ میں) سچے ہو۔



## معارف و مسائل

أَقْنِ يَحْيَى الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاكَ وَيَكْشِفُ السُّوءَ، الْمُضْطَرُّ، اضطرار سے شقی ہے کسی ضرورت سے مجبور رہے قرار ہونے کو اضطراب کہا جاتا ہے اور وہ بھی ہوتا ہے جب اسکا کوئی یار و مددگار اور سہارا نہ ہو۔ اسلئے مضطر وہ شخص ہے جو سب دنیا کے سہاروں سے مایوس ہو کر خالص اللہ تعالیٰ ہی کو فریاد رس سمجھ کر اسکی طرف متوجہ ہو۔ مضطر کی یہ تفسیر سدی، ذوالنون مصری، سہل بن عبد اللہ وغیرہ سے منقول ہے (قطبی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے لئے ان الفاظ سے دعا کر چکی ہدایت فرمائی ہے: اللَّهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُو فَلَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي ظَلَمَ عَيْنٍ وَأَصْلِمْنِي شَأْنِي كُلَّهُ لَكَ أَلَا أَنْتَ (ترجمہ) یا اللہ میں تیری رحمت کا اُمیدوار ہوں اسلئے مجھے ایک لحظہ کے لئے بھی میرے اپنے نفس کے حوالہ نہ کیجئے اور آپ ہی میرے سب کاموں کو درست کر دیجئے آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (قطبی)

مضطر کی دعا خلاص کی بنیاد پر ضرور قبول ہوتی ہے | امام قرطبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مضطر کی دعا قبول کرنے کا ذمہ لے لیا ہے اور اس آیت میں اسکا اعلان بھی فرما دیا ہے جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ دنیا کے سب سہاروں سے مایوس اور علائق سے منقطع ہو کر صرف اللہ تعالیٰ ہی کو کار ساز سمجھ کر دعا کرنا سرمایہ خلاص ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اخلاص کا بڑا درجہ ہے وہ جس کسی بندہ سے پایا جائے وہ مومن ہو یا کافر، اور مستحق ہو یا فاسق فاجر اس کے اخلاص کی برکت سے اسکی طرف رحمت حق متوجہ ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے کفار کا حال ذکر فرمایا ہے کہ جب یہ لوگ دریا میں ہوتے ہیں اور کشتی سب طرف سے موجوں کی لپیٹ میں آجاتی ہے اور یہ گویا آنکھوں کے سامنے اپنی موت کو کھڑا دیکھ لیتے ہیں اسوقت یہ لوگ پورے اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں کہ اگر ہمیں اس مصیبت سے آپ نجات دیدیں تو ہم شکر گزار ہونگے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کر کے خشکی پر لے آتے ہیں تو یہ پھر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں دَعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (الی قولہ) فَكَلِمَاتُ نَجَاتٍ هُمْ إِلَى الدِّينِ ذَا هُمْ يُشْرِكُونَ، ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، ایک مظلوم کی دعا، دوسرے مسافر کی دعا، تیسرے باپ جو اپنی اولاد کے لئے بد دعا کرے۔ قرطبی نے اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا کہ ان تینوں دعاؤں میں بھی وہی صورت ہے جو دعا مضطر میں اور پر لکھی گئی ہے کہ جب کوئی مظلوم دنیا کے سہاروں اور مددگاروں سے مایوس ہو کر دفع ظلم کے لئے اللہ کو پکارتا ہے وہ بھی مضطر ہی ہوتا ہے اسی طرح مسافر حالت سفر میں اپنے خویش و عزیز اور ہمدردوں و نگہداروں سے الگ بے سہارا ہوتا ہے۔ اسی طرح باپ اولاد کے لئے اپنی فطرت اور پدری شفقت کی بنیاد پر کبھی بد دعا نہیں کر سکتا بجز اسکے کہ اسکا



دل بالکل ٹوٹ جائے اور اپنے آپ کو مصیبت سے بچانے کے لئے اللہ کو پکارے۔ امام حدیث آجری نے حضرت ابوذر رضی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ میں مظلوم کی دعا کو کبھی رد نہیں کر دینگا اگرچہ وہ کسی کافر کے منہ سے ہو (قطبی) اگر کسی مضطرب یا مظلوم یا مسافر وغیرہ کو کبھی یہ محسوس ہو کہ اسکی دعا قبول نہیں ہوئی تو بدگمان اور مایوس نہ ہو بعض اوقات دعا قبول تو ہو جاتی ہے مگر کسی حکمت و مصلحت ربانی سے اسکا ظہور دیر میں ہوتا ہے۔ یا پھر وہ اپنے نفس کو ٹوٹے کہ اس کے اخلاص اور توجہ الی اللہ میں کمی کوتاہی رہی ہے۔ واللہ اعلم

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ

تو کہہ خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں چھپی ہوئی چیز کی سزا اللہ اور

مَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٥﴾ بَلْ أَذْرَاؤُهُمْ فِي الْآخِرَةِ

اُن کو خبر نہیں کب چلائے جائیں گے بلکہ تمہک کر رہو گے اُن کا فکر آخرت کے بارے میں

بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْهَا قَبْلِ هُمْ مِنْهَا عَمُونَ ﴿٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِينَ

بلکہ ان کو شبہ ہے اس میں بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں اور بولے وہ لوگ جو

كَفَرُوا إِذْ أَكْنَا تُرَبًّا وَآبَاؤُنَا أَنْبَا لَمْ خَرَجُونَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ

منکروں کیا جب ہم ہو جائیں مٹی اور ہمارے باپ دادا کو زمین سے نکالیں گے وعدہ

وَعِدْنَا هَذَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ

پیش چکا ہے اسکا ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو پہلے سے کچھ بھی نہیں ہے نقیص ہیں

الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

انھوں کی تو کہہ دے پھر ملک میں تو دیکھو کیسا ہوتا انجام کار

الْمُجْرِمِينَ ﴿٦٩﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ مِمَّا

گناہگاروں کا اور غم نہ کر ان پر اور نہ خفا ہو ان کے قریب

يَمْكُرُونَ ﴿٧٠﴾ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٧١﴾

بنانے سے اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو

قُلْ عَسَى أَنْ يَكُونَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٧٢﴾ وَ

تو کہہ کیا بعید ہے جو تمہاری پیٹھ پر پہنچ چکی ہو بعضی وہ چیز جس کی جلدی کر رہے ہو اور

إِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾

تیرا رب تو فضل رکھتا ہے لوگوں پر پر اُن میں بہت لوگ شکر نہیں کرتے



وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۷۵﴾ وَمَا مِنْ

اور تیرا رب جانتا ہے جو چھپ رہا ہے اُن کے سینوں میں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اور کوئی چیز

غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿۷۶﴾

نہیں جو غائب ہو آسمان اور زمین میں مگر موجود ہے کھلی کتاب میں

## خلاصہ تفسیر

رابط آیات | اوپر نبوت کے بعد توحید کا ذکر ہو چکا، آگے معاد یعنی قیامت اور آخرت کا ذکر ہے جسکی طرف دلائل توحید میں اس قول سے اجمالی اشارہ بھی ہوا ہے (تَحْكُمُ بَيْنَكُمْ) اور چونکہ کفار کی تکذیب کی ایک وجہ یہ بھی قرار دیتے تھے کہ قیامت کا معین وقت پوچھنے پر بھی نہیں بتلایا جاتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ یعنی وہ عدم تعین کو عدم وقوع کی دلیل بناتے تھے اسلئے اس مضمون کو اس بات سے شروع کیا ہے کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے فرمایا قُلْ لَا يَعْلَمُ (جس میں اُن کے شبہ کا جواب بھی ہو گیا) قیامت کی تعین کا علم اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ پھر ان کے شک و انکار پر تشبیح ہے (بَلِ اِذَا رَأَوْا) پھر اُن کے ایک انکاری قول کی نقل ہے (وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا) پھر اس انکار پر تہدید ہے (قُلْ سَيُؤْتُوا) پھر اس انکار پر آپ کی تسلی ہے وَلَا تَحْزَنْ پھر اس تہدید کے متعلق انکے ایک شبہ کا جواب ہے (وَيَقُولُونَ اَلَمْ) پھر تہدید کی تاکید ہے وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ اَلَمْ جیسا تقریر ترجمہ سے ظاہر ہو گا۔

(یہ لوگ جو قیامت کا وقت نہ بتلانے سے اسکے عدم وقوع پر استدلال کرتے ہیں اسکے جواب میں) آپ کہہ دیجئے کہ (یہ استدلال غلط ہے کیونکہ اس سے زیادہ سے زیادہ اتنا لازم آیا کہ مجھ سے اور تم سے اس تعین کا علم غائب رہا سو اس میں اسی کی کیا تخصیص ہے غیب کی نسبت تو قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ) جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین (یعنی عالم) میں موجود ہیں (ان میں سے) کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا۔ بجز اللہ تعالیٰ کے اور (اسی وجہ سے) ان (مخلوقات) کو یہ خبر (بھی) نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کئے جاویں گے (یعنی اللہ تعالیٰ کو تو بے بتلائے سب معلوم ہے اور کسی کو بے بتلائے کچھ بھی معلوم نہیں مگر دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے امور جن کا پہلے سے علم نہیں ہوتا واقع ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کا علم نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ چیز موجود ہی نہیں۔ بلکہ بات یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی حکمت سے بعض علوم کا پردہ غیب رکھنا منظور ہے قیامت کی تعین بھی انہی امور میں ہے اسی لئے مخلوق کو اسکا علم نہیں دیا گیا مگر اس سے عدم وقوع کیسے لازم آگیا اور یہ عدم علم بالتعین تو سب میں امر مشترک ہے لیکن ان کفار منکرین میں صرف یہی نہیں کہ وہ بالتعین قیامت



کو نہیں مانتے) بلکہ (اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ) آفرت کے بارے میں (خود) ان کا (نفس) علم (بالوقوع ہی) نیست ہو گیا (یعنی خود اس کے وقوع ہی کا علم نہیں جو تعین کے علم نہ ہونے سے بھی اشد ہے) بلکہ (اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ) یہ لوگ اس (کے وقوع) سے شک میں ہیں، بلکہ (اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ) یہ اس سے اندھے بنے ہوئے ہیں (یعنی جیسے اندھے کو راستہ نظر نہیں آتا اسلئے مقصود تک پہنچنا مستبعد ہے اسی طرح تصدیق بالآفرت کا جو ذریعہ ہے یعنی دلائل صحیحہ یہ لوگ انتہائی عناد کی وجہ سے ان دلائل میں غور و تأمل ہی نہیں کرتے اس لئے وہ دلائل ان کو نظر نہیں آتے جس سے مطلوب تک پہنچ جانے کی اُمید ہوتی۔ پس یہ شک سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ شک والا بعض اوقات دلائل میں نظر کر کے رفع شک کر لیتا ہے اور یہ نظر بھی نہیں کرتے) اور (اس تشنیع علی الکفار کے بعد آگے ان کا ایک انکاری قول نقل فرماتے ہیں کہ) یہ کافروں کہتے ہیں کہ کیا ہم لوگ جب (مر کر) خاک ہو گئے اور (اسی طرح) ہمارے بڑے بھی تو کیا (پھر) ہم (زندہ کر کے قبروں سے) نکالے جا دیں گے اسکا تو ہم سے اور ہمارے بڑوں سے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے) پہلے سے وعدہ ہوتا چلا آیا ہے (کیونکہ تمام انبیاء کا یہ قول مشہور ہے لیکن نہ آج تک ہوا اور نہ کسی نے بتلایا کہ کب ہوگا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ) یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے نقل ہوتی چلی آئی ہیں آپ کہہ دیجئے کہ (جب اس کے امکان پر دلائل عقلیہ اور وقوع پر دلائل نقلیہ جا بجا بار بار تم کو سنا دیئے گئے ہیں تو تم کو تکذیب سے باز آنا چاہیئے ورنہ جو اور مکذبین کا حال ہوا ہے کہ عذاب میں گرفتار ہوئے وہی تمہارا حال ہوگا۔ اگر ان کی حالت میں کچھ شبہ ہو تو) تم زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ بحرین کا انجام کیا ہوا (کیونکہ اُن کے ہلاک ہونے اور عذاب آنے کے آثار اب تک باقی تھے) اور (اگر باوجود ان مواعظ بلیغہ کے پھر مخالفت پر کمر بستہ رہیں تو) آپ ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ مشرقاتیں کر رہے ہیں اس سے دل تنگ نہ ہو جائے (کہ اور انبیاء کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا ہے) اور (قُلْ سَيُرَوْنَ) میں اور اس کے امثال دوسری آیات میں جو ان کو وعید عذاب سنائی جاتی ہے تو چونکہ دل میں تصدیق نہیں اسلئے) یہ لوگ (بے باکانہ) یوں کہتے ہیں کہ یہ وعدہ (عذاب و قہر کا) کب ہوگا اگر تم سچے ہو (تو بتلاؤ) آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں کہ جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو اس میں سے کچھ تمہارے پاس ہی آگیا ہو اور اب تک جو دیر ہو رہی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) آپ کا رب لوگوں پر (اپنا) بڑا فضل رکھتا ہے (اس رحمتِ عاقہ کی وجہ سے قدرے مہلت دے رکھی ہے) لیکن اکثر آدمی اس بات پر (شکر نہیں کرتے) کہ تاخیر کو غنیمت سمجھیں اور اس مہلت میں حق کی طلب کریں اور اس کو قبول کر لیں کہ عذاب سے نجات ابدی حاصل ہو بلکہ بالعکس انکار اور بطور استہزاء کے جلد بازی کرتے ہیں) اور یہ تاخیر چونکہ مہلت ہے اس لئے یہ نہ سمجھیں کہ ان افعال کی کبھی سزا ہی نہ ہوگی کیونکہ آپ



کے رب کو سب خبر ہے جو کچھ اُن کے دلوں میں مخفی ہے اور جس کو وہ علانیہ کرتے ہیں اور (یہ صرف علم خداوندی ہی نہیں بلکہ دفتر خداوندی میں لکھا ہوا ہے جس میں کچھ ان ہی کے افعال کی تخصیص نہیں بلکہ) آسمان اور زمین میں ایسی کوئی مخفی چیز نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو (اور دفتر خداوندی یہی لوح محفوظ ہے اور جب مخفی چیزیں جن کو کوئی نہیں جانتا اس میں موجود ہیں تو ظاہر چیزیں تو بدرجہ اولیٰ موجود ہیں۔ غرض انکے اعمال کی اللہ تعالیٰ کو خبر ہے اور آسمانی دفتر میں بھی محفوظ ہیں اور وہ اعمال خود سزا کے مقتضی بھی ہیں اور سزا کے واقع ہونے پر سب انبیاء علیہم السلام کی دی ہوئی اختیار سادقہ بھی متفق ہیں۔ پھر یہ سمجھنے کی کیا گنجائش ہے کہ سزا نہ ہوگی، البتہ دیر ہونا ممکن ہے چنانچہ بعض سزائیں ان مکرمین کو دنیا میں بھی ہوئیں جیسے قحط، قتل، قید وغیرہ اور کچھ قبر و برزخ میں ہوں گی جو کچھ دُور نہیں، اور کچھ آخرت میں ہوں گی۔

## معارف و مسائل

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ آپ لوگوں کو بتلا دیں کہ جتنی مخلوق آسمانوں میں ہے جیسے فرشتے اور جتنی مخلوق زمین میں ہے جیسے بنی آدم اور جنات وغیرہ ان میں سے کوئی بھی غیب کو نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے۔ آیت مذکورہ نے پوری وضاحت اور صراحت کے ساتھ یہ بتلایا ہے کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے جس میں کوئی فرشتہ یا نبی و رسول بھی شریک نہیں ہو سکتا۔ اس مسئلہ کی ضروری تفصیل سورہ انعام کی آیت نمبر ۵۹ کے تحت صفحہ ۳۵۲ جلد ۳ پر آچکی ہے۔ اسکے علاوہ اس موضوع پر احقر کا ایک مستقل رسالہ بنام کشف الریب عن علم الغیب احکام القرآن (عربی) کا جزو ربکر شائع ہو چکا ہے۔ اہل علم اس کی مراجعت فرما سکتے ہیں۔

بَلْ اَذْرٰكَ عَلٰمْهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ قَدْ بَلَّ هُمْ فِيْ شِقَاقِ مِّنْهَا قَدْ بَلَّ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ، لفظ اَذْرٰكَ میں قراتیں بھی مختلف ہیں اور اس کے معنی میں بھی کئی قول ہیں۔ اہل علم اس کی تفصیل تفاسیر میں دیکھ سکتے ہیں، یہاں صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ اَذْرٰكَ کے معنی بعض مفسرین نے تکامل کے لئے ہیں اور فی الاخرہ کو اَذْرٰكَ سے متعلق کر کے معنی یہ قرار دیئے ہیں کہ آخرت میں ان کا علم اس معاملہ میں مکمل ہو جائیگا کیونکہ اس وقت ہر چیز کی حقیقت کھل کر سامنے آجائیگی مگر اس وقت علم ہونا اُن کے کچھ کام نہ آئے گا کیونکہ دنیا میں وہ آخرت کی تکذیب کرتے رہے تھے۔ اور بعض مفسرین نے لفظ اَذْرٰكَ کے معنی ضلّ و غاب کے لئے اور فی الاخرہ کو علیہم سے متعلق کیا کہ آخرت کے معاملہ میں اُن کا علم غائب ہو گیا اس کو نہ سمجھ سکے۔



إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَفْصِّلُ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ

یہ قرآن سناتا ہے بنی اسرائیل کو بہت چیزیں جس میں

فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝۶۷ وَإِنَّهُ لَهْدَىٰ وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝۶۸ إِنَّ

وہ جھگڑ رہے ہیں اور بیشک وہ ہدایت ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے واسطے تیرا

رَبِّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ۝۶۹ فَتَوَكَّلْ عَلَىٰ

رب ان میں فیصلہ کرے گا اپنی حکومت سے اور وہی ہے زبردست سب کچھ جاننے والا سو تو بھروسہ کر

اللَّهُ إِنَّكَ عَلَىٰ الْحَقِّ الْمُبِينِ ۝۷۰

اللہ پر بیشک تو ہے صحیح کھلے رستہ پر

## خلاصہ تفسیر

بیشک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان باتوں (کی حقیقت) کو ظاہر کرتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور وہ ایمانداروں کے لئے (خاص) ہدایت اور (خاص) رحمت ہے (ہدایت باعتبار طاعات و اعمال کے اور رحمت باعتبار ثمرات و نتائج کے) بالیقین آپ کا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے (وہ عظمیٰ) فیصلہ (قیامت کے دن) کرے گا (اُس وقت معلوم ہو جائے گا کہ دین حق کیا تھا اور باطل کیا، تو ایسے لوگوں پر کیا افسوس کیا جائے) اور وہ زبردست علم والا ہے (بدون اس کی مشیت کے کوئی کسی کو ضرر نہیں پہنچا سکتا) تو آپ اللہ پر توکل رکھئے (اللہ کی مدد ضرور ہوگی کیونکہ) آپ صریح حق پر ہیں۔

## معارف و مسائل

پہلی آیات میں حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو مختلف مثالوں سے ثابت کر کے یہ بات ثابت کر دی گئی ہے کہ قیامت کا وقوع اور اُس میں مردوں کا دوبارہ زندہ ہونا عقلاً ممکن ہے اس میں کوئی عقلی اشکال نہیں عقلی امکان کے ساتھ اسکا ضرور واقع ہونا یہ انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کی نقل سے ثابت ہے اور کسی خبر کا صحیح اور ثابت ہونا اس پر موقوف ہے کہ اسکا ناقل مخبر اور روایت کرنے والا صادق اور سچا ہو۔ اسلئے اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اسکا مخبر قرآن ہے اور اسکا مخبر صادق ہونا ناقابل انکار ہے، یہاں تک کہ علماء بنی اسرائیل جن مسائل میں باہم سخت اختلافات رکھتے تھے اور وہ حل نہ ہوتے تھے۔ قرآن حکیم نے ان مسائل میں محاکمہ کر کے صحیح فیصلوں کی ہدایت فرمائی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ علماء کے اختلاف میں محاکمہ اور فیصلہ کرنے والا ان سب علماء سے اعلم اور اعلیٰ ہونا ضروری ہے اسلئے قرآن کا مخبر صادق



ہونا واضح ہو گیا، اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ آپ ان کی مخالفت سے تنگدل نہ ہوں، اللہ تعالیٰ خود آپ کا فیصلہ کرنے والا ہے آپ اللہ پر بھروسہ رکھیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد حق کے ساتھ ہے اور آپ کا طریق حق پر ہونا یقینی ہے۔

إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تَسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَوْ أَمَدَّ يَرْيَنَ ۝۸۰

البتہ تو نہیں سنا سکتا مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو اپنی پکار جب لوئیں وہ بیٹھ پھیر کر

وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمْيٰ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ ۚ إِنَّ تَسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُّعِي مِنْ

اور نہ تو دکھلا سکے اندھوں کو جب وہ راہ سے بچلیں تو تو سنا تا ہے اُس کو جو یقین رکھتا ہو

يَا أَيُّهَا فَهُمْ مُّسْلِمُونَ ۝۸۱

ہماری باتوں پر، سو وہ حکم بردار ہیں

## خلاصہ تفسیر

آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہیں (خصوصاً) جبکہ وہ بیٹھ پھیر کر چلیں اور نہ آپ اندھوں کو اُن کی گمراہی سے (بچا کر) رستہ دکھانے والے ہیں، آپ تو صرف اُن ہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں (اور) پھر وہ مانتے (بھی) ہیں۔

## معارف و مسائل

ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے ساتھ جو شفقت و ہمدردی کا جذبہ رکھتے تھے اُسکا تقاضا تھا کہ سب کو اللہ کا پیغام سنا کر جہنم سے بچالیں جو لوگ اس پیغام کو قبول نہ کرتے تو آپ کو سخت صدمہ پہنچتا تھا اور آپ ایسے غمگین ہوتے تھے جیسے کسی کی اولاد اسکے کہنے کے خلاف آگ میں جا رہی ہو۔ اسلئے قرآن نے جا بجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے مختلف عنوانات اختیار فرمائے ہیں۔ سابقہ آیات میں وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ، اسی سلسلہ کا ایک عنوان تھا۔ مذکور الصدر آیت میں بھی تسلی کا مضمون دوسرے انداز سے بیان فرمایا ہے کہ آپ کا کام پیغام حق کو پہنچا دینے کا وہ آپ پورا کر چکے ہیں جن لوگوں نے اس کو قبول نہیں کیا اسیں آپ کا کوئی قصور اور کوتاہی نہیں جس پر آپ غم کریں بلکہ وہ اپنی صلاحیت قبول ہی کو کھو چکے ہیں۔ ان کے گم کردہ صلاحیت ہونے کو اس آیت میں قرآن کریم نے تین مثالوں میں ثابت کیا ہے۔ اول یہ کہ یہ لوگ قبول حق کے معاملہ میں بالکل مُردہ لاش کی طرح ہیں جو کسی کی بات سن کر کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ دوسرے یہ کہ ان کی مثال اُس بہرے آدمی کی ہے جو



بہرا ہونے کے ساتھ بات سُننا بھی نہیں چاہتا بلکہ جب کوئی سُننا چاہے تو اُس سے پیٹھ موڑ کر بھاگتا ہے۔  
تیسرے یہ کہ ان کی مثال اندھوں کی سی ہے کہ کوئی ان کو راستہ دکھانا بھی چاہے تو وہ نہیں دیکھ سکتے  
ان تین مثالوں کا ذکر کرنے کے بعد آخر میں فرمایا۔

إِنْ تَسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُخَوِّمُنْ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ، یعنی آپ تو صرف ایسے ہی لوگوں کو  
سُناسکتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان لائیں اور اطاعت قبول کریں۔ اس پورے مضمون میں یہ بات  
بالکل واضح ہے کہ اس جگہ سُننے سُنانے سے مراد محض کانوں میں آواز پہنچنا نہیں بلکہ مراد اس سے وہ  
سماع اور سُننا ہے جو نفع بخش ہو۔ جو سماع نافع نہ ہو اس کو قرآن نے مقصد کے اعتبار سے عدم سماع  
سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ آفرایت میں یہ ارشاد کہ آپ تو صرف اُن لوگوں کو سُناسکتے ہیں جو ایمان لائیں۔  
اگر اس میں سُنانے سے مراد محض اُن کے کان تک آواز پہنچانا ہوتا تو قرآن کا یہ ارشاد خلاف مشاہدہ اور  
خلاف واقع ہو جاتا کیونکہ کافروں کے کانوں تک آواز پہنچانے اور اُن کے سُننے جواب دینے کی شہادتیں  
بے شمار ہیں کوئی بھی اسکا انکار نہیں کر سکتا۔ اس سے واضح ہوا کہ سُنانے سے مراد سماع نافع ہے نہ کہ  
مردہ لاش سے تشبیہ دیکر جو یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ مردوں کو نہیں سُناسکتے اس کے معنی بھی یہی ہوئے  
کہ جیسے مردے اگر کوئی بات حق کی سُن بھی لیں اور اس وقت وہ حق کو قبول کرنا بھی چاہیں تو یہ انکے  
لئے نافع نہیں، کیونکہ وہ دنیا کے دارالعمل سے گزر چکے ہیں جہاں ایمان و عمل نافع ہو سکتا تھا مرنے  
کے بعد برزخ یا محشر میں تو سبھی کافر منکر ایمان و عمل صالح کی تمنائیں کریں گے مگر وہ وقت ایمان  
و عمل کے قبول ہونیکا وقت نہیں۔ اس لئے اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مردے کوئی کلام  
کسی کا سُن ہی نہیں سکتے۔ اس لئے سماع اموات کے مسئلہ سے درحقیقت یہ آیت ساکت ہے۔ یہ مسئلہ اپنی  
جگہ قابلِ نظر ہے کہ مردے کسی کلام کو سُن سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئلہ سماع اموات | یہ مسئلہ کہ مردے کوئی کلام سُن سکتے ہیں یا نہیں اُن مسائل میں سے ہے جنہیں خود صحابہ کرام  
کا باہم اختلاف رہا ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سماع موتی کو ثابت قرار دیتے ہیں اور حضرت ام المومنین  
صدیقہ عائشہؓ اس کی نفی کرتی ہیں۔ اسی لئے دوسرے صحابہ و تابعین میں بھی دو گروہ ہو گئے بعض اثبات  
کے قائل ہیں بعض نفی کے۔ اور قرآن کریم میں یہ مضمون ایک تو اسی موقع پر سورۃ نمل میں آیا ہے دوسرے  
سورۃ روم میں تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ دوسری آیت آئی ہے اور سورۃ فاطر میں یہ مضمون ان الفاظ  
سے آیا ہے وَمَا أَنْتَ بِمُتَسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ، یعنی آپ اُن لوگوں کو نہیں سُناسکتے جو کہ قبروں میں ہیں۔  
ان تینوں آیتوں میں یہ بات قابلِ نظر ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ مردے سُن  
نہیں سکتے بلکہ تینوں آیتوں میں نفی اس کی گئی ہے کہ آپ نہیں سُناسکتے۔ تینوں آیتوں میں سی تعبیر  
عنوان کو اختیار کرنے سے اس طرف واضح اشارہ نکلتا ہے کہ مردوں میں سُننے کی صلاحیت تو ہو سکتی ہے



مگر ہم باختیار خود ان کو نہیں مٹا سکتے۔

ان تینوں آیتوں کے بالمقابل ایک چوتھی آیت جو شہدار کے بارے میں آئی ہے وہ یہ ثابت کرتی ہے کہ شہدار کو اپنی قبروں میں ایک خاص قسم کی زندگی عطا ہوتی ہے اور اس زندگی کے مطابق رزق بھی انکو ملتا ہے اور اپنے پیمانہ متعلقین کے متعلق بھی منجانب اللہ ان کو بشارت سنائی جاتی ہے آیت یہ ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ، یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور اور ادراک باقی رہ سکتا ہے بلکہ شہدار کے معاملہ میں اسکے وقوع کی شہادت بھی یہ آیت دے رہی ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ یہ حکم تو شہیدوں کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے اموات کے لئے نہیں، سو اسکا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے کم از کم اتنا تو ثابت ہو گیا کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور و ادراک اور اس دنیا کی ساتھ علاقہ باقی رہ سکتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے شہدار کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ ان کی ارواح کا تعلق انکے اجساد اور قبور کے ساتھ قائم رہتا ہے اسی طرح جب اللہ تعالیٰ چاہیں تو دوسرے اموات کو یہ موقع دے سکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو سماع اموات کے قائل ہیں، انکا یہ قول بھی ایک صحیح حدیث کی بنا پر ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اسناد صحیح کے ساتھ منقول ہے وہ یہ ہے۔

مَا مِنْ أَحَدٍ يَسْأَلُ بِقَبْرِ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ كَانِ يَعْرِفُهُ فِي الدُّنْيَا فَيَسْأَلُ عَلَيْهِ إِلَّا سَرَّ اللَّهُ عَلَيْهِ رَحْمَةً حَتَّى يَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ (ذكر ابن كثير في تفسيره مصححاً عن ابن عمر)

جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ اس کو سلام کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کے مُردے کی روح اس میں واپس بھیجتے ہیں تاکہ وہ سلام کا جواب دے۔

اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ جب کوئی شخص اپنے مُردہ مسلمان بھائی کی قبر پر جا کر سلام کرتا ہے تو وہ مُردہ اسکے سلام کو سنتا ہے اور جواب دیتا ہے اور اُس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس وقت اس کی روح اس دنیا میں واپس بھیجتے ہیں۔ اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں اول یہ کہ مُردے سن سکتے ہیں دوسرے یہ کہ اُن کا سننا اور ہمارا سننا ہمارے اختیار میں نہیں البتہ اللہ تعالیٰ جب چاہیں سنا دیں، جب نہ چاہیں نہ سنائیں۔ مسلمان کے سلام کرنے کے وقت تو اس حدیث نے بتلادیا کہ حق تعالیٰ مُردہ کی روح واپس لا کر اسکو سلام سنا دیتے ہیں اور اس کو سلام کا جواب دینے کی بھی قدرت دیتے ہیں۔ باقی حالات و کلمات کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا کہ مُردہ ان کو سننے لگایا نہیں۔ اسی لئے امام غزالی اور علامہ سبکی وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ اتنی بات تو احادیث صحیحہ اور قرآن کی آیت مذکورہ سے ثابت ہے کہ بعض اوقات میں مُردے زندوں کا کلام سنتے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں کہ ہر مُردہ



ہر حال میں ہر شخص کے کلام کو ضرور مستند ہے اس طرح آیات و روایات کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مُردے ایک وقت میں اُخیاء کے کلام کو سُن سکیں دوسرے وقت نہ سُن سکیں، یہ بھی ممکن ہے کہ بعض کے کلام کو سُنیں بعض کے کلام کو نہ سُنیں، یا بعض مُردے سُنیں بعض نہ سُنیں، کیونکہ سورۃ نمل، سورۃ روم، سورۃ فاطر کی آیات سے بھی یہ ثابت ہے کہ مردوں کو سُنانا ہمارے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں سُنا دیتے ہیں اس لئے جن مواقع میں حدیث کی روایات صحیحہ سے سُنا ثابت ہے وہاں سُنانے پر عقیدہ رکھا جائے اور جہاں ثابت نہیں وہاں دونوں احتمال ہیں اس لئے نہ قطعی اثبات کی گنجائش ہے نہ قطعی نفی کی رو اللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

اس مسئلہ کی مکمل تحقیق میں احقر نے ایک مستقل رسالہ بنام تکمیل الجبور لسماع اہل القبور لکھا ہے جو احکام القرآن سورۃ روم حزب فاس میں بزبان عربی شائع ہوا ہے جس میں آیات و روایات اور اقوال سلف و خلف اور شرح الصدور وغیرہ سے بہت سے واقعات و مخاطبات اہل قبور کے نقل کئے گئے ہیں۔ اہل علم وہاں دیکھ سکتے ہیں عوام کے لئے یہاں اسکا ضروری خلاصہ لکھا گیا ہے۔

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ

اور جب پڑچکے گی اُن پر بات نکالیں گے ہم اُن کے آگے ایک جانور زمین سے اُن سے باتیں کرے گا

أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿۸۳﴾

اس واسطے کہ لوگ ہماری نشانیوں کا یقین نہیں کرتے تھے

## خلاصہ تفسیر

اور جب وعدہ (قیامت کا) ان (لوگوں) پر پورا ہونے کو ہوگا (یعنی قیامت کا زمانہ قریب پہنچے گا) تو ہم اُن کے لئے زمین سے ایک (بجیب) جانور نکالیں گے کہ وہ اُن سے باتیں کرے گا کہ (کافر) لوگ ہماری (یعنی اللہ تعالیٰ کی) آیتوں پر (خصوصاً اُن آیتوں پر جو قیامت کے متعلق ہیں) یقین نہیں لاتے تھے (مگر اب قیامت آپہنچی اُس کی علامتوں میں ایک علامت میرا ظہور بھی ہے)۔

## معارف و مسائل

دابتہ الارض کیا ہے اور | مسند احمد میں حضرت حذیفہ رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں اور کب نکلے گا | نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تم اس سے پہلے دُش نشانیاں نہ دیکھ لو۔ (۱) آفتاب کا جانب مغرب سے طلوع ہونا (۲) دھان (۳) دابتہ (۴)



خروج یا جوج ثاجوج (۵) نزول عیسیٰ علیہ السلام (۶) دجال (۷) تین خسوف، ایک مغرب میں دوسرا مشرق میں تیسرا جزیرۃ العرب میں ہوگا (۱۰) ایک آگ جو قعر عدن سے نکلے گی اور سب لوگوں کو ہنکا کر میدان حشر کی طرف لے آئیگی جس مقام پر لوگ رات گزارنے کے لئے ٹھہریں گے یہ آگ بھی ٹھہر جائے گی پھر ان کو لے چلے گی (بکذا رواہ مسلم و اہل السنن من طرق و قال الترمذی حدیث حسن صحیح)

اس حدیث سے قرب قیامت میں زمین سے ایک ایسے جانور کا نکلنا ثابت ہوا جو لوگوں سے باتیں کرے گا۔ اور لفظ دابۃ کی تئوین میں اس جانور کے عجیب الخلقیت ہونے کی طرف بھی اشارہ پایا گیا، اور یہ بھی کہ یہ جانور عام جانوروں کی طرح تو والد و تناسل کے طریق پر پیدا نہیں ہوگا بلکہ اچانک زمین سے نکلے گا اور یہ بات بھی اسی حدیث سے سمجھ میں آتی ہے کہ دابۃ الارض کا خروج بالکل آخری علامات میں سے ہوگا جس کے بعد بہت جلد قیامت آجائے گی۔ ابن کثیر نے بحوالہ ابو داؤد طیا سنی حضرت طلحہ بن عمرو ایک طویل حدیث میں روایت کیا ہے کہ یہ دابۃ الارض مکہ مکرمہ میں کوہ صفا سے نکلے گا اور اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا مسجد حرام میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان پہنچ جائیگا۔ لوگ اس کو دیکھ کر بھاگنے لگیں گے ایک جماعت رہ جائے گی یہ دابہ ان کے چہروں کو ستاروں کی طرح روشن کر دے گا۔ اسکے بعد وہ زمین کی طرف نکلے گا، ہر کافر کے چہرے پر کفر کا نشان لگا دے گا۔ کوئی اس کی پکڑ سے بھاگ نہ سکے گا یہ ہر مومن و کافر کو پہچانے گا (ابن کثیر) اور مسلم بن حجاج نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی تھی جس کو میں کبھی بھولتا نہیں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی آخری علامات میں سب سے پہلے آفتاب کا طلوع مغرب کی طرف سے ہوگا اور آفتاب بلند ہونے کے بعد دابۃ الارض نکلے گا ان دونوں علامتوں میں سے جو بھی پہلے ہو جائے اسکے فوراً بعد قیامت آجائے گی۔ (ابن کثیر)

شیخ جلال الدین محلی نے فرمایا کہ خروج دابہ کے وقت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے احکام منقطع ہو جائیں گے اور اسکے بعد کوئی کافر اسلام قبول نہ کرے گا۔ یہ مضمون بہت سی احادیث و آثار سے مستنبط ہوتا ہے (منظری) ابن کثیر وغیرہ نے اس جگہ دابۃ الارض کی ہیئت اور کیفیات و حالات کے متعلق مختلف روایات نقل کی ہیں جنہیں سے اکثر قابل اعتماد نہیں اسلئے جتنی بات قرآن کی آیات اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ عجیب الخلقیت جانور ہوگا۔ بغیر تو والد و تناسل کے زمین سے نکلے گا۔ اسکا خروج مکہ مکرمہ میں ہوگا پھر ساری دنیا میں پھرے گا۔ یہ کافر و مومن کو پہچانے گا۔ اور ان سے کلام کرے گا۔ بس اتنی بات پر عقیدہ رکھا جائے، رائد کیفیات و حالات کی تحقیق و تفتیش نہ ضروری ہے نہ اس سے کچھ فائدہ ہے۔

رہا یہ معاملہ کہ دابۃ الارض لوگوں سے کلام کرے گا اسکا کیا مطلب ہے؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ



اس کا کلام یہی ہو گا جو قرآن میں مذکور ہے اِنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُوْنَ، یہ کلام وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو سنائے گا، بہت سے لوگ آج سے پہلے ہماری آیتوں پر یقین نہ رکھتے تھے اور مطلب یہ ہو گا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ان سب کو یقین ہو جائے گا مگر اس وقت کا یقین شرعاً معتبر نہیں ہو گا۔ اور حضرت ابن عباس، حسن بصری، قتادہ سے منقول ہے اور ایک روایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی ہے کہ یہ دابہ لوگوں سے خطاب اور کلام کرے گا جس طرح عام کلام ہوتا ہے (ابن کثیر)۔

وَيَوْمَ نَخْتَرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّنْ يُّكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿۸۳﴾

اور جس دن گھیر بلائیں گے ہم ہر ایک فرقہ میں سے ایک جماعت جو جھٹلاتے تھے ہماری باتوں کو پھر انکی جماعت بندی ہوگی

حَتّٰى اِذَا جَاؤُوْا قَالْ اَكْذٰبُكُمْ بِآيٰتِنَا وَلَكُمْ تَحِيْطُوْا زَهٰرُ عِلْمًا اَمَّا

یہاں تک کہ جب حاضر ہو جائیں فرمایا گیا کیوں جھٹلاتے تھے میری باتوں کو اور نہ آپکی باتیں تمہاری سمجھ میں یا بلکہ کہ

ذٰكُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَاُفٍّ لَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾

کیا کرتے تھے اور پڑ چکی ان پر بات اس واسطے کہ انھوں نے شرارت کی تھی اب کچھ نہیں بول سکتے

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الْيَلَّ لَيْسُ كُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارُ مُبْصِرًا اِنَّ فِيْ

کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے بنائی رات کہ اس میں چین حاصل کریں اور دن بنایا دیکھنے کو البتہ اس میں

ذٰلِكَ لَا يَتْلُوْهُمُ الْغَوَّيُّوْنَ ﴿۸۶﴾ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ

نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین کرتے ہیں اور جہنم پھونکی جائے گی صور تو گھبرا جائے

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ وَكُلٌّ

جو کوئی ہے آسمان میں اور جو کوئی ہے زمین میں مگر جس کو اللہ چاہے اور سب

اَنْوٰهُ ذٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرٰى الْجِبَالَ تَحْسِبُهَا جَٰمِدًا وَهِيَ كَتَمْرٌ مُّرٌّ

چلے آئیں اسکے آگے عاجزی سے اور تو دیکھے پہاڑوں کو سمجھے کہ وہ جم رہے ہیں اور وہ چلیں گے جیسے

السَّحَابِ صُنِعَ اللّٰهُ الَّذِیْ اَتَقَنَ كُلَّ شَیْءٍ اِنَّهٗ خَبِيْرٌ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

چلے بادل کاری گری اللہ کی جس نے درست کیا ہے ہر چیز کو اس کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو

مَنْ جَاؤْا بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا وَهُمْ مِّنْ فَزَعِ يَوْمَئِذٍ

جو کوئی لے کر آیا بھلائی تو اس کو ملے اُس سے بہتر اور ان کو گھبراہٹ سے اس دن

اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَاؤْا بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّٰرِ

امن ہے اور جو کوئی لے کر آیا بُرائی سواوند سے ڈالیں ان کے منہ آگ میں

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

وہی بدلہ پاؤ گے جو کچھ تم کیا کرتے تھے



## خلاصہ تفسیر

جس دن (قبروں سے زندہ کرنے کے بعد) ہم ہر امت میں سے (یعنی اُمم سابقہ میں سے بھی اور اس امت میں سے بھی) ایک ایک گروہ اُن لوگوں کا (حساب کے لئے) جمع کریں گے جو میری آیتوں کو جھٹلایا کرتے تھے (پھر اُن کو موقف کی طرف حساب کے لئے روانہ کیا جائیگا اور چونکہ یہ کثرت سے ہونگے اسلئے) اُن کو (چلنے میں پھلوں سے اُٹنے کے واسطے) روکا جائے گا (تاکہ آگے پیچھے نہ رہیں سب ساتھ ہو کر موقف حساب کی طرف چلیں۔ مراد اس سے کثرت کا بیان ہے کیونکہ بڑے مجمع میں عادتہ ایسا ہوتا ہے خواہ روک ٹوک ہو یا نہ ہو) یہاں تک کہ جب (چلتے چلتے موقف میں) حاضر ہو جا دیں گے تو (حساب شروع ہوگا اور) اللہ تعالیٰ ارشاد فرمادیگا کہ کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا حالانکہ تم اُن کو اپنے احاطہ علمی میں بھی نہیں لاتے (جسے بعد غور کرنے کا موقع ملتا اور غور کر کے اُس پر کچھ رائے قائم کرتے، مطلب یہ کہ سننے ہی بلا تدبر و تفکر، اُن کی تکذیب کر دی اور تکذیب ہی پر اکتفا نہیں کیا) بلکہ (یاد تو کرو اسکے علاوہ) اور بھی کیا کیا کام کرتے رہے (مثلاً انبیاء کو اور اہل ایمان کو ایذا میں دیں جو تکذیب سے بھی بڑھ کر ہے۔ اسی طرح اور عقائد کفریہ اور فسق و فجور میں مبتلا رہے) اور (اب وہ وقت ہے کہ) اُن پر (بوجہ قائم ہو جانے جرم کے) عذاب (غذاب کا) پورا ہو گیا (یعنی سزا کا استحقاق ثابت ہو گیا) بوجہ اس کے کہ (دُنیا میں) انھوں نے (بڑی بڑی) زیادتیاں کی تھیں (جن کا آج ظہور ثابت ہو گیا) سو (چونکہ ثبوت قوی ہے اسلئے) وہ لوگ (عذر وغیرہ کے متعلق) بات بھی نہ کر سکیں گے (اور بعض آیات میں جو ان کا عذر پیش کرنا مذکور ہے وہ ابتداء میں ہوگا پھر بعد اقامتِ حجت کوئی بات نہ کہہ سکیں گے۔ اور یہ لوگ جو امکانِ قیامت کے منکر ہیں تو حماقتِ محضہ ہے کیونکہ علاوہ دلائلِ نقلیہ صادقہ کے اس پر دلیلِ عقلی بھی تو قائم ہے مثلاً) کیا انھوں نے اس پر نظر نہیں کیا کہ چمنے رات بنائی تاکہ لوگ اس میں آرام کریں (اور یہ آرام مشابہ موت کے ہے) اور دن بنایا جس میں دیکھیں بھالیں (جو کہ موقوف ہے بیداری پر اور وہ مشابہ حیات بعد الموت کے ہے پس) بلاشبہ اس (روزانہ خواب بیداری) میں (امکانِ بعثت پر اور ان آیات کے حق ہونے پر جو اس پر دال ہیں) بڑی دلیلیں ہیں (کیونکہ موت کی حقیقت یہ ہے کہ روح کا تعلق جسم سے زائل ہو جائے اور حیاتِ ثانیہ کی حقیقت یہ ہے کہ یہ تعلق پھر عود کر آئے، اور نیند بھی ایک حیثیت سے زوال ہے اس تعلق کا، کیونکہ نیند میں یہ تعلق ضعیف ہو جاتا ہے اور ضعف جھبی ہوتا ہے جبکہ اسکے مراتب وجود میں کوئی مرتبہ زائل ہو جائے، اور بیداری اس زائل شدہ مرتبہ وجود کے عود کا نام ہے اس لئے دونوں میں تشابہ تام ہو گیا۔ اور نیند کے بعد بیداری پر اللہ تعالیٰ کی قدرت روزانہ مشاہدہ میں آتی ہے تو موت کے بعد زندگی بھی اُس کی نظیر ہے وہ کیوں اللہ کی قدرت سے خارج ہوگا، اور



یہ دلیل عقلی ہر شخص کے لئے عام ہے مگر باعتبار انتفاع کے (ان ہی) لوگوں کے لئے (ہے) جو ایمان رکھتے ہیں (کیونکہ وہ غور و فکر کرتے ہیں، اور دوسرے تدبیر نہیں کرتے اور کسی نتیجہ پر پہنچنے کے لئے نظر و فکر ضروری ہے اسلئے دوسرے اس سے منتفع نہیں ہوتے) اور (ایک واقعہ ہولناک اس حشر مذکور سے پہلے ہوگا جسکا آگے ذکر ہے اُس کی ہیبت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جس دن صور میں چھونک ماری جاوے گی (یہ نفعہ اولیٰ ہے اور حشر مذکور نفعہ ثانیہ کے بعد تھا) سو جتنے آسمان اور زمین میں (فرشتے اور آدمی وغیرہ) ہیں سب گھبرا جاویں گے (اور پھر مر جاویں گے اور جو مر چکے ہیں ان کی رو عین بیہوش ہو جاویں گی) مگر جس کو خدا چاہے (وہ اس گھبراہٹ سے اور موت سے محفوظ رہے گا۔ مراد ان سے حسب حدیث مرفوع جبریل و میکائیل و اسرافیل و ملک الموت و حاملین عرش ہیں پھر ان سب کی بھی بدون اثر نفعہ وفات ہو جاوے گی۔ کذا فی الدر المنثور۔ سورۃ الزمر) اور (دنیا میں جیسے عادت ہے کہ جس سے گھبراہٹ اور ڈر ہوتا ہے اس سے بھاگ جاتے ہیں وہاں اللہ تعالیٰ سے کوئی بھاگ سکے گا بلکہ) سب کے سب اُسی کے سامنے دبے جھکے حاضر رہیں گے (یہاں تک کہ زندہ آدمی مردہ اور مردے بیہوش ہو جاویں گے) اور (نفعہ کی یہ تفسیر و تاثیر جانداروں میں ہوگی اور آگے بے جان چیز و نہیں جو تاثیر ہوگی اسکا بیان ہے وہ یہ کہ اُسے مخاطب) تو (اس وقت) پہاڑوں کو ایسی حالت میں دیکھ رہا ہے جس سے (ان کے ظاہری احکام کے سبب بادی النظر میں) تجھ کو خیال ہوتا ہے کہ یہ (ہمیشہ ٹھیل ہی رہیں گے اور کبھی اپنی جگہ سے) جنبش نہ کریں گے حالانکہ (اس وقت ان کی یہ حالت ہوگی کہ) وہ بادلوں کی طرح (متخلخل اور خفیف اور اجزاء منتشر ہو کر فصائے آسمانی میں) اُڑے اُڑے پھریں گے (کقولہ تعالیٰ وَبُشَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبًا مَّوْجًا) اور اس پر کچھ تعجب نہ کرنا چاہیے کہ اسی ثقیل اور سخت چیز کا یہ حال کیسے ہو جاوے گا، وجہ یہ کہ) یہ خدا کا کام ہوگا جس نے ہر چیز کو (مناسب انداز پر) بنا رکھا ہے (اور ابتداء میں کسی شے میں کوئی مضبوطی نہ تھی کیونکہ خود اس شے کی ذات ہی نہ تھی، پس مضبوطی کی صفت تو بدرجہ اولیٰ نہ تھی سو جیسے اس نے معدوم سے موجود اور ضعیف سے قوی بنایا اسی طرح اسکا عکس بھی کر سکتا ہے کیونکہ قدرت ذاتیہ کی نسبت تمام مقدرات کے ساتھ یکساں ہے، بالخصوص جو چیزیں ایک دوسرے کی نظیر اور مشابہ ہیں ان میں تو زیادہ واضح ہے۔ اسی طرح دوسری مخلوقات تو یہ آسمان و زمین وغیرہ میں تغیر عظیم ہونا دوسری آیات میں مذکور ہے وَتَجْمَلُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَلْيَكُنْ ذَاكُ وَاحِدًا فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ سِوَا مَا كَانَتْ قَبْلَ ذَلِكَ) اور اسی نفعہ ثانیہ ہوگا جس سے ارواح ہوش میں آکر اپنے ابدان سے متعلق ہو جاویں گی اور پورا عالم نئے سے سے درست ہو جاوے گا اور اُپر جو حشر کا ذکر تھا وہ اسی نفعہ ثانیہ کے بعد ہوگا۔ آگے اسلئے مقصود یعنی قیامت میں جزاء و سزا کا بیان ہے۔ پس اول اسکی تمہید کے طور پر ارشاد ہے کہ یہ یقینی بات ہے



کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب افعال کی پوری خبر ہے (جو جزاء و سزا کی پہلی شرط ہے اور دوسری شرائط بھی مثل قدرت وغیرہ مستقل دلائل سے ثابت ہیں، پس مجازات کا ممکن ہونا تو اس سے ظاہر ہے اور پھر حکمت متقنی ہے وقوع مجازات کو، اس سے جزاء و سزا کا واقع ہونا ثابت ہو گیا، تمہید کے بعد آگے اسکا وقوع مع اسکے قانون اور طریقہ کے بیان فرماتے ہیں کہ) جو شخص نیکی (یعنی ایمان) لاویگا سو (وہ ایمان لانے پر جس اجر کا مستحق ہے) اس شخص کو اس (نیکی کے اجر مذکور) سے بہتر راجر ملے گا اور وہ لوگ بڑی گھبراہٹ سے اس روز امن میں رہیں گے (جیسا کہ سورہ انبیاء میں ہے لَا يَخْزِيهِمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ) اور جو شخص بدی (یعنی کفر و منکر) لاویگا تو وہ لوگ آوندھے منہ آگ میں ڈال دیئے جاویں گے (اور اُن سے کہا جاوے گا کہ تم کو تو انہی اعمال کی سزا دی جا رہی ہے جو تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے (یہ عذاب بے وجہ نہیں)۔

## معارف و مسائل

فَهَمَّ يَوْمَئِذٍ زَعَوْنَ، ذرع سے مشتق ہے جس کے معنے رد کرنے کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اگلے حصہ کو رد کیا جائیگا تاکہ پیچھے لپھے ہوئے لوگ ساتھ ہو جاویں اور بعض حضرات نے ذرع کے معنی یہاں دفع کے لئے ہیں یعنی ان کو دھکے دے کر موقع کی طرف لایا جائیگا وَلَوْ تَخَيَّلُوا بِهَآءِ آيَاتِنَا، ایسی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب خود ایک بڑا جرم و گناہ ہے خصوصاً جبکہ سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کرنے کی طرف توجہ کئے بغیر ہی تکذیب کرنے لگیں تو یہ جرم دوہرا ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ غور و فکر کرنے کے باوجود حق کو نہ پاسکیں کہ اُن کی نظر و فکر ہی گمراہی کی طرف لے جائے تو انکا جرم کسی قدر ہلکا ہو جاتا ہے اگرچہ اللہ کے وجود اور توحید وغیرہ کی تکذیب پھر بھی کفر و ضلال اور دائمی عذاب سے نہیں بچائے گی کیونکہ یہ ایسے بدیہی امور ہیں جن میں نظر و فکر کی غلطی معاف نہیں۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي السُّورِ فَتُزَعِّمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ اٰمَنَ، فزع کے معنے گھبرانے اور پریشان ہونے کے ہیں، اور ایک دوسری آیت میں اس جگہ فزع کے بجائے صرعى آیا ہے جس کے معنے بیہوش ہونے کے ہیں۔ اگر یہ دونوں آیتیں پہلے نفخہ صور کے متعلق قرار دی جائیں تو ان دونوں نفثوں کا حاصل یہ ہوگا کہ صور پھونکنے کے وقت اول تو سب گھبرائیں گے اور پریشان ہو گئے پھر بیہوش ہو جائیں گے بالآخر مرجائیں گے۔ اور قتادہ وغیرہ ائمہ تفسیر نے اس آیت کو نفخہ ثانیہ کے متعلق قرار دیا ہے جس سے سب مرنے دوبارہ زندہ ہو جائیں گے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ سب زندہ ہونے کے وقت گھبرائے ہوئے ہوں گے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ صور میں مرتبہ پھونکا جائے گا، پہلا نفخہ نفخہ فزع ہوگا جس سے سب پریشانی گھبراہٹ اور اضطراب میں مبتلا ہو جائیں گے، دوسرا نفخہ نفث ہوگا جس سے سب مرجائیں گے، تیسرا نفخہ نفخہ حشر و نشر ہوگا جس سے سب مرنے زندہ ہو جاویں گے مگر



آیات قرآن اور احادیث صحیحہ سے ثبوت دو ہی نفخوں کا ملتا ہے (قرطبی و ابن کثیر) ابن مبارک نے حضرت حسن بصری سے مرسل روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا۔ (قرطبی)

إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ، یہ استثناء فزع سے ہے جس کے معنی گھبراہٹ کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہونگے جن پر کوئی گھبراہٹ حشر کے وقت نہیں ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی کی ایک حدیث میں ہے کہ یہ لوگ شہدار ہونگے حشر کی دوبارہ زندگی کے وقت ان پر کوئی گھبراہٹ نہیں ہوگی (صحیح الحدیث ابن العربی قرطبی) سعید بن جبیر نے بھی یہی فرمایا کہ مراد اس سے شہدار ہیں جو حشر کے وقت اپنی تلواریں باندھے ہوئے عرش کے گرد جمع ہونگے اور قشیری نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام ان میں بدرجہ اولیٰ داخل ہیں کیونکہ انکو مقام شہادت بھی حاصل ہے اور مقام نبوت مزید براں ہے۔ (قرطبی)

اور سورۃ زمر میں آگے آئیگا وَنُفِخُ فِي الصُّورِ فَصُورِقُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ اس میں فزع کے بجائے صقع کا لفظ آیا ہے جس کے معنی بہوش ہونے کے ہیں اور مراد اس جگہ بہوش ہونا پھر مرجانا ہے اور اس میں بھی اِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ کا استثناء ہے اور اس استثناء سے مراد مرفوع حدیث کے مطابق چھ فرشتے جبریل، میکائیل، اسرافیل، ملک الموت اور حملة العرش ہیں کہ یہ نفخہ صُور سے نہ مریں گے، بعد میں حسب تصریح حدیث ان سب کو بھی موت آئے گی۔ جن حضرات مفسرین نے فزع اور صقع کو ایک ہی قرار دیا ہے، انہوں نے سورۃ زمر کی طرح یہاں بھی استثناء سے مراد مخصوص فرشتے لئے ہیں خلاصہ تفسیر میں اسی کو اختیار کیا گیا اور جنہوں نے فزع اور صقع کو الگ الگ مانا ہوائے نزدیک فزع سے مستثنیٰ شہدار ہیں جیسا کہ اوپر نقل کیا گیا۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسِبُهَا جَمْدًا وَرَءًى تَمُوتُ مَرَاتٍ السَّحَابُ کَذٰلِکَ یَذٰہِبُ یہ ہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ کر اس طرح چلیں گے جیسے بادل کہ دیکھنے والا اس کو اپنی جگہ جما ہوا سمجھتا ہے حالانکہ وہ تیزی سے چل رہے ہیں۔ تمام بڑے اجسام جن کی ابتداء انتہار انسان کی نظر کے سامنے نہیں ہوتی جب وہ کسی ایک سمت کی طرف حرکت کریں تو خواہ حرکت کتنی بھی تیز ہو دیکھنے والوں کو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ وہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں جسکا مشاہدہ سب کو گھرے بادل اور دُور تک چھائی ہوئی گھٹا سے ہوتا ہے کہ یہ بادل اپنی جگہ جمے ہوئے دکھائی دیتے ہیں حالانکہ وہ چل رہے ہوتے ہیں مگر ان کی حرکت دیکھنے والوں کو اس وقت محسوس ہوتی ہے جب وہ اتنی دُور چلے جائیں کہ افق کا کنارہ اس سے کھل جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ پہاڑوں کا جامد ہونا دیکھنے والے کی نظر کے اعتبار سے ہے اور اسکا حرکت کرنا حقیقت کے اعتبار سے۔ عام مفسرین نے آیت کا مطلب یہی قرار دیا ہے اور خلاصہ تفسیر مذکور میں یہ اختیار کیا گیا ہے کہ یہ دو حال دو وقتوں کے ہیں۔ جامد ہونا اس وقت کے اعتبار سے جبکہ دیکھ کر



ہر دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہ کبھی اپنی جگہ سے نہ ہلیں گے، اور تَعْمُرُوا السَّحَابِ قیامت کے دن کے اعتبار سے ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ قرآن کریم میں قیامت کے روز پہاڑوں کے حالات مختلف بیان ہوئے ہیں۔ پہلا حال اُنڈ کا کہ اور زلزلہ ہے جو پوری زمین پہاڑوں کو محیط ہوگا۔ اِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دُكًّا اور اِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا، دوسرا حال اسکی بڑی بڑی چٹانوں کا دھسکی ہوئی روئی کی طرح ہو جانا ہے وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ اور یہ اسوقت ہوگا جب اوپر سے آسمان بھی پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا زمین سے پہاڑ روئی کی طرح اوپر جائیں گے اوپر سے آسمان نیچے آئیں گے اور دونوں مل جائیں گے يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ۔ تیسرا حال یہ ہے کہ وہ دھسکی ہوئی روئی کے ایک جسم متصل کے بجائے ریزہ ریزہ اور ذرہ ذرہ ہو جائے۔ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَاءً مُنْبَثًّا۔ چوتھا حال یہ ہے کہ وہ ریزہ ریزہ ہو کر پھیل جائے فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا۔ پانچواں حال یہ ہے کہ یہ پہاڑ جو ریزہ ریزہ ہو کر غبار کی طرح زمین پر پھیل گئے ہیں ان کو ہوائیں اور اُٹھکر یسجائیں اور چونکہ یہ غبار ساری زمین پر چھایا ہوگا تو اگرچہ یہ بادل کی طرح تیز حرکت کرتا ہوگا مگر دیکھنے والا اسکو اپنی جگہ جما ہوا دیکھے گا تَوَالِي الْجِبَالُ تَحْسَبُهَا جَمَادًا وَرَبِّي تَعْمُرُهَا تَعْمِيرًا۔ سان میں سے بعض حالات صور کے نفخہ اولی کے وقت ہونگے اور بعض نفخہ ثانیہ کے بعد اسوقت جبکہ زمین کو ایک سطح مستوی بنا دیا جائے کہ نہ اذیں کوئی غار رہے گانہ پہاڑ نہ کوئی عمارت نہ درخت۔ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا لَا تَرَى فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا (از قرطبی و روح المعانی) واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

صَنَعَ اللَّهُ الَّذِي أَنْفَقَ كُلَّ شَيْءٍ صُنْعًا بِمَعْنَى صُنْعٍ ہے اور اتقن، اتقان و مشق ہے جس کے معنی کسی چیز کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے آتے ہیں۔ بظاہر یہ جملہ تمام مضامین سابقہ کے ساتھ متعلق ہے جن میں حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور صنعت عجیبہ کا ذکر ہے جس میں میل و نہار کا انقلاب بھی ہے اور نفخ صور سے لے کر حشر و نشر تک کے سب حالات بھی اور مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں کچھ حیرت اور تعجب کی نہیں کیونکہ ان کا صانع کوئی محدود و علم و قدرت والا انسان یا فرشتہ نہیں، بلکہ رب العالمین ہے۔ اور اگر اسکا تعلق قریبی جملے تَوَالِي الْجِبَالُ تَحْسَبُهَا جَمَادًا الْآیۃ سے کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ پہاڑوں کا یہ حال کہ دیکھنے والے ان کو جما ہوا دیکھیں اور وہ واقع میں چل رہے اور حرکت کر رہے ہوں کچھ مستبعد اور جائے تعجب نہیں کیونکہ یہ صنعت الشرب العزت کی ہے۔ جس کی قدرت میں سب کچھ ہے۔

مَنْ جَاءَكَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّمَّا تَكْتُمُ، یہ حشر و نشر اور حساب کتاب کے بعد پیش آنے والے انجام کا ذکر ہے اور حسنہ سے مراد کلمہ لا الہ الا اللہ ہے (کما قال ابراہیم) یا خلاص ہے (کما قال قتادہ) اور بعض حضرات نے مطلق طاعت کو اس میں داخل قرار دیا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ جو شخص نیک عمل کرے گا







(یہ تو توحید کا حکم ہوا) اور (مجھ کو) یہ (بھی حکم ملا ہے) کہ میں (تم کو) قرآن پڑھ پڑھ کر سناؤں (یعنی احکام الہیہ کی تبلیغ کروں جو نبوت کے لوازم میں سے ہے) سو (میری تبلیغ کے بعد) جو شخص راہ پر آدیکھا تو اپنے ہی فائدہ کے لئے راہ پر آدیکھا (یعنی اس کو عذاب کے نجات اور جنت کی لازوال نعمتیں ملیں گی، میں اس سے کسی اپنے مالی یا جاہی نفع کا خواہاں نہیں) اور جو شخص گمراہ رہے گا تو آپ کہہ دیجئے کہ (میرا کوئی ضرر نہیں کیونکہ) میں تو صرف ڈرائیوالے (یعنی حکم سنائیوالے) پیغمبروں میں سے ہوں (یعنی میرا کام تو حکم پہنچا دینا ہے، اسکے بعد میری ذمہ داری ختم ہے نہ مانو گے تو وبال تمہیں ہی بھگتنا پڑیگا) اور آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ (تم جو قیامت کے آنے میں دیر کو اس کے نہ ہونے کی دلیل سمجھ کر انکار کرتے ہو یہ تمہاری بیوقوفی پر کسی چیز کے واقع ہونے میں دیر لگنا اسکی دلیل نہیں ہو سکتا کہ وہ کبھی واقع ہو ہی گی نہیں۔ اسکے علاوہ تم جو مجھ سے کہتے ہو کہ میں جلد قیامت لے آؤں یہ دوسری غلطی ہے کیونکہ میں نے یہ کب دعویٰ کیا ہے کہ قیامت کا واقع کرنا میرے اختیار میں ہے بلکہ) سب خوبیاں خالص اللہ ہی کیلئے ثابت ہیں (قدرت بھی علم بھی حکمت بھی)۔ وہ جب اسکی حکمت کا تقاضا ہوگا قیامت کو واقع کر دیگا۔ ہاں اتنی بات ہمیں بھی بتلا دی گئی ہے کہ قیامت میں زیادہ دیر نہیں بلکہ وہ تم کو عنقریب اپنی نشانیاں (یعنی قیامت کے واقعات) دکھلا دیگا سو تم (دقوع کے وقت) انکو پہچانو گے (جبکہ پہچاننے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا) اور (صرف یہ علائق کھلانے پر اتفاق ہوگا بلکہ اپنے بڑے اعمال کی سزا بھی بھگتنا پڑے گی کیونکہ) آپ کا رب ان کاموں کے خیر نہیں جو تم سب لوگ کر رہے ہو۔

### معارف و مسائل

رَبِّ هَذِهِ الْبِلَادِ، بلاد کا سے مراد جو مفسرین کے نزدیک مکہ مکرمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تو رب العالمین اور رب السموات والارض ہے مکہ مکرمہ کی تخصیص اس جگہ اسکی عظمت شان اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم و محترم ہونے کا اظہار ہے۔ لفظ حرم تحرم سے مشتق ہے اسکے معنی مطلق احترام و اکرام کے بھی ہیں اور اس احترام و اکرام کی وجہ سے جو خاص احکام شرعیہ مکہ مکرمہ اور ارض حرم سے متعلق ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں مثلاً جو شخص حرم میں پناہ لے وہ مومن ہو جاتا ہے۔ حرم میں کسی دشمن سے انتقام لینا اور قتل کرنا جائز نہیں اور ارض حرم میں شکار کو قتل کرنا بھی جائز نہیں، درختوں کا کاٹنا جائز نہیں۔ ان احکام کا بیان آیت وَمَنْ دَخَلَ كَانَ آمِنًا کے تحت میں اور کچھ سورۃ مائدہ کے شروع میں اور کچھ آیت لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ تَحْتَ يَدَيْكُمْ کے تحت پہلے بیان ہو چکا۔

الحمد للہ سورۃ نمل کی تفسیر آج شب دو شنبہ ۲۴ شوال ۱۳۹۱ھ میں تمام ہوئی جبکہ ۱۲ شوال سے ہندوستان کے ہندوؤں نے مغربی پاکستان پر بھرتی حملے میدانی اور بحری اور ہوائی کر دیئے ہیں، کراچی خاص طور پر اسکا نشانہ ہرات بمباری ہوتی ہے، شہری آبادی پر بھی بم گرتے ہیں۔ رات مکمل اندھیرا کھنپا پڑتا ہے اور بموں کے دھماکے سے مکان لرزتے ہیں، مگر اللہ کا فضل و کرم ہے کہ اسنے ان حالات میں بھی سلسلہ اس تفسیر کا جاری رکھا، اور اس جنگ کے دس روز میں بھی تفسیر کے تقریباً چالیس صفحات لکھے گئے۔



## سُورَةُ الْقَصَصِ

سُورَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ ثَمَانِيَّةٌ وَتَمَلُّونَ بِهَا يَتَرَوْسِعُ رُكُوعًا  
سُورَةُ قَصَص مکی ہے اور اس کی اٹھاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

طَسَمَ ۱ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۲ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنْ نَبَأِ مُوسَى

یہ آیتیں ہیں کھلی کتاب کی ہم سناتے ہیں تجھ کو کچھ احوال موسیٰ

وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۳ إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ

اور فرعون کا تحقیقی ان لوگوں کے واسطے جو یقین کرتے ہیں فرعون بڑھ رہا تھا ملک میں

وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضِعُّ طَائِفَةً مِنْهُمْ يَتَّبِعُ أَبْنَاءَهُمْ

اور کر رکھا تھا دہاں کے لوگوں کو کئی فرقے کمزور کر رکھا تھا ایک فرقہ کو ان میں ذبح کرتا تھا ان کے بیٹوں کو

وَيَسْتَحْيِ نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۴ وَرِيدُ أَنْ

اور زندہ رکھتا تھا انکی عورتوں کو بیشک وہ تھا خرابی ڈالنے والا اور ہم چاہتے ہیں کہ

تَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتَضَعُّوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَ

احسان کریں ان لوگوں پر جو کمزور ہوئے یا بڑے تھے ملک میں اور کر دیں ان کو سردار اور

نَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۵ وَنُكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنَرَى فِرْعَوْنَ

کر دیں ان کو قائم مقام اور جمادیں ان کو ملک میں اور دکھادیں فرعون

وَهَامُنَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ قَاكَاوَا يَجْذَرُونَ ۶ وَأَوْحَيْنَا إِلَى

اور ہامان کو اور انکے لشکروں کو انکے ہاتھ سے جس چیز کا ان کو خطرہ تھا اور ہم نے حکم بھیجا

أِمِّ مُوسَى أَنْ أَرْضِعِيهِ فَإِذَا خَفَتْ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَ

موسیٰ کی ماں کو کہ اس کو دودھ پلائی رہ پھر جب تجھ کو ڈر ہوا اسکا تو ڈال دے اس کو دریا میں اور

لَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ۷ إِنَّا رَأَوْهُ إِلَيْكَ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۸

نہ خطرہ کر اور نہ غمگین ہو ہم پھر پہنچا دیں گے اسکو تیری طرف اور کر دیں گے اُس کو رسولوں سے



فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا إِنَّ فِرْعَوْنَ وَ

ہمراٹھایا اس کو فرعون کے گھر والوں نے کہ ہو ان کا دشمن اور غم میں ڈالنے والا بیشک فرعون اور

ہامان و جنودہما کانوا خطیئین ۸ وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ

ہامان اور ان کے لشکر تھے چوکنے والے اور بولی فرعون کی عورت یہ تو آنکھوں کی

عَیْنُ لِي وَلَكَ لَا تَقْتُلُوهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا

ٹھنڈک ہے میرے لئے اور تیرے لئے اسکو موت مارو، کچھ بعید نہیں جو ہمارے کام آئے یا ہم اسکو کر لیں بیشا

وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۹ وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فِرْعَاوِنَ كَادَتْ

اور ان کو کچھ خبر نہ تھی اور صبح کو موسیٰ کی ماں کے دل میں قرار نہ رہا قریب تھی کہ

لَتُبْدِيَ بِهِ كَذِبًا أَنْ رَّبُّنَا عَلٰی قُلُوبِهَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۱۰

ظاہر کر دے بقرادی کو، اگر نہ بنے گمراہی ہوتی اسکے دل پر اسواسطے کہ رہے یقین کرنے والوں میں

وَقَالَتِ اِرْحِمِيْ قَصِيَّةً قَبَصَرْتُ بِهٖ عَنْ جَنْبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۱۱

اور کہدیا اسکی بہن کو پیچھے چلی جا پھر دیکھتی رہی اس کو اجنبی ہو کر اور ان کو خبر نہ ہوئی

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلٰی

اور روک رکھا تھا، ہم نے موسیٰ سے دایوں کو پہلے سے پھر بولی میں بتاؤں تم کو ایک

أَهْلٍ بَيْتٍ يَّكَفُلُوْهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَصْحُونَ ۱۲ فَرَدَدْنَاهُ اِلٰی اٰمِهِ

گھر والے کہ اس کو پال دیں تمہارے لئے اور وہ اسکا بھلا چاہنے والے ہیں، پھر ہم نے پہنچا دیا اسکو اسکی ماں

كٰی تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِنَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَلٰكِنْ

کیطرت کہ ٹھنڈی رہے اسکی آنکھ اور غمگین نہ ہو اور جانے کہ اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے

اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۱۳

بہت لوگ نہیں جانتے

## خلاصہ تفسیر

طسّم (اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں) یہ (مضامین جو آپ پر وحی کئے جاتے ہیں) کتابِ واضح (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں (جن میں اس مقام پر) ہم آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر (یعنی نازل کر کے) سناتے ہیں ان لوگوں کے (نفع کے) لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں (کیونکہ مقاصد قصص کے یعنی عبرت اور ان سے نبوت پر استدلال وغیرہ یہ مومنین ہی کے ساتھ خاص ہیں خواہ اسوقت مومن ہوں یا ایمان کا ارادہ رکھتے ہوں اور اجمال تو اس قصہ کا یہ ہے کہ) فرعون



سرزمین مصر میں بہت چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف قسمیں کر رکھا تھا (اس طرح کہ قبطیوں یعنی مصری لوگوں کو معزز بنا رکھا تھا اور سبطیوں یعنی بنی اسرائیل کو پست اور خوار کر رکھا تھا جسکا آگے بیان ہے) کہ ان (باشندوں) میں سے ایک جماعت (یعنی بنی اسرائیل) کا زور گھٹا رکھا تھا (اس طرح سے کہ) ان کے بیٹوں کو (جونے پیدا ہوتے تھے جلا دوں کے ہاتھوں) ذبح کرنا تھا اور ان کی عورتوں (یعنی لڑکیوں) کو زندہ رہنے دیتا تھا (تاکہ ان سے خدمت لیجاوے و نیز ان سے اندیشہ بھی نہ تھا) واقعی وہ بڑا مفسد تھا (غرض فرعون تو اس خیال میں تھا) اور ہم کو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زمین (مصر) میں زور گھٹایا جا رہا تھا ہم ان پر (دنیوی و دینی) احسان کریں اور (وہ احسان یہ کہ) ان کو (دین میں) پیشوا بنادیں اور (دنیا میں) ان کو (اس ملک کا) مالک بنائیں اور (مالک ہونے کے ساتھ) انکو (ملک) بھی بنائیں یعنی زمین میں ان کو حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین کو ان (بنی اسرائیل) کی جانب سے وہ (ناگوار) واقعات دکھلائیں جن سے وہ بچاؤ کر رہے تھے (مراد اس سے زوال سلطنت و ہلاکت ہے کہ اسی سے بچاؤ کرنے کے لئے بنی اسرائیل کے بچوں کو ایک تعبیر خواب کی بنا پر جو فرعون نے دیکھا تھا اور نجومیوں نے تعبیر دی تھی قتل کر رہا تھا (کنافی الدار المنشور) پس ہمارے قضاء و قدر کے سامنے ان لوگوں کی تدبیر کچھ کام نہ آئی، یہ اجمال قصہ کا ہوا) اور (تفصیل اس کی اول سے یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اسی پُر آشوب زمانہ میں پیدا ہوئے تو) ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کو الہام کیا کہ (جب تک ان کا اخطا ممکن ہو) تم ان کو دودھ پلاؤ پھر جب تم کو ان کی نسبت (جاسوسوں کے مطلع ہونے کا) اندیشہ ہو تو (بے خوف و خطر) ان کو (صندوق میں رکھ کر) دریا (یعنی نیل) میں ڈال دینا اور نہ تو (غرق سے) اندیشہ کرنا اور نہ (مفارقت پر) غم کرنا (کیونکہ) ہم ضرور ان کو پھر تمہارے ہی پاس واپس پہنچا دیں گے اور (پھر اپنے وقت پر) ان کو پیغمبر بنادیں گے (غرض وہ اسی طرح دودھ پلاتی رہیں۔ پھر جب افشائے راز کا خوف ہوا تو صندوق میں بند کر کے اللہ کے نام پر نیل میں چھوڑ دیا، اسکی کوئی شاخ فرعون کے محل میں جاتی تھی یا تفریحاً فرعون کے متعلقین دریا کی سیر کو نکلتے تھے۔ غرض وہ صندوق کنارے پر لگا) تو فرعون کے لوگوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو (یعنی مع صندوق کے) اٹھالیا تاکہ وہ ان لوگوں کے لئے دشمنی اور غم کا باعث بنیں، بلاشبہ فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین (اس بارہ میں) بہت چوڑے (کہ اپنے دشمن کو اپنی بغل میں پالا) اور (جب وہ صندوق سے نکال کر فرعون کے سامنے لائے گئے تو) فرعون کی بی بی (حضرت آسیہ) نے (فرعون) سے کہا کہ یہ (بچہ) میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے (یعنی اس کو دیکھ کر جی خوش ہوا گئے گا تو) اس کو قتل مت کرو و عجب نہیں کہ (بڑا ہو کر) ہم کو کچھ فائدہ پہنچا دے یا ہم اس کو (اپنا) بیٹا ہی بنالیں اور ان لوگوں کو (انجام کی) خبر نہ تھی (کہ یہ وہی بچہ ہے جس کے ہاتھوں فرعون کی سلطنت غارت ہوگی)



اور (ادھر یہ قصہ ہوا کہ) موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کا دل (خیالات مختلفہ کے ہجوم سے) بے قرار ہو گیا (اور بے قراری بھی ایسی دُسی نہیں بلکہ ایسی سخت بے قراری کہ) قریب تھا کہ (غایت بے قراری سے) وہ موسیٰ (علیہ السلام) کا حال (سب پر) ظاہر کر دیتیں اگر ہم اُن کے دل کو اس غرض سے مضبوط نہ کئے ہوں کہ یہ (ہمارے وعدہ پر) یقین کئے (بیٹھی) رہیں (غرض بمشکل اُنھوں نے دل کو سنبھالا اور تدبیر شروع کی وہ یہ کہ) اُنھوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کی بہن (یعنی اپنی بیٹی سے) کہا ذرا موسیٰ کا شراغ تو لگا سو (وہ چلیں اور یہ معلوم کر کے کہ صندوق محل میں کھلا ہے محل میں پہنچیں، یا تو ان کی آمد و رفت ہوگی یا کسی جیل سے پہنچیں، اور) اُنھوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو دُور سے دیکھا اور ان لوگوں کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ ان کی بہن ہیں اور اس فکر میں آئی ہیں) اور ہم نے پہلے ہی سے (یعنی جب سے صندوق سے نکلے تھے) موسیٰ (علیہ السلام) پر دودھ پلایوں کی بندش کر رکھی تھی (یعنی کسی کا دودھ نہ لیتے تھے) سو وہ (اس حال کو دیکھ کر موقع پا کر) کہنے لگیں کیا میں تم لوگوں کو کسی ایسے گھرانے کا پتہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس بچہ کی پرورش کریں اور وہ (اپنی جبلت کے موافق دل سے) اس کی خیر خواہی کریں (ان لوگوں نے ایسے وقت میں کہ دودھ پلانے کی مشکل پڑ رہی تھی اس مشورہ کو غنیمت سمجھا اور ایسے گھرانے کا پتہ پوچھا اُنھوں نے اپنی والدہ کا پتہ بتلادیا چنانچہ وہ بلائی گئیں اور موسیٰ (علیہ السلام) انکی گود میں دیئے گئے۔ جاتے ہی دودھ پینا شروع کر دیا اور ان لوگوں کی اجازت سے چہین سے اپنے گھر لے آئیں اور گا بے گاہے لے جا کر ان کو دکھلا آئیں) غرض ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اس طرح) انکی والدہ کے پاس (اپنے وعدہ کے موافق) واپس پہنچا دیا تاکہ (اپنی اولاد کو دیکھ کر) انکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور تاکہ (فراق کے) غم میں نہ رہیں اور تاکہ (مرتبہ معائنہ میں) اس بات کو (اور زیادہ یقین کے ساتھ) جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے لیکن (افسوس کی بات ہے کہ) اکثر لوگ (اسکا) یقین نہیں رکھتے (یہ تعریض ہے کفار پر)۔

## معارف و مسائل

سورۃ قصص مکی سورتوں میں سب سے آخری سورت ہے جو ہجرت کے وقت مکہ مکرمہ اور جحفہ (ربیع) کے درمیان نازل ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ سفر ہجرت میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جحفہ یعنی ربیع کے قریب پہنچے تو جبریل امین تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کا وطن جس میں آپ پیدا ہوئے یاد آتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ضرور یاد آتا ہے۔ اس پر جبریل امین نے یہ سورت قرآن سنائی جس کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بشارت ہے کہ انجام کار مکہ مکرمہ فتح ہو کر آپ کے قبضہ میں آئے۔ وہ آیت یہ: **وَإِنَّ**



الَّذِي قَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَنُرَآدَّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ، سورۃ قصص میں سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پہلے اجمال کے ساتھ پھر تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ نصف سورت تک موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کے ساتھ اور آخر سورت میں قارون کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پورے قرآن میں کہیں مختصر کہیں مفصل بار بار آیا ہے۔ سورہ کہف میں تو ان کے اُس قصہ کی تفصیل آئی ہے جو حضرت علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا، پھر سورہ طہ میں پورے قصہ کی تفصیل ہے اور یہی تفصیل سورہ نمل میں بھی کچھ آئی ہے پھر سورہ قصص میں اس کا اعادہ ہوا ہے۔ سورہ طہ میں جہاں موسیٰ علیہ السلام کے لئے ارشاد ربانی یہ آیا ہے کہ وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا۔ حضرات محدثین امام نسائی وغیرہ نے اس پورے قصے کی مکمل تفصیل وہاں لکھی ہے احقر نے بھی ابن کثیر کے حوالہ سے یہ مکمل تفصیل سورہ طہ میں بیان کر دی ہے۔ اس قصہ کے متعلقہ اجزاء کی تمام بحثیں اور ضروری مسائل اور فوائد کچھ سورہ کہف میں باقی سورہ طہ میں ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ مسائل حاشا کے لئے اُن کو دیکھنا کافی ہوگا یہاں صرف الفاظ آیات کی مختصر تفسیر پر اکتفا کیا جائے گا۔

وَيُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَىٰ الَّذِينَ اسْتَضَعُّوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً، اس آیت میں تدبیر فرعون کی کا بمقابلہ تقدیر الہی کے نہ صرف خائب و خاسر ہونا بلکہ فرعون اور اسکے سب اہل دربار کو انتہائی بے وقوف بلکہ اندھا بنانے کا ذکر ہے کہ جس لڑکے کے متعلق خواب اور تعبیر خواب کی بنا پر فرعون کو خطرہ لاحق ہوا تھا اور جس کی بنا پر بنی اسرائیل کے لاتعداد نو زائیدہ لڑکوں کو ذبح کر کے نکال دیا گیا تھا اس کو حق تعالیٰ نے اسی فرعون کے گھر میں اسی کے ہاتھوں پر درش کرایا اور والدہ کے اطمینان کے لئے اُنہی کی گود میں حیرت انگیز طریقہ پر پہنچا دیا اور فرعون سے رضا کا خرچ جو بعض روایات میں ایک دینار و زانہ بتلایا گیا ہے مزید وصول کیا گیا۔ اور دودھ پلانے کا یہ معادضہ چونکہ ایک کافر صحرانی سے اس کی رضا مندی کے ساتھ لیا گیا ہے اس لئے اسکے جواز میں بھی کوئی اشکال نہیں۔ اور بالآخر جس خطرہ کے دور کرنے کے لئے ساری قوم پر یہ مظالم ڈھائے تھے وہ اُسی کے گھر کے اندر سے ایک شدید لادابن کر پھوٹا اور خواب کی تعبیر اللہ تعالیٰ نے اُس کو آنکھوں سے دکھادی وَرُؤِيَ فِرْعَوْنُ وَهَامُنَ إِلَىٰ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ کا یہی حاصل ہے۔

وَأَذَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ، وحی کا لفظ اس جگہ لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے، وحی نبوت مراد نہیں اسکی تحقیق سورہ طہ میں گزر چکی ہے۔

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذَٰلِكَ نُجَزِّي

اور جب پہنچ گیا اپنے زور پر اور سنبھل گیا دی ہم نے اسکو حکمت اور سمجھ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں



الْمُحْسِنِينَ ۝۱۳ وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَى حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا

نیکی والوں کو اور آیا شہر کے اندر جس وقت بے خبر ہوئے تھے وہاں کے لوگ

قَوَّجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَٰذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهَٰذَا مِنْ عَدُوِّهِ

پھر پائے اس میں دو مرد لڑتے ہوئے یہ ایک اس کے رفیقوں میں اور یہ دوسرے کے دشمنوں میں

فَاسْتَعَاثَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ ۖ فَوَكَّنَاهُ

پھر فریاد کی اُس سے اُسے جو تھا اس کے رفیقوں میں اسکی جو تھا اس کے دشمنوں میں پھر تمکا مارا

مُوسَى فَقَضَى عَلَيْهِ ۚ قَالَ هَٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ اِنَّهُ عَدُوٌّ

اسکو موسیٰ نے پھر اس کو تمام کر دیا بولا یہ ہوا شیطان کے کام سے بیشک وہ دشمن ہے

مُضِلٌّ مُّبِينٌ ۝۱۵ قَالَ رَبِّ اِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ

بھکانے والا صریح بولا اے میرے رب میں نے بُرا کیا اپنی جان کا، سو بخش مجھ کو

فَغَفَرَ لَهُ ۚ اِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيْمُ ۝۱۶ قَالَ رَبِّ بِمَا اَنْعَمْتَ

پھر اسکو بخش دیا بیشک وہی ہے بخشنے والا مہربان بولا اے رب جیسا تو نے فضل

عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۷ فَاصْبِرْ فِي الْمَدِينَةِ

کر دیا مجھ پر پھر میں کبھی نہ ہوں گناہ دگار گناہ گاروں کا پھر صبح کو اٹھا اس شہر میں

خَافِيًا يَّتَرَقَّبُ ۚ اِذَا الَّذِي اُسْتَنْصَرَكَ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِحُهُ ط

ڈرتا ہوا انتظار کرتا ہوا پھر ناگہاں جس نے کل مدد مانگی تھی اُس سے آج پھر فریاد کرتا ہے اس سے

قَالَ لَهُ مُوسَى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ ۝۱۸ فَلَمَّا اَنَّ اَرَادَ اَنْ يُبَاطِشَ

کہا موسیٰ نے بیشک تو بے راہ ہے صریح پھر جب چاہا کہ ہاتھ ڈالے اُس پر

بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۚ قَالَ يٰمُوسَى اَتُرِيدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا

جو دشمن تھا ان دونوں کا بول اٹھا اے موسیٰ کیا تو چاہتا ہے کہ خون کرے میرا جیسے

قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْاَمْسِ اِنْ تُرِيدُ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي

خون کر چکا ہے کل ایک جان کا تیرا یہی جی چاہتا ہے کہ زبردستی کرتا پھرے

الْاَرْضِ وَمَا تُرِيدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمَصْلُحِيْنَ ۝۱۹ وَجَاءَ رَجُلٌ

ملک میں اور نہیں چاہتا کہ ہو صلح کر دینے والا اور آیا شہر کے

مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰۤى ۚ قَالَ يٰمُوسَى اِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ عَلَّمُوْكَ

پرے سرے سے ایک مرد دوڑتا ہوا کہا اے موسیٰ دربار والے مشورہ کرتے ہیں تجھ پر

لَيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النَّاصِحِيْنَ ۝۲۰ فَخَرَجَ مِنْهَا خَافِيًا

کہ تجھ کو مار ڈالیں سو بھل جا میں تیرا بھلا چاہنے والا ہوں پھر نکلا وہاں سے ڈرتا ہوا



يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٢١﴾

راہ دیکھتا بولا اے رب بچالے مجھ کو اس قوم بے انصاف سے

## خلاصہ تفسیر

ادرجب (پرویش پاکر) اپنی بھری جوانی (کی عمر) کو پہنچے اور (قوت جسمانی و عقلیہ سے) درست ہو گئے تو ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا فرمایا (یعنی نبوت سے پہلے ہی فہم سلیم و عقل ستقیم جس سے حسن و قبح میں امتیاز کر سکیں عنایت فرمائی) اور ہم نیکو کاروں کو یوں ہی صلہ دیا کرتے ہیں (یعنی عمل صالح سے فیضانِ علمی میں ترقی ہوتی ہے۔ ایسے اشارہ ہے کہ فرعون کے مشرب کو موسیٰ علیہ السلام نے کبھی اختیار نہ کیا تھا بلکہ اس سے نفور رہے) اور (اسی زمانہ کا ایک واقعہ یہ ہوا کہ ایکبار) موسیٰ (علیہ السلام) شہر میں (یعنی مصر میں کذا فی الروح عن ابن سبئ کہیں باہر سے) ایسے وقت پہنچے کہ وہاں کے (اکثر) باشندے بے خبر (پڑے سو رہے) تھے (اکثر روایات سے یہ وقت دو پہر کا معلوم ہوتا ہے اور بعض روایات سے کچھ رات گئے کا وقت معلوم ہوتا ہے کذا فی الدر المنثور) تو انھوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا، ایک تو ان کی برادری (یعنی بنی اسرائیل) میں کا تھا اور دوسرا ان کے مخالفین (یعنی فرعون کے متعلقین ملازمین) میں سے تھا (دونوں کسی بات پر الجھ رہے تھے اور زیادتی اس فرعون کی تھی) سو وہ جوان کی برادری کا تھا اس نے (جو) موسیٰ (علیہ السلام) کو دیکھا تو ان سے اس کے مقابلہ میں جو کہ ان کے مخالفین میں سے تھا مدد چاہی (موسیٰ علیہ السلام نے اڈل اسکو سمجھایا جب سپر بھی وہ باز نہ آیا) تو موسیٰ (علیہ السلام) نے (تا دیباہ دفع ظلم کیلئے) اس کو (ایک) گھونسا مارا سو اسکا کام بھی تمام کر دیا (یعنی اتفاق سے وہ مر ہی گیا) موسیٰ (علیہ السلام) اس خلاف توقع نتیجہ سے بہت پچھتائے اور کہنے لگے کہ یہ تو شیطان کی حرکت ہو گئی بیشک شیطان (بھی آدمی کا) کھٹلا دشمن ہے کسی غلطی میں ڈال دیتا ہے (اور نادام ہو کر حق تعالیٰ سے) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھ سے قصور ہو گیا آپ معاف کر دیجئے سوا اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا، بلاشبہ وہ غفور رحیم ہے (گو ظہور اور علم اس معافی کا قطعی طور پر وقت عطا نبوت کے ہوا کما فی النمل **إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلْ حَسَنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ**) اور اس وقت خواہ الہام سے معلوم ہو گیا ہو یا بالکل نہ معلوم ہوا ہو) موسیٰ (علیہ السلام) نے (توبہ عن الماضي کے ساتھ مستقبل کے متعلق یہ بھی) عرض کیا کہ اے میرے پروردگار چونکہ آپ نے مجھ پر (بڑے بڑے) انعامات فرمائے ہیں (جنکا ذکر طہ میں ہے **وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ إِلَىٰ قَوْلِهِ لَا تُخْزِنُ**) سو کبھی میں مجرموں کی مدد نہ کروں گا (یہاں مجرمین سے مراد وہ ہیں جو دوسروں سے گناہ کا کام کرانا چاہیں، کیونکہ گناہ کرنا کسی سے یہ بھی مجرم ہے پس اس میں شیطان بھی داخل ہو گیا



کہ وہ گناہ کرتا ہے اور گناہ کرنے والا اسکی مدد کرتا ہے خواہ عمد یا خطا۔ جیسے اس آیت میں ہے وکان الکافر علی ریتہ ظہیراً ای للشیطان، مطلب یہ ہوا کہ میں شیطان کا کہنا کبھی نہ مانوں گا یعنی مواقع محتلمہ خطا میں احتیاط و تیقظ سے کام لوں گا اور اصل مقصود اتنا ہی ہے مگر شمول حکم کے لئے بحرین جمع کا صیغہ لایا گیا کہ اردوں کو بھی عام ہو جاوے بغرض اس اشارہ میں اسکا چرچا ہو گیا مگر بحر اسرائیلی کے کوئی واقعہ راز نہ تھا اور چونکہ اسی کی حمایت میں یہ واقعہ ہوا تھا اس لئے اُسے اظہار نہیں کیا اسوجہ سے کسی کو اطلاع نہ ہوئی مگر موسیٰ علیہ السلام کو اندیشہ رہا، یہاں تک رات گزری پھر موسیٰ علیہ السلام کو شہر میں صبح ہوئی خوف اور وحشت کی حالت میں کہ اچانک کو دیکھتے کیا ہیں کہ وہی شخص جس نے کل گزشتہ میں ان سے امداد چاہی ہے وہ پھر ان کو (مدد کے لئے) پکار رہا ہے کہ کسی اور سے (الجبہ پڑا تھا) موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر اور کل کی حالت یاد کر کے اس پر ناخوش ہوئے اور اس سے فرماتے لگے بیشک تو صریح بد راہ (آدمی) ہے کہ روز لوگوں سے لڑا کرتا ہے موسیٰ علیہ السلام کو قرآن سے معلوم ہوا ہو گا کہ اس کی طرف سے بھی کوئی غصہ ہوا ہے لیکن زیادتی فرعون کی دیکھ کر اس کو روکنے کا ارادہ کیا) سو جب موسیٰ علیہ السلام نے اس پر ہاتھ بڑھایا جو دونوں کا لہجہ تھا (مراد فرعون ہے کہ وہ اسرائیلی کا بھی مخالف تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا بھی کیونکہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے ہیں اور وہ لوگ سب بنی اسرائیل کے مخالف تھے گویا بالتعین موسیٰ علیہ السلام کو اسرائیلی نہ سمجھا ہو اور یا موسیٰ علیہ السلام چونکہ فرعون کے طریقہ سے نفور تھے یہ امر مشہور ہو گیا ہوا اسلئے فرعون والے ان کے مخالف ہو گئے ہوں۔ بہر حال جب موسیٰ علیہ السلام نے اس فرعون پر ہاتھ لپکایا اور اس سے پہلے اسرائیلی پر خفا ہو چکے تھے تو اس سے اس اسرائیلی کو شبہ ہوا کہ شاید آج مجھ پر دار و گیر کرینگے تو گھبرا کر) وہ اسرائیلی کہنے لگا اے موسیٰ کیا (آج) مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کہ کل ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو (معلوم ہوتا ہے کہ) بس تم دنیا میں اپنا زور بٹھلانا چاہتے ہو اور صلح (اور ملاپ) کر دانا نہیں چاہتے (یہ کلمہ اس سرعونی نے منہ قائل کی تلاش ہو رہی تھی اتنا سرائخ لگ جانا بہت ہے فوراً فرعون کو خبر پہنچا دی۔ فرعون اپنے آدمی کے مارے جانے سے برہم تھا یہ سن کر آشفہ ہوا اور شاید اس سے اسکا وہ خواب کا اندیشہ قوی ہو گیا ہو کہ کہیں وہ شخص یہی نہ ہو، خصوصاً اگر موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی طریقہ کو ناپسند کرنا بھی فرعون کو معلوم ہو تو کچھ عداوت اس سبب سے ہوگی اس پر یہ مزید ہوا بہر حال اس نے اپنے درباریوں کو مشورہ کے لئے جمع کیا اور اخیراً موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی قرار پائی) اور (اس مجمع میں) ایک شخص (موسیٰ علیہ السلام کے محب اور خیر خواہ تھے وہ) شہر کے (اس) کنارے سے (جہاں یہ مشورہ ہو رہا تھا) موسیٰ علیہ السلام کے پاس نزدیک کی گلیوں سے (دڑتے ہوئے آئے) اور کہنے لگے کہ اے موسیٰ



اہل دربار آپ کے متعلق مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر دیں سو آپ (یہاں سے) چلے گئے ہیں آپ کی خیر خواہی کر رہا ہوں پس (یہ سن کر) موسیٰ (علیہ السلام) وہاں سے (کسی طرف کو) نکل گئے، خوف اور وحشت کی حالت میں (اور چونکہ راستہ معلوم نہ تھا دعا کے طور پر) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار مجھ کو ان ظالم لوگوں سے بچا لیجئے (اور امن کی جگہ پہنچا دیجئے)۔

## معارف و مسائل

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ، أَشُدُّ کے لفظی معنی قوت و شدت کی انتہا پر پہنچنا ہے یعنی انسان بچپن کے ضعف سے تدریجاً قوت و شدت کی طرف بڑھتا ہے ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اسکے وجود میں جتنی قوت و شدت آسکتی تھی وہ پوری ہو جائے اس وقت کو أَشُدُّ کہا جاتا ہے اور یہ زمین کے مختلف خطوں اور قوموں کے مزاج کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے کسی کا أَشُدُّ کا زمانہ جلد آ جاتا ہے کسی کا دیریں۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؒ سے بروایت عبد بن حمیدؒ یہ منقول ہے کہ أَشُدُّ عمر کے تینتیس سال میں ہوتا ہے اسی کو سن کمال یا سن وقوف کہا جاتا ہے جس میں بدن کا نشوونما ایک حد پر پہنچ کر رک جاتا ہے اسکے بعد چالیس کی عمر تک قوف کا زمانہ ہے اسی کو استوائی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے چالیس سال کے بعد انحطاط اور کمزوری شروع ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمر کا أَشُدُّ تینتیس سال کی عمر سے شروع ہو کر چالیس سال تک رہتا ہے۔ (مرجم و قطبی)

اتَيْنَاهُمُ حُكْمًا وَعِلْمًا، حکم سے مراد نبوت و رسالت ہے اور علم سے مراد احکام الہیہ شرعیہ کا علم ہے۔ وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينِ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا، المدینہ سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک شہر مصر ہے۔ اس میں داخل ہونے کے لفظ سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام مصر سے باہر کہیں گئے ہوئے تھے پھر ایک روز اس شہر میں ایسے وقت داخل ہوئے جو عام لوگوں کی غفلت کا وقت تھا۔ آگے قتل قبلی کے قصہ میں اسکا بھی تذکرہ ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت و رسالت کا اور دین حق کا اظہار شروع کر دیا تھا اسی کے نتیجے میں کچھ لوگ انکے مطیع و فرمانبردار ہو گئے تھے جو انکے متبعین کہلاتے تھے مِّنْ بَنِي إِسْرَءِیْلَ کا لفظ اس پر شاہد ہے۔ ان تمام قرائن سے اس روایت کی تائید ہوتی ہے جو ابن سنیؒ اور ابن زیدؒ سے منقول ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے ہوش سنبھالا اور دین حق کی کچھ باتیں لوگوں سے کہنے لگے تو فرعون ان کا مخالف ہو گیا اور قتل کا ارادہ کیا مگر فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کی درخواست پر انکے قتل سے باز آیا مگر ان کو شہر سے نکالنے کا حکم دیدیا۔ اسکے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں کسی جگہ رہنے لگے اور کبھی کبھی چھپ کر مصر شہر میں آتے تھے، اور علیٰ حینِ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک دو پہر کا وقت ہے جبکہ لوگ قیلولہ میں تھے۔ (قطبی)



فَوَكَّنَا مَوْسَىٰ، وَكَانَ مَعَهُ مُكَامِلُ نَفْسِهِ، فَقَضَىٰ عَلَيْهِ قَضَاهُ، قَضَاهُ اور قَضَىٰ علیہ کا محاورہ اُسوقت بولا جاتا ہے جب کسی شخص کا بالکل کام تمام کرنے اور فالغ ہو جائے۔ اسی لئے یہاں اسکے معنی قتل کر دینے کے ہیں۔ (مظہری)

قَالَ رَبِّ اِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَقَفَرْتُ لَهُ، اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اس قبیل کا کفر کا قتل جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بلا ارادہ صادر ہو گیا تھا موسیٰ علیہ السلام نے اسکو بھی اپنے منصب نبوت و رسالت اور پیغمبرانہ عظمت شان کے لحاظ سے اپنا گناہ قرار دے کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا۔ یہاں پہلا سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ قبیل کا کفر شرعی اصطلاح کے لحاظ سے ایک عربی کافر تھا جس کا قتل عمد بھی مباح اور جائز تھا کیونکہ نہ کسی اسلامی حکومت کا ذمی تھا نہ موسیٰ علیہ السلام سے اسکا کوئی معاہدہ تھا پھر موسیٰ علیہ السلام نے اسکو علی شیطان اور گناہ کیوں قرار دیا؟ اسکا قتل تو بظاہر موجب جبر ہونا چاہیے تھا کہ ایک مسلمان پر ظلم کر رہا تھا اسکو بچانے کے لئے یہ قتل واقع ہوا۔ جناب یہ ہے کہ معاہدہ جیسے قولی اور تحریری ہوتا ہے جیسے عموماً اسلامی حکومتوں میں اہل ذمہ سے معاہدہ یا کسی غیر مسلم حکومت سے صلح کا معاہدہ اور یہ معاہدہ باتفاق واجب العمل اور اسکی خلاف ورزی غدر اور عہد شکنی کے سبب حرام ہوتی ہے اسی طرح معاہدہ عملی بھی ایک قسم کا معاہدہ ہی ہوتا ہے اس کی بھی پابندی لازمی اور خلاف ورزی عہد شکنی کے مرادف ہے۔

معاہدہ عملی کی صورت یہ ہے کہ جس جگہ مسلمان اور کچھ غیر مسلم کسی دوسری حکومت میں باہمی امن و اطمینان کے ساتھ رہتے بستے ہوں، ایک دوسرے پر حملہ کرنا یا لوٹ مار کرنا طرفین سے غداری سمجھا جاتا ہو تو اس طرح کی معاشرت اور معاملات بھی ایک قسم کا عملی معاہدہ ہوتے ہیں انکی خلاف ورزی جائز نہیں انکی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی وہ طویل حدیث ہے جس کو امام بخاری نے کتاب الشروط میں مفصل روایت کیا ہے اور واقعہ اسکا یہ تھا کہ حضرت مغیرہ ابن شعبہ قبل از اسلام اپنے زمانہ جاہلیت میں ایک جماعت کفار کے ساتھ مصاحبت اور معاشرت رکھتے تھے پھر انکو قتل کر کے انکے اموال پر قبضہ کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے اور جو مال ان لوگوں کا لیا تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اس پر آپ نے ارشاد فرمایا، اَمَّا الْاِسْلَامُ فَاقْبَلْ وَاَمَّا الْمَالُ فَلَسْتَ مِنْهُ فِي شَيْءٍ اور ابو داؤد کی روایت میں اسکے الفاظ یہ ہیں، اَمَّا الْمَالُ فَمالُ غَدٍّ لَا حَاجَةَ لَنَا فِيْهِ، یعنی آپ کا اسلام تو ہم نے قبول کر لیا اور اب آپ مسلمان ہیں مگر یہ مال ایسا مال ہے جو غدر اور عہد شکنی سے حاصل ہوا ہے اسلئے ہمیں اس مال کی کوئی حاجت نہیں۔ شارح بخاری حافظ ابن حجر نے شرح میں فرمایا کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ کفار کا مال حالت امن میں لوٹ لینا حلال نہیں کیونکہ ایک بستی کے رہنے والے یا ایک ساتھ کام کرنے والے



ایک دیکے سے اپنے کو مومن سمجھتے ہیں اُن کا یہ علی معاہدہ بھی ایک امانت ہے جس کا صاحب امانت کو ادا کرنا فرض ہے چاہے وہ کافر ہو یا مسلم۔ اور کفار کے اموال جو مسلمانوں کے لئے حلال ہوتے ہیں تو وہ صرف محاربہ اور مغالبتہ کی صورت میں حلال ہوتے ہیں، حالت امن و امان میں جبکہ ایک دوسرے سے اپنے کو مومن سمجھ رہا ہو کسی کافر کا مال ٹوٹ لینا جائز نہیں اور قسطلانی کے شرح بخاری میں فرمایا

ان اموال المشركين ان كانت مغنومة عند  
القهر فلا يحل اخذها عند الامن فاذا  
كان الانسان مصباحا لهم فقد امن كل  
واحد منهم صاحب فسفك الدماء و  
اخذ المال مع ذلك عند حرام الا ان  
يبذل اليهم عهد هم على سواء

بیشک مشرکین کے اموال جنگ اور جہاد کے وقت مغنوم مباح ہیں لیکن امن کی حالت میں حلال نہیں اسلئے جو مسلمان کفار کے ساتھ رہتا رہتا ہو کہ علی طور پر ایک دوسرے سے مومن ہو تو ایسی حالت میں کسی کافر کا خون بہانا یا مال زبردستی لینا غدر حرام ہے جب تک کہ اُن کے اس علی معاہدہ سے دست بردار کا اعلان نہ کر دے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قبلی کا قتل اس علی معاہدہ کی بنا پر اگر بالقصہ ہوتا تو جائز نہیں تھا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ اسرائیلی شخص کو اس کے ظلم سے بچانے کے لئے ہاتھ کی ضرب لگای جو عادیہ سبب قتل نہیں ہوتی مگر قبلی اس ضرب سے مرگیا تو موسیٰ علیہ السلام کو یہ حسا ہوا کہ اس کو دفع کرنے کے لئے اس ضرب سے کم درجہ بھی کافی تھا یہ زیادتی میرے لئے درست نہ تھی، اسی لئے اس کو عمل شیطان قرار دے کر اُس سے مغفرت طلب فرمائی۔

**فائدہ** | یہ تحقیق حکیم الامتہ مجدد الملتہ سیدی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی ہے جو آپ نے بزبان عربی احکام القرآن سورہ قصص لکھتے وقت ارشاد فرمائی تھی اور یہ آخری علمی تحقیق ہے جس کا استفادہ احقر نے حضرت م سے کیا کیونکہ آپ نے یہ ارشاد ۲ رجب ۱۲۶۲ھ میں فرمایا تھا اس کے بعد مرض کی شدت بڑھی اور ۱۶ رجب کو یہ آفتاب عالم غروب ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اگر قبلی کا قتل مباح تھا مگر انبیاء علیہم السلام مباحات میں بھی اہم معاملات میں اس وقت تک اقدام نہیں کرتے جب تک خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف اجازت و اشارہ نہ ملے، اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خصوصی اجازت کا انتظار کئے بغیر یہ اقدام فرمایا تھا اسلئے اپنی شان کے مطابق اس کو گناہ قرار دے کر استغفار کیا (کذا فی الروح المعنویۃ و لہ وجہ)

قَالَ رَبِّ بِمَا آتَيْتَنِي عَلَىٰ فَلَئِنْ آتَيْتَنِي ظَهْرًا لَّيَكُونَنَّ جُرْمِي، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس لغزش کو جب حق تعالیٰ نے معاف فرمادیا تو آپ نے اس نعمت کے شکر میں یہ عرض کیا کہ میں آئندہ کسی مجرم کی مدد نہ کرؤں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس اسرائیلی کی مدد کے لئے یہ اقدام کیا تھا دوسرے واقعہ سے یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ وہ خود ہی جھگڑا ہو ہی جھگڑا لڑائی اس کی عادت ہے



اس لئے اس کو مجرم قرار دے کر آئندہ کسی ایسے شخص کی مدد نہ کرنے کا عہد فرمایا۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے اس جگہ مجرمین کی تفسیر کافرین کے ساتھ منقول ہے اور قتادہ نے بھی تقریباً ایسا ہی فرمایا ہے اس تفسیر کی بناء پر واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسرائیلی جس کی امداد موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی یہ بھی مسلمان نہ تھا مگر اُس کو مظلوم سمجھ کر امداد فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد سے دو مسئلے ثابت ہوئے۔  
مسئلہ اول یہ کہ مظلوم اگرچہ کافر یا فاسق ہی ہو اُس کی امداد کرنا چاہیے۔ دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ کسی مجرم ظالم کی مدد کرنا جائز نہیں۔ علماء نے اس آیت سے استدلال فرما کر ظالم حکام کی ملازمت کو بھی ناجائز قرار دیا ہے کہ وہ بھی اُن کے ظلم کے شریک سمجھے جائیں گے اور اس پر سلف صالحین سے متعدد روایات نقل کی ہیں (کما فی رد المحتار) کفار یا ظالموں کی امداد و اعانت کی مختلف صورتیں ہیں اور ان کے احکام کتب فقہ میں مفصل مذکور ہیں۔ احقر نے احکام القرآن میں بزبان عربی اسی آیت کے ذیل میں اس مسئلہ کی پوری تحقیق و تنقیح لکھ دی ہے اہل علم اس کو دیکھ سکتے ہیں۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَن يَهْدِيَنِي سَوَاءَ

اور جب منہ کیا مدین کی سیدھ پر بولا اُمید ہے کہ میرا رب لے جائے مجھ کو سیدھی

السَّبِيلَ ۚ ۲۳ وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ

راہ پر اور جب پہنچا مدین کے پانی پر پایا وہاں ایک جماعت کو لوگوں کی

يَسْقُونَ ۚ وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ ۚ قَالَ مَا

پانی پلاتے ہوئے اور پایا اُن سے درے دو عورتوں کو کہ روکے ہوئے کھڑی تھیں اپنی بکریاں بولا تمہارا

خَطْبُكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يُصَدِّرَ الرَّعَاءُ سَكَتًا وَأَبُونَا شَيْخٌ

کیا حال ہے بولیں ہم نہیں پلاتیں پانی چرواہوں کے پھیر لے جانے تک اور ہمارا باپ بوڑھا ہے

كَبِيرٌ ۚ فَسَقَىٰ لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّىٰ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا

بڑی عمر کا پھر اُنے پانی پلا دیا ان کے جانوروں کو پھر پٹ کر آیا چھاؤں کی طرف بولا اے رب تو جو چیز

أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ۚ ۲۴ فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَىٰ

اُتارے میری طرف اچھی میں اُسی کا محتاج ہوں پھر آئی اسکے پاس ان دونوں میں سے ایک چلتی تھی

أَسْتَحْيَا ۖ قَالَتْ إِنَّ ابْنِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ

شرم سے بولی میرا باپ تجھ کو بلاتا ہے کہ بد لے میں دے حق اسکا کہ تو نے پانی پلا دیا ہمارے جانوروں

لَنَا ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ ۖ فَبُهِتَتْ بِهِ جَوَّتِ

کو پھر جب پہنچا اسکے پاس اور بیان کیا اُس سے احوال کہا مت ڈر پہنچ آیا تو



مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا بَتِ اسْتَأْجِرْهُ

اس قوم بے انصاف سے بولی ان دونوں میں سے ایک اے باپ اس کو نوکر رکھ لے

إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ﴿۲۶﴾ قَالَ إِنِّي أُرِيدُ

البتہ بہتر نوکر جس کو تو رکھنا چاہے وہ ہے جو زور آور ہو امانت دار کہا میں چاہتا ہوں کہ

أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي شَمْنِي

بیادہ دون تجھ کو ایک بیٹی اپنی ان دونوں میں سے اس شرط پر کہ تو میری نوکری کرے آٹھ

حَجَجٍ فَإِنْ أَتَمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيدُ أَنْ

برس پھر اگر تو پورے کرے دس برس تو وہ تیری طرف سے ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر

أَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۲۷﴾ قَالَ

تکلیف ڈالوں، تو پائے گا مجھ کو اگر اللہ نے چاہا نیک بختوں سے بولا

ذَلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ط

یہ وعدہ ہو چکا میرے اور تیرے پہنچ جو ہنسی مدت ان دونوں میں پوری کر دوں، سو زیادتی نہ ہو مجھ پر

وَاللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿۲۸﴾

اور اللہ پر بھروسہ اس چیز کا جو ہم کہتے ہیں

## خلاصہ تفسیر

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) یہ دعا کر کے ایک سمت کو تو کھلا علی اللہ چلے اور بتائید غیبی) مدین کی طرف ہوئے (چونکہ راستہ معلوم نہ تھا اسلئے تقویت و توکل اور نفس کو تسکین دینے کے لئے آپ ہی آپ کہنے لگے کہ امتیہ ہے کہ میرا رب مجھ کو (کسی مقام امن کا) سیدھا راستہ چلا دے گی) چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مدین جا پہنچے) اور جب مدین کے پانی (یعنی کنوئیں) پر پہنچے تو اس پر (مختلف آدمیوں کا ایک مجمع دیکھا جو اس کنوئیں سے کھینچ کھینچ کر اپنے مواشی کو) پانی پلا رہے تھے اور ان لوگوں سے ایک طرف (الگ) دو عورتیں دیکھیں کہ وہ (اپنی بکریاں) روکے کھڑی ہیں، موسیٰ (علیہ السلام) نے (ان سے) پوچھا تمہارا کیا مطلب ہے وہ دونوں بولیں کہ (ہمارا معمول یہ ہے کہ) ہم (اپنے جانوروں کو) اس وقت تک پانی نہیں پلاتے جب تک کہ یہ چر رہے (جو کنوئیں پر پانی پلا رہے ہیں) پانی پلا کر (جانوروں کو) ہٹا کر نہ لے جاویں (ایک توحیا کے سبب، دوسرے مردوں سے مزاحمت ناتوانوں سے کب ہو سکتی ہے) اور (اس حالت میں ہم آتے بھی نہیں مگر) ہمارے باپ بہت بوڑھے ہیں (اور گھر پر اور کوئی کام کرنے والا ہی نہیں اور کام ضروری ہے اس مجبوری کو ہم کو آنا پڑتا ہے) پس (یہ سکر)



موسیٰ (علیہ السلام کو رحم آیا اور انھوں نے) ان کے لئے پانی (کھینچ کر انکے جانوروں کو) پلایا (اور ان کو انتظار اور پانی کھینچنے کی تکلیف سے بچایا) پھر (وہاں سے) ہٹ کر (ایک) سایہ (کی جگہ) میں جا بیٹھے (خواہ کسی پہاڑ کا سایہ ہو یا کسی درخت کا) پھر (جناب باری میں) دعا کی کہ اے میرے پروردگار (اس وقت) جو نعمت بھی (قلیل یا کثیر) آپ مجھ کو بھیجیں میں اسکا (سخت) حاجت مند ہوں (کیونکہ اس سفر میں کچھ کھانے پینے کو نہ ملا تھا۔ حق تعالیٰ نے اسکا یہ سامان کیا کہ وہ دونوں بیبیاں اپنے گھسے ٹوٹ کر گئیں تو باپ نے مہول سے جلدی آجانے کی وجہ دریافت کی، انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کا پورا قصہ بیان کیا انھوں نے ایک لڑکی کو بھیجا کہ اُن کو بلا لاؤ) موسیٰ (علیہ السلام) کے یاس ایک لڑکی آئی کہ شرماتی ہوئی چلتی تھی (جو کہ اہل شرف کی طبعی حالت ہے اور آکر) کہنے لگی کہ میرے والد کو بلاتے ہیں تاکہ تم کو اسکا صلہ دیں جو تمہیں ہماری خاطر (ہمارے جانوروں کو) پانی پلا دیا تھا (یہ ان صاحبزادی کو اپنے والد کی عادت سے معلوم ہوا ہو گا کہ احسان کی مکافات کیا کرتے ہونگے۔ موسیٰ علیہ السلام ساتھ ہوئے گو مقصود موسیٰ علیہ السلام کا بالیقین اپنی خدمت کا معاوضہ لینا نہ تھا، لیکن مقام امن اور کسی رفیق شفیق کے ضرور باقضاء وقت جو یاں تھے، اور اگر ٹھوک کی شدت بھی اس جانے کا ایک جزو علت ہو تو مشائقہ نہیں اور اس کو اجرت سے کچھ تعلق نہیں اور ضیافت کی تو استدعا بھی بالخصوص حاجت کے وقت اور خصوصاً کہیم و شریف آدمی سے کچھ ذلت نہیں چہ جائیکہ دوسرے کی استدعا پر ضیافت کا قبول کر لینا، راہ میں موسیٰ علیہ السلام نے ان بی بی سے فرمایا کہ تم میرے پیچھے ہو جاؤ میں اولاد ابراہیم سے ہوں، اجنبیہ کو بے وجہ بے قصد دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا، غرض اسی طرح ان بزرگ کے پاس پہنچے) سو جب اُن کے پاس پہنچے اور ان سے تمام حال بیان کیا تو انھوں نے (تسلی دی اور) کہا کہ (اب) اندیشہ نہ کرو تم ظالم لوگوں سے بچ آئے (کیونکہ اس مقام پر فرعون کی عداوتی نہ تھی کذا فی الروح، پھر) ایک لڑکی نے کہا کہ ابا جان (آپ کو آدمی کی ضرورت ہے اور ہم سیانی ہو گئیں اب گھر میں رہنا مناسب ہے تو) آپ ان کو نوکر رکھ لیجئے، کیونکہ اچھا نوکر وہ شخص ہو جو مضبوط (ہو اور) امانت دار (بھی) ہو (اور ان میں دونوں صفتیں ہیں، چنانچہ قوت انکے پانی کھینچنے سے اور امانت ان کے برتاؤ سے، خصوصاً راہ میں عورت کو پیچھے کر دینے سے ظاہر ہوتی تھی اور اپنے باپ سے بھی بیان کیا تھا اس پر) وہ (بزرگ موسیٰ علیہ السلام سے) کہنے لگے میں چاہتا ہوں کہ ان دو لڑکیوں میں سے ایک کو تمہارے ساتھ بیاہ دوں اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو (اور اس نوکری کا بدلہ وہی نکاح ہے، حاصل یہ کہ آٹھ سال کی خدمت اس نکاح کا ہر ہے) پھر اگر تم دس سال پورے کرو تو یہ تمہاری طرف سے (احسان) ہے (یعنی میری طرف سے جبر نہیں) اور میں (اس معاملہ میں) تم پر کوئی مشقت ڈالنا نہیں چاہتا (یعنی



کام لینے اور وقت کی پابندی وغیرہ معاملہ کی فروعات میں آسانی برتوں گے اور تم مجھ کو انشاء اللہ تعالیٰ خوش معاملہ پاؤ گے موسیٰ (علیہ السلام) رضا مند ہو گئے اور کہنے لگے کہ (بس تو) یہ بات میرے اور آپ کے درمیان (پکٹی) ہو چکی، میں ان دونوں مدتوں میں سے جس (مدت) کو بھی پورا کر دوں مجھ پر کوئی جبر نہ ہو گا اور ہم جو (معاملہ) کی بات چیت کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اسکا گواہ (کافی) ہے (اسکو حاضر ناظر سمجھ کر عہد پورا کرنا چاہیے)۔

## معارف و مسائل

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْكَاءَ مَدْيَنَ، مَدْيَنَ ملک شام کے ایک شہر کا نام ہے جو مدین بن ابراہیمؑ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ علاقہ فرعون کی حکومت سے خارج تھا۔ مصر سے مدین کی مسافت آٹھ منزل کی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون سپاہیوں کے تعاقب کا طبعی خوف پیش آیا، جو نہ نبوت و معرفت کے منافی ہے نہ توکل کے، تو مصر سے ہجرت کا ارادہ کیا اور مدین کی سمت شاید اسلئے متعین کی کہ مدین بھی اولاد ابراہیم علیہ السلام کی بستی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ان کی اولاد میں تھے۔

اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام بالکل بے سروسامانی کے ساتھ اس طرح مصر سے نکلے کہ نہ کوئی توشہ ساتھ تھا نہ کوئی سلمان اور نہ راستہ معلوم، اسی اضطرار کی حالت میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی نظر متوجہ ہوئے اور فرمایا عَسَىٰ رِزْقِیْ اَنْ یَّكْفِیْ سَوَاءَ السَّبِيلِ، یعنی امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھا راستہ دکھائے گا، اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ مفسرین کا بیان ہے کہ اس سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غذا صرف درختوں کے پتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سب سے پہلا ابتلا اور امتحان تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے ابتلاوات اور امتحانات کی تفصیل سورہ طہ میں ایک طویل حدیث کے حوالہ سے بیان ہو چکی ہے۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةٌ مِّنَ النَّاسِ یَسْقُونَ، مَاءَ مَدْيَنَ سے مراد وہ کنواں ہے جس سے اس بستی کے لوگ اپنے مویشی کو پانی پلاتے تھے وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمْ امْرَاَتَیْنِ تَذَوِّدٰنِ، یعنی دو عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنی بکریوں کو پانی کی طرف جانے سے روک رہی تھیں تاکہ ان کی بکریاں دوسرے لوگوں کی بکریوں میں رل نہ جائیں۔

قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِیْ حَتّٰی یَصْدِرَ الرِّعَاءُ فَمَكَّةٌ وَابْوٰنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ نُّفَظُّ خَلْبَ شَانِ اور حال کے معنی میں جبکہ وہ کوئی ہم کام ہو۔ معنی یہ ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں عورتوں سے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے کہ تم اپنی بکریوں کو روکے کھڑی ہو دوسرے لوگوں کی طرح کنویں کے پاس لا کر پانی نہیں پلاتیں؟ ان دونوں نے یہ جواب دیا کہ ہماری عادت یہی ہے کہ ہم مردوں



کے ساتھ اختلاط سے بچنے کے لئے اس وقت تک اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلاتیں جب تک یہ لوگ کنویں پر نہ ہوتے ہیں، جب یہ چلے جاتے ہیں تو ہم اپنی بکریوں کو پلاتے ہیں اور اس میں جو یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ کیا تمہارا کوئی مرد نہیں جو عورتوں کو اس کام کے لئے نکالا؟ اسکا جواب بھی ان عورتوں نے ساتھ ہی دیدیا کہ ہمارے والد بوڑھے ضعیف العمر ہیں وہ یہ کام نہیں کر سکتے اسلئے ہم مجبور ہوئے۔

اس واقعہ سے چند اہم فوائد حاصل ہوئے۔ اول یہ کہ ضعیفوں کی امداد انبیاء کی سنت ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو عورتوں کو دیکھا کہ بکریوں کو پانی پلانے کے لئے لائیں مگر ان کو لوگوں کے ہجوم کے سبب موقع نہیں مل رہا تو ان سے حال دریافت کیا۔ دوسرا یہ کہ اجنبی عورت سے بوقت ضرورت بات کرنے میں مضائقہ نہیں جب تک کہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ تیسرا یہ کہ اگرچہ یہ واقعہ اُس زمانے کا ہے جبکہ عورتوں پر پردہ لازم نہیں تھا جسکا سلسلہ اسلام کے بھی ابتدائی زمانہ تک جاری رہا۔ ہجرت مدینہ کے بعد عورتوں کے لئے پردہ کے احکام نازل ہوئے، لیکن اس وقت بھی پردہ کا جو اصل مقصد ہے وہ طبعی شرافت اور حیا کے سبب عورتوں میں موجود تھا کہ ضرورت کے باوجود مردوں کے ساتھ اختلاط گوارا نہ کیا اور تکلیف اٹھانا قبول کیا۔ چوتھا یہ کہ عورتوں کا اس طرح کے کاموں کے لئے باہر نکلنا اس وقت بھی پسندیدہ نہیں تھا اسی لئے انھوں نے اپنے والد کے معذور ہونے کا عذر بیان کیا۔

فَسَقَى لَهُمَا، یعنی موسیٰ علیہ السلام نے ان عورتوں پر رحم کھا کر کنویں سے پانی نکال کر ان کی بکریوں کو سیراب کر دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ چرواہوں کی عادت یہ تھی کہ اپنے جانوروں کو پانی پلانے کے بعد کنویں کو ایک بھاری پتھر سے بند کر دیتے تھے اور یہ عورتیں اپنی بکریوں کے لئے بچے کچے پانی پر اکتفا کرتی تھیں۔ یہ بھاری پتھر ایسا تھا جس کو دس آدمی مل کر اٹھاتے تھے مگر موسیٰ نے اس کو تنہا اٹھا کر الگ کر دیا اور کنویں سے پانی نکالا۔ شاید اسی وجہ سے ان عورتوں میں سے ایک نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنے والد سے یہ کہا کہ یہ قوی ہیں۔ (قطبی)

ثُمَّ نَوَىٰ إِلَىٰ لَيْلٍ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لَمَّا أَتَيْتُكَ مِنْ خَيْرٍ فَقِيلَ، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سات روز سے کوئی غذا نہیں چکھی تھی، اس وقت ایک درخت کے سائے میں آکر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حالت اور حاجت پیش کی جو دعا کرنے کا ایک لطیف طریقہ ہے۔ لفظ خیر بھی مال کے معنی میں آتا ہے جیسا ان تَرَكَ خَيْرًا الوصیۃ میں ہے، کبھی قوت کے معنی میں آتا ہے جیسے اَهُمَّ خَيْرًا قَوْمٌ مِّنْهُمْ میں کبھی کھانے کے معنی میں بھی آتا ہے جو اس جگہ مراد ہے (قطبی)

فَجَاءَهُ بِإِحْدَاهُمَا تَمَثَّىٰ عَلَىٰ اسْتِجَابِئِهِ، قرآنی اسلوب کے مطابق یہاں قصہ کو مختصر کر دیا گیا ہے۔ پورا واقعہ یہ ہوا کہ یہ عورتیں اپنے مقررہ وقت سے پہلے جلدی سے گھر پہنچ گئیں تو ان کے والد نے وجہ دریافت کی، لڑکیوں نے واقعہ بتلایا۔ والد نے چاہا کہ اس شخص نے احسان کیا ہے



اسکی مکافات کرنا چاہیے اسلئے انھیں لڑکیوں میں سے ایک کو ان کے بلانے کے لئے بھیجا۔ یہ حیا کے ساتھ چلتی ہوئی پہنچی۔ اس میں بھی اشارہ ہے کہ باوجود پردہ کے باقاعدہ احکام نازل نہ ہونے کے نیک عورتیں مردوں سے بے محابا خطاب نہ کرتی تھیں ضرورت کی بنا پر یہ وہاں پہنچی تو حیا کے ساتھ بات کی جسکی صورت بعض مفسرین نے یہ بیان کی ہے کہ اپنے چہرہ کو آستین سے چھپا کر گفتگو کی۔ روایات تفسیر میں کہ موسیٰ علیہ السلام اسکے ساتھ چلنے لگے تو لڑکی سے کہا کہ تم میرے پیچھے ہو جاؤ اور زبان سے مجھے راستہ بتاتی رہو۔ مقصد یہ تھا کہ ان کی نظر لڑکی پر پڑے شاید اسی سبب سے لڑکی نے اپنے والد سے ان کے متعلق انکے امین ہونے کا ذکر کیا۔ ان لڑکیوں کے والد کون تھے اس میں مفسرین نے اختلاف نقل کیا ہے مگر آیات قرآن سے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شعیب علیہ السلام تھے جیسا کہ قرآن میں ہے **وَالَّذِي مَدَّيْنَا** **أَخَاهُمْ شُعَيْبًا** (قرطبی)

**إِنَّا لَنَبْنِي لَكَ عُتُقًا**، یہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لڑکی خود ہی اپنی طرف سے ان کو دعوت دیتی مگر ایسا نہیں کیا بلکہ اپنے والد کا پیغام سنایا کیونکہ کسی اجنبی مرد کو خود دعوت دینا حیا کے خلاف تھا۔ **إِنَّا خَيَّرْنَا مِنْ أَهْلِ بَنِي إِسْرَءِيلَ نَبِيًّا**، یعنی شعیب علیہ السلام کی ایک صاحبزادی نے اپنے والد سے عرض کیا کہ آپ کو گھر کے کاموں کے لئے ملازم کی ضرورت ہے آپ ان کو نوکر رکھ لیجئے کیونکہ ملازم میں دو صفتیں ہونا چاہئیں ایک کام کی قوت و صلاحیت دوسرے امانتداری۔ ہمیں ان کے پتھر اٹھا کر پانی پلانے سے ان کی قوت و قدرت کا اور راستہ میں لڑکی کو اپنے پیچھے کر دینے سے امانتداری کا تجربہ ہو چکا ہے۔

کوئی ملازمت یا عہدہ سپرد کرنے کے لئے اہم شرطیں دو ہیں حکمت کی بات جاری فرمائی۔ آج کل سرکاری عہدوں اور ملازمتوں کے لئے کام کی صلاحیت اور ذریعوں کو تو دیکھا جاتا ہے مگر دیانت امانت کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ عام دفاتر اور عہدوں کی کارروائی میں پوری کامیابی کے بجائے رشوت خوری، اقرباء پروری وغیرہ کی وجہ سے قانون معطل ہو کر رہ گیا ہے۔ کاش لوگ اس قرآنی ہدایت کی قدر کریں تو سارا نظام درست ہو جائے۔ **قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَمْكِكَ** **وَإِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ**، یعنی لڑکیوں کے والد حضرت شعیب علیہ السلام نے خود ہی اپنی طرف سے اپنی لڑکی کو ان کے نکاح میں دینے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ لڑکیوں کے ولی کو چاہیے کہ کوئی مرد صالح ملے تو اسکا انتظار نہ کرے کہ اسی کی طرف سے نکاح کے معاملہ کی تحریک ہو، بلکہ خود بھی پیش کر دینا سنت انبیاء ہے جیسا کہ عمر بن خطابؓ نے اپنی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کے بیوہ ہو جانے کے بعد از خود ہی صدیق اکبرؓ اور عثمان غنیؓ سے ان کے نکاح کی پیش کش کی تھی۔ (قرطبی)



لاَحَدَیْ اِبْنَتَیْ هَتَیْنِ، حضرت شعیب علیہ السلام نے دونوں لڑکیوں میں سے کسی کو معین کر کے گفتگو نہیں فرمائی بلکہ اس کو ہم رکھا کہ انہیں سے کسی ایک کو آپکے نکاح میں دینے کا ارادہ ہے مگر چونکہ یہ گفتگو باقاعدہ عقد نکاح کی گفتگو نہ تھی جس میں ایجاب و قبول گواہوں کے سامنے ہونا شرط ہے بلکہ معاملہ کی گفتگو تھی کہ آپ کو آٹھ سال کی نوکری اس نکاح کے عوض میں منظور ہو تو ہم نکاح کر دیں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر معاہدہ کر لیا۔ آگے یہ خود بخود ظاہر ہے کہ باقاعدہ نکاح کیا گیا ہوگا۔ اور قرآن کریم عموماً قصہ کے اُن اجزاء کو ذکر نہیں کرتا جن کا وقوع سیاق و سباق سے ظاہر اور یقینی ہو۔ اس تحقیق کی بناء پر یہاں یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ زوجہ منکوحہ کو متعین کئے بغیر نکاح کیسے ہو گیا یا گواہوں کے بغیر کیسے ہو گیا (کذا فی الروح و بیان القرآن)

عَلٰی اَنْ تَاْجُوْنِیْ فَمَیْنِیْ رَجَحَیْجِ، یہ آٹھ سال کی ملازمت و خدمت نکاح کا مہر قرار دیا گیا اس میں ائمہ فقہاء کا اختلاف ہے کہ شوہر اپنی بیوی کی خدمت و ملازمت کو اسکا مہر قرار دے سکتا ہے یا نہیں؟ اس کی مکمل تحقیق مع دلائل کے بزبان عربی احکام القرآن سورۃ قصص میں مفصل لکھ دی گئی ہے اہل علم وہاں دیکھ سکتے ہیں عوام کے لئے اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ اگر یہ معاملہ مہر کا شریعت محمدیہ کے لحاظ سے درست نہ ہو تو ہو سکتا ہے کہ شریعت شعیب علیہ السلام میں درست ہو اور شرائع انبیاء میں ایسے فردعی فرق ہونا نصوص قطعہ سے ثابت ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ سے ظاہر روایت میں یہی صورت منقول ہے کہ خدمت زوجہ کو مہر نہیں بنایا جاسکتا مگر ایک روایت جس پر علماء متاخرین نے فتویٰ دیا ہے یہ ہے کہ خود بیوی کی خدمت کو مہر بنانا تو شوہر کی تکریم و احترام کے خلاف ہے مگر بیوی کا کوئی ایسا کام جو گھر سے باہر کیا جاتا ہے جیسے مویشی چرانا یا کوئی تجارت کرنا اگر اس میں شرائط اجارہ کے مطابق مدت معین کر دی گئی ہو جیسا کہ اس واقعہ میں آٹھ سال کی مدت معین ہے تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ اس مدت کی ملازمت کی تنخواہ جو بیوی کے ذمہ لازم ہو تو اس تنخواہ کو مہر قرار دینا جائز ہے (ذکرہ فی البدائع عن نوادر ابن سماعہ)

ہاں ایک دوسرا سوال یہاں یہ ہوتا ہے کہ مہر تو بیوی کا حق ہے بیوی کے باپ یا کسی عزیز کو بغیر اجازت زوجہ مہر کی رقم نقد بھی بے دی جائے تو مہر ادا نہیں ہوتا۔ اس واقعہ میں اَنْ تَاْجُوْنِیْ کے الفاظ اس پر شاہد ہیں کہ والد نے ان کو اپنے کام کے لئے ملازم رکھا تو ملازمت کا جو معاوضہ ہے وہ والد کو ملا، تو یہ زوجہ کا مہر کیسے بن گیا؟ اسکا جواب یہ ہے کہ اولاً تو یہ بھی ممکن ہے کہ یہ بکریاں لڑکیوں ہی کی ملک ہوں اور یہ ملازمت کا فائدہ اس حیثیت سے خود لڑکی کو پہنچا۔ دوسرے اگر باپ ہی کا کام انجام دیا اور اس کی تنخواہ والد کے ذمہ لازم ہوئی تو یہ زر مہر لڑکی کا ہو گیا لڑکی کی اجازت سے والد کو بھی اسکا استعمال درست ہے۔ یہاں ظاہر ہے کہ یہ معاملہ لڑکی کی اجازت سے ہوا ہے۔



مسئلہ لفظ اِنْكَاح سے ثابت ہوا کہ نکاح کا معاملہ والد نے کیا ہے باجماع فقہاء ایسا ہی ہونا چاہیے کہ لڑکی کا ولی اس کے نکاح کے معاملہ کی کفالت کرے لڑکی خود اپنا نکاح نہ کرے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی لڑکی نے خود اپنا نکاح کسی ضرورت و مجبوری سے کر لیا تو وہ منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ فقہاء کا اختلاف ہے امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور یہ آیت اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں دیتی۔

فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ

پھر جب پہوری کر چکا موسیٰ وہ مدت اور لیکر چلا اپنے گھر والوں کو دیکھی کوہ طور کی طرف سے ایک

نَارًا ۱۰ قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا عَلَيَّ ۖ إِنِّي كُنتُ مِنْهَا

آگ کہا اپنے گھر والوں کو ٹھہرو میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید اُسوں تمہارے پاس وہاں

مِنْ خَيْرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ۝ ۱۱ فَلَمَّا أَتَاهَا

کی کچھ خبر یا انگارا آگ کا تاکہ تم تاپو پھر جب پہنچا اس کے

نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبْرَكَةِ مِنْ

پاس آواز ہوئی میدان کے داہنے کنارے سے برکت والے تختہ میں ایک

الشَّجَرَةِ أَنْ يُمُوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ ۱۲ وَأَنْ أَلْقِ

درخت سے کر اے موسیٰ میں ہوں میں اللہ جہان کا رب اور یہ کہ ڈال دے

عَصَاكَ ۖ فَلَمَّا رَأَاهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ ۚ

اپنی لاشی پھر جب دیکھا اس کو ہنپھناتے جیسے سانپ کی شک اُٹا پھر امنہ موڑ کر اور نہ دیکھا پیچھے پھر

يُومُوسَىٰ أَقْبَلَ وَلَا تَخَفْ ۚ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ ۝ ۱۳ أَسْلَفَ بِكَ

اے موسیٰ آگے اور مت ڈر تجھ کو کچھ خطرہ نہیں ڈال اپنا ہاتھ اپنے

فِي جَيْبِكَ تَخْرُجُ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ ۚ وَاصْصُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنْ

گریبان میں بھل آئے سفید ہو کر نہ کہ کسی بُرائی سے اور ملا لے اپنی طرف اپنا بازو اور سے

الرَّهْبِ ۚ قَدْ نِكَ بُرْهَانٍ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا

سو یہ دوسندیں ہیں تیرے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں پر بیشک وہ تھے

قَوْمًا فَاسِقِينَ ۝ ۱۴ قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَنْ

لوگ نافرمان ہوں اے رب میں نے خون کیا ہے اُن میں ایک جان کا سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو

يَقْتُلُون ۝ ۱۵ وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْضَلُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسَلْهُ مَعِيَ

مار ڈالیں گے اور میرا بھائی ہارون اسکی زبان چلتی ہے مجھ سے زیادہ سوا اس کو بھیج میرے ساتھ



رَدَّ اَبْصَدًا قُنِيَ زَانِيًا اَخَافُ اَنْ يُكَذِّبُونِ ۝۳۵ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ

ہر کو کہ میری تصدیق کرے میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھوٹا کریں فرمایا ہم مضبوط کر دیں گے تیرے بازو کو

بَاخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكَمَّا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُونَ اِلَيْكَ مَا شَاءَ بِاٰيٰتِنَا شَ

تیرے بھائی سے اور دیں گے تم کو غلبہ پھر وہ نہ پہنچ سکیں گے تم تک ہماری نشانیوں سے

اَنْتُمْ اَوْ مَنِ اتَّبَعَكُمْ اَلْغٰلِبُونَ ۝۳۶

تم اور جو تمہارے ساتھ ہو غالب رہو گے

## خلاصہ تفسیر

غرض جب موسیٰ (علیہ السلام) اس مدت کو پورا کر چکے اور (باجازت شعیب علیہ السلام کے) اپنی بی بی کو لے کر (مصر کو یا شام کو) روانہ ہوئے تو ایک شب میں ایسا اتفاق ہوا کہ سردی بھی تھی اور راہ بھی بھول گئے اس وقت ان کو کوہ طور کی طرف سے ایک (ردشنی شکل) آگ دکھلائی دی، انھوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم (یہاں ہی) ٹھہرے رہو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا ہوں) شاید میں تمہارے پاس وہاں سے (رستہ کی) کچھ خبر لاؤں یا کوئی آگ کا (دیکھتا ہوا) انگارے آؤں تاکہ تم سینک لو، سو وہ جب اس آگ کے پاس پہنچے تو ان کو اس میدان کے داہنی جانب سے (جو کہ موسیٰ علیہ السلام کی داہنی جانب تھی) اس مبارک مقام میں ایک درخت میں سے آواز آئی کہ اے موسیٰ میں رب العالمین ہوں اور یہ (بھی آواز آئی) کہ تم ایسا عصا ڈالو (چنانچہ انھوں نے ڈال دیا اور وہ سانپ بن کر چلنے لگا) سو انھوں نے جب اس کو لہراتا ہوا دیکھا جیسا پتلا سانپ (تیز) ہوتا ہے تو پشت پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (حکم ہوا کہ) اے موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو مت (ہر طرح) امن میں ہو (اور یہ کوئی ڈر کی بات نہیں بلکہ تمہارا معجزہ ہے اور دوسرا معجزہ اور عنایت ہوتا ہے کہ) تم اپنا ہاتھ گریبان کے اندر ڈالو (اور پھر نکالو) وہ بلا کسی مرض کے نہایت روشن ہو کر نکلے گا اور (اگر مثل انقلاب عصا کے اس معجزہ سے بھی طبعاً خوف اور حیرت پیدا ہو تو) خوف (رفع کرنے) کے واسطے اپنا (دہ) ہاتھ (پھر) اپنے گریبان اور بغل سے (بدستور سابق) ملا لینا (تاکہ وہ پھر پہلی حالت پر ہو جائے اور پھر طبعی خوف بھی نہ ہو کرے) سو یہ (تمہاری نبوت کی) دو سندیں (اور دلیل) ہیں تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اسکے سرداروں کے پاس جانے کے واسطے (جس کا تم کو حکم کیا جاتا ہے کیونکہ) وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں، انھوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب (میں جانے کے لئے حاضر ہوں مگر آپ کی خاص امداد کی ضرورت ہے کیونکہ) میں نے ان میں سے ایک آدمی کا خون کر دیا تھا سو مجھ کو اندیشہ ہے کہ (کہیں پہلے ہی) وہ لوگ مجھ کو قتل کر دیں (تبلیغ بھی نہونے پاوے)



اور (دوسری بات یہ ہے کہ زبان بھی زیادہ رواں نہیں ہے اور) میرے بھائی ہارون کی زبان مجھ سے زیادہ رواں ہے تو ان کو بھی میرا بدگوار بنا کر میرے ساتھ رسالت دیدیجئے کہ (وہ میری تقریر کی تائید اور) تصدیق (مفصل اور مکمل طور سے) کریں گے (کیونکہ) مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ لوگ (فرعون اور اسکے درباری) میری تکذیب کریں (تو اس وقت مناظرہ کی ضرورت ہوگی اور زبانی مناظرہ کے لئے عادتاً وہ آدمی زیادہ مفید ہوتا ہے جو رواں زبان ہو) ارشاد ہوا کہ (بہتر ہے) ہم ابھی تمہارے بھائی کو تمہارا قوت بازو بنائے دیتے ہیں (ایک درخواست تو یہ منظور ہوئی) اور (دوسری درخواست کی منظوری اس طرح ہوئی کہ) ہم تم دونوں کو ایک خاص شوکت (دہیبت) عطا کرتے ہیں جس سے ان لوگوں کو تم پر دسترس نہ ہوگی (پس) ہلکے سبب سے لیکر جاؤ تم دونوں اور جو تمہارا پیرو ہوگا (ان لوگوں پر) غالب رہو گے۔

## معارف و مسائل

فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ، یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدت معینہ ملازمت کی پوری کر دی جو آٹھ سال لازمی اور دو سال اختیاری تھی سو یہاں سوال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے صرف آٹھ سال پورے کئے یا دس سال۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے یہ سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ انہوں نے زیادہ مدت یعنی دس سال پورے کئے کہ انبیاء علیہم السلام کی یہی شان ہے کہ جو کچھ کہتے ہیں اس کو پورا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی عادت شریفہ تھی کہ حقدار کو اس کے حق سے زائد ادا فرماتے تھے اور امت کو اسی کی ہدایت فرمائی ہے کہ ملازمت، اجرت اور خرید و فروخت میں سادگت اور ایثار سے کام لیا جائے۔

فَوَدَىٰ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ (الْيَمَنِ) اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ، یہ مضمون بضمین قصہ موسیٰ علیہ السلام سورہ طہ اور سورہ نمل میں گزرا ہے۔ سورہ طہ میں ہے اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ اور سورہ نمل میں ہے فَوَدَىٰ اَنْ یُّوَدِّعَ مَنْ فِی النَّارِ اور اس سورت میں ہے اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ یہ الفاظ اگرچہ مختلف ہیں مگر معنی تقریباً ایک ہی ہیں، واقعہ کی حکایت ہر مقام کے مناسب الفاظ سے کی گئی ہے (کذا قال الامام) اور یہ تجلی بشکل نار تجلی مثالی تھی کیونکہ تجلی ذاتی کا مشاہدہ اس دنیا میں کسی کو نہیں ہو سکتا اور خود موسیٰ علیہ السلام کو اس تجلی ذاتی کے اعتبار سے کُنْ تَرَانِیْ فرمایا گیا ہے یعنی آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے مراد مشاہدہ ذات حق ہے۔

نیک عمل سے جگہ بھی | فِی الْبُقْعَةِ الْمُبَارَکَةِ، کوہ طور کے اس مقام کو قرآن کریم نے بُقْعہ مبارکہ مبرک ہو جاتی ہے | فرمایا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اسکے مبارک ہونے کا سبب یہ تجلی خداوندی ہے جو اس مقام پر بشکل نار دکھائی دی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس مقام میں کوئی نیک عمل اہم واقع



ہوتا ہے وہ مقام بھی تبرک ہو جاتا ہے۔

و عظیمیں اچھی خطابت اور فصاحت مطلوب ہے | هُوَ أَفْصَحُ مِنْ لِسَانَا اس سے معلوم ہوا کہ وعظ و تبلیغ میں فصاحت کلام اور مقبول طرز خطابت محمود اور مطلوب ہے۔ اسکی تحصیل میں کوشش بھی مذموم نہیں۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَى بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا سِحْرٌ

پھر جب پہنچا ان کے پاس موسیٰ نے کرہماری نشانیاں کھلی ہوئی بولے اور کچھ نہیں یہ جادو ہے

مُفْتَرًى وَمَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ۳۶ وَقَالَ

باندھا ہوا اور ہم نے سنا نہیں یہ اپنے اچھے باپ دادوں میں اور کہا

مُوسَى رَبِّيَ أَعْلَمُ بِمَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ وَمَنْ

موسیٰ نے میرا رب تو خوب جانتا ہے جو کوئی لایا ہے ہدایت کی بات اُس کے پاس سے اور جس کو

تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۳۷ وَقَالَ

اے گا آخرت کا گھر بیشک بھلا نہ ہوگا بے انصافوں کا اور بولا

فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهِ غَيْرِي فَأَوْقِدْ لِي

فرعون اے دربار والو مجھ کو تو معلوم نہیں تمہارا کوئی حاکم ہو میرے سوا سو آگ لے اے

يَهَامُ مِنْ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَلْ لِي صَرْحًا لَعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَى إِلَهِ

ہامان میرے واسطے گارے کو پھر بنا میرے واسطے ایک محل تاکہ میں جھانک کر دیکھ لوں موسیٰ

مُوسَىٰ وَإِنِّي لَا ظَنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۳۸ وَاسْتَغْبَرَ هُودٌ

کے رب کو اور میری آنکھ میں تو وہ جھوٹا ہے اور بڑائی کرنے لگے وہ اور

جُنُودَهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُمُ الْبَائِنَا لَا

اس کے لشکر ملک میں ناحق اور سمجھے کہ وہ ہماری طرف پھر کر نہ

يَرْجِعُونَ ۳۹ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ فَانْظُرْ

آئیں گے پھر پکڑا ہم نے اسکو اور اسکے لشکروں کو، پھر پھینک دیا ہم نے ان کو دریا میں سو دیکھ لے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ۴۰ وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يَذْعَبُونَ

کیسا ہوا انجام گنہگاروں کا اور کیا ہم نے ان کو پیشوا کہ بلاتے ہیں دوزخ

إِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ لَا يُنصَرُونَ ۴۱ وَاتَّبَعْنَاهُمْ فِي هَذِهِ

کی طرف اور قیامت کے دن ان کو مدد نہ ملے گی اور پیچھے رکھ دی ہم نے ان پر اس

الدُّنْيَا لَعْنَةُ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ ۴۲

دنیا میں پھشکار اور قیامت کے دن اُن پر بُرائی ہے



## خلاصہ تفسیر

غرض جب ان لوگوں کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) ہماری صریح دلیلیں لے کر آئے تو ان لوگوں نے (معجزات دیکھ کر) کہا کہ یہ تو محض ایک جادو ہے کہ (خواہ مخواہ خدا تعالیٰ پر) افترا کیا جاتا ہے کہ یہ انکی جانب سے معجزات اور دلیل رسالت ہیں) اور ہم نے ایسی بات کبھی نہیں سنی کہ ہمارے اگلے باپ دادوں کے وقت میں بھی ہوئی ہو اور موسیٰ (علیہ السلام) نے (اسکے جواب میں) فرمایا کہ (جب باوجود دلائل صحیحہ قائم ہونے کے اور اس میں کوئی شبہ معقول نہ نکال سکنے کے بعد بھی نہیں مانتے تو یہ ہٹ دھرمی ہے اور اسکا اخیر جواب یہی ہے کہ) میرا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے جو صحیح دین اسکے پاس سے لے کر آیا ہے اور جسکا انجام (یعنی خاتمہ) اس عالم (دنیا) سے اچھا ہونے والا ہے (اور) بالیقین ظالم لوگ (جو کہ بدانت اور دین صحیح پر نہ ہوں) کبھی فلاح نہ پاویں گے کیونکہ ان کا انجام اچھا نہ ہوگا۔ مطلب یہ کہ خدا کو خوب معلوم ہے کہ ہم میں اور تم میں کون اہل ہدیٰ ہے اور کون ظالم اور کون محمود العاقبت ہے اور کون محروم عن الفلاح پس ہر ایک کی حالت اور ثمرہ کا جلد ہی مرنے کے ساتھ ہی ظہور ہو جائے گا ایسے نہیں مانتے تم جانو) اور (دلائل موسویہ دیکھ کر اور سن کر) فرعون (کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ہمارے معتقدین ان کی طرف مائل نہ ہو جاویں تو لوگوں کو جمع کر کے) کہنے لگا اے اہل دربار مجھ کو تو تمہارا اپنے سوا کوئی خدا معلوم نہیں ہوتا (اسکے بعد تلبیس کے واسطے اپنے وزیر سے کہا کہ اگر اس سے ان لوگوں کا اطمینان نہ ہو تو) اے ہامان تم ہمارے لئے مٹی (کی اینٹیں بنوا کر ان) کو آگ میں پناؤ لگا کر پکواؤ پھر (ان پختہ اینٹوں سے) میسرے واسطے ایک بلند عمارت بنواؤ تاکہ (میں اس پر چڑھ کر) موسیٰ کے خدا کو دیکھوں بھالوں اور میں تو (اس دعویٰ میں کہ کوئی اور خدا ہے) موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں اور فرعون اور اسکے تابعین نے ناحق دنیا میں سر اٹھا رکھا تھا اور یوں سمجھ رہے تھے کہ انکو ہمارے پاس ٹوٹ کر آنا نہیں ہے تو ہم نے (اس تکبر کی سزا میں) اس کو اور اسکے تابعین کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا (یعنی غرق کر دیا) سو دیکھئے ظالموں کا انجام کیسا ہوا (اور موسیٰ علیہ السلام کے قول کا ظہور ہو گیا مَنْ تَكُونُ لَكَ عَاقِبَةُ الدَّارِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ) اور ہم نے ان لوگوں کو ایسا ریس بنایا تھا جو (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے رہے اور اسی واسطے قیامت کے روز (ایسے بے کس رہاویں گے کہ) انکا کوئی ساتھ نہ رہے گا اور (یہ لوگ دونوں عالم میں خا و خاسر ہوئے چنانچہ) دنیا میں بھی ہم نے انکے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن بھی بد حال لوگوں میں سے ہونگے۔

## معارف و مسائل

فَاَوْقَدْ لِيَ فِيهَا مِنْ عَلَى الظَّالِمِينَ، فرعون نے بہت اونچا بلند محل تیار کرنے کا ارادہ کیا



تو اپنے ذریعہ ہامان کو اسکی تیاری کے لئے پہلے یہ حکم دیا کہ مٹی کی اینٹوں کو پکا کر پختہ کیا جائے کیونکہ کچی اینٹوں پر کوئی بڑی اور اونچی بنیاد قائم نہیں ہو سکتی۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ فرعون کے اس واقعہ سے پہلے پختہ اینٹوں کی تعمیر کا رواج نہ تھا سب سے پہلے فرعون نے یہ ایجاد کرائی۔ تاریخی روایات میں ہر کہ ہامان نے اس محل کی تعمیر کیلئے پچاس ہزار سمار جمع کئے مزدور اور لکڑی لوہے کا کام کئے والے انکے علاوہ تھے اور محل کو اتنا اونچا بنایا کہ اُس زمانے میں اس سے زیادہ بلند کوئی تعمیر نہیں تھی۔ پھر جب یہ تیاری مکمل ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حکم دیا، اُنھوں نے ایک ضرب میں اس محل کے تین ٹکڑے کر کے گرا دیا جس میں فرعونی فوج کے ہزاروں آدمی دب کر مر گئے۔ (قطبی)

وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يَذَّبُ عَنْكَ إِلَى النَّارِ، یعنی فرعون کے درباریوں کو اللہ تعالیٰ نے انکی قوم کا پیشوا بنا دیا تھا مگر یہ غلط کار پیشوا اپنی قوم کو آگ یعنی جہنم کی طرف دعوت دے رہے تھے یہاں اکثر مفسرین نے آگ کی طرف دعوت دینے کو ایک استعارہ اور مجاز قرار دیا ہے کہ مراد آگ سے وہ اعمال کفریہ ہیں جنکا نتیجہ جہنم کی آگ میں جانا تھا مگر اُس اُستاذ محترم نادرہ روزگار حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کی تحقیق تبعا لابن عربی یہ تھی کہ آخرت کی جزا عین عمل ہے۔ انسان کے اعمال جو وہ دنیا میں کرتا ہی برزخ پھر محشر میں اپنی شکلیں بدلیں گے اور جو ہری صورتوں میں نیک اعمال گل و گلزار بن کر جنت کی نعمتیں بن جائیں گے اور اعمال کفر و ظلم آگ اور سانپ، بھوؤں اور طرح طرح کے غذاؤں کی شکل اختیار کر لیں گے اسلئے جو شخص اس دنیا میں کسی کو کفر و ظلم کی طرف بلاتا رہا ہے وہ حقیقتہً اس کو آگ ہی کی طرف بلاتا رہا ہے۔ اگرچہ اس دنیا میں اسکی شکل آگ کی نہیں مگر حقیقت اسکی آگ ہی ہے۔ اسی طرح آیت میں کوئی مجاز یا استعارہ نہیں، اپنی حقیقت پر محمول ہے۔ یہ تحقیق اختیار کیجائے تو قرآن کی بے شمار آیات میں مجاز و استعارہ کا تکلف نہیں کرنا پڑے گا۔ مثلاً وَوَحَدٌ وَأَمَّا عَمِلُوا أَحْضَارًا اور مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وغیرہ وَیَوْمَ الْيَقِظَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ، مَقْبُوحِينَ، مقبوح کی جمع ہے جس کے معنی ہیں بگاڑا ہوا۔ مراد یہ ہے کہ قیامت کے روز انکے چہرے مسخ ہو کر سیاہ اور آنکھیں نیلی ہو جائیں گی۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَىٰ

اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب بعد اس کے کہ ہم غارت کر چکے پہلی جماعتوں کو

بَصَائِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۴۳﴾ وَمَا

سمجھانے والی لوگوں کو اور راہ بتانے والی اور رحمت تاکہ وہ یاد رکھیں اور توبہ

كُنْتَ بِمَجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ

تھا غروب کی طرف جب ہم نے بھیجا موسیٰ کو حکم اور نہ تھا



مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۳۳﴾ وَلَكِنَّا أَنشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ

تو دیکھنے والا لیکن ہم نے پیدا کیں کئی جماعتیں پھر دراز ہوئی اُن پر مدت

وَمَا كُنْتَ ثَارِيًّا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتَلَوَّا عَلَيْهِمُ آيَتِنَا وَلَكِنَّا

اور تو نہ رہتا تھا مدین والوں میں کہ اُن کو سناتا ہماری آیتیں پر ہم بے ہیں

كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿۳۵﴾ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَكِنْ

رسول بھیجتے اور تو نہ تھا طور کے کنارے جب ہم نے آواز دی لیکن

رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَتْهُم مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ

یہ انعام ہے تیرے رب کا تاکہ تو ڈر سنا دے اُن لوگوں کو جن کے پاس نہیں آیا کوئی ڈر سنا دے والا تجھ سے پہلے

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۳۶﴾ وَلَوْ لَا أَن نُّصِيبَهُمْ مُّصِيبَةً مِّمَّا

تاکہ وہ یاد رکھیں اور اتنی بات کے لئے کہ کبھی اُن پر آفت اُن

قَدْ مَتَّ آيِدِيهِمْ فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْ لَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ

کاموں کی وجہ سے جن کو بھیج چکے ہیں انکے ہاتھ تو کہنے لگیں اے رب ہمارے کیوں نہ بھیج دیا ہمارے پاس کسی کو پیغام دے کر

آيَتِكَ وَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۷﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ

تو پہنچتے تیری باتوں پر اور ہوتے ایمان والوں میں پھر جب پہنچی اُن کو ٹھیک بات ہمارے

عِنْدَنَا قَالُوا لَوْ لَا أَوْتِي مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ أَوْ لَمْ يَكْفُرُوا

پاس سے کہنے لگے کیوں نہ ملا اس رسول کو جیسا ملا تھا موسیٰ کو کیا ابھی سکر نہیں ہو چکے

بِمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ قَالُوا سِحْرَانِ تَظَاهَرَا فَقَدْ قَالُوا

اس سے جو موسیٰ کو ملا تھا اس سے پہلے کہنے لگے دونوں جادو ہیں آپس میں موافق اور کہنے لگے

إِنَّا بِكُلِّ كَفْرٍ وَن ﴿۳۸﴾ قُلْ فَاشْأُوا بِكُتَابِ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْلٌ

ہم دونوں کو نہیں مانتے تو کہہ اب تم لاؤ کوئی کتاب اللہ کے پاس کی جو ان دونوں سے

مِنْهُمَا أَتَّبِعُهُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۹﴾ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ

بہتر ہو کہ میں اس پر چلوں اگر تم سچے ہو پھر اگر نہ کر لائیں تیرا کہا

فَاعْلَمُوا أَنَّمَا يُتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بَغْيًا

تو جان لے کہ وہ چلتے ہیں نری اپنی خواہشوں پر اور اس سے گمراہ زیادہ کون جو چلے اپنی خواہش پر بددن

هُدًى مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ

راہ بتلائے اللہ کے بیشک اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو اور ہم بے درجے

وَصَلَّيْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۵۱﴾

بھیجتے رہے ہیں اُن کو اپنے کلام تاکہ وہ دھیان میں لائیں



## خلاصہ تفسیر

اور (رسالت کا سلسلہ خلق کے محتاج اصلاح ہونے کے سبب ہمیشہ سے چلا آیا ہے چنانچہ) ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو (جن کا قصہ ابھی پڑھ چکے ہو) اگلی اُمّتوں (یعنی قوم نوح و عاد و ثمود) کے ہلاک ہونے کے پیچھے (جبکہ ان زمانوں کے انبیاء کی تعلیمات نایاب ہو گئی تھیں اور لوگ ہدایت کے سخت حاجت مند تھے) کتاب (یعنی تورات) دی تھی جو لوگوں کے (یعنی بنی اسرائیل کے) لئے دانشمندیوں کا سبب اور ہدایت اور رحمت تھی تاکہ وہ (اس سے) نصیحت حاصل کریں (طالب حق کی اول فہم درست ہوتی ہے یہ بصیرت ہے، پھر احکام قبول کرتا ہے یہ ہدایت ہے، پھر ہدایت کا ثمرہ یعنی قرب و قبول عنایت ہوتا ہے یہ رحمت ہے) اور (اسی طرح جب یہ دورہ بھی ختم ہو چکا اور لوگ پھر محتاج تجدید ہدایت ہوئے تو اپنی سنتِ ستمہ کے موافق ہمنے آپ کو رسول بنایا جس کے دلائل میں سے ایک یہی واقعہ موسویہ کی یقینی خبر دینا ہے کیونکہ قطعی خبر دینے کے لئے کوئی طریق علم کا ضروری ہے اور وہ طریق منحصر ہے چاروں امور عقلیہ میں عقل، سو یہ واقعہ امور عقلیہ میں سے تو ہے نہیں، اور امور عقلیہ میں یا شمع اہل علم سے جو کہ دوسرا طریق ہے سو یہ بھی بوجہ عدم مخالفت و عدم مدارست اہل اخبار کے منقنی ہے اور یا اپنا مشاہدہ جو کہ تیسرا طریق ہے سو اس کی نفی نہایت ہی اظہر ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ آپ (طور کے) مغربی جانب میں موجود نہ تھے جبکہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو احکام دیئے تھے (یعنی توراۃ دی تھی) اور (وہاں خاص تو کیا موجود ہوتے) آپ (تو) ان لوگوں میں سے (بھی) نہ تھے جو (اس زمانہ میں) موجود تھے (پس احتمال مشاہدہ کا بھی نہ رہا) و لیکن (بات یہ کہ) ہم نے (موسیٰ علیہ السلام کے بعد) بہت سی نسلیں پیدا کیں پھر ان پر زمانہ دراز گزر گیا (جس سے پھر علوم صحیحہ نایاب ہو گئے اور پھر لوگ محتاج ہدایت ہوئے اور گود درمیان درمیان انبیاء علیہم السلام آیا کئے مگر ان کے علوم بھی اس طرح نایاب ہوئے اسلئے ہماری رحمت مقتضی ہوئی کہ ہم نے آپ کو وحی و رسالت سے مشرف فرمایا جو کہ چوتھا طریق ہے خبر یقینی کا اور دوسرے طرق علم ظنی کے ہیں جو بحث ہی سے خارج ہے کیونکہ آپ کی یہ خبریں بالکل یقینی اور قطعی ہیں حاصل یہ کہ علم یقینی کے چار طریقے ہیں اور تین منتفی پس چوتھا متعین اور یہی مطلوب ہے) اور (جیسے آپ نے عطار توراۃ کا مشاہدہ نہیں کیا اور صحیح و یقینی خبر دے رہے ہیں اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے قیام مدین کا مشاہدہ نہیں فرمایا چنانچہ ظاہر ہے کہ) آپ اہل مدین میں بھی قیام پذیر نہ تھے کہ آپ (وہاں کے حالات دیکھ کر ان حالات کے متعلق) ہماری آیتیں (اپنے) ان (معاصر) لوگوں کو پڑھ کر سنار ہے ہوں و لیکن ہم ہی (آپ کو) رسول بنانے والے ہیں (کہ رسول بنا کر یہ واقعات وحی سے بتلا دیئے) اور (اسی طرح)



آپؐ کی جانب (غربی مذکور) میں اسوقت بھی موجود نہ تھے جب ہم نے (موسیٰ علیہ السلام کو) پکارا تھا کہ "يٰمُوسٰى اِنِّىْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ وَاَنْ اَتِيَكَ عَصَاكَ" جو کہ ان کو نبوت عطا ہونے کا وقت تھا) لیکن (اسکا علم بھی اسی طرح حاصل ہوا کہ) آپؐ اپنے رب کی رحمت سے نبی بنائے گئے تاکہ آپؐ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپؐ پہلے کوئی ڈرانے والا (نبی) نہیں آیا، کیا عجب ہے کہ نصیحت قبول کر لیں (کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین بلکہ انکے آباء اقربین نے بھی کسی نبی کو نہیں دیکھا تھا گو بعض شرائع بالخصوص توحید بواسطہ ان تک بھی پہنچی تھی پس وَلَقَدْ تَعَنَّاهُ كَلِّمْنَاكُمْ رُسُلًا مِنْ غَيْرِهَا) اور (اگر یہ لوگ ذرا تامل کریں تو سمجھ سکتے ہیں کہ پیغمبر بھیجنے سے ہمارا کوئی فائدہ نہیں بلکہ ان ہی لوگوں کا فائدہ ہے کہ یہ لوگ حسن و قبح پر مطلع ہو کر عقوبت سے بچ سکتے ہیں ورنہ جن امور کا قبح عقل سے دریافت ہو سکتا ہے اس پر عذاب بلا ارسال رسول بھی ہوتا ممکن تھا لیکن اسوقت انکو ایک گونہ حسرت ہوتی کہ ہائے اگر رسول آجاتا تو ہمارے زیادہ تائب ہو جاتا اور اس مصیبت میں نہ پڑتے بلکہ رسول بھی بھیج دیتا کہ اس حسرت سے بچنا ان کو آسان ہو ورنہ احتمال تھا کہ) ہم رسول نہ بھی بھیجتے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان پر ان کے کرداروں کے سبب (جو عقلاً قبیح ہیں) کوئی مصیبت (دنیا یا آخرت میں) نازل ہوتی (جس کی نسبت ان کو عقل کے یا فرشتے کے ذریعہ سے یقین ہو جاتا کہ یہ سزائے اعمال ہے) تو یہ کہنے لگتے کہ اے ہمارے پروردگار آپؐ نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا تاکہ ہم آپؐ کے احکام کا اتباع کرتے اور (ان احکام اور رسول پر) ایمان لانے والوں میں سے ہوتے سو (اس امر کا مقتضا تو یہ تھا کہ رسول کے آنے کو غنیمت سمجھتے اور اسکے دین حق کو قبول کرتے لیکن ان کی یہ حالت ہوئی کہ) جب ہماری طرف سے ان لوگوں کے پاس امر حق (یعنی رسول حق اور دین حق) پہنچا تو (اس میں شبہ نکالنے کے لئے یوں) کہنے لگے کہ ان کو ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی موسیٰ (علیہ السلام) کو ملی تھی (یعنی قرآن واحدہ مثل توراۃ کے کیوں نہ نازل ہوا، آگے جواب ہے کہ) کیا جو کتاب موسیٰ (علیہ السلام) کو ملی تھی اسکے قبل یہ لوگ اسکے منکر نہیں ہوئے (چنانچہ ظاہر ہے کہ مشرکین موسیٰ علیہ السلام اور توراۃ کو بھی نہ مانتے تھے کیونکہ وہ سرے سے اصل نبوت ہی کے منکر تھے) یہ لوگ تو (قرآن اور توراۃ دونوں کی نسبت) یوں کہتے ہیں کہ دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کے موافق ہیں (یہ اس لئے کہا کہ اصول شرائع میں دونوں متفق ہیں) اور یوں بھی کہتے ہیں کہ ہم تو دونوں میں کسی کو نہیں مانتے (خواہ یہی عباد ان کا مقولہ ہو اور خواہ انکے اقوال سے لازم آتا ہو اور خواہ ایک ہی ساتھ دونوں کا انکار کیا ہو یا مختلف قول جمع کئے گئے ہوں تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس شبہ کا منشاء قصداً ایمان بالقرآن بصورت تامل توراۃ کے نہیں بلکہ یہ بھی ایک حیلہ اور شرارت ہے آگے اس کا جواب ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ کہہ دیجئے کہ اچھا تو (علاوہ توراۃ و قرآن کے) تم کوئی اور کتاب اللہ



کے پاس لے آؤ جو ہدایت کرنے میں ان دونوں سے بہتر ہو میں اسی کی پیروی کرنے لگوں گا، اگر تم (اس دعوے میں) سچے ہو (کہ مُحَمَّدٌ رَاسُ الْكَافِرِينَ)، جس سے مقصود ان دونوں کتابوں کا نفوذ بالشر مفسر اور غلط ہونا ہے۔ یعنی مقصود تو اتباع حق کا ہے پس اگر کتب الہیہ کو حق مانتے ہو تو ان کی پیروی کرو، قرآن کی تو مطلقاً اور توراہ کی توحید و بشارت محمدیہ میں اور اگر ان کو حق نہیں مانتے تو تم کوئی حق پیش کرو اور اس کا حق ہونا ثابت کر دو جس کو اہدی ہونے سے اسلئے تعبیر کیا گیا ہے کہ مقصود حق سے اس کا وسیلہ ہدایت ہونا ہے۔ اگر فرضاً ثابت کر دو گے تو میں اس کی پیروی کر لوں گا، غرض یہ کہ میں حق ثابت کر دوں تو تم اس کا اتباع کرو، اور اگر تم حق ثابت کر دو تو میں اتباع کے لئے آمادہ ہوں اور چونکہ قضیہ شرطیہ میں محض حکم اتصال کا ہوتا ہے اسلئے اتباع غیر کتب الہیہ کا اشکال لازم نہیں آتا (پھر اس احتجاج کے بعد) اگر یہ لوگ آپ کا (یہ) کہنا (کہ فَالْحَقُّ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ) نہ کر سکیں (اور ظاہر ہے کہ نہ کر سکیں گے کہ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا) اور پھر بھی آپ کا اتباع نہ کریں (تو آپ سمجھ لیجئے کہ) ان سوالات کا منشاء کوئی اشتباہ و تردد و حق جوئی نہیں ہے بلکہ یہ لوگ محض اپنی نفسانی خواہشوں پر چلتے ہیں (ان کا نفس کہتا ہے کہ جس طرح بن پڑے ان کا رہی کرنا چاہیے، پس یہ ایسا ہی کر رہے ہیں گو حق بھی واضح ہو جاوے) اور ایسے شخص سے زیادہ کون گمراہ ہو گا جو اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہو بدو ن اسکے کہ منجانب اللہ کوئی دلیل (اسکے پاس) ہو (اور) اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو (جو کہ وضوح حق کے بعد بدو ن کسی متمسک صحیح کے بھی اپنی گمراہی سے باز نہ آوے) ہدایت نہیں کیا کرتا (جس کا سبب اس شخص کا خود قصد کرنا ہے اپنے گمراہ رہنے کا اور قصد کے بعد غلطی فعل عادت ہے اللہ تعالیٰ کی اسلئے ایسا شخص ہمیشہ گمراہ رہتا ہے، یہاں تک تو جواب الزامی تھا انکے اس قول کا لَوْ لَا اَدْرِي مِثْلَ مَا اَدْرِي مُوسٰی) اور (آگے تحقیقی جواب ہے جس میں قرآن کے دفعۃً واحدۃً نازل نہ ہونے کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ) ہم نے اس کلام (یعنی قرآن) کو ان لوگوں کیلئے وقتاً فوقتاً کیے بعد دیکرے بھیجا تاکہ یہ لوگ (بار بار تازہ بتازہ سننے سے) نصیحت مانیں (یعنی ہم تو دفعۃً واحدۃً بھیجنے پر بھی قادر ہیں مگر ان ہی کی مصلحت سے تھوڑا تھوڑا نازل کرتے ہیں پھر اندھیر ہے کہ اپنی ہی مصلحت کی مخالفت کرتے ہیں)۔

## معارف و مسائل

وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰی الْكِتٰبَ مِنْ اَعْدٰی مَا اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُولٰی بِصَاحِبِهِ لِلنَّاسِ،  
قرون ادلی سے اقوام نوح و ہود و صالح و لوط علیہم السلام مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام سے پہلے اپنی سرکشی کی وجہ سے ہلاک کی گئی تھیں، اور بصائر، بصیرت کی جمع ہے جس کے لفظی معنی تو دانش و



بیش کے ہیں۔ مراد اس سے وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ انسانوں کے قلوب میں پیدا فرماتے ہیں جن سے وہ حقائق اشیاء کو دیکھ سکیں اور حق و باطل کا امتیاز کر سکیں۔ (مظہری)

بَصَائِرُ لِلنَّاسِ میں اگر لفظ ناس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت ہے تو بات صاف ہی اس امت کے لئے کتاب تورات ہی مجموعہ بصائر تھی۔ اور اگر لفظ ناس سے تمام انسان مراد ہیں جن میں امت محمدیہ بھی داخل ہے تو یہاں سوال یہ پیدا ہوگا کہ امت محمدیہ کے زمانے میں جو تورات موجود ہے وہ تحریفیات کے ذریعہ مسخ ہو چکی ہے تو ان کے لئے اسکا بصائر کہنا کیسے درست ہوگا، اور یہ کہ اس سے تو یہ لازم آتا، کہ مسلمانوں کو بھی تورات سے فائدہ اٹھانا چاہیے حالانکہ حدیث میں یہ واقعہ معروف ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اکی اجازت طلب کی کہ وہ تورات میں جو نفع وغیرہ ہیں انکو پڑھیں تاکہ انکے علم میں ترقی ہو، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ اگر اسوقت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرا ہی اتباع لازم ہوتا (جسکا حاصل یہ ہوتا کہ آپ کو صرف میری تعلیمات کو دیکھنا چاہیے، تورات و انجیل کا دیکھنا آپکے لئے درست نہیں) مگر اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ تورات کا جو اسوقت اہل کتاب کے پاس نسخہ تھا وہ تحریف شدہ تھا اور زمانہ ابتداء اسلام کا تھا جس میں نزول قرآن کا سلسلہ جاری تھا، اسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی مکمل حفاظت کے پیش نظر اپنی احادیث لکھنے سے بھی بعض حضرات کو روک دیا تھا کہ ایسا نہ ہو لوگ قرآن کے ساتھ احادیث کو جوڑ دیں، ان حالات میں کسی دوسری نسخہ شدہ آسمانی کتاب کا پڑھنا پڑھانا ظاہر ہے کہ احتیاط کے خلاف تھا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلقاً تورات و انجیل کے مطالعے اور پڑھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ ان کتابوں کے وہ حصے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق پیشین گوئیوں پر مشتمل ہیں انکا مطالعہ کرنا اور نقل کرنا صحابہ کرام سے ثابت اور معروف و مشہور ہے حضرت عبداللہ بن سلام اور کعب احبار اس معاملہ میں سب سے زیادہ معروف ہیں، دوسرے صحابہ کرام نے بھی ان پر نکیر نہیں کیا۔ اسلئے حاصل آیت کا یہ ہو جائے گا کہ تورات و انجیل میں جو غیر محرف مضامین اب بھی موجود ہیں اور بلاشبہ بصائر ہیں، ان سے استفادہ درست ہے مگر ظاہر ہے کہ ان سے استفادہ صرف ایسے ہی لوگ کر سکتے ہیں جو محرف اور غیر محرف میں فرق کر سکیں اور سمجھ و غلط کو پہچان سکیں وہ علماء ماہرین ہی ہو سکتے ہیں، عوام کو بے شک اس سے اجتناب اسلئے ضروری ہے کہ وہ کسی مغالطے میں نہ پڑ جائیں، یہی حکم ان تمام کتابوں کا ہے جس میں حق کے ساتھ باطل کی آمیزش ہے کہ عوام کو انکے مطالعہ سے پرہیز کرنا چاہیے علماء ماہرین دیکھیں تو مضائقہ نہیں۔

لَقَدْ رَفَعْنَا آتِیٰہُمْ دَیْنًا فَرًّا، یہاں اس قوم سے عرب مراد ہیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ہیں اور انکے بعد سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک انہیں کوئی پیغمبر



مبعوث نہ ہوا تھا یہی مضمون سورہ یس میں بھی آنے والا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دوسری جگہ قرآن کریم کا یہ ارشاد کہ **إِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ** کہ کوئی امت ایسی نہیں جس میں اللہ کا کوئی پیغمبر نہ آیا ہو اس آیت کے منافی نہیں کیونکہ مراد اس آیت کی یہ ہے کہ زمانہ دراز سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد انہیں کوئی نبی نہیں آیا مگر نبی و رسول کے آنے سے بالکل خالی یہ اُمت بھی نہیں رہی۔ **وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ** ، وصلنا، تو صیل سے مشتق ہے جس کے اصلی لغوی معنی رسی کے تاروں میں اور تار ملا کر اسکے مضبوط کرنے کے ہیں مراد یہ ہے کہ قرآن حکیم میں حق تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کا سلسلہ یکے بعد دیگرے جاری رکھا اور بہت سے نصیحت کے مضامین کا بار بار تکرار بھی کیا گیا تاکہ سُنے والے متاثر ہوں۔

تبلیغ و دعوت کے بعض آداب | اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا اہم پہلو یہ تھا کہ وہ حق بات کو مسلسل کہتے اور پہنچاتے ہی رہتے تھے۔ لوگوں کا انکار و تکذیب اُن کے اپنے عمل اور اپنی لگن میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتا تھا بلکہ وہ حق کو اگر ایک مرتبہ نہ مانا گیا تو دوسری مرتبہ پھر بھی نہ مانا گیا تو تیسری چوتھی مرتبہ برابر پیش کرتے ہی رہتے تھے۔ کسی کے دل میں ڈال دینا تو کسی ناصح ہمدرد کے بس میں نہیں مگر اپنی کوشش کو بغیر کسی مکان اور آگاہی کے جاری رکھنا جو ان کے قبضہ میں تھا اسکو مسلسل انجام دیتے۔ آج بھی تبلیغ و دعوت کے کام کرنے والوں کو اس سے سبق لینا چاہئے۔

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۲﴾ وَإِذَا يُتْلَا

جن کو ہم نے دی ہے کتاب اس سے پہلے وہ اس پر یقین کرتے ہیں اور جب اُن کو

عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ

سنائے تو کہیں ہم یقین لائیں اس پر یہی ہے ٹھیک ہمارے رب کا بھیجا ہوا ہم اس سے پہلے

مُسْلِمِينَ ﴿۵۳﴾ أُولَٰئِكَ يُؤْتُونَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَ

کے حکم بردار وہ لوگ پائیں گے اپنا ثواب دوہرا اس بات پر کہ قائم رہے اور

يَذَرُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۵۴﴾ وَإِذَا

بھلائی کرتے ہیں بُرائی کے جواب میں اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے رہتے ہیں اور جب

سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا إِنَّا أَعْمَالُنَا وَكُمُ أَعْمَالُكُمْ

سنیں نکمی باتیں اس سے کنارہ کریں اور کہیں ہم کو ہمارے کام اور تم کو تمہارے کام

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ﴿۵۵﴾

سلامت رہو ہم کو نہیں چاہئیں بے سمجھ لوگ



## خلاصہ تفسیر

(اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اُن بشارتوں سے بھی ثابت ہے جن کی اُن علمائے تصدیق کی ہے جن کو تورات و انجیل میں ان بشارتوں کا علم ہے۔ چنانچہ) جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے (آسمانی) کتابیں دی ہیں (اُن میں جو منصف ہیں) وہ اُس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب قرآن اُن کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے بے شک یہ حق ہے (جو) ہمارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اور ہم تو اس (کے آنے) سے پہلے بھی (اپنی کتابوں کی بشارتوں کی بنا پر) مانتے تھے (اب نزول کے بعد تجدید عہد کرتے ہیں۔ یعنی ہم ان لوگوں کی طرح نہیں جو نزول قرآن سے پہلے تو اسکی تصدیق کرتے تھے بلکہ اس کے آنے کے منتظر اور شائق تھے مگر جب قرآن آیا تو اس کے منکر ہو گئے) فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ (اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ تورات و انجیل کی بشارتوں کے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے جیسا کہ سورہ شعراء کے آخر میں فرمایا ہے اَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ اَنْ يَّعْلَمُوْا اَنْبِيَآءُ اِسْرَآئِيْلَ۔ یہاں تک رسالت محمدیہ پر علماء بنی اسرائیل کی شہادت کا بیان ہوا آگے مؤمنین اہل کتاب کی فضیلت کا بیان ہے کہ) اُن لوگوں کو اُن کی نچنگی کی وجہ سے دوسرا ثواب ملے گا (کیونکہ وہ پہلی کتاب پر ایمان رکھنے کے ضمن میں بھی قرآن پر ایمان رکھتے تھے اور بعد نزول کے بھی اس پر قائم رہے اور اس کی تجدید کی، یہ تو ان کے اعتقاد اور عزم کا بیان تھا آگے اعمال و اخلاق کا ذکر ہے کہ) اور وہ لوگ نیکی (اور محنت) سے بدی (اور ایذا) کا دفعیہ کر دیتے ہیں اور ہم نے جو کچھ اُن کو دیا ہے اُس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور (جس طرح یہ لوگ علی ایذاؤں پر صبر کرتے ہیں اسی طرح) جب کسی سے (اپنے متعلق) کوئی لغوبات سننے ہیں (جو قوی ایذا ہے) تو اس کو (بھی) مال جاتے ہیں اور (سلامت روی کے طور پر) کہہ دیتے ہیں کہ (ہم کچھ جواب نہیں دیتے) ہمارا عمل ہمارے سامنے آئے گا اور تمہارا عمل تمہارے سامنے (بھائی) ہم تو تم کو سلام کرتے ہیں (ہم کو جھگڑے سے معاف رکھو) ہم بے سمجھ لوگوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔

## معارف و مسائل

الَّذِيْنَ اَتَيْنَاهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ يُّؤْمِنُوْنَ، اس آیت میں اُن اہل کتاب کا ذکر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت اور نزول قرآن سے پہلے ہی تورات و انجیل کی پیروی ہوئی بشارتوں کی بنا پر نزول قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر یقین رکھتے تھے۔ پھر آپ بعثت ہوئے تو اپنے سابق یقین کی بنا پر ایمان لے آئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے



کہ نجاشی بادشاہ حبشہ کے درباریوں میں سے چالیس آدمی مدینہ طیبہ میں اس وقت حاضر ہوئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر میں مشغول تھے یہ لوگ بھی جہاد میں شریک ہو گئے، بعض کو کچھ زخم بھی لگے مگر ان میں سے کوئی مقتول نہیں ہوا۔ انہوں نے جب صحابہ کرام کی معاشی تنگی کا حال دیکھا تو آپ سے درخواست کی کہ ہم اللہ کے فضل سے مالدار اصحاب جائداد ہیں ہم اپنے ملک واپس جا کر صحابہ کرام کے لئے مال فراہم کر کے لائیں آپ اجازت فرمادیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

الَّذِينَ آمَنُوا بِالْكِتَابِ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ (الی قولہ) وَمِمَّا زَرَعْتُمْ يَنْفِقُونَ (آخر جہاں مردود و الطبرانی فی الادب - مظہری) اور حضرت سعید بن جبیر کی روایت ہے کہ حضرت جعفر اپنے ساتھیوں کے ساتھ جب ہجرت مدینہ سے پہلے حبشہ گئے تھے اور نجاشی کے دربار میں اسلام کی تعلیمات پیش کیں تو نجاشی اور اسکے اہل دربار جو اہل کتاب تھے اور تورات و انجیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اور علامتیں دیکھے ہوئے تھے ان کے دلوں میں اسی وقت اللہ نے ایمان ڈال دیا۔ (مظہری)

لفظ مسلمین اُمتِ محمدیہ کا مخصوص لقب ہے | اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ، یعنی ان حضرات اہل کتاب نے کہا کہ ہم تو قرآن کے نازل ہونے سے پہلے ہی مسلمان تھے

یہاں لفظ مسلم اگر اپنے لغوی معنے میں لیا جائے یعنی مطیع و فرمانبردار تو بات صاف ہے کہ ان کو جو یقین قرآن اور نبی آخر الزماں پر اپنی کتابوں کی وجہ سے حاصل تھا اس یقین کو لفظ اسلام اور مسلمین سے تعبیر فرمایا کہ ہم تو پہلے ہی سے اس کو ماننے لگے۔ اور اگر لفظ مسلمین اس جگہ اس معنے میں لیا جائے جس کے لحاظ سے اُمتِ محمدیہ کا لقب مسلمین ہے تو اس سے یہ ثابت ہو گا کہ اسلام اور مسلمین کا لفظ صرف اُمتِ محمدیہ کے لئے مخصوص نہیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین اسلام ہی تھا اور وہ سب مسلمین ہی تھے مگر قرآن کریم کی بعض آیات سے اسلام اور مسلمین کا اس اُمت کے لئے مخصوص لقب ہونا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول خود قرآن نے نقل کیا ہے هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ، اور علامہ سیوطی اسی خصوصیت کے قائل ہیں اور اس مضمون پر ان کا ایک مستقل رسالہ ہے انکے نزدیک اس آیت میں مسلمین سے مراد یہ ہے کہ ہم تو پہلے ہی سے اسلام کو قبول کرنے کے لئے آمادہ اور تیار تھے۔ اور اگر غور کیا جائے تو ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں کہ اسلام تمام انبیاء علیہم السلام کے دین کا مشترک نام بھی ہو اور اس اُمت کے لئے مخصوص لقب بھی کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ اسلام اپنے معنی وصفی کے اعتبار سے سب میں مشترک ہو مگر مسلم کا لقب صرف اس اُمت کے لئے مخصوص ہو جیسے صدیق اور فاروق وغیرہ کے القاب ہیں جن کا مصداق خاص اس اُمت میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہیں، حالانکہ اپنے معنی وصفی کے اعتبار سے دوسرے حضرات بھی صدیق اور فاروق ہو سکتے ہیں۔



(ہذا نسخہ لی والشرائع)

اُولَٰئِكَ يَوْمَئِذٍ اَجْرُهُمْ مَّوْتَيْنِ، یعنی مومنین اہل کتاب کو دو مرتبہ اجر دیا جائے گا۔ قرآن کریم میں اسی طرح کا وعدہ ازدواج مطہرات کے متعلق بھی آیا ہے وَمَنْ يَقْتُلْ مُّسْلِمًا لِّلّٰہِ دَرَسُوْلَہٖ وَتَعَمَّلْ صَالِحًا نَّؤْتِیْہَا اَجْرَہَا مَوْتَتَیْنِ، اور صحیح بخاری کی ایک حدیث میں تین شخصوں کے لئے دو ہرے اجر کا ذکر فرمایا ہے ایک وہ اہل کتاب جو پہلے اپنے سابق نبی پر ایمان لایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، دوسرا وہ شخص جو کسی کا مملوک غلام ہو اور وہ اپنے آقا کی بھی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہو اور اللہ اور اس کے رسول کی بھی، تیسرا وہ شخص جس کی ملک میں کوئی کینیز تھی جس سے بلا نکاح صحبت اسکے لئے حلال تھی اس نے اس کو اپنی غلامی سے آزاد کر دیا پھر اس کو منکوحہ زوجہ بنا لیا۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ ان چند قسموں کو دو مرتبہ اجر دینے کی علت کیا ہے اگر کہا جائے کہ ان دونوں کے دو عمل اس دو ہرے اجر کا سبب ہیں کیونکہ مومنین اہل کتاب کے دو عمل یہ ہیں کہ پہلے ایک نبی اور اس کی کتاب پر ایمان لائے پھر دوسرے نبی اور اس کی کتاب پر اور ازدواج مطہرات کے دو عمل یہ ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و محبت بحیثیت رسول بھی کرتی ہیں اور بحیثیت شوہر بھی، اور مملوک غلام کے دو عمل اسکی دوہری اطاعت و فرمانبرداری ہے، اللہ و رسول کی بھی اور آقا کی بھی، اور کینیز کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرنے والے کا ایک عمل صالح اسکو آزاد کرنا دوسرا اسکو منکوحہ زوجہ بنا لینا ہے۔ مگر اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دو عمل کے دو اجر ہونا تو مقتضائے عدل و انصاف ہونے کی وجہ سے سب کے لئے عام ہے اس میں مومنین اہل کتاب یا ازدواج مطہرات وغیرہ کی کیا خصوصیت ہے جو شخص بھی دو عمل کئے گا دو اجر پائے گا؟ اس سوال کے جواب کی مکمل تحقیق احقر نے احکام القرآن سورۃ قصص میں لکھی ہے اس میں جو بات خود الفاظ قرآن کی دلالت سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ان تمام اقسام میں مراد صرف دو اجر نہیں، کیونکہ وہ تو ہر عمل کرنے والے کے لئے عام ضابطہ قرآنیہ ہے لَا اَصْنَعُ عَلٰی عَاٰلِیٖ قِبْلَتِکُمْ، یعنی اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا بلکہ وہ جتنے نیک عمل کئے گا اُسی کے حساب سے اجر پائے گا۔ بلکہ ان اقسام مذکورہ میں دو اجر سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں کو ان کے ہر عمل کا دہرا ثواب ملے گا۔ ہر نماز پر اسکا دوہرا، ہر روزہ پر اسکا دوہرا، ہر صدقہ اور حج و عمرہ پر اسکا دوہرا ثواب پادیں گے۔ قرآن کے الفاظ پر غور کریں تو دو اجر دینے کے لئے مختصر لفظ اجرین کا تھا مگر قرآن نے اسکو چھوڑ کر اجرو موتین کا لفظ اختیار کیا جس میں صاف اشارہ اسکا پایا جاتا ہے کہ اجر مرتین سے مراد یہ ہے کہ ان کا ہر عمل مکرر لکھا جائیگا اور ہر عمل پر دوہرا ثواب ملے گا۔



واضح جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ کسی خاص عمل کو دوسرے اعمال سے فہل قرار دے اور اسکا اجر بڑھا دے کسی کو اس سوال کا حق نہیں ہے کہ روزہ کا ثواب اللہ تعالیٰ نے اتنا زیادہ کیوں کر دیا، زکوٰۃ و صدقہ کا کیوں ایسا نہ کیا؟ ہو سکتا ہے کہ یہ اعمال جنکا ذکر آیات مذکور اور حدیث بخاری میں ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا درجہ دوسرے اعمال سے ایک حیثیت میں بڑھا ہوا ہو اس پر یہ انعام فرمایا۔ اور بعض اکابر علماء نے جو اسکا سبب ان لوگوں کی دہری مشقت کو قرار دیا ہے وہ بھی اپنی جگہ محتمل ہے اور اسی آیت کے آفریں لفظ **بِمَا صَبَرُوا** سے اس پر استدلال ہو سکتا ہے کہ علت اس دہری اجر کی ان کا مشقت پر صبر کرنا ہے واللہ اعلم

**وَيَذَرُونَ بِالْحَسَنَةِ الشَّيْئَةَ**، یعنی یہ لوگ بُرائی کو بھلائی کے ذریعہ دور کرتے ہیں۔ اس بُرائی اور بھلائی کی تعبیر میں ائمہ تفسیر کے بہت سے اقوال ہیں بعض نے فرمایا کہ بھلائی سے طاعت اور بُرائی سے معصیت مراد ہے کیونکہ نیکی بدی کو مٹا دیتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل سے فرمایا **أَتُبِيعُ الْحَسَنَةَ الشَّيْئَةَ تَحْتَهَا**، یعنی بدی اور گناہ کے بعد نیکی کرو تو وہ گناہ کو مٹا دے گی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا حسنہ سے مراد علم و حلم اور سیئہ سے مراد جہل و غفلت ہے یعنی یہ لوگ دوسروں کی جہالت کا جواب جہالت کے بجائے حلم و بردباری سے دیتے ہیں اور درحقیقت ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ لفظ حسنہ اور سیئہ یعنی بھلائی اور بُرائی کے الفاظ ان سب چیزوں کو شامل ہیں۔

اس آیت میں دو اہم ہدایتیں ہیں | اول یہ کہ اگر کسی شخص سے کوئی گناہ خطا سرزد ہو جائے تو اسکا علاج یہ ہے کہ اسکے بعد نیکی عمل کی فکر کرے تو نیک عمل اس گناہ کا کفارہ ہو جائیگا جیسا کہ حدیث معاذ بن جبل کے حوالہ سے ادبہ بیان ہو چکا ہے۔ دوسرے یہ کہ جو شخص کسی کے ساتھ ظلم اور بُرائی سے پیش آئے اگرچہ قانون شرع کی رو سے اسکو اپنا انتقام لے لینا جائز ہے بشرطیکہ انتقام برابر برابر ہو کہ جتنا نقصان یا تکلیف اسکو پہنچائی ہے اتنا ہی یہ اپنے حریف کو پہنچا دے مگر اولیٰ اور احسن یہ ہے کہ انتقام کے بجائے بُرائی کے بدلہ میں بھلائی اور ظلم کے بدلہ میں احسان کرے کہ یہ اعلیٰ درجہ مسکایم اخلاق کا ہے اور دنیا و آخرت میں اسکے منافع بیشمار ہیں۔ قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں یہ ہدایت بہت واضح الفاظ میں اس طرح آئی ہے **إِذَا دَفَعْتُمْ بِالْإِثْمِ إِثْمًا فَحَسَنٌ** **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا دَفَعْتُمْ بِالْإِثْمِ إِثْمًا فَحَسَنٌ** (یعنی ظلم کے بدلہ میں احسان کرو) تو جس شخص کے اور تمہارے درمیان عداوت ہے وہ تمہارا مخلص دوست بن جائے گا۔

**سَلَامٌ عَلَيْكُمْ وَلَا تَنْتَهِی الْجَاهِلِينَ**، یعنی ان لوگوں کی ایک عمدہ خصلت یہ ہے کہ جب



یہ کسی جاہل دشمن سے لغویات سُنتے ہیں تو اسکا جواب دینے کے بجائے یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا سلام لو ہم جاہل لوگوں سے اُلجھنا پسند نہیں کرتے۔ امام جصاصؒ نے فرمایا کہ سلام کی دو قسمیں ہیں، ایک سلام تحیہ جو مسلمان باہم ایک دوسرے کو کرتے ہیں، دوسرا سلام مسالمت و متارکت یعنی اپنے حریف کو یہ کہہ دینا کہ ہم تمھاری لغویات کا کوئی انتقام تم سے نہیں لیتے، یہاں سلام سے یہی دو کئے معنی مراد ہیں۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ

تو راہ پر نہیں لاتا جس کو چاہے پر اللہ راہ پر لائے جس کو

يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾

چاہے اور وہی خوب جانتا ہے جو راہ پر آئیں گے

## خلاصہ تفسیر

آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جس کو چاہے ہدایت کر دیتا ہے (اور ہدایت کرنے کی قدرت تو کسی کو کیا ہوتی اللہ کے سوا کسی کو اسکا علم تک بھی نہیں کہ کون کون ہدایت پانے والا ہے بلکہ) ہدایت پانے والوں کا علم اسی کو ہے۔

## معارف و مسائل

لفظ ہدایت کئی معنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، ایک معنی صرف راستہ دکھا دینے کے ہیں، جس کے لئے ضروری نہیں کہ جس کو راستہ دکھایا گیا وہ منزل مقصود پر پہنچے اور ایک معنی ہدایت کے یہ بھی آتے ہیں کہ کسی کو منزل مقصود پر پہنچا دیا جائے۔ پہلے معنی کے اعتبار سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ تمام انبیاء کا ہادی ہونا اور یہ ہدایت اُن کے اختیار میں ہونا ظاہر ہے کیونکہ یہ ہدایت ہی اُن کا فرض منصبی ہے اگر اس کی اُن کو قدرت نہ ہو تو فریضہ رسالت دہوت کیسے ادا کریں۔ اس آیت میں جو آپ کا ہدایت پر قادر نہ ہونا بیان فرمایا ہے اس سے مراد دوسرے معنی کی ہدایت ہے، یعنی مقصود پر پہنچا دینا۔ اور مطلب یہ ہے کہ اپنی تبلیغ و تعلیم کے ذریعہ آپ کسی کے دل میں ایمان ڈالیں اس کو مومن بنادیں یہ آپ کا کام نہیں یہ تو براہ راست حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ہدایت کے معنی اور اُس کی اقسام کی مکمل تحقیق سورۃ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ آپ کی بڑی تمنا یہ تھی کہ وہ کسی طرح ایمان قبول کر لیں اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا گیا



کسی کو مومن بنا دینا آپ کی قدرت میں نہیں تفسیر روح المعانی میں ہے کہ ابوطالب کے ایمان و کفر کے معاملے میں بے ضرورت گفتگو اور بحث و مباحثہ سے اور اُن کو برا کہنے سے اجتناب کرنا چاہیے کہ اُس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعی ایذا کا احتمال ہے واللہ اعلم

وَقَالُوا إِنْ تَتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نَخْطِفُ مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَعَنُوكُمْ

اور کہنے لگے اگر تم راہ پر آئیں تیرے ساتھ اُچک لئے جائیں اپنے ملک سے کیا ہم نے تم کو لہم حرماً امناً یجبی الیہ نعرۃ کل شیءٍ زیناً قارئین

جگہ نہیں دی اُن کو حرمت والے پناہ کے مکان میں کھینچے چلے آتے ہیں اسکی طرف سیوے ہر چیز کے روزی ہماری لَدُنَّا وَلَٰكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۵۷﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ

طرف سے بہر بہت ان میں سمجھ نہیں رکھتے اور کتنی غارت کردیں ہم نے بستیاں

بَطَرَتْ مَعِيشَتَهَا فَبَلَكَ مَسْكِنُهُمْ كَمْ تَسْكُنُ مِنْ بَعْدِهِمْ

خوارا چلی تھیں اپنی گزران میں اب یہ ہیں اُن کے گھر آباد نہیں ہوئے اُن کے پیچھے

إِلَّا قَلِيلًا وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ﴿۵۸﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ

مگر تھوڑے اور ہم ہیں آخر کو سب کچھ لینے والے اور تیرا رب نہیں غارت کرنے والا

الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا

بستیوں کو جب تک نہ بھیج لے انکی بڑی بستی میں کسی کو پیغام دے کر جو سنائے اُنکو ہماری باتیں اور ہم ہرگز نہیں

مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ﴿۵۹﴾ وَمَا أَوْتَيْنَاهُمْ شَيْءًا

غارت کئے والے بستیوں کو مگر جبکہ وہاں کے لوگ گناہ نگار ہوں اور جو تم کو ملی ہے کوئی چیز

فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ط

سوفائدہ اٹھالینا ہے دنیا کی زندگی میں اور یہاں کی رونق ہے اور جو اللہ کے پاس ہے سہتر ہے اور باقی رہنے والا

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۶۰﴾

کیا تم کو سمجھ نہیں

## خلاصہ تفسیر

(اوپر دورے کفار کے ایمان نہ لانے کا ذکر چلا آ رہا ہے ان آیات میں اُن موانع کا ذکر ہے جو کفار کو ایمان لانے کی راہ میں حائل سمجھے جاتے تھے، مثلاً ایک مانع کا بیان یہ ہے کہ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر آپ کے ساتھ ہو کر (اس دین کی) ہدایت پر چلنے لگیں تو فی الفور اپنے مقام سے مار کر نکال دیئے



جادوی (کہ بے وطنی کی بھی مضرت ہو اور معاش کی پریشانی الگ ہو، لیکن اس مذر کا بطلان ہی باکل ظاہر ہے) کیا ہم نے ان کو امن و امان والے عرصہ میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھجے چلے آتے ہیں جو ہمارے پاس سے (یعنی ہماری قدرت اور رزاقی سے) کھانے کو ملتے ہیں (پس عرصہ ہونے کی وجہ سے جس کا سب احترام کرتے ہیں مضرت کا بھی اندیشہ نہیں اور اس مضرت کے منتفی ہونے کی وجہ سے احتمال فوتِ منفعتِ رزق کا بھی نہیں، پس ان کو چاہئے تھا کہ اس حالت کو غنیمت سمجھتے اور اسکو نعمت سمجھ کر قدر کرتے اور ایمان لے آتے) لیکن ان میں اکثر لوگ (اس کو) نہیں جانتے (یعنی اسکا خیال نہیں کرتے) اور (ایک سبب اُن کے ایمان نہ لانے کا یہ ہے کہ یہ اپنی خوش عیشی پر نازاں ہیں لیکن یہ بھی حماقت ہے کیونکہ) ہم بہت سی ایسی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جو اپنے سامانِ عیش پر نازاں تھے، سو (دیکھ لو) یہ انکے گھر (تمہاری آنکھوں کے سامنے پڑے) ہیں کہ ان کے بعد آباد ہی نہ ہوئے مگر تھوڑی دیر کے لئے (کہ کسی مسافر وار د صادر کا ادھر کو اتفاقاً گزر رہا ہو جادو سے اور وہ تھوڑی دیر وہاں سستانے کو یا تماشا دیکھنے کو بیٹھ جادوے یا شب کو رہ جائے) اور آخر کار (انکے ان سب سامانوں کے) ہم ہی مالک رہے (کوئی ظاہری وارث بھی ان کا نہ ہوا) اور (ایک شیعہ انکو یہ ہوتا ہے کہ اگر ان کو کوئی ہلاکت بسبب کفر کے ہے تو ہم مدت سے کفر کرتے آرہے ہیں ہلکے کیوں نہ ہلاک کیا جیسا کہ دوسری آیتوں میں ہے وَیَقُولُونَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ الْاٰخِرُ اور اس شیعہ کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے سو اسکا حل یہ ہے کہ) آپ کا رب بستیوں کو (اول ہی باریں) ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک کہ (بستیوں) کے صدر مقام میں کسی پیغمبر کو نہ بھیج لے اور (پیغمبر کو بھیجنے کے بعد بھی فوراً) ہم ان بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے مگر اسی حالت میں کہ وہاں کے باشندے بہت ہی شرارت کرنے لگیں (یعنی ایک بتِ مستندہ تک بار بار کی تذکیر سے تذکرہ حال کریں تو اس وقت ہلاک کر دیتے ہیں۔ چنانچہ جن بستیوں کی ہلاکت کا اوپر ذکر تھا وہ بھی اسی قانون کے موافق ہلاک ہوئیں سو اسی قانون کے موافق تمہارے ساتھ عملدرآمد ہو رہا ہے اسلئے نہ رسول سے پہلے ہلاک کیا اور نہ بعد رسول کے ابھی تک ہلاک کیا مگر چند روز گزرنے دو۔ اگر تمہارا یہی عناد رہا تو سزا ہو ہی گی چنانچہ بدر وغیرہ میں ہوئی) اور (ایک جہ ایمان نہ لانے کی یہ ہے کہ دنیا نقد ہے اسلئے مرغوب ہے اور آخرت ادھار ہے اسلئے غیر مرغوب ہے، پس دنیا کی رغبت سے دل خالی نہیں ہوتا کہ اس میں آخرت کی رغبت سما دے پھر اس کی تحصیل کا طریقہ تلاش کیا جادوے جو کہ ایمان ہے سو اس کی نسبت یہ سن رکھو کہ) جو کچھ تم کو دیا دلا گیا ہے وہ محض (چند روزہ) دنیوی زندگی کے برتنے کے لئے ہے اور یہیں کی (زیب و) زینت ہے (کہ خاتمہ عمر کے ساتھ اسکا بھی خاتمہ ہو جائیگا) اور جو (اجر و ثواب) اللہ کے ہاں ہے وہ بدرجہا اس سے (کیفیتہ بھی) بہتر ہے اور (کمیتہ بھی) زیادہ (یعنی ہمیشہ) باقی رہنے والا ہے سو کیا تم لوگ (اس تفاوت کو یا اس تفاوت کے اقتدار کو) نہیں سمجھتے (غرض تمہارے اعذار اور اسباب پر



اصرار علی الکفر سب محض بے بنیاد اور لغو ہیں سمجھو اور مانو

## معارف و مسائل

وَقَالُوا لَآ اَن تَنْبِیْهُمُ الْهُدٰی مَعَكَ شَتَّىٰ مِمَّا كَفَرْنَا بِكَ یَعْنٰی كفار مكہ حارث بن عثمان وغیرہ نے اپنے ایمان نہ لانے کی ایک وجہ یہ بیان کی کہ اگرچہ ہم آپ کی تعلیمات کو حق مانتے ہیں مگر ہمیں خطرہ یہ ہے کہ اگر ہم آپ کی ہدایات پر عمل کر کے آپ کے ساتھ ہو جاویں تو سارا عرب ہمارا دشمن ہو جائیگا اور ہمیں ہماری زمین مکہ سے اُچک لے گا (آخر جہانمائی وغیرہ) قرآن کریم نے انکے اس مُذِر لنگ کے تین جواب دیے اول یہ کہ اَدَّكُم تَمَحَّجًا لِّهٖمْ حَرَمًا اَمِنًا یُّجِبُیْ رَآئِیْہٖ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَیْءٍ، یعنی اُن کا یہ عذر اسلئے باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ اہل مکہ کی حفاظت کا ایک قدرتی سامان پہلے سے یہ کر رکھا ہے کہ ارضِ مکہ کو حرم بنا دیا اور پورے عرب کے قبائل کفر و شرک ادا یا ہی عداوتوں کے باوجود اس پر متفق تھے کہ زمینِ حرم مکہ میں قتل و قتال سخت حرام ہے۔ حرم میں باپ کا قاتل بیٹے کو ہلتا تو انتہائی جوشِ انتقام کے باوجود کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ حرم کے اندر اپنے دشمن کو قتل کر دے یا اُس سے کوئی انتقام لے لے، اسلئے ایمان لانے میں اُن کو یہ خطرہ محسوس کرنا کس قدر جہالت ہے کہ جس مالک نے اپنے رحم و کرم سے اُنکے کفر و شرک کے باوجود اس زمین میں امن دے رکھا ہے تو ایمان لانے کی صورت میں وہ اُن کو کیسے ہلاک ہونے دے گا۔ عیسیٰ بن سلام نے فرمایا کہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ تم حرم کی وجہ سے مأمون و محفوظ تھے، میرا دیا ہوا رزق فراخی کے ساتھ کھا رہے تھے اور عباد میرے سوا دوسرے کی کرتے تھے اپنی اس حالت سے تو تمہیں خوف نہ ہوا اَلَا خَوْفُ اللہ پر ایمان لانے سے ہوا۔ (قطبی) آیت مذکورہ میں حرم مکہ کے دو وصف بیان فرمائے ہیں ایک یہ کہ وہ جائے امن ہے۔ دوسرے یہ کہ وہاں اطرافِ دنیا سے ہر چیز کے ثمرات لائے جاتے ہیں تاکہ مکہ کے باشندے اپنی تمام ضروریات آسانی سے پوری کر سکیں۔

حرم مکہ میں ہر چیز کے ثمرات کا جمع ہونا خاص آیاتِ قدرت میں سے ہے میں سے منتخب فرمایا ایک ایسا مقام ہے کہ وہاں دنیا کی معیشت کی کوئی چیز آسانی سے نہ ملتا چاہیے کیونکہ مکہ گہوؤں، چنا، چاول وغیرہ جو عام انسانی غذا ہے، ان چیزوں کی پیداوار بھی وہاں نہ ہونے کے حکم میں تھی۔ پھل اور ترکاریوں وغیرہ کا تو کہنا کیا ہے مگر یہ سب چیزیں جس افراد کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ملتی ہیں عقل حیران رہ جاتی ہے کہ موسمِ حج کے موقع پر مکہ کی دو تین لاکھ کی آبادی پر بارہ پندرہ لاکھ مسلمانوں کا اضافہ ہر سال ہو جاتا ہے جو اوسطاً دو ڈھائی مہینے تک رہتا ہے۔ کبھی نہیں سنا گیا کہ ان میں سے کسی کو کسی



زمانے میں غذائی ضروریات نہ ملی ہوں بلکہ رات دن کے تمام اوقات میں تیار شدہ غذا ہر وقت ملے رہنے کا مشاہدہ ہر شخص کرتا ہے۔ اور قرآن کریم کے لفظ (ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ) میں غور کریں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عرف عام کے اعتبار سے ثمرات کا تعلق درختوں کے ساتھ ہے مقام اسکا تھا کہ ثمرات کُلِّ شجر فرمایا جاتا، اسکے بجائے ثمرات کُلِّ شئی فرماتے ہیں بعید نہیں کہ اشارہ اس طرف ہو کہ لفظ ثمرات یہاں صرف پھلوں کے معنے میں نہیں بلکہ مطلقاً حاصل اور پیداوار کے معنی ہیں۔ بلوں اور کارخانوں کی مصنوعات بھی اُنکے ثمرات ہیں، اس طرح حاصل اس آیت کا یہ ہوگا کہ حرم مکہ میں صرف کھانے پینے ہی کی چیزیں جمع نہیں ہوں گی بلکہ تمام ضروریات زندگی جمع کر دی جائیں گی جسکا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہو رہا ہے کہ شاید دنیا کے کسی بھی ملک میں یہ بات نہ ہو کہ ہر ملک اور ہر خطے کی غذائیں اور وہاں کی مصنوعات اس افراط کے ساتھ وہاں ملتی ہوں جیسی مکہ مکرمہ میں ملتی ہیں۔ یہ تو کفارِ مکہ کے عذر کا ایک جواب ہوا کہ جس مالک نے تمہاری حالت کفر و شرک میں تمہارے تمام نعمات برسائے کہ تمہاری زمین کو ہر خطرہ سے مأمون و محفوظ کر دیا اور باوجودیکہ اس زمین میں کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی، ساری دنیا کی پیداوار یہاں لاکر جمع کر دی تو تمہارا یہ خطرہ کیسی بڑی جہالت ہے کہ خالق کائنات پر ایمان لانے کی صورتیں تم سے یہ نعمتیں سلب ہو جائیں گی۔

اس کے بعد دوسرا جواب اس عذر کا یہ ہے وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِكَ يٰمُوسَىٰ، بِطَرَفٍ مَّعِيشَةٍ هَآءِهِمْ جِئُوا بِكَ يٰرَسُولُ اللَّهِ كَافِرًا، دوسری کافر قوموں کے حالات پر نظر ڈالو کہ اُن کے کفر و شرک کے وبال سے کس طرح اُن کی بستیاں تباہ ہوئیں اور مضبوط و مستحکم قلعے اور حفاظتی سامان سب خاک میں مل گئے تو اصل خوف کی چیز کفر و شرک ہے جو تباہی و بربادی کا سبب ہوتا ہے۔ تم کیسے بے خبر و قوت ہو کہ کفر و شرک سے خطرہ محسوس نہیں کرتے ایمان سے خطرہ محسوس کرتے ہو۔

تیسرا جواب اس آیت میں دیا گیا وَمَا أَوْفَتْهُمْ عَنْ شَيْءٍ فَمَتَّاعٌ الْوَحْيَةِ الدُّنْيَا الْآخِرَةِ  
جس میں یہ بتلایا کہ اگر بالفرض ایمان لانے کے نتیجہ میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچ ہی جائے تو وہ چند روزہ  
اور جس طرح دنیا کی عیش و عشرت مال و دولت سب چند روزہ متاع ہے کسی کے پاس ہمیشہ نہیں  
رہتی، اسی طرح یہاں کی تکلیف بھی چند روزہ ہے جلد ختم ہو جانے والی ہے اسلئے عقلمند کا  
کام یہ ہے کہ فکر اُس تکلیف و راحت کی کرے جو پائیدار اور ہمیشہ رہنے والی ہے ہمیشہ رہنے والی  
دولت و نعمت کی خاطر چند روزہ تکلیف و مشقت برداشت کر لینا ہی عقلمندی کی دلیل ہے۔

لَمْ تَسْكَنْ مِّنْ بَعْدِ هِمَّا لَاقِلِيلًا، یعنی پچھلی قوموں کی جن بستیوں کو عذاب الہی سے برباد کیا گیا تھا، اب تک بھی اُن میں آبادی نہیں ہوئی۔ بحر۔ قدر قلیل کے۔ اس قدر قلیل سے مراد اگر مساکن اور مقامات قلیلہ لئے جاویں جیسا کہ زجاج کا قول ہے تو مطلب ہوگا کہ ان تباہ شدہ



بستیوں میں کوئی مقام اور کوئی مکان پھر آباد نہیں ہو سکا بجز عدد قلیل کے کہ وہ آباد ہوئے مگر حضرت ابن عباس سے آیت کی یہ تفسیر منقول ہے کہ قدر قلیل سے مقلات اور مکانات قلیلہ کا استثناء نہیں بلکہ زبان سکونت کا استثناء مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر ان بستیوں میں کوئی رہتا بھی ہے تو بہت تھوڑی دیر کے لئے جیسے کوئی راہگیر مسافر تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جائے جسکو بستیوں کی آبادی نہیں کہا جاسکتا۔

حَقًّا يَبْعَثُ فِي أُمَمٍ مِّنْهُم مَّنْ يَشْهَدُ عَلَى أُمَّةٍ مِّنْهُمْ مَّا رَوَوْا، لفظ اُمَم کے مشہور معنے والدہ اور ماں کے ہیں اور ماں چونکہ تخلیق انسانی کی بنیاد ہے اسلئے لفظ اُمَم اصل اور اساس کے معنے میں بھی بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ اُمَم کی ضمیر قری کی طرف اجماع ہوا تھا اسے مراد اُم القری ہے یعنی بستیوں کی اصل اور مدار کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اسوقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک اُس قوم کے بڑے شہروں میں اپنے کسی رسول کے ذریعہ پیغام حق نہ پہنچا دے، جب دعوت حق پہنچ جائے اور لوگ اُس کو قبول نہ کریں اسوقت ان بستیوں پر عذاب آتا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے انبیاء اور رسل عموماً بڑے شہروں میں مبعوث ہوتے ہیں وہ چھوٹے قصبات و دیہات میں نہیں آتے کیونکہ ایسے قصبات و دیہات عادتاً شہر کے تابع ہوتے ہیں اپنی معاشی ضروریات میں بھی اور تعلیمی ضروریات میں بھی۔ اور شہر میں جو بات پھیل جائے اس کا تذکرہ ملحقہ قصبات و دیہات میں خود بخود پھیل جاتا ہے اسی لئے جب کسی بڑے شہر میں رسول مبعوث ہوا اور اُس نے دعوت حق پیش کر دی تو یہ دعوت ان قصبات و دیہات میں بھی عادتاً پہنچ جاتی ہے اس طرح ان سب پر اللہ تعالیٰ کی حجت تمام ہو جاتی ہے اور انکار و تکذیب کیا جائے تو سب پر عذاب آتا ہے۔

احکام و قوانین میں قصبات و دیہات اس سے معلوم ہوا کہ جیسے معاشی ضروریات میں چھوٹی بستیاں بڑے شہروں کے تابع ہوتے ہیں شہر کے تابع ہوتی ہیں وہیں سے اُن کی ضروریات پوری ہوتی ہیں اسی طرح جب کسی حکم کا اعلان شہر میں کر دیا جائے تو اس حکم کی تعمیل اس کی ملحقہ بستیوں پر بھی لازم ہو جاتی ہے، نہ جاننے یا نہ سُننے کا عذر سموع نہیں ہوتا۔

ہلالِ رمضان و عید کے مسئلے میں بھی فقہاء نے یہی فرمایا ہے کہ ایک شہر میں اگر شہادت شرعیہ کے ساتھ قاضی شہر کے حکم سے چاند کی رویت ثابت ہو جائے تو ملحقہ بستیوں کو بھی اُس پر عمل کرنا لازم ہے۔ لیکن دوسرے شہر والوں پر اسوقت تک لازم نہیں ہوگا جب تک خود اس شہر کا قاضی شہادت کو تسلیم کر کے اسکا حکم نہ دے۔ (کذا فی الفتاویٰ النبیائے)

وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى، یعنی دنیا کا مال و متاع اور عیش و عشرت سب فانی ہے اور یہاں کے اعمال کا جو بدلہ آخرت میں ملنے والا ہے وہ یہاں کے مال و اسباب اور عیش و



عشرت سے اپنی کیفیت کے اعتبار سے بھی بہت بہتر ہے کہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی راحت و لذت بھی اسکا مقابلہ نہیں کر سکتی اور پھر وہ ہمیشہ باقی رہنے والی بھی ہے بخلاف متاع دنیا کے کہ وہ کتنا ہی بہتر ہو مگر بالآخر فانی اور زائل ہونے والا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی عقلمند آدمی ایسے عیش کو جو کم درجہ بھی ہو اور چند روزہ بھی اُس عیش و آرام پر ترجیح نہیں دے سکتا جو راحت و لذت میں اس سے زیادہ بھی ہو اور ہمیشہ رہنے والا بھی ہو۔

عقلمند کی تعریف یہ ہے کہ وہ دنیا کے مصلحتوں | امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص میں زیادہ منہمک ہو بلکہ آخرت کی فکر میں لگے اپنے مال و جائیداد کے متعلق یہ وصیت کر کے مر جائے کہ میرا مال اُس شخص کو دیدیا جائے جو سب سے زیادہ عقلمند ہو تو اس مال کے مصرف و شری وہ لوگ ہونگے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت و طاعت میں مشغول ہوں، کیونکہ عقل کا تقاضا یہی ہے اور دنیا داروں میں سے سب سے زیادہ عقل والا وہی ہے۔ یہی مسئلہ فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب دُرر مختار باب الوصیت میں بھی مذکور ہے۔

أَفَمَنْ وَعَدْنَاهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيهِ كَمَنْ مَتَّعْنَاهُ مَتَاعًا

بھلا ایک شخص جس سے ہم نے وعدہ کیا ہے اچھا وعدہ سودہ اُس کو پانے والا ہے برابر ہے اسکی جس کو پہننے فائدہ

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ﴿٦١﴾ وَيَوْمَ

دیا دنیا کی زندگی کا پھر وہ قیامت کے دن پکڑا ہوا آیا اور جس دن

يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٦٢﴾

اُن کو پکارتے گا تو کہے گا کہاں ہیں میرے شریک جن کا تم دعویٰ کرتے تھے

قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هُوَ الَّذِي أَخْوَیْنَا

بولے جن پر ثابت ہو چکی بات اے رب یہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا

أَغْوَيْنَهُمْ كَمَا غَوَيْنَا تَبَارَكَ إِلَٰهِنَا إِنَّا نَعْبُدُونَ ﴿٦٣﴾

اُن کو بہکایا جیسے ہم آپ بہکے ہم سکر ہوئے تیرے آگے وہ ہم کو نہ پوچھتے تھے

وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ فَدَعَوْهُمُ فَلَمْ يَسْتَجِیْبُوا لَهُمْ وَ

اور کہیں گے پکارو اپنے شریکوں کو پھر پکاریں گے اُن کو تو وہ جواب نہ دیں گے اُن کو اور

رَأَوْا الْعَذَابَ ۖ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿٦٤﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ

دیکھیں گے عذاب کسی طرح وہ راہ پائے ہوئے ہوتے اور جس دن اُن کو پکارتے گا



فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٦٥﴾ فَقُمِيتَ عَلَيْهِمُ الرَّاغِبِينَ

تو فرمائے گا کیا جواب دیا تھا تم نے پیغام پہنچانے والوں کو پھر بند ہو جائیں گی ان پر باتیں

يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿٦٦﴾ فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَ

اُس دن سو وہ آپس میں بھی نہ پوچھیں گے سو جس نے کہ توبہ کی اور یقین لایا اور

عَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿٦٧﴾

عمل کئے اچھے سو امید ہے کہ ہو چھوٹے والوں میں

## خلاصہ تفسیر

بھلا وہ شخص جس سے ہم نے ایک پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے پھر وہ شخص اس (وعدہ کی چیز) کو پانے والا ہے کیا اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دُنیوی زندگی کا چند روزہ فائدہ دے رکھا ہے پھر وہ قیامت کے روز ان لوگوں میں ہوگا جو گرفتار کر کے لائیں جائیں گے (مُرَاد پہلے شخص سے مومن ہے جس سے جنت کا وعدہ ہے اور دوسرے سے مراد کافر جو مجرم ہو کر آئے گا اور چونکہ متابع دُنیا ہی ان لوگوں کی بھول کا سبب ہے اسلئے اسکی تصریح فرمادی، ورنہ ان دونوں کا برابر نہ ہوتا تو دراصل اسوجہ سے ہے کہ وہ گرفتار کر کے حاضر کئے جاویں گے یہ جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہونگے) اور (آگے اس تفادت اور کیفیت احضار کی تفصیل ہے کہ وہ دن قابل یاد کرنے کے ہے) جس دن خدا تعالیٰ ان کافروں کو (بطور سزا کے) پکار کر کہے گا کہ وہ میرے شریک کہاں ہیں جن کو تم (ہمارا شریک) سمجھ رہے تھے (مراد اس سے شیاطین ہیں کہ انہی کی اطاعت مطلقہ سے شرک کرتے تھے اس لئے ان کو شرکار کہا اسکو منکر شیاطین) جن پر (لوگوں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے) خدا کا فرمودہ (یعنی استحقاق عذاب اس قول سے کہ لَا تَزُولُ جَهَنَّمَ مِنْ الْجَنَّةِ وَالَّذِينَ فِيهَا) ثابت ہو چکا ہوگا وہ (بطور عذر کے) بول اٹھیں گے کہ اے ہمارے پروردگار بیشک یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا (یہ جواب کی تمہید ہے اس حکایت کی تصریح اسلئے فرمائی گئی کہ جن کی شفاعت کی ان کو اُمید ہے وہ برعکس انکے خلاف شہادت دیں گے اور آگے جواب ہے کہ ہم نے بہکایا تو ضرور لیکن) ہم نے اُن کو ویسا ہی (بلا جبر و اکراہ) بہکایا جیسا ہم خود بلا جبر و اکراہ) بہکے تھے (یعنی جس طرح ہم خود اپنے اختیار سے گمراہ ہوئے کسی نے ہمیں مجبور نہیں کیا اسی طرح ہم کو اُن پر جابرانہ تسلط نہ تھا ہمارا کام صرف بہکانا تھا پھر اسکو انہوں نے اپنی رائے اور اختیار سے قبول کر لیا جیسا سورۃ ابراہیم میں ہے وَمَا كَانَ لِي عَلَيْهِ كُفْرٌ سُلْطَانُ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي الْآيَةُ مطلب یہ ہے کہ ہم بھی مجرم ہیں مگر یہ بھی بُری نہیں) اور ہم آپکی پیشی میں انکے (تعلقات) سے دست برداری کرتے ہیں (اور) یہ لوگ (درحقیقت صرف) ہم کو (ہی) نہ پوچھتے تھے (یعنی



جب یہ اپنے اختیار سے پہلے ہیں تو یہ خود خواہش پرست ہوئے نہ کہ صرف شیطان پرست، مقصود اس سب حکایت سے یہ ہے کہ جن کے بھروسے بیٹھے ہیں وہ قیامت کے روزان سے دست بردار ہو جائیں گے اور جب وہ شرکار اس طرح ان سے بیزاری و بے رخی کریں گے تو اس وقت ان مشرکین سے کہا جائیگا کہ (اب) اپنے ان شرکار کو بلاؤ چنانچہ وہ (فرط حیرت سے بالاضطرار) ان کو پکھاریں گے سو وہ جواب بھی نہ دیں گے اور (اس وقت) یہ لوگ (اپنی آنکھوں) سے عذاب کو دیکھ لیں گے، اے کاش یہ لوگ دنیا میں راہ راست پر ہوتے (تو یہ مصیبت نہ دیکھتے) اور جس دن ان کافروں سے پکار کر پوچھے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا، سو اس روزان (کے ذہن) سے سارے مضامین گم ہو جائیں گے تو وہ (خود بھی نہ سمجھ سکیں گے اور) آپس میں پوچھ پچھ بھی نہ کر سکیں گے البتہ جو شخص (کفر و شرک سے دنیا میں) توبہ کرے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کیا کرے تو ایسے لوگ اُمید ہے کہ (آخرت میں) فلاح پانے والوں سے ہونگے (اور ان آفات سے محفوظ رہیں گے)۔

## معارف و مسائل

مشرکین کفار و مشرکین سے پہلا سوال شرک کے متعلق ہو گا کہ جن شیاطین وغیرہ کو تم ہمارا شریک کہا کرتے تھے اور ان کا کہا مانتے تھے آج وہ کہاں ہیں، کیا وہ تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟ اس کے جواب میں ظاہر یہ تھا کہ مشرکین یہ جواب دیں کہ ہمارا کوئی قصور نہیں، ہم نے از خود شرک نہیں کیا بلکہ ہمیں تو ان شیاطین نے بہکایا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ خود ان شیاطین کی زبانوں سے کہلوادیں گے کہ ہم نے بہکایا ضرور تھا مگر مجبور تو ہم نے نہیں کیا۔ اس لئے مجسم، ہم بھی ہیں مگر حرم سے بُری یہ بھی نہیں کیونکہ جس طرح ہم نے ان کو بہکایا تھا اس کے بالمقابل انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائبوں نے انکو ہدایت بھی تو کی تھی اور دلائل کے ساتھ ان پر حق واضح کر دیا تھا، انہوں نے اپنے اختیار سے انبیاء کی بات نہ مانی ہماری مان لی تو یہ کیسے بُری ہو سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے سامنے حق کے دلائل واضح موجود ہوں اور وہ حق کی طرف دعوت دینے والوں کے بجائے گمراہ کرنے والوں کی بات مان کر گمراہی میں پڑ جائے تو یہ کوئی عذر معتبر نہیں۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ

اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند کرے جس کو چاہے اُن کے ہاتھ میں نہیں پسند کرنا، اللہ

اللَّهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۶۸﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ

نرالا ہے اور بہت اُپر ہے اس چیز سے کہ مشرکین بتاتے ہیں، اور تیرا رب جانتا ہے جو چھپ رہے ہیں ان کے سینوں میں



وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۶۹﴾ وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ

اور جو کچھ کہ ظاہر میں کرتے ہیں، اور وہی اللہ ہے کسی کی بندگی نہیں کے سوا، اسی کی تعریف ہے دنیا اور

وَالْآخِرَةِ نَزُولَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۷۰﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ

آخرت میں اور اسی کے ہاتھ حکم ہے اور اسی کے پاس پھرے جاؤ گے۔ تو کہہ دیکھو تو اگر اللہ

اللَّهُ عَلَيْكُمْ اللَّيْلَ سَرَفًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِ اللَّهِ

رکھ دے تم پر رات ہمیشہ کو قیامت کے دن تک کون حاکم ہے اللہ کے سوا

يَا تَبْكُمُ بَضِيًّا أَفَلَا تَسْمَعُونَ ﴿۷۱﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ

کہ لائے تم کو کہیں روشنی، پھر کیا تم سمجھتے نہیں تو کہہ دیکھو تو اگر رکھ دے اللہ

عَلَيْكُمْ النَّهَارَ سَرَفًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَمَةِ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِ اللَّهِ يَا تَبْكُمُ

تم پر دن ہمیشہ کو قیامت کے دن تک کون حاکم ہے اللہ کے سوا لائے کہ تم کو

بَلِيلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿۷۲﴾ وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمْ

رات جس میں آرام کرو، پھر کیا تم نہیں دیکھتے اور اپنی مہربانی سے بنا دیئے تھائے واسطے

الْبَلِيلِ وَالنَّهَارِ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۷۳﴾

رات اور دن کہ اس میں چین بھی کرو اور تلاش بھی کرو کچھ اسکا فضل اور تاکہ تم شکر کرو

## خلاصہ تفسیر

اور آپ کا رب (بالا افراد صفات کمال کے ساتھ موصوف ہے چنانچہ وہ) جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے (تو تم کو اپنی اختیارات بھی اسی کو حاصل ہیں) اور جس حکم کو چاہتا ہے پسند کرتا ہے (اور انبیاء کے ذریعہ سے نازل فرماتا ہے پس تشریعی اختیارات بھی اسی کو حاصل ہیں) ان لوگوں کو تجویز (احکام) کا کوئی حق (حاصل) نہیں (کہ جو حکم چاہیں تجویز کر لیں جیسے یہ شرک اپنی طرف سے شرک کو جائز تجویز کر رہے ہیں اور اس خصوصیت اختیار سے ثابت ہوا کہ) اللہ تعالیٰ اُن کے شرک سے پاک اور برتر ہے (کیونکہ جب تکویناً و تشریعاً خالق اور مختار ہونے میں وہ منفرد ہے تو عبادت کا بھی تمنا وہی مستحق ہی کیونکہ معبود و ماضی صرف اسکا حق ہے جو تکوینی اور تشریعی دونوں اختیار رکھتا ہو) اور آپ کا رب (علم ایسا کامل رکھتا ہے کہ وہ) سب چیزوں کی خبر رکھتا ہے جو اُن کے دلوں میں پوشیدہ رہتا ہے اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں (اور کسی کا ایسا علم بھی نہیں اس سے بھی افراد ثابت ہوا) اور (آگے اس کی تصریح ہے کہ) اللہ وہی (ذات کامل الصفات) ہے اسکے سوا کوئی معبود (ہونے کے قابل) نہیں حمد (وشمار) کے لائق دنیا و آخرت میں وہی ہے کیونکہ اسکے تصرفات دونوں عالم میں ایسے ہیں جو اسکے جامع کمالات اور حق حمد



ہونے پر شاہد ہیں) اور (اختیاراتِ سلطنت اسکے ایسے ہیں کہ) حکومت بھی (قیامت میں) اسی کی ہوگی اور (قوت و وسعتِ سلطنت اسکی ایسی ہے) کہ تم سب اسی کے پاس ٹوٹ کر جاؤ گے (یہ نہیں کہ بچ جاؤ یا اور کہیں جا کر پناہ لے لو اور اسکے اظہارِ قدرت کے لئے) آپ (ان لوگوں سے) کہیے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک رات ہی رہنے دے تو خدا کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہارے لئے روشنی کو لے آوے (پس قدرت میں بھی وہی منفرد ہے) تو کیا تم (توحید کے ایسے صاف دلائل کو) سنتے نہیں (اور اسی اظہارِ قدرت کے لئے) آپ (ان سے اسکے عکس کی نسبت بھی) کہیے کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے قیامت تک دن ہی رہنے دے تو خدا کے سوا وہ کونسا معبود ہے جو تمہارے لئے رات کو لے آوے جس میں تم آرام پاؤ کیا تم (اس شاہدِ قدرت کو) دیکھتے نہیں (قدرت میں اسکا منفرد ہونا بھی اس کو مقتضی ہے کہ معبودیت میں بھی وہی منفرد ہو) اور (وہ نعم ایسا ہے کہ) اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن کو بنایا تاکہ تم رات میں آرام کرو اور تاکہ دن میں اس کی روزی تلاش کرو اور تاکہ (ان دونوں نعمتوں پر) تم (الشکر) شکر کرو (تو انعام و احسان میں بھی وہی منفرد ہے یہ بھی اسکی دلیل ہے کہ معبودیت میں بھی وہی منفرد ہو)۔

## معارف و مسائل

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ، اس آیت کا ایک مفہوم تو وہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں لیا گیا کہ یہ نختار سے مراد اختیار احکام ہے کہ حق تعالیٰ جبکہ تخلیق کائنات میں منفرد ہے کوئی اسکا شریک نہیں تو اجرائے احکام میں بھی منفرد ہے جو چاہے اپنی مخلوق میں حکم نافذ فرمائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح اختیار کوئی میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں اسی طرح اختیار تشرعی میں بھی کوئی شریک نہیں اور اسکا ایک دوسرا مفہوم وہ ہے جو امام بغوی نے اپنی تفسیر میں اور علامہ ابن قیم نے زاد المعاد کے مقدمہ میں بیان کیا ہے کہ اس اختیار سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہیں اپنے اکرام و اعزاز کے لئے انتخاب فرما لیتے ہیں اور بقول بغوی یہ جواب ہے مشرکین مکہ کے اس قول کا کہ تَوَلَّاهُ نَزَلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْفَرَسِ عَظِيمٍ، یعنی یہ قرآن اللہ کو نازل ہی کرنا تھا تو عرب کے دو بڑے شہروں مکہ اور طائف میں سے کسی بڑے آدمی پر نازل فرماتا کہ اسکی قدر و منزلت پہچانی جاتی، ایک تیم مسکین پر نازل فرمانے میں کیا حکمت تھی؟ اسکے جواب میں فرمایا کہ جس مالک نے تمام مخلوقات کو بغیر کسی شریک کی امداد کے پیدا فرمایا ہے یہ اختیار بھی اُسی کو حاصل ہے کہ اپنے کسی خاص اعزاز کے لئے اپنی مخلوق میں سے کسی کو منتخب کرے اس میں وہ تمہاری تجویزوں کا کیوں پابند ہو کہ فلاں اسکا مستحق ہے فلاں نہیں۔



ایک چیز کو دوسری چیز پر یا ایک شخص کو دوسرے پر فضیلت کا معیار صحیح اختیار خداوندی ہے۔  
 کو دوسری چیز پر فضیلت دی جاتی ہے یہ اُس چیز کے کسبِ عمل کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ وہ بلا واسطہ خالق کائنات کے انتخاب و اختیار کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اُس نے سات آسمان پیدا کئے اُنہیں سے سماءِ علیا کو دوسروں پر فضیلت دیدی حالانکہ مادہ ساتوں آسمانوں کا ایک ہی تھا، پھر اُس نے جنت الفردوس کو دوسری سب جنتوں پر اور جبرئیل و میکائیل و اسرافیل وغیرہ خاص فرشتوں کو دوسرے فرشتوں پر، اور انبیاء علیہم السلام کو دوسرے سارے بنی آدم پر اور اُن میں سے ادلوا الحرم رسولوں کو دوسرے انبیاء پر اور اپنے خلیل ابراہیم اور حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے سب ادلوا الحرم رسولوں پر، پھر اولاد اسماعیل علیہ السلام کو دوسری ساری دنیا کے لوگوں پر پھر قریش کو اُن سب پر اور بنی ہاشم کو سب قریش پر اور سید ولد آدم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب بنی ہاشم پر پھر اسی طرح صحابہ کرام اور دوسرے اسلاف امت کو دوسروں پر فضیلت دینا یہ سب حق تعالیٰ جل شانہ کے انتخاب و اختیار کا نتیجہ ہے۔

اسی طرح زمین کے بہت سے مقامات کو دوسرے مقامات پر اور بہت دنوں اور راتوں کو دوسرے دنوں اور راتوں پر فضیلت دینا یہ سب اُسی اختیار اور انتخاب حق جل شانہ کا اثر ہے غرض فضیلت و مفضولیت کا اصل معیار تمام کائنات میں یہی انتخاب اختیار ہے البتہ فضیلت کا ایک دوسرا سبب انسانی اعمال و افعال بھی ہوتے ہیں اور جن مقامات میں نیک اعمال کئے جاویں وہ مقامات بھی ان اعمال صالحہ یا صالحین عباد کی سکونت سے متبرک ہو جاتے ہیں۔ یہ فضیلت کسب و اختیار اور عمل صالح سے حاصل ہو سکتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں ہر فضیلت دو چیزیں ہیں ایک غیر اختیار کی جو صرف حق تعالیٰ کا انتخاب ہے دوسرا اختیاری جو اعمال صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ سے حاصل ہوتا ہے۔ علامہ ابن قیم نے اس موضوع پر بڑا تفصیلی کلام کیا ہے اور آخر میں صحابہ کرام میں سے خلفاء راشدین کو تمام دوسرے صحابہ پر اور خلفاء راشدین میں صدیق اکبر ان کے بعد عمر بن خطاب ان کے بعد عثمان غنی ان کے بعد علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی ترتیب کو ان دونوں معیاروں سے ثابت کیا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک مستقل رسالہ فارسی زبان میں اس موضوع پر ہے جس کا اردو ترجمہ احقر نے بنام بعض تفصیل مسئلۃ تفصیل شائع کر دیا ہے اور احکام القرآن سورۃ قصص میں بھی اس کو بزبان عربی مفصل لکھ دیا ہے۔ اہل علم کے ذوق کی چیز ہے وہاں مطالعہ فرمائیں۔

أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ الْيَتْلُ سَامِدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ مَنْ إِلَهُ غَيْرَ اللَّهِ  
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۝ أَلَمْ يَكُنْ لَهُ الْيَتْلُ سَامِدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ مَنْ إِلَهُ غَيْرَ اللَّهِ



آیت میں حق تعالیٰ نے رات کے ساتھ تو اسکا ایک فائدہ ذکر فرمایا، بلکہ تَسْكُنُونَ فِيهِ یعنی رات میں انسان کو سکون ملتا ہے اس کے بالمقابل دن کے ذکر میں بضعیاء کے ساتھ کوئی فائدہ ذکر نہیں فرمایا۔ سبب ظاہر ہے کہ دن کی روشنی اپنی ذات میں فضل ہے اور ظلمت سے روشنی کا بہتر ہونا معلوم معروف ہے۔ روشنی کے بیشمار فوائد اتنے معروف ہیں کہ اُن کے بیان کی ضرورت نہیں، بخلاف رات کے کہ وہ ظلمت اور اندھیری ہے جو اپنی ذات میں کوئی فضیلت نہیں رکھتی بلکہ اسکی فضیلت لوگوں کے سکون و آرام کے سبب سے ہے اس لئے اسکو بیان فرمادیا۔ اور اسی لئے دن کے معاملہ کا ذکر کر کے آخر میں فرمایا: أَفَلَا تَسْمَعُونَ اور رات کا معاملہ ذکر کر کے فرمایا أَفَلَا تَبْصُرُونَ اس میں یہ اشارہ ہو سکتا ہے کہ دن کے فضائل و برکات اور اس کے فوائد و ثمرات بیشمار ہیں جو احاطہ بصر میں نہیں آسکتے البتہ مئے جاسکتے ہیں اس لئے أَفَلَا تَسْمَعُونَ فرمایا۔ کیونکہ انسانی علم و ادراک کا بڑا ذخیرہ کانوں ہی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، آنکھوں سے دیکھی ہوئی اشیاء ہمیشہ کانوں سے سُنی ہوئی اشیاء سے بہت کم ہوتی ہیں اور رات کے فوائد بہ نسبت دن کے فوائد کم ہیں وہ دیکھے بھی جاسکتے ہیں اس لئے یہاں أَفَلَا تَبْصُرُونَ کا کلمہ اختیار فرمایا۔ (مظہری)

وَيَوْمَ يَنَادِ هُمْ فَيَقُولُ أَيُّ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۷۴﴾

اور جس دن اُن کو پُکارے گا تو فرمائے گا کہاں ہیں میرے شریک جن کا تم دعویٰ کرتے تھے

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعِلِمُوا أَنَّ

اور جُدا کر دیں گے ہم ہر فرقے میں سے ایک احوال بتلانے والا، پھر کہیں گے لاؤ اپنی سند تب جان لیں گے کہ

الْحَقُّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۷۵﴾

سچ بات ہے اللہ کی اور کھوئی جائیں گی اُن سے جو باتیں وہ جوڑتے تھے

## خلاصہ تفسیر

اور جس دن اللہ تعالیٰ اُن کو پُکار کر فرمائے گا (تاکہ سب لوگ اُن کی رُسوائی سُن لیں) کہ جن کو تم میرا شریک سمجھتے تھے وہ کہاں گئے اور (اگرچہ حجت تمام کرنے کے لئے خود اسکا اقرار کافی تھا مگر مزید تاکید کے لئے ان پر شہادت بھی قائم کر دی جاوے گی اس طرح کہ) ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ (بھی) بکمال کر لائیں گے (مُراد اس سے انبیاء ہیں جو اُنکے کفر کی گواہی دیں گے) پھر ہم (ان شریکین سے) کہیں گے کہ (اب) اپنی کوئی دلیل (مشرک کے دعوے کی صحت پر) پیش کرو سو (اُس وقت) اُن کو (ببین البقین) معلوم ہو جاوے گا کہ سچی بات خدا کی تھی (جو انبیاء کے ذریعہ بتلائی گئی تھی)



اور شرک کا دعویٰ جھوٹا تھا) اور (دنیا میں) جو کچھ باتیں گھڑا کرتے تھے (آج) کسی کا پتہ نہ رہے گا۔  
(کیونکہ اکشاف حق کے لئے باطل کا غائب ہو جانا لازم ہے)۔

فائدہ | اس سے پہلی آیت میں جو سوال مَآذًا اُجِبْتُمْ میں کیا گیا اس میں کفار سے انبیاء کو جواب دینے کے متعلق باز پرس تھی اور یہاں خود انبیاء علیہم السلام سے شہادت دلوانا مقصود ہے اس لئے سوال میں کوئی تکرار نہیں۔

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ وَأَتَيْنَهُ مِنَ الْكَنُوزِ

قارون جو تھا سو موسیٰ کی قوم سے پھر شرارت کرنے لگا ان پر اور ہم نے دیئے تھے اسکو خزانے

مَا إِنْ مَفَاتِحُ كُنُوزٍ أُولَى الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ

اتنے کہ اسکی کنجیاں اٹھانے سے تمک جاتے کئی مرد زور آور جب کہا اس کو اسکی قوم نے

لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ۝۶۱ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ

اتراست اشر کو نہیں بھاتے اترانے والے اور جو تجھ کو اشر نے

اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا

دیا ہے اُس سے کما لے بچھلا گھر اور نہ بھول اپنا حصہ دنیا سے اور بھلائی کر جیسے

أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

اشر نے بھلائی کی تجھ سے اور مت چاہ خرابی ڈالنی ملک میں اشر کو بھاتے نہیں

الْمُفْسِدِينَ ۝۶۲ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي أَوَلَمْ يَعْلَمْ

خرابی ڈالنے والے بولا یہ مال تو مجھ کو بلا ہے ایک ہنر سے جو میرے پاس ہے کیا اُس نے یہ نہ جانا

أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ قُوَّةً

کہ اشر غارت کر چکا ہے اس سے پہلے کتنی جماعتیں جو اس سے زیادہ رکھتی تھیں زور

وَأَكْثَرُ جَمْعًا وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ۝۶۳ فَخَرَجَ عَلَىٰ

اور زیادہ رکھتی تھیں مال کی جمع اور بوجھے نہ جائیں گھر گھاروں سے اُن کے گناہ پھر نکلا اپنی

قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا لَيْتَ

قوم کے سامنے اپنے ٹھاٹھ سے کہنے لگے جو لوگ طالب تھے دنیا کی زندگی کے اے کاش

لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونَ إِنَّهُ لَنَوْ حِطَّ عَظِيمٍ ۝۶۴ وَقَالَ الَّذِينَ

ہم کو ملے جیسا کچھ ملا ہے قارون کو بیشک اسکی بڑی قسمت ہے اور بولے جن کو

أُوتُوا الْعِلْمَ وَيُكْمُ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

ملی تھی سمجھ اے خرابی تمہاری اشر کا دیا ٹھاٹھ بہتر ہے اُنکے واسطے جو یقین لائے اور کام کیا بھلا



وَلَا يُلْقِيهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُوهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ

اور یہ بات انہی کے دل میں پڑتی ہے جو پہننے والے ہیں، پھر دھنسا دیا اپنے اس کو اور اسکے گھر کو زمین میں

فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُوهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ

پھر نہ ہوئی اس کی کوئی جماعت جو مدد کرتی اس کی اللہ کے سوائے اور نہ

مِنَ الْمُنتَصِرِينَ ﴿۸۱﴾ وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَتَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ

خود اور نہ اس کا اور فجر کو لگے کہنے جو کل شام آرزو کرتے تھے اُس کا سا

يَقُولُونَ وَيَكُنَّ اللَّهُ يَكْبُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ

درجہ اے خرابی یہ تو اللہ کھول دیتا ہے روزی جس کو چاہے اپنے بندوں میں اور تنگ کر دیتا ہے

لَوْلَا أَنْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَيَكُنَّ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿۸۲﴾

اگر نہ احسان کرتا ہم پر اللہ تو ہم کو بھی دھنسا دیتا، اے خرابی یہ تو پھٹکارا نہیں پاتے مُنکر

## خلاصہ تفسیر

قارون (کا حال دیکھ لو کہ کفر و خلاف کرنے سے اس کو کیا ضرر پہنچا اور اس کا مال و متاع کچھ کام نہ آیا بلکہ اسکے ساتھ اس کا مال و متاع بھی برباد ہو گیا، مختصر اس کا قصہ یہ ہے کہ وہ) موسیٰ (علیہ السلام) کی برادری میں سے (یعنی بنی اسرائیل میں سے) بلکہ ان کا چچا زاد بھائی) تھا (کذا فی الدر) سودہ کثرت مال کی وجہ سے) ان لوگوں کے مقابلہ میں تکبر کرنے لگا اور (مال کی اسکے پاس یہ کثرت تھی کہ) ہمتے اس کو اس قدر خزانے دیئے تھے کہ اُن کی کنجیاں کئی کئی زور اور شخصوں کو گرا بنا کر دیتی تھیں (یعنی اُن سے تکلف اٹھتی تھیں تو جب کنجیاں اس کثرت سے تھیں تو ظاہر ہے کہ خزانے بہت ہی ہونگے اور یہ تکبر اس وقت کیا تھا) جبکہ اس کو اس کی برادری نے (سمجھانے کے طور پر) کہا کہ تو (اس مال و شہمت پر) اتر امت واقعی اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور (یہ بھی کہا کہ) تجھ کو خدا نے جتنا دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دنیا سے اپنا حصہ (آخرت میں لے جانا) فراموش مت کر اور (مطلب اِبتِغِ وَلَا تَتَّخِذْ كَالْيَهُودِ) جس طرح خدا تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (بندوں کے ساتھ) احسان کیا کر اور (خدا کی نافرمانی اور حقوق واجبہ ضائع کر کے) دنیا میں فساد کا خواہاں مت ہو (یعنی گناہ کرنے سے دنیا میں فساد ہوتا ہے) کہولہ تعالیٰ ظہر الفساد فی الذرِّ والنجس مما کسبت ایدی الناس بالخصوص متعدي گناہ) بیشک اللہ تعالیٰ اہل فساد کو پسند نہیں کرتا (یہ سب نصیحت مسلمانوں کی طرف سے ہوئی غالباً یہ مضامین موسیٰ علیہ السلام نے اول فرمائے ہونگے پھر مکرر دوسرے مسلمانوں نے ان کا اعادہ کیا ہوگا) قارون (یہ سن کر) کہنے لگا کہ



مجھ کو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے (یعنی میں وجوہ و تدابیر معاش کی خوب جانتا ہوں اس سے میں نے یہ سب جمع کیا ہے پھر میرا تقاضا یہ نہیں اور نہ اس کو غیبی احسان کہا جاتا ہے اور نہ کسی کا اس میں کچھ استحقاق ہو سکتا ہے آگے اللہ تعالیٰ اسکے اس قول کو رد فرماتے ہیں کہ) کیا اُس (قارون) نے (اخبار متواترہ سے) یہ نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے اُس توں میں ایسے ایسوں کو ہلاک کر چکا ہے جو قوت (مالی) میں (بھی) اس سے کہیں بڑھے ہوئے تھے اور جمع (بھی) اس سے) اُن کا زیادہ تھا اور (صرف یہی نہیں کہ بس ہلاک ہو کر چھوٹ گئے ہوں بلکہ بوجہ اُن کے ارتکابِ جرم کفر اور اللہ تعالیٰ کو یہ جرم معلوم ہونے کے قیامت میں بھی معذب ہونگے جیسا وہاں کا قاعدہ ہے کہ) اہل جرم سے اُن کے گناہوں کا (تحقیق کرنے کی غرض سے) سوال نہ کرنا پڑے گا (کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ سب معلوم ہے گو زبردستیہ کے لئے سوال ہو لفظہ تعالیٰ لَنَسْأَلَنَّہُمْ أَجْمَعِیْنَ، مطلب یہ کہ اگر قارون اس مضمون پر نظر کرتا تو ایسی جہالت کی بات نہ کہتا کیونکہ پچھلی قوموں کے حالات عذاب سے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور مواخذہِ افروہ سوائیکہ احکم الحاکمین ہونا ظاہر ہے، پھر کسی کو کیا حق ہے کہ اللہ کی نعمت کو اپنی ہنرمندی کا نتیجہ بتلائے اور حقوق واجبہ سے انکار کرے) پھر (ایکبار ایسا اتفاق ہوا کہ) وہ اپنی آرائش (اور شان) سے اپنی برادری کے سامنے بھلا جو لوگ (اُس کی برادری میں) دُنیا کے طالب تھے (گو مؤمن ہوں جیسا اُن کے لگے قول دُنِیَکَانَ اللّٰہُ یَبْسُطُ الْخَیْرَ سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے وہ لوگ) کہنے لگے کیا خوب ہوتا کہ ہم کو بھی وہ ساز و سامان ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے واقعی وہ بڑا صاحبِ نصیب ہے (یہ تمنا حرص کی تھی، اس سے کافر ہونا لازم نہیں آتا، جیسا اب بھی بعض آدمی باوجود مسلمان ہونے کے شبّ روز دوسری قوموں کی ترقیاں دیکھ کر للچا تے ہیں اور اسکی فکر میں لگے رہتے ہیں) اور جن لوگوں کو (دین کی) فہم عطا ہوئی تھی وہ (ان حرصوں سے) کہنے لگے ارے تمہارا ناس ہو (تم اس دُنیا پر کیا جاتے ہو) اللہ تعالیٰ کے گھر کا ثواب (اس دُنوی کر و فر سے) ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرنے اور (پھر ایمان و عمل صالح دالوں میں سے بھی) وہ (ثواب کامل طور پر) ان ہی لوگوں کو دیا جاتا ہے جو (دُنیا کی حرص و طمع سے) صبر کرنے والے ہیں (پس تم لوگ ایمان کی تکمیل اور عمل صالح کی تحصیل میں لگو اور حد شرعی کے اندر دُنیا حاصل کر کے زائد کی حرص و طمع سے صبر کرو) پھر ہم نے اس قارون کو اور اسکے محلِ سرائے کو (اس کی شرارت بڑھ جانے سے) زمین میں دھنسا دیا سو کوئی ایسی جماعت نہ ہوئی جو اس کو اللہ (کے عذاب) سے بچا لیتی (گو وہ بڑی جماعت والا تھا) اور نہ وہ خود ہی اپنے کو بچا سکا اور کل (یعنی پچھلے قریب زمانہ میں) جو لوگ اس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ (آج اسکے خُف کو دیکھ کر) کہنے لگے بس جی یوں معلوم ہوتا ہے کہ (رزق کی فراخی



اور تنگی کا ہمارا خوش نصیبی یا بد نصیبی پر نہیں ہے بلکہ یہ تو محض حکمتِ تکوینیہ سے اللہ ہی کے قبضہ میں ہے پس (اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے زیادہ روزی دے دیتا ہے اور (جس کو چاہے) تنگی سے دینے لگتا ہے) (یہ ہماری غلطی تھی کہ اس کو خوش نصیبی سمجھتے تھے ہماری توبہ ہے اور واقعی) اگر ہم پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہوتی تو ہم کو بھی دھنسا دیتا (کیونکہ حرص اور حُبِ دنیا کی معصیت کے ہم بھی مرتکب ہوئے تھے) پس جی معلوم ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہوتی (گو چند روز مرنے لوٹ لیں مگر انجام پھر خسران ہے پس فلاح معتد بہ اہل ایمان ہی کے ساتھ مخصوص ہے)۔

## معارف و مسائل

سورہ قصص کے شروع سے یہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ قصہ مذکور تھا جو ان کو فرعون اور آل فرعون کے ساتھ پیش آیا، یہاں ان کا دوسرا قصہ بیان ہوتا ہے جو اپنی برادری کے آدمی قارون کے ساتھ پیش آیا اور مناسبت اسکی سابقہ آیتوں سے یہ ہے کہ پچھلی آیت میں یہ ارشاد ہوا تھا کہ دنیا کی دولت و مال جو تمہیں دیا جاتا ہے وہ چند روزہ متاع ہے اس کی محبت میں لگنا نادانستندی نہیں۔ وَمَا أَرْثِيكُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَّاعٌ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا، اَلَا يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ اَنْ هُوَ رَمِيْلٌ مِّنْ طِيْنٍ۔ قارون کے قصہ میں یہ بتلایا گیا کہ اُس نے مال و دولت حاصل ہونے کے بعد اس نصیحت کو بھلا دیا اس کے نشہ میں مست ہو کر اللہ تعالیٰ کی ناشکری بھی کی اور مال پر جو حقوق واجبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہیں انکی ادائیگی سے منکر بھی ہو گیا جس کے نتیجہ میں وہ اپنے خزانوں سمیت زمین کے اندر دھنسا دیا گیا۔

قارون ایک عجیب لفظ غالباً عبرانی زبان کا ہے اس کے متعلق اتنی بات تو خود الفاظِ قرآن سے ثابت ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برادری بنی اسرائیل ہی میں سے تھا۔ باقی یہ کہ اس کا رشتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا اس میں مختلف اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی کی ایک روایت میں اسکو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی قرار دیا ہے اور کچھ اقوال ہیں۔ (قطبی و دیگر)

روح المعانی میں محمد بن سہب کی روایت سے نقل کیا ہے کہ قارون تورات کا حافظ تھا اور دو کے بنی اسرائیل سے زیادہ اس کو تورات یاد تھی مگر سامری کی طرح منافق ثابت ہوا اور انکی نفقت کا سبب دنیا کے جاہ و عزت کی بیجا حرص تھی۔ پورے بنی اسرائیل کی سیادت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھی اور ان کے بھائی ہارون ان کے وزیر اور شریکِ نبوت تھے اس کو یہ حسد ہوا کہ میں بھی تو ان کی برادری کا بھائی اور قریبی رشتہ دار ہوں میرا اس سیادت و قیادت میں کوئی حصہ کیوں نہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے اسکی شکایت کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے مجھے اس میں کچھ دخل نہیں مگر وہ اس پر مطمئن نہ ہوا اور حضرت



موسیٰ علیہ السلام سے حسد رکھنے لگا۔

تَبَسُّخٍ عَلَیْهِمْ لَفْظِ بَغَىٰ چند معانی کے لئے آتا ہے۔ مشہور معنی ظلم کے ہیں، یہاں یہ معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ اس نے اپنے مال و دولت کے نشہ میں دوسروں پر ظلم کرنا شروع کیا، یحییٰ بن سلام اور سعید بن مسیب نے فرمایا کہ قارون سرمایہ دار آدمی تھا، فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل کی ہجراتی پر مامور تھا، اس امارت کے عہدے میں اُس نے بنی اسرائیل کو ستایا۔ (قرطبی)

اور دوسرے معنی تکبر کے بھی آتے ہیں۔ بہت سے مفسرین نے اس جگہ یہی معنی قرار دیے ہیں کہ اس نے مال و دولت کے نشہ میں بنی اسرائیل پر تکبر شروع کیا اور ان کو حقیر و ذلیل قرار دیا۔

وَأَتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ كُنُوزَ كَنْزٍ کی جمع ہے، مدفون خزانہ کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح شرع میں کنز وہ خزانہ ہے جسکی زکوٰۃ نہ دی گئی ہو۔ حضرت عطار سے روایت ہے کہ اسکو حضرت یوسف علیہ السلام کا ایک عظیم الشان مدفون خزانہ مل گیا تھا۔ (مرح)

لَتَنَسُوْا بِأَلْعَصْبَةِ نَاوُ كَالْفُظْ بوجھ سے جھکنا دینے کے معنی میں آتا ہے اور عصبہ کے معنی جماعت کے ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ اسکے خزانے اتنے زیادہ تھے کہ ان کی کنجیاں اتنی تعداد میں تھیں کہ ایک قوی جماعت بھی ان کو اٹھائے تو بوجھ سے جھک جائے۔ اور ظاہر ہے کہ قفل کی کنجی بہت ہلکے وزن کی رکھی جاتی ہے جسکا اٹھانا اور پاس رکھنا مشکل نہ ہو مگر کثرتِ عدد کے سبب یہ اتنی ہو گئی تھیں کہ ان کا وزن ایک قوی جماعت بھی اُسانی سے نہ اٹھا سکے۔ (مرح)

لَا تَفْرَحْ، فرح کے لفظی معنی اُس خوشی کے ہیں جو انسان کو کسی لذتِ عاجلہ کے سبب حاصل ہو۔ قرآن کریم نے بہت سی آیات میں فرح کو مذموم قرار دیا جیسا کہ ایک اسی آیت میں ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ اور ایک آیت میں لَا تَفْرَحُوْا بِمَا آتٰكُمْ اور ایک آیت میں ہے فَرَحُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اور بعض آیات میں فرح کی اجازت بلکہ ایک طرح کا امر بھی وارد ہوا ہے جیسے يَوْمَئِذٍ يُفْرِحُ الْمُؤْمِنُوْنَ میں اور آیت قَدْ اِلٰكَ فَرِحْنَا وَحَٰؤًا میں ارشاد ہوا ہے۔ ان سب آیات کے مجموعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذموم اور ممنوع وہ فرح ہے جو اترانے اور تکبر کرنے کی حد تک پہنچ جائے اور وہ جیسا کہ اس لذت و خوشی کو وہ اپنا ذاتی کمال اور ذاتی حق سمجھے اللہ تعالیٰ کا انعام و احسان نہ سمجھے۔ اور جو خوشی اس حد تک نہ پہنچے وہ ممنوع نہیں بلکہ ایک حیثیت سے مطلوب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی شکر گزاری ہے۔

وَابْتَغِ فِيمَا آتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا، یعنی مسلمانوں نے قارون کو یہ نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ نے جو مال و دولت تجھے عطا فرمایا ہے اسکے ذریعہ آخرت کا سامان فراہم کر، اور دنیا میں جو تیرا حصہ اس کو نہ بھول۔



دُنیا کا حقہ کیا ہے اس کی تفسیر اکثر مفسرین نے یہ کی ہے کہ اس سے مراد دُنیا کی عمر اور اُنہیں کئے ہوئے وہ اعمال ہیں جو اُس کو آخرت میں کام آویں جس میں صدقہ خیرات بھی داخل ہے اور دوسرے اعمالِ صالحہ بھی۔ حضرت ابن عباسؓ اور جمہور مفسرین سے یہی معنی منقول ہیں (کافی القرطبی) اس صورت میں دوسرا جملہ پہلے جملہ کی تاکید و تائید ہوگی۔ پہلے جملے میں جو کہا گیا کہ جو کچھ تجھے اللہ نے دیا ہے یعنی مال و دولت اور عمر و قوت و صحت وغیرہ ان سب سے وہ کام لے جو دار آخرت میں تیرے کام آئے اور درحقیقت دُنیا کا یہی حصہ تیرا ہے جو آخرت کا سامان بن جائے باقی دُنیا تو دوسرے داروں کا حصہ ہے۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ دوسرے جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اُس سے اپنی آخرت کا سامان بھی کرو مگر اپنی ضروریات دُنیا کو بھی نہ بھلاؤ کہ سب صدقہ خیرات کر کے کنکال بن جاؤ بلکہ بقدر ضرورت اپنے لئے بھی رکھو۔ اس تفسیر پر نصیب دُنیا سے مراد اُس کی معاشی ضروریات ہونگی واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۱۰ اِنَّمَا اَوْفَيْتُكَ عَلٰیٰ عِلْمٍ عِنْدِيْ، بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں علم سے مراد علمِ تورات ہے جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ قارون تورات کا حافظ اور عالم تھا اور اُن ستر اصحاب میں سے تھا جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے میقات کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ مگر اس کو اپنے اس علم پر ناز و غرور پیدا ہو گیا اس کو اپنا ذاتی کمال سمجھ بیٹھا اور اسکے اس کلام کا مطلب یہی تھا کہ مجھے جو کچھ مال و دولت ملا ہے میرے اپنے ذاتی کمالِ علمی کے سبب ملا ہے اسلئے میں اسکا خود حق دار ہوں اس میں مجھ پر کسی کا احسان نہیں۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ یہاں علم سے مراد معاشی تدبیروں کا علم ہی مثلاً تجارت صنت وغیرہ کا جن سے مال حاصل ہوتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو مال مجھے حاصل ہوا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے احسان کا کیا دخل ہے یہ تو میں نے اپنی ہوشیاری اور کارگزاری کے ذریعہ حاصل کیا ہے اور جاہل نے یہ نہ سمجھا کہ یہ ہوشیاری اور کارگزاری اور صنعت یا تجارت کا تجربہ اور علم بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کا دیا ہوا تھا اسکا کوئی ذاتی کمال نہ تھا۔

اَوْ كَفَرْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَخْلَقَ مِنْ قَبْلِهِ، قارون کے اس قول کا کہ میرا مال و دولت میرے ذاتی علم و ہنر سے حاصل کردہ ہے اصل جواب تو وہ تھا جو اوپر لکھا گیا ہے کہ اگر یہی تسلیم کر لیا جائے کہ اسکا سبب کوئی خاص علم و ہنر تھا تو بھی اللہ تعالیٰ کے احسان سے کیسے بُری ہوا کیونکہ یہ علم و ہنر اور قوت کسب بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کی بخشی ہوئی ہے مگر اسکا جواب بوجہ غایت ظہور کے نظر انداز فرما کر قرآن نے یہ بتلایا کہ یہ مال و دولت فرض کر دو کہ اس کو اپنے ہی ذاتی کمال سے حاصل ہوا ہو مگر خود اس مال و دولت کی کوئی حقیقت نہیں، مال کی فراوانی کسی انسان کے لئے نہ کوئی کمال اور فضیلت ہے اور نہ وہ ہر حال میں اسکے کام آتا ہے اسکے ثبوت میں پچھلی اُمّتوں کے بڑے سڑیہ داروں



کی مثال پیش فرمائی کہ جب انھوں نے سرکشی کی تو اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کو اچانک پکڑ لیا مال و دولت اُن کے کچھ بھی کام نہ آیا۔

وَقَالَ الَّذِينَ اَوْفُوا الْعَهْدَ ذٰلِكَمُ الْآيَةُ، اس آیت میں، الَّذِينَ اَوْفُوا الْعَهْدَ یعنی علماء کا مقابلہ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا سے کیا گیا ہے جس میں واضح اشارہ اس طرف ہے کہ متاع دنیا کا ارادہ اور اس کو مقصود بنانا اہل علم کا کام نہیں اہل علم کی نظر ہمیشہ آخرت کے دائمی فائدہ پر رہتی ہے، متاع دنیا کو بقدر ضرورت حاصل کرتے ہیں اور اُسی پر قناعت کرتے ہیں۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ

وہ گھر جو بچھلا ہے ہم دیں گے وہ ان لوگوں کو جو نہیں چاہتے اپنی بڑائی ملک میں

وَلَا فِسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۴﴾ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ

اور نہ بگاڑ ڈانا اور عاقبت بھلی ہے ڈرنے والوں کی جوئے کر آیا بھلائی اس کو ملتا ہے اس سے

مِنْهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يَجْزِیْ الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ

بہتر اور جو کوئی لے کر آیا بُرائی سو بُرائیاں کرنے والے اُن کو وہی سنا ملے گی

اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

جو کچھ وہ کرتے تھے

## خلاصہ تفسیر

یہ عالم آخرت (جس کے ثواب کا مقصود ہونا اُدپر ﴿تَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ﴾ میں بیان ہوا ہے) ہم انہی لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا (یعنی نہ بکتر کرتے ہیں جو باطنی گناہ ہے اور نہ کوئی ظاہری گناہ ایسا کرتے ہیں جس سے زمین میں فساد برپا ہو) اور صرف ان باطنی اور ظاہری بُرائیوں سے بچنا کافی نہیں بلکہ) نیک نتیجہ متقی لوگوں کو ملتا ہے، (جو بُرائیوں سے اجتناب کے ساتھ اعمالِ صالحہ کے بھی پابند ہوں اور کیفیتِ اعمال پر جزا و سزا کی یہ ہوگی کہ) جو شخص (قیامت کے دن) نیکی لے کر آئے گا اُس کو اُس (کے مقصدا) سے بہتر (بدلہ) ملے گا (کیونکہ نیک عمل کا اصل مقصدنی تو یہ ہے کہ اُس کی حیثیت کے موافق عوض ملے مگر وہاں اُس سے زیادہ دیا جائے گا جس کا کم سے کم درجہ اس کی حیثیت سے دس گنا ہے) اور جو شخص بدی لے کر آئے گا سو ایسے لوگوں کو جو بدی کا کام کرتے ہیں اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنا وہ کرتے تھے (یعنی اسکے مقصدنی سے زیادہ بدلہ سزا کا نہ ملے گا)۔



## معارف و مسائل

لِّلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فُسَادًا ۖ اٰیْتِیْنِیْ دَارَ اٰفَرَتِ کِی نجات  
دفعہ کو صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص فرمایا گیا ہے جو زمین میں عُلو اور فساد کا ارادہ نہ کریں۔  
عُلو سے مراد تکبر ہے یعنی اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا بنانے اور دوسروں کو حقیر کرنے کی فکر۔  
اور فساد سے مراد لوگوں پر ظلم کرنا ہے (سفیان ثوری) اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ہر معصیت فساد  
فی الارض ہے کیونکہ گناہ کے وبال سے دنیا کی برکت میں کمی آتی ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ  
جو لوگ تکبر اور ظلم کا یا مطلق معصیت کا ارادہ کریں اُن کا آخرت میں حصہ نہیں۔

فَاَمْدَهُ [تکبر جس کی قُرمت اور وبال اس آیت میں ذکر کیا گیا وہ وہی ہے کہ لوگوں پر تفاخر اور انہی  
تحقیر مقصود ہوا اور نہ اپنے لئے اچھے لباس اچھی غذا اچھے مکان کا انتظام جب وہ دوسروں کے  
تفاخر کے لئے نہ ہو مذموم نہیں، جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی تصریح ہے۔

معصیت کا پختہ عزم بھی معصیت ہے | اس آیت میں عُلو اور فساد کے ارادہ پر دارِ آخرت سے محروم ہونے  
کی وعید ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسی معصیت کا پختہ ارادہ جو عزمِ مستم کے درجہ میں آجائے وہ بھی  
معصیت ہی ہے (لما فی الروح) البتہ اگر پھر وہ خدا کے خوف سے اس ارادہ کو ترک کر دے تو گناہ کی  
جگہ ثواب اُسکے نامہ اعمال میں درج ہوتا ہے اور اگر کسی غیر اختیاری سبب سے اُس گناہ پر قنہ  
نہ ہوئی اور عمل نہ کیا مگر اپنی کوشش گناہ کے لئے پوری کی تو وہ بھی معصیت اور گناہ لکھا جائیگا (لما  
ذکرہ الغزالی رحمہ) آخر آیت میں فرمایا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ اسکا حاصل یہ ہے کہ آخرت کی نجات اور  
فلاح کے لئے دو چیزوں عُلو اور فساد سے اجتناب بھی لازم ہے اور تقویٰ یعنی اعمالِ صالحہ کی پابندی  
بھی صرف ان دو چیزوں سے پرہیز کر لینا کافی نہیں بلکہ جو اعمال از روئے شرع فرض واجب  
اُن پر عمل کرنا بھی نجاتِ آخرت کی شرط ہے۔

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ اِلٰی مَعَادٍ قُلْ رَّبِّیْ اَعْلَمُ

جس نے حکم بھیجا تجھ پر قرآن کا وہ پھیلانے والا ہے تجھ کو پہلی جگہ، تو کہہ میرا رب خوب جانتا

مَنْ جَاءَ بِالْهُدٰی وَمَنْ هُوَ فِی ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵﴾ وَمَا كُنْتُ

کون لایا ہے راہ کی سوجھ اور کون پڑا ہے صریح گمراہی میں اور تو تو تو تو

تَرْجُوْا اَنْ یُّلْقٰی اِلَیْكَ الْكِتٰبُ الْاَرْحَمَۃُ مِّنْ رَّبِّکَ فَلَا

نہ کہتا تھا کہ اتاری جائے تجھ پر کتاب مگر مہربانی سے تیرے رب کی سوتو



تَكُونَنَّ ظَهْرًا لِلْكَافِرِينَ ﴿۸۶﴾ وَلَا يَصُدُّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ

مت ہو مددگار کافروں کا اور نہ ہو کہ وہ تجھ کو روک دیں اللہ کے حکموں سے

بَعْدَ إِذْ أُنْزِلَتْ إِلَيْكَ وَادْعُ إِلَى رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ

بعد اسکے کہ اُتر چکے تیری طرف اور بلا اپنے رب کی طرف اور مت ہو شریک

الْمُشْرِكِينَ ﴿۸۷﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

والوں میں اور مت پکار اللہ کے سوائے دوسرا حاکم، کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۸۸﴾

ہر چیز فنا ہے مگر اسکا منہ اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے

## خلاصہ تفسیر

(اور آپکے ان مخالفین نے جو آپ کو پریشان کر کے ترکِ وطن پر مجبور کیا ہے جسکی اضطراری مفارقت کا آپ کو صدمہ ہے تو آپ تسلی رکھیں) جس خدا نے آپ پر قرآن (کے احکام پر عمل اور اسکی تبلیغ) کو فرض کیا ہے (جو مجموعاً دلیل ہے آپکی نبوت کی) وہ آپکو (آپکے) اصلی وطن (یعنی مکہ) میں پھر پہنچا دے گا (اور اس وقت آپ آزاد اور غالب اور صاحبِ سلطنت ہونگے، اور ایسی حالت میں اگر دوسری جگہ قیام کے لئے مجبور کی جاتی ہو مصلحت و باختیار ہوتی ہے جس سے رنج نہیں ہوتا، اور باوجود آپکے تحققِ نبوت کے جو یہ لوگ آپ کو غلطی پر اور اپنے کو حق پر سمجھتے ہیں تو) آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون سچا دین لیکر (منجانب اللہ) آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں (بتلا) ہے (یعنی میرے حق پر ہونے اور تمھارے باطل پر ہونے کے دلائل قطعیہ موجود ہیں مگر جب ان سے کام نہیں لیتے تو اخیر جواب یہی ہے کہ خیر، خدا کو معلوم ہے وہ بتلا دے گا) اور (آپ کی یہ دولت نبوت محض خدا داد ہے حتیٰ کہ خود) آپ کو (نبی ہونے کے قبل) یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل کی جائے گی مگر محض آپکے رب کی مہربانی سے اسکا نازل ہوا، سو آپ (ان لوگوں کی خرافات کی طرف توجہ نہ کیجئے اور جس طرح اب تک ان سے الگ تھلگ رہے آئندہ بھی اسی طرح) ان کا فرد کی ذرا تائید نہ کیجئے، اور جب اللہ کے احکام آپ پر نازل ہو چکے تو ایسا نہ ہونے پا دے (جیسا اب تک بھی نہیں ہونے پایا) کہ یہ لوگ آپکو ان احکام سے روک دیں اور آپ (بہ ستور) اپنے رب (کے دین) کی طرف (لوگوں کو) بلاتے رہیں اور جس طرح اب تک مشرکوں سے کوئی تعلق نہیں رہا، اسی طرح آئندہ ہمیشہ) ان مشرکوں میں شامل نہ ہو جائے اور (جس طرح اب تک شرک سے معصوم ہیں اسی طرح آئندہ بھی) اللہ کے ساتھ کسی معبود کو نہ پکارنا (ان آیتوں میں کفار و مشرکین کو انکی درخواستوں سے ناامید کرنا ہے اور روئے سخن ان ہی کی طرف ہے کہ تم جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دین میں



موانع پہننے کی درخواست کرتے ہو اس میں کامیابی کا بھی احتمال نہیں، مگر عادت ہے کہ جس شخص پر زیادہ غصہ ہوتا ہے اُس سے بات نہیں کیا کرتے اپنے محبوب باتیں کر کے اُس شخص کو سنایا کرتے ہیں۔ معالم میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ یہ خطاب ظاہر میں آپؐ کو ہے اور مقصود آپؐ نہیں۔ یہاں تک رسالت کے متعلق مضمون قصداً تھا، گو توحید کا بھی ضمناً آگیا، آگے توحید کا مضمون قصداً ہے کہ (اُس کے سوا کوئی معبود (ہونے کے قابل) نہیں (اس لئے کہ) سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں، بجز اُنکی ذات کے پس اُنکے سوا کوئی مستحق عبادت نہ ٹھہرا، یہ مضمون توحید کا ہو گیا، آگے معاد کا مضمون ہے کہ) اُسی کی حکومت ہے (جس کا ظہور کامل قیامت میں ہے) اور اُسی کے پاس تم سب کو جانا ہے (پس سب کو اُن کے لئے کی جزا دیگا۔ یہ معاد کا مضمون بھی ختم ہو گیا)۔

## معارف و مسائل

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَأْدٌ أَلَىٰ مَعَادٍ ۚ (آفر سورت میں یہ آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور اپنے فریضہ رسالت و نبوت پر پوری طرح قائم رہنے کی تاکید کے لئے ہیں، اور مناسبت اسکی سابقہ آیات سورت سے یہ ہے کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی قصہ فرعون اور اسکی قوم کی دشمنی اور اُس سے خوف کا، پھر اپنے فضل سے انکو قوم فرعون پر غالب کرنے کا ذکر فرمایا تو آفر سورت میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ہی حالات کا خلاصہ بیان فرمایا کہ کفار مکہ نے آپؐ کو پریشان کیا، قتل کے منصوبے بنائے، مسلمانوں کی زندگی مکہ میں اجیرن کر دی مگر حق تعالیٰ نے اپنی عادت قدیمہ کے مطابق آپؐ کو سب پر فتح اور غلبہ نصیب فرمایا اور مکہ مکرمہ جہاں کفار نے آپؐ کو نکالا تھا وہ پھر مکمل طور پر آپؐ کے قبضہ میں آیا۔ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ، جس ذات پاک نے آپؐ پر قرآن فرض کیا ہے یعنی اُسکی تلاوت اور تبلیغ اور اس پر عمل آپؐ پر فرض فرمایا ہے وہ ہی ذات آپؐ کو پھر معاد پر لوٹائے گی۔ معاد سے مراد مکہ مکرمہ ہے جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے معاد کی یہ تفسیر منقول ہے مطلب یہ ہے کہ اگرچہ چند روز کے لئے آپؐ کو اپنا وطن عزیز خصوصاً حرم اور بیت اللہ چھوڑنا پڑا مگر قرآن کا نازل کرنے والا اور اُس پر عمل کو فرض کرنے والا خدا تعالیٰ آخر کار آپؐ کو پھر مکہ میں لوٹا کر لایگا۔ ائمہ تفسیر میں سے مقاتل کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت غار ثور سے رات کے وقت نکلتے اور مکہ مدینہ جانے والے معروف راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستوں سے سفر کیا کیونکہ دشمن تعاقب میں تھے۔ جب مقام جحفہ پر پہنچے جو مدینہ طیبہ کے راستہ کی مشہور منزل رابغ کے قریب ہے اور وہاں سے وہ مکہ سے مدینہ کا معروف راستہ ملتا ہے اس وقت مکہ مکرمہ کے راستہ پر نظر پڑی تو بیت اللہ اور وطن یاد



آیا، اُسی وقت جبریل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے جس میں آپ کو بشارت دی گئی ہے کہ مکہ مکرمہ سے یہ جدائی چند روزہ ہے اور بالآخر آپ کو پھر مکہ مکرمہ پہنچا دیا جائیگا جو فتح مکہ کی بشارت تھی۔ اسی لئے حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت جحفہ میں نازل ہوئی ہو نہ مکنی ہو نہ مدنی (قرطبی) قرآن دشمنوں پر فتح اور مقاصد اس آیت میں آپ کو دوبارہ مکہ مکرمہ میں فاتحانہ واپسی کی بشارت میں کامیابی کا ذریعہ ہے اس عنوان سے دی گئی ہے کہ جس ذات حق نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے آپ کو دشمنوں پر غالب کر کے دوبارہ مکہ مکرمہ کو ٹائے گا، اس میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ قرآن کی تلاوت اور اس پر عمل ہی اس نصرت خداوندی اور فتح مبین کا سبب ہوگی۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ اس آیت میں وجہ سے مراد ذات حق سبحانہ و تعالیٰ ہے اور معنی یہ ہیں ذات حق سبحانہ و تعالیٰ کے سوا ہر چیز ہلاک و فنا ہونے والی ہے۔ اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ وجہ سے مراد وہ عمل ہے جو خالص اللہ کے لئے کیا جائے، تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ جو عمل اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص کے ساتھ کیا جائے وہ ہی باقی رہنے والا ہے باقی سب فانی ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

الحمد للہ سورہ قصص آج ۹ ذیقعدہ ۱۳۹۸ھ کو ایسے حالات میں تمام ہوئی کہ پاکستان پر ہندوستان اور دوسری بڑی طاقتوں کے گٹھ جوڑ سے شدید حملہ ہوا اور چودہ روز کراچی پر روزانہ بمباری ہوتی رہی، شہری آبادی کو جا بجا سخت نقصان پہنچا، سیکڑوں مسلمان شہید اور مکانات منہدم ہوئے، اور چودہ دن کی جنگ اس حادثہ بجا لکھا پر ختم ہوئی کہ مشرقی پاکستان پاکستان سے کٹ گیا اور تقریباً نوے ہزار پاکستانی فوج نے ہاں محصور ہو کر ہتھیار ڈال دیئے اور اس وقت تک وہاں مسلمانوں کا قتل عام جاری ہے، ہر مسلمان کا دل اس صدمہ سے پاش پاش اور دماغ مازوف ہے، قاتنا اللہ و اتا الیہ راجعون

وَالَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا وَالَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا وَلَا مَنجَا مِنَ اللَّهِ إِلَّا الْيَقِيۡنُ





# سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ

سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ مَكِّيَّةٌ وَفِيهَا ثَلَاثُونَ آيَةً وَسَبْعُونَ رُكُوعًا

سورۃ عنکبوت مکہ میں نازل ہوئی اس کی انتہر آیتیں ہیں اور سات رکوع ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے ۔

الَّذِينَ أَحْسَبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۚ

کیا یہ سمجھتے ہیں لوگ کہ چھوٹ جائیں گے اتنا کہہ کر کہ ہم یقین لاتے اور ان کو

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ

جائے نہ لیں گے ، اور ہم نے جانچا ہے ان کو جو ان سے پہلے تھے سو ابتہ معلوم کرے گا اللہ

الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَافِرِينَ ۚ

جو لوگ سچے ہیں اور ابتہ معلوم کرے گا جھوٹوں کو ، کیا یہ سمجھتے ہیں جو لوگ

يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَنْ يَسْبِقُونَا ۚ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۚ

کہہ کرتے ہیں بُرائیاں کہ ہم سے پہلے جائیں ، بُری بات طے کرتے ہیں ، جو کوئی

كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۚ

تو قیام رکھتا ہے اللہ کی ملاقات کی سوا اللہ کا وعدہ آرہا ہے ، اور وہ ہے سننے والا جاننے والا ،

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۚ

اور جو کوئی محنت اٹھائے سوا اٹھاتا ہے اپنے ہی واسطے اللہ کو پر دانیہیں جہاں والوں کی ،



وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَ

اور جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام ہم اُتار دیں گے اُن پر سے بُرائیاں انکی اور

لَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۷﴾

بدلہ دیں گے ان کو بہتر سے بہتر کاموں کا

## خلاصہ تفسیر

اللہ، اس کے معنی تو اللہ ہی کو معلوم ہیں، بعض مسلمان جو کفار کی ایذاؤں سے گھبرا جاتے ہیں تو کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے میں چھوٹ جاتیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو انوارِ مصائب سے آزمایا نہ جائے گا، یعنی ایسا نہ ہوگا بلکہ اس قسم کے امتحانات بھی پیش آئیں گے، اور ہم تو ایسے ہی واقعات سے، ان لوگوں کو بھی آزمائیں گے جن سے پہلے (مسلمان) ہو گزرے ہیں (یعنی اور امتوں کے مسلمانوں پر بھی یہ معاملے گزری ہیں) سو راسی طرح ان کی آزمائش بھی کی جائے گی اور اس آزمائش میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو (ظاہری علم سے) جان کر رہے گا جو ایمان کے دعویٰ میں، سچے تھے، اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا (چنانچہ جو صدق و اعتقاد سے مسلمان ہوتے ہیں وہ ان امتحانات میں ثابت رہتے ہیں بلکہ اور زیادہ پختہ ہو جاتے ہیں اور جو دفع الوقتی کے لئے مسلمان ہو جاتے ہیں وہ ایسے وقت میں اسلام کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ یعنی یہ ایک حکمت ہے امتحان کی کیونکہ مخلص اور غیر مخلص کے خلط ملط میں بہت سی مضمرات ہوتی ہیں، خصوصاً ابتدائی حالات میں۔ یہ مضمون تو مسلمانوں کے متعلق ہوا آگے ان ایذا دینے والے کفار کی نسبت فرماتے ہیں کہ، ہاں کیا جو لوگ بُرے بُرے کام کر رہے ہیں وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے کہیں نکل بھاگیں گے، ان کی یہ تجویز نہایت ہی بیہودہ ہے (یہ جملہ معترضہ کے طور پر تھا جس میں کفار کی بد انجامی سنا کر مسلمانوں کی ایک گونہ تسلی کر دی کہ ان ایذاؤں کا ان سے بدلہ لیا جائے گا، آگے پھر مسلمانوں کی طرف ردئے سخن ہے کہ جو شخص اللہ سے ملنے کی امید رکھتا ہو سو اس کو تو ایسے ایسے حوادث سے پریشان ہونا ہی نہ چاہئے کیونکہ اللہ رکے ملنے کا وہ معین وقت ضرور ہی آنے والا ہے جس سے سارے غم غلط ہو جائیں گے، کقولہ تعالیٰ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ) اور وہ سب کچھ متناسب کچھ جانتا ہے (نہ کوئی قول اس سے مخفی نہ کوئی فعل پس لقاء کے وقت تمہاری سب طاعات قولیہ و فعلیہ کا صلہ دے کر سب غم دور کر دے گا) اور یاد رکھو کہ ہم جو تم کو ترغیب دے رہے ہیں مشقوں کے برداشت کرنے کی، سو اس میں ظاہر



اور مسلم ہے کہ ہماری کوئی منفعت نہیں بلکہ جو شخص محنت کرتا ہو وہ اپنے ہی (نفع کے) لئے محنت کرتا ہے۔ اور نہ خدا تعالیٰ کو تو تمام جہان والوں میں کسی کی حاجت نہیں اس میں بھی ترغیب و تحمل مشاق کی کیونکہ اپنے نفع پر متنبہ ہونے سے وہ فعل زیادہ آسان ہو جاتا ہے اور وہ نفع جو طاعت سے پہنچتا ہے اس کا بیان یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں ان کے گناہ ان سے دور کر دیں گے جس میں بعض گناہ جیسے کفر و شرک تو ایمان سے زائل ہو جاتے ہیں اور بعض گناہ تو بہ سے کہ اعمال صالحہ میں داخل ہے اور بعض گناہ صرف حسنات سے اور بعض گناہ محض فضل سے معاف ہو جائیں گے اور کوئی گناہ بعد قتل سے سزا کے یہاں تکفیر سب کو عاف کرے اور ان کو ان کے ان اعمال (ایمان و اعمال صالحہ) کا راستحق سے زیادہ اچھا بدلہ دیں گے، پس اتنی ترغیبات پر طاعت اور مجاہدہ پر استقامت کا اہتمام ضروری ہے)۔

## معارف و مسائل

وَهُمْ لَا يُفْقِنُونَ ، فتنہ سے مشتق ہو جس کے معنی آزمائش کے ہیں، اہل ایمان خصوصاً انبیاء و صلحاء کو دنیا میں مختلف قسم کی آزمائشوں سے گزرنا ہوتا ہے پھر انجام کار فتح اور کامیابی ان کی ہوتی ہے، یہ آزمائشیں مخالفین کبھی کفار و فجار کی دشمنی اور ان کی طرقت ایذاؤں کے ذریعہ ہوتی ہیں، جیسا کہ اکثر انبیاء اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے اصحاب کو اکثر پیش آیا ہے، جس کے بے شمار واقعات سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں، اور کبھی یہ آزمائش امراض اور دوسری قسم کی تکلیفوں کے ذریعہ ہوتی ہیں جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو پیش آیا، اور بعض کے لئے یہ سب قسمیں جمع بھی کر دی جاتی ہیں۔

شانِ نزول اس آیت کا اگرچہ از روئے روایات وہ صحابہ ہیں جو ہجرت مدینہ کے وقت کفار کے ہاتھوں ستائے گئے، مگر مراد عام ہے ہر زمانے کے علماء و صلحاء اور اولیاء امت کو مختلف قسم کی آزمائشیں پیش آتی ہیں، اور آتی رہیں گی۔ (قرطبی)

فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا ، یعنی ان امتحانات اور شدائد کے ذریعہ مخلص اور غیر مخلص اور نیک و بد میں ضرور امتیاز کریں گے۔ کیونکہ مخلصین کے ساتھ منافقین کا خلط بعض اوقات بڑے نقصانات پہنچا دیتا ہے، مقصد اس آیت کا نیک و بد اور مخلص و غیر مخلص کا امتیاز واضح کر دینا ہے، جس کو اس طرح تعبیر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جان لے گا صادقین کو اور کاذبین کو، اللہ تعالیٰ کو تو ہر انسان کا صادق یا کاذب ہونا اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی معلوم ہے، امتحانات اور آزمائشوں کے جان لینے کے معنی یہ ہیں کہ اس امتیاز کو



دوسروں پر بھی ظاہر فرمادیں گے۔

اور حضرت سیدی حکیم الامت تھانویؒ نے اپنے شیخ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے اس کی توجیہ بھی نقل فرمائی ہے کہ بعض اوقات عوام کے درجہ علم پر تنزیل کر کے بھی کلام کیا جاتا ہے، عام انسان مخلص اور منافق میں فرق آزمائش ہی کے ذریعہ معلوم کرتے ہیں، ان کے مذاق کے مطابق حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ان مختلف قسم کے امتحانات کے ذریعہ ہم یہ جان کر رہیں گے کہ کون مخلص ہے کون نہیں، حالانکہ اس کے علم میں یہ سب کچھ ازل سے ہے۔ واللہ اعلم

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَسَنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ

اور ہم نے تاکید کر دی انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی سے رہنے کی، اور اگر وہ تجھ سے زور کریں کہ تو شرک کرے

بِئِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأُنَبِّئُكُم

میرا جس کی تجھ کو خبر نہیں تو ان کا کہنا مت مان، ابھی تک پھر آنا ہو تم کو سو میں بتلا دوں گا تم کو

بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝۸ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

جو کچھ تم کرتے تھے، اور جو لوگ یقین لائے اور بھلے کام کئے

لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ۝۹

ہم ان کو داخل کریں گے نیک لوگوں میں۔

## خلاصہ تفسیر

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے، اور اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک ٹھہرائے جس کے معبود ہونے کی کوئی (صحیح) دلیل تیرے پاس نہیں ہے، (اور ہر چیز ایسی ہی ہے کہ کل اشیاء کے ناقابل عبادت ہونے پر دلائل قائم ہیں) تو اس (باب میں) ان کا کہنا نہ مانتا، تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہو سو میں تم کو تمھارے سب کام (نیک ہوں یا بد) بتلا دوں گا اور (تم میں) جو لوگ ایمان لائے ہوں گے ہم ان کو نیک بنڈل (کے درجہ) میں (جو کہ بہشت ہی) داخل کر دیں گے اور اسی طرح اعمال بد پر ان کے مناسب سزا دیں گے، پس اسی بناء پر جس نے والدین کی اطاعت کو ہماری اطاعت پر مقدم رکھا ہوگا



وہ منزایاے گا، اور جس نے اس کا عکس کیا ہو گا نیک جزا پائے گا، حاصل یہ ہوا کہ واقعہ بالائیں ماننے کی نافرمانی سے دوسرے گناہ کا نہ کیا جائے۔

## معارف و مسائل

وَدَقَّيْنَا لِلْإِنْسَانِ، وصیت کہتے ہیں کسی شخص کو کسی عمل کی طرف بلانے کو جبکہ وہ بلانا نصیحت و خیر خواہی پر مبنی ہو (منظہری)

يُؤَالِدْ يَهْ حَسَنًا، لفظ حَسَن مصدر ہے بمعنی خوبی، اس جگہ خوبی والے طرزِ عمل کو مبالغہ سے لئے حَسَن سے تعبیر کیا ہے۔ مراد واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ وصیت فرمائی کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

قُلْنَا جَاهِدْ لِقِ لِنَشْرِ لِقِ، یعنی والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے حکم کی اطاعت اسی حد تک کی جائے کہ وہ حکم اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف نہ ہو، وہ اگر اولاد کو کفر و شرک پر مجبور کریں تو اس میں ان کی اطاعت ہرگز نہ کی جائے جیسا کہ حدیث میں ہے: لَا طَاعَةَ لِمُخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (رداء احمد والحاکم رحمہما) یعنی خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔

یہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ صحابہ کرام میں سے اُن دنوں حضرات میں شامل ہیں جن کو آپ نے بیک وقت جنتی ہونے کی بشارت دی ہے جن کو عشرۃ مبشرہ کہا جاتا ہے۔ یہ اپنی والدہ کے بہت فرمانبردار اور ان کی راحت رسانی میں بڑے مستعد تھے۔ ان کی والدہ حمہ بنت ابی سفیان کو جب یہ معلوم ہوا کہ ان کے بیٹے سعد مسلمان ہو گئے تو انھوں نے بیٹے کو تنبیہ کی اور قسم کھالی کہ میں اس وقت تک نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی جب تک کہ تم پھر اپنے آبائی دین پر واپس آ جاؤ یا میں اسی طرح بھوک پیاس سے مرجاؤں، اور ساری دنیا میں ہمیشہ کے لئے یہ رسوائی تمھارے سر رہے کہ تم اپنی ماں کے قاتل ہو۔ (مسلم، ترمذی) اس آیت قرآن نے حضرت سعد کو ان کی بات ماننے سے روک دیا۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ ایک دن رات اور بعض اقوال کے مطابق تین دن میں رات اپنی قسم کے مطابق بھوک پیاسی رہی۔ حضرت سعد حاضر ہوئے، ماں کی محبت و اطاعت اپنی جگہ تھی، مگر اللہ تعالیٰ کے فرمان کے سامنے کچھ نہ تھی، اس لئے والدہ کو خطاب کر کے کہا کہ اماں جان اگر تمھارے بدن میں تسویریں ہوئیں اور ایک ایک کر کے نکلتی رہتی ہیں اس کو دیکھ کر بھی کبھی اپنا دین نہ چھوڑتا، اب تم چاہو کھاؤ پیو یا مرجاؤ، بہر حال



اپنے دین سے نہیں ہٹ سکتا، ان نے ان کی اس گفتگو سے مایوس ہو کر کھانا کھا لیا،

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ

اور ایک وہ لوگ ہیں کہ کہتے ہیں یقین لائے ہم اللہ پر پھر جب انکو ایذا پہنچے اللہ کی راہ میں کرنے

فِتْنَةً النَّاسِ عَذَابَ اللّٰهِ وَلَئِن جَاءَ نَصْرٌ مِّن رَّبِّكَ

لگے لوگوں کے ستانے کو برابر اللہ کے عذاب کی اور اگر آپہنچے مدد تیرے رب کی طرف سے

لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ أَوْ لَيْسَ اللّٰهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ

تو کہنے لگیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں، کیا یہ نہیں کہ اللہ خوب خبردار ہے جو کچھ سینوں میں ہو

الْعَالَمِينَ ۱۰ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ ۱۱

جہان والوں کے۔ اور البتہ معلوم کرے گا اللہ ان لوگوں کو جو یقین لائے ہیں اور البتہ معلوم کرے گا جو لوگ غیباز ہیں

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ

اور کہنے لگے منکر ایمان والوں کو تم چلو ہماری راہ اور ہم اٹھالیں گے

خَطِيئَتَكُمْ وَمَاهُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطِيئَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ إِنَّهُمْ

تمہارے گناہ، اور وہ کچھ نہ اٹھائیں گے ان کے گناہ بے شک وہ

لَكِن بُؤْنَ ۱۲ وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ ۱۳

بھولے ہیں، اور البتہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور کتنے بوجھ ساتھ اپنے بوجھ کے،

وَلَيَسْأَلَنَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۱۴

اور البتہ ان سے پوچھ ہوگی قیامت کے دن جو باتیں کہ جھوٹ بناتے تھے۔

## خُلاصۂ تفسیر

اور بعض آدمی ایسے بھی ہیں جو کہہ دیتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے پھر جب ان کو راہ

خدا میں کچھ تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو لوگوں کی ایذا رسانی کو ایسا (عظیم) سمجھ بیٹھتے ہیں جیسے خدا

کا عذاب (جس سے آدمی بالکل ہی مجبور ہو جائے) حالانکہ کسی مخلوق کو ایسے عذاب پر قدرت ہی نہیں



اب تو ان کا یہ حال ہے (اور اگر کبھی) کوئی مدد (مسلمانوں کی) آپ کے رب کی طرف سے آپہنچی  
ہو (مثلاً جہاد ہو اور اس میں ایسے لوگ ہاتھ آجائیں) تو اس وقت کہتے ہیں کہ ہم تو (دین اور  
عقیدہ میں) تمہارے ساتھ تھے (یعنی مسلمان ہی تھے) گو کفار کے اکراہ اور زیر دستی کی وجہ سے  
کفار کے ساتھ ہو گئے تھے، اس پر حق تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے کہ، کیا اللہ تعالیٰ کو دنیا جہاد والوں کے دلوں  
کی باتیں معلوم نہیں ہیں (یعنی ان کے دل ہی میں ایمان نہ تھا) اور (یہ واقعات اس لئے ہوتے  
رہتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو معلوم کر کے رہے گا، اور منافقوں کو بھی معلوم کر کے رہے گا  
اور کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم (دین میں) ہماری راہ چلو اور (قیامت میں) تمہارے  
گناہ (جو کفر و معاصی سے ہوں گے) ہمارے ذمہ (اور تم سبکدوش) حالانکہ یہ لوگ ان کے گناہوں  
میں سے ذرا بھی (اس طور پر کہ وہ سبکدوش ہو جائیں) نہیں لے سکتے یہ بالکل جھوٹ بک رہی  
ہیں اور (البتہ یہ تو ہو گا کہ) یہ لوگ اپنے گناہ (پورے پورے) اپنا دل دے دیں گے اور اپنے گناہوں  
کے ساتھ کچھ گناہ اور بھی (دادے ہوں گے) اور یہ گناہ وہ ہیں جن کے لئے یہ سبب بنتے تھے،  
اور یہ گناہ ان پر (دادنے سے) اصل گناہ سبکدوش نہیں ہوں گے، غرض دوسرے تو ہلکے  
نہ ہوئے مگر یہ لوگ ان کو گمراہ کرنے کے سبب اور زیادہ بھاری ہو گئے) اور یہ لوگ جیسی جیسی  
جھوٹی باتیں بناتے تھے قیامت میں ان سے باز پرس (اور پھر اس پر سزا) ضرور ہوگی :

مَجَارِفُ وَمَسَائِلُ

وَقَالَ الْكَاذِبِينَ كَفَرُوا ۖ ا، کفار کی طرف سے اسلام کا راستہ روکنے اور مسلمانوں کو بہکانے کی تدبیریں مختلف طریقوں سے ہوتی رہی ہیں، کبھی زور و زور کی نمائش سے کبھی شکوک و شبہات پیدا کرنے سے۔ اس آیت میں بھی ان کی ایک ایسی ہی تدبیر مذکور ہے، کہ کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم لوگ بلا وجہ عذابِ آخرت کے خوف سے ہمارے طریقہ پر نہیں چلتے، لو ہم ذمہ داری لیتے ہیں کہ اگر سختھاری ہی بات سچی ہوئی کہ اس طریقہ پر چلنے کی وجہ سے آخرت میں عذاب ہوگا تو تمھارے گناہوں کا بوجھ ہم اٹھالیں گے جو کچھ عذاب، تکلیف پہنچے گی ہمیں پہنچے گی تم پر آپخ نہ آئے گی۔

اسی طرح کا ایک شخص کا واقعہ سورہ ہنجم کے آخری رکوع میں ذکر کیا گیا ہے اَقْرَأَ يٰٓاَيُّهَا الَّذِي تَوَلَّى وَاَعْطَىٰ قَلِيلًا وَّآكُذِّبَ، جس میں مذکور ہے کہ ایک شخص کو اس کے کافر ساتھیوں نے یہ کہہ کر دھوکا دیا کہ تم ہمیں کچھ مال یہاں دیدو تو ہم قیامت اور آخرت کے دن تمہارا عذاب کو اپنے ذمہ لے کر تمہیں بچا دیں گے، اس نے کچھ دینا بھی شروع کر دیا پھر بند کر دیا۔



اس کی بددقتی اور اس کے عمل کے لغو ہونے کا بیان سورۃ نجم میں تفصیل سے مذکور ہے۔

اسی طرح کا ایک قول کفار کا عام مسلمانوں سے یہاں مذکور ہے، یہاں حق تعالیٰ نے ان کے جواب میں ایک تو یہ فرمایا کہ ایسا کہنے والے بالکل جھوٹے ہیں، یہ قیامت میں ان لوگوں کو گناہوں کا کوئی بوجھ نہ اٹھائیں گے، وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطَايَاهُمْ يَوْمَ شِسْعٍ اَتَهُمْ تَكْنِي بُوْنٌ، یعنی وہاں کے ہولناک عذاب کو دیکھ کر ان کو ہمت نہ ہوگی کہ اس کے اٹھانے کے لئے تیار ہو جائیں، اس لئے یہ وعدہ ان کا جھوٹا ہے۔ اور سورۃ نجم میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اگر یہ لوگ کچھ بوجھ اٹھانے کو تیار بھی ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اس کا اختیار نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ قانون عدل کے خلاف ہے کہ ایک کے گناہ میں دوسرے کو پکڑ لیا جائے۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ ان لوگوں کا یہ کہنا تو غلط اور جھوٹ ہے کہ وہ اٹھائے گناہوں کا بوجھ اٹھا کر تمہیں سبکدوش کر دیں گے، البتہ یہ ضرور ہوگا کہ تمہارا بہکانا اور تمہیں راہ حق سے ہٹانے کی کوشش کرنا خود ایک بڑا گناہ ہے جو ان کے اپنے اعمال کے عذاب کے علاوہ ان پر لا دیا جائے گا۔ اس طرح ان پر اپنے اعمال کا بھی وبال ہوگا اور جن کو بہکایا تھا ان کا بھی۔

گناہ کی دعوت دینے والا بھی | اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی دوسرے کو گناہ میں مبتلا کرنے کی تحریک کرے یا گناہ میں اس کی مدد کرے وہ بھی ایسا ہی مجرم ہے جیسا یہ گناہ کرنے والا۔ ایک حدیث جو حضرت ابو ہریرہؓ اور انس بن مالکؓ سے روایت کی گئی ہے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ جو شخص ہدایت کی طرف لوگوں کو دعوت دے تو جتنے لوگ اس کی دعوت کی وجہ سے ہدایت پر عمل کریں گے ان سب کے عمل کا ثواب اس داعی کے نامہ اعمال میں بھی لکھا جائے گا، بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔ اور جو شخص کسی گمراہی اور گناہ کی طرف دعوت دے تو جتنے لوگ اس کے کہنے سے اس گمراہی میں مبتلا ہوں گے ان سب کا گناہ اور وبال اس شخص پر بھی پڑے گا بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے وبال و عذاب میں کوئی کمی ہو۔ (مسلم عن ابی ہریرہ و ابن ماجہ عن انس، قرطبی)۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا

اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کے پاس پھر رہا ان میں ہزار برس

خَمْسِيْنَ عَامًا فَآخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُوْنَ ﴿۱۳﴾ فَانْجَيْنَاهُ

برس کم پھر پکڑا ان کو طوفان نے اور وہ گنہگار تھے، پھر بچا دیا ہم نے اس کو



وَأَصْحَابُ السِّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ ۝۱۵ وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ

اور جہاز والوں کو اور رکھا ہم نے جہاز کو نشانی جہان والوں کے واسطے، اور ابراہیم کو جب کہا

لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝۱۶

اس نے اپنی قوم کو بندگی کرو اللہ کی اور ڈرتے رہو اس کے یہ بہتر ہو تمہارے حق میں اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا إِنَّ

تم تو پوجتے ہو اللہ کے سوائے یہی بتوں کے تمہان اور بناتے ہو جھوٹی باتیں، بے شک

الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا

جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے وہ مالک نہیں تمہاری روزی کے

فَاتَّبِعُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ

سو تم ڈھونڈو اللہ کے یہاں روزی اور اس کی بندگی کرو اور اس کا حق مانو اسی کی طرف

تَرْجِعُونَ ۝۱۷ وَإِنْ تُكَذِّبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّن قَبْلِكُمْ

پھر جاؤ گے۔ اور اگر تم جھٹلاؤ گے تو جھٹلا چکے ہیں بہت فرقتے تم سے پہلے،

وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝۱۸

اور رسول کا ذمہ تو بس یہی ہے پیغام پہنچا دینا کھول کر۔

## خلاصہ تفسیر

اور ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف رہنمائی بنا کر، بھیجا سو وہ ان میں پچاس سال کم ایک ہزار برس رہے اور قوم کو سمجھاتے رہے پھر جب اس پر بھی وہ لوگ ایمان نہ لائے تو، ان کو طوفان نے آدیا اور وہ بڑے ظالم لوگ تھے کہ اتنی مدت دراز کی فہمائش سے بھی متاثر نہ ہوئے، پھر اس طوفان آنے کے بعد، ہم نے ان کو اور کشتی والوں کو، حوان کے ساتھ سوار کیا، اس طوفان سے بچا لیا اور ہم نے اس واقعہ کو تمام جہان والوں کے لئے (جن کو تواتر کے ساتھ خبر پہنچی) موجب عبرت بنایا کہ غور کر کے سمجھ سکتے ہیں کہ مخالفت حق کا کیا انجام ہے اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو رہنمائی بنا کر، بھیجا جبکہ انھوں نے اپنی قوم سے (جو کہ بت پرست تھے) فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور ڈر کر شرک چھوڑ دو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے



اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو (بخلاف طریقہ شرک کے کہ محض بدقونی ہی کیونکہ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر محض بتوں کو (جو بالکل عاجز اور ناکارہ ہیں) پوج رہے ہو اور (اس کے متعلق) جھوٹی باتیں تراشتے ہو، کہ ان سے ہماری روزی روزگار کی کار بر آری ہوتی ہے، اور یہ محض جھوٹ ہی، کیونکہ تم خدا کو چھوڑ کر جن کو پوج رہے ہو وہ تم کو کچھ بھی رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے، سو تم لوگ رزق خدا کے پاس سے تلاش کرو، (یعنی اس سے مانگو، مالکِ رزق وہی ہے) اور (جب مالکِ رزق وہی ہو تو) اسی کی عبادت کرو اور (چونکہ پچھلا رزق بھی اسی کا دیا ہوا ہے تو) اسی کا شکر کرو (ایک تو سبب و جوہر عبادت کا یہ ہو کہ وہ مالکِ نفع کا ہے) اور (دوسرا سبب یہ ہو کہ وہ مالکِ ضرر کا بھی ہو چنانچہ) تم سب کو اسی کی طرف لوٹ جانا ہے (اس وقت کفر پر تم کو سزا دے گا) اور اگر تم (ان باتوں میں) مجھ کو جھوٹا سمجھو تو یاد رکھو کہ میرا کوئی ضرر نہیں، تم سے پہلے بھی بہت سی امتیں (اپنے پیغمبروں کو) جھوٹا سمجھ چکی ہیں مگر ان پیغمبروں کا کوئی ضرر نہیں ہوا، اور (وہ) اس کی یہ ہو کہ پیغمبر کے ذمہ تو صرف (بات کا) صاف طور پر پہنچا دینا ہے (منوانا اس کا کام نہیں پس سب انبیاء تبلیغ کے بعد سبکدوش ہو گئے، اسی طرح میں بھی، پس ہم کو کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ البتہ ماننا تھا اے ذمہ واجب تھا اس کے ترک سے تمھارا ضرر ضرور ہوا)۔

## معارف و مسائل

سابقہ آیات میں کفار کی مخالفت اور ان کی ایذاؤں کا بیان تھا جو مسلمانوں کو پہنچتی رہتی ہیں۔ آیاتِ صدر میں اس طرح کے واقعات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کے کچھ حالات کا بیان ہے کہ قریب سے یہ سلسلہ اہل ہدایت کو کفار کی طرف سے ایذاؤں کا جاری ہے۔ مگر ان تکلیفوں کی وجہ سے انھوں نے کبھی ہمت نہیں ہاری، اس لئے آپ بھی ایذا و کفار کی پردہ نہ کریں، اپنے فریقین رسالت کی ادائیگی میں مضبوطی سے کام کرتے رہیں۔ انبیاء سابقین میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا، اڈل تو اس وجہ سے کہ وہ ہی سب سے پہلے پیغمبر ہیں جن کو کفر و شرک کا مقابلہ کرنا پڑا۔ دوسرے اس لئے بھی کہ جتنی ایذا میں اپنی قوم سے ان کو پہنچی وہ کسی دوسرے پیغمبر کو نہیں پہنچی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عمر طویل دینے کا خصوصی امتیاز عطا فرمایا، اور ساری عمر کفار کی ایذاؤں میں بسر ہوئی۔ ان کی عمر قرآن کریم میں جو نو سو پچاس سال مذکور ہے، وہ تو قطعی اور یقینی ہے ہی، بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ یہ عمر زمانہ تبلیغ و دعوت کی ہے اور اس سے پہلے اور طوفان کے بعد مزید عمر کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم



بہر حال اتنی غیر معمولی طویل عمر مسلسل دعوت و تبلیغ میں صرف کرنا اور ہر تبلیغ و دعوت کے وقت کفار کی طرف سے طرح طرح کی ایذائیں مار پیٹ اور گلا گھونٹنے کی سہتے رہنا اور ان سب کے باوجود کسی وقت ہمت نہ ہارنا یہ سب خصوصیات حضرت نوح علیہ السلام کی ہیں۔  
 دوسرا قصہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا جو بڑے بڑے سخت امتحانات گزرے ہیں۔ آتش مزور، پھر ملک شام سے ہجرت کر کے ایک بنو دوق جنگل بے آب گیاہ کا قیام، پھر صاحبزادے کے ذبح کرنے کا واقعہ وغیرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے قصہ کے ضمن میں حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کی امت کے واقعات اور آخر سورۃ تک دوسرے بعض انبیاء اور ان کی سرکش امتوں کے حالات کا سلسلہ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت محمدیہ کی تسلی کے لئے اور ان کو دین کے کام پر ثابت قدم رکھنے کے لئے بیان ہوا ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَىٰ

کیا دیکھتے نہیں کیوں کر شروع کرتا ہے اللہ پیدائش کو پھر اس کو دہرائے گا، یہ اللہ پر آسان

اللَّهُ يَسِيرٌ ۙ ۱۹ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ

ہے، تو کہہ ملک میں پھر پھر دیکھو کیوں کر شروع کیا ہے پیدائش

الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

کو پھر اللہ اٹھائے گا پھلا اٹھان ا بے شک اللہ ہر چیز کر سکتا

قَدِيرٌ ۙ ۲۰ يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَن يَشَاءُ ۚ وَإِلَيْهِ

ہے، دکھ دے گا جسکو چاہے اور رحم کرے گا جس پر چاہے، اور اسی کی طرف پھر

تَقْلَبُونَ ۙ ۲۱ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۚ

جائزے، اور تم عاجز کرنے والے نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں،

وَمَا لَكُمْ مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۙ ۲۲ وَالَّذِينَ

اور کوئی نہیں تمہارا اللہ سے ورے حمایت اور نہ مددگار، اور جو لوگ

كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَكُونُونَ مِنْ رَّحْمَتِي

منکر ہوتے اللہ کی باتوں سے اور اس کے ملتے سے وہ ناامید ہوتے میری رحمت سے



وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۳﴾

اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

## خُلاصۂ تفسیر

کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مخلوق کو اول بار پیدا کرتا ہے، (عدم محض سے وجود میں لاتا ہے) پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا، یہ اللہ کے نزدیک بہت ہی آسان بات ہے بلکہ ابتدائی نظریں دوبارہ پیدا کرنا اول آفرینش سے زیادہ سہل ہی، گو قدرت ذاتیہ کے اعتبار سے دونوں مساوی ہیں، اور یہ لوگ امر اول یعنی اللہ تعالیٰ کے خالق کائنات ہونے کا تو اعتراف کرتے تھے، لقولہ تعالیٰ وَتِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ الَّتِي تَعْلَمُ أَنَّهَا سَاءَ لِمَنْ يَكْفُرُ بِآيَاتِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ مُبْهِمًا لِّلْكَافِرِينَ (۲۲) اور امر ثانی یعنی دوبارہ پیدا کرنا اسی کے مماثل ہی، اس کا داخل قدرت ہونا اور زیادہ واضح ہے، اس لئے آدَمْ یَرَدُّ اِسَّیْءًا (۲۱) سے بھی متعلق ہو سکتا ہے اور زیادہ اہتمام کے لئے آگے پھر یہی مضمون قدرے تفاوت عنوان سے سنانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہیں کہ (آپ (ان لوگوں سے) کہئے کہ تم لوگ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے مخلوق کو کس طور پر اول بار پیدا کیا ہے، پھر اللہ کبھی بار بھی پیدا کرے گا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے (پہلے عنوان میں ایک عقلی استدلال ہے اور دوسرے عنوان میں حسی، جس کا تعلق احوال کائنات کے مشاہدہ سے ہے، یہ تو قیامت کا اثبات تھا آگے جزاء کا بیان ہے کہ بعد بعثت کے) جس کو چاہے گا عذاب دے گا (یعنی جو اس کا مستحق ہوگا) اور جس پر چاہے رحمت فرمادے گا، یعنی جو اس کا اہل ہوگا، اور اس تعذیب و رحمت میں اور کسی کا دخل نہ ہوگا، کیونکہ) تم سب اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے، (نہ کہ اور کسی کے پاس) اور اس کی تعذیب سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے) تم زمین میں (چھپ کر خدا کو) ہراسکتے ہو کہ اس کے ہاتھ نہ آؤ، اور نہ آسمان میں (اڑ کر) اور نہ خدا کے سوا بھارا کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی مددگار (پس نہ اپنی تدبیر سے بچ سکے نہ دوسرے کی حمایت سے) اور (اوپر جو ہم نے کہا تھا یُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ، اب قاعدہ کلیہ سے اس کا مصداق بتلاتے ہیں کہ) جو لوگ خدا تعالیٰ کی آیتوں کے اور (بالخصوص) اس کے سامنے جانے کے منکر ہیں وہ لوگ (قیامت میں) میری رحمت سے ناامید ہوں گے (یعنی اس وقت مشاہدہ ہو جائے گا کہ ہم محل رحمت نہیں ہیں) اور یہی ہیں جن کو عذاب دردناک ہوگا۔



فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنْجَاهُ

پھر کچھ جواب نہ تھا اس کی قوم کا گمراہی کہ بولے اس کو مار ڈالو یا جلادو پھر اس کو بچا دیا،

اللَّهُ مِنَ النَّاسِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۲۳﴾ وَقَالَ

اللہ نے آگ سے اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو یقین لاتے ہیں، اور ابراہیم بولا

إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ

جو ٹھہرائے تم نے اللہ کے سوائے بتوں کے تمہان سودوستی کر کر آپس میں دنیا کی زندگانی

الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ

میں، پھر دن قیامت کے منکر ہو جاؤ گے ایک سے ایک اور لعنت کر دے گے

بَعْضُكُم بَعْضًا زَوَّامُكُمْ النَّاسُ وَمَا لَكُم مِّن نَّصِيرِينَ ﴿۲۵﴾

ایک کو ایک، اور ٹھکانا تمہارا آگ ہے اور کوئی نہیں تمہارا مددگار

فَأَمَّنَ لَهُ لُوطٌ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ

پھر امن لیا اس کو لوط نے اور وہ بولا میں تو دھن چھوڑتا ہوں اپنے رب کی طرف بیشک وہی عزیز

الْحَكِيمُ ﴿۲۶﴾ وَهَبْنَا لِيَسْحَقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ

حکمت والا، اور دیا ہم نے اس کو اسحق اور یعقوب اور رکھ دی اس کی اولاد میں

النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّا فِي

پیغمبری اور کتاب اور دیا ہم نے اس کو اس کا ثواب دنیا میں، اور وہ

الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۲۷﴾

آخرت میں البتہ نیکوں سے ہے۔

## خُلاصۂ تفسیر

سورۃ ابراہیم علیہ السلام کی اس تقریر و پذیر کے بعد، ان کی قوم کا آخری جواب  
ہے یہ تھا کہ آپس میں کہنے لگے کہ ان کو یا تو قتل کر ڈالو یا ان کو جلادو در چنانچہ جلانے کا سامان  
کیا، سو اللہ نے ان کو اس آگ سے بچا لیا جس کا قصہ سورۃ انبیاء میں گزر چکا ہے۔



بیشک اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے جو کہ ایمان رکھتے ہیں کئی نشانیاں ہیں یعنی یہ واقعہ کئی چیزوں کی دلیل ہے، اللہ کا قادر ہونا، ابراہیم علیہ السلام کا نبی ہونا، کفر و شرک کا باطل ہونا اس لئے یہ ایک ہی دلیل متعدد دلائل کے قائم مقام ہو گئی، اور ابراہیم (علیہ السلام) نے (و عطا میں یہ بھی) فرمایا کہ تم نے جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو (معبود) تجویز کر رکھا ہے، بس یہ تمہارے باہمی دنیا کے تعلقات کی وجہ سے ہے چنانچہ مشاہدہ ہے کہ اکثر آدمی اپنے تعلقات اور دوستی اور رشتہ داروں کے طریق پر رہتا ہے اور اس وجہ سے حق بات میں غور نہیں کرتا، اور حق کو سمجھ کر بھی ڈرتا ہے کہ سب دوست اور رشتہ دار چھوٹ جا دیں گے، پھر قیامت میں (تمہارا یہ حال ہو گا کہ) تم میں ایک دوسرے کا مخالف ہو جائے گا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا، (جیسا کہ سورۃ اعراف میں ہو لَعَنَتْ اٰخِثَہَا اور سورۃ سباء میں ہے یَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ اِلَیَّ وَلِیَّ اور سورۃ یقرہ میں ہے اِذْ تَبَرَّآ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوا الْاِلٰہَ خَلَاصَہِ یہ ہے کہ آج جن احباب واقارب کی وجہ سے تم مگر اسی کو اختیار کئے ہوئے ہو قیامت کے روز یہی احباب تمہارے دشمن بن جائیں گے) اور اگر تم اس بت پرستی سے باز نہ آئے تو تمہارا ٹھکانا دوزخ ہو گا اور تمہارا کوئی حمایتی نہ ہو گا سو رات دن وعظ و پسند پر بھی انکی قوم نے نہ مانا، صرت لوط (علیہ السلام) نے انکی تصدیق فرمائی اور ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میں تم لوگوں میں نہیں رہتا، بلکہ اپنے پروردگار کی رہنمائی ہوئی جگہ کی طرف ترک وطن کر کے چلا جاؤں گا بیشک وہ زبردست حکمت والا ہے (وہ میری حفاظت کرے گا اور مجھ کو اس کا شکر دے گا) اور ہم نے (ہجرت کے بعد) ان کو اسحق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) عنایت فرمایا اور ہم نے ان کی نسل میں نبوت اور کتاب کے سلسلہ کو قائم رکھا اور ہم نے ان کا صلہ ان کو دنیا میں بھی دیا اور آخرت میں بھی (بڑے درجہ کے) نیک بندوں میں ہوں گے اس صلہ میں مراد قرب و قبول ہے، بقولہ تعالیٰ فِی ابْصَرَةِ لَقَدْ اصْطَفٰیْنَاہُ فِی الدُّنْیَا الْاِلَہَ)۔

## معارف و مسائل

فَاَمِّنْ لَّہٗ لَوْ طَوَّ قَالَ اِنِّیْ مُہَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ، حضرت لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھانجے تھے، آتش نمرود میں ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر سب سے پہلے انہوں نے تصدیق کی۔ یاد رہے آپ کی اہلیہ حضرت سارہ جو آپ کی چچا زاد بہن بھی تھیں اور سلمان ہو چکی تھیں ان دونوں کو ساتھ لے کر ابراہیم علیہ السلام نے وطن سے ہجرت کا ارادہ کیا، ان کا وطن مقام کوٹا تھا، جو کوفہ کی ایک بستی ہے، اور فرمایا اِنِّیْ مُہَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ، یعنی میں وطن کو چھوڑ کر اپنے رب کی طرف جاتا ہوں۔ مراد یہ ہے کہ کسی ایسے مقام کی طرف جاؤں گا جہاں رب کی عبادت میں رکاوٹ نہ ہوگی۔



حضرت نخعی اور قتادہ نے اپنی مہاجر کا قائل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد وَهَبْنَاكَ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ تَوْفِيقَنَا ہنی کا حال ہے، اور بعض حضرات مفسرین نے اپنی مہاجر کو حضرت لوط علیہ السلام کا قول قرار دیا ہے، خلاصہ تفسیر کا ترجمہ اسی کے مطابق ہے، مگر سیاق کلام سے پہلی تفسیر راجح معلوم ہوتی ہے، اور حضرت لوط علیہ السلام بھی اگرچہ اس ہجرت میں شریک ضرور تھے مگر جیسا حضرت سارہ کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تابع تھیں اسی طرح لوط علیہ السلام کی ہجرت کا ذکر مستقلاً نہ ہونا کچھ بعید نہیں۔

دنیا میں سب پہلی ہجرت حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے پیغمبر ہیں جن کو دین کے لئے ترک وطن اور ہجرت اختیار کرنا پڑی، ان کی یہ ہجرت پچھتر سال کی عمر میں ہوئی یہ سب بیانی قرطبی سے لیا گیا ہے۔

بعض اعمال کی جزاء دنیا وَأَتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا، یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی اللہ کی راہ میں بھی مل جاتی ہے، میں شرابیوں اور دوسرے اعمال صالحہ کی جزاء دنیا میں بھی دیدی کہ ان کو

تمام مخلوق میں مقبول امام بنادیا، یہودی، نصرانی، بت پرست سبھی ان کی عزت کرتے ہیں، اور اپنا مقتدا مانتے ہیں، اور آخرت میں وہ صالحین اہل جنت میں سے ہوں گے اس سے معلوم ہوا کہ اعمال کی اصل

جزاء تو آخرت میں ملے گی مگر اس کا کچھ حصہ دنیا میں بھی نقد دیا جاتا ہے، جیسا کہ احادیث معتبرہ میں بہت سے اچھے اعمال کے دنیوی فوائد اور برے اعمال کے دنیوی مفساد کا بیان آیا ہے، ایسے اعمال

کو سیدی حضرت حکیم الامت نے ایک مستقل رسالہ جزاء الاعمال میں جمع فرما دیا ہے۔

وَلَوْ طَآءَ قَالَ لِقَوْمِيۤ اِنَّكُمْ لَتَاۡتُوْنَ الْفَاحِشَةَۤ مَا سَبَقَكُمْ

اور بھلا لوط کو جب کہا اپنی قوم کو تم آتے ہو بیچائی کے کام پر تم سے پہلے نہیں کیا

يَكْهٰمِنْۢ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۸ اِنَّكُمْ لَتَاۡتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ

وہ کسی نے جہان میں، کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر اور تم راہ

السَّبِيْلِ ۚ وَتَاۡتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمْ الْمُنْكَرَۤ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِيۤۤ

مارتے ہو اور کرتے ہو اپنی مجلس میں برا کام، پھر کچھ جواب نہ تھا اس کی قوم کا

اِلَّا اَنْ قَالُوْا اَتَيْنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۲۹

مگر یہی کہ بولے آہم پر عذاب اللہ کا اگر تو ہے سچا،



قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ۝۳۱ وَلَمَّا جَاءَتْ

بولالے رب میری مدد کر ان شریر لوگوں پر، اور جب پہنچے ہمارے

رُسُلُنَا اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا اِنَّا هُمْ لَكُمْ اَهْلٌ هٰذِهِ الْقَرْيَۃُ

بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر، بولے ہم کو غارت کرنا ہے اس بستی والوں کو

اِنَّ اَهْلَهَا كَالظٰلِمِيْنَ ۝۳۲ قَالَ اِنْ فِيْهَا لَوْطًا قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ

بیشک اس بستی کے لوگ ہر گز ہیں گنہگار، بولا اس میں تو لوط بھی ہو وہ بولے ہم کو خوب معلوم ہے

بِمَنْ فِيْهَا دَقُّ لَنُنَجِّيَنَّهُ وَاَهْلَهُ اِلَّا اَمْرًا نَّهٗ ۝۳۳ كَاٰنَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ

جو کوئی اس میں ہے ہم بچالیں گے اس کو اور اس کے گھر والوں کو مگر اس کی عورت کو رہے گی رہ جانے والوں میں

وَلَمَّا اَنَّ جَاۤءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِىِّئَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذُرْعًاوَقَالُوْا

اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس ناخوش ہوا ان کو دیکھ کر اور تنگ ہوا دل میں اور وہ بولے

لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنْجُوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا اَمْرًا نَّكَ

مت ڈر اور غم نہ کھا، ہم بچائیں گے تجھ کو اور تیرے گھر کو مگر عورت تیری

كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝۳۴ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَۃِ

رہ گئی رہ جانے والوں میں، ہم کو اتارنی ہے اس بستی والوں پر

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝۳۵ وَلَقَدْ تَرَكْنٰ مِّنْهَا

ایک آفت آسمان سے اس بات پر کہ وہ نافرمان ہو رہے تھے، اور چھوڑ رکھا ہم نے اس کا نشان

اٰیۃً بَیِّنَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ ۝۳۵

نظر آتا ہوا سمجھ دار لوگوں کے واسطے،

## خُلاصۃ تفسیر

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا

کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو کہ تم سے پہلے کسی نے دنیا جہان والوں میں نہیں کیا

کیا تم مردوں سے بُرا فعل کرتے ہو، (وہ بے حیائی کا کام بھی ہے) اور اس کے علاوہ دوسری



۱۰ معقول حرکتیں بھی کرتے ہو، مثلاً یہ کہ تم ڈاکہ ڈالتے ہو رکذا فی الدر عن ابن زید) اور غضب یہ ہو کہ اپنی بھری مجلس میں نامعقول حرکت کرتے ہو (اور معصیت کا اعلان یہ خود ایک معصیت و قبح عقلی ہے) سوان کی قوم کا (آخری) جواب بس یہ تھا کہ ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ اگر تم (اس بات میں) سچے ہو کہ یہ افعال موجب عذاب ہیں، لوط (علیہ السلام) نے دعاء کی کہ اے میرے رب مجھ کو ان مفسد لوگوں پر غالب (اور ان کو عذاب سے ہلاک) کر دے اور ان کی دعا قبول ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے عذاب کی خبر دینے کے لئے فرشتے معین فرمائے۔ اور دوسرا کام ان فرشتوں کو یہ بتلایا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اسحق علیہ السلام کے تولد کی بشارت دیں چنانچہ (ہمارے) (وہ) بھیجے ہوئے فرشتے جب ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس ران کے فرزند اسحق کے تولد کی بشارت لے کر آئے تو رانائے گفتگو میں جس کا مفصل بیان دوسرے موقع پر ہے قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ان فرشتوں نے (ابراہیم علیہ السلام سے) کہا کہ ہم اس بستی والوں (جس میں قوم لوط آباد ہے) ہلاک کرنے والے ہیں (کیونکہ) وہاں کے باشندے بڑے شریر ہیں، ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ وہاں تو لوط (علیہ السلام) بھی موجود ہیں (وہاں عذاب نہ بھیجا جائے کہ ان کو گزند پہنچے گا) فرشتوں نے کہا کہ جو وہاں رہتے ہیں ہم کو سب معلوم ہیں ہم ان کو اور ان کے خاص متعلقین کو یعنی ان کے خاندان والوں کو اور جو مؤمن ہوں اس غذا سے بچالیں گے اس طرح سے کہ نزول عذاب کے قبل ان کو بستی سے باہر نکال لے جائیں گے) بجز ان کی بی بی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں سے ہوگی جس کا ذکر سورۃ ہود اور سورۃ حجر میں گذر چکا ہے، یہ گفتگو تو ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی، اور پھر وہاں سے فارغ ہو کر جب ہمارے وہ فرستادے لوط (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو لوط (علیہ السلام) ان (رکے آنے) کی وجہ سے (اس لئے) مغموم ہوئے کہ وہ بہت حسین جوانوں کی شکل میں آئے تھے اور لوط علیہ السلام نے ان کو آدمی سمجھا اور اپنی قوم کی نامعقول حرکت کا خیال آیا، اور (اس وجہ سے) ان (رکے آنے) کے سبب تنگ دل ہوئے اور (فرشتوں نے جو یہ حال دیکھا تو) وہ فرشتے کہنے لگے (آپ کسی بات کا) اندیشہ نہ کریں اور نہ مغموم ہوں (ہم آدمی نہیں ہیں بلکہ عذاب کے فرشتے ہیں، بقولہ تعالیٰ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ اور اس عذاب سے) ہم آپ کو اور آپ کے خاص متعلقین کو بچالیں گے بجز آپ کی بی بی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں ہوگی (اور آپ کو مع متعلقین کے اس سے بچا کر) ہم اس بستی کے (بقیہ) باشندوں پر ایک آسمانی عذاب (یعنی اسباب طبعیہ غیر ارغیہ سے) ان کی بدکاریوں کی سزائیں نازل کرنے والے ہیں (چنانچہ وہ بستی اُلٹ دی گئی، اور غیبی پتھروں سے سنگباری کی گئی،



اور ہم نے اس بستی کے کچھ ظاہر نشان راب تک رہنے دیئے ہیں ان لوگوں کی عبرت کے لئے جو عقل رکھتے ہیں چنانچہ اہل مکہ سفر شام میں ان دیران مقامات کو دیکھتے تھے اور جو اہل عقل تھے وہ منتفع بھی ہوتے تھے کہ ڈر کر ایمان لے آتے تھے۔

## معارف و مسائل

وَلَوْ طَآءُ أَذَقَالَ لِقَوْمِهِ إِتَكُمُ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ، اس جگہ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کے تین سخت گناہوں کا ذکر کیا ہے، اول مرد کی مرد کے ساتھ بد فعلی، دوسرے قطع طریق یعنی مسافروں پر ڈاکہ زنی، تیسرے اپنی مجلسوں میں اعلانیاً سب کے سامنے گناہ کرنا۔ قرآن کریم نے اس تیسرے گناہ کی تعین نہیں فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ ہر گناہ جو اپنی ذات میں گناہ ہے اگر اس کو علانیہ بے پردائی سے کیا جائے تو یہ دوسرا مستقل گناہ ہو جاتا ہے وہ کوئی بھی گناہ ہو، بعض ائمہ تفسیر نے اس جگہ ان گناہوں کو شمار کیا ہے جو یہ بے حیا اپنی مجلسوں میں سب کے سامنے کیا کرتے تھے، مثلاً رستہ چلتے لوگوں کو پتھر مارنا اور ان کا ہتھرا کرنا جیسا کہ ائمہ ہانی رحمہ کی ایک حدیث میں اس کا ذکر ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جو بے حیائی ان کی مشہور تھی اس کو وہ کہیں چھپ کر نہیں کھلی مجلسوں میں ایک دوسرے کے سامنے کرتے تھے۔  
العیاذ باللہ۔

جن تین گناہوں کا اس آیت میں ذکر ہے ان سب میں اشد پہلا گناہ ہے، جو ان سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا تھا، اور جنگل کے جانور بھی اس سے پرہیز کرتے ہیں۔ باتفاق آیت یہ گناہ زنا سے زیادہ شدید ہے (کذابی الروح)

وَالِی مَدَیْنِ أَخَاهُمُ شُعَیْبًا فَقَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَ

اور بھیجا مدین کے پاس اس کے بھائی شعیب کو پھر بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی اور

اَسْجُوا الْیَوْمَ الْآخِرَ وَلَا تَعْشَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝ (۳۶)

تو جمع رکھو پچھلے دن کی اور مت پھر زمین میں خرابی مچاتے،

فَكَذَّبُوهُ فَآخَذَ تَحْتَهُمُ الرَّجْفَةُ فَاصْبَحُوا فِی دَارِهِمْ

پھر اس کو جھٹلایا تو پکڑ لیا ان کو زلزلہ نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں



جُثِمِينَ ﴿۳۷﴾ وَعَادًا وَثَمُودًا وَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُم مِّن مَّسْكِنِهِمُ الْفَخْرُ

اور اندھے پڑے ، اور ہلاک کیا عاد کو اور ثمود کو اور تم پر حال کھل چکا ہے ان کے گھروں سے

وَنَرَيْنَا لَهُمُ الشَّيْطَانَ أَعْمَا لَهُمْ فَصَدَّ هُم عَنِ السَّبِيلِ وَ

اور فریقہ کیا ان کو شیطان نے ان کے کاموں پر پھر روک دیا ان کو راہ سے اور

كَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ﴿۳۸﴾ وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ تَفْ وَلَقَدْ

وہ تھے ہوشیار ، اور ہلاک کیا قارون اور فرعون اور ہامان کو اور ان کے

جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا

پاس پہنچا موسیٰ کھلی نشانیاں لے کر ، پھر بڑائی کرنے لگے ملک میں اور نہیں تھے

سَابِقِينَ ﴿۳۹﴾ فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذُنُوبِهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ أَمْرًا سَلْنَا عَلَيْهِ

ہم سے جیت جانے والے ، پھر سب کو پکڑا ہم نے اپنے اپنے گناہ پر ، پھر کوئی تھا کہ اس پر ہم نے بھیجا

حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَّنْ أَخَذْنَا الصَّيْحَةَ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَفْنَا

پتھر اڑھوا سے اور کوئی تھا کہ اس کو پکڑا چنگھاڑنے ، اور کوئی تھا کہ اس کو دھنسا دیا

بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَّنْ أَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ

ہم نے زمین میں ، اور کوئی تھا کہ اس کو ڈبا دیا ہم نے ، اور اللہ ایسا نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرے

وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۴۰﴾ مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا

پر تھے وہ اپنا آپ ہی بُرا کرتے ، مثال ان لوگوں کی جنہوں نے پجڑے اللہ

مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنَكَبُوتِ مِمَّا اتَّخَذَتْ

کو چھوڑ کر اور حمایتی جیسے مکڑی کی مثال بنا لیا اس نے ایک

بَيْتًا وَإِنْ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتٌ الْعَنَكَبُوتِ لَوْ كَانُوا

گھر اور سب گھروں میں بودا سو مکڑی کا گھر اگر ان کو

يَعْلَمُونَ ﴿۴۱﴾ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مِنْ

سمجھ ہوتی ، اللہ جانتا ہے جس جس کو وہ پکارتے ہیں اس کے سوائے کوئی



نَشِئَتْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۴۲﴾ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لَضَرِبُهَا

چیز ہو، اور وہ زبردست و حکمتوں والا، اور یہ مثالیں بٹھلاتے ہیں ہم لوگوں کے

لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يُعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴿۴۳﴾ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ

داسطے اور ان کو سمجھتے وہی ہیں جن کو سمجھ ہے، اللہ نے بنائے آسمان

وَالْأَرْضِ ۚ بِالْحَقِّ طَارَتْ فِي ذَلِكَ لَآيَةً

اور زمین جیسے چائیں، اس میں نشانی ہے یقین لانے

لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۴﴾

دلوں کے لئے -

## خُلاصۂ تفسیر

اور مدین والوں کے پاس ہم نے ان کی برادری کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا سوا انھوں نے فرمایا کہ اے میری قوم اللہ کی عبارت کرو (اور شرک چھوڑ دو) اور روز قیامت سے ڈرو اور اس کے انکار سے باز آؤ، اور سر زمین میں فساد مت پھیلاؤ، یعنی حقوق اللہ و حقوق العباد کو ضائع مت کرو، کیونکہ یہ لوگ کفر و شرک کے ساتھ کم ناپز کم تولنے کے بھی خوگر تھے، جس سے فساد پھیلنا ظاہر ہے) سوان لوگوں نے شعیب (علیہ السلام) کو جھٹلایا پس زلزلہ نے ان کو آ پکڑا، پھر وہ اپنے گھروں میں گھر کر رہ گئے۔ اور ہم نے عادیثود کو بھی (ان کے عناد و خلافت کی وجہ سے) ہلاک کیا، اور یہ ہلاک ہونا تم کو ان کے رہنے کے مقامات سے نظر آ رہا ہے کہ ان کی دیران بستیوں کے کھنڈرات ملکِ شام کو جاتے ہوئے تمہارے راستے پر ملتے ہیں، اور حالت ان کی یہ تھی کہ شیطان نے ان کے اعمال (بد) کو ان کی نظریں مستحسن کر رکھا تھا اور (اس ذریعہ سے) ان کو راہِ (حق) سے روک رکھا تھا اور وہ لوگ (دیسے) ہوشیار تھے (مجنون و بیوقوف نہ تھے، مگر اس جگہ انھوں نے اپنی عقل سے کام لیا، اور ہم نے قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی (ان کے کفر کے سبب) ہلاک کیا اور ان (تینوں) کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) کھلی دیلیس (حق کی) لے کر آئے تھے، پھر ان لوگوں نے زمین میں سرکشی کی اور ہمارے (ہذا بے) بھاگ نہ سکے تو ہم نے (ان پانچوں میں سے) ہر ایک کو اس کے گناہ کی سزا میں پکڑ لیا، سوان میں بعضوں پر تو ہم نے سخت ہوا بھیجی (مراد اس قوم عادیثود)



اور ان میں بعضوں کو ہولناک آواز نے آدبا یا مراد اس سے قوم ثمود ہے، لقولہ تعالیٰ فی سورۃ ہود: وَ أَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ اور ان میں بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا مراد اس سے قارون ہے، اور ان میں بعض کو ہم نے (پانی میں) ڈبو دیا مراد اس سے فرعون و ہامان ہے) اور ان لوگوں پر جو عذاب نازل ہوئے تو اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، یعنی بلا وجہ سزا دیتا جو ظاہراً مشابہ ظلم کے ہے مگر واقع میں بوجہ اپنی ملک میں تصرف کرنے کے یہ بھی ظلم نہ تھا، لیکن یہی لوگ (شرارتیں کر کے) اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے کہ اپنے کو مستحق عذاب بنایا، اور غارت ہوئے تو اپنا ضرر خود کیا، جن لوگوں نے خدا کے سوا اور کارساز بخویش کر رکھے ہیں ان لوگوں کی مکرڑی کی سی مثال ہے جس نے ایک گھر بنایا اور کچھ شک نہیں کہ سب گھروں میں زیادہ بودا مکرڑی کا گھر ہوتا ہے، (پس جیسا اس مکرڑی نے اپنے زعم میں ایک اپنی جائے پناہ بنائی ہے، مگر واقع میں وہ پناہ انتہائی کمزور ہونے کے سبب کالعدم ہے، اسی طرح یہ مشرک لوگ معبوداتِ باطلہ کو اپنے زعم میں اپنی پناہ سمجھتے ہیں، مگر واقع میں وہ پناہ کچھ نہیں ہے) اگر وہ (حقیقتِ حال کو) جانتے تو ایسا نہ کرتے، یعنی شرک نہ کرتے، لیکن وہ نہ جانتے تو کیا ہوا، اللہ تعالیٰ (تو) ان سب چیزوں کی حقیقت اور ضعف کو جانتا ہے جس جس کو وہ لوگ خدا کے سوا پوج رہے ہیں (پس وہ چیزیں تو نہایت ضعیف ہیں) اور وہ (خود یعنی اللہ تعالیٰ) زبردست حکمت والا ہے (جس کا حامل قوتِ علمیہ و عملیہ میں کامل ہونا ہے) اور (چونکہ ہم ان چیزوں کی حقیقت کو جانتے ہیں اسی لئے) ہم ان (فترائی) مثالوں کو جس میں سے ایک مثال اس مقام پر مذکور ہے (لوگوں کے سمجھانے کے لئے بیان کرتے ہیں، اور ان مثالوں سے چاہئے تھا کہ ان لوگوں کا جہل علم سے بدل جاتا مگر) ان مثالوں کو بس علم والے ہی سمجھتے ہیں (خواہ بالفعل علم ہوں یا انجام کے اعتبار سے، یعنی علم اور حق کے طالب ہوں اور یہ لوگ عالم بھی نہیں طالب بھی نہیں، اس لئے جہل میں مبتلا رہتے ہیں۔ لیکن ان کے جہل سے حق حق ہی ہے گا جس کو خدا جانتا ہے، اور اپنے بیان سے ظاہر فرماتا ہے، پس غیر اللہ کا مستحق عبادت نہ ہونا تو ثابت ہوا۔ آگے اللہ تعالیٰ کے مستحق عبادت ہونے کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو مناسب طور پر بنایا ہے، (چنانچہ وہ بھی تسلیم کرتے ہیں) ایمان والوں کے لئے اس میں (اس کے استحقاقِ عبادت کی) بڑی دلیل ہے ۛ



## معارف و مسائل

ان آیات میں جن انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کے واقعات اجمالاً بیان کئے گئے ہیں وہ پچھلی سورتوں میں مفصل آچکے ہیں، مثلاً شعیب علیہ السلام کا قصہ سورہ اعراف اور ہود میں، اسی طرح عاد و ثمود کا قصہ بھی اعراف اور ہود میں گزر چکا ہے، اور قارون، نسرعون، ہامان کا قصہ سورہ قصص میں ابھی گزرا ہے۔

وَكَانُوا اٰمُسْتَبْصِرِيْنَ، استبصار سے مشتق ہے، جو بصیرت کے معنی میں ہے، اور مستبصر بمعنی مبصر۔ مراد یہ ہے کہ یہ لوگ جو کفر و شرک پر اصرار کر کے عذاب میں اور ہلاکت میں مبتلا ہوئے کچھ بیوقوف یا دیوانے نہ تھے، دنیا کے کاموں میں بڑے مبصر اور ہوشیار تھے، مگر ان کی عقل اور ہوشیاری اسی مادی دنیا میں مقید ہو کر رہ گئی۔ یہ نہ پہچان سکے کہ نیک و بد کی جزاء و سزا کا کوئی دن آنا چاہیے، جس میں مکمل انصاف ہو۔ کیونکہ دنیا میں تو اکثر مجرم ظالم دندنا تے پھرتے ہیں اور مظلوم و مصیبت زدہ مجبور ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی انصاف کے دن کا نام قیامت اور آخرت ہے، اس کے معاملہ میں ان کی عقل ماری گئی۔

یہی مضمون سورہ روم میں بھی آگے آنے والا ہے، یَعْلَمُوْنَ ظٰلِمِیْنَ اٰیٰتِ الْحَیٰوٰتِ اَلَّذِیْنَ یَاوَدُّهُمْ عَنِ الْاٰخِرٰتِ ۚ هُمْ غٰفِلُوْنَ، یعنی یہ لوگ دنیاوی زندگی کے کاموں کو تو خوب جانتے ہیں مگر آخرت سے غافل ہیں۔

اور بعض ائمہ تفسیر نے وَكَانُوا اٰمُسْتَبْصِرِيْنَ کے معنی یہ بتلائے کہ یہ لوگ ایمان اور آخرت پر بھی دل میں یقین رکھتے تھے اور اس کا حق ہونا خوب سمجھتے تھے، مگر نبوی اغراض نے ان کو انکار پر مجبور کر رکھا تھا۔

فَاِنَّ اَذٰهْنَ الْبُیُوتِ لَبِیَّتُ الْعَنْکَبُوْتِ، عنکبوت مکڑی کو کہا جاتا ہے، اسکی مختلف قسمیں ہیں۔ بعض ان میں سے زمین میں گھر بناتی ہیں، بظاہر وہ یہاں مراد نہیں، بلکہ مراد وہ مکڑی ہے جو جالا تانتی ہے، اور اس میں حلق رہتی ہے۔ اس جالے کے ذریعہ مکھی کو شکار کرتی ہے، یہ ظاہر ہے کہ جانور دن کی جتنی قسم کے گھونسلے اور گھر معروف ہیں، یہ جالے کے تار ان سب سے زیادہ کمزور ہیں کہ معمولی ہوائے بھی ٹوٹ سکتے ہیں۔ اس آیت میں غیر اللہ کی پرستش کرنے والوں اور ان پر اعتماد کرنے والوں کی مثال مکڑی کے اس جالے سے دی ہے جو کہ نہایت کمزور ہے۔ اسی طرح جو لوگ اللہ کے سوا بتوں پر یا کسی انسان وغیرہ پر بھروسہ کرتے ہیں ان کا بھروسہ ایسا ہی ہے جیسا یہ مکڑی اپنے جالے کے تاروں پر بھروسہ کرتی ہے۔



مسئلہ: مکرپی کو مارنے اور اس کے جلے صاف کر دینے کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض حضرات اس کو پسند نہیں کرتے، کیونکہ یہ جانور بوقت ہجرت غار ثور کے رہانے پر جالاتان دینے کی وجہ سے قابل احترام ہو گیا، جیسا کہ خطیب نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس کے قتل کی ممانعت نقل کی ہے۔ مگر ثعلبی نے اور ابن عطیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ روایت نقل کی ہے طہر و ابیوتکد من تسبیح العنکبوت فان تدرکک یورث الففسا، یعنی مکرپی کے جالوں سے اپنے مکانات کو صاف رکھا کرو، کیونکہ اس کے چھوڑ دینے سے فقر و فاقہ پیدا ہوتا ہے۔ "سندان دونوں روایتوں کی قابل اعتماد نہیں، اور دوسری روایت کی دوسری احادیث سے تائید ہوتی ہے جن میں مکانات اور فناء دار کو صاف رکھنے کا حکم ہے۔

روح المعانی ۱

يَذْكُرُكَ إِلَّا مِثَالُ نَضْرِبٍ مِّنَ النَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْغَلِيْمُونَ، مشرکین کے خداؤ کی کمزوری کی مثال مکرپی کے جلے سے دینے کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ ہم ایسی ایسی واضح مثالوں سے توحید کی حقیقت کا بیان کرتے ہیں، مگر ان مثالوں سے بھی سمجھ بوجھ صرف علمائین ہی حاصل کرتے ہیں، دوسرے لوگ تدبیر اور غور و فکر ہی نہیں کرتے کہ حق ان پر واضح ہو جائے اللہ کے نزدیک امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا کہ عالم دہی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام میں غور و فکر کرے، اور اس کی طاعت پر عمل کرے، اور اس کو ناراض کرنے والے کاموں سے بچے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث کے محض الفاظ سمجھ لینے سے اللہ کے نزدیک کوئی شخص عالم نہیں ہوتا، جب تک قرآن میں تدبیر اور غور و فکر کی عادت نہ ڈالے، اور جب تک کہ اپنے عمل کو قرآن کے مطابق نہ بنائے۔

مسند احمد میں حضرت عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہزار امثال سیکھی ہیں، آبن کثیر اس کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ حضرت عمرو بن عاص کی بہت بڑی فضیلت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مذکورہ میں عالم انہی کو فرمایا ہے جو اللہ و رسول کی بیان کردہ امثال کو سمجھیں۔

اور حضرت عمرو بن مرثد نے فرمایا کہ جب میں قرآن کی کسی آیت پر پہنچتا ہوں جو میری سمجھ میں نہ آئے تو مجھے بڑا غم ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے يَذْكُرُكَ إِلَّا مِثَالُ نَضْرِبٍ مِّنَ النَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْغَلِيْمُونَ (ابن کثیر)



أَتْلُ مَا أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ

تو پڑھ جو اُتری تری طرت کتاب اور قائم رکھ نماز

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ

بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی اور بُری بات سے اور اللہ کی یاد ہے

أَكْبَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ﴿۳۵﴾

سب سے بڑی اور اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو ۔

## خُلاصۂ تفسیر

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آپ رسول ہیں، اس لئے جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے آپ تبلیغ کے واسطے اس کو رُلوگوں کے سامنے پڑھا کیجئے اور تبلیغِ قولی کے ساتھ تبلیغِ عملی بھی کیجئے کہ دین کے کام ان کو عمل کر کے بھی مبتلائیے، خصوصاً نماز کی پابندی رکھئے کیونکہ تمام اعمال میں نماز اعظم عبادت بھی ہے اور اس کے اثرات بھی دور رس ہیں کہ بیشک نماز اپنی وضوح کے اعتبار سے بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روکتی رہتی ہے، یعنی بزبانِ حال کہتی ہے کہ تو جس معبود کی انتہائی تعظیم کر رہا ہے اور اس کی اطاعت کا اقرار کر رہا ہے، فحشاء و مُنکر میں مبتلا ہونا اس کی شان میں بے ادبی ہے، اور اسی طرح نماز کے بسوا جتنے نیک کام ہیں سب پابندی کے لائق ہیں، کیونکہ وہ سب قولاً یا فعلاً اللہ کی یاد ہی ہیں اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے اور اگر تم اللہ کی یاد میں غفلت کرو تو یہ بھی سن لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے جیسا کہ وہ دیکھتا رہے گا۔

## معارف و مسائل

أَتْلُ مَا أُوْحِيَ إِلَيْكَ، سابقہ آیات میں چند انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کا ذکر تھا، جن میں چند بڑے بڑے سرکش کفار اور ان پر طرح طرح کے عذابوں کا بیان تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین امت کے لئے تسلی بھی ہے کہ انبیاء سابقین نے مخالفین کی کیسی کیسی ایذاؤں پر صبر کیا، اور اس کی تلقین بھی کہ تبلیغ و دعوت کے کام میں کسی حال میں ہمت نہیں ہارنا چاہئے۔



اصلاح خلق کا مختصر جامع نسخہ

مذکور الصدر آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت الی اللہ کا ایک مختصر جامع نسخہ بتلایا گیا ہے، جس پر عمل کرنے سے پورے دین پر عمل کرنے کے راستے کھل جاتے ہیں، اور اس کی راہ میں جو رکاوٹیں عادیہ پیش آتی ہیں وہ دور ہو جاتی ہیں، اس نسخہ کے دو جزو ہیں، ایک تلاوتِ قرآن، دوسرے نماز کی اقامت۔ اور اس جگہ اصل مقصود تو یہی ہے کہ لوگوں کو ان دونوں چیزوں کا پابند کیا جائے، لیکن ترغیب و تانکید کے لئے ان دونوں چیزوں کا حکم اولاً خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے، تاکہ امت کو اس پر عمل کرنے کی زیادہ رغبت ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی تعلیم سے ان کو خود عمل کرنا بھی آسان ہو جائے۔

ان میں تلاوتِ قرآن تو سب کاموں کی روح اور اصل بنیاد ہے، اس کے بعد دوسری چیز اقامتِ صلوٰۃ ہے جس کو تمام دوسرے فرائض اور اعمال سے ممتاز کر کے بیان کرنے کی یہ حکمت بھی بیان فرمادی کہ نماز خود اپنی ذات میں بھی بہت بڑی اہم عبادت اور دین کا عمود ہے، اس کے ساتھ اس کا یہ بھی فائدہ ہے کہ جو شخص نماز کی اقامت کر لے تو نماز اس کو فحشاء اور منکر سے روک دیتی ہے۔ فحشاء ہر ایسے بُرے فعل یا قول کو کہا جاتا ہے جس کی بُرائی کھلی ہوئی اور ایسی واضح ہو کہ ہر عقل والا مومن ہو یا کافر اس کو بُرا سمجھے، جیسے زنا، قتل ناحق، چوری، ڈاکہ وغیرہ، اور منکر وہ قول و فعل ہے جس کے حرام و ناجائز ہونے پر اہل شرع کا اتفاق ہو، اس لئے ائمہ فقہاء کے اجتہادی اختلافات میں کسی جانب کو منکر نہیں کہا جاسکتا۔ فحشاء اور منکر کے دو لفظوں میں تمام جرائم اور ظاہر و باطنی گناہ آگئے، جو خود بھی فساد ہی فساد ہیں اور اعمالِ صالحہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بھی ہیں۔

نماز کا تمام گناہوں سے روکنے کا مطلب

متعدد مستند احادیث کی رو سے یہ مطلب ہے، کہ اقامتِ صلوٰۃ میں بالخاصہ تاثیر ہے کہ جو اس کو ادا کرتا ہے اس سے گناہ چھوٹ جاتے ہیں بشرطیکہ شر

نماز پڑھنا نہ ہو، بلکہ الفاظِ قرآن کے مطابق اقامتِ صلوٰۃ ہو۔ اقامت کے لفظی معنی سیدھا کھڑا کرنے کے ہیں جس میں کسی طرف جھکاؤ نہ ہو۔ اس لئے اقامتِ صلوٰۃ کا مفہوم یہ ہوا کہ نماز کے تمام ظاہری اور باطنی آداب اُس طرح ادا کرے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر ادا کر کے بتلایا، اور عمر بھر ان کی زبانی تلقین بھی فرماتے رہے کہ بدن اور کپڑے اور جائے نماز کی مکمل طہارت بھی ہو، پھر نماز جماعت کا پورا اہتمام بھی اور نماز کے تمام اعمال کو سنت کے مطابق بنانا بھی، یہ تو ظاہری آداب ہوئے۔ باطنی یہ کہ مکمل خشوع و خضوع سے اس طرح اللہ کے سامنے کھڑا ہو کہ گویا وہ حق تعالیٰ سے عرض و معروض کر رہا ہے۔ اس طرح



اقامت صلوٰۃ کرنے والے کو منجانب اللہ خود بخود توفیق اعمال صالحہ کی بھی ہوتی ہے، اور ہر طرح کے گناہوں سے بچنے کی بھی، اور جو شخص نماز پڑھنے کے باوجود گناہوں سے نہ بچا تو سمجھ لے کہ اس کی نماز ہی میں قصور ہے۔ جیسا کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ کا کیا مطلب ہے، آپ نے فرمایا مَنْ لَّمْ تَنْهَهُ صَلَاتُهُ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ فَلَا صَلَوةَ لَهُ رواہ ابن ابی حاتم بسندہ عن عمران بن حصین والطبرانی من حدیث ابی معاویہ، یعنی جس شخص کو اس کی نماز نے فحشاء اور منکر سے نہ روکا اس کی نماز کچھ نہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَّمْ يُطِيعِ الصَّلَاةَ رواہ ابن جریر بسندہ، یعنی اس شخص کی نماز ہی نہیں جس نے اپنی نماز کی اطاعت نہ کی اور نماز کی اطاعت یہی ہے کہ فحشاء اور منکر سے باز آجائے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرمایا کہ جس شخص کی نماز نے اس کو اعمال صالحہ پر عمل اور منکرات سے پرہیز پر آمادہ نہیں کیا تو ایسی نماز اس کو اللہ سے اور زیادہ دور کر دیتی ہے۔

ابن کثیر نے ان تینوں روایتوں کو نقل کر کے ترجیح اس کو دی ہے کہ یہ احادیث مرفوعہ نہیں، بلکہ عمران بن حصین اور عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے اقوال ہیں جو ان حضرات نے اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمائے ہیں۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ فلاں آدمی رات کو تہجد پڑھتا ہے اور جب صبح ہو جاتی ہے تو چوری کرتا ہے، آپ نے فرمایا کہ عنقریب نماز اس کو چوری سے روک دے گی۔ (ابن کثیر بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد وہ اپنے گناہ سے تائب ہو گیا۔)

یہاں بعض لوگ یہ شبہ کیا کرتے ہیں کہ ہم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ نماز کے پابند ہونے کے باوجود بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں جو بظاہر اس آیت کے ارشاد کے خلاف ہے۔

اس کے جواب میں بعض حضرات نے تو یہ فرمایا کہ آیت سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ نماز نمازی کو گناہوں سے منع کرتی ہے، لیکن یہ کیا ضروری ہے کہ جس کو کسی کام سے منع کیا جائے وہ اس سے باز بھی آجائے۔ آخر قرآن و حدیث سب لوگوں کو گناہ سے منع کرتے ہیں،



مگر بہت سے لوگ اس منع کرنے کی طرف توجہ نہیں دیتے، اور گناہ سے باز نہیں آتے۔  
خلاصہ تفسیر مذکور میں یہی توجیہ لی گئی ہے۔

مگر اکثر حضرات مفسرین نے فرمایا کہ نماز کے منع کرنے کا مفہوم صرف حکم دینا نہیں بلکہ نماز میں بالخصوص یہ اثر بھی ہے کہ اس کے پڑھنے والے کو گناہوں سے بچنے کی توفیق ہو جاتی ہے، اور جس کو توفیق نہ ہو تو غور کرنے سے ثابت ہو جائے گا کہ اس کی نماز میں کوئی خلل تھا، اور اقامتِ صلوٰۃ کا حق اس نے ادا نہیں کیا، احادیث مذکورہ سے اسی مضمون کی تائید ہوتی ہے۔  
وَلِذِكْرِ اللَّهِ أَكْبَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ، یعنی اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے، اور وہ تمہارے سب اعمال کو خوب جانتا ہے۔ یہاں ذکر اللہ کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ بندے جو اللہ کا ذکر نماز یا خارج نماز میں کرتے ہیں وہ بڑی چیز ہے، اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ بندے جب اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے ذاکر بندوں کا ذکر فرشتوں کے مجمع میں کرتے ہیں (فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ) اور یہ عبادت گزار بندوں کو اللہ کا یاد کرنا سب سے بڑی نعمت ہے۔ بہت سے صحابہ و تابعین سے اس جگہ ذکر اللہ کا یہی دوسرا مفہوم منقول ہے، ابن جریر اور ابن کثیر نے اسی کو ترجیح دی ہے، اور اس مفہوم کے لحاظ سے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ نماز پڑھنے میں گناہوں سے نجات کا اصل سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اس کا ذکر فرشتوں میں کرتے ہیں اور اس کی برکت سے اس کو گناہوں سے نجات مل جاتی ہے۔

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۖ إِلَّا الَّذِينَ

اور جھگڑانہ کرو اہل کتاب سے مگر اس طرح پر جو بہتر ہو، مگر جو ان میں

ظلموا منهم وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَأُنْزِلَ إِلَيْكُمْ

بے انصاف ہیں اور یوں کہو کہ ہم مانتے ہیں جو اترا ہم کو اور اترا تم کو

وَاللَّهُنَّ وَاللَّهُمَّ وَاحِدٌ وَتَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۴۱﴾ وَكَذَلِكَ

اور بندگی ہماری اور تمہاری ایک ہی کوہی اور ہم اسی کے حکم پر چلتے ہیں، اور ویسی ہی

أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ فَالَّذِينَ آمَنُوا أَتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يُوعِظُونَ

ہم نے اتاری تجھ پر کتاب، سو جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو مانتے



بِهِ وَمِنْ هَؤُلَاءِ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمَا يَجْحَدُ بِالْإِيتِنَا إِلَّا الْكُفِرُونَ ﴿۴۷﴾

ہیں اور ان (مکہ والوں) میں بھی بعض ہیں کہ اس کو بتاتے ہیں اور منکر وہی ہیں ہماری باتوں کو نافرمان ہیں

وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذَا

اور تو پڑھتا نہ تھا اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ لکھتا تھا اپنے داہنے ہاتھ سے تب تو

أَمْرًا تَابَ الْمُبِطُونَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ

البتہ شبہ میں پڑتے یہ جھوٹے ، بلکہ یہ (قرآن) تو آیتیں ہیں صاف ان لوگوں کے سینوں میں جن کو

أَوْثَرُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِالْإِيتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ ﴿۴۹﴾ وَقَالُوا لَا

مل ہو سمجھ ، اور منکر نہیں ہماری باتوں کے مگر وہی جو بے انصاف ہیں ، اور کہتے ہیں کیوں

أَنْزَلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا

نہ آتیں اس پر کچھ نشانیاں اس کے رب کے تو کہہ نشانیاں تو ہیں اختیار میں اللہ کے اور میں تو بس

أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿۵۰﴾ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ

سنا دینے والا ہوں کھول کر ، کیا ان کو یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر ہماری کتاب کر ان پر

يُنْزِلُ عَلَيْهِمْ إِنَّا فِي ذَلِكَ لَرَحْمَةٌ وَذِكْرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۵۱﴾

پڑھی جاتی ہے ، بیشک اس میں رحمت ہی اور سمجھانا ان لوگوں کو جو مانتے ہیں ،

قُلْ كَفَى بِاللَّهِ بَلِيًّا وَبَيِّنًا شَرِيحًا يَعْلَمُ مَا فِي السَّمُوتِ وَ

تو کہہ کافی ہے اللہ میرے اور تمھارے بیچ گواہ جانتا ہے جو کچھ ہر آسمان اور زمین

الْأَرْضِ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ أُولَٰئِكَ

میں اور جو لوگ یقین لاتے ہیں جھوٹ پر اور منکر ہوئے اللہ سے ، وہی ہیں

هُمْ الْخَاسِرُونَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَوْلَا أَجَلٌ

نقصان پالنے والے ، اور جلدی مانگتے ہیں تجھ سے آفت ، اور اگر نہ ہوتا ایک

مسمى لَجَاءَهُمُ الْعَذَابُ وَلَيَأْتِيَنَّهُمْ بَغْةٌ وَهُمْ

دعہ مقررہ تو آپہنچی ان پر آفت ، اور البتہ آئے گی ان پر اچانک اور ان کو خبر



لَا يَشْعُرُونَ ۝٥٢ يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ

نہ ہوگی، جلدی مانگتے ہیں تجھ سے عذاب اور دوزخ نکھر رہی ہے

بِالْكَافِرِينَ ﴿٥٢﴾ يَوْمَ يُغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ

منکر دن کو، جس دن گھبرے گا ان کو عذاب ان کے اوپر سے اور

تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ دُعُوا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٥﴾

پاؤں کے نیچے سے ادر کے گا چکھو جیسا کچھ منم کرتے تھے ۔

خُلاصَةُ تَفْسِيرِ

اور واجب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ثابت ہر تو اے مسلمانوں شکرین رسالت میں

سے جو اہل کتاب ہیں ہم ان سے طریقہ گفتگو بتلاتے ہیں اور یہ تخصیص اس لئے کہ اڈل تو وہ پوج

اہل علم ہونے کے بات کو سنتے ہیں اور مشرکین تو بات سننے سے پہلے ہی ایذا کے درپے ہو جاتے

ہیں اور سکر اہل علم کے ایمان لے آنے سے عوام کا ایمان زیادہ متوقع ہو جاتا ہے اور وہ طریقہ

یہ سہی کہ، تم اہل کتاب کے ساتھ بجز مہذب طریقے کے مباحثہ مت کرو ہاں جو ان میں زیادتی

کرمس (تو ان کو جواب ترک کی بہ ترکی دینے کا مضائقہ نہیں، گو افضل جب بھی طریقہ احسن ہی)

اور وہ ہندو طریقہ یہ ہے کہ مثلاً ان سے یوں کہو کہ ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر

نازل ہوئی اور ان کتابوں پر بھی (ایمان رکھتے ہیں) جو تم پر نازل ہوئیں، (کیونکہ مدار ایمان کا منزل

من اللہ ہوتا ہے، پس جب ہماری کتاب کا منزل من اللہ ہوتا ہے تو ہماری کتب سے بھی ثابت ہوا، پھر تم

کو قرآن برکھی ایمان لانا چاہئے اور یہ تم بھی تسلیم کرتے ہو کہ، ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہے

کقولہ تعالیٰ اِنِّیْ اَنْزَلْتُ الذِّکْرَ بِوَحْدِیْ عَلٰی رَسُوْلٍ مِّنْ اَمْرِیْ  
 کقولہ تعالیٰ اِنِّیْ اَنْزَلْتُ الذِّکْرَ بِوَحْدِیْ عَلٰی رَسُوْلٍ مِّنْ اَمْرِیْ

کی وجہ سے نبی آخر الزماں پر ایمان نہ لانا خلافت توحید ہے، تو تم کو ہمارے نبی پر ایمان لانا چاہیے،

(اِقُولُہُ تَعَالٰی) وَلَا یُخِجْہُ مِنْہٗ بِعِصْمَتِ الْاِیْمِ (اور) اس گفتگو کے ساتھ اپنا مسلمان ہونا تنبیہ کے لئے یاد دہانی کے لئے

ہم تو اس کی اطاعت کرتے ہیں اس میں عقائد و اعمال سب آئیں یعنی اسی طرح تم کو بھی چاہئے

جب کہ مقتضی موجود ہے کہ قولہ تعالیٰ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا الشَّهَادَاتِ بَابًا تَامِسَةً اور (جس طرح ہم نے

پہلے انبیاء پر کتابیں نازل کیں، اسی طرح ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی (جس کی بناء پر

مخاددہ بالاحسن کی تعلیم کی گنتی) سوچیں لوگوں کو ہم نے کتاب (کی نافع سمجھ) دی ہے وہ اس



راپ والی کتاب پر ایمان لے آتے ہیں اور ان سے مجادلہ کی بھی نوبت شاف و نادر آتی ہے اور ان  
 راہل عرب مشرک، لوگوں میں بھی بعض ایسے (منصف) ہیں کہ اس کتاب پر ایمان لے آتے ہیں (خواہ  
 خود سمجھ کر یا اہل علم کے ایمان سے استدلال کر کے) اور (وضوح دلائل کے بعد) ہماری اس کتاب  
 کی آیتوں سے بجز (ضدی) کافروں کے اور کوئی منکر نہیں ہوتا (اور مجادلہ کی تقریر و دلیل نقلی تھی جس  
 خاص اہل نقل کو مخاطب تھا آگے دلیل عقلی ہو جس میں عام مخاطب ہو یعنی) اور (جو لوگ آپ کی  
 نبوت کے منکر ہیں) ان کے پاس کوئی منشاء اشتباہ بھی تو نہیں، کیونکہ آپ اس کتاب (یعنی قرآن  
 سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ چکے تھے کہ ایسی حالت میں  
 یہ ناحق شناس لوگ کچھ شبہ نکالتے کہ یہ لکھے پڑھے آدمی ہیں آسمانی کتابیں دیکھ بجال کر  
 ان کی مدد سے مضامین سوچ کر فرصت میں بیٹھ کر لکھ لئے اور یاد کر کے ہم لوگوں کو سنا دیتے یعنی  
 اگر ایسا ہوتا تو کچھ تو منشاء اشتباہ کا ہوتا، گو جب بھی یہ شبہ کرنے والے مبطل ہوتے، کیونکہ اعجاز  
 قرآنی پھر بھی دلالت علی النبوت کے لئے کافی تھا، لیکن اب تو اتنا منشاء اشتباہ بھی نہیں اس  
 لئے یہ کتاب محل ارباب نہیں) بلکہ یہ کتاب ربا وجود واحد ہونے کے چونکہ ہر حصہ اس کا حجرہ  
 ہے، اور حصص کثیر ہیں، اس لئے وہ تنہا گویا خود بہت سی واضح دلیلیں ہیں ان لوگوں کے  
 ذہن میں جن کو علم عطا ہوا ہے اور ربا وجود ظہور اعجاز کے) ہماری آیتوں سے بس ضدی لوگ  
 انکار کے جلاتے ہیں (اور نہ منصف کو تو ذرا شبہ نہیں رہنا چاہئے) اور یہ لوگ ربا وجود عطاء  
 معجزہ قرآن کے محض براہ تحت و عناد یوں کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) پر ان کے رب کے پاس  
 سے (ہماری فرمائش) نشانیاں کیوں نہیں نازل ہوئیں، آپ یوں کہہ دیجئے کہ وہ نشانیاں  
 تو خدا کے قبضہ (قدرت) میں ہیں اور (میرے اختیار کی چیزیں نہیں) میں تو صرف ایک صنف  
 صاف (عذاب الہی سے) ڈرانے والا (یعنی رسول) ہوں (اور رسول ہونے پر صحیح دلیلیں رکھتا  
 ہوں جن میں سب بڑی دلیل قرآن ہے۔ پھر خاص دلیل کی کیا ضرورت ہو، خصوصاً جبکہ اس  
 کے واقع نہ ہونے میں حکمت بھی ہو۔ آگے قرآن کا اعظم فی الدلالة ہونا فرماتے ہیں) کیا  
 (دلالت علی النبوت میں) ان لوگوں کو یہ بات کافی نہیں ہوتی کہ ہم نے آپ پر یہ کتاب  
 (معجز) نازل فرمائی ہے جو ان کو ہمیشہ سنا لی جاتی رہتی ہے، (کہ اگر ایک بار سننے سے  
 اعجاز ظاہر نہ ہو تو دوسری بار میں ہو جائے یا اس کے بعد ہو جائے، اور دوسرے معجزات  
 میں تو یہ بات بھی نہ ہوتی، کیونکہ اس کا خارق ہونا دائمی نہ ہوتا جیسا ظاہر ہے اور ایک ترجیح  
 اس معجزہ میں یہ ہے کہ بلاشبہ اس کتاب میں (معجزہ ہونے کے ساتھ) ایمان لانے والے لوگوں  
 کے لئے بڑی رحمت اور نصیحت ہے (رحمت یہ کہ تعلیم احکام کی ہے جو نفع محض ہے اور نصیحت



ترغیب و ترہیب سے ہے، اور یہ بات دوسرے معجزات میں کب ہوتی، پس ان ترجیحات سے تو اس کو غنیمت سمجھتے، اور ایمان لے آتے، اور اگر اس وضوح دلائل کے بعد بھی ایمان نہ لائیں تو آخری جواب کے طور پر، آپ کہہ دیجئے کہ (خیر بھائی مت مانو)، اللہ میرے اور تمہارے درمیان (میری رسالت کا گواہ) ہے اس کو سب چیز کی خبر ہے جو آسمان میں ہے اور زمین میں ہے اور رجب میری رسالت اور اللہ کا علم محیط ثابت ہوا تو، جو لوگ جھوٹی باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ کی باتوں کے منکر ہیں (جن میں رسالت بھی داخل ہے)، تو وہ لوگ بڑے زیاں کار ہیں (یعنی جب اللہ کے ارشاد سے میری رسالت ثابت ہے تو اس کا انکار کفر باللہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے تو اس کو اس انکار و کفر کی بھی خبر ہے، اور اللہ تعالیٰ کفر پر ہزارے خسارہ دیتے ہیں، پس لامحالہ ایسے لوگ خاسر ہوں گے) اور یہ لوگ آپ سے عذاب ردّ واقع ہونے کا (تقاضا کرتے ہیں) اور فوراً عذاب نہ آنے سے آپ کی نبوت و رسالت میں شبہ و انکار کرتے ہیں، اور اگر (علم الہی میں عذاب آنے کے لئے) میعاد معین نہ ہوتی تو ان کے تقاضہ کے ساتھ ہی، آپ عذاب آچکا ہوتا اور (جب وہ میعاد آجائے گی تو وہ عذاب ان پر دفعۃً آپہونچے گا، اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی) آگے ان لوگوں کی حیالت کے اظہار کے لئے ان کی جلد بازی کو مکرر ذکر کر کے عذاب کی میعاد معین اور اس میں پیش آنے والے عذاب کا ذکر کرتے ہیں کہ (یہ لوگ آپ سے عذاب کا تقاضا کرتے ہیں اور (عذاب کی صورت یہ ہے کہ) اس میں کچھ شک نہیں کہ جہنم ان کافروں کو (چاروں طرف سے) گھیر لے گا جس دن ان پر عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے نیچے سے گھیر لے گا اور اس وقت ان سے) حق تعالیٰ فرمائے گا کہ جو کچھ (دنیا میں) کرتے رہے ہو (اب اس کا مزہ) چکھو۔

## معارف و مسائل

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا، یعنی اہل کتاب سے بحث و مباحثہ کی نوبت آئے تو مجادلہ بھی ایسے طریقہ سے کرو جو بہتر ہو مثلاً سخت بات کا جواب نرم الفاظ سے، غصہ کا جواب بردباری سے، جاہلانہ شور و شغب کا جواب باوقار گفتگو سے، إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا، مگر وہ لوگ جنہوں نے تم پر ظلم کیا کہ تمہاری باوقار نرم گفتگو اور دلائل واضحہ کے مقابلہ میں صناد اور ہٹ دھرمی سے کام لیا تو وہ اس احسان کے مستحق نہیں ہیں، بلکہ ایسے لوگوں کا جواب ترکی بہ ترکی دیا جائے تو جائز ہے، اگرچہ ادلی اور بہتر اس وقت بھی یہی ہے کہ ان کی بد خوئی کا جواب بد خوئی سے اور ظلم کا جواب ظلم سے نہ دیں۔



بلکہ کج خلقی کے جواب میں خوش خلقی کا اور ظلم کے جواب میں انصاف کا مظاہرہ کریں۔ جیسا کہ دوسری آیات قرآن میں اس کی تصریح ہے **وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ**، یعنی اگر ظلم و جور کا بدلہ تم ان سے برا بر سراہو لے لو تو تمہیں اس کا حق ہے، لیکن صبر کرو تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

اس آیت میں اہل کتاب سے مجادلہ میں جو ہدایت طریقہ حسنہ کے ساتھ کرنے کی دی گئی ہے یہی سورہ نحل میں مشرکین کے متعلق بھی ہے۔ اس جگہ اہل کتاب کی تخصیص اس کلام کی وجہ سے ہے جو بعد میں آ رہا ہے، کہ ہمارے اور تمہارے دین میں بہت سی چیزیں مشترک ہیں تم غور کرو تو ایمان اور اسلام کے قبول کرنے میں تمہیں کوئی مانع نہ ہونا چاہئے، جیسا کہ ارشاد فرمایا **تَوَلَّوْا ۙ أَمْثَلُ الَّذِي أُتْرِكَ إِلَيْنَا وَأَنْزَلَ إِلَيْكُمُ**، یعنی تم اہل کتاب کے مجادلہ کے وقت ان کو اپنے قریب کرنے کے لئے یہ کہو کہ ہم مسلمان تو اس وحی پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہماری طرف بواسطہ ہمارے رسول کے بھیجی گئی ہے، اور اس وحی پر بھی جو تمہاری طرف تمہارے پیغمبر کے ذریعہ بھیجی گئی ہے، اس لئے ہم سے مخالفت کی کوئی وجہ نہیں۔

یہاں اس آیت میں موجودہ تورات | اس آیت میں اہل کتاب کی طرف آنے والی کتابوں تورات و انجیل و انجیل کے مضامین کی تصدیق کا حکم ہے | پر مسلمانوں کے ایمان کا تذکرہ جن عنوان سے کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہم ان کتابوں پر اجمالی ایمان رکھتے ہیں بایں معنی کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں میں نازل فرمایا تھا اس پر ہمارا ایمان ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ موجودہ تورات و انجیل کے سب مضامین پر ہمارا ایمان ہو، جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی بہت تحریفات ہو چکی تھیں اور اس وقت سے اب تک ان میں تحریف کا سلسلہ چل ہی رہا ہے۔ ایمان صرف ان مضامین تورات و انجیل پر ہے جو اللہ کی طرف سے حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئے تھے، تحریف شدہ مضامین اس سے خارج ہیں۔

موجودہ تورات و انجیل کی مطلقاً | صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ اہل کتاب تصدیق کی جگہ مطلقاً تکذیب | تورات و انجیل کو ان کی اصلی زبان عبرانی میں پڑھتے تھے، اور مسلمانوں کو ان کا ترجمہ عربی زبان میں سناتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق مسلمانوں کو یہ ہدایت دی کہ تم اہل کتاب کی تصدیق نہ کرو نہ تکذیب کرو، بلکہ یوں کہو **أَمْثَلُ الَّذِي أُتْرِكَ إِلَيْنَا وَأَنْزَلَ إِلَيْكُمُ**، یعنی ہم اجمالاً اس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو تمہارے انبیاء پر نازل ہوئی ہے، اور جو تفصیلات تم بتلاتے ہو وہ ہمارے نزدیک قابل اعتماد نہیں۔ اس لئے ہم اسکی تصدیق و تکذیب سے اجتناب کرتے ہیں۔



تفسیروں میں جو عام مفسرین نے اہل کتاب کی روایات نقل کی ہیں ان کا بھی یہی درجہ ہے۔ اور نقل کرنے کا منشاء بھی صرف اس کی تاریخی حیثیت کو واضح کرنا ہے، احکام حلال حرام کا ان سے استنباط نہیں کیا جاسکتا، مَا كُنْتُمْ تَكُونُونَ قَبْلَهُ مِنْ كَيْدٍ وَلَا تَحْطُّ بِمِثْلِهِ إِذَا لَا تَأْتَابُ الْمُبْطِلُونَ، یعنی نزول قرآن سے پہلے نہ آپ کوئی کتاب پڑھتے تھے، نہ کچھ لکھ سکتے تھے بلکہ آپ اُمّی تھے، اگر ایسا نہ ہوتا اور آپ لکھ پڑھتے ہوتے تو اہل باطل کے لئے شک و شبہ کی گنجائش نکل آتی کہ یہ الزم لگاتے کہ آپ نے پھلی کتابیں تورات و انجیل پڑھی ہیں یا نقل کی ہیں آپ جو کچھ قرآن میں فرماتے ہیں وہ اپنی پھلی کتابوں کا اقتباس ہے، کوئی وحی اور نبوت و رسالت نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّی ہونا حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت آپ کی بڑی فضیلت اور بڑا معجزہ ہے۔ جس طرح بہت سے واضح اور کھلے ہوئے معجزات ظاہر فرمائے اپنی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کو پہلے سے اُمّی رکھا، نہ کچھ لکھا ہوا پڑھ سکتے تھے، نہ خود کچھ لکھ سکتے تھے، اور عمر کے چالیس سال اسی حال میں تمام اہل مکہ کے سامنے گزرے۔ آپ کا اختلاط اہل کتاب سے بھی کبھی نہیں ہوا، کہ ان سے کچھ سن لیتے۔ کیونکہ مکہ میں اہل کتاب تھے ہی نہیں وچالیس سال ہونے پر بیکایک آپ کی زبان مبارک سے ایسا کلام جاری ہونے لگا جو اپنے مضامین اور معانی کے اعتبار سے بھی معجزہ تھا، اور لفظی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بھی۔

بعض علماء نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ آپ کا اُمّی ہونا ابتداء میں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو لکھنا پڑھنا سکھا دیا تھا اور اس کی دلیل میں واقعہ حدیبیہ کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں جس میں یہ ہے کہ جب معاہدہ صلح لکھا گیا تو اس میں میں محمد بن عبد اللہ و رسولہ اول لکھا تھا، اس پر مشرکین مکہ نے اعتراض کیا کہ ہم آپ کو رسول مانتے تو یہ جھگڑا ہی کیوں ہوتا، اس لئے آپ کے نام کے ساتھ رسول اللہ کا لفظ ہم قبول نہیں کریں گے۔ لکھنے والے حضرت علی مرتضیٰ تھے، آپ نے ان کو فرمایا کہ یہ لفظ مشادو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ادب سے مجبور ہو کر ایسا کرنے سے انکار کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاغذ خود اپنے ہاتھ میں لیا اور یہ لفظ مٹا کر یہ لکھ دیا، میں محمد بن عبد اللہ۔

اس روایت میں لکھنے کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے جس سے کچھ حضرات نے استدلال کیا ہے کہ آپ لکھنا جانتے تھے، مگر صحیح بات یہی ہے کہ کسی دوسرے سے لکھوانے کو بھی عرف میں یہی کہا جاتا ہے کہ اس نے لکھا، جیسا کہ محاورات میں عام



ہے، اس کے علاوہ یہ بھی امکان ہے کہ اس واقعہ میں بطور معجزہ آپ کے نام مبارک بھی اللہ تعالیٰ نے لکھوا دیا، اس کے علاوہ صرف اپنے نام کے چند حروف لکھ دینے سے کوئی آدمی لکھا پڑھا نہیں کہلا سکتا، اس کو ان پڑھ اور اُمّی ہی کہا جائے گا، جب لکھنے کی عادت نہ ہو اور بلا دلیل کتابت کا آپ کی طرف منسوب کرنا آپ کی فضیلت کا اثبات نہیں، غور کریں تو بڑی فضیلت اُمّی ہونے میں ہے۔

يُعْبَادِي الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةً فَإِيَايَ فَاعْبُدُونِ ⑤۶

اے بندو میرے جو یقین لائے ہو میری زمین کشادہ ہو سو مجھ ہی کی بندگی کرو

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ⑤۷ وَالَّذِينَ

جو جی ہے سو چکھے گا موت پھر ہماری طرف پھر آؤ گے، اور جو لوگ

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُم مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي

یقین لائے اور کئے بھلے کام ان کو ہم جگہ دیں گے بہشت میں بھر دے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نِعَمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ⑤۸

بہت ہیں ان کے نہریں سدا رہیں ان میں، خوب ثواب ملا کام والوں کو

الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ⑤۹ وَكَآيِنٌ مِّنْ ذَاتِ

جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ رکھا، اور کتنے جانور ہیں جو اٹھا نہیں

لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ

رکھتے اپنی روزی، اللہ روزی دیتا ہے ان کو اور تم کو بھی، اور وہی ہے سننے والا

الْعَلِيمُ ⑥۰ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مِّنْ خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

جاننے والا، اور اگر تو لوگوں سے پوچھے کہ کس نے بنایا ہے آسمان اور زمین کو

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لِيَقُولُنَّ اللَّهُ فَإِن يُوفَكُونَ ⑥۱

اور کام میں لگایا سورج اور چاند کو تو کہیں اللہ نے، پھر کہاں سے الٹ جاتے ہیں،

اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ

اللہ پھیلاتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے اپنے بندوں میں اور ماپ کر دیتا ہے جس کو چاہے



إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٢﴾ وَلَكِنَّ سَاءَ لِمَنْ نَزَّلَ مِنْ

بیشک اللہ ہر چیز سے خبردار ہے اور جو تو پوچھے اُن سے کس نے اُتارا آسمان

السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لِيَقُولُنَّ

سے پانی پھر زندہ کر دیا اس سے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد تو کہیں

اللَّهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٦٣﴾

اللہ نے تو کہہ سب خوبی اللہ کو ہر بہت لوگ نہیں سمجھتے

## خلاصہ تفسیر

اے میرے ایمان دار بندو! جب یہ لوگ غایت عداوت و عناد سے تم کو اقامت شرائع و اختیار دین پر ایذا پہنچاتے ہیں تو یہاں رہنا کیا ضرور؟ میری زمین فراخ ہے، سو اگر یہاں رہ کر عبادت نہیں کر سکتے تو اور کہیں چلے جاؤ اور وہاں جا کر خالص میری ہی عبادت کرو کیونکہ یہاں اہل شرک کا زور ہے، تو ایسی عبادت جو توحید محض پر مبنی ہو اور شرک سے خالی ہو، یہاں مشکل ہے، البتہ خدا کے ساتھ غیر خدا کی بھی عبادت ہو یہ ممکن ہے مگر وہ عبادت ہی نہیں اور اگر تم کو ہجرت میں احباب و اوطان کی مفارقت شاق معلوم ہو تو یہ سمجھ لو کہ ایک نہ ایک روز یہ تو ہونا ہی ہے، کیونکہ ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ضرور ہے۔ آخر اس وقت سب چھوٹیں گے اور پھر تم سب کو ہمارے پاس آنا ہے اور نافرمان ہو کر آنے میں خوف سزا کا ہے اور یہ مفارقت اگر ہماری رضا کے واسطے ہو تو ہمارے پاس پہنچنے کے بعد اس وعدہ کے مستحق ہو جاؤ اور وہ وعدہ یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے (جن پر عمل کرنا بعض اوقات ہجرت پر موقوف ہوتا ہے تو ایسے وقت میں ہجرت بھی کی) ہم ان کو جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے، جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور ان نیک کام کرنے والوں کا کیا اچھا اجر ہے، جنہوں نے واقع شدہ سختیوں پر جن میں ہجرت کی سختی بھی داخل ہو گئی، صبر کیا، اور دوسرے ملک یا شہر میں جا کر جو تکالیف کا اور گزارے کی مشکلات کا اندیشہ تھا اس میں وہ اپنے رب پر توکل کیا کرتے تھے اور اگر ہجرت میں تم کو یہ وسوسہ ہو کہ پردیس میں کھانے کو کہاں سے



ملے گا تو یہ سمجھ لو کہ بہت سے جانور ایسے ہیں جو اپنی غذا اٹھا کر نہیں رکھتے یعنی جمع نہیں کرتے گو بعض جمع بھی کرتے ہیں، مگر بہت سے نہیں بھی کرتے، اللہ ہی ان کو (مقتدر اور دزی پہنچاتا ہے اور تم کو بھی) (مقتدر اور دزی پہنچاتا ہے خواہ تم کہیں ہو پھر ایسا دوسرے مت لاؤ، بلکہ دل قوی کر کے اللہ پر بھروسہ رکھو) اور (وہ بھروسہ کے لائق ہے کیونکہ وہ سب کچھ متناسب کچھ جانتا ہے) اسی طرح دوسری صفات میں کامل ہے اور جو ایسا کامل الصفات ہو وہ ضرور بھروسہ کے قابل ہے) اور (توحید فی الالوہیت کا جو مبنی ہے یعنی توحید فی التخلیق وہ تو ان لوگوں کے نزدیک بھی مسلم ہے چنانچہ) اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ (بھلا) وہ کون ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور جس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے، تو وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ اللہ ہے پھر (جب توحید فی التخلیق کو مانتے ہیں تو توحید فی الالوہیت کے بارے میں) کدھر لٹے چلے جا رہے ہیں (اور جیسا خالق اللہ ہی ہے اسی طرح) اللہ ہی (رازق بھی چنانچہ) وہ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہے روزی فراخ کر دیتا ہو اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے، بیشک اللہ ہی سب چیز کے حال سے واقف ہے، جیسی مصلحت دیکھتا ہے ویسی ہی روزی دیتا ہے غرض رازق وہی ٹھہرا، اس لئے رزق کا اندیشہ ہجرت سے مانع نہ ہونا چاہئے) اور (جیسا کہ تخلیق کائنات میں اللہ کی توحید ان کے نزدیک بھی مسلم ہے، اسی طرح کائنات کے باقی رکھنے اور ان کا نظام چلانے میں بھی توحید کو تسلیم کرتے ہیں چنانچہ) اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ وہ کون ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کو بعد اس کے کہ خشک رہا قابل نبات اُڑی تھی تر و تازہ (قابل نبات) کر دیا تو (جواب میں) وہ لوگ یہی کہیں گے کہ وہ بھی اللہ ہی ہے آپ کہتے کہ الحمد للہ (امتا تو اقرار کیا جس سے توحید فی الالوہیت پر استدلال بھی بدیہی ہے، مگر یہ لوگ مانتے نہیں) بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان میں اکثر سمجھتے بھی نہیں (نہ اس وجہ سے کہ عقل نہیں، بلکہ عقل سے کام نہیں لیتے اور غور نہیں کرتے، اس لئے بدیہی بھی خفی رہتا ہے)۔

## معارف و مسائل

شروع سورت سے یہاں تک مسلمانوں کے ساتھ کفار کی عداوت اور توحید و رست سے مسلسل انکار اور حق اور اہل حق کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹوں کا بیان تھا، مذکور الصدر آیات میں مسلمانوں کے لئے ان کے شر سے بچنے اور حق کو شائع کرنے اور حق و انصاف



کو دنیا میں قائم کرنے کی ایک تدبیر کا بیان ہے جس کا اصطلاحی نام ہجرت ہے، یعنی وہ وطن اور ملک چھوڑ دینا، جس میں انسان خلافت حق پورے اور کرنے پر مجبور کیا جاتے۔

ہجرت کے احکام اور اس کی راہ میں | اِنَّ اَنْصَرٰی قَلِیْلَةً فَاِیَّ اَیُّ فَاغْبِیْ دِیْنِ، حق تعالیٰ نے پیش آنے والے شکوک و شبہات کا ازالہ فرمایا کہ میری زمین بہت وسیع ہے، اس لئے کسی کا یہ عذر قابل سماعت نہیں کہ فلاں شہر یا فلاں ملک میں کفار غالب تھے، اس لئے ہم اللہ کی توحید اور اس کی عبادت سے مجبور رہے۔ ان کو چاہئے کہ اس سر زمین کو جہاں وہ کفر و معصیت پر مجبور کئے جاتے اللہ کے لئے چھوڑ دیں، اور کوئی ایسی جگہ تلاش کریں جہاں آزادی سے اللہ تعالیٰ کے احکام پر خود بھی عمل کر سکیں اور دوسروں کو بھی تلقین کر سکیں۔ اسی کا نام ہجرت ہے۔

وطن سے ہجرت کر کے کسی دوسری جگہ جانے میں دو قسم کے خطرات انسان کو عادیہ پیش آیا کرتے ہیں، جو اس کو ہجرت سے روکتے ہیں۔ پہلا خطرہ اپنی جان کا ہے کہ جب اس وطن کو چھوڑ کر کہیں جاتیں گے تو یہاں کے کفار اور ظالم لوگ راہ میں حائل ہوں گے، اور مقابلہ و مقاتلہ کے لئے آمادہ ہوں گے۔ نیز رستہ میں ممکن ہے کہ دوسرے کفار سے بھی مقابلہ کرنا پڑے جس میں جان کا خطرہ ہے۔ اس کا جواب اگلی آیت میں یہ دیا گیا کہ کُلُّ نَفْسٍ ذَا اٰیٰتٍ الْمَوْتِ یعنی ہر ایک جان چکھنے والی ہے مزہ موت کا، جس سے کسی کو کس جگہ کسی حال مفر نہیں۔ اس لئے موت سے خوف اور گھبراہٹ مؤمن کا کام نہیں ہونا چاہئے۔ وہ تو ہر شخص کو ہر حال میں پیش آئیگی۔ اپنی جگہ میں کیسے ہی حفاظت کے سامان کر کے رہے، پھر بھی آئیگی۔ اور مؤمن کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اللہ کے مقرر کردہ وقت سے پہلے موت نہیں آسکتی۔ اس لئے اپنی جگہ رہنے یا ہجرت کر کے دوسری جگہ جانے میں موت کا خوف حائل نہ ہونا چاہئے، خصوصاً جبکہ احکامِ الہیہ کی اطاعت کرتے ہوئے موت آجانا دائمی راحتوں اور نعمتوں کا ذریعہ ہے جو ان کو آخرت میں ملیں گی جس کا ذکر بعد کی دو آیتوں میں فرمایا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُؤْتِيَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا الایۃ۔

دوسرا خطرہ ہجرت کی راہ میں یہ پیش آتا ہے کہ دوسرے وطن دوسرے ملک میں جا کر رزق کا کیا سامان ہوگا؟ اپنی جگہ تو کچھ آبائی میراث سے کچھ اپنی کمائی سے آدمی کو کی زمین جائداد یا صنعت و حرفت و تجارت وغیرہ کے سامان کئے رہتا ہے، ہجرت کے وقت یہ سب تو یہیں چھوٹ جاتیں گے، آگے گزارہ کس طرح ہوگا؟ اس کا جواب بعد کی تین آیتوں میں اس طرح دیا گیا ہے کہ تم ان حاصل کردہ سامانوں کو رزق کی علت اور کافی سبب قرار



ریتے ہو یہ تمھاری بھول ہے، رزق دینے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی وہ جب چاہتا ہے تو بغیر کسی ظاہری سامان کے بھی رزق پہنچا دیتا ہے، اور وہ نہ چاہے تو سب سامان واسباب کے ہونے ہوئے بھی انسان رزق سے محروم ہو سکتا ہے۔ اس کے بیان کے لئے پہلے تو یہ فرمایا:

وَكَايْنِ مِّنْ ذَٰلِكَ لَا تَحْصِي رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ، یعنی اس پر غور کرو کہ زمین پر چلنے والے کتنے ہزاروں قسم کے جانور ہیں جو اپنے رزق جمع کرنے اور رکھنے کا کوئی انتظام نہیں کرتے نہ تحصیل رزق کے اسباب جمع کرنے کی کوئی فکر کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کو روزانہ اپنے فضل سے رزق مہیا کرتے ہیں۔ علماء نے فرمایا ہے کہ عام جانور ایسے ہی ہیں۔ ان میں صرف چیونٹی اور جو ہا تو ایسے جانور ہیں جو اپنی غذا کیلئے اپنے بلوں میں جمع کرنے کی فکر کرتے ہیں۔ چیونٹی سردی کی موسم میں باہر نہیں آتی، اس لئے گرمی کے ایام میں کھانے کا سامان (بٹر بل میں جمع کرتی ہے۔ اور مشہور ہے کہ پرندہ جانوروں میں سے عقیق (کوآ) بھی اپنی غذا اپنے گھونسلہ میں جمع کرتا ہے مگر وہ رکھ کر بھول جاتا ہے۔ بہر حال دنیا کے تمام جانور جن کی انواع و اصناف کا شمار بھی انسان سے مشکل ہے، وہ بیشتر وہی ہیں جو آج اپنی غذا حاصل کرنے کے بعد کل کے لئے نہ غذا مہیا کرتے ہیں نہ اس کے اسباب ان کے پاس ہوتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ یہ پرندے جانور صبح کو اپنے گھونسلوں سے بھوکے نکلتے ہیں، اور شام کو پیٹ بھرے واپس ہوتے ہیں۔ نہ ان کی کوئی کھیتی باڑی ہے نہ کوئی جائداد زمین، نہ یہ کسی کارخانے یا دفتر کے ملازم ہیں جہاں سے اپنا رزق حاصل کریں۔ خدا تعالیٰ کی کھلی زمین میں نکلتے ہیں اور سب کو پیٹ بھرائی رزق ملتا ہے۔ اور یہ ایک دن کا معاملہ نہیں، جب تک وہ زندہ ہیں یہی سلسلہ جاری ہے۔

اس کے بعد کی آیات میں رزق کا اصلی ذریعہ بتلایا ہے جو حق تعالیٰ کی عطا ہے، اور فرمایا ہے کہ خود ان منکر و کافروں سے سوال کرو کہ آسمان زمین کس نے پیدا کئے؟ اور شمس و قمر کس کے تابع فرمان چل رہے ہیں؟ بارش کون برساتا ہے؟ پھر اس بارش کے ذریعے زمین سے نباتات کون اگاتا ہے؟ تو مشرکین بھی اس کا اقرار کریں گے کہ یہ سب کام ایک ذات حق تعالیٰ ہی کا ہے۔ تو ان سے کہئے کہ پھر تم اللہ کے سوا دوسروں کی پوجا پاٹ اور ان کو اپنا کارساز کیسے سمجھتے ہو۔ اگلی آیات وَكَيْنِ مِّنْ ذَٰلِكَ مَا تَخْلُقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ سے آخر رکوع تک اسی کا بیان ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہجرت سے روکنے والی دوسری فکر معاش کی ہے، وہ بھی انسان کی بھول ہے۔ معاش کا مہیا کرنا اس کے یا اس کے جمع کردہ اسباب سامان کے



قبضہ میں نہیں، وہ بلا واسطہ حق تعالیٰ کی عطا ہے۔ اسی نے اس وطن میں یہ سامان جمع فرمادینے  
تھے وہ دوسری جگہ بھی سامان معاش دے سکتا ہے۔ اور بغیر کسی سامان کے بھی ضروریات  
معاش فراہم کر سکتا ہے۔ اس لئے یہ دوسرا خطرہ بھی ہجرت کا مانع نہ ہونا چاہئے۔

ہجرت کب فرض یا ہجرت کے معنی اور تعریف اور اس کے فضائل و برکات سورۃ نساء  
کی آیات نمبر ۹ تا ۱۰ میں اور شرعی احکام میں تبدیلی اسی سورت

کی آیت نمبر ۸۹ کے تحت میں معارف لہستان کی جلد دوم صفحہ ۵۲۵ تا ۵۲۹ اور کچھ  
صفحہ ۵۱۰ میں بیان ہو چکے ہیں، ایک مضمون وہاں بیان کرنے سے رہ گیا تھا وہ یہاں لکھا جاتا ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بامر الہی مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی، اور سب  
مسلمانوں کو بشرط قدرت ہجرت کا حکم فرمایا اس وقت مکہ معظمہ سے ہجرت کرنا فرض علیہ  
تھا جس سے کوئی مرد و عورت مستثنیٰ نہیں تھا، بجز ان لوگوں کے جو ہجرت پر قدرت  
نہ رکھتے ہوں۔

اور اس زمانے میں ہجرت صرف فرض ہی نہیں، بلکہ مسلمان ہونے کی علامت  
اور شرط بھی سمجھی جاتی تھی، جو باوجود قدرت کے ہجرت نہ کرے، اس کو مسلمان سمجھا جاتا  
تھا۔ اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا تھا جو کفار کے ساتھ ہوتا ہے، جس کا بیان  
سورۃ نساء کی آیت نمبر ۸۹ میں ہے، حَتَّىٰ يُمَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ اس وقت  
ہجرت کا مقام اسلام میں وہ تھا جو کلمہ شہادت لا الہ الا اللہ کا ہے، کہ یہ شہادت  
خود بھی فرض ہے اور مسلمان ہونے کی شرط اور علامت بھی کہ جو شخص باوجود قدرت  
کے زبان سے ایمان کا اقرار اور کلمہ لا الہ الا اللہ کی شہادت نہ دے اگرچہ دل میں یقین اور  
تصدیق رکھتا ہو وہ مسلمان نہیں سمجھا جاتا۔ عاجز جس کو اس کلمہ کے بولنے پر قدرت  
نہ ہو وہ مستثنیٰ ہے اسی طرح جن لوگوں کو ہجرت پر قدرت نہ تھی وہ مستثنیٰ سمجھے گئے  
جس کا ذکر سورۃ نساء کی آیت نمبر ۹۸ اَلَا الْمُسْتَضْعِفِينَ میں آیا ہے، اور جو لوگ باوجود  
ہجرت پر قادر ہونے کے مکہ میں مقیم رہے، ان کیلئے جہنم کی سخت وعید آیت نمبر ۹  
اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفَّيْنٰهُمْ اَلْمَلَائِكَةُ (ال) قَاوِلَیْكَ مَا وَكَلْنٰهُمْ جَهَنَّمَ،  
میں مذکور ہے۔

جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو ہجرت کا یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا۔ کیونکہ اس وقت مکہ  
خود دارالاسلام بن گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت حکم جاری  
فرمادیا: لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ، یعنی فتح مکہ کے بعد مکہ سے ہجرت کرنے کی ضرورت



نہیں، مکہ مکرمہ سے ہجرت کا فرض ہونا پھر منسوخ ہونا قرآن و سنت کی نصوص سے ثابت ہو گیا جو ایک واقعہ جسزنیہ تھا۔ فقہائے امت نے اس واقعہ سے یہ مسائل مستنبط کئے :-  
**مسئلہ :-** جس شہر یا ملک میں انسان کو اپنے دین پر قائم رہنے کی آزادی نہ ہو، وہ کفر و شرک یا احکام شرعیہ کی خلاف ورزی پر مجبور ہو وہاں سے ہجرت کر کے کسی دوسرے شہر یا ملک میں جہاں دین پر عمل کی آزادی ہو چلا جانا بشرطیکہ قدرت ہو واجب ہے، البتہ جس کو سفر پر قدرت نہ ہو یا کوئی ایسی جگہ میسر نہ ہو جہاں آزادی سے دین پر عمل کر سکے وہ شرعاً معذور ہے۔

**مسئلہ :-** جس دارالکفر میں عام احکام دینیہ پر عمل کرنے کی آزادی ہو وہاں سے ہجرت فرض و واجب نہیں، مگر مستحب بہر حال ہے اور اس میں دارالکفر ہونا بھی ضروری نہیں، دارالفسق جہاں احکام الہیہ کی خلاف ورزی اعلانا ہوتی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اگرچہ وہاں کے حکمران کے مسلمان ہونے کی بناء پر اس کو دارالاسلام کہا جاتا ہو۔ یہ تفصیل حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں تحریر فرمائی ہے اور قواعد حنفیہ میں کوئی چیز اس کے منافی نہیں۔ اور سند احمد کی ایک روایت جو حضرت ابو یحییٰ مولیٰ زہر ابن عوامؒ سے منقول ہے وہ بھی اس پر شاہد ہے، حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

<p>”یعنی سب شہر اللہ کے شہر ہیں اور          سب بندے اللہ کے بندے ہیں،          اس لئے جس جگہ تمھارے لئے اسباب خیر          جمع ہوں وہاں اقامت کرو۔“</p>	<p>أَيُّلَادُ بِلَادِ اللَّهِ قَالِعِبَادُ          عِبَادُ اللَّهِ حَيْثُمَا أَصَبْتُمْ          خَيْرًا فَأَقِمُّ رَابِن كَثِيرٍ</p>
--	--

اور ابن جریرؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سعید بن جبیرؒ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ جس شہر میں معاصی اور فواحش عام ہوں اس کو چھوڑ دو۔ اور امام تفسیر حضرت عطاءؒ نے فرمایا کہ جب تمھیں کسی شہر میں معاصی کے لئے مجبور کیا جائے تو وہاں سے بھاگ کھڑے ہو۔ (ابن جریر طبری فی التفسیر)

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ

اور یہ دنیا کا جینا تو بس جی بہلانا اور کھیلنا ہے اور بھولا گھر جو



وقف لازم

الْآخِرَةِ لِيَهَيَّ الْحَيَوَانَ مَلُوكًا تَوْاعِلُمُونَ ﴿۶۳﴾ فَإِذَا سُرَّكِبُوْا فِي

بر سو رہی ہو زندہ رہنا اگر ان کو سمجھ ہوتی ، پھر جب سوار ہوئے

الْفُلِّ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ

نشتی میں پکارنے لگے اللہ کو خالص اسی پر رکھ کر اعتقاد پھر جب بچا لایا ان کو

إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴿۶۴﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ

زمین کی طرف اسی وقت لگے شریک بنانے ، تاکہ مکر رہیں ہمارے دیئے ہوئے سے

وَلِيَمْتَعُوا وَقَفَ فَمَنْ يَعْلَمُونَ ﴿۶۵﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا

اور مزے اڑاتے رہیں ، سو عنقریب جان لیں گے ، کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے رکھ دی ہے

حَرَمًا آمِنًا وَيَتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ أَفَبِالْبَاطِلِ

پناہ کی جگہ امن کی ، اور لوگ آچکے جاتے ہیں ان کے آس پاس سے کیا جھوٹ پر یقین

يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ ﴿۶۶﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ

رکھتے ہیں اور اللہ کا احسان نہیں مانتے ، اور اس سے زیادہ بے انصاف کون

اِفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ أَلَيْسَ

جو باندھے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلائے سچی بات کو جب اس تک پہنچے ، کیا دوزخ

فِي جَهَنَّمَ مَتَّوًى لِّلْكَافِرِينَ ﴿۶۷﴾ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا

میں لڑنے کی جگہ نہیں منکروں کے لئے ، اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم

لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۶۸﴾

مجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں ، اور بیشک اللہ ساتھ ہے نیکی والوں کے ۔

تجوید

## خُلاصۃ تفسیر

اور (وجہ ان کے غور نہ کرنے کی) اہنماک ہے مشاغل دنیا میں حالانکہ یہ دنیوی زندگی جس کے یہ تمام تراشغال ہیں فی نفسہ (بجز لہو و لعب کے اور کچھ بھی نہیں اور اصل زندگی عالم آخرت کی) ہے (چنانچہ دنیا کے فانی ہونے اور آخرت کے باقی ہونے



سے یہ دونوں مضمون ظاہر ہیں پس فانی میں اس قدر اہتمام کیا کہ باقی کو بھول میں ڈال کر اس سے محروم ہو جائے خود یہ بے عقلی کی بات ہے، اگر ان کو اس کا رد کافی علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے کہ فانی میں مہتمم ہو کر باقی کو بھلا دیتے اور اس کے لئے سامان نہ کرتے بلکہ یہ لوگ دلائل میں غور کرتے ... اور ایمان لے آتے جیسا کہ خود ان کو یہ تسلیم ہے کہ تخلیق کائنات اور اس کے باقی رکھنے میں خدا کا کوئی شریک نہیں، پھر جیسا کہ ان کے اس اقرار و تسلیم کا مقتضی ہے کہ خدائی اور عبادت میں اسی کو منفرد مانتے اور اس کا بھی کبھی اظہار و اقرار کرتے چنانچہ جب یہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں (اور وہ کشتی زیر و زبر ہونے لگتی ہے) تو اس وقت احسان اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں (کہ لَئِنْ أَجْتَنَّا مِنْ نَحْوِهِ لَتَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ اِی الْمُوَحِّدِیْنَ) جس میں خدائی اختیارات اور معبودیت میں بھی توحید کا اقرار ہے، مگر یہ حالت بوجہ اہتمام فی الدنیا کے دیر پا نہیں ہوتی، چنانچہ اس وقت تو سب قول و اقرار توحید کے ہو چکے ہیں مگر پھر جب ان کو (اس آفت سے) نجات دے کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو وہ فوراً ہی شرک کرنے لگتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے جو نعمت (نجات وغیرہ) ان کو دی ہے اس کی ناشکری کرتے ہیں اور یہ لوگ (عقائد شرکیہ و اعمال فسقیہ میں ہوائے نفسانی کا اتباع کر کے) چندے اور حظ حاصل کر لیں پھر قریب ہی ان کو سب خبر ہوئی جاتی ہے، اور اب اس اہتمام فی الدنیا کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آتا، سو ایک مانع تو ان کو توحید سے یا اہتمام ہے اور دوسرا ایک اور نامعقول حیلہ مانع نکالا ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ اِنَّ نَّشِیْخَ الْهٰمٰی مَعَلَفًا نَّتَخَفُ مِنْ اَرْوَاحِنَا یعنی اگر ہم مسلمان ہو جائیں تو ہمیں عرب کے لوگ مار دیں گے۔ حالانکہ مشاہدہ سے ان کو خود بغویت اس کی معلوم ہو سکتی ہے، کیا ان لوگوں نے اس بات پر نظر نہیں کیا کہ ہم نے ان کے شہر مکہ کو امن والا حرم بنایا ہے اور ان کے گرد و پیش (کے مقامات) میں (جو خارج حرم ہیں) لوگوں کو (مار دھاڑ کر ان کے گھروں سے) نکالا جا رہا ہے (بجلائ ان کے کہ امن سے بیٹھے ہیں اور یہ بات خود محسوسات ہیں تو بدھیہ سے گذر کر محسوسات میں بھی خلاف کرتے اور خوفِ ہلاکت کو ایمان لانے میں عذر مانع بنتے ہیں اور) پھر (و صریح حق کے بعد اس حماقت اور ضد کا) کیا اٹھکانا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے معبود (وں) پر تو ایمان لاتے ہیں (جب پر ایمان لانے کا کوئی مقتضی نہیں اور موانع بہت ہیں) اور اللہ (جس پر ایمان لانے کے بہت مقتضی اور دلائل صحیحہ ہیں اس کی) نعمتوں کی ناشکری (یعنی اللہ کے ساتھ شرک) کرتے ہیں (کیونکہ شرک سے بڑھ کر کوئی ناشکری نہیں کہ نعمتِ تخلیق و ترزاق و ابقار و تدبیر وغیرہ تو وہ عطا فرماوے اور عبادت



جو کہ ان نعمتوں کا شکر ہے دوسرے کے لئے تجویز کی جائے (اور واقعی بات یہ ہے کہ) اس شخص سے زیادہ کون نا انصاف ہو گا جو (بلا دلیل) اللہ پر جھوٹا فرار کرے کہ وہ شریک رکھتا ہے) اور جب بھی بات اس کے پاس دلیل کے ساتھ پہنچے وہ اس کو جھٹلا دے (بے انصافی ظاہر ہے کہ بلا دلیل بات کی تو تصدیق کرے اور دلیل والی بات کی تکذیب) کیا ایسے کافروں کا (جو اس قدر نا انصافی کریں) جہنم میں ٹھکانا ہو گا (یعنی ضرور ہے۔ کیونکہ سزا مناسب جرم کے ہوتی ہے۔ پس جیسا جرم عظیم ہے ایسی ہی سزا بھی عظیم ہے۔ اور پرکھا حال تھا جو اہل کفر اور نفس پرست ہوں) اور (اب انکے اضداد کا بیان ہو کہ) جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے وقرے ثواب یعنی جنت کے راستے ضرور دکھا دیں گے (جس سے وہ جنت میں جانا چاہیں گے) کہ قولہ تعالیٰ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا (الایہ) اور بیشک اللہ تعالیٰ (کی رضا و رحمت) ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی)۔

### معارف ومسائل

سابقہ آیات میں کفار و مشرکین کا حال مذکور ہوا کہ آسمان و زمین کی پیدائش، شمس و قمر کا نظام، بارش نازل کرنے اور اس کے نباتات اگانے کا سارا نظام یہ لوگ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہو پریقین رکھتے ہیں اس میں کسی بُت و غیرہ کی شرکت نہیں مانتی، مگر کچھ بھی وہ خدائی میں تو کٹو شریک ٹھہرتے ہیں اسکی وجہ یہ کہ اَلَمْ يَخْلُقْهُمْ لَا يَخْلُقُونَ (یعنی انہیں بکثرت لوگ وہ ہیں جو سمجھتے نہیں)۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ مجنون دیوانے تو نہیں ہو شیار سمجھدار ہیں، دنیا کے بڑے بڑے کام خوب کرتے ہیں پھر ان کے بے سمجھ ہو جانے کی وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب مذکور الصدر آیات میں سے پہلی آیت میں یہ دیا گیا کہ ان کو دنیا اور اس کی مادی اور فانی لذات و خواہشات کی محبت نے آخرت اور انجہام میں غور و فکر کرنے سے اندھا اور بے سمجھ بنا دیا ہے، حالانکہ یہ دنیا کی زندگی لہو و لعب یعنی وقت گذار کا مشغلہ اور کھیل کے سوا کچھ نہیں، اور اصلی زندگی جو جاودانی ہے وہ آخرت کی زندگی ہے۔ وَمَا هِيَ إِلَّا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَا تَكُونُ لَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِیَ الْحَيَوَانُ، اس جگہ حیوان کا لفظ بمعنی حیات مصدری معنی میں ہے۔ (قرطبی)

اس میں حیات دنیا کو لہو و لعب فرمایا ہے، مطلب یہ ہے کہ جیسے کھیلوں کا کوئی ثبات و قرار نہیں اور کوئی بڑا مقصد ان سے حل نہیں ہوتا، تھوڑی دیر کے بعد سب تماشہ ختم ہو جاتا ہے یہی حال اس دنیا کا ہے۔

اس کے بعد کی آیت میں ان مشرکین کا ایک اور بُرا حال یہ بتلایا گیا کہ جیسے یہ لوگ تخلیق کائنات میں اللہ تعالیٰ کو منفرد ماننے کے باوجود اس چہالت کے شکار ہیں کہ بتوں کو خدائی کا سا بھی بتاتے ہیں۔ اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ جب ان پر کوئی بڑی مصیبت



اُڑتی ہو تو اس مصیبت کے وقت بھی ان کو یہ یقین اور اقرار ہوتا ہے کہ اس میں کوئی بُت ہمارا مددگار نہیں بن سکتا۔ مصیبت سے رہائی صرف اللہ تعالیٰ ہی دے سکتا ہے۔ اس کے لئے بطور مثال کے فرمایا کہ یہ لوگ جب دریا کے سفر میں ہوتے ہیں اور ڈوبنے کا خطرہ ہوتا ہے، تو اس خطرہ کو ٹالنے کے لئے کسی بُت کو پکارنے کے بجائے صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے مضطر اور بیقرار ہونے اور وقتی طور پر دنیا کے سارے سہاروں کے منقطع ہونے کی بناء پر ان کی دعا قبول کر کے ان کو دنیا کے مہلکے سے نجات دے دیتا ہے۔ مگر یہ ظالم جب خشکی پر پہنچ کر مطمئن ہو جاتے ہیں تو پھر بتوں کو خدا کا شریک کہنے لگتے ہیں۔ آیت

فَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْٓ اَنِ الْفُلْكَ اَمْ يَنْصُرُنِيْ الْكُفْرُ اَمْ لَا اَعْلَمُ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ یَّشْرُوْنَ ۚ

فائدہ کا :- اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر بھی جس وقت اپنے آپ کو بے سہارا جان کر صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اس وقت یہ یقین کرتا ہے کہ خدا کے سوا مجھے اس مصیبت سے کوئی نہیں بچھڑا سکتا، تو اللہ تعالیٰ کافر کی بھی دعا قبول فرما لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ مضطر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مضطر کی دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے (قرطبی وغیرہ)

اور ایک آیت میں جو یہ ارشاد آیا ہے وَمَا دُعَاؤُ الْكَافِرِیْنَ اِلَّا فِی ضَلٰلٍ یَّعْنٰی کافروں کی دعا ناقابل قبول ہے، یہ حال آخرت کا ہے، کہ وہاں کافر عذاب سے رہائی کی دعا کریں گے تو قبول نہ ہوگی۔

اَدَلِّمُوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا مِّمَّا اٰمَنَّا ۚ الْاٰیۃ اور پر کی آیات میں مشرکین مکہ کی جاہلانہ حرکتوں کا ذکر تھا کہ سب چیزوں کا خالق و مالک خدا تعالیٰ کو یقین کرنے کے باوجود پتھر کے خود تراشیدہ بتوں کو اس کی خدائی کا شریک بتاتے ہیں، اور صرف تخلیق کائنات ہی کا خدا تعالیٰ کو مالک نہیں سمجھتے بلکہ اڑے وقت میں مصیبت سے نجات دینا بھی اسی کے اختیار میں جانتے ہیں مگر نجات کے بعد پھر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان کے کفر و شرک کا ایک عذر بعض مشرکین مکہ کی طرف سے یہ بھی پیش کیا جاتا تھا کہ ہم آپ کے دین کو تو حق و درست مانتے ہیں لیکن اس کی پیروی کرنے اور مسلمان ہو جانے میں ہم اپنی جانوں کا خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ کیونکہ سارا عرب اسلام کے خلاف ہے ہم اگر مسلمان ہو گئے تو باقی عرب ہمیں اُچک لے جائیں گے اور مار ڈالیں گے۔ دیکھا روی عن ابن عباسؓ، روح اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا یہ عذر بھی لغو ہے۔ کیونکہ اہل مکہ کو تو حق تعالیٰ نے بیت اللہ کی وجہ سے وہ شرف اور بزرگی دی ہے جو دنیا میں کسی مقام کے لوگوں کو حاصل نہیں ہے۔ ہم نے مکہ کی پوری زمین کو حرم بنا دیا ہے۔ عرب کا باشندے



مؤمن ہوں یا کافر سب کے سب حرم کا احترام کرتے ہیں۔ اس میں قتل و قتال کو حرام سمجھتے ہیں و حرم میں انسان تو انسان وہاں کے شکار کو قتل کرنا اور وہاں کے درختوں کو کاٹنا بھی کوئی جائز نہیں سمجھتا، باہر کا کوئی آدمی حرم میں داخل ہو جائے تو وہ بھی قتل سے مامون ہو جاتا ہے۔ تو مکہ مکرمہ کے باشندوں کو اسلام قبول کرنے سے اپنی جانوں کا خطرہ بتلانا بھی ایک عذر لنگ ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْمُنَّ بِمَنَّمْ سُبُلَنَا، جہاد کے اصلی معنی دین میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے میں اپنی پوری توانائی صرف کرنے کے ہیں، اس میں وہ رکاوٹیں بھی داخل ہیں جو کفار و فجار کی طرف سے پیش آتی ہیں، کفار سے جنگ و مقاتلہ اس کی اعلیٰ فرد ہے، اور وہ رکاوٹیں بھی داخل ہیں جو اپنے نفس اور شیطان کی طرف سے پیش آتی ہیں۔

جہاد کی ان دونوں قسموں پر اس آیت میں یہ وعدہ ہے کہ ہم جہاد کرنے والوں کو اپنی راستوں کو ہدایت کر دیتے ہیں۔ یعنی جن مواقع میں خیر و شر یا حق و باطل یا نفع و ضرر میں التباس ہوتا ہے عقلمند انسان سوچتا ہے کہ کس راہ کو اختیار کر دوں، ایسے مواقع میں اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کو صحیح، سیدھی، بے خطر راہ بتا دیتے ہیں۔ یعنی ان کے قلوب کو اسی طرف پھیر دیتے ہیں جس میں ان کے لئے خیر و برکت ہو۔

علم پر عمل کرنے سے اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ کی طرف سے علم میں زیادتی جو علم لوگوں کو دیا گیا ہے جو لوگ اپنے علم پر عمل کرنے میں جہاد کرتے ہیں ہم

ان پر دوسرے علوم بھی منکشف کر دیتے ہیں جو اب تک حاصل نہیں۔ اور فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا کہ جو لوگ طلب علم میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کے لئے عمل بھی آسان کر دیتے ہیں۔ (منظری) واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم :

## تمت سورۃ العنکبوت



# سُورَةُ الرَّوْمِ

سُورَةُ الرَّوْمِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّونَ آيَةً وَبِسِتِّ رُكُوعَاتٍ

سورۃ روم مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ساٹھ آیتیں ہیں اور چھ رکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

الَّذِينَ غَلِبَتِ الرَّوْمُ ۝۲ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ

مغلوب ہو گئے ہیں رومی ، ملتے ہوئے ملک میں اور وہ اس مغلوب

بَعْدَ عَلَيْهِمْ سَيَغْلِبُونَ ۝۳ فِي بَضْعِ سِنِينَ ۝ اللَّهُ الْأَمْرُ

ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے چند برسوں میں ، اللہ کے ہاتھ ہیں

مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ ۝۴

سب کام پہلے اور پچھلے اور اس دن خوش ہوں گے مسلمان ،

يَنْصُرُ اللَّهُ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ ۝ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝۵

اللہ کی مدد سے مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے اور وہی زبردست رحم والا ،

وَعَدَ اللَّهُ لَا يَخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ

اللہ کا وعدہ ہو چکا ، خلات نہ کرے گا اللہ اپنا وعدہ لیکن بہت لوگ

لَا يَعْلَمُونَ ۝۶ يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۝

نہیں جانتے ، جانتے ہیں اوپر اُدھر دنیا کے جینے کو

وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَفِلُونَ ۝۷

اور وہ لوگ آخرت کی خبر نہیں رکھتے ۔



## خلاصہ تفسیر

الکثر، (اس کے معنی اللہ کو معلوم ہیں) اہل روم ایک قریب کے موقع میں (یعنی ارض روم کے ایسے مقام میں جو بہ نسبت فارس کے عرب سے قریب تر ہے، مراد اس کے اذرعاء و بصری ہے، جو ملک شام میں دو شہر ہیں۔ کذا فی القاموس، اور حکومت روم کے تحت میں ہونے سے ارض روم میں داخل ہیں۔ اس موقع پر اہل روم اہل فارس کے مقابلہ میں) مغلوب ہو گئے (جس سے مشرکین خوش ہوئے) اور وہ (رومی) اپنے (اس) مغلوب ہونے کے بعد عنقریب (اہل فارس پر دوسرے مقابلہ میں) تین سال سے لے کر نو سال کے اندر اندر غالب آجائیں گے اور یہ مغلوب اور غالب ہونا سب خدا کی طرف سے ہے، کیونکہ مغلوب ہونے سے پہلے بھی اختیار اللہ ہی کو تھا جس سے مغلوب کر دیا تھا، اور (مغلوب ہونے سے) پیچھے بھی اللہ ہی کو اختیار ہے جس سے غالب کر دے گا) اور اس روز (یعنی جب اہل روم غالب آئیں گے) مسلمان اللہ تعالیٰ کی اس امداد پر خوش ہوں گے اس امداد سے یا تو یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے قول میں سچا اور غالب فرما دے گا۔ کیونکہ اس پیشینگوئی کو مسلمانوں نے کفار پر ظاہر کیا اور انھوں نے تکذیب کی تو اس کے وقوع سے مسلمانوں کی جیت ہو جائیگی اور یہ مراد ہے کہ مسلمانوں کو مقابلہ میں بھی غالب کر دے گا۔ چنانچہ وہ وقت جنگ بدر میں منصور ہونے کا تھا، اور ہر حال میں نصرت کا محل اہل اسلام ہی ہیں، اور مسلمانوں کی حالت ظاہری مغلوبیت کی دیکھ کر یہ بات مستبعد نہ سمجھی جائے کہ یہ مغلوب مسلمان مقابلہ کے وقت کفار پر غالب آجائیں گے، کیونکہ نصرت اللہ کے قبضے میں ہے) وہ جس کو چاہے غالب کر دیتا ہے اور وہ زبردست ہے (کفار کو جب چاہے قولاً یا فعلاً مغلوب کر دے اور) رحم (بھی) ہے (مسلمانوں کو جب چاہے غالب کر دے) اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہو (اور) اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو خلاف نہیں فرماتا (اس واسطے یہ پیشینگوئی ضرور واقع ہوگی، لیکن اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے تصرفات کو نہیں جانتے بلکہ صرف ظاہری اسباب کو دیکھ کر ان اسباب پر حکم لگا دیتے ہیں، اس لئے اس پیشینگوئی میں استبعاد کرتے ہیں حالانکہ مسبب الاسباب اور مالک الاسباب حق تعالیٰ ہے، اس کو اسباب بدلنا بھی آسان ہے اور اسباب کے خلاف مسبب کا واقع کرنا بھی آسان۔

اور جس طرح پیشینگوئی کے واقع ہونے سے پہلے اسباب ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے اس کا انکار کرتے ہیں اسی طرح پیشین گوئی کو پورا ہوتا ہوا دیکھ کر بھی اس کو ایک اتفاقی



امر قرار دیتے ہیں، وعدۃ الہیہ کا ظہور نہیں سمجھتے اس لئے لفظ لَا یَعْلَمُونَ میں یہ دونوں چیزیں آگئیں ان لوگوں کا اللہ تعالیٰ اور نبوت سے غافل و جاہل رہنا اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ صرف دنیوی زندگانی کی ظاہر حالت کو جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے (بالکل ہی) بے خبر ہیں کہ وہاں کیا ہوگا، اس لئے ان کو دنیا میں نہ اسباب عذاب سے بچنے کی فکر ہے نہ اسباب نجات ایمان اور عمل صالح کی تلاش ہے۔

## معارف و مسائل

قصہ نزولِ سورت | سورۃ عنکبوت اس آیت پر ختم ہوئی ہے جس میں حق تعالیٰ نے اپنے راستہ روم اور فارس کی جنگ میں جہاد و مجاہدہ کرنے والوں کے لئے اپنے راستے کھول دینے اور ان کے لئے مقاصد میں کامیابی کی بشارت دی تھی۔ سورۃ روم کی ابتداء جس قصہ سے ہوئی ہے وہ اسی نصرتِ الہیہ کا ایک مظہر ہے، اس سورت میں جو واقعہ روم اور فارس کی جنگ کا مذکور ہے یہ دونوں کفار ہی تھے، ان میں سے کسی کی فتح کسی کی شکست بظاہر اسلام اور مسلمانوں کے لئے کوئی دلچسپی کی چیز نہیں، مگر ان دونوں کفار میں اہل فارس مشرکین آتش پرست تھے اور روم و نصاریٰ اہل کتاب۔ اور ظاہر ہے کہ دونوں قسم کے کفار میں اہل کتاب مسلمانوں سے نسبتاً قریب ہیں۔ کیونکہ بہت سے اصولِ دین آخرت پر ایمان رسالت اور وحی پر ایمان، ان کے ساتھ قدر مشترک ہے۔ اسی قدر مشترک سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مکتوب میں کام لیا جو روم کے بادشاہ کو دعوتِ اسلام دینے کے لئے بھیجا تھا کہ تَعَالَوْا إِلَى کَلِمَةٍ سَوَاءٍ مِّنْ بَيْنِنَا وَبَيْنَکُمْ الذِّیۃ، اہل کتاب کے ساتھ مسلمانوں کا ایک گونہ قرب ہی اس کا سبب بنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام مکہ مکرمہ کے زمانہ میں فارس نے روم پر حملہ کیا۔ حافظ ابن حجر وغیرہ کے قول کے مطابق ان کی یہ جنگ ملکِ شام کے مقامِ اذرعات اور بصری کے درمیان واقع ہوئی۔ اس جنگ کے دوران میں مشرکین مکہ یہ چاہتے تھے کہ فارس غالب آجائے، کیونکہ وہ بھی شرک و بت پرستی میں ان کے شریک تھے۔ اور مسلمان یہ چاہتے تھے کہ روم غالب آئیں، کیونکہ وہ دین و مذہب کے اعتبار سے اسلام کے قریب تھے۔ مگر ہوا یہ کہ اس وقت فارس روم پر غالب آگئے، یہاں تک کہ قسطنطنیہ بھی فتح کر لیا، اور وہاں اپنی عبادت کے لئے ایک آتشکدہ تعمیر کیا۔ اور یہ منہج کسریٰ پروریز کی آخری فتح تھی، اس کے بعد اس کا زوال شروع ہوا، اور پھر مسلمانوں کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا۔ (از قرطبی)



اس واقعہ پر مشرکین مکہ نے خوشیاں منائیں اور مسلمانوں کو عار دلائی کہ تم جس کو چاہتے تھے وہ ہار گیا، اور جیسا کہ روم اہل کتاب کو بمقابلہ فارس شکست ہوئی ہمارے مقابلہ میں تم کو شکست ہوگی۔ اس سے مسلمانوں کو بے ہولہ ابن جسریر، ابن ابی حاتم

قرآن میں سورہ روم کی ابتدائی آیتیں اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئیں جن میں یہ پیشین گوئی اور بشارت دی گئی ہے کہ چند سال بعد پھر روم فارس پر غالب آجائیں گے۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے جب یہ آیات سُنیں تو مکہ کے اطراف اور مشرکین کے مجامع اور بازار میں جا کر اس کا اعلان کیا کہ تمھارے خوش ہونے کا کوئی موقع نہیں۔ چند سال میں پھر روم فارس پر غالب آجائیں گے، مشرکین مکہ میں سے ابی بن خلف نے مقابلہ کیا، اور کہنے لگا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، ایسا نہیں ہو سکتا۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ خدا کے دشمن تو ہی

جھوٹا ہے، اور میں تو اس واقعہ پر شرط کرنے کو تیار ہوں کہ اگر تین سال کے اندر روم غالب آگئے تو دس اونٹنیاں میں تمہیں دے گا اور وہ غالب آگئے تو دس اونٹنیاں تمہیں دے گا (یہ معاملہ ہمارا تھا اگر اس وقت قمار حرام

نہیں تھا، یہ کہہ کر صدیق اکبرؓ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تو تین سال کی مدت

متعین نہیں کی تھی۔ کیونکہ قرآن میں اس کے لئے لفظ بضع سنین مذکور ہے، جس کا اطلاق تین سے نو سال تک ہو سکتا ہے، تم جاؤ اور جس سے یہ معاہدہ ہوا ہے اس سے کہہ دو کہ میں

دس اونٹیوں کے بجائے تلو کی شرط کرتا ہوں، مگر مدت تین سال کے بجائے نو سال اور بعض روایات کی رو سے سات سال، معتر کرتا ہوں۔ صدیق اکبرؓ نے حکم کی تعمیل کی،

اور ابی بن خلف اس نئے معاہدہ پر راضی ہو گیا۔ ابن جریر بسندہ عن مجاہد وروی القصة الترمذی عن ابی سعید الخدری وریار بن مکرم الاسلمی بتخیر لیسر)

روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے پانچ سال پہلے پیش آیا اور پورے سات سال ہونے پر غزوہ بدر کے وقت روم دوبارہ فارس پر غالب آگئے

اس وقت ابی بن خلف مرجعاً تھا۔ صدیق اکبرؓ نے اس کے وارثوں سے اپنی شرط کے مطابق تلو اونٹیوں کا مطالبہ کیا، انھوں نے اونٹنیاں دے دیں۔

بعض روایات میں ہے کہ ہجرت سے پہلے ابی بن خلف کو جب اندیشہ ہوا کہ ابوبکرؓ بھی شاید ہجرت کر کے چلے جائیں تو اس نے کہا کہ میں آپ کو اس وقت تک نہ چھوڑوں گا

جب تک آپ کوئی کفیل پیش نہ کریں، کہ معاذ معیتن تک روم غالب نہ آئے تو تلو اونٹنیاں وہ مجھے دیدے گا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے صاحبزادے عبدالرحمنؓ کو اس کا کفیل بنا دیا۔



جب شرط کے مطابق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ گئے اور تنواریاں ان کو ہاتھ آئیں تو وہ سب لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ ان اونٹنیوں کو صدقہ کر دو۔ اور ابو یعلیٰ، ابن عساکر میں حضرت برابر بن عازب کی روایت کے اس میں یہ الفاظ منقول ہیں هَذَا السَّحْتُ تَصَدَّقُ بِهِ، یہ تو حرام ہے اس کو صدقہ کر دو (روح المعانی)

**مسئلہ قمار** قمار یعنی بٹو از روئے نصوص شرع حرام قطعی ہے۔ ہجرت مدینہ کے بعد جس وقت شراب حرام کی گئی اسی کے ساتھ قمار بھی حرام کر دیا گیا، اور اس کو شیطان عمل قرار دیا۔ آیت اِنَّمَا الْغَنَمُ وَالْبَيْتُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَمْوَالُ مِمَّا رَجَسَ اللَّهُ عَمَلِ الشَّيْطَانِ میں میسر اور ازلام جوئے (قمار) ہی کی صورتیں ہیں جن کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ دو طرفہ لین دین اور ہار جیت کی شرط جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ابی بن خلف کے ساتھ ٹھہرائی یہ بھی ایک قسم کا بٹو اور قمار ہی تھا، مگر یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے جب قمار حرام نہیں تھا۔ اس لئے اس واقعہ میں جب یہ قمار کا مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو کوئی مال حرام نہیں تھا۔

اس لئے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے اس کے صدقہ کر دینے کا حکم کیوں فرمایا، خصوصاً دوسری روایت میں جو اس کے متعلق لفظ سُحَّت آیا ہے جس کے مشہور معنی حرام کے ہیں یہ کیسے درست ہو گا؟ اس کا جواب حضرات فقہاء نے یہ دیا ہے کہ یہ مال اگرچہ اس وقت حلال تھا مگر قمار کے ذریعہ اکتساب مال اس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ تھا، اس لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان کے مناسب نہ سمجھ کر ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ اور یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے شراب حلال ہونے کے زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کبھی استعمال نہیں فرمائی۔

اور لفظ سُحَّت جو بعض روایات میں آیا ہے اڈل تو اس روایت کو محدثین نے صحیح تسلیم نہیں کیا، اور اگر صحیح بھی مانا جائے تو یہ لفظ بھی کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے بجنے حرام مشہور ہے، دوسرے معنی اس کے مکروہ و ناپسندیدہ کے بھی آتے ہیں۔ جیسا ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا كَسَبَ الْحَجَّامُ سُحَّتًا، یعنی پچھنے لگانے والے کی کمائی سُحَّت ہے۔ یہاں جہور فقہاء نے اس کے معنی ناپسندیدہ اور مکروہ کے لئے ہیں۔ اور امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں اور ابن اثیر نے نہایت میں لفظ سُحَّت کے یہ مختلف معانی محاورات عرب اور احادیث نبویہ سے ثابت کئے ہیں۔



حضرات فقہاء کا یہ کلام اس لئے بھی واجب القبول ہے کہ اگر واقع میں یہ مال حرام تھا تو شرعی اصول کے مطابق یہ مال اسی شخص کو واپس کرنا لازم تھا جس سے لیا گیا ہے، مال حرام کو صدقہ کرنے کا حکم صرف اُن صورتوں میں ہوتا ہے جبکہ اس کا مالک معلوم ہو یا اس کو پہنچانا مشکل ہو، یا اس کو واپس کرنے میں کوئی اور شرعی قیاحت ہو۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

يَوْمَئِذٍ يُفَرِّحُ الْمُؤْمِنُونَ بِمَنْصُصِ اللَّهِ، یعنی اس روز (جبکہ روم فارس پر غالب آئیں گے) مسلمان خوش ہوں گے اللہ کی مدد سے۔ نظم عبارت کے اعتبار سے ظاہر یہ ہے کہ یہاں نصر اور مدد سے رومیوں کی نصرت و امداد ہے، وہ اگرچہ کافر تھے مگر دوسرے کے مقابل کافروں کے اعتبار سے کفر میں ہلکے تھے، اس لئے ان کی نصرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا کوئی امر مستبعد نہیں خصوصاً جبکہ ان کی نصرت سے مسلمانوں کو بھی خوشی حاصل ہو اور کفار کے مقابلہ میں ان کی جیت بھی ہو۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ نصرت سے مراد یہاں مسلمانوں کی نصرت ہو جو دو وجہ سے ہو سکتی ہے۔ اول تو یہی کہ مسلمانوں نے رومیوں کے غلبہ کو قرآن کی سچائی اور اسلام کی حقانیت کی دلیل بنا کر پیش کیا تھا، اس لئے رومیوں کا غلبہ درحقیقت مسلمانوں کی نصرت تھی، دوسری وجہ نصرت مسلمین کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس زمانے میں کفار کی بڑی طاقتیں بھی دو فارس اور روم تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو باہم بھڑا کر دونوں کو کمزور کر دیا، جو آئندہ مسلمانوں کی فتوحات کا پیش خیمہ بنی۔ (کذا فی الروح)

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ۔

یعنی یہ لوگ دنیا کی زندگی کے ایک پہلو کو تو خوب جانتے ہیں، کہ تجارت کس طرح کریں، کس مال کی کریں، کہاں سے خریدیں، کہاں بیچیں، اور کھیتی کس طرح کریں، کس بیج ڈالیں، کب کاٹیں، تعمیرات کیسی کیسی بنائیں، سامانِ عیش و عشرت کیا کیا مہیا کریں۔ لیکن اسی حیاتِ دنیا کا دوسرا پہلو جو اس کی حقیقت اور اس کے اصلی مقصد کو واضح کرتا ہے کہ دنیا کا چند روزہ قیام درحقیقت ایک مسافرانہ قیام ہے، انسان یہاں کامقائی آدمی (نیشنل) نہیں، بلکہ دوسرے ملکِ آخرت کا باشندہ ہے، یہاں کچھ مدت کے لئے دیر پر آیا ہوا ہے، اس کا اصلی کام یہ ہے کہ اپنے اصلی وطن کے لئے یہاں سے سامانِ راحت فراہم کر کے وہاں بھیجے، اور وہ سامانِ راحت ایمان اور عملِ صالح ہے، اس دوسرے دُخ سے بڑے بڑے عاقل کہلانے والے بالکل غافل اور جاہل ہیں۔

قرآن کریم کے الفاظ میں غور کیجئے کہ يَعْلَمُونَ کے ساتھ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا



فرمایا ہے جس میں لفظ ظاہر کو متزیں کے ساتھ نکرہ لاکر قواعد عربیت کی رو سے اس طرف اشارہ ہے کہ درحقیقت یہ لوگ حیات ظاہر کو بھی پورا نہیں جانتے، اس کے صرف ایک رخ کو جانتے ہیں دوسرے رخ سے غافل ہیں اور آخرت سے بالکل ہی غافل و جاہل ہیں۔

دنیا کے فنونِ معاش اگر آخرت سے | قرآن کریم اقوامِ دنیا کے عبرتناک قصوں سے بھرا ہوا ہے،  
غفلت کے ساتھ حاصل ہوں تو وہ | جو مکاسبِ دنیا اور عیش و عشرت کے سامان جمع کرنے  
کوئی دانشمندی نہیں | میں بڑے نام آور تھے، پھر ان کا انجام بد بھی دنیا ہی میں

لوگوں کے سامنے آیا، اور آخرت کا دائمی عذاب ان کا حصہ بنا، اس لئے ان کو کوئی سمجھدار آدمی عقلاً یا حکماً نہیں کہہ سکتا۔ افسوس ہے کہ آجکل عقل و حکمت کا سارا انحصار اسی میں سمجھ لیا گیا ہے کہ جو شخص زیادہ سے زیادہ مال جمع کرے اور اپنی عیش و عشرت کا سامان سب سے بہتر بنائے وہ سب بڑا عقلمند کہلاتا ہے، اگرچہ اخلاق انسانیت سے بھی گورا ہو۔ عقل و شرع کی رو سے اس کو عقلمند کہنا عقل کی توہین ہے، قرآن کریم کی زبان میں عقل والے صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ کو اور آخرت کو پہچانیں، اس کے لئے عمل کریں۔ دنیا کی ضروریات کو بقدر ضرورت رکھیں، اپنی زندگی کا مقصد نہ بنائیں۔ آیت قرآن اِنَّ فِيْ ..... لَاٰيٰتٍ لِّاُولِيْ الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا الْاٰيۃ کا یہی مفہوم ہے۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ تَفِ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ

کیا وہ بیان نہیں کرتے اپنے جی میں کہ اللہ نے جو بنائے آسمان

وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِاَلْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى وَاِنَّ

اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے سو ٹھیک سادھ کر اور وعدہ مقرر اور

كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ يَلْقَآئِ رَبِّهِمْ لَكِْفِرُوْنَ ۝۸ اَوَلَمْ يَسِيرُوْا

بہت لوگ اپنے رب کا ملنا نہیں مانتے، کیا انھوں نے سیر نہیں کی

فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنۢ مُّۡن قَبْلِهِمْ ط

ملک کی جو دیکھیں انجام کیسا ہوا ان سے پہلوں کا،

كَانُوْا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارًا وَّاَلْاَرْضُ وَعَسْرُهَا

ان سے زیادہ تھے زور میں اور جوتا انھوں نے زمین کو اور بسایا اس کو



أَكْثَرِمِمَّا عَمُرُوهَا وَجَاءَهُمْ رَسُولُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا

ان کے بسانے سے زیادہ اور پہنچے ان کے پاس رسول ان کے کھلے حکم لے کر سو اللہ نہ

اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ⑨ ثُمَّ

تھا ان پر ظلم کرنے والا لیکن وہ اپنا آپ برا کرتے تھے ، پھر

كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ آسَاءُوا السُّوَايَ أَنْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ

ہوا انجام برا کرنے والوں کا برا اس واسطے کہ جھٹلاتے تھے اللہ کی

اللَّهُ وَكَانُوا إِلَٰهًا سِتْهُزَّؤُونَ ⑩

باتیں اور ان پر ٹھٹھے کرتے تھے ۔

عاشق

## خلاصہ تفسیر

کیا دلائل وقوع آخرت کے سن کر بھی ان کی نظر دنیا ہی پر مقصور رہی اور انھوں نے اپنے دلوں میں یہ غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان میں ہیں کسی حکمت ہی سے اور ایک ميعاد معین (تک) کے لئے پیدا کیا ہے جیسا اس نے آیات میں خبر دی ہے کہ ان حکمتوں میں سے ایک حکمت جزاء و سزا کی ہے۔ اور ميعاد معین قیامت ہے۔ اگر اپنے دلوں میں غور کرتے تو ان واقعات کا امکان عقل سے اور ان کا وقوع نقل یعنی قرآن سے اور اس نقل کا صدق صفت اعجاز سے منکشف ہو جاتا، اور آخرت کے منکر نہ ہوتے، مگر غور نہ کرنے سے منکر ہو رہے ہیں۔ اور یہی کیا اور بہت سے آدمی اپنے رب کے ملنے کے منکر ہیں کیا یہ لوگ رکبھی گھر سے نہیں نکلے اور زمین میں چلے پھرے نہیں، جس میں دیکھتے بھالتے کہ جو (منکر) لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا (آخری) انجام کیا ہوا کیفیت ان کی یہ تھی کہ وہ ان سے قوت میں بڑھے ہوئے تھے اور انھوں نے زمین کو بھی (ان سے زیادہ) بویا تھا اور جتنا انھوں نے (سامان اور مکان سے) اس کو آباد کر رکھا ہے اس سے زیادہ انھوں نے اس کو آباد کیا تھا اور ان کے پاس بھی ان کے پیغمبر معجزے لے کر آئے تھے (جن کو انھوں نے نہیں مانا اور عذاب ہلاک ہوئے جن کی ہلاکت کے آثار ان کے دیران مکانات سے جو طریق شام میں ملتے ہیں نمودار ہیں) سو (اس ہلاکت میں) خدا تعالیٰ ایسا نہ تھا کہ ان پر



ظلم کرتا وہ تو خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے کہ انکار پیغمبروں کا کر کے مستحق ہلاکت ہوئے یہ تو ان کی حالت دنیا میں ہوئی اور پھر آخرت میں ایسے لوگوں کا انجام جنہوں نے ایسا بڑا کام (یعنی رسل کا انکار) کیا تھا جیسا ہی ہوا (محض) اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو (یعنی احکام و اخبار کو) جھٹلایا تھا اور تکذیب سے بڑھ کر یہ کہ ان کی ہنسی اڑاتے تھے وہ انجام سزائے دوزخ ہے)۔

## معارف و مسائل

مذکورہ صدر دونوں آیتیں مضمون سابق کا تکملہ اور اس پر بطور شہادت کے ہیں کہ یہ لوگ دنیا کی چند روزہ چمک و مک اور فانی لذتوں میں لیے مست ہو گئے کہ اس کارخانہ کی حقیقت اور انجام سے بالکل غافل ہو گئے، اگر یہ خود بھی ذرا اپنے دل میں سوچتے اور غور کرتے تو ان پر یہ راز کائنات منکشف ہو جاتا کہ خالق کائنات نے یہ آسمان و زمین اور ان دونوں کے درمیان کی مخلوقات کو فضول اور بیکار پیدا نہیں کیا۔ ان کی تخلیق کا کوئی بڑا مقصد اور بڑی حکمت ہے، اور وہ یہی ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ان بے شمار نعمتوں کے ذریعے ان کے پیدا کرنے والے کو بھی پہچانیں، اور اس کی تلاش میں لگ جائیں کہ وہ کن کاموں کے راضی ہوتا ہے کن سے ناراض، تاکہ اس کی رضا جوئی کا سامان کریں، اور ناراضی کے کاموں سے بچیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان دونوں قسموں کے کاموں کی کچھ جزاء و سزا بھی ہونا ضروری ہے، ورنہ نیک و بد کو ایک ہی پلے میں رکھنا عدل و انصاف کے خلاف ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ دنیا دار الجزام نہیں ہے جس میں انسان کو اس کے اچھے یا بُرے عمل کی پوری جزاء ضرور مل ہی جائے، بلکہ یہاں تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جرائم پیشہ آدمی خوش خرم اور بامراد نظر آتا ہے، اور بُرے کاموں سے پرہیز کرنے والا مصائب اور تنگی کا شکار دیکھا جاتا ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسا وقت آئے جب یہ سب کارخانہ ختم ہو اور اچھے بُرے اعمال کا حساب ہو، اور ان پر جزاء و سزا مرتب ہو، جس کا نام قیامت اور آخرت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ لوگ اگر غور و فکر کرتے تو یہی آسمان و زمین اور ان کی مخلوقات اس کی شہادت دے دیتیں کہ یہ چیزیں دائمی نہیں، کچھ مدت کے لئے ہیں، اور ان کے بعد دوسرا عالم آنے والا ہے جو دائمی ہوگا۔ مذکورہ دو آیتوں میں سے پہلی آیت کا یہی حاصل ہے **أَوَلَمْ تَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِكُمْ** الآیۃ، یہ مضمون تو ایک عقلی استدلال کا ہے۔ اگلی آیت



میں دنیا کی محسوسات و مشاہدات اور تجربات کو اس کی شہادت میں پیش کیا گیا ہے، اور اہل مکہ کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ:

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا إِلَىٰ مَا خُلِقَ بِهِ الْبَشَرُ ۖ ثُمَّ يَدْعُونَ بِهِ ۖ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَىٰ الظَّالِمِينَ ۚ  
 نہ زراعت ہے نہ صنعت نہ تجارت کے مواقع اور نہ بلند و بالا حسین تعمیرات، مگر ملکِ شام اور یمن کے سفران لوگوں کو اپنے تجارتی مقاصد کے لئے پیش آتے ہیں کیا ان سفروں میں ان لوگوں نے اپنے سے پہلی اقوام دنیا کے انجام کا مشاہدہ نہیں کیا جنکو اللہ تعالیٰ نے زمین میں بڑے بڑے تصرفات کرنے کا سلیقہ دیا تھا کہ زمین کو کھود کر اس سے پانی نکالنا اور اس سے باغات اور کھیتوں کو سیراب کرنا اور چھپے ہوئے معاون سے سونا چاندی اور دوسری قسم کی معدنی دھاتیں نکالنا اور ان سے انسانی فوائد کے لئے مختلف قسم کی مصنوعات تیار کرنا ان کا وظیفہ زندگی تھا اور یہ اپنے زمانے کی تمدن قومیں سمجھی جاتی تھیں۔ مگر انھوں نے اسی مادی اور فانی عیش و عشرت میں مست ہو کر اللہ کو اور آخرت کو بھلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یاد دلانے کے لئے اپنے پیغمبر اور کتابیں بھیجیں، مگر انھوں نے کسی کی طرف التفات نہیں کیا، اور بالآخر دنیا میں بھی مبتلائے عذاب ہوئے۔ جس پر ان کی بستیوں کے ویران کھنڈرات اس وقت تک شہادت دے رہے ہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا کہ غور کرو کہ کیا اس عذاب میں ان پر اللہ کی طرف سے کوئی ظلم ہوا ہے یا انھوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے کہ اسبابِ عذاب جمع کر لئے۔

اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝۱۱

اللہ بناتا ہے پہلی بار پھر اس کو دہرائے گا پھر اسی کی طرف پھر جاؤ گے،

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ۝۱۲ وَلَمْ يَكُنْ

اور جس دن برپا ہوگی قیامت اس توڑ کر رہ جائیں گے گمہنگار، اور نہ ہوں گے

لَهُمْ مِنْ شَرِّكَائِهِمْ شَفَعَاءُ ۚ وَكَانُوا بِشَرِّكَائِهِمْ كَافِرِينَ ۝۱۳

ان کے شریکوں میں کوئی ان کے سفارش کرنے والے اور وہ ہو جائیں گے اپنی شریکوں سے منکر

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُؤْمِنُ يَتَفَرَّقُونَ ۝۱۴ فَأَمَّا الَّذِينَ

اور جس دن قائم ہوگی قیامت اس دن لوگ ہوں گے قسم قسم، سو جو لوگ



اٰمَنُوْا وَعَسَلُوْا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ سَرٰوَضَةٍ يَّحْبَرُوْنَ ۝۱۵

یقین لاتے اور کئے بھلے کام سواغ میں ہوں گے ان کی آؤ بھگت ہوگی،

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا وَلِقَائِ الْاٰخِرَةِ

اور جو منکر ہوئے اور جھٹلائیں ہماری باتیں اور ملنا پھلے گھر کا

فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُخَضَّرُوْنَ ۝۱۶ فَسَبِّحْنِ اللّٰهَ حِيْنَ

سو وہ عذاب میں پھڑے آئیں گے، سو پاک اللہ کی یاد کرو جب شام

تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُمْبِحُوْنَ ۝۱۷ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ

کرو اور جب صبح کرو، اور اسی کی خوبی ہے آسمان میں

وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ۝۱۸ يُخْرِجُ الْحَيَّ

اور زمین میں اور پھلے وقت اور جب دوپہر ہو، نکالتا ہے زندہ کو

مِّنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْاَرْضَ

مردے سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور زندہ کرتا، ہر زمین کو

بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝۱۹

اس کے مرنے کے پیچھے، اور اسی طرح تم نکالے جاؤ گے

## خُلاصۃ تفسیر

اللہ تعالیٰ خلق کو اول بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی اس کو پیدا کرے گا پھر دوبارہ ہونے کے بعد اس کے پاس (حساب کتاب کے لئے) لائے جاؤ گے اور جس روز قیامت قائم ہوگی (جس میں اعادۂ مذکور ہونے والا ہے) اس روز مجرم (یعنی کافر) لوگ (باز پرس کے وقت) حیرت زدہ رہ جائیں گے (یعنی کوئی معقول بات ان سے نہ بن پڑے گی) اور ان کے (تراشے ہوئے) شریکوں میں سے (جن کو شریک عبادت بناتے تھے) ان کا کوئی سفارشی نہ ہوگا اور اس وقت خود یہ لوگ (بھی) اپنے شریکوں میں سے منکر ہو جائیں گے کہ وَاللّٰهِ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ) اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز (علاوہ واقعہ مذکورہ کے ایک واقعہ یہ بھی ہوگا کہ مختلف طریقوں کے) سب آدمی جدا جدا ہو جائیں گے



یعنی جو لوگ ایمان لائے تھے اور انھوں نے اچھے کام کئے تھے وہ تو رہشت کے (بارغ میں مسرور ہوں گے، اور جن لوگوں نے کفر کیا تھا، اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا تھا وہ لوگ عذاب میں گرفتار ہوں گے) یہ معنی ہیں جدا جدا ہونے کے، جب ایمان و عمل صالح کی فضیلت تم کو معلوم ہو گئی (سو تم اللہ کی تسبیح و اعتقاد و قلباً بھی جس میں ایمان آگیا اور قولاً و لساناً بھی جس میں استرار و دیگر اذکار آگئے اور عملاً و ارکاناً بھی جس میں تمام عبادتیں عموماً اور نماز خصوصاً آگئیں، غرض تم اللہ کی تسبیح ہر وقت کیا کرو (اور خصوصاً) شام کے وقت اور صبح کے وقت اور اللہ کی تسبیح کرنے کا جو حکم ہوا ہے تو وہ واقع میں اس کا مستحق بھی ہے، کیونکہ تمام آسمانوں اور زمین میں اسی کی حمد ہوتی ہے) یعنی آسمان میں فرشتے اور زمین میں بعض خستیاں اور بعض اضطرار اس کی حمد و ثناء کرتے ہیں۔ کقولہ تعالیٰ **قَدْ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يَسْبِّحُ بِحَمْدِهِ** پس جب وہ ایسا محمود الصفات کامل الذات ہے تو تم کو بھی ضرور اس کی تسبیح کرنی چاہئے) اور بعد زوال (بھی تسبیح کیا کرو) اور ظہر کے وقت (بھی تسبیح کیا کرو) کہ یہ اوقات تجددِ نعمت و زیادتِ ظہور آثارِ قدرت کے ہیں ان میں تجدیدِ تسبیح کی مناسب ہی بالخصوص نماز کے لئے یہی اوقات مقرر ہیں، چنانچہ **مَسَاءً مِّنْ مَّغْرِبٍ وَعَشَاءً آتَتْهُ** اور غشی میں ظہر اور عصر دونوں داخل تھے، مگر ظہر صراحتاً مذکور ہے، اس لئے صرف عصر مذکور ہے، اور صبح بھی تصریحاً مذکور ہے، اور اس کو دو بارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے، کیونکہ اس کی ایسی قدرت ہے کہ وہ جاندار کو بے جان سے باہر لاتا ہے اور بے جان کو جان دار سے باہر لاتا ہے (مثلاً نطفہ اور بیضہ سے انسان اور بچہ اور انسان اور پرندہ سے نطفہ اور بیضہ) اور زمین کو اس کے مردہ (یعنی خشک) ہونے کے بعد زندہ (یعنی تازہ و شاداب) کرتا ہے اور اسی طرح تم لوگ (قیامت کے روز) قبروں سے نکالے جاؤ گے،

## معارف و مسائل

**فَمَنْ فِي سَعَادَةٍ يُحْبَبُونَ**، **يُحْبَبُونَ** جو سے مشتق ہے، جس کے معنی مسرور اور خوشی کے ہیں۔ اور اس لفظ کے عموم میں ہر طرح کا سرور داخل ہے جو نعمائے جنت سے اہل جنت کو حاصل ہوگا۔ قرآن کریم میں اس کو یہاں بھی عام رکھا گیا ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ یہ ارشاد ہے **فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ**، یعنی کسی شخص کو دنیا میں معلوم نہیں کہ اس کے لئے جنت میں آنکھوں کی ٹھنڈک (اور راحت و سرور)



کے کیا کیا سامان جمع ہیں۔ بعض مفسرین نے جو خاص خاص سرور کی چیزوں کو اس آیت کے تحت میں ذکر کیا ہے وہ سب اسی اجمال میں داخل ہیں۔

تَسْبِحْنَ اللّٰهَ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعِشْيَا وَحِينَ تُظْهِرُونَ، لفظ تَسْبِحْنَ اللّٰه مصدر ہے، اس کا فعل مخذوف ہے، یعنی تَسْبِحُوا اللّٰهُ مَجَانًا، حِينَ تُمْسُونَ، یعنی جب تم شام کے وقت میں داخل ہو، اور وَحِينَ تُمْسُونَ، یعنی جب تم صبح کا وقت آئے، وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، یہ جملہ درمیان میں بطور دلیل کے لایا گیا ہے کہ صبح شام اللّٰه کی تسبیح اس لئے ضروری ہے کہ آسمان و زمین میں صرف وہی مستحق حمد ہے اور تمام آسمان و زمین ولے اس کی حمد کرنے میں مشغول ہیں۔ اور جس طرح شروع آیت میں صبح شام کی تسبیح کا حکم ہے، آخر آیت میں عِشْيَا اور حِينَ تُظْهِرُونَ سے اور دو وقتوں میں تسبیح کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ایک وقت عِشْيَا جو دن کے آخری حصہ کو کہا جاتا ہے، جو عصر کا وقت ہے۔ دوسرا وقت ظہر یعنی بعد زوال آفتاب کے۔

اور ترتیب بیان میں جس طرح شام کو صبح سے مقدم کر کے بیان کیا گیا ہے، اسی طرح دن کے آخری حصہ کو ظہر پر مقدم کر کے بیان کیا گیا ہے، شام یعنی رات کو مقدم کرنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اسلامی تاریخ میں رات مقدم ہوتی ہے، اور تاریخ غروب آفتاب سے بدلتی ہے۔ اور عِشْيَا یعنی وقت عصر کو ظہر سے مقدم کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ عصر کا وقت عموماً کاروبار کی مشغولیت کا وقت ہوتا ہے، اس میں کوئی دعا، تسبیح یا نماز عادتہ مشکل ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں صَلَوةٌ وَسَطٰی جس کی تفسیر جمہور کے نزدیک نماز عصر ہے، اس کی خصوصی تاکید آئی ہے۔ حَافِظُوا عَلٰی الصَّلَاةِ وَ الصَّلَاةِ الْوَسَطٰی۔

آیت مذکورہ کے الفاظ میں نماز یا صلوة کی تصریح نہیں۔ اس لئے ہر قسم کے ذکر اللہ قوی اور عملی کو شامل ہے، جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں بیان کیا گیا ہے۔ اور ذکر اللہ کی تمام اقسام میں چونکہ نماز سب سے اعلیٰ اور افضل ہے، اس لئے وہ اس میں بدرجہ اولیٰ داخل ہے۔ اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ اس آیت میں پانچوں نمازوں کا مع ان کے اوقات کے ذکر آ گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے دریافت کیا کہ کیا قرآن میں پانچ نمازوں کا ذکر صریح ہے؟ تو فرمایا ہاں! اور استدلال میں یہی آیت پیش کر کے فرمایا کہ حِينَ تُمْسُونَ میں نماز مغرب اور حِينَ تُصْبِحُونَ میں نماز فجر اور عِشْيَا میں نماز عصر اور



جِنِّ تَنْظَرُونَ میں نماز ظہر کا ذکر صریح موجود ہے۔ اب صرف ایک نمازِ عشاء رہی، اس کے ثبوت میں دوسری آیت کا جملہ ارشاد فرمایا مِّنْ بَعْضِ صَلَوةِ الْعِشَاءِ۔

اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ حَتِّینِ مَسْمُون میں نماز مغرب و عشاء دونوں داخل ہیں۔

فائدہ عظیمہ | یہ آیت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ دعا ہے جس کی وجہ سے قرآن کریم نے ان کو وفاء عہد کا خطاب دیا ہے، ارشاد

فرمایا: اَبْرَاهِیْمَ الَّذِیْ حٰقٌّ فِیْهِ، حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ کلمات صبح شام پڑھا کرتے تھے۔  
جیسا کہ اسانید صحیحہ کے ساتھ حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف و فائز عہد سے کرنے کا سبب ان کی یہ دعا تھی۔

اور ابوداؤد، طبرانی، ابن سنی وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فَسَبَّحَانَ اللّٰہِ حِثْنَ ثَمَسُونَ وَحِثْنَ تَصْبِحُونَ

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ، يُخْرِجُ الْحَيَّ

مِنَ النَّبِيِّ وَيُخْرِجُ النَّبِيَّ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذَلِكَ

تَحْرَجُونَ، ان دو آیتوں کے متعلق فرمایا کہ جس شخص نے صبح کو یہ کلمات پڑھ لئے تو دن بھر

میں اس کے عمل میں جو کوتاہی ہوگی وہ ان کلمات کی برکت سے پوری کر دی جائے گی، اور

جس نے شام کے وقت یہ کلمات پڑھ لئے تو اس کے رات کے اعمال کی کوتاہی اس کے ذریعے

پوری کر دی جائے گی (روح)

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تم کو بنایا مٹی سے پھر اب تم انسان ہو

تَنْتَشِرُ وَلَا ۝۴۰ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ

زمین میں پھیلے پڑے ، اور اس کی نشانیوں میں سے یہ کہ بنادیئے تمھارے واسطے تمھاری قسم سے

أَسِرُّوا حَالَ تَسْكِنُوا إِلَهُهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ

جوڑے کہ جن سے رہبان کے پاس اور رکھا تمہارے بیچ میں پیارا اور مہربانی، نسبت

فَإِنَّ لِلَّهِ لَا تَلْفَظَ لَمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٣١﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰیْتِسِرُوْنَ ۙ (۱۱) وَرِکِّزُوْا اٰیَّتِیْۤا



السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ السِّنِينَ وَالْوَاثِقَاتِ

آسمان اور زمین کا بنانا اور طرح طرح کی بولیاں بھاری اور رنگ ،

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْغَالِبِينَ ﴿٢٢﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ

اس میں بہت نشانیاں ہیں سمجھنے والوں کو ، اور اس کی نشانیوں میں ہے تمھارا

يَأْتِيلُ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ

سوزانات اور دن میں اور تلاش کرنا اس کے فضل سے اس میں بہت

لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُسْمِعُونَ ﴿٢٣﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ

یتے ہیں ان کو جو سنتے ہیں ، اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ دکھلاتا ہر تم کو بجلی

خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُخْرِجُ بِهِ الْأَرْضَ

ڈر اور امید کے لئے اور اتارتا ہے آسمان سے پانی پھر زندہ کرتا ہر اس زمین کو

بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْ

مرگنے پیچھے اس میں بہت پتے ہیں ان کے لئے جو سوچتے ہیں ، اور اس کی

آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُم

نشانوں سے یہ کہ کھڑا ہے آسمان اور زمین اس کے حکم سے پھر جب پکارے گا تم کو

دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ ﴿٢٥﴾ وَلَهُ مَن

ایک بار زمین میں سے اسی وقت تم نکل پڑو گے ، اور اسی کا ہے جو

فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلُّ لَّهُ قَنُوتٌ ﴿٢٦﴾ وَهُوَ الَّذِي

کوئی ہے آسمان اور زمین میں سب اس کے حکم کے تابع ہیں ، اور وہی ہے جو

يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الشَّيْءُ

پہلی بار بناتا ہے پھر اس کو دہراتے گا اور وہ آسان ہے اس پر اور اس کی شان

الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٧﴾

سب ادا ہے آسمان اور زمین میں اور وہی ہر زبردست حکمتوں والا ۔



## خلاصہ تفسیر

اور اسی کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے ایک یہ (امر) ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا (یا تو اس طرح کہ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے جو مشتمل تھے تمام ذریت پر اور یا اس طرح کہ نطفہ کی اصل غذا ہے اور اس کی اصل عناصر ہیں جس میں جزو غالب مٹی ہے) پھر تھوڑے ہی روز بعد (کیا ہوا کہ) تم آدمی بن کر (زمین پر) پھیلے ہوئے پھرتے (نظر آتے) ہو اور اسی کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ (امر) ہے کہ اس نے تمہارے (فائدے کے) واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں (اور وہ فائدہ یہ ہے کہ) تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بی بی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی، اس (امر مذکور) میں (بھی) ان لوگوں کے لئے (قدرت کی) نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں (کیونکہ استدلال کے لئے فکر کی ضرورت ہے اور نشانیاں جمع اس لئے فرمایا کہ امر مذکور کسی امر پر مشتمل ہے) اور اسی کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کا بنانا ہے اور تمہارے لب و لہجہ اور رنگتوں کا الگ الگ ہونا ہے، (لب و لہجہ سے مراد یا لغات ہوں یا آواز و طرز گفت گو) اس (امر مذکور) میں (بھی) نشانیوں کے لئے (قدرت کی) نشانیاں ہیں (یہاں بھی صیغہ جمع لانے کی وہی توجیہ مذکور ہو سکتی ہے) اور اسی کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے تمہارا سونا لیٹنا ہے رات میں اور دن میں (گورا کو زیادہ اور دن کو کم ہوا) اور اس کی روزی کو تمہارا تلاش کرنا ہے (دن کو زیادہ اور رات کو کم، اسی لئے دوسری آیات میں نیند کو رات کے ساتھ اور تلاش معاش کو دن کے ساتھ خاص کر کے بیان کیا گیا ہے) اس (امر مذکور) میں (بھی) ان لوگوں کے لئے (قدرت کی) نشانیاں ہیں جو (دلیل کو توجہ سے) سنتے ہیں اور اسی کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ (امر) ہے کہ وہ تم کو (بارش کے وقت) بجلی (چمکتی ہوئی) دکھلاتا ہے جس سے (اس کے گرنے کا) ڈر بھی ہوتا ہے اور (اس سے بارش کی) امید بھی ہوتی ہے اور وہی آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس سے زمین کو اس کے مردہ (یعنی خشک) ہو جانے کے بعد زندہ (یعنی تروتازہ) کر دیتا ہے اس (امر مذکور) میں (بھی) ان لوگوں کے لئے (قدرت کی) نشانیاں ہیں جو عقل (نافع رکھتے ہیں) اور اسی کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ (امر) ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم (یعنی ارادہ) سے قائم ہیں (اس میں بیان ہے کہ ان کے البقا کا، اور اور یخلق السموات والارض میں ذکر تھا ان کی ابتداء پر آفرینش کا اور یہ تمام نظام عالم جو مذکور ہوا، یعنی تمہارا سلسلہ توالد و تناسل کا جاری ہونا اور



ہاں ازل و ارج ہونا اور آسمان و زمین کا ہیئت کذائیہ موجود و قائم ہونا اور زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف اور نسل و نسل کے انقلاب میں خاص مصلحتوں کا ہونا اور بارش کا نزول اور اس کے مبادی و آثار کا ظہور وہ سب اسی وقت تک باقی ہیں جب تک دنیا کو باقی رکھنا مقصود ہے اور ایک روز یہ سب ختم ہو جائے گا (پھر اس وقت یہ ہو گا کہ) جب تم کو پکار کر زمین میں سے بلا دے گا تو تم بیکارگی نکل پڑو گے (اور دوسرا نظام شروع ہو جائے گا جو مقصود مقام ہے) اور (ادھر دلائل قدرت سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ) جتنے (فرشتے اور انسان وغیرہ) آسمان اور زمین میں موجود ہیں سب اسی کے (ملوک) ہیں (اور) سب اسی کے تابع (یعنی مسخر قدرت) ہیں اور (اس ثبوت و اختصاص قدرت کاملہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ) وہی ہے جو اول بار پیدا کرتا ہے (چنانچہ یہ مخاطبین کے نزدیک بھی مسلم تھا) پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا (جیسا کہ دلائل مذکورہ کے ساتھ خبر صادق کے مل جانے سے معلوم ہوا) اور یہ (دوبارہ پیدا کرنا) اس کے نزدیک باعتبار مخاطبین کے بادی النظر کے بہ نسبت اول بار پیدا کرنے کے (زیادہ آسان ہے) جیسا قدرت بشریہ کے اعتبار سے عادت غالبہ یہی ہے کہ کسی چیز کو پہلی بار کے بنانے سے دوسری بار بنانا سہل تر ہوتا ہے اور آسمان اور زمین میں اسی کی شان (دیکھ) اعلیٰ ہے (یعنی نہ آسمانوں میں کوئی ایسا بڑا ہے اور نہ زمین میں کقولہ تعالیٰ وَ لَهُ الْکِبْرِیَاءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ) اور وہ (بڑا) زبردست (یعنی قادر مطلق اور) حکمت والا ہے (چنانچہ اوپر کے تصرفات سے قدرت اور حکمت دونوں ظاہر ہیں) پس وہ اپنی قدرت سے اعادہ کرے گا، اور اس اعادہ تخلیق میں جتنا توقف ہو رہا ہے اس میں حکمت و مصلحت ہے، پس قدرت و حکمت کے ثبوت کے بعد فی الحال واقع نہ ہونے سے انکار کرنا جہل ہے۔

## معارف و مسائل

سورۃ روم کے شروع میں روم و فارس کی جنگ کا ایک واقعہ منسافانے کے بعد منکرین اور کفار کی گمراہی اور حق بات کے سننے سمجھنے سے بے پروائی کا سبب ان کا صرف دنیا کی فانی زندگی کو اپنا مقصد حیات بنا لینا اور آخرت کی طرف کوئی توجہ نہ دینا قرار دیا گیا تھا، اس کے بعد قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے اور حساب کتاب اور جزا و سزا کے واقع ہونے پر جو سطحی نظر والوں کو استبعاد ہو سکتا ہے، اس کا جواب مختلف پہلوؤں سے دیا گیا ہے، پہلے خود اپنے نفس میں غور و فکر کی پھر گرد و پیش میں گزرنے والی اقوام



کے حالات اور ان کے انجام میں نظر کرنے کی دعوت دی گئی۔ پھر حق تعالیٰ کی قدرت کا ملکہ مطلقہ کا ذکر فرمایا جس میں اس کا کوئی ہیم و شریک نہیں، ان سب شواہد و دلائل کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مستحق عبادت صرف اس کی یکتا ذات کو قرار دیا جائے۔ اور اس نے جو اپنے انبیاء کے ذریعہ قیامت قائم ہونے اور تمام اولین و آخرین کے دوبارہ زندہ ہو کر حساب کتاب کے بعد جنت یا دوزخ میں جانے کی خبر دی ہے اس پر ایمان لایا جائے۔ مذکورہ صدر آیات میں اسی قدرت کاملہ اور اس کے ساتھ حکمت بالغہ کے کچھ مظاہر آیات قدرت کے عنوان سے بیان فرمائے گئے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی بے مثال قدرت و حکمت کی نشانیاں ہیں۔

پہلی آیت قدرت: انسان جیسے اشرف المخلوقات اور حاکم کائنات کو مٹی سے پیدا کرنا ہے جو اس دنیا کے عناصر ترکیبہ میں سب سے زیادہ ادنیٰ درجہ کا عنصر ہے جس میں حس و حرکت اور شعور و ادراک کا کوئی شے نظر نہیں آتا، کیونکہ مشہور چار عناصر آگ، پانی، ہوا، اور مٹی، میں سے مٹی کے سوا اور سب عناصر میں کچھ نہ کچھ حرکت تو ہے مٹی اس سے بھی محروم ہے، قدرت نے تخلیق انسانی کے لئے اس کو منتخب فرمایا۔ ابلیس کی مگر اسی کا سبب یہی بنا کہ اس نے آگ کے عنصر کو مٹی سے اشرف و اعلیٰ سمجھ کر تکبر اختیار کیا، اور یہ نہ سمجھا کہ شرافت اور بزرگی خالق و مالک کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے بڑا بنا سکتا ہے۔ اور انسان کی تخلیق کا مادہ مٹی ہونا حضرت آدم علیہ السلام کے اعتبار سے ظاہر ہی ہے۔ اور وہ چونکہ تمام بنی آدم کے وجود کی اصل بنیاد ہیں اس لئے دوسرے انسانوں کی تخلیق بالواسطہ اُن ہی کی طرف منسوب کرنا کچھ بعید نہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ عام انسان جو والد و تناسل کے سلسلہ سے نطفہ کے ذریعہ پیدا ہوتے ہیں ان میں بھی نطفہ جن اجزاء سے مرکب ہوتا ہے ان میں مٹی کا جز و غالب ہے۔

دوسری آیت قدرت: یہ ہے کہ انسان ہی کی جنس میں اللہ تعالیٰ نے عورتیں پیدا کر دیں جو مردوں کی بیبیاں بنیں، ایک ہی مادہ سے ایک ہی جگہ میں ایک ہی غذا سے پیدا ہونے والے بچوں میں یہ دو مختلف قسمیں پیدا فرمادیں جن کے اعضاء و جوارح، صورت و سیرت، عادات و اخلاق میں نمایاں تفاوت و امتیاز پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت و حکمت کے لئے یہ تخلیق ہی کافی نشانی ہے۔ اس کے بعد عورتوں کی اس خاص نوع کی تخلیق کی حکمت و مصلحت یہ بیان فرمائی لَتَشْكُنُوا فِيهَا، یعنی ان کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ تمہیں ان کے پاس پہنچ کر سکون ملے۔ مرد کی جتنی ضروریات عورت سے متعلق ہیں ان سب میں غور کیجئے تو سب کا حاصل سکون قلب اور راحت و



اطمینان نکلے گا، قرآن کریم نے ایک لفظ میں ان سب کو جمع فرمادیا ہے۔  
 اس سے معلوم ہوا کہ ازدواجی زندگی کے تمام کاروبار کا خلاصہ سکون و راحت قلب  
 ہے، جس گھر میں یہ موجود ہے وہ اپنی تخلیق کے مقصد میں کامیاب ہے، جہاں قلبی سکون نہ  
 ہو اور چاہے سب کچھ ہو وہ ازدواجی زندگی کے لحاظ سے ناکام و نامراد ہے۔ اور یہ بھی ظاہر  
 ہے کہ باہمی سکون قلب صرف اسی صورت سے ممکن ہے کہ مرد و عورت کے تعلق کی بنیاد  
 شرعی نکاح اور ازدواج پر ہو، جن ممالک اور جن لوگوں نے اس کے خلاف کی حرام  
 صورتوں کو رواج دیا اگر تفتیش کی جائے تو ان کی زندگی کو کہیں پر سکون نہ پائیں گے، جانوروں  
 کی طرح وقتی خواہش پوری کر لینے کا نام سکون نہیں ہو سکتا۔

ازدواجی زندگی کا مقصد	اس آیت نے مرد و عورت کی ازدواجی زندگی کا مقصد سکون قلب
سکون ہر جس کے لئے باہمی	قرار دیا ہے، اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ طرفین ایک دوسرے کا حق
الفت و محبت اور رحمت	پہچانیں اور ادا کریں، ورنہ حق طلبی کے جھگڑے خانگی سکون کو برباد
مزدوری ہے	کر دیں گے۔ اس ادائے حقوق کے لئے ایک صورت تو یہ تھی کہ اس

کے قوانین بنادینے اور احکام نافذ کر دینے پر اکتفاء کیا جاتا، جیسے دوسرے لوگوں کے حقوق  
 کے معاملہ میں ایسا ہی کیا گیا ہے، کہ ایک دوسرے کی حق تلفی کو حرام کر کے اس پر سخت  
 وعیدیں سنائی گئیں، سزائیں مقرر کی گئیں، ایثار و ہمدردی کی نصیحت کی گئی۔ لیکن تجربہ  
 شاہد ہے کہ صرف قانون کے ذریعہ کوئی قوم اعتدال پر نہیں لائی جاسکتی جب تک اس کے  
 ساتھ خدا کا خوف نہ ہو، اسی لئے معاشرتی معاملات میں احکام شرعیہ کے ساتھ ساتھ پورے  
 قرآن میں ہر جگہ اتَّقُوا اللَّهَ، وَاحْشَوْاْ غَيْرَہ کے کلمات بطور تکرار لائے گئے ہیں۔  
 مرد و عورت کے باہمی معاملات کچھ اس نوعیت کے ہیں کہ ان کے حقوق باہمی پورے  
 ادا کرانے پر نہ کوئی قانون حاوی ہو سکتا ہے نہ کوئی عدالت ان کا پورا انصاف کر سکتی ہے۔  
 اسی لئے خطبہ نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی وہ آیات انتخاب  
 فرمائی ہیں جن میں تقویٰ اور خوفِ خدا و آخرت کی تلقین ہے کہ وہی درحقیقت زوجین  
 کے باہمی حقوق کا ضامن ہو سکتا ہے۔

اس پر ایک مزید انعام حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ازدواجی حقوق کو صرف شرعی  
 اور قانونی نہیں رکھا بلکہ طبعی اور نفسانی بنادیا۔ جس طرح ماں باپ اور اولاد کے باہمی حقوق  
 کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ فرمایا، کہ ان کے قلوب میں فطرۃً ایک ایسی محبت پیدا  
 فرمادی کہ ماں باپ اپنی جان سے زیادہ اولاد کی حفاظت کرنے پر مجبور ہیں۔ اور اسی



طرح اولاد کے قلوب میں بھی ایک فطری محبت ماں باپ کی رکھ دی گئی ہے۔ یہی معاملہ زوجین کے متعلق بھی فرمایا گیا۔ اس کے لئے ارشاد فرمایا: **وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً**، یعنی اللہ تعالیٰ نے زوجین کے درمیان صرف شرعی اور قانونی تعلق نہیں رکھا بلکہ ان کے دلوں میں مودت اور رحمت پیوست کر دی۔ **وَدَّ** اور **مَوَدَّتْ** کے لفظی معنی چاہنے کے ہیں، جس کا ثمرہ محبت و الفت ہے۔ یہاں حق تعالیٰ نے دو لفظ ختم یا فرمائے، ایک مودت دوسرے رحمت۔ ممکن ہے اس میں اشارہ اس طرف ہو کہ مودت کا تعلق جوانی کے اس زمانے سے ہو جس میں طسرفین کی خواہشات ایک دوسرے سے محبت و الفت پر مجبور کرتی ہیں اور بڑھاپے میں جب یہ جذبات ختم ہو جاتے ہیں تو باہمی رحمت و ترحم طبعی ہو جاتا ہے (مذکرہ الفترطی عن البعض)۔

اس کے بعد فرمایا **إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ**، یعنی اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں، یہاں ذکر تو ایک نشانی کا کیا گیا ہے اور اس کے آخر میں اس کو آیات اور نشانیاں فرمایا، وجہ یہ ہے کہ از دو اجی تعلق جس کا ذکر اس میں کیا گیا اس کے مختلف پہلوؤں پر اور ان سے حاصل ہونے والے دینی اور دنیوی فوائد پر نظر کی جائے تو یہ ایک نہیں بہت سی نشانیاں ہیں۔

تیسری آیت قدرت: **آسَمَانُ وَزَمِينَ** کی تخلیق اور انسانوں کے مختلف طبقات کی زبانیں اور لب و لہجہ کا مختلف ہونا اور مختلف طبقات کے رنگوں میں امتیاز ہونا ہے، کہ بعض سفید ہیں بعض سیاہ بعض سرخ بعض زرد۔ اس میں آسمان و زمین کی تخلیق تو قدرت کا عظیم شاہکار ہے ہی، انسانوں کی زبانیں مختلف ہونا بھی ایک عجیب کرشمہ قدرت ہے۔ زبانوں کے اختلاف میں لغات کا اختلاف بھی داخل ہے، عربی، فارسی، ہندی، ترکی، انگریزی وغیرہ کتنی مختلف زبانیں ہیں، جو مختلف خطوں میں رائج ہیں۔ اور ایک دوسرے سے بعض تو ایسی مختلف ہیں کہ کوئی باہمی ربط و مناسبت بھی معلوم نہیں ہوتی۔ اور اس اختلافِ لسانہ میں لب و لہجہ کا اختلاف بھی شامل ہے کہ قدرت حق نے ہر فرد انسان مرد، عورت، بچے، بوڑھے کی آواز میں ایسا امتیاز پیدا فرمایا ہے کہ ایک فرد کی آواز کسی دوسرے فرد سے ایک صنف کی آواز دوسری صنف سے پوری طرح نہیں ملتی، کچھ نہ کچھ امتیاز ضرور رہتا ہے۔ حالانکہ اس آواز کے آلات زبان، ہونٹ، نالو، حلق، سب میں مشترک اور یکساں ہیں۔ تبارک اللہ احسن الخالقین۔

اسی طرح الوان کا اختلاف ہے۔ کہ ایک ہی ماں باپ سے ایک ہی قبہ کے



حالات میں درپے مختلف رنگ کے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ تو تخلیق و صنعت گرمی کا کمال تھا، آگے زبانیں اور لہجے مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح انسانوں کے رنگ مختلف ہونے میں کیا کیا حکمتیں مستور ہیں ان کا بیان طویل ہے۔ اور بہت سی حکمتوں کا معمولی غور و فکر سے سمجھ لینا مشکل بھی نہیں۔ اس آیت قدرت میں متعدد چیزیں آسمان، زمین، اختلافِ السنہ، اختلافِ ألوان اور ان کے ضمن میں اور بہت سی قدرت و حکمت کی نشانیاں ہیں، اور وہ ایسی کھلی ہوئی ہیں کہ کسی مزید غور و فکر کی بھی ضرورت نہیں، ہر آنکھوں والا دیکھ سکتا ہے اس لئے اس کے ختم پر ارشاد فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ، یعنی اس میں بہت سی نشانیاں ہیں سمجھ رکھنے والوں کے لئے۔

چوتھی آیت قدرت: انسانوں کا سونارات میں اور دن میں، اسی طرح ان کی تلاش معاش ہے رات میں اور دن میں۔ اس آیت میں تو نیند کو بھی رات دنوں میں بیان فرمایا اور تلاش معاش کو بھی، اور بعض دوسری آیات میں نیند کو صرف رات میں اور تلاش معاش کو دن میں بتلایا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ رات میں اصل کام نیند کا ہے، اور کچھ تلاش معاش کا بھی چلتا ہے، اور دن میں اس کے برعکس اصل کام تلاش معاش کا ہے، اور کچھ سونے آرام کرنے کا بھی وقت ملتا ہے۔ اس لئے دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ بعض مفسرین نے تاویل کر کے اس آیت میں بھی نیند کو رات کے ساتھ اور تلاش معاش کو دن کے ساتھ مخصوص کیا ہے مگر اس کی ضرورت نہیں۔

سونہ اور تلاش معاش | اس آیت سے ثابت ہوا کہ سونے کے وقت سونا اور جاننے کے وقت زہد و توکل کے منافی نہیں | تلاش معاش انسان کی فطرت بنائی گئی ہے، اور ان دونوں چیزوں کا حاصل کرنا انسانی اسباب و کمالات کے تابع نہیں، بلکہ درحقیقت یہ دونوں چیزیں عطا حق ہیں۔ جیسا کہ رات دن کا مشاہدہ ہے کہ بعض اوقات نیند اور آرام کے سارے بہتر سے بہتر سامان جمع ہونے کے باوجود نیند نہیں آتی، بعض اوقات ڈاکٹری گولیاں بھی نیند لانے میں فیل ہو جاتی ہیں، اور جس کو مالک چاہتا ہے کھلی زمین پر دھوپ اور گرمی میں نیند عطا فرما دیتا ہے۔

یہی حال تحصیل معاش کا رات دن مشاہدہ میں آتا ہے کہ دو شخص یکساں علم و عقل والے برابر کے مال والے، برابر کی محنت والے تحصیل معاش کا یکساں ہی کام لے کر بیٹھتے ہیں ایک ترقی کر جاتا ہے دوسرا رہ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو عالم اسباب بڑی حکمت و مصلحت سے بنایا ہے۔ اس لئے تلاش معاش اسباب ہی کے ذریعہ کرنا



لازم ہے مگر عقل کا کام یہ ہے کہ حقیقت شناسی سے دور نہ ہو ان اسباب کو اسباب ہی سمجھے اور اصل رازق اسباب کے بنانے والے کو سمجھے۔

اس آیت قدرت کے ختم پر ارشاد فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَمَعُوْنَ، یعنی اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو بات کو دھیان دے کر سنتے ہیں، اس میں سننے پر مدار رکھنے کی وجہ شاید یہ ہو کہ دیکھنے میں تو نیند خود بخود آجاتی ہے جب آدمی ذرا آرام کی جگہ کر کے لیٹ جائے۔ اسی طرح معاش کا حصول محنت مزدوری تجارت وغیرہ سے ہو جاتا ہے۔ اس لئے دست قدرت کی کار سازی ظاہری نظروں سے مخفی رہتی ہے، وہ اللہ کا پیام لانے والے انبیاء بتلاتے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ یہ نشانیاں انہی کو کار آمد ہوتی ہیں جو بات کو دھیان دے کر سنیں، اور جب سمجھ میں آجائے تو تسلیم کر لیں، ہٹ دھرمی اور ضد نہ کریں۔

پانچویں آیت قدرت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو بجلی کا کوندنا دکھاتے ہیں جس میں اس کے گرنے اور نقصان پہنچانے کا خطرہ بھی ہوتا ہے، اور اس کے سچے بارش کی امید بھی اور پھر بارش نازل فرماتے ہیں۔ اور اس خشک بے جان زمین کو زندہ تر و تازہ کر کے اس میں طرح طرح کے درخت اور پھل پھول اگاتے ہیں۔ اس کے آخر میں فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّحْقِلُوْنَ، یعنی اس میں بہت سی نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے، کیونکہ برق و باران اور ان کے ذریعہ حاصل ہونے والی نباتات اور ان کے پھل پھول کی تخلیق منجانب اللہ ہونا یہ عقل و حکمت ہی سے سمجھا جاسکتا ہے۔

چھٹی آیت قدرت یہ ہے کہ آسمان و زمین کا قیام اللہ ہی کے امر سے ہے، اور جب اس کا امر یہ ہوگا کہ یہ نظام توڑ پھوڑ دیا جائے تو یہ سب مضبوط مستحکم چیزیں جن میں ہزاروں سال چل کر بھی کہیں کوئی نقصان یا خلل نہیں آتا، دم کے دم میں ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہو جائیں گی، اور پھر اللہ تعالیٰ ہی کے امر سے دوبارہ سب مرنے زندہ ہو کر میدانِ حشر میں جمع ہو جائیں گے۔

یہ چھٹی آیت قدرت درحقیقت پہلی سب آیات کا ماحصل اور مقصد ہے، اسی کے سمجھانے کے لئے اس سے پہلی پانچ آیتیں بیان فرمائی ہیں، اور اس کے بعد کسی آیات تک اسی مضمون کا ذکر فرمایا ہے۔

لَهُ النَّمْلُ وَالْاَنْعَامُ، لفظ مَثَل بفتح میم و ثاء ہر ایسی چیز کے لئے بولا جاتا ہے جو دوسرے سے کچھ مماثلت اور مناسبت رکھتی ہو یا کل اس جیسی ہونا اس کے مفہوم میں



داخل نہیں اسی لئے حق تعالیٰ کے لئے مثل ہوتا تو قرآن میں کسی جگہ آیا ہے، ایک ہیں، دوسرے فرمایا مثل تو ذکرِ گدیش کو، لیکن مثل اور مثال سے حق تعالیٰ کی ذات پاک اور دراء الوراہ ہے۔ واللہ اعلم

ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ أَنْفُسِكُمْ ۖ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَا مَلَكَتْ

بتائی تم کو ایک مثل تمہارے اندر سے دیکھو جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں

أَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاءِ فِيْ مَا سَرَقْتُمْ فَإِنَّكُمْ فِيْهِ سَوَاءٌ

ان میں ہیں کوئی سا بھی تمہارے ہماری دی ہوئی روزی میں کہ تم سب اس میں برابر ہو

تَخَافُوهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ ۚ كَذٰلِكَ نَفْصِلُ الْاٰيٰتِ

خطرہ رکھوان کا جیسے خطرہ رکھواپنوں کا، یوں کھول کر بیان کرتے ہیں ہم نشانیاں

لِقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ ۝۲۸ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اٰهْوَاءَهُمْ

ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں، بلکہ چلتے ہیں یہ بے انصاف اپنی خواہشوں پر

يَغْيِرُ عِلْمٌ مِّنْ يَّهْدٰى مِّنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ

ہن سمجھے، سو کون سمجھائے جن کو اللہ نے بھٹکایا، اور کوئی نہیں ان کا

نَصِيْرِيْنَ ۝۲۹ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللّٰهِ

مددگار، سو توبہ دار رکھ اپنا منہ دین پر ایک طرف کا ہو کر وہی تراش اللہ کی

الَّتِيْ فِطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِّخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ

جس پر تراشا لوگوں کو بدلنا نہیں اللہ کے بنائے ہوئے کو یہی ہے

الَّذِيْنَ اَلْقَمِيْمُ ۚ وَلٰكِنْ اَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۰

دین سیدھا، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ۚ وَاتَّقُوْهُ ۚ وَاَقِمُوا الصَّلٰةَ وَلَا تَكُوْنُوْا

سب رجوع ہو کر اس کی طرف اور اس ڈرتے رہو اور قائم رکھو نماز اور مت ہو



مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝۳۱ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا

مشرک کرنے والوں میں ، جنہوں نے کہ بھوٹ ڈالی اپنے دین میں اور ہو گئے ان میں بہت فرقے

كُلِّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝۳۲ وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ

ہر فرقہ جو اس کے پاس ہو اس پر غش ہے ، اور جب پہنچے لوگوں کو کچھ سختی

دَعَا إِلَىٰ رَبِّهِمْ مِّنْ يَّسَرٍّ لَّهُمْ إِذَا أَذَا قَهُمْ مِنْهُ رَحْمَةً

تو پکاریں اپنے رب کو اس کی طرف رجوع ہو کر پھر جہاں چکھائی ان کو اپنی طرف سے کچھ ہربانی

إِذَا فَرَّغُوا مِنْهُمْ فَيُرْتَدُّونَ ۝۳۳ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ

اس وقت ایک جماعت ان میں اپنے رب کا شریک لگی بتانے ، کہ منکر ہو جائیں ہمارے دئی ہوئے

فَتَسْتَعِزُّوهُمْ فَمَا يَنْصُرُوهُمْ سُلْطَانًا

سو مڑے اڑالو اب آگے جان لو گے ، کیا ہم نے ان پر اتاری ہو کوئی سند

فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ۝۳۴ وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ

سودہ بول رہی ہے جو یہ شریک بتاتے ہیں ، اور جب چکھائیں ہم لوگوں کو

رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا وَإِنْ تُصِيبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّبْسًا قَدْ مَتَّ

کچھ ہربانی اس پر پھولے نہیں سماتے ، اور اگر آ پڑے اُن پر کچھ بُرائی اپنے ہاتھوں کے

أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ۝۳۵ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ

بیچھے ہوئے پر تو اس توڑ بیٹھیں ، کیا نہیں دیکھ چکے کہ اللہ پھیلا دیتا ہے

الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ

روزی جس پر چاہے اور ماپ کر دیتا جس کو چاہے اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو

يُؤْمِنُونَ ۝۳۶ فَاتِّذَاهَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْيَسِيرِينَ وَالْبَنِينَ

جو یقین رکھتے ہیں ، سو تو دے قرابت والے کو اس کا حق اور محتاج کو اور

السَّبِيلَ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ ذَٰلِكَ

مسافر کو ، یہ بہتر ہے اُن کے لئے جو چاہتے ہیں اللہ کا منہ اور



أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۳۸﴾ وَمَا آتَيْتُم مِّن رَّبًّا لَّا يَرْبُوْا فِي

وہی ہیں جن کا بھلا ہے ، اور جو دیتے ہو بیابان پر کہ بڑھتا رہے لوگوں

أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللَّهِ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ

کے مال میں سورہ نہیں بڑھتا اللہ کے یہاں اور جو دیتے ہو پاک دل سے

تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْطَرُّونَ ﴿۳۹﴾ اللَّهُ

چاہ کر رضامندی اللہ کی سو یہ وہی ہیں جن کے دُورنے ہوئے ، اللہ

الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يَرْيَبُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ط

وہی ہی جس نے تم کو بنایا پھر تم کو روزی دی پھر تم کو مارتا ہے پھر تم کو چلائے گا ،

هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِّنْ ذَٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ سُبْحٰنَہٗ

کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو کر سکے ان کاموں میں سے ایک کام وہ نرالا ہے

وَتَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۴۰﴾

اور بہت اعلیٰ ہے اس کے شریک بتلاتے ہیں ۔

## خلاصہ تفسیر

اللہ تعالیٰ (شرک کو مذموم و باطل ثابت کرنے کے لئے) تم سے ایک مضمون عجیب  
تمہارے ہی حالات میں سے بیان فرماتے ہیں (وہ یہ کہ غور کرو) کیا تمہارے غلاموں میں کوئی  
شخص تمہارا اس مال میں جو ہم نے تم کو دیا ہے شریک ہے کہ تم اور وہ (باعتبار اختیار  
کے) اس میں برابر ہوں جن کا تم (تصرفات کے وقت) ایسا خیال کرتے ہو جیسا اپنے آپس  
د کے شریک و سہیم آزاد خود مختار کا خیال کیا کرتے ہو اور ان سے اجازت لے کر تصرفات  
کیا کرتے ہو یا کم از کم اندیشہ مخالفت ہی ان سے رہتا ہے ، اور ظاہر ہے کہ غلام اس طرح  
شریک نہیں ہوتا۔ پس جب تمہارا غلام جو نوع بشر اور بہت سی چیزوں میں تمہارا شریک  
ہے اور تمہیں جیسا ہے ، فرق صرف ایک چیز میں ہے کہ تم مال و دولت کے مالک ہو وہ نہیں  
اس کے باوجود جب وہ تمہارے خاص حق تصرف میں تمہارا شریک نہیں ہو سکتا تو تمہارے  
قرار دیئے ہوئے معبودات باطلہ جو کہ حق تعالیٰ کے غلام ہیں اور کسی کمال ذاتی یا وصفی میں



خدا تعالیٰ کے مماثل نہیں، بلکہ بعض تو ان میں سے مخلوقاتِ اہیہ کے مصنوع ہیں۔ یہ معبودین حق تعالیٰ کے خاص حق معبودیت میں کس طرح اس کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں اور ہم نے جس طرح یہ دلیل شافی کافی بطلانِ شرک کی بیان فرمائی، ہم اسی طرح سمجھداروں کے لئے دلائل صاف صاف بیان کرتے رہتے ہیں اور مقتضایہ تھا کہ وہ لوگ حق کا اتباع اختیار کر لیتے اور شرک چھوڑ دیتے مگر وہ حق کا اتباع نہیں کرتے، بلکہ ان ظالموں نے بلا کسی صحیح (دلیل کے محض) اپنے خیالات و فاسدہ کا اتباع کر رکھا ہے سو جس کو اس کی ہٹ دھرمی اور عناد و اصرار علی الباطل کی وجہ سے خدا ہی ہمراہ کرے اس کو کون راہ پر لا دے (اس کا مقصد یہ نہیں کہ وہ معذور ہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ آپ غم نہ کریں آپ کا جو کام تھا وہ آپ کر چکے، اور جب ان گمراہوں کو عذاب ہونے لگے گا تو ان کا کوئی حمایتی نہ ہوگا) اور جب اوپر کے مضمون سے توحید کی حقیقت واضح ہو گئی تو مخاطبین میں سے ہر شخص سے کہا جاتا ہے کہ تم (ادیانِ باطلہ سے) یک سو ہو کر اپنا رخ اس دینِ حق کی طرف رکھو اور سب اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو جس (قابلیت) پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (مطلب فطرۃ اللہ کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص میں خلقت یہ استعداد رکھی ہے کہ اگر حق کو سننا اور سمجھنا چاہے تو وہ سمجھ میں آجاتا ہے، اور اس کے اتباع کا مطلب یہ ہے کہ اس استعداد اور قابلیت سے کام لے، اور اس کے مقتضا پر عمل کرے غرض اس فطرت کا اتباع چاہئے اور) اللہ تعالیٰ کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام آدمیوں کو پیدا کیا ہے بدلتا نہ چاہئے پس سیدھا (درستہ) دین (کا) یہی ہے لیکن اکثر لوگ (اس کو بوجہ عدم تدبیر کے) نہیں جانتے (اس لئے اس کا اتباع نہیں کرتے غرض) تم خدا کی طرف رجوع ہو کر فطرتِ الہیہ کا اتباع کرو اور اس (کی مخالفت اور مخالفت کے عذاب) سے ڈرو اور (اسلام قبول کر کے) نماز کی پابندی کرو (جو توحید کا اعلیٰ اظہار ہے) اور شرک کرنے والوں میں سے مت رہو، جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا (یعنی حق تو یہ ایک تھا اور باطل بہت ہیں انھوں نے حق کو چھوڑ دیا اور باطل کی مختلف راہیں اختیار کر لیں، یہ ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے کہ ایک نے ایک راہ لے لی دوسرے نے دوسری) اور بہت سے (مختلف) گروہ ہو گئے (اور اگر حق پر رہتے تو ایک گروہ ہوتے اور باوجود اس کے کہ ان حق کے چھوڑنے والوں میں سب کے طریقے باطل ہیں، مگر پھر بھی غایت جہل سے ان میں) ہر گروہ اپنے اس طریقے پر نمازاں ہیں جو ان کے پاس ہے اور (جس توحید کی طرف ہم بلا تے ہیں باوجود اس کے انکار اور خلاف کرنے کے اضطراب کے وقت عام طور پر



لوگوں کے حال و قال سے اس کا اظہار و اقرار بھی ہونے لگتا ہے جس سے مضمون توحید کے فطری ہونے کی بھی تائید ہوتی ہے، چنانچہ مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے (اس وقت بے قرار ہو کر) اپنے رب (حقیقی) کو اسی کی طرف رجوع ہو کر پکارنے لگتے ہیں (اور سب معبودین کو چھوڑ دیتے ہیں مگر) پھر (قریب ہی یہ حالت ہو جاتی ہو کہ) جب اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف سے کچھ عنایت کا مزہ چکھا دیتا ہے تو بس ان میں سے بعض لوگ (پھر) اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے جو (آرام و عیش) ان کو دیا ہے اس کی ناشکری کرتے ہیں (جو عقلاً بھی قبیح ہے) سو (خیر) چند روز اور حظ حاصل کر لو پھر جلدی تم (حقیقت) معلوم کر لو گے (اور یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں خصوصاً اقرار توحید کے بعد تو ان سے کوئی پوچھے کہ اس کی کیا وجہ ہے) کیا ہم نے ان پر کوئی سند (یعنی کوئی کتاب) نازل کی ہے کہ وہ ان کو خدا کے ساتھ شرک کرنے کو کہہ رہی ہو (یعنی ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نقلی بھی نہیں) اور مقتضائے ہدایت عقل کے خلاف ہونا خود ان کی تسلیم سے حالت اضطراب میں ظاہر ہو جاتا ہے، پس سرتاسر باطل ٹھہرا، اور (آگے مضمون بالا کا تتمہ ہے اور وہ یہ ہو کہ) ہم جب (ان) لوگوں کو کچھ عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس سے (اس طرح) خوش ہوتے ہیں (کہ خوشی میں مست ہو کر شرک کرنے لگتے ہیں جیسا اوپر ذکر آیا) اور اگر ان کے اعمال (بد) کے بدلے میں جو پہلے اپنے ہاتھوں کر چکے ہیں ان پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو بس وہ لوگ ناامید ہو جاتے ہیں (اس مقام میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تتمہ میں اصل مقصود پہلا جملہ اِذَا آذَقْنَا النَّاسَ حُرْمَةَ اس میں ان کے مبتلائے شرک ہونے کا سبب بد مست اور غافل ہونا مذکور ہے، دوسرا جملہ محض تقابل کی مناسبت سے ذکر کر دیا ہے۔ کیونکہ ان دونوں حالتوں میں اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بہت کم اور ضعیف ہے، ذرا ذرا سی چیز اس تعلق کو فراموش کر دیتی ہے۔ آگے اسی کی دوسری دلیل ہے کہ یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں تو کیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہے کم دیتا ہے (اور مشرکین کے نزدیک یہ مسلم بھی تھا کہ روزی کا گھٹانا بڑھانا اصل میں خدا ہی کا کام ہے، بقولہ تعالیٰ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ تَزُولُ مِنْ السَّمَاءِ مَاءً فَأُخْبِرُوا بِاللَّهِ مِنَ الْآخِرِينَ مَوْتًا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ) اس (امر) میں (بھی توحید کی) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں (یعنی وہ سمجھتے ہیں اور دوسرے بھی سمجھ سکتے ہیں کیونکہ جو شخص ایسا قادر ہوگا مسیحی عبادت کا وہی ہوگا) پھر (جب دلائل توحید میں معلوم ہوا کہ رزق میں



بسط و قبض اللہ ہی کی طرف سے ہے تو اس سے ایک بات اور بھی ثابت ہوئی کہ بخل کرنا مذموم ہے، کیونکہ بخل کرنے سے جتنا رزق مقدر ہو اس سے زیادہ نہیں مل سکتا، اس کو نیک کاموں میں خرچ کرنے سے بخل نہ کیا کر بلکہ قرابت دار کو اس کا حق دیا کر اور اسی طرح مسکین اور مسافر کو بھی (ان کے حقوق دیا کر جن کی تفصیل دلائل شرعیہ سے معلوم ہے) یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور دہم نے جو یہ قید لگائی کہ یہ مضمون بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ کی رضا کے طلب گار ہوں وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مطلق مال خرچ کر دینا موجب صلاح نہیں ہے بلکہ اس کا قانون یہ ہے کہ جو چیز تم (دنیا کی غرض سے خرچ کر دو گے مثلاً کوئی چیز) اس غرض سے کسی کو (دو گے کہ وہ لوگوں کے مال میں شامل ہو کر یعنی ان کے ملک و قبضہ میں) پہنچ کر (تمھارے لئے) زیادہ ہو (کرا) جاوے (جیسا نوہ وغیرہ رسوم دنیویہ میں اکثر اسی غرض سے دیا جاتا ہے کہ یہ شخص ہمارے موقع پر کچھ اور زائد شامل کر کے دے گا) تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا (کیونکہ خدا کے نزدیک پہنچنا اور بڑھنا اس مال کے ساتھ خاص ہے جو اللہ کی خوشنودی کے لئے خرچ کیا جائے جیسا آگے آتا ہے، اور حدیث میں بھی ہے کہ ایک تمرة مقبولہ اُحد پہاڑ سے بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے، اور اُس میں نیت تھی نہیں، لہذا مقبول ہوا نہ زائد ہوا) اور جو زکوٰۃ (وغیرہ) دو گے جس سے اللہ کی رضا طلب کرتے ہو گے تو ایسے لوگ اپنے دیئے ہوئے کو (خدا تعالیٰ کے پاس بڑھاتے رہیں گے) جیسا ابھی حدیث کا مضمون گذرا اور یہ مضمون اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت رزاق پر دلالت کرنے کی وجہ سے توحید کی تاکید کا ذریعہ ہو اس لئے یہ تبعاً آگیا، اصل مقصود توحید کا بیان ہے، اسی لئے آگے پھر اسی توحید کا ذکر ہے۔

اللہ ہی وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا پھر تم کو موت دیتا ہے پھر (قیامت میں) تم کو جلائے گا (ان میں بعض امور تو مخاطبین کے اقرار سے ثابت ہیں، اور بعض دلائل سے، غرض کہ وہ ایسا قادر ہے، اب یہ بتلاؤ کہ تمھارے شرکار میں بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے (اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی نہیں، اس لئے ثابت ہوا کہ) وہ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے (یعنی اس کا کوئی شریک نہیں) :-



## معارف و مسائل

آیات مذکورہ میں مضمون توحید کو مختلف شواہد اور دلائل اور مختلف عنوانات میں بتلایا گیا ہے جو ہر انسان کے دل میں اتر جائے۔ پہلے ایک مثال سے سمجھایا کہ تمھارے غلام نوکر جو تمھارے ہی جیسے انسان میں شکل و صورت، ہاتھ پاؤں مقتضیات طبعیہ سب چیزوں میں تمھارے شریک ہیں، مگر تم ان کو اپنے اقتدار و اختیار میں اپنی برابر نہیں بناتے کہ وہ بھی تمھاری طرح جو چاہیں کیا کریں جو چاہیں حشر چ کریں، بالکل اپنی برابر تو کیا بناتے ان کو اپنے مال و اختیار میں ادنیٰ اسی شرکت کا بھی حق نہیں دیتے، جیسے کسی حبزدی اور معمولی شریک سے آپ ڈرتے ہیں کہ اس کی مرضی کے بغیر کوئی تصرف کر لیا تو وہ اعتراض کرے گا غلاموں نوکروں کو یہ درجہ بھی نہیں دیتے، تو غور کر دو کہ تمام مخلوقات جن میں فرشتے، انسان اور دوسری کائنات بھی داخل ہیں، یہ سب کے سب اللہ کی مخلوق اور اسی کے بندے اور غلام ہیں ان کو تم اللہ کے برابر یا اس کا شریک کیسے یقین کرتے ہو۔

دوسری آیت میں اس پر تنبیہ ہے کہ یہ بات تو سیدھی اور صاف ہے مگر مخالف لوگ اپنی اہوارِ نفسانی کے تالچ ہو کر کوئی علم و حکمت کی بات نہیں مانتے۔

تیسری آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یا عام مخاطب کو حکم دیا ہے کہ جب شرک کا نام عقول اور ظلمِ عظیم ہونا ثابت ہو گیا تو آپ سب خیالاتِ مشرکانہ کو چھوڑ کر اپنا رخ صرف دین اسلام کی طرف پھیر لیجئے **فَاقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا**

اس کے بعد اس دین اسلام کا مطابق اور مقتضائے فطرت ہونا اس طرح بیان فرمایا **فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لَهَا لِعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ** **الْفَيْتُمْ، فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا،** یہ جملہ پہلے جملے **فَاقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا** کی توضیح اور دین حنیف جس کے اتباع کا حکم پہلے جملے میں دیا گیا ہے اس کی ایک مخصوص صفت کا بیان ہے کہ وہ دین فطرت ہے، اور **فِطْرَةَ اللَّهِ** کی ترکیب نحوی میں منصوب ہونے کی وجہ مفسرین نے مختلف لکھی ہیں کہ لفظ **اِشْتَبَعَ** یہاں محذوف ہے، یا لفظ **اَنْجَنِي** بہر حال یہ متعین ہے کہ دین حنیف جس کا اتباع کا پہلے جملے میں حکم دیا گیا ہے اس کو اس جملے میں **فِطْرَةَ اللَّهِ** قرار دیا ہے اور معنی اس کے خود اگلے جملے میں یہ بتلائے کہ اللہ کی فطرت سے مراد یہ ہے کہ جس فطرت پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

فطرت سے کیا مراد ہے؟ اس معاملہ میں مفسرین کے متعدد اقوال منقول ہیں انہیں دو زیادہ مشہور ہیں



اول یہ کہ فطرت سے مراد اسلام ہے اور مطلب یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان اپنی فطرت اور جبلت کے اعتبار سے مسلمان پیدا کیا ہے۔ اگر اس کو گرد پیش اور ماحول میں کوئی خراب کرنے والا خراب نہ کر دے تو ہر پیدا ہونے والا بچہ مسلمان ہی ہو گا۔ مگر عادت ہو تا یہ ہے کہ ماں باپ اس کو بعض اوقات اسلام کے خلاف چیزیں سکھا دیتے ہیں جس کے سبب وہ اسلام پر قائم نہیں رہتا۔ جیسا کہ صحیحین کی ایک حدیث میں مذکور ہے۔ قرطبی نے اسی قول کو جمہور سلف کا قول قرار دیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہو کہ فطرت سے مراد استعداد ہے۔ یعنی تخلیق انسانی میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ ہر انسان میں اپنے خالق کو پہچاننے اور اس کو ماننے کی صلاحیت و استعداد موجود ہے جس کا اثر اسلام کا قبول کرنا ہوتا ہے، بشرطیکہ اس استعداد سے کام لے۔ مگر پہلے قول پر متحدہ اشکالات ہیں، اول یہ کہ خود اسی آیت میں یہ بھی آگے مذکور ہے لَا تَبْدِلُیْنَ لِخَلْقِ اللّٰهِ اور یہاں خلق اللہ سے مراد وہی فطرۃ اللہ ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اس لئے معنی اس جملے کے یہ ہیں کہ اللہ کی اس فطرت کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا، حالانکہ حدیث صحیحین میں خود یہ آیا ہے کہ پھر ماں باپ بعض اوقات بچے کو یہودی یا نصرانی بنا دیتی ہیں۔ اگر فطرت کے معنی خود اسلام کے لئے جائیں جس میں تبدیلی نہ ہونا خود اسی آیت میں مذکور ہے تو حدیث مذکور میں یہودی، نصرانی بنانے کی تبدیلی کیسے صحیح ہو گی، اور یہ تبدیلی تو عام مشاہدہ ہے کہ ہر جگہ مسلمانوں سے زیادہ کافر ملتے ہیں، اگر اسلام ایسی فطرت ہے جس میں تبدیلی نہ ہو سکے تو پھر یہ تبدیلی کیسے اور کیوں؟

دوسرے حضرت خضر علیہ السلام نے جس لڑکے کو قتل کیا تھا اس کے متعلق صحیح حدیث میں ہے کہ اس لڑکے کی فطرت میں کفر تھا، اس لئے خضر علیہ السلام نے اس کو قتل کیا، یہ حدیث بھی اس کے منافی ہے کہ ہر انسان اسلام پر پیدا ہوتا ہو۔

تیسرا شبہ یہ ہو کہ اگر اسلام کوئی ایسی چیز ہے جو انسان کی فطرت میں اس طرح رکھ دیا گیا ہے جس کی تبدیلی پر بھی اس کو قدرت نہیں تو وہ کوئی اختیاری فعل نہ ہوا پھر اس پر آخرت کا ثواب کیسا؟ کیونکہ ثواب تو اختیاری عمل پر ملتا ہے۔

چوتھا شبہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ کے مطابق فقہاء امت کے نزدیک بچہ بالغ ہونے سے پہلے ماں باپ کے تابع سمجھا جاتا ہے، اگر ماں باپ کافر ہوں تو بچے کو بھی کافر قرار دیا جائے گا۔ اس کی تجویز و تکفین اسلامی طرز پر نہیں کی جائے گی۔

یہ سب شبہات امام توریشتی نے شرح مصابیح میں بیان کئے ہیں۔ اور اسی بناء پر



انہوں نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ اس خلق استعداد کے متعلق یہ بھی صحیح ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، جو شخص ماں باپ یا کسی دوسرے کے گمراہ کرنے سے کافر ہو گیا اس میں استعداد اور قابلیت حق یعنی اسلام کی حقانیت کے پہچاننے کی ختم نہیں ہوتی۔ غلامِ خضر کے واقعہ میں اس کے کفر پر پیدا ہونے سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں حق کو سمجھنے کی استعداد ہی نہ رہی تھی، اور چونکہ اس خدا داد استعداد و قابلیت کا صحیح استعمال انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے، اس لئے اس پر ثوابِ عظیم کا مرتب ہونا بھی واضح ہو گیا، اور حدیث صحیحین میں جو یہ مذکور ہے کہ بچے کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بنادیتے ہیں اس کا مفہوم بھی اس دوسرے معنی کے اعتبار سے واضح اور صاف ہو گیا، کہ اگرچہ اس میں استعداد اور قابلیت فطری ہے جو اللہ نے اس کی تخلیق میں رکھی تھی وہ اسلام ہی کی طرف لے جانے والی تھی، مگر عوارض اور موانع حائل ہو گئے اور اس طرف نہ جانے دیا۔ اور حضراتِ سلف سے جو پہلا قول منقول ہے بظاہر اس کی مراد بھی اصل اسلام نہیں، بلکہ یہی استعداد اسلام اور اس کی قابلیت و صلاحیت ہے۔ محدث دہلویؒ نے لمعات شرح مشکوٰۃ میں جہور کے قول کا یہی مطلب بیان فرمایا ہے۔

اور اسی کی تائید اس مضمون سے ہوتی ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بے شمار قسم کی مخلوقات مختلف طبائع اور مزاج کی بنائی ہیں، ہر مخلوق کی فطرت اور جبلت میں ایک خاص مادہ رکھ دیا ہے، جس سے وہ مخلوق اپنی تخلیق کے منشاء کو پورا کر سکے قرآن کریم میں آعْطٰی كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدٰی سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ جس مخلوق کو خالق کائنات نے کسی خاص مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اس کو اس مقصد کے لئے ہدایت بھی دے دی ہے، وہ ہدایت یہی مادہ اور استعداد ہے، شہد کی مکھی میں یہ مادہ رکھ دیا کہ وہ درختوں اور پھول کو پہچانے اور انتخاب کرے پھر اس کے رُس کو اپنے پیٹ میں محفوظ کر کے اپنے چھتے میں لا کر جمع کرے، اسی طرح انسان کی فطرت و جبلت میں ایسا مادہ اور استعداد رکھ دی ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانے، اس کی شکر گزاری اور اطاعت شعاری کرے، اسی کا نام اسلام ہے۔

لَا تُبْدِيْ لَكَ يَخْلُقُ اللهُ، مذکور الصدر تقریر سے اس جملے کا مطلب بھی واضح ہو گیا۔

کہ اللہ کی دی ہوئی فطرت یعنی حق کو پہچاننے کی صلاحیت و استعداد میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ اس کو غلط ماحول کا فر تو بنا سکتا ہے مگر اس کی استعداد قبول حق کو بالکل فنا



نہیں کر سکتا۔

اور اسی سے اُس آیت کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے جس میں ارشاد ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ، یعنی ہم نے جن اور انسان کو اور کسی کام کے لئے نہیں پیدا کیا، بجز اس کے کہ وہ ہماری عبادت کیا کریں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی فطرت میں ہم نے عبادت کی رغبت اور استعداد رکھ دی ہے، اگر وہ اس استعداد سے کام لیں تو بجز عبادت کے کوئی دوسرا کام اس کے خلاف ہرگز سرزد نہ ہو۔

اہل باطل کی صحبت اور غلط | آیت مذکورہ لَا تَسْبُدْ لِلْخَلْقِ اللّٰهِ کا جملہ اگرچہ بصورت خبر ہے یعنی ماحول سے الگ ہونا فرض ہے | اللہ کی اس فطرت کو کوئی بدل نہیں سکتا، لیکن اس میں ایک معنی اتر کے بھی ہیں، کہ بدلنا نہیں چاہئے۔ اس لئے اس جملے سے یہ حکم بھی مستفاد ہوا کہ انسان کو ایسے اسباب سے بہت پرہیز کرنا چاہئے جو اس قبول حق کی استعداد کو معطل یا کمزور کر دیں۔ اور وہ اسباب بیشتر غلط ماحول اور بُری صحبت ہے، یا اہل باطل کی کتابیں دیکھنا جب کہ خود اپنے مذہب اسلام کا پورا عالم اور مبصر نہ ہو۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

وَأَقِمْ وَ الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، پچھلی آیت میں انسان کی فطرت کو قبول حق کے قابل اور مستعد بنانے کا ذکر تھا۔ اس آیت میں اول قبول حق کی صورت یہ بتلائی گئی کہ نماز قائم کریں کہ وہ عملی طور پر ایمان و اسلام اور اطاعت حق کا اظہار ہے اس کے بعد فرمایا وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، یعنی شرک کرنے والوں میں شامل نہ ہو جاؤ جنہوں نے اپنی فطرت اور قبول حق کی استعداد سے کام نہ لیا، آگے ان کی گمراہی کا ذکر ہے، مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا، یعنی یہ مشرکین وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین فطرت اور دین حق میں تفریق پیدا کر دی، یا یہ کہ دین فطرت سے مفارق اور الگ ہو گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مختلف پارٹیوں میں بٹ گئے۔ شیعہ، شیعہ کی جمع ہے، ایسی جماعت جو کسی مقتدا کی پیروی ہو، اس کو شیعہ کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دین فطرت تو توحید تھا جس کا اثر یہ ہونا چاہئے تھا کہ سب انسان اس کو اختیار کر کے ایک ہی قوم ایک ہی جماعت بنتے مگر انہوں نے اس توحید کو چھوڑا، اور مختلف لوگوں کے خیالات کے تابع ہو کر اور انسانی خیالات اور رایوں میں اختلاف ایک طبعی امر ہے، اس لئے ہر ایک نے اپنا اپنا ایک مذہب بنا لیا، عوام ان کے سبب مختلف پارٹیوں میں بٹ گئے، اور شیطان نے ان کو اپنے اپنے خیالات و معتقدات کو حق قرار دینے میں ایسا لگا دیا کہ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُونَ، یعنی ان کی ہر پارٹی اپنے اپنے اعتقادات و خیالات پر مگن اور خوش ہے اور



دوسروں کو غلطی پر بتاتی ہے، حالانکہ یہ سب کے سب گمراہی کے غلط راستوں پر پڑے ہوئے ہیں۔

قَاتِلْ ذَٰلَ الَّذِیْۤ اِثْمَہٗ وَ اَلِیْسَکَیْنِ وَ اَبْنِ السَّیْئِلِ، اس سے پہلی آیت میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ رزق کا معاملہ صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کو پھیلا دیتا ہے اور زیادہ کر دیتا ہے، اور جس کا چاہتا ہے رزق سمیٹ کر تنگ کر دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو اس کے مصارف میں حشر کرنا ہے تو اس سے اس میں کمی نہیں آتی، اور اگر کوئی خرچ کرنے میں بخل کرے اور جو کچھ اپنے پاس ہے اس کو جمع کر کے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے اس سے مال میں وسعت نہیں ہوتی۔

اس مضمون کی مناسبت سے آیت مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور بقول حسن بصری ہر مخاطب انسان کو جس کو اللہ نے مال میں وسعت دی ہو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جو مال اللہ نے آپ کو دیا ہے اس میں بخل نہ کر و بلکہ اس کو ان کے مصارف میں خوش دلی کے ساتھ خرچ کر دے اس سے تمھارے مال اور رزق میں کمی نہیں آئے گی۔ اور اس حکم کے ساتھ اس آیت میں مال کے چند مصارف بھی بیان کر دیئے، اول ذوی القربیٰ دوسرے مساکین تیسرے مسافر کہ خدا تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے مال میں سے ان لوگوں کو دوا و درمان پر خرچ کر دے اور ساتھ ہی یہ بھی بتلادیا کہ یہ ان لوگوں کا حق ہے جو اللہ نے تمھارے مال میں شامل کر دیا ہے اس لئے ان کو دینے کے وقت ان پر کوئی احسان نہ جتلاؤ، کیونکہ حق والے کا حق ادا کرنا مقتضائے عدل و انصاف ہے کوئی احسان و انعام نہیں ہے۔

اور ذوی القربیٰ سے مراد ظاہر ہے کہ عام رشتہ دار ہیں، خواہ ذرہم محرم ہوں یا دوسرے رکما ہو قول الجہو من المفسرین ادا و حق سے مراد بھی عام ہے خواہ حقوق واجبہ ہوں جیسے ماں باپ، اولاد اور دوسرے ذوی الارحام کے حقوق یا محض تبرع و احسان ہو جو رشتہ داروں کے ساتھ بہ نسبت دوسروں کے بہت زیادہ ثواب رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ امام تفسیر مجاہدؒ نے فرمایا کہ جس شخص کے ذوی الارحام رشتہ دار محتاج ہوں وہ ان کو چھوڑ کر دوسروں پر صدقہ کرے تو اللہ کے نزدیک مقبول نہیں۔ اور ذوی القربیٰ کا حق صرف مالی امداد ہی نہیں ان کی خبر گیری، جسمانی خدمت اور کچھ نہ کر سکے تو کم از کم زبانی ہمدردی اور تسلی وغیرہ جیسا کہ حضرت حسنؒ نے فرمایا کہ ذوی القربیٰ کا حق اس شخص کے لئے جس کو مالی وسعت حاصل ہو یہ ہے کہ مال سے ان کی امداد کرے اور جس کو یہ وسعت حاصل



نہ ہو اس کے لئے جسمانی خدمت اور زبانی ہمدردی ہے (قرطبی)

ذوی القربی کے بعد مسکین اور مسافر کا حق بتلایا گیا ہے یہ بھی اسی طرح عام ہے  
وسعت ہو تو مالی امداد نہ ہو تو اچھا سلوک۔

وَمَا آتَيْتُم مِّن رَّبِّ تَبَايَعْتُمْ بَوَائِقِ آمَوَالِ النَّاسِ اس آیت میں ایک بُری رسم کی اصلاح کی گئی ہے، جو عام خاندانوں اور اہل قرابت میں چلتی ہے۔ وہ یہ کہ عام طور پر کنبہ رشتہ کے لوگ جو کچھ دوسرے کو دیتے ہیں اس پر نظر رکھتے ہیں کہ وہ بھی ہمارے وقت میں کچھ دے گا بلکہ رسمی طور پر کچھ زیادہ دے گا، خصوصاً نکاح، شادی وغیرہ کی تقریبات میں جو کچھ دیا جاتا ہے اس کی یہی حیثیت ہوتی ہے جس کو عورت میں نوتہ کہتے ہیں۔ اس آیت میں ہدایت کی گئی ہے کہ اہل قرابت کا جو حق ادا کرنے کا حکم پہلی آیت میں دیا گیا ہے ان کو یہ حق اس طرح دیا جائے کہ نہ ان پر احسان جتائے اور نہ کسی بدلے پر نظر رکھے۔ اور جس نے بدلے کی نیت سے دیا کہ ان کا مال دوسرے عزیز رشتہ دار کے مال میں شامل ہونے کے بعد کچھ زیادتی لے کر واپس آئے گا تو اللہ کے نزدیک اس کا کوئی درجہ اور ثواب نہیں اور قرآن کریم نے اس زیادتی کو لفظ ربو سے تعبیر کر کے اس کی قباحت کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ ایک صورت سو کی سی ہوگی مَسْئَلَةٌ: ہدیہ اور ہبہ دینے والے کو اس پر نظر رکھنا کہ اس کا بدلہ ملے گا یہ تو ایک بہت مذموم حرکت ہے، جس کو اس آیت میں منع فرمایا گیا ہے۔ لیکن بطور خود جس شخص کو کوئی ہبہ عطیہ کسی دوست عزیز کی طرف سے ملے اس کے لئے اخلاقی تعلیم یہ ہے کہ وہ بھی جب اس کو موقع ملے اس کی مکافات کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہی تھی کہ جو شخص آپ کو کوئی ہدیہ پیش کرتا تو اپنے موقع پر آپ بھی اس کو ہدیہ دیتے تھے۔ (کذا روی عن عائشہ رضی اللہ عنہا، قرطبی) ہاں اس مکافات کی صورت ایسی نہ بنائے کہ دوسرا آدمی یہ محسوس کرے کہ یہ میرے ہدیہ کا بدلہ دے رہا ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْيَمِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ

پھیل پڑی ہر خرابی جنگل میں اور دریا میں لوگوں کے ہاتھ کی کمائی سے

لِيُنْذِرَ لِقَوْمٍ بَعْضُ الَّذِي عَمِلُوا الْعَلَمُ يَرْجِعُونَ ﴿۳۱﴾ قُلْ

چکھانا چاہئے ان کو کچھ مزہ ان کے کام کا تاکہ وہ پھر آئیں، تو کہہ



سَيَرُّوَانِي الْأَرْضِ فَإِنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِ

پھر وہ ملک میں تو دیکھو کیسا ہوا انجام پہلوں

قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿۴۲﴾ فَأَقْرَرْتُمْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِ

کا بہت ان میں تھے شرک کرنے والے ، سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ سیدھی

الْقَيْمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ يَوْمَئِذٍ

راہ پر اس سے پہلے کہ آئیے وہ دن جسکو پھرنا نہیں اللہ کی طرف سے اس دن

يَصَّدَّ عَوْناً ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَ مَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا

لوگ جدا جدا ہوں گے ، جو منکر ہوا سو اس پر پڑے اس کا منکر ہونا اور جو کوئی کرے بھلے کام

فَلَا تُفْسِدُهُمْ يَهْدُونَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

سودہ اپنی راہ سنوارتے ہیں ، تاکہ وہ بدلہ دے ان کو جو یقین لائے اور کام کئے

الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿۴۵﴾

بھلے اپنے فضل سے بے شک اس کو نہیں بھاتے انکار والے

## خُلاصۃ تفسیر

دشمن و معصیت ایسی بُری چیز ہے کہ خشکی اور تری (یعنی تمام دنیا) میں لوگوں کے (بُرائے) اعمال کے سبب بلائیں پھیل رہی ہیں (مثلاً قحط و دباؤ و طوفان) تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کی سزا کا مزہ ان کو چکھا دے تاکہ وہ (اپنے ان اعمال سے) باز آجائیں جیسا دوسری آیت میں ہے وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ اور بعض اعمال کا مطلب یہ ہے کہ اگر سب اعمال پر یہ عقوبتیں مرتب ہوں تو ایک دم زندہ نہ رہیں، کقولہ تعالیٰ وَتَوَيَّأُوا أَخَذَ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا أَمَّا تَرَأَىٰ عَلَىٰ ظَهْرِهِمَا مِنْ ذَا آيَةِ اسی معنی سے آیت بالا میں وَتَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ فرمایا ہے، یعنی بہت سے گناہوں کو تو اللہ تعالیٰ معاف ہی کر دیتے ہیں، بعض ہی اعمال کی سزا دیتے ہیں۔ غرض جب اعمال بد مطلقاً سبب وبال ہیں تو مشرک و کفر تو سب سے بڑھ کر موجب عذاب ہوگا اور اگر مشرکین کو اس کے ماننے میں تردد ہو تو آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ ملک میں چلو



**ایک شبہ کا جواب** | احادیث صحیحہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات بھی موجود ہیں کہ دنیا مؤمن کے لئے جیل خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے، اور یہ کہ کافر کو اس کے نیک اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں بصورت مال و دولت و صحت دے دیا جاتا ہے، اور مؤمن کے اعمال کا بدلہ آخرت کے لئے محفوظ کر دیا جاتا ہے، اور یہ کہ مؤمن کی مثال دنیا میں ایک نازک شاخ کی سی ہے، کہ ہوائیں اس کو کبھی ایک طرف کبھی دوسری طرف جھکا دیتی ہیں، کبھی سیدھا کر دیتی ہیں یہاں تک کہ اسی حالت میں وہ دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے، اور یہ کہ أَشَدَّ النَّاسِ بَلَاءً إِلَّا نَبِيًّا وَتَمْلَأُ مَثَلًا مِّثْلًا، یعنی دنیا میں بلائیں سب سے زیادہ انبیاء پر آتی ہیں پھر جو ان کے قریب ہو پھر جو ان کے قریب ہو۔  
یہ تمام احادیث صحیحہ بظاہر اس آیت کے مضمون سے مختلف ہیں۔ اور عام دنیا کے مشاہدات بھی یہی بتلاتے ہیں کہ دنیا میں عام طور پر مؤمن مسلمان تنگی اور تکلیف میں اور کفار فجار عیش و عشرت میں رہتے ہیں۔ اگر آیت مذکورہ کے مطابق دنیا کے مصائب اور تکلیفیں گناہوں کے سبب سے ہوتیں تو معاملہ برعکس ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں گناہوں کو مصائب کا سبب ضرور بتلایا ہے مگر علت تامہ نہیں فرمایا کہ جب کسی پر کوئی مصیبت آئے تو گناہ ہی کے سبب ہوگی۔ جس پر کوئی مصیبت آئے اس کا گناہ ہر گاہ ہونا ضروری ہو بلکہ عام اسباب کا جو دنیا میں دستور ہے کہ سبب واقع ہونے کے بعد اس کا سبب اکثر واقع ہو جاتا ہے، اور کبھی کوئی دوسرا سبب اس کے اثر کے ظاہر ہونے سے مانع ہو جاتا ہے تو اس سبب کا اثر ظاہر نہیں ہوتا، جیسے کوئی مہل یا ملیٹن دوار کے متعلق یہ کہے کہ اس سے اسہال ہوں گے، یہ اپنی جگہ صحیح ہے، مگر بعض اوقات کسی دوسری دوار، غذا یا ہوا وغیرہ کے اثر سے اسہال نہیں ہوتے، جو دوائیں بخار اتارنے کی ہیں بعض اوقات ایسے عوارض پیش آجاتے ہیں کہ ان دواؤں کا اثر ظاہر نہیں ہوتا، خواب اور گولیاں کھا کر بھی نیت نہ ہیں آتی۔ جس کی ہزاروں مثالیں دنیا میں ہر وقت مشاہدہ کی جاتی ہیں۔

اس لئے حاصل آیت کا یہ ہوا کہ اصل خاصہ گناہوں کا یہ ہے کہ ان سے مصائب و آفات آئیں، لیکن بعض اوقات دوسرے کچھ اسباب اس کے منافی جمع ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے مصائب کا ظہور نہیں ہوتا، اور بعض صورتوں میں بغیر کسی گناہ کے کوئی آفت و مصیبت آ جانا بھی اس کے منافی نہیں کیونکہ آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ بغیر گناہ کے کوئی تکلیف و مصیبت کسی کو پیش نہیں آتی، بلکہ ہو سکتا ہے کہ کسی کو کوئی مصیبت



آفت کسی دوسرے سبب پیش آجائے جیسے انبیاء و اولیاء کو جو مصیبتیں اور تکلیفیں پیش آتی ہیں ان کا سبب کوئی گناہ نہیں ہوتا بلکہ ان کی آزمائش اور آزمائش کے ذریعہ ان کے درجات کی ترقی اس کا سبب ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ قرآن کریم نے جن آفات و مصائب کو گناہوں کے سبب سے قرار دیا ہے اس سے مراد وہ آفات و مصائب ہیں جو پوری دنیا پر یا پورے شہر یا بستی پر عام ہو جائیں، عام انسان اور جانور ان کے اثر سے بچ سکیں۔ ایسی مصائب و آفات کا سبب عموماً لوگوں میں گناہوں کی کثرت خصوصاً علانیہ گناہ کرنا ہی ہوتا ہے۔ شخصی اور انفرادی تکلیف و مصیبت میں یہ ضابطہ نہیں بلکہ وہ کبھی کسی انسان کی آزمائش کرنے کے لئے بھی بھیجی جاتی ہے، اور جب وہ اس آزمائش میں پورا اترتا ہے تو اس کے درجات آخرت بڑھ جاتے ہیں۔ یہ مصیبت و حقیقت اس کے لئے رحمت و نعمت ہوتی ہے۔ اس لئے انفرادی طور پر کسی شخص کو مبتلائے مصیبت دیکھ کر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ بہت گناہگار ہے۔ اسی طرح کسی کو خوش عیش و بھلائی دیکھ کر یہ حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ وہ بڑا نیک صالح بزرگ ہے۔ البتہ عام مصائب و آفات جیسے قحط، طوفان، وبائی امراض، گرائی اشیاء ضرورت، چیزوں کی برکت مسٹ جانا وغیرہ اس کا اکثر اور بڑا سبب لوگوں کے علانیہ گناہ اور سرکشی ہوتی ہے۔

فائدہ :- حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمایا کہ اس دنیا میں خیر و شر یا مصیبت و راحت، مشقت و سہولت کے اسباب دو طرح کے ہیں۔ ایک ظاہری، دوسرے باطنی، ظاہری اسباب تو دہی مادی اسباب ہیں جو عام دنیا کی نظر میں اسباب سمجھے جاتے ہیں۔ اور باطنی اسباب انسانی اعمال اور ان کی بناء پر فرشتوں کی امداد و نصرت یا ان کی لعنت و نفرت ہیں۔ جیسے دنیا میں بارش کے اسباب اہل فلسفہ و اہل تجربہ کی نظر میں سمندر سے اٹھنے والے بخارات (مان سون) اور پھر اوپر کی ہوا میں پہنچ کر ان کا منجمد ہونا، پھر آفتاب کی شعاعوں سے پگھل کر برس جانا ہیں، مگر روایات حدیث میں ان چیزوں کو فرشتوں کا عمل بتلایا گیا ہے۔ درحقیقت ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں، ایک چیز کے اسباب متعدد ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ ظاہری اسباب یہی ہوں، اور باطنی سبب فرشتوں کا تصرف ہو۔ یہ دونوں طرح کے اسباب جمع ہو جائیں تو بارش امید اور ضرورت کے مطابق ہو اور جہاں یہ دونوں اسباب جمع نہ ہوں وہاں بارش کے وقوع میں اختلال رہے۔



حضرت شاد صاحب نے فرمایا کہ اسی طرح دنیا کے مصائب و آفات کے کچھ اسباب طبعیہ مادیہ ہیں جو نیک و بد کو نہیں پہچانتے۔ آگ جلانے کے لئے ہے وہ بلا امتیاز متقی اور فاجر کے سب کو جلائے ہی گی بجز اس کے کسی خاص فرمان کے ذریعہ اس کو اس عمل سے روک دیا جائے، جیسے نارغزود ابراہیم علیہ السلام کے لئے، مرد و سلام بنا دگئی، پانی دزنی چیزوں کو غرق کرنے کے لئے ہے وہی کام کرے گا، اسی طرح دوسرے عناصر جو خاص خاص کاموں کے لئے ہیں اپنی مفوضہ خدمت میں لگے ہوئے ہیں، یہ اسباب طبعیہ کسی انسان کے لئے راحت و سہولت کے سامان بھی فراہم کرتے ہیں، اور کسی کے لئے مصیبت و آفت بھی بن جاتے ہیں۔

انہی اسباب ظاہرہ کی طرح مصائب و آفات اور راحت و سہولت میں مؤثر انسان کے اپنے اعمال خیر و شر بھی ہیں۔ جب دونوں ظاہری اور باطنی اسباب کسی فرد یا جماعت کی راحت و آرام اور سہولت و خوش عیشی پر جمع ہو جاتے ہیں تو اس فرد یا جماعت کو دنیا میں عیش و راحت مکمل طور پر حاصل ہوتی ہے جس کا مشاہدہ ہر شخص کرتا ہے۔ اس کے بالمقابل جس فرد یا جماعت کے لئے اسباب طبعیہ مادیہ بھی مصیبت و آفت لارہے ہوں اور اس کے اعمال بھی مصیبت و آفت کے مقتضی ہوں تو اس کی مصیبت و آفت بھی مکمل ہوتی ہے جس کا عام مشاہدہ ہوتا ہے۔

اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسباب طبعیہ مادیہ تو مصیبت و آفت پر مجتمع ہیں، مگر اس کے اعمال حسنہ باطنی طور پر راحت و سکون کے مقتضی ہیں ایسی صورت میں یہ اسباب باطنیہ اس کی ظاہری آفتوں کو دور کرنے یا کم کرنے میں صرف ہو جاتے ہیں اس کی عیش و راحت مکمل طور پر سامنے نہیں آتی۔ اسی طرح اس کے برعکس بعض اوقات اسباب مادیہ عیش و آرام کے مقتضی ہوتے ہیں مگر اسباب باطنیہ یعنی اس کے اعمال بُرے ہونے کی وجہ سے ان کا تقاضا مصیبت و آفت لانے کا ہوتا ہے، تو ان متضاد تقاضوں کی وجہ سے نہ عیش و راحت مکمل ہوتی ہے اور نہ بہت زیادہ مصیبت و آفت ان کو گھیرتی ہے۔

اسی طرح بعض اوقات مادی اسباب طبعیہ کو کسی بڑے درجہ کے نبی و رسول اور ولی و مقبول کے لئے ناسازگار بنا کر اس کی آزمائش و امتحان کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، اس تفصیل کو سمجھ لیا جائے تو آیات قرآن اور مذکورہ احادیث کا باہم ارتباط اور اتفاق واضح ہو جاتا ہے تعارض و تضاد کے شبہات رفع ہو جاتے ہیں واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم



مصائب کے وقت ابتلاء و امتحان مصائب و آفات کے ذریعہ جن لوگوں کو ان کے گناہوں یا سزا و عذاب میں مشرق ۔ کی کچھ سزا دی جاتی ہے، اور جن نیک لوگوں کو رفع درجات

یا کفارہ سیئات کے لئے بطور امتحان مصائب میں مبتلا کیا جاتا ہے، ظاہری صورت ابتلاء کی ایک ہی سی ہوتی ہے، ان دونوں میں فرق کیسے پہچانا جائے؟ اس کی پہچان حضرت شاہ ولی اللہؒ نے یہ لکھی ہے کہ جو نیک لوگ بطور ابتلاء و امتحان کے گرفتار مصائب ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے قلوب کو مطمئن کر دیتے ہیں، اور وہ ان مصائب و آفات پر ایسے ہی راضی ہوتے ہیں جیسے بیمار کڑوی دوا یا آپریشن پر باوجود تکلیف محسوس کرنے کے راضی ہوتا ہے، بلکہ اس کے لئے مال بھی خرچ کرتا ہے، سفارشیں ہتیا کرتا ہے۔ بخلاف اُن گنہگاروں کے جو بطور سزا و مبتلاء کئے جاتے ہیں ان کی پریشانی اور جزع و فزع کی حد نہیں رہتی، بعض اوقات ناشکری بلکہ کلمات کفر تک پہنچ جاتے ہیں۔

سیدی حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے ایک پہچان یہ بتلائی کہ جس مصیبت کے ساتھ انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اپنے گناہوں پر توبہ و استغفار کی رغبت زیادہ ہو جائے وہ علامت اس کی ہے کہ یہ قہر نہیں بلکہ ہسر اور عنایت ہے، اور جس کو یہ صورت نہ بنے بلکہ جزع و فزع اور معاصی میں اور زیادہ اہٹماک بڑھ جائے وہ علامت قہر الہی اور عذاب کی ہے۔ واللہ اعلم

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّياحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِيُنْفِثَكُمْ

اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والی اور تاکہ پھمائے تم کو کچھ مزہ

مِنْ رَحْمَتِهِ وَلِيَجَرِّيَ الْفُلُكَ بِأَمْرِهِ وَلِيَتَّبِعُوا مِنْ فَضْلِهِ

اپنی ہر بات کا اور تاکہ چلیں جہاز اس کے حکم سے اور تاکہ تلاش کرد اس کے فضل سے

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا

اور تاکہ تم حق مانو، اور ہم بھیج چکے ہیں تجھ سے پہلے کتنے رسول

إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَأَنْتَقِمْنَا مِنَ الَّذِينَ

اپنی اپنی قوم کے پاس سوہنے ان کے پاس نشانیاں لے کر پھر بدلہ لیا ہم نے ان سے جو



أَجْرُ مَوَاطٍ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۷﴾ اللَّهُ الَّذِي

گنہگار تھے اور حق ہے ہم پر مدد ایمان والوں کی، اللہ ہے جو

يُرْسِلُ الرِّيحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ

بھلاتا ہے ہوائیں پھر وہ اٹھاتی ہیں بادل کو پھر پھیلاتا ہے اس کو آسمان میں جس طرح چاہے

وَيَجْعَلُهُ كَسَفًا تَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ فَإِذَا أَصَابَ

اور رکھتا ہے اس کو تہہ بہ تہہ پھر تو دیکھے مینہ کو نکلتا ہے اس کے بیچ میں سے پھر جب اس کو پہنچاتا

بِهِ مِنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادَةٍ إِذَا هُمْ يَسْتَبِشِرُونَ ﴿۴۸﴾ وَإِنْ

ہے جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں تب ہی وہ لگتے ہیں خوشیاں کرنے، اور پہلے سے

كَانُوا مِنْ قَبْلُ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْهِمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمُبْلِسِينَ ﴿۴۹﴾

ہو رہے تھے اس کے اترنے سے پہلے ہی ناامید

فَانْظُرْ إِلَى أَشْرَاحَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

سو دیکھ لے اللہ کی ہر بات کی نشانیاں کیونکر زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مر گئے پیچھے،

إِنَّ ذَلِكَ لَمُسْحِي السَّوْتِ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۵۰﴾ وَلَئِنْ

بیشک وہی ہر مردوں کو زندہ کرنے والا اور وہ ہر چیز کر سکتا ہے، اور اگر ہم

أَرْسَلْنَا رِيحًا فَرَأَوْهُ مُصْفًى الظَّالِمُ مِنْ بَعْدِ يَكْفُرُونَ ﴿۵۱﴾

بھیجیں ایک ہوا پھر دیکھیں وہ کھیتی کو کہ زرد پڑ گئی تو لگیں اس کے پیچھے ناشکری کرنے

فَإِنَّكَ لَا تَسْمِعُ السَّوْتِ وَلَا تَسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا أُولُوا

سو تو سنا نہیں سکتا مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو پکارنا جب کہ پھیریں

مُدْبِرِينَ ﴿۵۲﴾ وَمَا أَنْتَ بِهَذَا الْعُلِيِّ عَنْ صَلَاتِهِمْ إِنَّ تَسْمِعُ

پیٹھ دے کر، اور نہ تو راہ نبھائے اندھوں کو ان کے بھٹکنے سے، تو تو سنائے

إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۵۳﴾

اسی کو جو یقین لائے ہماری باتوں پر سو وہ مسلمان ہوتے ہیں



## خلاصہ تفسیر

اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و وحدت و نعمت کی (نشانوں میں سے ایک یہ بھی) ہو کہ وہ بارش سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ (بارش کی) خوش خبری دیتی ہیں پس ان کا بھیجنا ایک توجہ خوش کرنے کے لئے ہوتا ہے اور (نیز اس واسطے) تاکہ (اس کے بعد بارش ہو اور) تم کو اپنی (اس) رحمت (بارش) کا مزہ چکھا دے (یعنی بارش کے فوائد عنایت فرما دے) اور (نیز اس واسطے) تاکہ (اس کے ذریعے سے بادبانی) کشتیاں اس کے حکم سے چلیں اور تاکہ (اس ہوا کے ذریعے سے بواسطہ کشتی دریا کے سفر سے) تم اس کی روزی تلاش کرو (یعنی کشتیوں کا چلنا اور روزی تلاش کرنا دونوں ارسال ریاح سے حاصل ہوتے ہیں اول بلا واسطہ اور ثانی بواسطہ کشتی کے) اور تاکہ تم شکر کرو اور (ان دلائل بالغہ اور نعم سابغہ پر بھی یہ شرکین حق تعالیٰ کی جو ناشکریاں کرتے ہیں، یعنی شرک اور مخالفت رسولؐ، اور ایذا مؤمنین وغیرہ، تو آپ اس پر غمگین نہ ہوں، کیونکہ ہم عنقریب ان سے انتقام لینے والے اور اس میں ان کو مغلوب اور اہل حق کو غالب کرنے والے ہیں جیسا کہ پہلے بھی ہوا ہے چنانچہ) ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبران کی قوموں کے پاس بھیجے اور وہ ان کے پاس دلائل (ثبوت حق کے) لے کر آئے (جس پر بعض ایمان لائے اور بعض نہ لائے) سو ہم نے ان لوگوں سے انتقام لیا جو مرتکب جرائم کے ہوئے تھے (اور وہ جرائم تکذیب حق و مخالفت اہل حق ہیں اور اس انتقام میں ہم نے ان کو مغلوب اور اہل ایمان کو غالب کیا) اور اہل ایمان کو غالب کرنا (حسب وعدہ و عادت) ہمارے ذمہ تھا (وہ انتقام عذاب الہی تھا اور اس میں کفار کا ہلاک ہونا یا ان کا مغلوب ہونا ہے اور مسلمانوں کا بچ جانا ان کا غالب آنا ہے) غرض اسی طرح ان کفار سے انتقام لیا جائے گا، خواہ دنیا میں خواہ بعد موت اور یہ مضمون تسلی کا بطور جملہ معترضہ کے تھا آگے ارسال ریاح کے بعضے آثار مذکورہ بالا جمال کی تفصیل ہے کہ اللہ ایسا (قادر و حکیم و منعم) ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے پھر وہ (ہوائیں) بادلوں کو جو کہ کبھی ان ہواؤں سے پہلے بخارات اٹھ کر بادل بن چکے ہیں اور کبھی وہ بخارات اپنی ہواؤں سے بلند ہو کر بادل بن جاتے ہیں پھر وہ ہوائیں بادلوں کو ان کی جگہ سے یعنی فضا سے آسمانی سے یا زمین سے، اٹھاتی ہیں پھر اللہ تعالیٰ اس (بادل) کو (کبھی تو) جس طرح چاہتا ہے آسمان (یعنی فضا سے آسمانی) میں پھیلا دیتا ہے، اور (کبھی) اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے (بسط کا مطلب یہ ہے کہ مجتمع کر کے دور تک پھیلا دیتا ہے اور کیف یشاء کا



مطلب یہ ہے کہ کبھی تھوڑی دور تک کبھی بہت دور تک اور کسفا کا مطلب یہ کہ مجتہد نہیں ہوتا متفرق رہتا ہے پھر (دونوں حالت میں) تم مینہ کو دیکھتے ہو کہ اس (بادل) کے اندر سے نکلتا ہے (مجمع بادل سے برسات تو بکثرت ہے اور بعض موسموں میں اکثر بارش متفرق بدلیوں سے بھی ہوتی ہے) پھر (بادل سے نکلنے کے بعد) جب وہ (مینہ) اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے پہنچا دیتا ہے تو بس وہ خوشیاں کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ قبل اس کے کہ ان کے خوش ہونے سے پہلے اُن پر برسے (بالکل ہی) ناامید (ہو رہے) تھے یعنی ابھی ابھی ناامید تھے اور ابھی خوش ہو گئے۔ اور ایسا ہی مشاہدہ بھی ہے کہ انسان کی کیفیت ایسی حالت میں بہت جلدی جلدی بدل جاتی ہے (سو (ذرا) رحمت الہی (یعنی بارش) کے آثار (تو) دیکھو کہ اللہ تعالیٰ (اس کے ذریعہ سے) زمین کو اس کے مردہ (یعنی خشک) ہونے کے بعد کس طرح زندہ (یعنی تروتازہ) کرتا ہے (اور یہ بات نعمت اور دلیل وحدت ہونے کے علاوہ اس کی بھی دلیل ہے کہ اللہ کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر پوری قدرت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس خدا نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا) کچھ شک نہیں کہ وہی (خدا) مردوں کو زندہ کرنے والا ہے (پس عقلاً ممکن ہونے میں دونوں برابر اور قدرت ذاتی دونوں کے ساتھ برابر اور مشاہدہ میں دونوں کاموں کا یکساں ہونا یہ سب چیزیں اس استبعاد کو دفع کرنے والی ہیں کہ مرنے کے بعد پھر کیسے زندہ ہوں گے) اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے (یہ مضمون احیاء موتی کا بمناسب حیات ارض کے جملہ معترضہ تھا) اور آگے پھر بارش و ریح کے متعلق مضمون ہے جس میں اہل غفلت کی ناشکری کا بیان ہے۔ یعنی اہل غفلت ایسے حق ناشناس و ناسپاس ہیں کہ اتنی بڑی بڑی نعمتوں کے بعد اگر ہم ان پر اور (قسم کی) ہوا چلا دیں پھر (اس ہوا سے) یہ لوگ کھیتی کو خشک اور زرد دیکھیں کہ اس کی سبزی اور شادابی جاتی رہی تو یہ اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں اور پھلی نعمتیں سب طاق نسیاں میں رکھ دیں (سو جب ان کی غفلت اور ناشکری پر اقدام اس درجہ میں ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ بالکل ہی بے حس ہیں تو ان کے عدم ایمان و عدم تدبیر پر غم بھی بے کار ہے کیونکہ) آپ مردوں کو (تو) نہیں سنا سکتے اور بہروں کو (بھی) آواز نہیں سنا سکتے (خصوصاً) جب کہ پیٹھ پھیر کر چل دیں (کہ اشارہ کو بھی نہ دیکھیں) اور اسی طرح) آپ (ایسے) اندھوں کو (جو کہ بصیر کا اتباع نہ کریں) اُن کی بے راہی سے راہ پر نہیں لاسکتے (یعنی یہ تو مآذات الحواس والی حیوۃ کے مشابہ ہیں) آپ تو بس ان کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں کا یقین رکھتے ہیں (اور) پھر وہ مانتے (بھی) ہیں (اور جب یہ لوگ مردوں بہروں اندھوں کے مشابہ ہیں پھر ان کو توقع ایما کی نہ رکھتے اور غم بھیجے)



## معارف و مسائل

فَاتَّقِمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ۝

”ہم نے مجرموں کا فردوں سے انتقام لے لیا اور ہمارے ذمہ تھا کہ ہم مؤمنین کی مدد کرتے ہیں۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مؤمنین کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ اس کا تقاضا بظاہر یہ تھا کہ مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ میں کبھی شکست نہ ہو، حالانکہ یہ کئی واقعات اس کے خلاف بھی ہوئے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں۔ اس کا جواب خود اسی آیت میں موجود ہے کہ مؤمنین سے مراد وہ مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں جو خالص اللہ کے لئے کفار سے جنگ کرتے ہیں، ایسے لوگوں کا ہی انتقام اللہ تعالیٰ مجرمین سے لیتے ہیں اور ان کو غالب کرتے ہیں جہاں کہیں اس کے خلاف کوئی صورت پیش آتی ہے وہاں عموماً مجاہدین کی کوئی لغزش ان کی شکست کا سبب بنتی ہے جیسے غزوہ اُحد کے متعلق خود قرآن کریم میں ہے اِنَّكَ اَسْتَرَزَلْتَهُمُ الشَّيْطَانُ يَبْغِضُ مَا كَسَبُوا ۝ یعنی شیطان نے ان لوگوں کو لغزش دے دی، ان کے بعض اعمال کی غلطی کے سبب۔ اور ایسے حالات میں بھی انجام کار اللہ تعالیٰ پھر انہی کو غلبہ اور فتح عطا فرمادیتے ہیں، جبکہ ان کو اپنی غلطی پر تنبیہ ہو جائے جیسا غزوہ اُحد میں ہوا۔ اور جو لوگ محض اپنا نام مؤمن مسلمان رکھ لیں، احکام خداوندی سے غفلت و سرکشی کے عادی ہوں، اور غلبہ کفار کے وقت بھی اپنے گناہوں سے تائب نہ ہوں وہ اس وعدہ میں شامل نہیں، وہ نصرت الہیہ کے مستحق نہیں ہیں۔ یوں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بغیر کسی استحقاق کے بھی نصرت و غلبہ عطا فرمادیتے ہیں، اس کی امید رکھنا اور اس سے دعا مانگنا ہر حال میں مفید ہی مفید ہے۔

فَاِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتٰی، اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے رہا یہ معاملہ کہ مردوں میں سننے کی صلاحیت ہے یا نہیں اور عام مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں یا نہیں؟ اس مسئلہ کی مختصر تحقیق معارف القرآن سورۃ نمل کی تفسیر میں گزر چکی ہے، اور مکمل تحقیق احقر کے مستقل رسالہ بزبان عربی میں ہے جس کا نام بحیل الجبۃ لبسار اہل القبور ہے، اور جو احکام القرآن بزبان عربی کے حزب خاص کا جز ہو کر شائع ہو چکا ہے۔



اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً

اللہ جس نے بنایا تم کو کمزوری سے پھر دیا کمزوری کے پیچھے زور

ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ

پھر دے گا زور کے پیچھے کمزوری اور سفید بال بناتا ہے جو کچھ چاہے اور وہ

الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ ﴿۵۴﴾ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ

ہر سب کچھ جانتا کر سکتا ، اور جس دن قائم ہوگی قیامت قسمیں کھائیں گنہگار ،

مَا لَبِئُوا غَيْرَ سَاعَةٍ كَذَلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ ﴿۵۵﴾ وَقَالَ الَّذِينَ

کہ ہم نہیں رہے تھے ایک گھڑی سے زیادہ اسی طرح تھے اُلٹے جاتے ، اور کہیں گے جن کو

أَوْتُوا الْعِلَّ وَالْإِيمَانِ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ

ملی ہے سمجھ اور یقین تمہارا اٹھنا تھا اللہ کی کتاب میں جی اٹھنے کے

الْبَعْثِ زُفَّ هَذَا أَيَوْمُ الْبَعْثِ وَلَكُمْ كُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۵۶﴾

دن تک سو یہ ہے اٹھنے کا دن پر تم نہیں تھے جانتے ،

فَيَوْمَئِذٍ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَمْعَنَ رُءُوسِهِمْ وَلَا هُمْ

اس دن کام نہ آئے گا اُن گنہگاروں کو قصور بخشوانا اور نہ اُن سے

يَسْتَعْتَبُونَ ﴿۵۷﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ

کوئی نمونہ چاہے ، اور ہم نے بٹھلائی ہے آدمیوں کے واسطے اس قرآن میں

مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِآيَةٍ لَيَقُولُنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

ہر ایک طرح کی مثال ، اور جو تو لائے ان کے پاس کوئی آیت تو ضرور کہیں وہ منکر

إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مَبْطُلُونَ ﴿۵۸﴾ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الَّذِينَ لَا

تم سب جھوٹ بناتے ہو ، یوں ہر گاہ دیتا ہے اللہ ان کے دلوں پر جو سمجھ

يَعْلَمُونَ ﴿۵۹﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ عَذَابَ اللَّهِ خِيفَةٌ لِلَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ﴿۶۰﴾

نہیں رکھتے ، سو تو قائم رہ بیشک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہوا اور کھاڑ نہ دیں تجھ کو وہ لوگ جو یقین نہیں لاتے



## خلاصہ تفسیر

اللہ ایسا ہے جس نے تم کو ناتوانی کی حالت میں بنایا اور اس سے ابتدائی حالت بچیں کی ہے، پھر (اس) ناتوانی کے بعد توانائی (یعنی جوانی) عطا کی پھر (اس) توانائی کے بعد ضعف اور بڑھاپا کیا (اور) وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ (ہر تصرف کو) جاننے والا اور اس تصرف کے نافذ کرنے پر قدرت رکھنے والا ہے پس جو ایسا قادر ہو اس کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ یہ تو بیان تھا بعثت کے امکان کا، اور آگے اس کے وقوع کا بیان ہے یعنی جس روز قیامت ہوگی محسوس (یعنی کافر) لوگ (وہاں کی ہول و ہیبت پریشانی کو دیکھ کر) قیامت کی آمد کو غایت درجہ ناگوار سمجھ کر (قسم کھا بیٹھیں گے کہ) قیامت بہت جلدی آگئی اور (وہ لوگ) یعنی ہم لوگ عالم برزخ میں (ایک ساعت سے زیادہ نہیں رہے) یعنی جو میعاد قیامت کے آنے کی معسر تھی وہ بھی پوری نہ ہونے پائی کہ قیامت آپہنچی جیسا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ اگر پھانسی والے کی میعاد ایک ماہ مقرر کی جائے تو جب مہینہ گزر چکے گا تو اس کو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا مہینہ نہیں گزرا اور مصیبت جلدی آگئی، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) اسی طرح یہ لوگ (دنیا میں) اٹے چلا کرتے تھے (یعنی جس طرح یہاں آخرت میں قیامت کے قبل از وقت آجانے پر قسمیں کھانے لگے، اسی طرح دنیا میں قیامت کے وجود ہی کے منکر تھے) نہ آنے پر قسمیں کھایا کرتے تھے اور جن لوگوں کو ایمان اور علم عطا ہوا ہے (مراد اہل ایمان ہیں کہ اخبار شرعیہ کا علم ان کو حاصل ہے) وہ (ان مجرمین کے جواب میں) کہیں گے کہ ہم برزخ میں میعاد سے کم تو نہیں رہے، تمہارا یہ دعویٰ غلط ہے بلکہ تم تو (میعاد) نوشتہ خداوندی کے موافق قیامت کے دن تک رہے، سو قیامت کا دن یہی ہے، (جو میعاد مقرر تھی برزخ میں رہنے کی) (لیکن) وجہ اس بات کی کہ قیامت کو میعاد سے پہلے آیا ہوا سمجھتے ہو یہ ہے کہ تم (دنیا میں قیامت کے وقوع کا) یقین (اور اعتقاد) نہ کرتے تھے بلکہ تکذیب و انکار کیا کرتے تھے اس انکار کے وبال میں آج پریشانی کا سامنا ہوا اس وجہ سے گھبرا کر یہ خیال ہوا کہ ابھی تو میعاد پوری بھی نہیں ہوئی اور اگر تصدیق کرتے اور ایمان لے آتے تو اس کے وقوع کو جلدی نہ سمجھتے بلکہ یوں چاہتے کہ اس سے بھی جلدی آجائے، کیونکہ انسان جب اس سے کسی راحت و آرام کا وعدہ ہو تو طبعی طور پر اس کا جلدی آنا چاہتا ہے اور انتظار شاق اور اس کی مدت طویل معلوم ہوا کرتی ہے۔ جیسا حدیث میں بھی ہے



کہ کافر قبر میں کہتا ہے رَبِّ لَا تُقِمِ السَّاعَةَ اور مومن کہتا ہے رَبِّ اَقِمِ السَّاعَةَ، اور مومنین کے اس جواب سے بھی جو یہاں مذکور ہے کہ مقام برزخ کو انہوں نے بہت سمجھا ہے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ مشتاق تھے، اس لئے چاہتے تھے کہ جلد آجائے (غرض اس روز ظالموں و یعنی کافروں کی پریشانی اور مصیبت کی یہ کیفیت ہوگی کہ ان کو ان کا کسی قسم کا جھوٹا سچا) عذر کرنا نفع نہ دے گا اور نہ اُن سے خدا کی خفگی کا تدارک چاہا جائے گا (یعنی اس کا موقع نہ دیا جائے گا کہ توبہ کر کے خدا کو راضی کر لیں) اور ہم نے لوگوں (کی ہدایت) کے واسطے اس قرآن (کے مجموعہ یا اس کے اس خاص جزو یعنی اس سورۃ) میں ہر طرح کے عمدہ (اور عجیب) مضامین (ضروریہ) بیان کئے ہیں (جو اپنی بلاغت اور کمال کی وجہ سے مقتضی اس کو ہیں کہ ان کافروں کو ہدایت ہو جاتی، مگر ان لوگوں نے غایت عناد سے اس کو قبول نہ کیا اور اس سے منتفع نہ ہوئے) اور قرآن کی کیا تخصیص ہے ان لوگوں کا عناد اس درجہ بڑھ گیا ہے کہ اگر قرآن کے علاوہ ان معجزات سے جن کی یہ خود فرمائش کیا کرتے ہیں، آپ اُن کے پاس کوئی نشان لے آئیں تب بھی یہ لوگ جو کہ کافر ہیں یہی کہیں گے کہ تم سب (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین جو آیات تشرعیہ و تکوینیہ کی تصدیق کرتے ہیں) نرے اہل باطل ہو، پیغمبر کو سحر کی ہمت لگا کر صاحب باطل کہیں اور مسلمانوں کو سحر کی تصدیق کرنے سے اہل باطل کہیں اور ان لوگوں کے اس عناد کے بارے میں اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ (باوجود مکرر نشانیاں اور دلائل حق ظاہر ہونے کے) یقین نہیں کرتے (اور نہ اس کے چل کرنے کی کوشش کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر یوں ہی چہر کر دیا کرتا ہے (جیسا کہ ان کے دلوں پر ہو رہی ہے، یعنی روزانہ استعداد قبول حق کی مضحک و ضعیف ہوتی جاتی ہے، اس لئے انقیاد میں ضعف اور عناد میں قوت بڑھتی جاتی ہے) سو جب یہ ایسے معاندین ہیں تو ان کی مخالفت اور ایذا رسانی اور بدکلامی وغیرہ پر آپ صبر کیجئے بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ (کہ آخر میں یہ ناکام اور اہل حق کامیاب ہوں گے) سچا ہے (وہ وعدہ ضرور واقع ہوگا پس صبر و تحمل تھوڑے ہی دن کرنا پڑتا ہے) اور یہ بدیقین لوگ آپ کو بے برداشت نہ کرنے یا نہیں (یعنی ان کی طرف سے خواہ کیسی ہی بات پیش آئے مگر ایسا نہ ہو کہ آپ برداشت نہ کریں) :



## معارف و مسائل

اس سورت کا بڑا حصہ منکرین قیامت کے شبہات کے ازالہ سے متعلق ہے جس کے لئے حق تعالیٰ کی قدرت مطلقہ کا ملکہ اور حکمت بالغہ کی بہت سی آیات اور نشانیاں دکھلا کر غافل انسان کو غفلت سے بیدار کرنے کا سامان کیا گیا ہے۔ مذکورہ صدر پہلی آیت میں ایک نئے انداز سے اسی مضمون کا اثبات ہے وہ یہ کہ انسان اپنی طبیعت سے جلد باز واقع ہوا ہے اور سامنے کی چیزوں میں لگ کر ماضی و مستقبل کو بھلا دینے کا عادی ہے، اور اس کی یہی عادت اس کو بہت سی ہلک غلطیوں میں مبتلا کرتی ہے۔ جس وقت انسان جوان ہوتا ہے اس کی قوت اپنے شباب پر ہوتی ہے، یہ اپنی قوت کے نشہ میں کسی کو کچھ نہیں سمجھتا، حدود پر قائم رہنا اس کو دُوبھر معلوم ہوتا ہے۔ اس کو متنبہ کرنے کے لئے اس آیت میں قوت و ضعف کے اعتبار سے انسانی وجود کا ایک مکمل خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں دکھلایا ہے کہ انسان کی ابتداء بھی کمزور ہے، اور انتہاء بھی، درمیان میں بہت تھوڑے دنوں کے لئے اس کو ایک قوت ملتی ہے۔ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اس چند روزہ قوت کے زمانہ میں اپنی پہلی کمزوری اور آنے والی کمزوری سے کبھی غافل نہ ہو، بلکہ اپنی اس کمزوری کے مختلف درجات کو ہمیشہ سامنے رکھے جن سے گذر کر یہ قوت و شباب تک پہنچا ہے۔

خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ میں انسان کو یہی سبق دیا گیا کہ اپنی اصل بنیاد کو دیکھ کر قدر ضعیف بلکہ عین ضعف ہے کہ ایک قطرہ بے جان، بے شعور، ناپاک، گھناؤنی چیز ہے۔ اس میں غور کر کہ کس کی قدرت و حکمت نے اس گھناؤنے قطرہ کو ایک خون منجمد کی صورت میں پھر خون کو گوشت کی صورت میں پھر اس گوشت کے اندر ہڈیاں پیوست کرنے میں تبدیل کیا۔ پھر اس کے اعضاء و جوارح کی نازک نازک مشینیں بنائیں کہ یہ ایک چھوٹا سا وجود ایک چلتی پھرتی فیکٹری بن گیا، جس میں سیکڑوں عجیب غریب خود کار مشینیں لگی ہوئی ہیں۔ اور زیادہ غور سے کام لو تو ایک فیکٹری نہیں بلکہ ایک عالم اصغر ہے کہ پورے جہان کے نمونے اس کے وجود میں شامل ہیں۔ اس کی تخلیق و تکوین بھی کسی بڑے درکشاپ میں نہیں، بلکہ بطن مادر کی تین اندھیروں میں ہوئی۔ اور نو مہینے اسی تنگ و تاریک جگہ میں بطن مادر کے خون اور لاشوں سے غذا پاتے ہوئے حضرت انسان کا وجود تیار ہوا۔

ثُمَّ السَّبِيلَ يَسْرُهُ، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ظہور کے لئے راستہ آسان فرمادیا۔ اس عالم میں آئے تو ان کی شان یہ تھی کہ اَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ اُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ



شَيْئًا، یعنی تمہیں شکم مادر سے اللہ تعالیٰ نے اس ہاست میں نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے، اب قدرت نے تعلیم و تلقین کا سلسلہ شروع کیا، سب پہلا ہنر رونے کا سکھایا جس سے ماں باپ متوجہ ہو کر اس کی بھوک پیاس اور ہر تکلیف کو دور کرنے پر لگ جاتیں۔ پھر ہونٹوں، مسوڑوں کو دو باکریاں کی چھاتیوں سے دودھ نکالنے کا ہنر سکھایا، جس سے وہ اپنی غذا حاصل کرے۔ کس کی مجال تھی جو اس لا یعقل بچے کو یہ دونوں ہنر سکھا دے جو اس کی موجودہ ساری ضرورتوں کی کفالت کرتے ہیں، بجز اس قدرت کے جو اس کی تخلیق کی مالک ہے۔ اب ضعیف بچہ ہے ذرا ہوا لگ جائے تو پڑ مردہ ہو جائے، ذرا سردی یا گرمی لگ جائے تو بیمار ہو جائے نہ اپنی کسی ضرورت کو مانگ سکتا ہے، نہ کسی تکلیف کو دور کر سکتا ہے۔ یہاں سے چلے اور جوانی کے عالم تک اس کی تدریجی منازل تک غور کرتے جائیے تو قدرت حق جل شانہ کا ایسا عظیم شاہکار سامنے آئے گا کہ عقل حیران رہ جائے گی۔

ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً، اب یہ قوت کی منزل میں پہنچے تو زمین آسمان کے قلابے ملانے لگے، چاند اور مریخ پر کمند پھینکنے لگے، بحر و بر اپنے قبضے جانے لگے، اپنے ماضی مستقبل سے غافل ہو کر مَنَ آئندہ مِنَّا قُوَّةً (ہم سے زیادہ کون قوی ہو سکتا ہے) کے نعرے لگانے لگے۔ یہاں تک کہ اسی قوت کے نشہ میں اپنے پیدا کرنے والے کو بھی مجھول گئے اور اس کے احکام کی پیروی کو بھی۔ مگر قدرت نے اس کو بیدار کرنے کے لئے فرمایا: ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً، کہ غافل! خوب سمجھ لے کہ یہ قوت تیری چند روزہ ہے۔ پھر اسی ضعف کے عالم کی طرف لوٹنا ہے، اور اسی تدریج سے ضعف بڑھتا شروع ہو گا جس کا اثر ایک وقت کے بعد شیبہ بالوں کی سفیدی کی صورت میں ظاہر ہو گا۔ اور پھر سب ہی اعضا، وجوہ کی شکل و صورت میں تبدیلیاں لائے گا۔ دنیا کی تاریخ اور دوسری کتابیں نہیں خود اپنے وجود میں لکھی ہوئی اس مخفی تحریر کو پڑھ لو تو اس لقین کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہو گا کہ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ، کہ یہ سب کار سازی اس رب العزت کی ہے جو پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے، جس طرح چاہتا ہے اور علم میں بھی سب بڑا ہے اور قدرت میں بھی۔ کیا اس کے بعد بھی اس میں کچھ شبہ کی گنجائش رہے گی، کہ وہ جب چاہے مردوں کو دوبارہ بھی زندہ کر سکتا ہے۔

آگے پھر منکرین قیامت کی لغو گوئی اور ان کی چہالت کا بیان ہے، وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ السَّجِرُ مَوْنًا لِّمَنْ لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ۔ یعنی جس روز قیامت قائم ہوگی تو یہ منکرین قیامت اس وقت کے ہولناک مناظر سے مدہوش ہو کر یہ قسمیں کھائے لگیں گے



کہ ہمارا قیام تو ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہا۔ مراد اس قیام سے ہو سکتا ہے کہ دنیا کا قیام ہو کیونکہ ان کی دنیا آرام و عیش سے گزری تھی اور اب مصائب شدیدہ سامنے آئے تو جلیے انسان کی طبعی عادت ہے کہ راحت کے زمانے کو بہت مختصر سمجھا کرتا ہے اس لئے قسمیں کھا جائیں گے کہ دنیا میں تو ہمارا قیام بہت ہی مختصر ایک گھڑی کا تھا۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس قیام سے مراد قبر اور برزخ کا قیام ہو، اور مطلب یہ ہو کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ قبر یعنی عالم برزخ میں قیام بہت طویل ہوگا اور قیامت بہت زما کے بعد آئے گی، مگر معاملہ برعکس ہو گیا، کہ ہم برزخ میں تھوڑے ہی دیر ٹھہرنے پائے تھے کہ قیامت آگئی۔ اور یہ جلدی آنا ان کو اس بناء پر محسوس ہوگا کہ قیامت میں ان کے لئے کوئی خوشی و راحت کی چیز تو تھی نہیں، مصیبت ہی مصیبت تھی۔ اور انسانی فطرت یہ ہے کہ مصیبت آنے کے وقت پچھلی راحت کے زمانے کو بہت مختصر سمجھنے لگتا ہے اور کافروں کو اگرچہ قبر و برزخ میں بھی عذاب ہوگا مگر قیامت کے عذاب کے مقابلہ میں وہ بھی رحمت محسوس ہونے لگے گا، اور اس زمانے کو مختصر سمجھ کر قسم کھائیں گے کہ قبر میں ہمارا قیام بہت مختصر ایک گھڑی کا تھا۔

کیا محشر میں اللہ کے سامنے اس آیت سے معلوم ہوا کہ محشر میں کفار قسم کھا کر یہ جھوٹ کوئی جھوٹ بول سکے گا؟ بولیں گے کہ ہم تو دنیا میں یا قبر میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے، اسی طرح ایک دوسری آیت میں مشرکین کا یہ قول مذکور ہے کہ وہ قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم مشرک نہیں تھے وَاللّٰهِ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ۔ وجہ یہ ہے کہ محشر میں رب العالمین کی عدالت قائم ہوگی وہ سب کو آزادی دیں گے کہ جو چاہے بیان دے، جھوٹ بولے یا سچ بولے۔ کیونکہ رب العزت کو ذاتی علم بھی پورا پورا ہے، اور عدالتی تحقیقات کے لئے وہ ان کے اقرار کرنے نہ کرنے کا محتاج نہیں، جب انسان جھوٹ بولے گا تو اس کے منہ پر جہر لگا دی جائے گی، اور اس کے ہاتھ پاؤں اور کھال بال سے شہادت لی جاوے گی وہ سچ سچ سارا واقعہ بیان کر دیں گے، جس کے بعد اس کو کوئی حجت باقی نہ رہے گی، اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَنْهُمْ فُوْهُهُمْ وَنَكَلِّمُهُمْ اٰیٰتِنَا اَلٰیةً کَاۤیۡسٰی مَطْلُب ہے۔ اور قرآن کریم کی دوسری آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ محشر میں مختلف مواقع ہوں گے، ہر موقف کے حالات الگ ہیں۔ ایک موقف وہ بھی ہوگا جس میں بغیر اذن الہی کسی کو بولنے کا اختیار نہ ہوگا اور وہ صرف سچ اور صحیح بات ہی بول سکے گا، جھوٹ پر قدرت نہ ہوگی، جیسا ارشاد ہے: لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مِّنْ اِذْنِ لِّهِ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ



صواباً۔

قبر میں کوئی جھوٹ نہ بول سکے گا | اس کے برخلاف قبر کے سوال و جواب میں احادیث صحیحہ میں مذکور ہے کہ جب کافر سے پوچھا جائے گا کہ تیرا رب کون ہے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ تو وہ کہے گا، کھلاؤ کھلاؤ آذرچی، یعنی ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا اگر وہاں جھوٹ بولنے کا اختیار ہوتا تو کیا مشکل تھا، کہہ دیتا کہ میرا رب اللہ ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ تو یہ ایک عجیب بات ہے کہ کافر لوگ اللہ کے سامنے تو جھوٹ بولنے پر قادر ہوں اور فرشتوں کے سامنے جھوٹ نہ بول سکیں۔ مگر غور کیا جائے تو کچھ تعجب کی بات نہیں، وجہ یہ ہے کہ فرشتے نہ تو عالم الغیب ہیں، نہ ان کو یہ اختیار ہے کہ ہاتھ پاؤں کی گواہی لے کر اس پر حجت تمام کر دیں، اگر ان کے سامنے جھوٹ بولنے کا اختیار ہوتا تو سب کافر فاجر عذاب قبر سے بے فکر ہو جاتے، بخلاف اللہ جلّ شانہ کے کہ وہ دلوں کے حال سے بھی واقف ہیں۔ اور اعضاء و جوارح کی شہادت سے اس کا جھوٹ کھول دینے پر قادر بھی ہیں۔ اس لئے محشر میں یہ آزادی دے دینا عدالتی انصاف میں کوئی خلل پیدا نہیں کرتا۔ واللہ اعلم۔

مَکَمَہ

سورۃ الروم بحج الشرفی یوم التبت ۲۸ ذیقعد ۱۳۹۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم